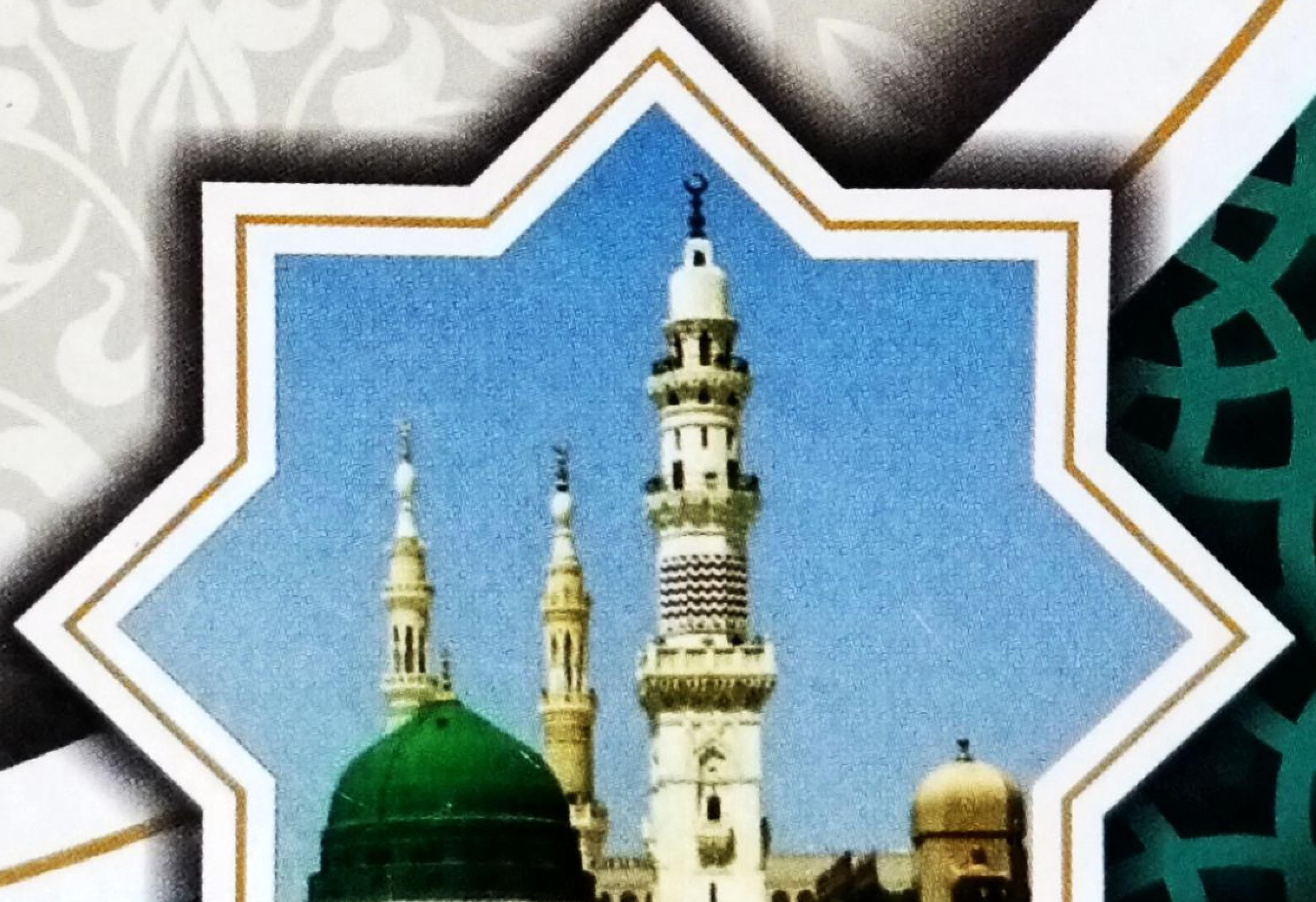
وَلَا تَقُولُوا لِمَن يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ
بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَٰكِن لَّا تَشْعُرُونَ (القرآن)

الأنبياء أحياء في قبورهم يصلون (الحديث)

مجموعہ کتب

حیات الانبیاء علیہم السلام

۴



مکتبہ سراجیہ لنشر الکتب الاسلامیہ
حضوری باغ روڈ، ملتان فون: 061-4783486

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ
بَلْ أَحْيَاءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ (القرآن)

اَلْاَنْبِيَاءُ أَحْيَاءٌ فِيْ قُبُوْرِهِمْ يُصَلُّوْنَ (الحدیث)

مجموعہ کُتب

حیات الانبیاء علیہم السلام

۴

۳۲ مقام حیات المسمّٰی بہ مَدَارِکُ الْاَذْکِیَاءِ فِیْ حَیَاۃِ الْاَنْبِیَاءِ علیہم السلام

مکین گنبد خضراء کی حیات برزخی کا بیان

(جلد اوّل)

(جلد دوم)

مکتبۃ حجیۃ لنشر الکتب الاسلامیۃ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نام کتاب : مجموعہ کتب حیات الانبیاء علیہم السلام (جلد چہارم)

مصنف : محقق العصر حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود رحمہ اللہ مانچسٹر

صفحات : ۵۳۶

مطبع : طیب شمشاد پرنٹنگ پریس لاہور

طبع اوّل : نومبر ۲۰۲۴ء

اسٹاکسٹ : ادارہ تالیفات اشرفیہ چوک فوارہ ملتان

0322-6180738

ناشر : مکتبہ سراجیہ لنشر الکتب الاسلامیہ

حضوری باغ روڈ ملتان

0301-7500173 0303-7396203

0301-7904257 0344-7121967

اجمالی فہرست

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ
بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ (القرآن)

اَلْاَنْبِيَاءُ اَحْيَآءٌ فِيْ قُبُوْرِهِمْ يُصَلُّوْنَ (الحدیث)

مُقامِ حیات

المسمّٰی بہ

مَدَارِكُ الاَذكِيَاءِ فِي حَيَاةِ الاَنبِيَاءِ علیہم السلام

مکین گنبد خضراء کی حیات برزخی کا بیان

(جلد اوّل)

تالیف:

محقق العصر، جسٹس
حضرت علّامہ ڈاکٹر خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ
ڈائریکٹر اسلامک اکیڈمی مانچسٹر

فَقُلْ لِلْعُیُوْنِ الرُّمْدِ اِیَّاکِ اَنْ تَرٰی سَنَا الشَّمْسِ فَاسْتَغْشِیْ ظَلَامَ اللَّیَالِیَا

گرد آلود آنکھوں سے کہہ دو کہ اگر وہ آفتاب کی روشنی کو نہیں دیکھ سکتیں تو راتوں کی تاریکیاں اپنے اوپر اوڑھ لیں

مقام حیات

المسمّٰی بہ

جلد اول

مدارک الاذکیاء فی حیاۃ الانبیاء علیہم السلام

مکین گنبد خضرا کی حیات برزخی کا بیان

تالیف

محقق العصر، جسٹس

حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود دامت برکاتہم العالیہ

ڈائریکٹر اسلامک اکیڈمی مانچسٹر

محمود پبلی کیشنز اسلامک ٹرسٹ لاہور

جامعہ ملیہ اسلامیہ محمود کالونی شاہدرہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تفصیلی فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(حرفے چند)

حضرت مولانا علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ

پیدائش: ۱۹۲۵ء ...... وفات: ۱۴رمئی ۲۰۲۰ء

حضرت مولانا علامہ ڈاکٹر خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ اپنے دور کے عبقری انسان تھے۔ تحریر و تقریر، حافظہ اور حاضر جوابی میں اپنی مثال آپ تھے۔ آپ نے ۱۹۶۲ء میں یہ کتاب لکھی جس کا نام "مدارك الاذكياء فی حياة الانبياء علیہم السلام، مکین گنبد خضراء کی حیات برزخی کا بیان" المعروف "مقام حیات" تجویز کیا جو انکار حیات النبی ﷺ کے پاکستان میں قضیہ کھڑا ہونے کے بعد ابتدائی کتب میں شمار ہوتی ہے۔ پہلا ایڈیشن مختصر کتابچہ تھا۔ پھر ہر ایڈیشن میں اضافہ ہوتا رہا۔ حضرت علامہ مرحوم کے آخری دور حیات میں یہ کتاب دو جلدوں میں شائع ہوئی جو نو سو ساٹھ صفحات کی حامل ہوگئی۔ اس آخری ایڈیشن کی مکمل دونوں جلدوں کو اس مجموعہ کی جلد ہذا نمبر چار میں یکجا شامل اشاعت کیا جا رہا ہے۔ (ناشر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مخدوم العلماء، جامع شریعت و طریقت

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ

کا مؤلف ''مقامِ حیات'' کے نام ۱۹۶۲ء کا ایک خط

حضرت محترم زید مجدکم السامی:

سلام مسنون نیاز مقرون، گرامی نامہ باعث شرف ہوا۔ میں شعبان رمضان اور اوائل شوال میں مسلسل سفر میں رہا۔ یہی وجہ تاخیر جواب کی ہے۔ اب بھی سفر میں ہی ہوں اور ریل ہی میں جواب لکھ رہا ہوں، کل دیوبند پہنچوں گا۔ ان شاء اللہ! ''مقام حیات'' جیسے مؤقر رسالہ سے مستفید ہوا اور حرفاً حرفاً اوّل سے آخر تک پورا رسالہ دیکھا، اس موضوع پر اس سے بہتر کتاب اب تک میری نظر سے نہیں گزری۔ مسئلہ کا تجزیہ نہایت ہی فاضلانہ اور محققانہ انداز سے کیا گیا ہے۔ طرزِ بیان انتہائی بلیغ، موثر اور دلنشین ہے۔ مسئلہ کے ہر پہلو کا حکم نہایت ہی بالغ نظری کے ساتھ اس کی صحیح کیفیت و حقیقت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اس کی ایک ایک سطر سے آنکھوں میں نور اور دل میں سرور بڑھتا ہوا محسوس ہوتا تھا۔ حق تعالیٰ آپ کی اس مبارک سعی کو قبول فرمائے اور جس طرح آپ نے اپنے اسلاف کے مسلک کی نصرت و اعانت کر کے اسے نمایاں فرمایا ہے، حق تعالیٰ آپ کی نصرت دارین میں فرما کر آپ کو سر بلند اور رفیع المرتبت بنائے۔ آمین! اور اس خدمت کو قبول فرمائے۔

مستدعی دعا ہوں اور احباب کے لئے ہر وقت دعا گو ہوں۔ والسلام

محمد طیب مدیر دارالعلوم دیوبند

منقول از ہفت روزہ دعوت لاہور ۱۴ر ستمبر ۱۹۶۲ء، ۱۳۸۱ھ

***

سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز کا فتویٰ

''نماز کے بعد نبی ﷺ اور آپ کے صاحبین ابوبکر و عمرؓ کی قبروں کی زیارت کرے اور نبی ﷺ کی قبر کے سامنے ادب کے ساتھ کھڑا ہو جائے اور دبی آواز کے ساتھ آپ پر اس طرح سلام کہے:

اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ!

جیسا کہ سنن ابی داؤد میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

جو شخص مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح مجھ پر لوٹا دیتا ہے یہاں تک کہ میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔ (الحج والعمرہ والزیارۃ ص ۱۵۱)

اس سے پتہ چلا کہ یہ کہنا درست نہیں کہ وفات کے بعد روح قیامت تک بدن میں لوٹنے سے روک دی جاتی ہے۔ فَیُمْسِکُ الَّتِیْ قَضٰی عَلَیْہَا الْمَوْتَ کا مطلب یہ ہے کہ موت والے کی روح اس دنیا میں اس کے بدن

میں لوٹنے سے روک دی جاتی ہے اور نیند والے کی اسے لوٹا دی جاتی ہے۔ یہ نہیں کہ مرنے والے کی روح عالم برزخ میں بھی بدن میں لوٹنے سے روکی ہوئی ہے شیخ عبداللہ بن باز حضور ﷺ کی وفات کے بارے میں فرماتے ہیں:
اہل علم کے نزدیک یہ ایک متفق علیہ مسئلہ ہے لیکن آپ کی یہ موت آپ کی حیاتِ برزخی کے لئے مانع نہیں جیسے شہداء کی موت ان کی حیاتِ برزخی کے لئے مانع نہیں۔ (ایضاً ص۱۶۱)

یعنی اس میں کسی کا اختلاف نہیں کہ حضور ﷺ پر وفات آئی اور اِنَّكَ مَيِّتٌ وَاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ کا وعدہ پورا ہوا۔ لیکن اس آیت کو آپ کی عالم برزخ کی حیات کے لئے مانع سمجھنا اور اس سے عقیدہ حیات النبی کو رد کرنا کسی صاحبِ علم کا کام نہیں۔ ایسا ہوتا تو قرآن کریم میں حیاتِ شہداء پر نص وارد نہ ہوتی۔

***

تیسرا ایڈیشن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تعارف واعتذار

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى۔۔۔ اَمَّا بَعْدُ!

۱۹۶۲ء میں ہمیں یہ کتاب بہت جلدی میں شائع کرنی پڑی اور اس میں بہت سے مضمون لکھنے رہ گئے تھے خاص طور پر قبر کے حقیقی معنی اور اس میں محدثین اور متکلمین کی آراء گرامی اس پیش آمدہ جلدی کے باعث لکھی نہ جاسکیں۔ اب اس ایڈیشن میں اس کمی کو پورا کیا جارہا ہے۔ اللہ تعالیٰ اتمام کی توفیق بخشے۔

اس نازک دور میں جب کہ عوامی سطح پر مذہب کی گرفت ڈھیلی ہوتی جارہی ہے، تن آسانیاں اور لذت سامانیاں مذہب سے عام بیزاری پیدا کرنے میں مصروفِ عمل ہیں ...... ضرورت تھی کہ احترام دین اور فکرِ آخرت رکھنے والا طبقہ ...... جسے عام طور پر دینی طبقہ کہا جاتا ہے ...... اپنی مجموعی کوششیں اور تمام تر جدوجہد ...... دین وملت کے اصولی مسائل کے تحفظ پر لگادے، لیکن افسوس کہ جو لوگ احترامِ دین کے احساس میں مشترک تھے، تفاصیلِ فکر وعمل میں خود مختلف راہیں چلنے لگے اور ؎

جن پر تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے

اتفاقی عقائد اختلافی بننے لگیں تو لادینیت کا محاذ قوت پکڑتا ہے

مالی قدروں اور جنسی لذتوں کا آمیزہ ...... اسلام کو اپنے رستے میں ایک رکاوٹ سمجھ کر لادینی کے لئے ایک متحدہ محاذ بنائے ہوئے ہے ...... زمین کہاں تک ہموار ہو چکی ہے، یہ اس کی تفصیل کا موقعہ نہیں ...... مذہبی راہنماؤں سے مذہب تک پہنچنے میں کتنا وقت لگے گا ...... تنگ نظر فرقہ پرستوں کو خوش فہمی ہے ؎

ہنوز دلی دور است

سوادِ اعظم کے مختلف مسالک عمل بے شک ایک ہی جادۂ شریعت کے نظام وسعت اور ایک ہی چشمۂ عمل کے مختلف کنارے ہیں۔ عقائد کی مختلف تعبیرات بھی بلاریب نزاع لفظی کی حدود سے متجاوز نہ تھیں۔ لیکن افسوس کہ

محدود ذہنوں کی تنگ نظری نے انہیں بھی جنگ کے میدان بنا کر سوادِ اعظم کی مرکزی وحدت کو پارہ پارہ کر دیا۔ معتزلہ اور کرامیہ خود اہل سنت کی صفوں میں آ گھسے ہیں۔

اختلاف سے خلاف پیدا ہوا اور معاملہ یہاں تک پہنچا کہ اصول تو درکنار فروعات اور تعبیرات پر بھی تعصب اور تخریب کی تند ہوائیں چلنے لگیں۔ ایسے حالات میں ہر دردمند اور حساس مسلمان کا دل تڑپ اٹھتا ہے اور تڑپنا بھی چاہئے ۔

یا الٰہی یہ ماجرا کیا ہے

جہاں تک اس حقیقت کا تعلق ہے کہ بعض ابواب میں خود شریعت ہی مختلف طریق عمل پیش کر کے اسلام کے نظام وسعت کا پتہ دیتی ہے، بے شک ایسے اختلافات رحمت ہیں۔ لیکن بیمار عقلیں اور کمزور ذہن جب ان اختلافات سے ناجائز فائدہ اٹھا کر اجماعیات اور مسائل متفق علیہ میں بھی کیڑے نکالنے لگیں تو کون سا حقیقت آشنا دل ہے، جو زخمی نہ ہو اور کون سی صداقت پسند آنکھ ہے جو اشک بار نہ ہو۔

اندرونی اتحاد کی ضرورت

اندرونی اتحاد کی ضرورت جتنی بیرونی حملے کے وقت ہوتی ہے، شاید ہی اس سے پہلے کبھی محسوس کی گئی ہو۔ ضروری ہوتا ہے کہ داخلی انتشار کے سدباب کے لئے جملہ عوامل بروئے کار لائے جائیں۔ فطرت کا نظام انقلاب اور قومی زندگی کا مدوجزر اس حقیقت کا نہ صرف پتہ دیتے ہیں بلکہ یقین دلاتے ہیں کہ وحدت ملی کا مرکز و محور صرف اور صرف اعتماد علی السلف ہے۔ سلف سے مراد نسل و وطن کے پیش رو نہیں بلکہ علم و معرفت کے وہ ستون ہیں جن سے تاریخ کے مختلف ادوار میں علم نبوت پوری امت کو وراثت میں ملتا رہا ہے۔ فکر و نظر کی وسعتیں اسی حد تک لائق تحسین ہیں کہ اعتماد علی السلف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے اور احساس ملی کا یہ چشمۂ حیات گدلا نہ ہونے پائے۔

راہِ آباء رو کہ ایں جمعیت است معنیٔ تقلید ضبطِ ملت است

دین محمدی ﷺ کا اہم ترین موضوع

اسلام کا عقیدہ معاد

قرآن کریم کا سب سے بڑا موضوع اللہ رب العزت کی ہستی کا اقرار اور اس کی وحدانیت کا اعتقاد ہے قرآن پاک میں یہ مضمون جگہ جگہ پھیلا ہوا ہے۔ اللہ رب العزت کے وجود علم حیات قدرت اور یہ کہ وہ ہر جگہ سے سنتا ہے اور ہر کسی کو دیکھتا ہے اس کا جگہ جگہ اقرار ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سب پیغمبر اور فرشتے اس کی تخلیق سے وجود میں آئے اور سب امکان و حدوث کے دائرہ میں ہیں۔ ایک وہی ہے جو واجب الوجود ہے اور کوئی اس کا شریک نہیں واجب الوجود کی کوئی صفت کبھی کسی بندے میں نہیں آتی اور کوئی انسان صفات واجبہ میں سے کسی صفت سے متصف نہیں ہو پاتا، اس کے لوحۂ قلب پر ملاء اعلیٰ کی کوئی جھلک اترے تو یہ امر دیگر ہے۔

اس عقیدہ توحید کے بعد قرآن پاک کا دوسرا بڑا موضوع اسلام کا عقیدہ معاد ہے، اسے ''حشر اجساد'' Resurrection بھی کہتے ہیں قرآن کریم میں جس طرح توحید باری کے دلائل و شواہد جگہ جگہ دیئے گئے ہیں۔

دوسرے نمبر پر اسلام کا عقیدہ معاد ہے۔ مسئلہ الٰہ اور یقینِ آخرت سے رسالت کی ضرورت محسوس ہوئی۔
اسلام کے یہی تین اصول ہیں: ۱......توحید، ۲......آخرت اور ۳......رسالت۔
اسے اس ترتیب سے بیان کرتے ہیں: التوحید والرسالۃ والآخرۃ۔ ایمان مجمل میں اللہ تعالیٰ، فرشتوں، آسمانی کتابوں اور پیغمبروں کے بعد پانچواں رکن ایمان یہی ہے۔ الروضۃ الندیہ میں ہے:

هذا هو الركن الخامس من اركان الايمان باليوم الآخر وجمهور بني آدم يومنون بالبعث بعد الموت وقد دل منه على ذلك العقل والفطرة كما صرحت به جميع الكتب السماوية ونادى به الانبياء والمرسلون والناس في البرزخ يفتنون وينعمون او يعذبون على ذلك۔

(الروضہ الندیہ شرح العقیدہ الواسطیہ ص ۳۱۱، طبع ۱۳۸۸ء)

ترجمہ: ارکان ایمان میں سے پانچواں رکن یہی ہے اور وہ آخرت پر ایمان لانا ہے بنی آدم کی اکثریت اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ مرنے کے بعد پھر اٹھنا ہے عقل اور فطرت اس کی طرف رہنمائی کرتے ہیں۔ تمام آسمانی کتابوں میں اس کی صراحت ہے اور تمام انبیاء و مرسلین اس دن کی آواز دیتے آرہے ہیں اور لوگ برزخ (اس درمیانی زندگی) میں آزمائش میں ڈالے جاتے ہیں اور انہیں اس پر نعم و عذاب میں سے کسی کا سامنا کرنا ہوتا ہے۔
جو لوگ منکرین مذہب Atheist تھے۔ انہیں سب سے زیادہ مشکل یہ سمجھنے میں تھی کہ موت کا جو نقشہ اس وقت ہمارے سامنے ہے اس کے بعد پھر سے جی اٹھنا کیسے ہوگا، قبریں کیسے کھلیں گی اور پھر جی اٹھنے کی صورت کیا ہوگی وہ جہاں کیسا ہوگا جہاں ہم لوٹیں گے؟

اس کا ایک جواب بہت آسان تھا وہ یہ کہ انسان بدن اور روح دو چیزوں سے مرکب ہے آخرت کا تعلق روح سے ہے بدن سے نہیں اور وہ ایک روحانی جہان Spiritual World ہے مرنے پر بدن کی ریزگاری اس جہان سے متعلق ہے روح باقی ہے اور آخرت کے سارے معاملات روح سے متعلق ہوتے ہیں اور اسی پر دنیا کے اعمال کی جزا و سزا مرتب ہوگی قبر میں تم بدن کے مٹی ہونے سے کیوں پریشان ہوئے جارہے ہو اس کو بے شک فنا ہے روح ہرگز فانی نہیں سو آخرت برحق ہے۔
قرآن کریم نے یہ آسان اور عام فہم جواب نہیں دیا۔ اگر آخرت کا معاملہ صرف روح سے ہوتا تو اس سے بہتر جواب کوئی نہ تھا قرآن کریم نے اس کا دوسرا جواب دیا ہے۔
سوال یہ تھا: قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ **(پ ۲۳، یٰسین: ۷۸)**
ترجمہ: کہنے لگا کون زندہ کرے گا ان ہڈیوں کو جب یہ کھوکھری ہو گئیں؟
جواب میں فرمایا: قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْۤ اَنْشَاَهَاۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمٌ **(پ ۲۳، یٰسین: ۷۹)**
ترجمہ: آپ کہہ دیں ان کو وہی زندہ کرے گا جس نے بنایا ان کو پہلی بار اور وہ سب طرح بنانا جانتا ہے۔
قرآن پاک میں یہ مضمون متعدد مقامات پر پھیلا ہوا ہے یہاں انسانی سوچ حیرت میں گھر جاتی ہے......
کیا ضرورت پڑی تھی کہ انہی مردہ ابدان کو پھر سے اٹھایا جائے اور ان کے ایک ایک ذرے میں زندگی لائی جائے کیا یہ بہتر نہ تھا کہ آخرت کے سارے معاملات صرف روح سے متعلق رکھے جاتے اور آخرت کے الم و نعیم کا مور دبھی انسانی روح ہوتی۔ مگر اللہ رب العزت نے ایسا نہیں کیا اس نے یہی چاہا کہ جن بدنوں سے انسان نے گناہ کیے

ہیں یا مشقتیں اٹھائی ہیں وہی ابدان آخرت میں نعیم والم کی جزا یا سزا پائیں۔ یہ نہیں کہ آخرت کی جزا وسزا صرف روح پر اترے۔ انسان اپنے دنیا کے برے عملوں کی ایک گونہ سزا پاتا ہے۔ آخرت کے بڑے حساب سے پہلے اسے قبر میں سوال وجواب کے ایک مرحلے سے گزرنا ہے پھر تا حشر وہ اپنے انجام کو دیکھتا رہے گا یہ درمیانہ جہاں چونکہ عام نظروں سے مخفی ہے اس لئے اسے سمجھنے میں لوگوں نے بہت سی ٹھوکریں کھائی ہیں یہ ایسی زندگی ہے جس کے بارے میں عقل ونقل کے بڑے بڑے معرکے ہوئے؛ اہل السنۃ والجماعۃ اور معتزلہ وکرامیہ کا زیادہ محاذ اسی زندگی کے گرد لگا ہوا ہے۔

یہی اختلافات بڑھتے بڑھتے معتزلہ اس مقام پر لے آئے کہ وہ شہداء کی حیات جسمانی کو بھی لَاتَشْعُرُوْنَ کے تحت تسلیم کرنے کے لئے تیار نہ ہوئے اور اسے شعور میں لانے کے لئے وہ ظاہر قرآن سے ٹکرا گئے اور پھر آگے چل کر انبیاء کی حیات برزخی بھی ان کے لئے ایک معمہ بن گئی۔ اہل السنۃ والجماعۃ ظاہر حدیث کے ساتھ رہے اور جو بات عام سمجھ میں نہ آتی تھی اسے وہ لَاتَشْعُرُوْنَ کے ٹھنڈے سائے میں آرام سے قبول کرتے گئے۔

جاننا چاہئے کہ اہل السنت والجماعت سواد اعظم کا سلف وخلف سے یہ عقیدہ چلا آرہا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو اس دنیا سے انتقال فرمانے کے بعد عالم برزخ میں جو حیات حاصل ہے وہ اسی جسد اطہر کے ساتھ ہے، جو دنیا میں آپ کا تھا اور جسے روضہ مطہرہ میں دفن کیا گیا۔

قبر منور کی اس حیات جسمانی کا مدار اس دنیا کے رزق مادی پر نہیں، بلکہ برزخ کے رزق روحانی پر ہے حضور کی ایسی حیات برزخی کا، جو باعتبار تعلق بالبدن حیات جسمانی اور باعتبار تعلق بالرزق حیات روحانی ہو، آج تک سلف وخلف میں سے کسی نے اس کا انکار نہیں کیا۔ تاریخ کے مختلف ادوار میں جس نے بھی اس مسئلہ پر خامہ فرسائی کی، اسے اس متوارث نظریئے کے تسلیم کئے بغیر چارہ نہ رہا...... احناف وشوافع، موالک وحنابلہ، محدثین ومتکلمین اور فقہاء وائمہ ہدیٰ میں سے کسی ایک نامور شخصیت کا بھی...... باوجود تلاش وتجسس کے پتہ نہیں چل سکا، جس کا یہ عقیدہ ہو کہ آں حضرت ﷺ کا جسد اطہر روضہ منورہ میں محض بے جان اور بے حس وبے شعور پڑا ہے اور روح مبارک کا اس سے کوئی تعلق نہیں...... مَنِ ادَّعٰی فَعَلَيْهِ الْبَيَانُ۔

اس میں تو کچھ خفیف سا اختلاف نظر سے گزرا کہ آنحضرت ﷺ کے مدفون ہونے کے بعد آپ کی روح اقدس اعلیٰ علیین سے لاکر پھر آپ کے جسد اطہر میں لوٹا دی گئی تھی، یا آپ کی وفات شریفہ کے وقت روح مبارک قبض ہوکر آپ قلب منور ہی میں ٹھہر گئی تھی، بعد دفن پھر سارے جسد اطہر میں پھیلا دی گئی، یعنی روضہ منورہ کی یہ حیات جسمانی روح لوٹانے سے قائم ہوئی، یا روح پھیلانے سے اس کا استقرار ہو...... ہمیں یہاں اس بحث میں جانے کی ضرورت نہیں کہ کیفیت وصول حیات کیا تھی۔ امر واقع خواہ کوئی ہی صورت ہو، یہ قدر مشترک ہے کہ آنحضرت ﷺ آج اپنے روضہ شریفہ میں حیات جسمانی سے فائز حیات ہیں۔

یہ اختلاف بھی نظر سے گزرا کہ آں حضرت ﷺ کے مدفون ہونے کے بعد آپ کی روح اقدس نے اعلیٰ علیین، رفیق اعلیٰ یا حظیرۂ قدسیہ میں استقرار پکڑا اور وہاں سے اس نے روضہ منورہ میں موجود جسد اطہر پر اپنی شعاعیں ڈالیں اور اس تاثیر سے پھر آپ کے جسد اطہر میں حیات لوٹ آئی، یا امر واقع یہ تھا کہ روح اقدس اس حظیرۂ قدسیہ یا اعلیٰ علیین سے تعلق قائم کرکے پھر قبر شریف میں رکھے ہوئے جسد اطہر میں لوٹا دی گئی روضہ منورہ کی یہ

حیات جسمانی روح مبارک لوٹانے سے قائم ہوئی۔ یا تاثیر روح سے اس کا تقوم ہوا۔ ہمیں اس وقت اس بحث میں جانے کی ضرورت نہیں کہ اس وصول حیات کی کیفیت کیا تھی۔ صورت واقعہ خواہ کچھ ہو، یہ حقیقت ہر صورت میں قدر مشترک ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنے روضہ شریفہ میں حیات جسمانی سے زندہ اور تشریف فرما ہیں اور وہ جسد اطہر وہی ہے جو اس دنیا میں تھا اور وہ آج بھی اسی طرح تر و تازہ ہے جیسا کہ قبر مبارک میں رکھا گیا تھا۔

اگر اختلاف کی حدود یہی رہتیں کہ آں حضرت ﷺ کی روضہ شریفہ کی حیات کا تقوم آپ کے جسد اطہر میں روح مبارک دوبارہ لوٹانے سے ہوا یا روح مبارک پھیلانے سے۔ آپ کی یہ حیاتِ جسمانی دخولِ روح سے قائم ہوئی یا یہ حیات تاثیر روح سے عمل میں آئی تو اس میں دخل دینے کی ہمیں چنداں ضرورت نہ تھی اس لئے کہ یہ وہ مباحث ہیں جو خود سوادِ اعظم کے مختلف طبقوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ نیز جو اختلافات عقائد و احکام پر اثر انداز نہ ہوتے ہوں ان پر وقت صرف کرنا فکر و نظر کی کوئی خاص خدمت نہیں ان مباحث میں سے خواہ کوئی موقف اختیار کر لیا جائے۔ اہل سنت کا یہ اجماعی نظریہ ہرگز متاثر نہیں ہوتا کہ آں حضرت ﷺ کو عالم برزخ میں جو حیات حاصل ہے وہ اسی دنیا والے جسد اطہر کے ساتھ قائم ہے اور یہ جسمانی حیات اور اس کا مدار اس دنیا کے رزق مادی پر نہیں بلکہ عالم برزخ کے رزق روحانی پر ہے۔ دنیوی حیات کے صرف انہی لوازم کو وہاں ثابت مانا جائے گا جن کے لئے مستقل دلیل شریعت ظاہرہ میں موجود ہو، اس لئے کہ اختلاف دارین متحقق ہو چکا اور اب آپ اس دنیا میں نہیں عالم برزخ میں تشریف فرما ہیں۔

جہاں ہر صحت مند ذہن اس طریق عمل کی شدید مذمت کرے گا کہ فروعی اختلافات اور جزوی تعبیرات کو فکر و تنقید اور بحث و تمحیص کی آماجگاہ بنا لیا جائے خصوصاً اس دورِ الحاد میں جب کہ خود مذہب سے ہی تنفر بڑھتا چلا جا رہا ہے اور مالی قدروں کا خمار مذہب کو عہد رفتہ کی ایک رسمی یاد سے زیادہ کوئی مقام دینے کے لئے تیار نہیں۔ وہاں اس ضرورت کے تسلیم کرنے سے بھی چارہ نہیں کہ سواد اعظم کے اجماعیات کا تحفظ بھی ہر وقت امتحان کی پکار اور ہر ترد د و الحاد کے سامنے علمائے حق کی للکار رہا ہے۔

حیات النبی ﷺ کا مسئلہ دائرہ اہل سنت میں کوئی اختلافی مسئلہ نہ تھا سب اہل السنۃ والجماعۃ حیات النبی ﷺ کا عقیدہ رکھتے تھے۔ اس حیات کو باعتبارِ عالم برزخی کہنے والے بھی تھے اور باعتبارِ جسد برزخ میں حیات دنیوی کہنے والے بھی تھے۔ آپ کے عالم برزخ میں اپنے آپ کو پوری طرح زندہ محسوس کرنے کے اعتبار سے اسے حیات حسی کہنے والے بھی تھے، باعتبار رزق اسے حیات قائم بالرزق کہنے والے بھی تھے۔ اور اس پہلو سے اسے حیاتِ روحانی بھی کہتے تھے، تاہم اس پر سب کا اتفاق تھا کہ وہ حیات اس دنیا والوں سے پردے میں ہے۔ یہاں کی آنکھیں اس حیات کو پا نہیں سکتیں۔ اس جہان میں روح کے اثرات غالب ہیں۔ سوا سے کسی نے روحانی بھی کہہ دیا۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ یہ سب ایک ہی حقیقت کی مختلف تعبیرات ہیں۔ حیات النبی ﷺ کا سب میں اقرار ہے اور معنیً یہ سب عنوان متقارب ہیں۔

اگر اختلاف انہی عنوانوں میں رہتا اور ہر حلقہ اپنے اپنے عنوان میں بہتری بتلاتا تو ظاہر ہے بات زیادہ نہ بڑھتی۔ مگر افسوس کہ تحقیق مسئلہ کی بجائے تشغیب عوام سے کام لیا گیا جس سے دو فریق بن گئے اور عنوان فریقین کے جدا جدا ہو گئے، یہ اہل علم کا انداز نہیں پھر کیا ہوا شرافت سر پیٹ کر رہ گئی۔

یہ تقریریں ہونے لگیں کہ آنحضرت ﷺ اس عالم میں زندہ نہیں ہیں ورنہ صحابہؓ آپ کو دفن نہ کرتے اور آپ کے خلیفہ کا انتخاب بھی عمل میں نہ آتا۔

ذرا سوچیں اپنے حلقے میں کوئی اس کا قائل تھا کہ آپ اس دنیا میں زندہ ہیں؟ دنیوی جسد کی زندگی میں کیا عالم برزخ کی صراحت نہ تھی؟ اگر بات یہی ہے تو آپ ہی بتائیں کہ تقریروں کا یہ عنوان بات کو گھٹانے کے لئے تھا یا بات کو بڑھانے کے لئے؟ تشغیب عوام اسی کو کہتے ہیں۔

جب فریقین کا محکوم علیہ ہی جدا جدا ہے تو اختلاف کس بات میں رہا؟ اور جب اختلاف ہی سامنے نہ آئے تو اتحاد کس میں ہو اور کون کرائے؟ ان حالات میں قوم کو اختلاف کا نہیں انتشار کا سامنا کرنا پڑا اور اب تک انتشار ہے اختلاف سامنے نہیں کہ اسے سلجھایا جاسکے۔

وقت کا موضوع حیات ہے ممات نہیں

حیات کی آپ جو بھی تشریح کریں اس میں اختلاف زیادہ نہیں بڑھے گا۔ لیکن ممات کو اس وقت کا موضوع نہ بنائیں۔ قاضی شمس الدین صاحب آف گوجرانوالہ اپنے عقیدے کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں، یہ بعد الوفات حیاۃ النبی کا کھلا اقرار ہے۔ فجزاء اللہ احسن الجزاء!

بَلْ اَحْيَاءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ سے بطور دلالۃ النص سمجھ میں آتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام جن کا درجہ شہدا سے بھی بہت بڑا ہے وہ بعد الوفات زندہ ہیں۔ (مسالک العلماء، ص ۲۹)

عزیز ان من حیات الانبیاء میں نزاع نہیں وہ تو بالاتفاق ثابت ہے۔ (مسالک العلماء، ص ۵۶)

اس میں وفات کو پرانی بات اور حیات کو حال کی بات کہا گیا ہے جس سے صاف سمجھ میں آتا ہے کہ اس وقت کا موضوع حیات ہے ممات نہیں۔ وفات النبی ﷺ آج سے چودہ سو سال پہلے کا واقعہ ہے اس میں سیدنا حضرت عمرؓ اور دوسروں میں اختلاف ہوا تو وہ وہیں ختم ہو گیا سو ممات النبی ﷺ کا اختلاف محض ایک پرانا واقعہ ہے۔ آج کا موضوع حیات النبی ﷺ ہے ممات النبی ﷺ نہیں۔ برزخ میں حیات کی تشریحیں جس طرح بھی سلف میں ہوئیں، انہیں اپنے اپنے حلقوں میں بیان کرتے رہو لیکن خدارا ممات النبی کو موضوع نہ بناؤ۔ یہ ایک پرانا واقعہ ہے اس وقت آپ کے میت ہونے کا کوئی قائل نہیں ہے۔ قاضی شمس الدین صاحب اپنے دوستوں کو بار بار سمجھاتے ہیں کہ تم نے ممات النبی ﷺ کو موضوع بنا کر خواہ مخواہ اپنے آپ کو مماتی بنالیا ہے۔ اس وقت ہم بھی حیات کے قائل ہیں، میں لکھ کر دے چکا ہوں کہ انبیاء بعد الوفات زندہ ہیں۔

اگر یہ لوگ محترم قاضی شمس الدین صاحب کی بات مان لیتے اور ممات النبی ﷺ کو موضوع اختلاف نہ بناتے تو آج اختلاف بہت کم ہوتا۔ جو بات آج سے چودہ سو سال پہلے واقع ہوئی اور اس کا ہم انکار نہیں کرتے، اسے تقریروں کا موضوع بنانا اور اس وقت اللہ تعالیٰ نے شہدا اور انبیاء کو جس حیات بعد الوفات سے نواز رکھا ہے اسے عنوان عقیدہ نہ بنانا کیا یہ اختلاف کو کم کرنے کی طرف قدم ہے یا محض ایک انتشار بڑھانے کی کارروائی ہے۔

آج اگر ایک مقرر اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ سے تقریر شروع کرتا ہے اور کہتا ہے کہ حضور ﷺ اس وقت

میت ہیں زندہ نہیں تو کیا وہ قاضی شمس الدین کے عقیدہ حضور ﷺ کے بعد الوفات زندہ ہونے کی کھلی تردید نہیں کر رہا؟ کوئی شخص ان انتشار پسندوں سے پوچھے یہ واقعہ وفات جسے تم بیان کر رہے ہو کب کا ہے؟ تو وہ بھی یہ کہنے پر مجبور ہوں گے کہ آج سے چودہ سو سال پہلے کا۔ پھر پوچھیں اس تاریخی حقیقت کا اب کوئی منکر ہے، وہ بھی کہیں گے نہیں!...... پھر پوچھیں آج شہداء کرام اور انبیاء عظام اگلے جہان میں زندہ ہیں یا اموات؟ تو یہ کبھی دیانت سے اس کا جواب نہ دیں گے یہ وہ بواعث ہیں جن سے انتشار بڑھ رہا ہے۔

سو یہ صحیح ہے کہ اختلاف اپنی ابتدائی سطح میں کوئی بنیادی اختلاف نہ تھا لیکن اختلاف کرنے والے اگر اسے اس سطح پر لے آئے ہیں کہ آج بھی تمام شہدا اور انبیاء کو اموات کہا جائے کہ وہ بعد الوفات زندہ نہیں اور وہ اجساد زندہ نہیں جن پر موت وارد ہوئی یا وہ قتل ہوئے۔ تو کیا یہ قرآن سے کھلا تصادم نہیں؟ سو اہل سنت کے اجماعی عقیدہ کے پیش نظر یہ ایسی بات نہیں کہ اس کی تردید میں احادیث شریفہ کے مدلولات صریحہ میں تاویلات رکیکہ، تضعیفِ روایات میں ائمہ فن کی تجہیل، قواعدِ محدثین سے استہزا، شارحینِ حدیث وفقہاء اور سلفِ صالحین سے اعتماد اٹھنے کے صدمے کو آسانی سے برداشت کر لیا جائے یا اعتماد اٹھانے کی اس نہایت خطرناک مہم کو، محض اس لئے کہ ابتدائی سطح امورِ مُبہمہ میں سے نہیں یا یہ مسائل روزمرہ کی زندگی سے متعلق نہیں یونہی چلنے دیا جائے؟

حیات النبی ﷺ کے ضمن میں جب ''اعتماد علی السلف'' کا اصولی مسئلہ پامال ہونے لگا تو اس تخمِ حنظل کے برگ وبار بہت دور دور تک پھیلتے نظر آئے۔ راہ گم کردہ قافلہ ہر مقام پر نیا موقف اور ہر طبقے کے سامنے نیا عنوان اختیار کرتا رہا اور یہی اہل باطل کا کھلا نشان ہے کہ کسی بات پر جمتے نہیں۔

روضہ منورہ کی حیات جسدی کا انکار اور اس سے متعلقہ مفاسد

جو لوگ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کا جسد اطہر روضہ منورہ میں محض بے حس وشعور پڑا ہے اور فقط جمادی حیثیت میں ہے۔ روح اقدس کا اس سے کوئی تعلق نہیں، ان کا یہ خیال دراصل اس نظریے کا نتیجہ ہے کہ وفات کے بعد ثواب وعقاب کا سارا معاملہ صرف روح سے ہوتا ہے، بدن یا اجزائے بدن کو اس سے کوئی تعلق نہیں۔

یہ نظریہ اہل سنت کے اس اعتقادی پہلو سے قطعی طور پر متصادم ہے کہ ثواب وعقاب کا معاملہ صرف روح ہی سے نہیں، بلکہ قبر میں پڑا ہوا بدن یا اجزائے بدن بھی لذت والم کا ادراک کرتے ہیں۔ بنی آدم کی ارواح وفات کے بعد خواہ وہ علیین اور سجین ہی میں استقرار پذیر کیوں نہ ہوں، ان کا تعلق اجساد مدفونہ سے ضرور قائم کیا جاتا ہے اور قبر میں لذت والم کا ادراک ضرور ہوتا ہے۔

اس دنیا سے عالم برزخ میں انتقال کرنے کے بعد روح وبدن میں کلی مفارقت رہتی ہے؟ یا روح وبدن میں کوئی ایسا علاقہ پھر قائم ہو جاتا ہے کہ ہر فوت ہونے والا اپنے اپنے اعمال اور اپنے اپنے مقام کے مطابق اپنے جسد میں الم یا لذت کا ادراک کر سکے؟

اوّل الذکر نظریہ معتزلہ وروافض کا ہے وہ عذاب قبر کے قائل نہیں ان کے نزدیک جسد مدفون محض جمادی حیثیت رکھتا ہے ثانی الذکر نظریہ اہل حق اہل السنۃ والجماعۃ کا ہے۔ فرقہ کرامیہ اور صالحیہ اس کے قائل ہیں کہ اجساد مدفونہ ہیں تو محض جمادی حیثیت میں، لیکن عذاب قبر پھر بھی حق ہے۔

یہ تیسرا مؤقف صرف ایک وہم اور سفسطہ[1] ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں۔ حق وہی ہے جو اہل سنت کا نظریہ ہے اور قرآن و سنت کے چشمے اسی عقیدے کی آبیاری کرتے ہیں۔

واعلم أن أهل الحق اتفقوا على ان الله يخلق في الميت نوع حيوة في القبر قدر ما يتألم ويتلذذ

(شرح فقہ اکبر ص ۱۲۱)

ترجمہ: جان لیجئے! سب اہل حق اس نظریے پر متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ میت میں ایک ایسی قسم کی حیات پیدا فرما دیتے ہیں کہ وہ لذت والم کا ادراک کرتی رہے۔

ابو بی علی الخیالی میں ہے: ''ان المذاهب في هذا المقام ثلثة الاول الميت حي في قبره فيعذب وهذا مذهب اهل السنة والحق والثاني انه جماد لا يعذب ولا يدرك العذاب وهذا مذهب جمهور المعتزلة والروافض والثالث انه جماد يعذب'' (وھوالمختار فی الفتاوی النذیریہ ج ۱، ص ۴۳۴)

ترجمہ: اس مقام پر تین مذاہب ہیں۔ (۱) میت اپنی قبر میں پھر زندہ ہوتی ہے پس عذاب قبر برحق ہے۔ یہ مذہب اہل سنت کا ہے جو اہل حق ہیں۔ (۲) میت قبر میں جماد محض ہے۔ (ابو بی علی الخیالی ص ۱۱۸) پس عذاب قبر کوئی نہیں، یہ مذہب جمہور معتزلہ اور روافض کا ہے۔ (۳) میت قبر میں ہے تو جماد محض، لیکن عذاب قبر پھر بھی ہوتا ہے (یہ مذہب کرامیہ کا ہے)

ان نظریات کی روشنی میں اہل السنۃ کا عقیدہ ہے کہ جب ہر جسد مدفون کو اپنے اپنے مقام کے مطابق کسی نہ کسی طرح کی حیات جسدی حاصل ہوتی ہے، تو آنحضرت ﷺ کو اپنے روضہ مطہرہ میں بہت قوی قسم کی اور نہایت ارفع و اعلیٰ حیات جسمانی کیوں حاصل نہیں۔ انبیائے کرام کے اجساد دنیوی کا تحفظ بھی اسی لئے ہے کہ ان پر نہایت قوی قسم کی حیات جسمانی مرتب ہو۔ آنحضرت ﷺ کا مقام جس طرح انتہائی طور پر اعلیٰ ہے، اسی طرح روضہ اطہر میں آپ کی حیات بھی اپنی رفعت وشان میں نقطہ انتہا پر ہے۔ روح اقدس کا جسد اطہر کے ساتھ ایسا قوی تعلق ہے کہ آپ تلذذاً نمازیں بھی پڑھتے ہیں اور روضہ منورہ پر عرض کئے گئے صلوۃ وسلام کو بھی سنتے ہیں۔

جسدِ اطہر اور روح انور میں کلی مفارقت کا عقیدہ رکھنے والوں کو یہ سوچنا چاہئے کہ جب ہر میت کو، خواہ اس کا جسم محفوظ ہو، خواہ ریزہ ریزہ ہو چکا ہو، یک جا ہو یا اس کے اجزائے بدن منتشر ہو چکے ہوں، روح کے ساتھ کسی نہ کسی طرح کا تعلق ضرور حاصل ہوتا ہے اور جسد مدفون یا اجزائے جسد اپنے اپنے مقامات کے مطابق لذت والم کا ادراک ضرور کرتے ہیں تو وہ ذوات قدسیہ جن کے اجساد مقدسہ کا تحفظ خود پروردگار فرما چکا، ان میں ان کے مقامات کے مطابق ارواح مطہرہ کی تاثیرات کیوں نہ ہوں گی۔ انبیاء اس اصل کلی سے مستثنیٰ کیوں ہوں؟ آخر وہ کون سی دلیل ہے جس کی بنا پر انبیائے کرام کو اس اصل کلی سے نکال کر یہ عقیدہ قائم کیا جا رہا ہے کہ ان کے اجساد مدفونہ صرف اکراماً محفوظ ہیں؟ ارواح مطہرہ سے انہیں کلی مفارقت ہے، یہ کیسے ہو سکتا ہے؟

---

[1] وجوز بعضهم تعذيب غير الحي ولا شك انه سفسطة (خیالی ص ۱۱۸) لان الجماد لا حس له فكيف يتصور تعذيبه (حاشیہ مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی)

اگر کہا جائے کہ ہم اس اصل کلی ہی کے قائل نہیں کہ وفات کے بعد روح کا بدن یا اجزائے بدن کے ساتھ کسی نہ کسی درجے کا تعلق ضرور قائم رہتا ہے تو پھر یہ مسئلہ اور کھل کر سامنے آجائے گا۔ کہ یہ مذہب اہل سنت کا ہے یا معتزلہ وروافض کا۔ اور عذاب قبر کے متعلق واضح صورت اختیاری ہوگی کہ اس کا اقرار ہے یا انکار؟ اس کے بعد صورت مسئلہ اس قابل ہوگی کہ اس پر دلائل پیش کئے جاسکیں۔

خلاصۃ المرام ایں کہ اگر آنحضرت ﷺ کے جسد اطہر کو روضہ منورہ میں محض بے حس و بے شعور اور جمادِ مطلق تسلیم کیا جائے تو یا تو اس پر اس اصل کلی کے درجے کی قوی دلیل قائم کرنا ہوگی کہ انبیاء علیہم السلام اس سے مستثنیٰ ہیں اور مستقل دلیل پیش کرنا ہوگی کہ انبیائے کرام اپنے اپنے روضات میں محض بے جان پڑے ہیں۔ یا معتزلہ کے اس اصول کو تسلیم کرلیا جائے گا کہ وفات کے بعد روح وبدن میں کوئی تعلق نہیں ہوتا، کلی مفارقت رہتی ہے، ظاہر ہے کہ قرآن وحدیث کے پیش نظر یہ اہل حق کا نظریہ نہیں۔

عقائد اہل سنت کی سب کتابوں میں عذاب قبر کے برحق ہونے کی تصریح ہے اور اس عقیدے کو ضروریات اہل سنت میں شمار کیا گیا ہے جو اس کا قائل نہیں وہ معتزلہ وروافض کے موافق ہے اور اہل سنت کا مخالف ہے اور اگر بتاویل قائل ہے تو فرقہ کرامیہ میں سے ہونے میں تو شبہ ہی نہیں۔

روضہ منورہ کی حیات جسدی کے انکار کا دوسرا نتیجہ

ہم ہر نماز میں التحیات میں حضور ﷺ کے بارے اقرار کرتے ہیں: أشهد أن محمدا عبده ورسوله

ترجمہ: میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔

عبد کسے کہتے ہیں؟

روح اور بدن کے مجموعہ کو: سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِهٖ میں اللہ تعالیٰ نے سیر معراج کسے کرائی؟ اپنے "عبد" کو۔ "اسراء" کا سفر کس نے کیا؟ روح اور بدن کے مجموعے نے علماء اب تک لفظ عبد سے حضور ﷺ کے معراج جسمانی پر استدلال کرتے آئے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ حضور ﷺ اس وقت اللہ کے بندے اور رسول ہیں یا نہیں؟ صرف روح کو عبد کہیں تو حقیقت نہ ہوگی، صرف روح کو رسول کہیں تو یہ بھی حقیقت نہیں ایک مجازی تعبیر ہے اگر روح وبدن سے زندہ ہیں تو بے شک عبدہ ورسولہ ہیں۔ حضور ﷺ کی حیات اپنے حق میں حسی ہے اور وہ عالم برزخ میں یہی محسوس کرتے ہیں کہ آپ روح وبدن کے ساتھ زندہ ہیں، نمازیں بھی پڑھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے عالم برزخ کی وسعتیں آپ کے لئے پھیلا رکھی ہیں اور حیات اسی بدن اطہر میں ہے۔ جو دنیا میں تھا اور اب وہ بدن روضۂ مبارک میں ہے۔ بایں ہمہ اس کی نقل وحرکت عالم برزخ میں جاری ہے گو وہ ہمیں دکھائی نہ دے، اس دُنیا والوں سے وہ حیات پردے میں ہو، لیکن آپ کے لئے وہ حقیقی حسی ہو، جسمانی ہو تو نہ آپ کا بندہ ہونا ایک مجاز ہوگا نہ رسول ہونا۔ آپ اب بھی عبدہٗ ورسولہٗ کا مصداق ہیں۔

اور اگر ہم کہیں کہ اس وقت آپ کی روح مبارک بدن سے کلی طور پر جدا ہے یا کسی مثالی جسد میں جلوہ پیرا ہے تو آپ کا خدا کا بندہ ہونا اور رسول ہونا حقیقت نہ رہے گا، دونوں تعبیریں مجازی ہوں گی، حقیقت میں آپ نہ بندے رہے نہ رسول رسول حقیقی ہونا تو تبھی ہے کہ آپ کے کچھ اعمالِ رسالت ابھی باقی ہوں (مثلاً امت کے حق میں استغفار) اور امت کی آپ کے پاس حاضری بھی ہوتی رہے گو درمیان میں برزخ کا پردہ ہو مگر سلامِ امت آپ پر ضرور پیش ہوتا رہے۔

کرامیہ کا عقیدہ ہے کہ آپ ﷺ اپنی وفات کے بعد صرف حکمی طور پر نبی اور رسول ہیں۔ آپ ﷺ حقیقت میں اس وقت رسول نہیں رہے۔ آپ کا روح و بدن علیحدہ علیحدہ ہے کسی کو کسی سے علاقہ نہیں۔ اس عقیدے کے لئے ضروری تھا کہ وہ روضۂ اطہر میں دفن جسدِ اطہر کو بے جان کہیں۔ اس فاسد عقیدے کو پھیلانے کے لئے انہوں نے روضۂ منورہ کی حیات جسمانی کو تختۂ مشق بنایا، اور احادیث صحیحہ صریحہ کی یکسر تکذیب کردی۔

کرامیہ کی بنائے استدلال

نبوت کے لئے شعور لازم ہے۔ علم واحساس کے بغیر اس کا تقوّم نہیں۔ نبی سے نیند کی حالت میں بھی اس کی نفی نہیں ہوتی۔ اُسے علم ہوتا ہے کہ اس کا وضو باقی ہے یا نہیں۔ اسے کبھی احتلام نہیں ہوتا۔ جب نبی سے اس شعور کا انتفاء ہوگا نبوت بھی منتفی ہو جائے گی۔ اب اسے رسول کہنا ایک مجازی تعبیر ہوگی۔ کرامیہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ وفات پانے کے بعد پردۂ قبر میں گئے تو وہاں جسدِ اطہر جمادِ محض ہے، صرف اکراماً محفوظ ہے روح کا اس بدن سے کوئی تعلق نہیں۔ (استغفر اللہ)

حافظ ابن حزم ﷫ (۴۵۷ھ) جو عامہ اموات کے باب میں صرف رُوح کے عذاب کے قائل ہیں انبیاء کے جسدِ اطہر کو وہ بھی جمادِ محض نہیں مانتے۔ ایسے کہنے کو وہ ایک خبیث عقیدہ کہتے ہیں۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ آپ کی روح مقدسہ کو بدن اطہر سے کلیۃً جدا کرنے سے آپ کا اس وقت رسول ہونا خطرے میں پڑ جاتا ہے۔

ابن حزم ﷫ لکھتا ہے، سرخی ملاحظہ ہو:

الرد علیٰ من زعم ان الانبیاء علیہم السلام لیسوا انبیاء الیوم ولا الرسل الیوم رسلاً

ترجمہ: رد ان کا جو سمجھتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام آج انبیاء و رسل نہیں رہے۔

حدیث فرقة مبتدعة تزعم ان محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب ﷺ لیس هو الاٰن رسول اللہ ﷺ ولٰکنه کان رسول اللہ وسلم وهٰذا قول ذهب الیه الاشعریة وأخبرنی سلیمان بن خلف الباجی وهو من متقدمیهم الیوم ان محمد بن الحسن بن فورک الاصبهانی علیٰ هذه المسئلة قتله بالسم محمود بن سبکتگین صاحب ما دون وراء النهر من خراسان وهٰذه مقالة خبیثة مخالفة للہ تعالیٰ ولرسوله ﷺ ولما اجمع علیه جمیع اهل السلام مذ کان الاسلام الیٰ یوم القیمة... فروح النبی عندهم قد فنیت وبطلت ولا روح له الاٰن عند اللہ تعالیٰ واما جسده ففی قبره موات فبطلت نبوته بذلک ورسالته قال ابو محمد ونعوذ باللہ من هٰذا القول فانه کفر صراح لا ترداد فیه۔　(کتاب الفصل فی الملل والنحل ج۱، ص۸۸)

یعنی ایک نئے فرقے کی بات جو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ رسالت مآب ﷺ اب رسول اللہ نہیں رہے، وہ رسول اللہ تھے۔ اور مجھے سلیمان بن خلف الباجی (۴۷۴ھ) نے جوان لوگوں کے متقدمین میں سے ہے خبر دی کہ محمد بن حسن بن فورک کا یہی عقیدہ تھا جس کو محمود بن سبکتگین نے زہر دے کر قتل کیا تھا۔ اس فرقہ کا یہ خبیث عقیدہ اس کے اس فاسد نظریہ پر مبنی ہے کہ حضور ﷺ کا جسدِ مبارک روضۂ اطہر میں مردہ (محض بے جان) ہے۔ لہٰذا اس وجہ سے آپ کی نبوت و رسالت قائم نہیں رہی۔

سو جان لیجئے کہ روضۂ منورہ میں حیاتِ جسدی کی نفی اسے لازم ہے کہ اب آپ نبی نہیں رہے۔ اب آپ کی نبوت اس عالم میں صرف حکمی طور پر باقی ہے، بدن صرف اکراماً محفوظ ہے۔ اس کا مطلب اس کے سواء کچھ نہیں ہے کہ اسے مٹی نہ کھائے۔ ہم پوچھ سکتے ہیں کہ اگر وہ زندہ نہیں تو اس میں نرمی خوشبو اور پہلے دن کی سی تازگی کہاں سے آرہی ہے، اگر یہ روح کے تعلق سے نہیں تو اس کی اور کیا وجہ ہو سکتی ہے؟ روح کے تعلق کا یہ خفیف سا اظہار ہے ورنہ باقی سارے مراحل برزخ کے پردے میں ہیں۔

ہدایہ میں ہے کہ آپ ﷺ کا بدن مبارک آج بھی اسی حالت میں ہے جیسے کہ یہ پہلے دن قبر مبارک میں رکھا گیا تھا۔ (ہدایہ ج ۱ ص ۱۶۱ باب الجنائز)

قاضی شمس الدین صاحب بھی ہدایہ کی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں

آپ ﷺ اپنی قبر میں آج بھی ایسے ہیں جیسے پہلے دن رکھے گئے تھے اور پہلے دن جب رکھے گئے تو کیا کیفیت تھی؟ روح مبارک حسب کلام آخری اللّٰھم الرفیق الاعلیٰ رفیق اعلیٰ میں پہنچ چکی تھی اور جسم مبارک صحیح وسالم گلاب کے پھول کی طرح تر و تازہ تھا۔ آج بھی یہی کیفیت ہے اور قیامت تک یہی رہے گی۔ (مسالک العلماء ص ۶۸)

یہاں جب کوئی انسان فوت ہوتا ہے تو اس کا بدن فوراً نہیں اکڑ جاتا۔ کچھ عرصے تک نرم رہتا ہے پھر سخت ہونا شروع ہو جاتا ہے یہ کیوں؟ یہ اس لئے کہ روح کے اثرات اس کے نکلنے کے باوجود کچھ عرصہ تک باقی رہتے ہیں پھر آہستہ آہستہ جاتے رہتے ہیں پھر ابدان اکڑ جاتے ہیں۔

آنحضرت ﷺ کی وفات ہوئی تو بدن مبارک تا دفن تر و تازہ رہا۔ معلوم ہوا روح نے اپنے اثرات سلب نہیں کئے تھے اور قبر مبارک میں یہ اثرات اب تک اسی طرح ہیں۔ سو ہم کیسے مان لیں کہ یہ موت عام اموات کی طرح ایک موت تھی۔ یہ تو ایک پردے میں جانا تھا اور آپ چلے گئے، روح کے برزخ میں جانے کے بعد اگر اس کا تعلق پھر بدن سے قائم ہو جائے، بدن کی پہلی دنیوی نرمی ابھی باقی ہو کہ روح برزخ میں پھر اس بدن پر پرتو ڈال دے تو اس کا اثر ظاہر میں یہی ہوگا اور ہے کہ بدن آج بھی اسی طرح تر و تازہ ہے جیسا کہ پہلے دن تھا۔

اگر کوئی شخص کسی درجے میں بھی اس جسدِ اطہر کے قائم الحیات ہونے کا اقرار کر لے، روح مبارک کو اعلیٰ علیین میں مانے یا رفیق اعلیٰ میں، لیکن اس کے اتصال سے آپ کی حیات جسمانی کا قائل ہو تو وہ کرامیہ کے عقیدے سے نکل جاتا ہے۔ وہ کہہ سکتا ہے کہ میں حضور ﷺ کو حقیقی رسول مانتا ہوں۔

قاضی شمس الدین لکھتے ہیں: ''اسلام میں انبیاء علیہم السلام کے متعلق یہ عقیدہ رکھنا واجب ہے کہ وہ (اس)

زندگی میں بھی نبی حقیقی ہیں اور بعد الوفات (زندگی میں) بھی نبی حقیقی ہیں ابدالآباد کے لئے اور اُن پر کوئی ایک لمحہ بھی ایسا نہیں آتا کہ وہ اس میں نبی حقیقی نہ ہوں بلکہ حکمی یا مجازی ہوں۔" (مسالک العلماء ص ۱۰)

اہل سنت کا عقیدہ

علم کلام کے مشہور امام علامہ حسن بن عبدالمحسن المشہور بابی عذبہ فرماتے ہیں: قال ابو حنیفۃ انہ رسول ألاٰن حقیقۃ و قالت الکرامیۃ لا۔ (ایضاً ص ۱۳)

ترجمہ: امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ اب بھی حقیقی طور پر رسول ہیں اور فرقہ کرامیہ والے کہتے ہیں کہ آپ کا رسول ہونا اب حقیقی معنوں میں نہیں ہے۔

جب آپ ﷺ روح و بدن میں تقسیم ہو کر رہ گئے تو بتایئے رسول کہاں رہے؟ یہ کرامیہ کی بنائے استدلال تھی۔ اہل حق نے اس غلط فکر کو بالکل قبول نہ کیا۔ امام ابوالحسن الاشعری (۳۲۴ھ) نے معتزلہ اور کرامیہ کے سارے استدلال کو توڑ کر رکھ دیا...... ہماری عقائد کی کتابوں میں اسے اس طرح بیان کیا گیا ہے: "ھو ﷺ بعد موتہ باق علیٰ رسالتہ و نبوتہ حقیقۃ کما یبقیٰ وصف الایمان للمؤمن بعد موتہ و ذلک الوصف باق بالروح والجسد معاً لأن الجسد لا تاکلہ الارض... انہ ﷺ حی فی قبرہ رسولاً الی الأبد حقیقۃ لا مجازاً"

(الروضۃ البہیہ فیما بین الاشاعرۃ والماتریدیہ ص ۱۵ طبع حیدرآباد)

ترجمہ: حضور اکرم ﷺ اپنی وفاتِ شریفہ کے بعد اب بھی اپنی رسالت اور نبوت پر حقیقی طور پر قائم ہیں جیسا کہ مومن اپنی وفات کے بعد صفتِ ایمان سے متصف رہتا ہے اور حضور ﷺ کا اپنی رسالت پر حقیقی اعتبار سے قائم رہنا روح اطہر اور جسد انور کے مجموعہ کے ساتھ ہے......آپ ﷺ اب بھی اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں اور ہمیشہ تک کے لئے رسول ہیں۔ حقیقی معنی کے لحاظ سے نہ کہ محض حکمی طور پر۔

کرامیہ نے وفات النبی پر انتفائے نبوت کی بنا رکھنے کے لئے روضۂ منورہ کی حیاتِ جسمانی کو تختۂ مشق بنایا اور صریح طور پر عقیدہ حیات النبی کا انکار کر دیا اور نہ صرف خود ہی یہ اعتقاد باطل اختیار کیا۔ بلکہ انتفائے نبوت کے اس عقیدہ باطلہ کو امام اہل سنت امام ابوالحسن (۳۲۴ھ) کی طرف بھی منسوب کر دیا۔ جیسا کہ کتاب الفصل سے ظاہر ہے۔

امام ابوالحسن الاشعری کی زندگی تک کرامیہ کی یہ بات کہ حضور ﷺ اب حقیقی رسول نہیں ہیں، نہ آپ کی عبدیت باقی ہے، روح و بدن میں منقسم ہیں، کہیں نہ جم سکی۔ ان کے ساتھ امام ابوالمنصور الماتریدی (۳۳۳ھ) نے عقائد اہل سنت کے گرد حفاظت کا پہرہ دیا۔ محدثین کی طرف سے امام طحاوی (۳۲۱ھ) اہلسنت عقائد کی سرحد پر آ کھڑے ہوئے تھے اور انہوں نے عقیدہ طحاویہ لکھ کر اہل حق کی طرف سے پورا تحفظ کر لیا تھا۔

چوتھی صدی ہجری کے آخر میں کرامیہ جو عبداللہ بن کرام کے پیرو تھے اس مسئلے میں کھلے طور پر آ گئے کہ حضور ﷺ اب نبی اور رسول نہیں رہے۔ آپ روح اور بدن میں منقسم ہیں۔ حافظ ابن حزم (۴۵۸ھ) لکھتے ہیں: "حدث فرقۃ مبتدعۃ تزعم ان محمد بن عبداللہ لیس ھو الاٰن رسول اللہ ولکنہ کان"

(کتاب الملل والنحل ج ۲، ص ۸۸)

ترجمہ: ایک نیا فرقہ پیدا ہوا ہے جو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ آنحضرت ﷺ اب رسول اللہ نہیں رہے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ لوگ اسی دور کی پیداوار ہیں۔ ابن حزم کہتا ہے محمد بن حسن بن فورک ایرانی بھی یہی عقیدہ رکھتا تھا اور سلطان محمود بن سبکتگین (۴۲۱ھ) نے اسے الحاد پر موت کی سزا دی تھی۔ پانچویں صدی ہجری کے علماء اس الحاد کے خلاف اٹھے۔ اس وقت محدثین میں امام احمد بن الحسین البیہقی (۴۵۸ھ) کا چرچا تھا وہ بحرالعلوم تھے۔ امام ابوالقاسم الکریم القشیری (۴۶۵ھ) بھی آپ کے ساتھ تھے۔ ان حضرات نے حیاۃ الانبیاء پر رسالے لکھے اور اہل سنت عقیدے کو بیان کیا۔ علامہ ابن حزم ظاہری (۴۵۷ھ) گو عذاب قبر کے مسئلہ میں اہل السنۃ والجماعۃ کے ساتھ نہ تھے لیکن اس عقیدے کو کہ حضور ﷺ اپنے روضۂ اطہر میں (معاذ اللہ) بے جان پڑے ہیں وہ بھی ایک فاسد نظریہ سمجھتے تھے۔ آپ لکھتے ہیں: ''اس فرقہ کا یہ خبیث عقیدہ اس کے اس فاسد نظریہ پر مبنی ہے کہ حضور ﷺ کا جسدِ مبارک روضۂ اطہر میں (معاذ اللہ) مردہ رکھا ہے۔''

کرامیہ اس نظریہ کے حامل تھے کہ اپنے مذہبی خیالات کی ترویج کے لئے جھوٹ بولنا جائز ہے اس راہ سے انہوں نے یہاں تک لکھ دیا کہ امام ابوالحسن الاشعری بھی اسی عقیدے کے تھے، یہ اسی طرح ہے جس طرح آج کوئی شخص ان عقائد کو جو علمائے دیوبند کے نہ تھے بلکہ وہ ان سے تحاشی کر چکے تھے ان کے نام لگا کر کہے کہ اکابر علمائے دیوبند کے عقیدے بھی یہی تھے۔

حافظ ابن عساکر الدمشقی (۵۷۱ھ) نے اس فریب کا پردہ چاک کرنے کے لئے ایک مستقل کتاب لکھی جس کا نام ''تبیین کذب المفتری فیمانسب إلی الإمام ابی الحسن الاشعری'' ہے اور کرامیہ پر اہل حق کی حجت تمام کردی۔ علامہ ابوالقاسم عبدالکریم القشیری نے ''شکایة اهل السنة بما نالهم من اهل المحنه'' لکھی۔ امام بیہقی نے ایک مستقل رسالہ ''حیاۃ الانبیاء'' لکھا اور اہل حق اس وقت سے لے کر اب تک ان کرامیہ کی پرزور تردید کرتے آئے ہیں۔

کرامیہ کا مکروفریب

کرامیہ کا کس قدر فریب ہے کہ اپنے غلط عقائد کی نسبت اکابر اہل سنت کی طرف کررہے ہیں۔ حیات النبی ﷺ کا انکار اگر ان کا اپنا عقیدہ تھا تو صاف طور پر کہتے کہ یہ ہم کرامیہ کا اعتقاد ہے، اسے خواہ مخواہ اہل سنت کا عقیدہ بتلانا علم ودیانت کے قطعاً خلاف ہے، حیات النبی ﷺ کا انکار کرنے والے اس مسلکی التباس کے مرتکب کیوں ہیں؟ یہ اس لئے کہ ان کے نزدیک ترویج دین کے لئے اور اپنے خیالات پھیلانے کے لئے جھوٹ بولنا جائز ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی (۸۵۲ھ) لکھتے ہیں: ''ان بعض الکرامیة وبعض المتصوفة نقل عنهم اباحة الوضع فی الترغیب والترهیب وهو خطأمن فاعله نشأعن جهل'' (شرح نخبۃ الفکر ص ۵۸)

ترجمہ: بے شک بعض کرامیہ[1] سے اور بعض غلط مدعیان تصوف سے یہ منقول ہے کہ وہ ترغیب وترہیب اور وعظ ونصیحت کی خاطر جھوٹ گھڑنا جائز قرار دیتے ہیں اور یہ بہت بڑی غلطی ہے جس کا منشاء صرف جہالت ہے۔

---

[1] کرامیہ: هم فرقة من المشبهة نسبت الی عبدالله بن کرام ویدعون زیادة الورع والتقوی والمعرفة التامة وراجع له شرح الشرح لعلی القاری علیه رحمة ربه الباری

المراد باعتقاد حل الکذب ھو اعتقاد حلہ لمصلحۃ دینہ و ترویج مذھبہ (شرح نخبۃ الفکر ص ۷۲)

ترجمہ: جھوٹ حلال ہونے سے ان کی مراد یہی ہے کہ اپنے (مزعوم) دین کی خاطر اور اپنے دھڑے کو چلانے کے لئے جھوٹ بولنا اعتقادی طور پر حلال ہے۔

ان لوگوں کے مکر و فریب کا کیا حال ہوگا جو جھوٹ گناہ کے طور پر نہیں نیکی سمجھتے ہوئے بولتے ہیں۔ کیا یہ شیعہ کا عقیدہ تقیہ تو نہیں جو ہمیشہ مختلف اداؤں اور قباؤں میں ادا ہوتا آرہا ہے۔

فرقہ کرامیہ کے خصوصی عقائد

۱...... بنی آدم کی ارواح وفات کے بعد کلی مفارقت میں رہتی ہیں۔ اجساد محض جمادی حیثیت میں ہوتے ہیں۔ عذاب قبر صرف روح پر ہے بدن پر نہیں۔

۲...... آنحضرت ﷺ کا جسد اطہر روضہ میں بالکل بے جان اور بے حس و بے شعور ہے اور روح مبارک کا اس سے کسی قسم کا کوئی تعلق نہیں۔

۳...... اپنے مسلک کی حمایت میں اور اپنے مذہب کی ترویج کے لئے غلط بیانی کرنا جائز ہے، جھوٹ اس طرح بولو اور اتنا زیادہ بولو کہ یہ سچ نظر آنے لگے۔

۴...... آنحضرت ﷺ کی رسالت صرف حکماً باقی ہے۔ آپ خود اب نبی اور رسول نہیں ہیں۔ (معاذ اللہ)

۵...... کلمہ اسلام کے جزو محمد رسول اللہ کا یہ مطلب نہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں بلکہ یہ ہے کہ آپ اللہ کے رسول تھے۔

ابن حزم ظاہری (۴۵۷ھ) نے اسے صریح طور پر کفر قرار دیا ہے اب اس کا انکار ہو ہی نہیں سکتا۔

"قال ابو محمد و نعوذ باللہ من ھذا القول فانہ کفر صراح لا تردادفیہ" (کتاب الفصل ج ۲، ص ۸۸)

اس حقیقت کو کبھی نہ بھولئے

یہ بات غلط چل نکلی ہے کہ پنجاب میں مسئلہ حیات النبی ﷺ خیر المدارس ملتان کے ایک سالانہ اجلاس میں حضرت مولانا سید عنایت اللہ شاہ بخاری اور حضرت مولانا محمد علی جالندھری ؒ کی دو متقابل تقریروں سے شروع ہوا، ایسا نہیں۔ یہ اختلاف پانچویں صدی میں سامنے آچکا تھا اور ہم لوگ (اہل السنۃ والجماعۃ) اسے بھول چکے تھے کہ یکدم اس کا لاوا ملتان میں آنکلا۔ ہمیں اب تک معلوم نہیں ہو سکا کہ وہ شخص کون تھا جس نے خیر المدارس ملتان کے اس سالانہ اجلاس میں اچانک کھڑے ہو کر شاہ صاحب کو ایک دوسرے موضوع پر لگا دیا تھا؟

مناسب معلوم ہوا کہ اب ہم اپنی کتاب مقامِ حیات کے اس نئے اڈیشن میں جو کمپوز ہو کر سامنے آرہا ہے یہ حقیقت قارئین کے سامنے لے آئیں کہ اہلِ باطل نے اہلِ سنت کے عقیدہ صحیحہ پر پہلا وار کب کیا؟

۱...... سلطان طغرل بیگ سلجوقی کے عہد حکومت میں نیشاپور کے قریب ایک فتنہ پرداز شخص ہیکندی نامی اپنی خفیہ محنت سے سلجوقی دربار میں برسر اقتدار آگیا۔ وہ کھلے طور پر معتزلہ عقائد رکھتا تھا اور خفیہ طور پر شیعہ عقائد پھیلا رہا تھا۔ (۴۴۵ھ) کے قریب اس نے حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق ؓ کی اس عزت کو ختم کرنے کے لئے

جو انہیں مکینِ گنبدِ خضراء کے ساتھ روضہ انور علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں حاصل ہے، حضور اکرم ﷺ کے اپنے جسدِ اطہر کے بارہ میں یہ عقیدہ شروع کیا کہ آپ کا جسد روضۂ انور میں محض بے حس اور بے شعور پڑا ہے اور اس نے اس سے اپنے اس نئے عقیدہ کو شروع کیا اور اپنے معتزلہ ہونے کی بناء پر اہلِ سنت کو کمزور کرنے کے لئے ان پر واروں کے وار کئے، اس وقت مسلمانوں کی اتنی بڑی تعداد نہ تھی کہ ان پر سوادِ اعظم کا کوئی سیاسی رعب ہوا اور اس راہ سے اس نے حضور ﷺ کے بارے میں وہ عقیدہ لانے کی بھرپور محنت کی جس کا ذکر حافظ ابن حزم نے: ''کتاب الفصل بین الملل والنحل'' میں اس جلی عنوان سے تردید کی ہے: ''الرد علیٰ من زعم أن الأنبیاء علیہم السلام لیسوا أنبیاء الیوم ولا الرسل الیوم رسلاً'' (ج۱،ص۷۵)

یہ صرف ایک مکین گنبدِ خضراء ﷺ کی نبوت و رسالت کا انکار نہیں، کل انبیاء کرام علیہم السلام کی نبوت کا کھلے طور پر انکار ہو گیا۔ عالمی سطح پر اسلام کو مٹانے کی اس سے بڑی سازش اور کیا ہو سکتی ہے؟ اسلام دین کامل ہے اور اس نے قیامت تک رہنا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے اذان، اقامت اور نماز سے اپنی مسجدیں آباد اور قائم کیں۔ ان میں آپ کے اس عہد کے رسول ہونے کا ہی دو دفعہ اظہار اور اعلان ہوتا ہے:

أشهد أن محمدا رسول الله أشهد أن محمدا رسول الله

پہلے انبیاء کے بارے میں تو یہ بات چل سکتی تھی کہ وہ اب شاید رسول نہ رہے ہوں لیکن حضور ﷺ کے بارے میں تو اذان میں آپ کے عہد کا رسول ہونے کی ایک ایسی خبر ہے کہ کوئی انتہائی بدبخت بھی یہ کہنے کی جرأت نہ کر سکتا تھا۔

یہ بات صحیح ہے کہ قادیانی حضور ﷺ کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ اپنے اُس پہلے دور کے لئے رسول تھے۔ اِس دور کے لئے وہ مرزا غلام احمد قادیانی کو پیغمبر مانتے ہیں لیکن ہم مسلمان حضور ﷺ کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ آپ جس طرح اپنے پہلے دور کے امیین کے لئے رسول تھے آپ آخرین کے لئے بھی اسی طرح ایک رسول ہیں، آپ کے بعد کوئی نیا رسول نہیں۔

هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ، وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ۔ (پ۲۸، الجمعۃ: ۲، ۳)

ترجمہ: وہی ہے جس نے اٹھایا ان پڑھوں میں ایک رسول انہی میں کا، پڑھ کر سناتا ہے ان کو اس کی آیتیں اور ان کو سنوارتا ہے اور سکھلاتا ہے ان کو کتاب اور حکمت اور اس سے پہلے وہ پڑے ہوئے تھے کھلی گمراہی میں۔ اور اٹھایا اس رسول کو ایک دوسرے لوگوں کے واسطے بھی انہی میں سے جو ابھی نہیں ملی اور ان میں، وہی ہے زبردست حکمت والا۔

اس آیت میں کھلا اعلان ہے کہ اُس دور کے لوگوں کے لئے بھی آپ ﷺ ہی رسول ہیں اور اِس عہد کے رسول بھی آپ ہی ہیں۔ آپ کے اس وقت کے رسول ہونے کا کسی طرح انکار نہیں ہو سکتا اور کرامیہ نے جو عقیدہ اختیار کر رکھا ہے کہ حضور ﷺ اپنی قبر مبارک میں بالکل بے حس اور بے شعور پڑے ہیں اس میں حضور ﷺ کی رسالت کا کھلا انکار ہے اور اس عقیدے میں کھلا کفر ہے اور اس میں کسی شک کو بھی راہ نہیں دی جا سکتی۔

اسلام میں حیات النبی ﷺ کا عقیدہ پہلے سے ہے یا انکارِ حیات کا؟

ہم نے اس حقیقت پر ابن حزم کی تاریخی شہادت پیش کردی ہے کہ انکار حیات کے شعلے پانچویں صدی میں اٹھے اور یہیں سے کرامیہ چلے۔ اب اگر حیات النبی ﷺ کا عقیدہ اس سے پہلے اہلِ سنت کا امتیازی عقیدہ چلا آرہا ہے تو اس سے مماتیوں کے بارے میں یہ ادنیٰ تصور بھی راہ نہیں پاسکتا کہ انہیں اہلِ سنت کی صف میں بیٹھایا جاسکے اور جس طرح پہلے کسی دور میں بیکندی نے عقیدہ حیات النبی ﷺ کا انکار کیا تھا آج کے منکرین حیات بھی اسی طرح معتزلہ اور کرامیہ کی زلہ ربائی کررہے ہیں۔ ہم پھر بھی دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں توبہ کی توفیق دے اور یہ لوگ مکینِ گنبدِ خضریٰ ﷺ کو روضۂ انور میں بے حس و بے شعور اور روح سے بے تعلق نہ سمجھیں۔

انکارِ حیات النبی ﷺ سے بہت پہلے کی عقیدۂ حیات کی تاریخی شہادتیں

۱...... نزولِ قرآن کے دوران حیات بعد الموت اور اس کے ہمارے شعور سے بالا ہونے کی قرآنی شہادت:
پ ۲، البقرہ ۱۵۴

۲...... دا کی راہ میں قتل ہونے والے مردہ نہیں، انہیں رزق دیا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ رزق جسد کو ہی ملتا ہے:
پ ۴، آل عمران ۱۶۹

۳...... اس طرح شہیدوں کو رزق ملتا ہے اسی طرح بعض مرنے والے بھی وہ رزق پاتے ہیں۔ قرآنی شہادت:
پ ۱۷، الحج ۵۸

یہ آیات بتلارہی ہیں کہ پانچویں صدی کے عقیدہ انکارِ حیات سے بہت پہلے عقیدہ حیات النبی ﷺ موجود تھا اور حضور ﷺ اور صحابہ کرامؓ میں اس کے عام تذکرے تھے۔ سچ پہلے سے موجود ہوتا ہے، جھوٹ بعد میں بنتا ہے۔ حقیقت پہلے ہوتی ہے مجاز بعد میں بنتا ہے۔ اصلی شیر پہلے سے ہیں اور کاغذی شیر بعد میں بنتے ہیں۔ سچے نبی پہلے آئے اور جھوٹے بعد میں۔ (کذب کی راہ سے ہوں یا دجل کی راہ سے)

حضور ﷺ کی دنیوی زندگی میں آپ کے اور صحابہ کرامؓ کے مابین آپ ﷺ پر امتیوں کے صلوٰۃ وسلام پڑھے جانے کے عام تذکرے:

۱...... جسدِ اطہر کے ریزہ ریزہ نہ ہونے کی شہادت بروایت حضرت اوس بن اوسؓ۔

۲...... جسدِ اطہر کے بے حس و بے شعور نہ ہونے پر حضرت عثمانؓ کی شہادت۔

۳...... ضور ﷺ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کی قبر کی زندگی میں کھڑے ہوکر نماز پڑھتے دیکھا۔

۴...... ام المؤمنین حضرۃ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حضور ﷺ کی قبر کے پاس شور نہ کرنے کی ہدایت کہ آپ کو اذیت نہ ہو۔

۵...... جسدِ اطہر کے بے حس و بے شعور نہ ہونے پر حضرت بلالؓ کی شہادت۔

عقیدہ انکارِ حیات سے صدیوں پہلے حضور ﷺ کے سماع عند القبر کا عقیدہ موجود ملتا ہے اس کی تائید میں یہ چند ایمان افروز واقعات بھی ذہن میں رکھیں۔ واقعات روایات کی نسبت یاد میں زیادہ پختہ رہتے ہیں۔

۱...... علامہ سمہودی ﷫ نے اپنی کتاب تاریخ مدینہ میں ایام حرہ میں حضرت سعید بن المسیب ؓ کا حضور ﷺ کی قبر مبارک سے اذان سننے کی متواتر روایات نقل کی ہیں۔

۲...... حضرت عثمان غنیؓ کا اپنے ایام محاصرہ میں ہی کہنا کہ میں مدینہ میں حضور ﷺ کی مجاورت چھوڑ کر کسی اور آبادی میں نہیں جاسکتا۔ آپ نے فرمایا: ''لن أفارق دار ھجرتی و مجاورۃ رسول اللہ ﷺ فیھا''

ترجمہ: میں اپنے ہجرت سے بسائے ہوئے گھر کو چھوڑ کر نہیں جاسکتا اور نہ میں اس میں آپ ﷺ کی مجاورت سے نکلنا چاہتا ہوں۔

۳...... حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی عادت تھی کہ جب کبھی کسی سفر پر نکلتے تو حضور ﷺ کے روضہ پر سلام کر کے نکلتے اور واپسی میں بھی اپنے گھر جانے سے پہلے حضور ﷺ کے روضہ پر حاضری دیتے۔ یہ تب ہی ہوسکتا ہے کہ آپ سمجھتے ہوں کہ حضور ﷺ میرا سلام سنتے بھی ہیں اور جواب بھی دیتے ہیں۔

۴...... حضرت ابوایوب انصاریؓ نے بھی ایک دفعہ مروان کو کہا: ''جئت رسول اللہ ﷺ و لم آتِ الحجر''

(أخرجہ الحاکم وقال صحیح الاسناد ج ۴، ص ۵۱۵)

۵...... حضرت بلالؓ جب مدینہ سے داریا (ارضِ شام میں) چلے گئے تو آپ ﷺ نے (خواب میں) حضرت بلال کے اس عمل کو ناپسند فرمایا اور کہا: ''ماھذہ الجفوۃ یا بلال؟'' اے بلال! یہ جفا کسی؟ تیرے لئے یہی تھا کہ تو مجھے ملتا رہے۔ اس پر حضرت بلالؓ بہت غمگین ہوئے اسی وقت سواری لی اور مدینہ چل پڑے اور حضور ﷺ کی قبر مبارک پر حاضر ہوئے۔ حافظ ابن عساکر دمشقی (۵۷۱ھ) لکھتے ہیں: ''فجعل یبکي ویمرغ وجھہ علیہ فأقبل الحسن والحسین فجعل یضمھما ویقبلھما فقالا لہ یا بلال نشتھي نسمع اذانك الذي کنت تؤذن لرسول اللہ ﷺ في المسجد ففعل فعلا سطح المسجد فوقف موقفہ الذي کان یقف فیہ فلما أن قال ''اللہ أکبر اللہ أکبر'' ارتجت المدینۃ فلما أن قال ''أشھد أن لا إلٰہ إلا اللہ'' ازدادت رجتھا فلما أن قال ''أشھد أن محمدا رسول اللہ'' خرج العواتق من خدورھن وقالوا أبعث رسول اللہ ﷺ فما رئي یوم أکثر باکیا ولا باکیۃ بالمدینۃ بعد رسول اللہ ﷺ من تلك الیوم'' (تاریخ ابن عساکر)

ترجمہ: آپ رونے لگے اور اپنا چہرہ قبر پر ملنے لگے اتنے میں حضرت حسن اور حضرت حسینؓ بھی وہاں آگئے، آپ نے ان دونوں کو گلے سے لگایا اور چومنے لگے اور ان دونوں نے کہا ہم چاہتے ہیں کہ ہم آپ سے وہ اذان سنیں جو آپ مسجد میں حضور ﷺ کے لئے دیتے تھے۔ آپؓ مسجد کی چھت پر چڑھے اور وہاں کھڑے ہوئے جہاں آپ اذان کے لئے کھڑے ہوتے تھے، جب آپ نے اللہ اکبر کہا پورے مدینہ کی زمین ہل گئی، پھر جب کہا أشھد ان لا الٰہ الا اللہ تو زمین اور تیز ہلی پھر جب آپ نے حضور ﷺ کی رسالت کی گواہی دی کہ آپ ہی اس وقت کے رسول ہیں تو عورتیں بھی اپنے خیموں سے نکل آئیں اور سنا گیا کہ کیا حضور ﷺ تشریف فرمائے ہوئے ہیں؟ مردوں اور عورتوں کو مدینہ میں اس سے زیادہ رونے والا کبھی نہ دیکھا گیا۔

یہ صحیح نہیں کہ مسئلہ حیات النبی ﷺ ۱۹۶۰ء میں خیر المدارس ملتان سے چلا اس سے بہت پہلے حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی ﷫ (۱۲۹۷ء) آب حیات لکھ چکے تھے۔ پھر مولانا عبدالرحمٰن بلہاوری (مقیم بمبئی) نے حضور اکرم ﷺ کے روضہ اقدس کی زیارت کے عنوان سے اس پر ایک نہایت محققانہ کتاب ''التحقیق التام فی

استحباب زیارۃ سید الانام علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام" کے نام سے لکھی جو مطبع تر کی واقع بمبئی میں ۱۳۲۵ء کو چھپی۔ یہ تیرہویں صدی کی دونوں کتابیں عقیدہ حیات کی پرانی کتابیں ہیں یہ پہلے سے موجود تھیں کہ ملتان سے انکار حیات کی آواز اٹھی اور اس عنوان سے ایک نیا مماتی فرقہ سامنے آ گیا۔ پرانے دور میں اس کا نام کرامیہ تھا جو معتزلہ کی ایک شاخ تھے۔

نامناسب نہ ہوگا کہ ہم مولانا بلہاروی ؒ کی اس کتاب کے بھی چند جواہر ریزے اپنے قارئین کے سامنے لے آئیں اور انہیں کچھ مزید طمانینت کا موقع بہم پہنچائیں تا کہ ہمارے اہل سنت بھائی اس نئے بدعتی فرقہ سے اپنے آپ کو اور اپنی نسلوں کو بچا سکیں۔ مولانا بلہاروی لکھتے ہیں:"وروی ابو داؤد الطیالسی بسند صحیح أن رسول اللہ ﷺ قال لما مات ابراهيم أن له مرضعاً في الجنة"

ترجمہ: امام ابوداؤد طیالسی ؒ (۲۰۴ء) نے سند صحیح سے روایت کیا ہے کہ جب حضور ﷺ کے بیٹے ابراہیم نے وفات پائی تو آپ نے فرمایا اسے جنت میں ایک دودھ پلانے والی گود میں لئے ہوئے ہے (ظاہر ہے کہ دودھ پینا جسد کی صفت ہے روح کی نہیں یہ عالم برزخ میں روح و جسد کا جمع ہونا ہے)

اور پھر اس کی شرح میں لکھتے ہیں:"فقد تبين لك...... من الأحاديث السابقه حياة النبي و سائر الأنبياء عليهم السلام وقد قال الله سبحانه وتعالىٰ في الشهداء وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ (آل عمران ۱۶۹) والانبياء أولىٰ بذلك فهم أجل و أعظم وقل نبي الا وقد جمع مع النبوة وصف الشهادة فيدخلون في عموم لفظ الآية فثبت كونه ﷺ حيٌ في قبره بنص القرآن اما من عموم اللفظ و اما من مفهوم الموافقة"

ترجمہ: پچھلی بیان کردہ احادیث سے حضور ﷺ کی حیات اور دیگر سب انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات کھل کر تمہارے سامنے آ چکی ہے اور بیشک اللہ تعالیٰ نے شہداء کے بارے میں فرمادیا ہے کہ تم شہیدوں کو مردہ نہ سمجھو وہ زندہ ہیں اور اپنے رب کے ہاں انہیں رزق ملتا ہے اور انبیاء کرام علیہم السلام اس شان حیات کے ان سے زیادہ لائق ہیں اور ان سے (شہیدوں سے) اپنی شان جلال اور عظمت میں بہت آگے ہیں شاید ہی کوئی ایسا نبی ہوا ہو جس میں نبوت کے ساتھ وصف شہادت جمع نہ ہو، سو اس عموم میں سب انبیاء آ جاتے ہیں۔ اس سے حضور اکرم ﷺ کا اپنی قبر میں زندہ ہونا نص قرآن سے ثابت ہے اسے آیت حیاۃ شہداء کے عموم سے سمجھیں یا مفہوم موافقت سے آپ ﷺ کا اپنی قبر مبارک میں حیات برزخی سے زندہ ہونا پوری طرح واضح ہے۔

یہ وضاحت کس لفظ سے سامنے آئی؟

رزق پانے سے! اب رزق پانا اور کھانا پینا یہ بدن کے اوصاف میں سے ہیں، روح کھانا نہیں کھاتی نہ دودھ پیتی ہے جب حضور ﷺ نے اپنے بیٹے ابراہیم کے جنت میں دودھ پینے کی خبر دی تو اس سے اسکے عالم برزخ میں بدن کے زندہ ہونے کا کھلا ثبوت ملا اور معتزلہ جو اس بات کے قائل ہیں کہ عالم برزخ میں روح و جسد کا کلی انقطاع ہے وہ یقینی درجے میں غلطی پر ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں سمجھنے کی توفیق دے۔

اس سے یہ بھی واضح ہوا کہ یہ برزخی رزق صرف قتل ہونے والوں کو نہیں ملتا ابراہیم کی طرح وفات پانے والوں کو بھی ملتا ہے۔ جس کے جنت میں دودھ پینے کی خبر خود حضور ﷺ نے دی ہے۔

قرآن کریم میں یہ رزق پانے کی خبر ''شہادت پانے والے'' اور ''وفات پانے والے'' دونوں کیلئے

''وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللهِ ثُمَّ قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللهُ رِزْقًا حَسَنًا، وَاِنَّ اللهَ لَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ'' (پ ۱۷، الحج ۵۸)

ترجمہ: اور جو لوگ گھر چھوڑ آئے اللہ کی راہ میں پھر مارے گئے یا مر گئے البتہ ان کو دے گا اللہ روزی خاصی اور اللہ ہے سب سے بہتر روزی دینے والا۔

ویسے تو سب مؤمنوں کے لئے جنت کا وعدہ ہے لیکن شہداء کرام اور انبیاء عظام علیہم السلام کی عالم برزخ میں جس رزقِ حسن کی بشارت ہے اس سے عقیدہ حیات کی اور وضاحت ہوگئی۔ حضرت شیخ الاسلام ؒ لکھتے ہیں:

''مومنین کا انجام پہلے بتلایا تھا، یہاں (سورۃ الحج میں) ان میں سے ایک ممتاز جماعت کا خصوصی طور پر ذکر فرمایا۔ یعنی جو لوگ خدا کے راستہ میں گھر بار چھوڑ کر نکل کھڑے ہوئے خواہ وہ لڑائی میں شہید ہوں یا طبعی موت سے مریں دونوں صورتوں میں اللہ کے ہاں ان کی خاص مہمانی ہوگی۔ کھانا، پینا، رہنا سہنا سب ان کی مرضی کے موافق ہوگا۔''

(تفسیر عثمانی ص ۴۵۱ طبع سعودی عرب)

یہی جنت کی زندگی ہے جسے حیات شہداء کہا جاتا ہے اس میں اَوْ مَاتُوْا کہہ کر طبعی موت سے وفات پانے والے انبیاء کرام بھی آ گئے۔ اہلِ سنت حیات شہداء اور حیات انبیاء دونوں کے برزخی حیات سے زندہ ہونے کے قائل ہیں۔ اس آیت میں قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا میں کسی فرق کو راہ نہیں دی جاسکتی۔ ہمیں بعض مماتی سورۃ الحج کے ان الفاظ ثُمَّ قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا پر اس طرح پریشان دکھائی دیئے کہ ان کی بیچارگی انتہائی قابلِ رحم تھی۔ انہیں کہا گیا کہ جب آپ شہداء کو جن کا خون سامنے بہا اور وہ دفن بھی کئے گئے زندہ مانتے ہیں تو ان کے ساتھ انبیاء کرام علیہم السلام کو زندہ ماننے میں کیا مشکل ہے؟ انہوں نے کہا آیت حیات شہداء کے آخر میں یہ جو وَلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ کے الفاظ ہیں ہمیں ان سے کچھ سکون مل جاتا ہے کہ ان کی حیات ہمارے شعور سے بالا ہے۔ ہم نے کہا پھر حیات انبیاء کو تسلیم کرنے میں بھی آپ یہی سمجھ لیں کہ ان کی حیات ہمارے شعور سے بالا ہے لیکن وہ ہیں زندہ ہی گو وہ طبعی موت سے دنیا کی زندگی سے گئے اور آیت سورہ الحج میں ثُمَّ قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا سے آپ انبیاء کی حیات پر اس طرح ایمان رکھیں کہ شہداء کی حیات عبارت النص سے اور انبیاء کی حیات دلالۃ النص سے ثابت ہے اس سے انکار حیات کے مدعی اپنے اس بدعی عقیدہ سے یکسر توبہ کرلیں اور اپنے اندر یہ احساس قائم کریں کہ ان کی حیات ہمارے شعور سے بالا ہے اس راہ سے شہیدوں کی حیات پر ایمان لانا اور انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات برزخی پر جو جسدِ اطہر سے قائم ہے ایمان لانا دونوں میں ہرگز کوئی بوجھ محسوس نہ ہوگا۔

سنن ابوداؤد جو صحاح ستہ میں تیسرے درجے کی کتاب ہے اس میں موت کے بعد پھر روح کا اپنے بدن میں لوٹایا جانا ''تُعَادُ رُوْحُهٗ'' کے الفاظ سے مذکور ہے لیکن یہ الفاظ عامہ اموات کے بارے میں ہیں۔ حضور اکرم ﷺ کے بارے میں ابوداؤد طیالسی کے یہ الفاظ سند صحیح سے ملتے ہیں ''رَدَّ اللهُ عَلَيَّ رُوْحِيْ'' امام بیہقی (۴۵۷ھ) کے ہاں بھی یہی الفاظ ہیں۔

عارف باللہ علامہ سبکی امام بیہقی کی روایت کے بارے میں لکھتے ہیں اسے بمبئی کے علامہ بلہوری ان سے اس طرح نقل کرتے ہیں: ''قال الشیخ وروایۃ البیہقی ألطف وأنسب فان بین التعدیتین فرقا لطیفا فان ردیعدی بـ ''علی'' فی الاھانۃ وبـ ''إلی'' فی الاکرام''

اس کے بعد علامہ بلہوری نے لغت کی کتاب الصحاح اور علامہ راغب کی المفردات سے لفظ رد کا ''عَلٰی'' سے متعدی ہونا اور ''اِلٰی'' سے متعدی ہونا دونوں کی مثالیں قرآن کریم سے نقل کی ہیں: قال فی الصحاح ردعلیہ الشیئ اذا لم یقبلہ وکذا اذا خطأہ وتقول: ردہ الی منزلہ ورد الیہ جوابا ای رجع

وقال الراغب من الاول قولہ تعالیٰ: یَرُدُّوْکُمْ عَلٰٓی اَعْقَابِکُمْ (آل عمران ۱۴۹) وَنُرَدُّ عَلٰٓی اَعْقَابِنَا (انعام ۷۱) ومن الثانی: فَرَدَدْنٰہُ اِلٰٓی اُمِّہٖ (القصص ۱۳) وَلَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰی رَبِّیْ لَاَجِدَنَّ خَیْرًا مِّنْھَا مُنْقَلَبًا (الکہف ۳۶)''

بمبئی کے علامہ بلہوری نے اس عقیدہ پر منکرین حیات کے وہ دو اشکالات نقل کئے ہیں قارئین کرام پہلے وہ اشکالات سن لیں پھر ان کے ایمان افروز جوابات سے اورلذت انداز ہوں۔

الثالث: لا یقال لو کان النبی ﷺ حیا فی قبرہ دائما لزم کونہ محصورا فی القبر أو مسجونا فیہ لأنا نقول قد ورد ان المؤمن یفسح لہ فی قبرہ کمد البصر فکیف بالنبی ﷺ

الرابع: ان قیل فإذا کانوا أحیاء فقد أحیاھم اللہ تعالیٰ بعد موتھم فیلزم من ذٰلک أنھم...... موتۃ عند النفخ فی الصور فیذوقون الموت اکثر من غیرھم أجاب الامام الحافظ العلائی فی ترجمۃ عیسی علیہ السلام بأنہ اذا نفخ فی الصور فصعق من فی السمٰوات ومن فی الأرض فلا شک ان صعق غیر الانبیاء بالموت واما صعق الأنبیاء بالظاھر ان غشیۃ وزوال استشعار لا موت غیرھم لئلا یلزم أنھم یموتون مرتین وھذا ما اختارہ الامام البیہقی والقرطبی وغیرھما ان صعقتھم یومئذ لیس موت بل غشی أو نحوہ ویدل بصحۃ قولہ ﷺ ان الناس یصعقون یوم القیمۃ فأکون أول من یفیق جاذا أنا بموسیٰ آخذ بقائمۃ العرش فلا أدری أفاق قبلی أم جوزی بصعقۃ الطور جلم یکن حیّا من قبلی فان ھذا یقتضی انہ اذا نفخ النجخۃ الثالثۃ وھی نفخۃ البعث یفیق من کان مغشیا علیہ ویحیٰ من کان میتا والنبی ﷺ وکذٰلک غیرہ من الأنبیاء لا یحصل لھم الا الغشی۔

والحاصل أن نبینا ﷺ تحقق اول من یفیق وأول من یخرج من قبرہ قبل الناس کلھم کالانبیاء وغیرھم الا موسیٰ علیہ السلام فانہ یحصل لہ تردد ھل بعث قبلہ أو بقی علی الحالۃ التی کان علیھا قبل نفخۃ الصعقۃ

اِعادۂ روح بہ ردِ روح ہو یا بہ تعلق روح، برزخ میں دونوں کا اشتراک

حدیث کی کتابوں میں مؤمن کی وفات کے بعد روح کے پھر سے داخل بدن ہونے اور قبر میں منکر اور نکیر دو فرشتوں کے آنے اور میت سے سوالات کرنے کے عام تذکرے ملتے ہیں۔ روح داخل بدن نہ بھی ہو تو اس کے اشراف سے روح اور بدن کا ایسا تعلق قائم ہو جاتا ہے جیسے مقناطیس لوہے کے ذرات پر اپنا اثر ڈالتا ہے۔ سنن ابی داؤد میں ہے: ثُمَّ تُعَادُ فِیْہِ الرُّوْحُ (ج ۲، ص ۲۹۸) نیک مؤمن کو قبر میں کہا جاتا ہے: نم صالحا قد علمنا ان کنت موقنا بہ (صحیح بخاری ج ۱، ص ۱۹) آرام کی نیند سو جا تو بیشک اللہ پر ایمان رکھتا تھا ظاہر ہے کہ نیند جسد میں اترتی ہے روح پر نہیں، آنکھیں سوتی ہیں روح نہ سوتی ہے نہ بھاگتی ہے۔ حضور اکرم ﷺ کا اپنا ارشاد ہے ''رد اللہ علی روحی'' اس سے

بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ بھی اپنی قبر مبارک میں روح اور جسد دونوں سے ہیں۔ جسد اطہر بے حس و بے شعور نہیں ہے۔ کرامیہ جو معتزلہ کی ایک شاخ ہے وہ حضور ﷺ کو قبر میں بے جان سمجھتے ہیں اور وہ اہل سنت کی ایک مخالف جماعت ہے۔ ''ماأناعلیه وأصحابی'' کی صف میں انہیں بٹھایا نہیں جاسکتا، وہ عذاب قبر کے بھی منکر ہیں اور اہل سنت روح وجسد دونوں پر عذاب قبر کا عقیدہ رکھتے ہیں۔

روح کے بدن میں واپس لوٹنے سے متبادر ہوتا ہے کہ جسد اطہر کبھی روح سے بے تعلق بھی ہوتا ہے، ایسا نہیں ہے۔ جب حضور ﷺ اپنی قبر مبارک پر حاضری دینے والے سب زائرین کا سلام سنتے ہیں اور دن رات میں کوئی ایسا وقت نہیں آتا کہ کچھ نہ کچھ لوگ وہاں سلام نہ پڑھ رہے ہوں تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ جسدِ اطہر کسی ایک لمحہ کے لئے بھی بغیر روح کے ہو؟ پھر آپ پر یہ ردِ روح کب ہوا؟ جب آپ کی وفات ہوئی اور اللہ کا وعدہ انک میت آپ پر پورا ہوا تو اس کے بعد آپ پر جب پہلا سلام پڑھا گیا تو یہ رد روح عمل میں آیا۔

سب سے پہلے حضور ﷺ پر سلام کس نے پڑھا؟

حضور ﷺ کی وفات کے بعد حضور ﷺ کی پیشانی پر بوسہ کس نے دیا؟ حضرت ابوبکرؓ نے، اور آپ کی وفات کا اعلان بھی آپ نے ہی کیا۔ ظاہر ہے کہ آپ پر سلام بھی آپ نے ہی عرض کیا ہوگا۔

علامہ علاؤالدین القونوی الشافعی اپنے رسالہ آداب البعث میں لکھتے ہیں: ''ظاھر رد روحه ﷺ عند سلام اول من سلم علیه بعد وفاته''

آپؓ کے حواس اس انتہائی درجے کے صدمے کے وقت بھی پوری طرح قائم تھے۔ حضرت عمرؓ جیسے مدبر اور مفکر بھی اپنے حواس کھوئے ہوئے تھے۔ حضرت سیدہ فاطمہ اور ام المؤمنین حضرت عائشہؓ بھی اپنی جگہ نڈھال تھیں اس وقت کس کی ہمت تھی کہ آپ کو سلام کہہ سکے۔ آپ کے سلام کہنے سے یہ ردِ روح ہوا اور اس وقت سے لے کر اب تک آپ ﷺ اپنی قبر مبارک میں حیات عنصری برزخی سے زندہ ہیں۔ یہاں حدیث رد اللہ علیّ روحی میں روح مبارک کا جسدِ اطہر کی طرف بار بار لوٹنا مراد نہیں بلکہ یہ استیقاظ (جاگنے) کے معنی میں ہے۔ حضرت علامہ بلہوری ؒ حضرت امام سبکی کے حوالہ سے لکھتے ہیں: ''قال الشیخ ان لفظ الرد قد لا یدل علی انفکاک المفارقة بل کنی به عن مطلق الصیرورة کما قیل فی قوله تعالیٰ حکایة عن شعیب علیه السلام قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِيْ مِلَّتِكُمْ (الاعراف ۸۹) ان لفظ العود ارید به مطلق الصیرورة لا العود بعد الانتقال لان شعیبا علیه السلام لم یکن فی ملتهم قط وحسن استعمال هذا اللفظ فی هذا الحدیث مراعاة للمناسبة اللفظیة بینه وبین قوله حتی أرد علیه السلام فی لفظ الرد فی صدر الحدیث لمناسبة ذکره فی آخر الحدیث''

ترجمہ: علامہ سبکی کہتے ہیں لفظ رد کبھی انفکاک مفارقت (پوری علیحدگی) کے معنی میں نہیں مطلق صیرورت کے معنی میں بھی آتا ہے جیسے قرآن کریم میں حضرت شعیب کا یہ قول مذکور ہے: قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِيْ مِلَّتِكُم یہاں عود سے مراد مطلق صیرورت ہے، عود بعد الانتقال نہیں کیونکہ آپ ان کی ملت میں سے نہ تھے اور اس حدیث (رد اللہ علیّ روحی) میں اس کا آنا اس کے آخری حصے (حتی أرد علیه السلام) سے بہت خوبصورتی میں وارد ہے اور یہ اس کے اوّل اور آخری ایک لفظی مناسبت ہے۔

حضرت علامہ سبکی ﷫ فرماتے ہیں کہ آپ عالم برزخ میں عالم ملکوت سے اس قدر مشتغل اور اپنے رب کریم کے مشاہدہ میں اس قدر مستغرق ہو گئے تھے کہ آپ کی وہ حالت ہو گئی جو دنیا میں رہتے ہوئے بھی وحی کے اترتے وقت ہو جایا کرتی تھی (جیسے انتہائی سردی میں بھی پسینہ پسینہ ہو جانا اور وزن کی گرانی بھی اتنی کہ کسی سے برداشت نہ ہو سکے) اور صرف وحی کے اترتے وقت نہیں اور بھی کئی ایسے اوقات آجاتے کہ آپ کی اس دنیا کی طرف توجہ نہ رہے۔

شیخ عارف حضرت علامہ سبکی ﷫ نے اسے ''وفی اوقات آخر'' سے بیان کیا ہے۔

راقم الحروف کو ایک اور ایسا موقع بھی یاد آرہا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ ؓ آپ کے پاس آئیں تو آپ نے پوچھا کون ہے؟ ام المؤمنین نے کہا عائشہ، آپ نے کہا عائشہ کون؟ حضرت عائشہ سمجھ گئیں کہ آپ ﷺ نے مجھے پہچانا نہیں اور واپس ہو گئیں آپ کا یہ اس دنیا میں عالم ملکوت میں استغراق تھا۔ حضرت علامہ سبکی ﷫ حدیث کے ان الفاظ ''رد اللہ علیّ روحی'' میں بھی اسی طرح کی حالت آنا مراد لے رہے ہیں۔ حضرت علامہ سبکی ﷫ اسے اس طرح بیان کرتے ہیں: ''ان تکون روحہ الشریفۃ مشتغلۃ بشھود الحضرۃ الالٰھیۃ والملأ الأعلیٰ عن ھذا العالم فاذا سلم علیہ اقبل روحہ الشریفۃ علیٰ ھذا العالم فیدرک سلام من سلم علیہ او یرد علیہ''

ترجمہ: یہ اس صورت میں ہے کہ آپ کی روح مبارک اللہ کے حضور اور ملاء اعلیٰ میں اس قدر مشتغل ہو کہ اس دنیا کی طرف کوئی دھیان نہ رہے، جب آپ پر سلام کہا جائے تو آپ کی روح پھر اس طرف متوجہ ہو خواہ اس درجہ میں کہ سلام کہنے والے کا سلام سن لے یا اس درجے میں کہ اسے جواب میں وعلیک السلام بھی کہے۔

یہ اسی طرح ہے جیسا کہ حضور ﷺ نے فرمایا حضرت عیسیٰ بن مریم ؑ اپنے نزول کے بعد) میری قبر پر اتریں اور مجھ پر سلام کہیں تو میں انہیں جواب بھی دوں گا (جسے وہ بھی سن لیں) او کما قال النبی ﷺ

عادۃً ایسا کبھی نہیں ہوتا کہ کوئی حضور ﷺ کے روضہ پر آکر آپ پر سلام کہے تو وہاں آپ کے دو ساتھیوں پر سلام کہے بغیر وہ واپس ہو جائے۔

حضرت علامہ سبکی ﷫ نے حضور ﷺ پر ایسی حالت کے آنے پر حدیث کے حوالے سے ایک اور بات بھی کہی ہے: ''قلت وفی حدیث ابی اسید حین جاء بابنہ الی رسول اللہ ﷺ لیحنکہ فوضعہ علی فخذ رسول اللہ ﷺ واشتغل رسول اللہ ﷺ بالحدیث مع الناس فرفع ابو اسید ابنہ ثم استیقظ رسول اللہ ﷺ فلم یجد الصبی فسأل عنہ فقالوا رفع فسماہ الراوی استیقاظا''

ترجمہ: حدیث ابی اسید میں ہے جب وہ اپنے بیٹے کو حضور ﷺ کے پاس تحنیک کے لئے لائے اور انہوں نے اسے حضور ﷺ کی ران مبارک پر رکھا حضور ﷺ لوگوں کے ساتھ کوئی بات کر رہے تھے اسی دوران ابو اسید نے اپنے بیٹے کو گود مبارک سے اٹھا لیا تو جب حضور ﷺ اس بات سے فارغ ہوئے اور بچے کو گود میں نہ پایا تو آپ نے اس کے بارے میں پوچھا، پاس کے لوگوں نے آپ کو بتایا کہ اسے اٹھا لیا گیا ہے۔

اس پر علامہ سبکی ﷫ فرماتے ہیں کہ بچہ اٹھاتے وقت حضور ﷺ کو جب بچہ کے اٹھائے جانے کا پتہ نہ چلا اور آپ نے اس کے بارے میں پوچھا تو راوی نے آپ کی اس حالت کو جاگنے سے تعبیر کیا ہے۔ حالانکہ حضور ﷺ اس وقت سوئے نہ تھے باتیں کر رہے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ راویوں کی اس طرح کی تعبیر سے کبھی بات کسی اور معنی پر بھی آجاتی ہے اس میں آپ سمجھانا چاہتے ہیں کہ اس طرح کے روحانی حالات میں آپ ﷺ کی عالم عنصری کی

برزخی زندگی کا انکار نہ کیا جائے اور معتزلہ کے فرقہ کرامیہ کے انکار حیات کے مؤقف سے بچنے اور ہٹنے کی پوری کوشش کی جائے۔ راقم الحروف اس قسم کے توہمات سے اہلِ سنت کے دائرہ حقہ سے نکلنے والے مماتیوں کو یہ مشورہ دینے میں خوشی محسوس کرتا ہے، اسے احقر کی طرف سے کوئی جذبہ عناد نہ سمجھیں۔ واللہ علی ما أقول شہید!

انکارِ حیات کا تاریخی پس منظر

سلطان طغرل بیگ سلجوقی کے عہد حکومت میں نیشاپور کے قریب ایک بہت فتنہ پرداز شخص گزرا ہے، اس کا نام بیکندی تھا۔ وہ لطائف الحیل سے سلجوقی دربار میں منصب وزارت پر آ گیا تھا اس کے عقائد اعتزال و رفض کا امتزاج تھے۔

۴۴۵ھ کے قریب اس نے وفات النبی اور جسد جمادی کی تمہید سے انتفائے نبوت کا عقیدہ اختیار کیا۔ اس کا اعتقاد تھا کہ حضور ﷺ کا جسد اطہر روضہ منورہ میں محض بے حس و بے شعور ہے۔ اس نے اسے انعزال نبوت کے لئے کہ حضور ﷺ وفات شریفہ کے بعد اب حقیقۃً رسول نہیں رہے، ایک سیڑھی بنایا اور صرف یہی نہیں بلکہ اس نظریے کو امام ابوالحسن اشعری رحمہ اللہ کی طرف بھی منسوب کر دیا۔ اقتدار کے سہارے اور جھوٹ بول کر اس نے ان خیالات کو بہت دور تک پہنچانے کی کوشش کی۔

اس کے عقیدہ میں روضہ منورہ کی حیات جسمانی کا انکار اس لئے بھی تھا کہ اس سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے جوارِ رسول ﷺ میں ہونے اور روضہ اطہر میں ہم پہلو سونے کی شانِ امتیاز کمزور ہوتی تھی۔ ممکن ہے اس سے اس کے رفض کو کچھ تسکین پہنچتی ہو۔

پھر وفات کے بعد روح و بدن کی کلی مفارقت سے عذابِ قبر کا انکار بہت ہی آسان ہو جاتا تھا سو اس سے اس کے اعتزال کو قوت ملتی تھی۔

یہ عقیدہ کہ اب حضور ﷺ رسول نہیں رہے، دراصل جزوِ کلمہ ''محمد رسول اللہ'' ہی میں تشکیک کی راہ پیدا کرنا تھا۔ حالانکہ یہ کلمہ بالاجماع صحیح ہے اور اس میں آپ کے لئے صحیح اقرارِ رسالت ہے۔ انکار حیاتِ قبریہ اور انعزال نبوتِ حقیقیہ کے دونوں باطل عقیدے دوش بدوش چلنے لگے۔ کتاب و سنت کی بہت سی تصریحات بنائے فاسد علی الفاسد کی لپیٹ میں نذر تاویلات ہوتی رہیں اور اہل حق بھی اپنی طرف سے اس کے ابطال کی طرف پورے متوجہ رہے۔ اکابر اہل سنت نے ان نظریات پر نکیر کی اور امام اہل سنت امام ابوالحسن اشعری رحمہ اللہ پر جو افترائات باندھے گئے تھے کہ ان کے عقائد بھی یہی تھے، ان تمام الزامات کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دیں۔

اس وقت امام حدیث احمد بن الحسین البیہقی رحمہ اللہ (متوفی ۴۵۸ھ) زندہ تھے۔ آپ نے اور امام ابوالقاسم عبدالکریم القشیری رحمہ اللہ نے نہایت قوت اور ثابت قدمی سے کرامیہ کا مقابلہ کیا۔ یہ سارے مفاسد جس بنیاد پر قائم کئے جا رہے تھے، وہ یہی تھی کہ حضور ﷺ اب اپنی قبر میں محض بے جان ہیں۔ معاذ اللہ ان بزرگوں نے یہ جڑ ہی اکھاڑ کر رکھ دی اور بتایا کہ حقیقت حال اور قرآن و سنت کا استدلال کیا ہے۔ امام بیہقی نے رسالہ ''حیات الانبیاء'' لکھا اور علامہ قشیری نے شکایۃ اھل السنۃ بما نالھم من اھل المحنۃ میں ان افترائات کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی۔

ان واقعات کی تفصیل کے لئے حافظ ابن عساکر رحمہ اللہ کی کتاب ''تبیین کذب المفتری'' اور طبقات الشافعیہ زیر ترجمہ امام ابوالحسن الاشعری رحمہ اللہ ملاحظہ کیجئے۔ علامہ تقی الدین سبکیؒ لکھتے ہیں: ''فان قیل فمن این وقعت

هذه المسئلة ان لم يكن لها اصل قيل ان بعض الكرامية ملأالله تعالى قبره نارا وظنى ان الله قد فعل الزم بعض اصحابنا۔" (طبقات الشافعیہ ج ۲ ص ۲۸۲)

ترجمہ: اگر کہا جائے کہ جب اس مسئلے کی کوئی اصل نہیں تو پھر یہ کہاں سے آ گیا؟ تو جواب میں کہا جائے گا کہ بعض کرامیہ نے اللہ تعالیٰ ان کی قبر کو آگ سے بھرے اور میرا گمان یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بھر دیا ہوگا، سب سے پہلے یہ مسئلہ گھڑا تھا۔

امام حدیثؒ کے اس جلال اور ناراضگی کو دیکھئے اور اس پر غور کیجئے۔ اس کے برعکس اپنا عقیدہ آپ ان الفاظ میں لکھتے ہیں: "لان عندنا رسول الله ﷺ حي يحس ويعلم وتعرض عليه اعمال الأمة يبلغ الصلوة والسلام على مابينا" (طبقات الشافعیہ ج ۲، ص ۲۸۲)

ترجمہ: کیونکہ ہمارے نزدیک حضور ﷺ زندہ ہیں اور آپ کی یہ حیات حسی ہے اور آپ علم رکھتے ہیں اور امت کے اعمال آپ پر پیش کئے جاتے ہیں اور آپ کو صلوۃ وسلام جیسا کہ ہم نے بیان کیا پہنچایا جاتا ہے۔

پھر آپ نے اپنا عقیدہ ان الفاظ میں لکھا ہے: "ان من عقائدنا ان الانبياء علیہم السلام أحياء فى قبورهم فاين الموت الى أن قال وصنف البيهقى جزء سمعناه فى حياة الانبياء فى قبورهم واشتد نكير الاشاعرة على من نسب هذا القول الى الشيخ" (ایضاج ۲، ص ۲۶۶)

ترجمہ: ہمارے عقائد میں سے ہے کہ انبیاء کرام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں سو وہاں موت کہاں اور امام بیہقی (۴۵۸ھ) نے ایک مستقل جز و اس پر تصنیف کیا ہے جو انبیاء کرام کے قبروں میں زندہ ہونے کے بارے میں ہے اور جن لوگوں نے حضرت الشیخ ابوالحسن الاشعری کی طرف انبیاء کے قبروں میں مردہ ہونے کا قول منسوب کیا ہے اشاعرہ نے بڑی سختی سے اس پر نکیر کی ہے۔

حضرت علامہ قشیریؒ فرماتے ہیں: "فأما ماحكى عنه (اى الاشعرى) وعن اصحابه انهم يقولون ان محمدا ﷺ ليس نبى فى قبره ولا رسول بعد موته فبهتان عظيم وكذب محض لم ينطق احد منهم ولا سمع فى مجلس مناظرة ذلك عنهم ولا وجد فى كتاب لهم وكيف يصح ذلك وعندهم محمد ﷺ حیّ فى قبره" (شکایۃ اہل السنۃ رسائل قشیریہ ص ۱۰، طبقات ج ۲، ص ۲۷۹)

ترجمہ: ہاں! جو امام ابوالحسن اشعری اور دوسرے اشاعرہ کی طرف منسوب کیا گیا کہ ان کے نزدیک حضور ﷺ اپنی وفات شریفہ کے بعد اب اپنی قبر شریف میں نبی اور رسول نہیں رہے، یہ محض جھوٹ اور بہتان عظیم ہے۔ اشاعرہ میں سے یہ کسی نے نہیں کہا نہ ان سے کسی مجلس مناظرہ میں ایسی بات سنی گئی اور نہ ان کی کسی کتاب میں یہ مضمون ملا ہے اور ان کا یہ عقیدہ کیسے ہو سکتا ہے جب کہ ان کے ہاں حضور اکرم ﷺ اپنے روضۂ اطہر میں زندہ ہیں۔

علامہ ابن عابدین شامیؒ فرماتے ہیں: "واما ما نسب الى الامام الاشعرى امام اهل السنة والجماعة من انكار ثبوتها بعد الموت فهو افتراء وبهتان والمصرح به فى كتبه وكتب اصحابه خلاف مانسب اليه بعض اعدائه لان الانبياء عليهم الصلوة والسلام احياء فى قبورهم وقد اقام النكير على افتراء ذلك ابو القاسم القشيرى" (شامی ج ۳، ص ۲۶۶، باب المغنم)

ترجمہ: امام اہل سنت امام ابوالحسن الاشعریؒ کی طرف جو منسوب کیا گیا ہے کہ وہ حضور ﷺ کے لئے

وفات شریفہ کے بعد اس وصف کے ثابت ہونے کا انکار کرتے ہیں، یہ محض افتراء اور بہتان ہے، ان کی اور ان کے ہم مشرب احباب کی کتابوں میں اس کے خلاف تصریح موجود ہے۔ یہ ان کے دشمنوں نے ان کی طرف منسوب کر دیا ہے تحقیق یہی ہے کہ انبیاء ﷩ اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور امام ابوالحسن الاشعریؒ پر اس افتراء باندھنے کے خلاف علامہ ابوالقاسم قشیریؒ نے زبردست احتجاج کیا ہے: ''ان نسبة الخلاف فی هذه المسئلة الی الشیخ ابی الحسن الاشعری زور وبهتان وانما وقع بسبب ان بعض الکرمیه... ان الاشعری وأصحابه قائلون بان النبی ﷺ فی القبر حی یحس ویعلم۔'' (الروضۃ البہیۃ فیما بین الاشاعرۃ والماتریدیہ ص ۱۵)

ترجمہ: امام ابوالحسن الاشعریؒ کی طرف اس عقیدے کی مخالفت کی نسبت محض افتراء و بہتان[1] ہے اور اس کا سبب کرامیہ تھے۔ امام اشعریؒ اور ان کے سب اصحاب تو اسی بات کے قائل ہیں کہ حضور انور ﷺ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں اور علم و احساس بھی رکھتے ہیں۔

ان ائمہ و اکابر کے انداز بیان کو دیکھئے اور غور فرمایئے کہ یہ مسئلہ اگر کوئی معمولی مسئلہ ہوتا، تو یہ اکابر و اعیان اتنی سی بات پر اس قدر جلالی میں نہ آجاتے۔ حیات النبی ﷺ کا انکار در اصل بہت سے فتن و مفاسد کو اپنی لپیٹ میں لئے ہوئے ہے اور ان ائمہ فن کی ان پر پوری نگاہ تھی۔ اندریں صورت یہ مسئلہ ایک اصولی مسئلہ بن کر سامنے آتا ہے۔ قصیدہ بدء الامالی میں ہے:

وأن الانبیاء لفی أمان عن العصیان قصدا وانعزال

ترجمہ: اور بیشک انبیاء اس سے محفوظ ہیں کہ وہ قصداً خدا کی کوئی نافرمانی کریں اور اس سے بھی کہ وہ کسی طرح نبی نہ رہیں (ان کی نبوت جاتی رہے۔)

امام ملا علی قاریؒ اس کی شرح میں لکھتے ہیں: ''المعنی ان الانبیاء لفی امان عن العزل عن مرتبة النبوة والرسالة وحکی شارح الطوالع فیه اجماع الامة'' (ص ۲۵ مطبع مجتبائی)

ترجمہ: اس کا معنی یہ ہے کہ نبیوں کو مرتبۂ نبوت و رسالت سے ہٹائے جانے سے ماموں (امن میں) کیا گیا۔ شرح طوالع میں اس پر پوری امت کا اجماع نقل کیا گیا ہے۔

الغرض: یہ امور ہیں جنہوں نے ایک ایسے مسئلے کو جو اپنی ابتدائی سطح میں گو درجہ ضروریات میں سے نہ تھا، بقائے نبوت پیغمبر خاتم، شانِ شیخین بجوار رسول الثقلین، اعتماد علی السلف، تحفظ مسلک اہل السنۃ، ازالۂ اوہام کرامیت، حقیقت عذاب القبر، احترام اجماع امت اور آداب زیارت جیسے اہم مسائل کی پامالی کی وجہ سے وہ اہمیت دے دی ہے کہ حقیقت حال کو جاننا اور صورتِ مسئلہ کو پہنچانا ضروری ہو گیا ہے۔

ان حالات اور ضروریات سے متاثر ہو کر کہ مبادا راہ گم کردہ قافلہ مسلک اہل سنت ہی کو ملتبس کر دے اور جوہر وحدت سے ہاتھ دھو کر محض تفرد ہی نہیں، اپنے عوام کے لئے انتشار و تشتت اور ذہنی آوارگی کا موجب ہوں، یہ سطور پیش خدمت ہیں۔ ممکن ہے یہ ناچیز کوشش اہل تذبذب کے لئے شفاء قلب کا سامان، راہ گم کردہ دوستوں کے لئے منزل کا نشان اور اہل یقین کے لئے وضوح و برہان ثابت ہو۔

---

[1] اکابر کی طرف انکار حیات کی نسبت کرنا کوئی نیا افتراء و بہتان نہیں، یہ سنتِ کرامیہ چلی آرہی ہے۔ ولیست باول قارورۃ کسرت فی الاسلام۔

مقدمہ

مقامِ حیات (جلد اوّل)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قرآن وسنت اسلامی فکر ونظر کا سرچشمہ حیات ہیں۔قرآن پاک کی بلاغت اس کی انتہا پر واقع ہے کہ طوق بشر اس کی نظیر لانے سے عاجز ہے۔ بلاغت کا تقاضا اور ادب کی شان یہ ہے کہ ہر بیان اپنے مفہوم میں کچھ سیاق و سباق، کچھ اندازِ تخاطب اور کچھ قرائن کی وضاحت چاہے اور ظاہر ہے کہ ان امور میں علمی افکار اور نظری مقدمات عوامی سطح پر نہیں آسکتے۔ یہی وجہ ہے کہ اصولی مسائل کے ماسواء، اکابر ہمیشہ سنت سے استدلال کرتے رہے ہیں۔ اسی میں انہیں عمل کی سلامتی نظر آئی اور انہی نظریات کی تفصیل ہوئی جن میں قرآن کا درجہ اجمال یا درجہ احتمال میں تھا۔ بعض لوگوں نے تو یہاں تک روایت کیا ہے کہ ترجمان القرآن سیدنا حضرت ابن عباسؓ جب دوسری مرتبہ خوارج سے مناظرہ کرنے کے لئے گئے تو حضرت علیؓ نے انہیں یوں نصیحت فرمائی: ''ان خاصموک بالقران فخاصمھم بالسنۃ۔ کنز العمال'' (حقیقۃ الفقہ ۶۴، مولانا انوار اللہ فاروقی)

سیاتی قوم یجادلونکم فخذوھم بالسنن فان اصحاب السنن اعلم بکتاب اللہ

(کنز العمال ج ۱۰۹، نہج البلاغہ ج ۲ ص ۱۹۵)

یعنی قرآن سے خطاب نہ کرنا (کہ یہاں ارشادِ باری کو دوسرے معنی پہنانے کی کوشش کی جائے گی) بلکہ استدلال کی بنیاد سنت پر رکھنا کہ یہاں انہیں مخلص نہ مل سکے گا۔

آپ نے بارہا محسوس کیا ہوگا کہ دینی فتنوں کا طریقِ واردات پہلے یہی ہوتا ہے کہ سنتِ پیغمبر ﷺ اور تشریحاتِ سلف سے بالکل بے نیاز کرکے بالاستقلال قرآن کی دعوت دی جائے۔ اب یہاں اپنا میدان ہے، جو چاہو معنی کرلو، قرآن پاک کو اس کی پوری عظمتِ علمی سے سمجھنے والے اربابِ خبرت اگر باتوں میں نہیں آئیں گے تو کوئی حرج نہیں، اکثریت تو عوام کی ہے انہیں قرآن کے دلکش اور حسین عنوان کے ساتھ مغالطے میں ڈالنا کوئی مشکل بات نہیں۔ انکارِ حدیث کی اگر جرأت نہ ہو تو عوامی سطح پر اسے قرآن سے ٹکرا دیا جائے اور پھر اس عنوان سے اس کا انکار کردیا جائے کہ جو روایت قرآن کے خلاف ہو اسے ہرگز نہ مانا جائے، پھر کون ہے جو آڑے آسکے۔ عوام میں اتنی استعداد کہاں کہ وہ بشرطِ صحتِ روایت اس ٹکراؤ کو تطبیق وتوفیق کے دائرہ میں اتار سکیں۔ عظمتِ قرآن کا یہ دلکش نعرہ مدتوں سے، پرانے فتنوں کو کم کرنے کے پروگرام کے ساتھ، نت نئے فتنوں کو جنم دیتا رہا ہے۔ ملت کا کاروانِ حیات ایسی کئی سراؤں کے پاس سے گزرا ہے جن کی نشاندہی اس وقت ہمارا موضوع نہیں ہے۔

ہاں اسی رہ گزر سے شام و سحر اجنبی قافلے بھی گزرے ہیں

اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ قرآن ہماری اساس نہیں۔ اسلام کے جملہ اصول قرآن کریم میں منصوص ہیں۔ ہم نے جو یہ مشورہ نقل کیا ہے اصولی مسائل کو مستثنیٰ کرکے ذکر کیا ہے۔ جہاں قرآن پاک اپنے موضوع پر ناطق ہو وہاں تو

مسلمان کسی اور طرف جا ہی نہیں سکتا اور جہاں قرآن پاک کی بات میں کئی پہلوؤں کی گنجائش ہو تو پھر سنت ہی ہے جو فیصلہ کرے گی۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ بھی حضرت علیؓ کے پورے ہمنوا ہیں اور یہی جملہ اسلاف کا مسلک تھا۔

''کان عندهم انه اذا وجد فی المسئلة قرآن ناطق فلایجوز التحول منه الی غیره و اذا کان القران متحملا لوجوه فالسنة قاضیة علیه'' (حجۃ اللہ البالغہ ج ا،ص ۱۱۹)

ترجمہ: اسلاف کا یہی طریقہ رہا ہے کہ جب کسی مسئلے میں قرآن ناطق موجود ہو تو اب کسی اور طرف رخ کرنا جائز نہیں اور جب قرآن کریم میں کئی وجوہ کی گنجائش ہو تو اب سنت ہی ہے جو ان پر فیصلہ کرے گی۔

مجتہد اور مناظر میں فرق

مجتہد کا فیصلہ غیر مجتہد کے لئے سند ہوتا ہے اور مجتہد اپنے فیصلے میں بیرونی اثرات سے محفوظ ہوتا ہے۔ قاضی ہو تو جو اس کی بات نہ مانے اسے اس پر حاکمانہ قوت حاصل ہوتی ہے لیکن برابر کے مناظر جب حق و باطل کے تصفیے کے لئے کھڑے ہو جائیں تو وہاں بات خطابی چلتی ہے اور حق کا ترجمان براہ راست آسان بات پر آتا ہے جس میں دوسرا شخص عوام کو نہ مغالطہ دے سکے نہ بھاگ سکے۔ یہ ایک ضرورت اور وقتی مصلحت تھی جو حضرت علی المرتضیٰؓ نے اختیار فرمائی اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو مشورہ دیا کہ استدلال سنت سے کرنا۔

مسئلے کو اس کے ماخذ سے لینا مجتہد اور اولی الامر کا کام ہے، لیکن بے راہرو مقابل کا منہ بند کرنے کے لئے وقت کی مناسبت دیکھنی پڑتی ہے، وہ آپ کے ماتحت نہیں کہ آپ کی بات ضرور مان لے۔ ایسے موقعہ پر ہر وہ بات کرو جو آسانی سے حل جائے۔

حضرت علیؓ کے مقابل خوارج تھے۔ تصنع سے قرآن پڑھنا اور لوگوں کو قرآن سے مغالطے میں ڈالنا ان کا فن تھا۔ حضرت علیؓ پوری طرح سمجھتے تھے کہ قرآن ان کے دلوں میں نہ اترے گا اس لئے آپ نے وہ نصیحت فرمائی جو ہم نے نقل کی ہے کہ استدلال سنت سے کرنا۔

خوارج جن سے یہ مناظرہ درپیش تھا۔ ان کے بارے میں آنحضرت ﷺ پیش گوئی کر گئے تھے اور وہ حضرت علیؓ کو معلوم تھی۔ سو آپ کا مذکورہ نصیحت کرنا کوئی بے جا عمل نہ تھا۔ خوارج کے متعلق حضور ﷺ نے فرمایا:

''یخرج فی هذه الامة قوم تحقرون صلوتکم مع صلوتهم یقرؤن القران لایجاوز حناجرهم یمرقون من الدین کمروق السهم من الرمیه'' (رواہ البخاری عن ابی سعیدؓ ج ۲،ص ۱۰۲۴)

ترجمہ: اس امت سے کچھ ایسے لوگ بھی اٹھیں گے کہ تم اپنی نمازوں کو ان کی نمازوں کے آگے ہیچ سمجھو گے، وہ قرآن قرآن پکارتے ہوں گے، لیکن وہ ان کے گلوں ہی تک ہو گا، یہ لوگ حقیقی دین سے اس طرح نکل جائیں گے جیسے تیر شکار میں سے ہو کر نکل جاتا ہے۔

پاکستان میں مسئلہ زیر نزاع جن دو فریقوں میں زیر بحث ہے ان میں نہ کوئی قاضیٔ شرع ہے نہ کوئی مجتہد اور نہ کوئی حاکم وقت کہ اپنے فیصلے کو دوسرے پر مسلط کر سکے۔ سو اگر مسئلہ زیر نزاع حدیث میں عبارت النص سے موجود ہو جیسے: ''الانبیاء أحیاء فی قبورهم یصلون'' تو حدیث سے بات سمجھانا بہت آسان رہتا ہے۔ اس بناء پر ہم نے حضرت علی المرتضیٰؓ کا مذکورہ مشورہ ذکر کیا ہے۔

مجتہد اور مقلد میں علمی فرق

مجتہد اپنے اونچے علم کی روشنی میں ان امور میں بھی قرآن سے استدلال کر سکتا ہے جن پر قرآن کا فیصلہ بطور نص موجود نہ ہو۔ مسئلہ پیش افتاد کی قرآن میں نظیر تلاش کرنا، اس مسئلے کا حکم پالینا یہ مجتہد کا کام ہے۔ غیر مجتہد کے لئے سلامتی کی یہ راہ ہے کہ وہ ایسے مسائل میں مجتہدین کے فیصلے سے جو انہوں نے کتاب و سنت سے دریافت کئے ہیں راہ پائے۔ حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عبداللہ مسعود، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، امام محمد بن سیرینؒ، حضرت عمر بن العزیزؒ یہ سب حضرات مجتہدین تھے۔ مقلدین کو ان کے طریق استدلال کی دعوت دینے کی انہی لوگوں کو ضرورت ہوگی جو ائمہ دین سلف صالحین اور اپنے اکابر کی تحقیقات کو ساتھ لے کر نہ چلنا چاہتے ہوں۔

مذہب اہل سنت والجماعت کوئی نیا مذہب نہیں جسے آج ادلہ اربعہ کی روشنی میں ترتیب دیا جائے یہ ایک طے شدہ مدون مسلک ہے جس نے معتزلہ، کرامیہ، جبریہ، قدریہ، شیعہ، ومرجئہ اور خوارج کے مقابل اپنے جملہ اصول وفروع کتابوں میں لکھ دیئے ہیں۔ آج نئے سرے سے ان مسائل کو کتاب وسنت میں تلاش کرنا ان دوستوں کو اس کی ضرورت تبھی محسوس ہو رہی ہے کہ یہ صراحت اسلاف کے ذخیرۂ علم میں انہیں کہیں نہیں ملتی اور وہ اس سے کلی طور پر بچنا اور مذہب اہل سنت سے بالکل ہٹنا چاہتے ہیں۔

جس طرح منکرین حدیث ہمیں طعنہ دیتے ہیں کہ یہ لوگ عجمی سازش (جو ان کے نزدیک ذخیرۂ حدیث کی تدوین کا نام ہے) کا شکار ہیں اسی طرح ہمارے یہ کرم فرما ہمارے مقابل قرآن پاک کی وہ آیات بڑے شد ومد سے پیش کر رہے ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ قرآن کی بات مانو اور یہ کہ یہ کتاب صحیح کہتی ہے گویا حیات النبی کے قائلین سب قرآن کے نہ ماننے والے ہیں اور وہ نہیں سمجھتے کہ یہ کتاب ڈرنے والوں کے لئے ہدایت ہے۔ علمی ماخذ کی حیثیت سے اس تک مجتہد ہی پہنچ سکتے ہیں، نہ کہ ہر ایک واعظ۔ پھر انہوں نے ڈھونڈ کر وہی آیات پیش کی ہیں جن میں انکار حیات کا کوئی ادنیٰ اشارہ بھی نہیں۔ معلوم نہیں ہوتا کہ یہ کوئی مولوی صاحبان ہیں یا یہ حضرات مسٹر پرویز کے نمائندوں کی حیثیت سے اس میدان میں اترے ہوئے ہیں۔ والی اللہ المشتکی!

مسئلہ حیات النبی کیا قرآن پاک میں ہے؟

ہمارے کرم فرما خود کہتے ہیں: ''قرآن کریم میں اس مسئلہ کی کہیں صراحت نہیں، ہاں شہدا کے حق میں ارشاد ہے بل أحیاء ولکن لاتشعرون اس سے بطور دلالۃ النص کے سمجھ میں آتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا درجہ شہدا سے بھی بہت بڑا ہے وہ بعد الوفات زندہ اور اسی طرح علماء کرام نے زادہم اللہ شرفا یہ مسئلہ قرآن کریم سے نکالا۔''

(مسالک العلماء ص ۱۹)

اب اگر اس مسئلے کی قرآن میں صراحت نہیں اور حدیث میں اس کی صراحت موجود ہو تو اس عنوان پر براہ راست حدیث سے استدلال کرنا آپ خود ہی سوچیں اس میں ہم نے کون سی غلطی کی ہے؟ فرق ہے تو یہ کہ ہم نے حیات انبیاء پر حدیث سے استدلال کیا ہے اور آپ نے علماء سے اور آپ نے انہیں اس احسان پر دعا بھی دی ہے کہ زادہم اللہ شرفا۔

پھر یہ بات جو انہوں نے کہی، ہم خود اسے ان لفظوں میں کہہ بھی چکے ہیں۔ مگر نہیں معلوم انہیں اسے دہرانے سے کیا ملا؟

ہاں شہداء کے لئے حیات بعد الوفات کا ثبوت یقیناً قرآن میں موجود ہے جسے انبیاء کی حیات بعد الوفات کے لئے دلالۃ النص کے طور پر بیان کیا جا سکتا ہے۔ (مقام حیات طبع اول ص ۲۸)

ان سے اصولی موافقت کرتے ہوئے اگر ہم حدیث سے بھی استدلال کرلیں تو یہ ہم پر انگلی اٹھاتے ہیں اور خود یہ اقوال علماء سے فیصلہ لیں تو ہم پھر بھی انہیں کچھ نہیں کہتے، اپنا اپنا ظرف ہے، اور اپنا اپنا مسلک۔ ہمیں تو یہ بات زیادہ بہتر معلوم ہوتی ہے کہ مسئلہ اگر قرآن کریم میں صراحت سے نہ ملے تو اسے حدیث میں تلاش کرلیا جائے حضور ﷺ نے اسی ترتیب کو منظوری بخشی تھی، معلوم نہیں ان حضرات کو حدیث سے تنفر کیوں ہے؟ وہ اس طرف کیوں نہیں آتے؟

آیت حیات شہداء میں تخصیص کا احتمال

قرآن کریم میں حیات شہداء عبارۃ النص میں مذکور ہے۔ اگر کوئی صاحب اسے شہداء کی جزوی فضیلت کہے اور حیات انبیاء کا قائل نہ ہو تو کیا ہم اس پر حکم کفر جاری کرسکیں گے؟ ہم یہی کہیں گے کہ اس احتمال کو اس آیت میں نہ آنے دو۔

حدیث میں انبیاء کے لئے صریح طور پر احیاء (وہ زندہ ہیں) کا لفظ موجود ہے اس احتمال کو زائل کرنے کے لئے اگر ہم نے حدیث سے تمسک کیا تو خود ہی فیصلہ کیجئے کہ کون سی غلطی کی ہے؟ ہم نے یہ بات کہی تھی کہ جن مسائل میں قرآن کا یہ درجہ اجمال یا درجہ احتمال میں ہو ان میں سنت سے استدلال کرلینا چاہئے۔ اب اس پر ہمارے کرم فرماؤں کا تبصرہ ملاحظہ ہو: "اَمْوَاتٌ غَیْرُ اَحْیَاءٍ کو درجہ اجمال واحتمال میں داخل کردیا، جس کا واضح معنی یہ ہے کہ (انبیاء) اموات ہیں زندہ نہیں اور نہیں جانتے کہ کب اٹھائے جائیں گے یہ ایسے ہی ہے جیسے مرزائیوں نے وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ کو درجہ اجمال اور احتمال میں رکھا ہوا ہے۔" (مسالک العلماء ص ۱۱)

جو لوگ یہ نہ سمجھ سکیں کہ یہ درجہ اجمال واحتمال والی بات آیت اَمْوَاتٌ غَیْرُ اَحْیَاءٍ کے بارے میں نہیں۔ آیت حیات الشہداء کے پیش نظر کہی جا رہی ہے اور وہ بھی محض اس لئے کہ ادنیٰ احتمال کی گنجائش بھی نہ رہے۔ ہمیں بہت حیرانی ہے کہ ان حضرات نے اموات غیر احیاء کو کس دیدہ دلیری سے آیت وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ کی طرح قطعی الدلالۃ بنا دیا ہے۔ گویا اس میں واقعی کسی اور معنی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون!

کیا آیت "اَمْوَاتٌ غَیْرُ اَحْیَاءٍ" عقیدہ ممات النبی پر قطعی الدلالۃ ہے؟

مخالفین اپنے اس دعوے پر کہ حضور ﷺ اب زندہ نہیں ہیں۔ آیت اَمْوَاتٌ غَیْرُ اَحْیَاءٍ کو اسی طرح قطعی الدلالۃ سمجھے بیٹھے ہیں جس طرح آیت وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ حضور ﷺ کے آخری نبی ہونے پر قطعی الدلالۃ ہے ظاہر ہے کہ خاتم النبیین کا کوئی متبادل معنی نہیں ہے حضور ﷺ آخری نبی ہیں اور مرتبہ وزماں ہر اعتبار سے آخری نبی ہیں۔ کیا آیت اَمْوَاتٌ غَیْرُ اَحْیَاءٍ بھی اسی طرح انبیاء علیہم السلام (بشمولیت حضرت عیسیٰ بن مریم) کے بالفعل اموات ہونے پر قطعی الدلالۃ ہے یا اس کے کوئی اور معنی بھی ملتے ہیں؟ اموات میں انبیاء کے سوا کوئی اور احتمال بھی ہو کیا یہ ممکن نہیں؟ اگر نہیں تو پھر آپ کے نزدیک جملہ انبیاء کو بالفعل اموات نہ ماننے والے اور حضور ﷺ

کو زمانہ اور مرتبہ میں آخری نبی نہ جاننے والے دونوں کا حکم ایک ہونا چاہئے اور دونوں اپنے ان نصوص قطعیہ کے رد کرنے کے جرم میں دائرہ اسلام سے خارج تصور ہونے چاہئیں مگر سب حضرات جانتے ہیں کہ مماتی لوگ حیات النبی کے قائلین کو کافر نہیں کہتے اور قادیانیوں کو کافر کہتے ہیں آخر یہ فرق کیوں؟

کیا اس کی یہ وجہ تو نہیں کہ اَمْوَاتٌ غَیْرُ اَحْیَاءٍ کی تفسیر میں اصنام (بت) مراد ہونے کا احتمال بھی لکھا ہے اور اس کا موضوع مجمل ہے کہ وہ جن جن کی عبادت کرتے ہیں وہ سب اموات ہیں ستارے ہوں یا بت، درخت ہوں یا آگ، زندہ انسان ہوں (جو انجام کار محل موت ہیں) یا شہداء (جو لوگ زندہ ہیں مگر ماضی میں مورد موت بنے) سب ان میں آگئے۔

ظاہر ہے کہ یہ آیت اس پہلو سے انبیاء کرام کے بالفعل اموات ہونے پر ہرگز دلالت نہیں کرتی چہ جائیکہ اسے اس معنی پر قطعی الدلالۃ کہا جاسکے، وہ ماضی میں موت کا ذائقہ چکھ چکے۔ مگر اب وہ زندہ ہیں حالاً اموات نہیں ہیں اور اس عقیدے سے کوئی کافر نہیں ہو جاتا۔

انبیاء کرام کو بھی ساتھ شامل کرلیں اور مطلقہ عامہ میں فعلیت نسبت کا تحقق ماضی میں مانیں، حالاً انہیں زندہ سمجھیں، شہداء کو ماسبق میں قتلوا سمجھیں۔ انہیں احیاء کہیں تو اس میں کوئی شرعی دلیل ایسا کہنے سے مانع نہ ہوگی۔ کیا مطلقہ عامہ میں فعلیت نسبت کا تحقق کسی ایک دور میں کافی نہیں ہوتا یا انہیں ہمیشہ ہی مرا ہوا ہونا چاہئے آخر آپ بھی تو کہتے ہیں: ''شہداء اور انبیاء بعد الوفات زندہ ہیں۔'' (مسالک العلماء ص ۲۹)

اس ساری بحث کا حاصل یہ ہے کہ آپ کے نزدیک آیت اموات غیر احیاء کسی پہلو سے عقیدہ ممات النبی پر دال نہیں چہ جائیکہ اسے قطعی الدلالۃ اور وہ بھی مثل آیت خاتم النّبیین کہا جاسکے۔ تعصب اور ضد کی بھی آخر کوئی حد ہوتی ہے۔ قاضی صاحب نے کس طرح عقیدہ حیاۃ النبی ﷺ اور انکار ختم نبوۃ کو برابر کردیا ہے۔

ہم نے حیات شہداء سے حیات انبیاء ثابت کرنے میں اس احتمال بعید کی رعایت کی کہ کوئی اسے فضیلت جزوی جو غیر نبی کو نبی پر ہوسکتی ہے قرار نہ دے اور کہے کہ حیات شہداء سے حیات انبیاء کا عقیدہ لازم نہیں آتا۔ ہم نے اس کا ردّ کئے بغیر براہ راست حدیث صحیح سے استدلال کیا کہ انبیاء بعد الوفات زندہ ہیں۔ لفظ اجمال یا احتمال میں ہمارا اشارہ اسی طرف تھا، آیت اموات غیر احیاء کی طرف نہ تھا۔

مگر ہمارے کرم فرماؤں کے علم وفہم کی داد دیجئے۔ وہ اسے از خود اَمْوَاتٌ غَیْرُ اَحْیَاءٍ کے بارے میں لے بیٹھے۔ اور پھر کیا ہوا؟ اپنے آپ کو لے بیٹھے۔ ان کی صدائے ماتم سنئے: ''اَمْوَاتٌ غَیْرُ اَحْیَاءٍ وَمَا یَشْعُرُوْنَ اَیَّانَ یُبْعَثُوْنَ کو درجہ اجمال و درجہ احتمال میں داخل کردیا۔ ایسا ہی ہے جیسے مرزائیوں نے وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ کو درجہ اجمال اور احتمال میں رکھا ہوا ہے۔'' (مسالک العلماء ص ۱۰)

ایک اور کرم فرما حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے بارے میں لکھتے ہیں: ''موت کے کوئی اور معنی لے رہے ہیں اس معنی کو لے کر موت کا انکار نہیں ہوسکتا۔ تو خاتم النّبیین کی بھی قادیانی تفسیر اختیار کرکے ختم نبوت کا انکار نہیں ہوسکتا۔'' (العیاذ باللہ)

ایسی تحریریں دیکھنے سے شبہ ہوتا ہے کہ کہیں یہ لوگ قادیانیوں سے ملے ہوئے تو نہیں جو سارا دیوبندان کے کھاتے میں ڈال کر خود مسلمان بنے، ساحل پر کھڑے محو تماشا ہیں۔

عوام کو یہ تاثر دینا کہ قادیانیوں اور مسلمانوں کا اختلاف اسی درجے کا ہے جس درجے کا اختلاف ہم میں حیات وممات کا ہے۔ یا یہ بات پھیلانا کہ قادیانیوں کی تفسیر آیت خاتم النّبیین بھی لائق قبول ہوسکتی ہے۔ یا یہ کہ فلاں فلاں عالم نے فلاں آیت کے معنی اس طرح بدلے ہیں جس طرح قادیانیوں نے قرآن کی تحریف کی ہے۔ آپ سوچیں کہ ان باتوں سے آپ کن لوگوں کی مدد کر رہے ہیں؟ کیا یہ انہی باتوں کا اثر نہیں کہ ان دوستوں کے اپنے ایک رفیق مولوی صاحب قادیانی ہوگئے ہیں۔

ہم اس اختلاف کو سمیٹنا چاہتے ہیں اور یہ لوگ ہیں جو اسے بڑھا رہے ہیں اور یہاں تک بڑھا رہے ہیں کہ اسے قادیانیوں کی دہلیز تک لے آئے ہیں۔ والی اللہ المشتکی!

آیت اَمْوَاتٌ غَیْرُ اَحْیَاءٍ کا موضوع بیان

کیا آیت خاتم النّبیین اسی درجے میں واضح المعنی ہے جس درجے میں آیت اَمْوَاتٌ غَیْرُ اَحْیَاءٍ؟ نہیں! آیت اَمْوَاتٌ غَیْرُ اَحْیَاءٍ میں مفسرین نے کئی احتمال ذکر کئے ہیں کہ یہ مراد ہے یا وہ لیکن آیت خاتم النّبیین کا کوئی اور متبادل معنی نہیں کہ اس معنی کو چھوڑ کر کوئی اور معنی اختیار کیا جائے۔ اول الذکر میں تاویل کرنے والا کافر نہ ہوگا اور ثانی الذکر میں تاویل کرنے والا دائرہ اسلام سے باہر ہوگا۔ لان التاویل فی ضروریات الدین لا یقبل۔

جس طرح آیت بَلْ اَحْیَاءٌ وَّلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ حیات شہداء کے بارے میں نازل ہوئی، آیت اَمْوَاتٌ غَیْرُ اَحْیَاءٍ ممات انبیاء کے موضوع میں نازل نہیں ہوئی، یہ توحید کے موضوع پر ہے۔ کسی کے لائق عبادت نہ ہونے میں اس کا محل موت ہونا کافی ہے، جو ماضی میں یا حال میں یا مستقبل میں مورد موت ہو، وہ عبادت کے لائق نہیں، عبادت کے لائق صرف وہی ہے جو کبھی نہ مرے۔ آیت کا حاصل یہ ہے کہ اللہ رب العزت کے سوا تم جن کی پوجا کرتے ہو، وہ سب محل موت ہیں، حالاً ہوں یا ماسبق میں یا آئندہ کسی وقت (جس طرح حضرت عیسیٰ ﷷ بعد نزول وفات پائیں گے) ان میں سے کوئی عبادت کے لائق نہیں۔

اس آیت میں ان میں سے کسی کے بالفعل مردہ ہونے کا بیان نہیں ہو رہا۔ فعلیت نسبت کا تحقق کسی زمانے میں ہوجائے کافی ہے۔ کسی کا بالفعل زندہ ہونا اسلام کے عقیدہ توحید کے ہرگز منافی نہیں۔ حضرت عیسیٰ ﷷ کا آسمانوں پر زندہ ہونا اور باقی انبیاء کا بعد الوفات زندہ ہونا رب العزت حی لایموت کی صفت حیات سے ہرگز متصادم نہیں ہے۔ آیت کے آگے بھی دیکھیے: "وَالَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ لَا یَخْلُقُوْنَ شَیْـًٔا وَّھُمْ یُخْلَقُوْنَ، اَمْوَاتٌ غَیْرُ اَحْیَاءٍ وَمَا یَشْعُرُوْنَ اَیَّانَ یُبْعَثُوْنَ، اِلٰـھُکُمْ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ" (پ ۱۴ النحل ع ۲ آیت ۲۲)

ترجمہ: اور جن کو پکارتے ہیں اللہ کے سوا کچھ پیدا نہیں کرتے اور وہ تو خود پیدا کئے ہوئے ہیں جن میں جان نہیں اور وہ نہیں جانتے کہ وہ کب اٹھائے جائیں گے معبود تمہارا معبود ہے اکیلا۔

یہ الفاظ اِلٰـھُکُمْ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ بتلا رہے ہیں کہ آیت توحید کے موضوع میں وارد ہے، اس موضوع میں نہیں کہ انبیاء حالاً اموات ہیں یا ان کے روح کا ان کے جسم سے کوئی تعلق نہیں یہ مضمون آیت کا ہرگز موضوع بیان نہیں ہے۔ جب موضوع توحید الٰہ ہے تو اَمْوَاتٌ غَیْرُ اَحْیَاءٍ کا معنی اسی مورد پر رکھنا چاہئے جس درجے میں اس کا توحید سے تصادم ہوتا ہو۔ حالا کسی کا زندہ ہونا توحید کے ہرگز منافی نہیں ہے۔ روح المعانی میں ہے۔ یہاں ان کے لئے صرف اثبات

مخلوقیت کافی ہے ان سے نفی حیات کا کوئی تقاضا نہیں۔

ان اثبات المخلوقیة لهم غیر مستدع لنفی الحیاة عنهم لما ان بعض المخلوقین احیاء

(تفسیر روح المعانی ج ۱۴ ص ۱۲۰)

ترجمہ: ان کا مخلوق ہونا ثابت کرنا اس بات کی دعوت نہیں دیتا کہ ان سے حیات کی بھی نفی کی جائے۔ کتنے لوگ مخلوق ہیں اور وہ زندہ ہیں۔

آیت اَمْوَاتٌ غَیْرُ اَحْیَاءٍ میں کیا کسی اور معنی کا دخل بھی ہے؟

ہاں سیدنا حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے یہاں اموات کے معنی اصنام کئے ہیں۔ مفسر حقانیؒ لکھتے ہیں:

''جمہور مفسرین کے نزدیک ان سے مراد ان کے بت ہیں کہ جن کو وہ قادر زندہ اور دانا جان کر پرستش کرتے تھے۔ جلالین میں ہے وھم الاصنام، تفسیر کبیر میں اس جملہ کی شرح یوں ہے: فاعلم انه تعالیٰ وصف هذه الاصنام بصفات کثیرة پھر ان کے بتوں کی قدرت کو یوں باطل کرتا ہے: لَا یَخْلُقُوْنَ شَیْـًٔا وَّ هُمْ یُخْلَقُوْنَ'' (تفسیر حقانی ج ۵ ص ۱۷)

صفوۃ التفاسیر میں ہے: ''والذین یعبدونهم من دون الله کالاوثان والاصنام لایقدرون علیٰ خلق شئی اصلاً والحال انهم مخلوقون صنعهم البشر بایدیهم فکیف یکونون الهه تعبد من دون الله (اَمْوَاتٌ غَیْرُ اَحْیَاءٍ) ای وتلک الاصنام اموات لا ارواح لها لا تسمع ولا تبصر لانها جمادات لاحیاة فیها فکیف تعبدونها وانتم افضل منها لما فیکم من الحیاة۔'' (صفوۃ التفاسیر ج ۲ ص ۱۲۲)

ترجمہ: اور جن کو پکارتے ہیں اللہ کے سوا جیسے مجسمے ہوئے اور بت وہ بالکل کسی چیز کے پیدا کرنے کی طاقت نہیں رکھتے اور حقیقت یہ ہے کہ خود انہیں انسانوں نے بنایا ہے سو وہ کیسے اللہ کے سوا عبادت کے معبود ہو سکتے ہیں اور یہ بت مردے ہیں ان کی ارواح ہی نہیں وہ سنتے دیکھتے نہیں کیونکہ وہ جمادات میں سے ہیں ان میں زندگی نہیں تم کس طرح ان کی عبادت کرتے ہو۔ حالانکہ تم ان سے افضل ہو تم میں حیات تو ہے۔

اب کہیے! کیا یہ آیت واقعی انبیاء کی نفی حیات کے لئے نازل ہوئی جیسے آیت خاتم النبیین بیان ختم نبوت کے لئے اتری۔

علامہ محمود آلوسیؒ (۱۲۷۰ھ) نے اموات کو عموم مجاز میں لیا ہے اور اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی لیا ہے جن پر موت آئندہ آئے گی۔ معلوم ہوا اس سے مراد کسی کا حالاً مردہ ہونا نہیں، محل موت ہونا مراد ہے، اس میں وہ بھی آگئے جن پر پہلے بھی موت آئی، مگر وہ بعد میں زندہ ہو گئے اور وہ بھی جن پر موت آئندہ آئے گی۔ جیسے فرشتے اور وہ بھی جن میں حیات سرے سے آئی ہی نہیں جیسے بت۔

(اموات) عموم المجاز لیشمل ما کان له حیاة ثم مات کعزیر او سیموت کعیسیٰ والملٰئکه علیهم الصلوٰة والسلام ومالیس من شانه الحیاة اصلاً کالاصنام (روح المعانی ج ۴ ص ۱۲۰)

ترجمہ: اموات عموم مجاز ہے یہ ان کو بھی شامل ہے جن میں پہلے حیات تھی پھر وہ فوت ہوئے جیسے عزیر علیہ السلام اور ان کو بھی شامل ہے جو آئندہ فوت ہوں گے جیسے عیسیٰ علیہ السلام ان کا بالفعل زندہ ہونا اس کے منافی نہیں ہے) اور فرشتے اور ان کو بھی شامل ہے جن میں حیات سرے سے آئی ہی نہیں جیسے بت۔

اللہ رب العزت کے لئے حیات تامہ ہے اور وہی ایک عبادت کے لائق ہے۔ باقی جو ہیں۔ ان میں کوئی حیات تامہ نہیں رکھتا۔ جو بھی ہے اسے اول یا آخر یا حالاً موت نے گھیر رکھا ہے سو اس آیت میں اثبات توحید باری ہے۔ کسی کا حالاً مردہ ہونا آیت کا موضوع نہیں ہے۔

معنی کونہم امواتا انهم لابدلهم من الموت و کونهم غیر احیاء غیر تامة حیاتهم و الحیاة التامة هی الحیاة الذاتیة التی لا یرد علیها الموت۔ (روح المعانی ج ۴ ص ۱۲۰)

ترجمہ: ان کے اموات ہونے کا مطلب یہ ہے کہ انہیں موت سے مفر نہیں اور ان کے غیر احیاء کا معنی یہ ہے کہ ان کی حیات تامہ اس حیات ذاتیہ کو کہتے ہیں جس پر کبھی موت آئے ہی نہ (نہ پہلے آئی ہو نہ کبھی آئندہ آئے)۔

یہ معبودین کیسے مستحق عبادت ہو سکتے اور وہ مردے ہیں خواہ دواماً جیسے بت یا فی الحال جیسے وہ لوگ جو مر چکے ہیں (گو اب وہ زندہ ہوں) یا فی المال جو مریں گے مثلاً جن اور عیسیٰ علیہ السلام وغیرہم زندہ رہنے والے نہیں۔

(معارف القرآن ج ۵ ص ۳۱۶)

مزید تفصیل درکار ہو تو تفسیر ابن کثیر ج ا ص ۱۲۲، ج ۲ ص ۵۶۵، تفسیر قرطبی ج ا ص ۹۴، تفسیر خازن ج ۳ ص ۱۱۱ میں بھی دیکھ لیں۔ یہ آیت انبیاء علیہم السلام کے اس وقت اموات اور بے جان ہونے پر ہرگز دلالت نہیں کرتی۔ ان پر ماسبق میں موت آئی۔ اسی معنی میں وہ اموات میں آئے لیکن حالاً ان کو یا شہدا کو ہم اموات کہیں، اس کی قرآن ہمیں اجازت نہیں دیتا۔

افسوس کہ ہمارے مخالفین اس آیت اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَاءٍ کو جس میں بت بھی مراد لئے گئے ہیں انبیاء کے حالاً بے جان ہونے پر اس درجہ کی قطعی دلیل سمجھتے ہیں۔ جیسے آیت وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ حضور ﷺ کی ختم نبوت کی قطعی دلیل ہے۔ ان حضرات کے علم وفہم اور دیانت وامانت پر جتنے آنسو بہائے جائیں کم ہیں۔ یہ حضرات پہلے تو علم سے اتنے دور نہ تھے اب انہیں کیا ہو گیا؟ اکابر کی شان میں گستاخی کا یہ فطری انجام ہے کہ قرآن کریم کی یہ آیت انہیں بالکل سمجھ نہیں آرہی۔

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد ۔۔۔ میلش اندر طعنۂ پاکاں برد

ان دوستوں نے علمی حیثیت سے اپنے آپ کو اتنا گرا لیا ہے کہ شاید ہم انہیں اور مخاطب نہ کر سکیں۔ سو آئندہ ان شاء اللہ العزیز ہم اپنی بات مثبت پیرایہ میں کہیں گے۔ اگر سچائی کی امانت بغیر کسی تعصب اور احساس تحزب کے طلبہ علوم دینیہ اور عام اہل اسلام تک پہنچ جائے تو ہم سمجھتے ہیں کہ ہم نے اپنی ذمہ داری ادا کر دی۔ واللہ المستعان وعلیہ التکلان!

قرآن پاک اور آنحضرت ﷺ کی وفات شریفہ

قرآن پاک آنحضرت ﷺ کی اس دنیا کی زندگی ہی میں مکمل ہو چکا تھا۔ آپ عالم برزخ میں انتقال فرمانے سے پہلے متعدد اجزاء اور منتشر اوراق میں کتاب الٰہی کی یہ امانت امت کو سپرد کر چکے تھے۔ ظاہر ہے کہ اس کتاب میں آپ ﷺ کے وقوع وفات کی خبر نہیں ہو سکتی۔ قرآن پاک میں آپ ﷺ کی وفات کا امکان (أفإن مات أو قتل کہ اگر آپ فوت ہو جائیں یا شہید ہو جائیں) موجود تھا اور آپ کی وفات کی پیشگوئی بھی آیت (انک میت

وانھم میتون) میں موجود تھی۔ لیکن اس بات کا بیان کہ آپ پر موت کا ورود ہو چکا ہے، اس کے لئے ابھی وقت کا انتظار تھا۔ سو اس کا قرآن میں نہ تذکرہ ہے، نہ ہو سکتا ہے۔ جو شخص کہے کہ قرآن میں ہے کہ آپ پر وفات آچکی وہ اپنے اس دعویٰ میں کاذب ہے۔

حضرت مسیح علیہ السلام کی وفات کے متعلق نصاریٰ کا جو تصور ہے، یہ پورا واقعہ صلیب بائبل میں موجود ہے۔ اس کا بائبل میں موجود ہونا ہی اس بات کی کافی دلیل ہے کہ یہ بائبل وہ انجیل مقدس نہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دی گئی تھی اور جس کی تبلیغ آپ اپنی قوم کو کرتے رہے۔ ورنہ اس میں آپ کی اپنی موت کی خبر ہرگز نہ ہوتی۔

آنحضرت ﷺ پر وفات شریفہ کا یقینا ورود ہوا اور آپ نے یقینا اس دنیا میں سے انتقال فرمایا لیکن قرآن پاک اس وقوع موت کی ہرگز خبر نہیں دیتا۔ آپ ﷺ پر وفات آچکی۔ اس کا سب سے پہلا ثبوت حضرت صدیق اکبرؓ کا وہ خطبہ بلیغہ ہے، جو کتب حدیث میں اسانید صحیحہ سے منقول چلا آرہا ہے۔

وقوع موت ثابت کرنے کے لئے تاریخی حوالے کی بجائے خواہ مخواہ قرآنی آیات پڑھتے چلے جانا، امکان کو وقوع قرار دینا اور پیش گوئیوں کا تحقق وقتِ پیش گوئی سے واقع اور ثابت مانتے چلے آنا، معلوم نہیں کون سا علمی مقام اور کون سا طریق برہان ہے، بالخصوص جب کہ یہ کوئی اختلافی مبحث اور محل نزاع نہ ہو بلکہ وقوعِ وفات پر بربنا خبر مستفیض سب کا اجماع اور اتفاق ہو۔

واضح رہے کہ قرآن پاک آنحضرت ﷺ پر ورود موت ہو چکنے کی خبر نہیں دیتا۔ وہ اس کے واقع ہو چکنے سے بالکل خاموش ہے۔ آنے والی موت کے بعد پھر حیات حاصل ہوگی یا قیامت تک جسد اطہر اور روح انور میں کلی مفارقت رہے گی، اس پر بھی قرآن پاک کی کوئی عبارت النص موجود نہیں۔ اب خواہ مخواہ اقتضاء النص سے بھی کمزور سہارے لے کر آیات پر آیات پڑھتے چلے جانا، جزئیات کو کلیات بناتے چلے آنا اور جزئی اشارت کو کھینچ کھینچ کر مطالب کا جال بننا، یہ ایک ایسی حرکت ہے کہ کوئی صاحب علم اس بے راہ روی کی تائید نہ کر سکے گا اور اب اس مرض مزمن پر جتنے آنسو بہائے جائیں کم ہیں۔ ایک قوم کی قوم اس کا شکار ہو چکی ہے۔

ہاں، شہدا کے لئے حیات بعد الوفات کا صریح ثبوت یقینا قرآن میں موجود ہے، جسے انبیاء کی حیات بعد الوفات کے لئے دلالۃ النص کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے۔ مگر ہم اس بحث میں نہیں پڑتے۔ ہمارے کرم فرما خود اسے تسلیم کرتے ہیں۔ ہاں یہ بات حق ہے کہ جس طرح وقوع وفات کی خبر کتب حدیث سے ملتی ہے۔ اسی طرح حیات بعد الوفات کے لئے بھی احادیث صحیحہ یقینا موجود ہیں۔

اثبات عقائد کے لئے دلائل ظنیہ سے استشہاد ایسا کیوں؟

ممکن ہے کوئی صاحب یہاں یہ اعتراض کردیں کہ اخبار احاد اور سلسلہ روایات سے یہ مسئلہ کیوں ثابت کیا جائے۔ عقائد ثابت کرنے کے لئے تو دلائل قطعیہ کی ضرورت ہوتی ہے۔

جواباً عرض ہے کہ یقین کا فائدہ اور قطعیت صرف قرآن پاک اور خبر متواتر الاسناد ہی میں منحصر نہیں، بلکہ اخبار احاد بھی جو اپنی اپنی جگہ خواہ متفرق ہی سہی، کسی قدر مشترک میں متحد ہو جائیں، تو ایسے یقین کا فائدہ دے سکتی ہیں کہ اس پر عقیدے کی بنیاد رکھی جا سکے۔ پھر جب داخلی اور خارجی قرائن اور مختلف طبقوں کے اہل حق کا اجماع اس

کے حقیقتِ مسلمہ ہونے کی شہادت دے دیں، تو یہ بنیادِ یقین اور بھی مستحکم ہوجاتی ہے۔ حضرت علامہ شاطبیؒ ارشاد فرماتے ہیں: ''وانما الأدلة المعتبرة ههنا المستقرأة من جملة ادلة ظنية تظافرت على معنى واحد حتى افادت فيه القطع فان للاجتماع من القوة ماليس للافتراق ولأجله افاد التواتر القطع وهذانوع منه فاذا حصل من استقراءأدلة المسئلة مجموع يفيد العلم فهو الدليل المطلوب وهو شبيه بالتواتر المعنوى''

(الموافقات ج۱ص ۳۲)

ترجمہ: عام طور پر جو دلائل یہاں معتبر ہیں وہ اس قسم کے ہیں جو علیحدہ علیحدہ اگرچہ ظنی ہوں۔ مگر کسی ایک قدر مشترک پر سب متفق ہوجانے کی وجہ سے خاص اس مسئلہ میں یقین کا فائدہ دینے لگتے ہیں۔ دلائل کے اس اشتراک کے بعد مسئلے میں جو قوت پیدا ہوجاتی ہے ظاہر ہے کہ وہ ان کی انفرادی حیثیت میں نہیں ہوسکتی۔ خبر متواتر بھی اسی اجتماعی قوت کی وجہ سے یقین کا فائدہ دیتی ہے۔ پس جب کسی ایک مسئلے کے لئے متفرق دلائل جمع ہوجائیں، توان کے مجموع سے (اس قدر مشترک کے لئے) ایک یقین حاصل ہوجاتا ہے۔ اور وہ بھی ایک قسم کا تواتر معنوی ہی ہے۔

عذاب قبر کا برحق ہونا عقائد اہل سنت میں اسی اصل کے ماتحت ہے۔ قرآن پاک کی جس آیۃ شریفہ میں اس کا بیان ملتا ہے، وہ قطعی الثبوت ہونے کے باوجود قطعی الدلالت نہیں اور جو احادیث اس مضمون پر قطعی الدلالت ہیں، وہ اپنے ثبوت میں ظنی ہیں۔ بایں ہمہ عذاب قبر کو برحق ماننا عقائد میں داخل ہے۔ ملا علی قاریؒ نے عذاب کے داخل عقائد ہونے میں یہی استدلال پیش کیا ہے: ''فلايخفى ان المعتبر فى العقائد هو الادلة اليقينية واحاديث الآحاد لو ثبتت انما تكون ظنية اللهم الا اذا تعدد طرقه بحيث صار متواترا معنويا فحينئذ قد يكون قطعيا''

(شرح فقہ اکبر ص ۱۲۲)

ترجمہ: یہ بات مخفی نہ رہے کہ عقائد کے باب میں دلائل یقینیہ ہی معتبر ہیں۔ اخبار آحاد اگر ثابت بھی ہوں، تو بھی ظنی ہیں۔ ہاں اگر ایک ہی مضمون متعدد طریقوں سے اس طرح مروی ہو کہ تواتر معنوی پیدا ہوجائے، تو اس وقت یہ (قدر مشترک) بھی قطعی اور یقینی ہوجائے گی۔

ہاں اس طرح ثابت ہونے والا مسئلہ اگر نظری ہو تو بقول حضرت شاہ صاحبؒ منکر پر قول کفر لازم نہیں آتا اور زیادہ سے زیادہ یہی شک کا فائدہ ہے جو ہم اپنے مخالفین کو دے سکتے ہیں۔ (والتفصیل فی العرف الشذی ص ۳۴ و ص ۳۵۵)

واللہ أعلم بالصواب وعلمہ أتم وأحکم فی کل باب!

قرآن عزیز کا موت انسانی کے بارے میں نظریہ

ذہن جاہلیت سے مفہوم موت پر اختلاف

عربوں کا تصور ''موت'' کے متعلق یہی چلا آرہا تھا کہ:

۱...... یہ فقط روح کے بدن سے جدا ہونے کا نام ہے، اور یہ ایک امر عدمی ہے۔

۲...... ان کے عقائد میں نہ بقائے جسد تھی نہ بقائے روح دونوں کی فنا ہے۔

۳...... ورود موت کے بعد پھر روح اور اس جسد دنیوی کا اجتماع ان کے نزدیک محال اور ایک امر مستبعد ہے۔

قرآن عزیز نے مفہوم ''موت'' پر ذہن جاہلیت بدل ڈالا۔ ان لوگوں نے اپنے فکر و نظر کے مطابق

''موت'' کے لئے کئی لفظ اختیار کر رکھے تھے۔ ابن سید الناس اندلسیؒ نے ''المخصص'' میں بائیس (۲۲) الفاظ کی فہرست پیش کی ہے اور ہر لفظ پر اشعار جاہلیت سے استدلال کیا ہے۔

اسمائے موت

''الهميغ والنيط والدهر والمنون والشعوب والفود والحمام والسام والمقدار وقتيم وجباز وحلاق والقاضية والطلاطل والعول والذام والكفت، الجداع والحذرة والحتف والخالج...وغيرها''
(المخصص ج ۲ ص ۲۱۵)

انہی میں لفظ ''توفی'' بھی آیا ہے، لیکن اس پر محقق اندلسیؒ نے اشعار عرب سے استناد نہیں کیا۔ بلکہ استدلال میں قرآن عزیز کو پیش کیا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ مفہوم موت پر نزول قرآن کے وقت ہی سے ذہن جاہلیت سے اختلاف چلا آرہا ہے۔ حضرت مولانا سید انور شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: ''جاہلیت کے اعتقاد میں موت پر ''توفی'' کا اطلاق درست نہ تھا کیونکہ ان کے اعتقاد میں نہ بقائے روح، نہ بقائے جسد تھی، نہ بقائے روح۔ توفی وصول کرنے کو کہتے ہیں، ان کے عقیدے میں موت توفی نہیں ہوسکتی۔ قرآن مجید نے موت پر توفی کا اطلاق کیا اور بتلایا کہ موت سے وصول یابی ہوتی ہے نہ فنا محض۔ اس حقیقت کو ایک کلمہ سے عیاں کر دیا اور کہیں اس لفظ کا اطلاق اپنے اصلی معنی سے جسد مع الروح کے وصول کرنے پر کیا۔'' (مقدمہ مشکلات القرآن ص ۷)

غ یوں کے تصور موت کو جب اسلام کے قرن اول ہی سے نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ تو اب موت سے متعلقہ مباحث پر معنی موت کے لئے کلام عرب کا مطالبہ ہم نہیں سمجھتے کہ کون سی شان تحقیق ہے۔ حالانکہ وہاں بھی صرف ''إبانة الروح عن الجسد'' کا نام موت نہیں ہے بلکہ قوت حیوانیہ کے زوال یعنی آثار حیات کے سلب ہونے کو بھی موت سے تعبیر کیا گیا ہے۔

علامہ راغب اصفہانیؒ (۵۰۲ھ) لکھتے ہیں: ''كل نفس ذائقة الموت فعبارة عن زوال القوة الحيوانية وإبانة الروح عن الجسد وقوله انک ميت وانهم ميتون فقد قيل معناه ستموت تنبيها انه لا بد لاحد من الموت'' (المفردات ج ۱، ص ۴۷۷)

ترجمہ: ہر جان نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے پس موت سے مراد: (۱) حیات کی قوت زائل ہونا، (۲) روح کا جسد سے جدا ہونا ہے۔

یہاں موت صرف روح کی جدائی کو نہیں کہا گیا، اس کے ساتھ قوت حیوانی کا زائل ہونا بھی بیان کیا ہے۔ قرآن کریم نے موت اسی کو کہا ہے۔

اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ انک میت وانہم میتون کا صرف ایک ہی معنی نہیں۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے اس سے تنوع موت پر استدلال کیا ہے تو اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں۔

قرآن کریم کی روشنی میں موت کی حقیقت

''اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰى اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ'' (پ ۲۴ الزمر ع ۵ آیت ۴۲)

ترجمہ: اللہ کھینچ لیتا ہے جانیں جب وقت ہو ان کے مرنے کا اور جو نہ مریں ان کو کھینچ لیتا ہے ان کی نیند میں پھر روک لیتا ہے ان کو جن پر مرنا ٹھہرا دیا اور چھوڑ دیتا ہے دوسری روحوں کو ایک وقت مقرر تک۔ اس بات میں پتے ہیں ان لوگوں کے لئے جو دھیان کریں۔

یہ آیت بتلاتی ہے کہ روح قبض ہونے کے باوجود ضروری نہیں کہ موت ہو، سونے والے کی روح قبض ہونے کے باوجود اس کے آثار حیات قائم ہیں، نبضیں تک اچھل رہی ہیں اور روح کے چار گھنٹے باہر رہنے کے باوجود اس کا بدن ٹھنڈا نہیں پڑا، نہ اکڑا ہے، نہ کسی نے اسے دفن کے لئے پکڑا ہے۔

یہ تو نائم کا حال ہے۔ خود میت کو دیکھئے، جونہی روح نکلی بدن فوراً ٹھنڈا نہیں پڑ جاتا روح کے آثار کچھ دیر کے لئے اور رہتے ہیں اور انہی سے یہ بدن کچھ گرم رہتا ہے پھر آہستہ آہستہ ٹھنڈا پڑ جاتا ہے اور اکڑ جاتا ہے، بدن کی تازگی باقی نہیں رہتی، اب موت کا پورا تحقق ہو چکا اور حسب بیان راغب اصفہانی ابانۃ الروح عن الجسد بھی ہوا اور قوت حیوانی بھی جاتی رہی۔

اب اگر کوئی ایسا کیس ہو کہ روح تو قبض ہو جائے لیکن بدن کی تازگی ختم نہ ہو، گھنٹے گزر جائیں مگر بدن نہ اکڑے، پھر دفن کے بعد بھی وہ تازگی رہے اور اسی صدیاں گزر جائیں تو یہاں کیا کہا جائے گا؟

یہی نا کہ یہ موت کچھ عجیب سی ہے کہ قبض روح بھی ہو چکا، روح بدن سے جدا ہو کر ایک جگہ سمٹ چکی اور کچھ آثار حیات اب تک باقی ہیں۔ علامہ برہان الدین المرغینانیؒ (۵۹۳ھ) لکھتے ہیں کہ حضور ﷺ کا بدن مبارک پانچ صدیاں گزرنے کے بعد آج بھی اسی حالت میں ہے جیسا کہ اسے قبر میں رکھا گیا تھا: ''وھو الیوم کما وضع''

(ہدایہ باب الجنائز ج ا ص ۱۶)

قاضی شمس الدین صاحب (گوجرانوالہ) اس کی تشریح میں لکھتے ہیں: ''جسم مبارک صحیح وسالم گلاب کے پھول کی طرح تروتازہ تھا۔ آج بھی وہی کیفیت، اور قیامت تک وہی کیفیت رہے گی۔'' (مسالک العلماء ص ۹۸)

سوال: قاضی صاحب جب تسلیم کرتے ہیں کہ آپ کے جسد اطہر میں کچھ آثار حیات اب تک باقی ہیں وہ ایک لمحہ کے لئے بھی بدن اطہر سے نہیں ہٹے تو معلوم نہیں لوگ انہیں منکرین حیات میں کیوں ذکر کرتے ہیں؟

جواب: یہ تو صحیح ہے کہ ان کا عقیدہ پیر طریقت والا نہیں لیکن یہ عبارت جو ہم نے پیش کی ہے وہ انہوں نے اپنے عقیدے کے طور نہیں کہی۔ انہوں نے صاحب ہدایہ کی بات اپنے لفظوں میں ادا کی ہے۔ اس کے آخر میں فرماتے ہیں۔ ''یہ ہے ہدایہ کی عبارت کا مطلب'' یہ نہیں فرمایا کہ ہدایہ کی یہ بات صحیح ہے۔

معلوم ہوا صاحب ہدایہ صرف اس کے قائل نہیں کہ بدن محفوظ ہو، مٹی میں ریزہ ریزہ نہ ہو، بلکہ وہ بدن کی تازگی کے بھی قائل ہیں اور یہ بدوں اس کے نہیں کہ کچھ آثار حیات آپ ﷺ میں آخر تک باقی رہے اور ہیں۔ سو اگر اسے ایک نرالی موت سمجھا جائے یا یوں کہا جائے کہ انبیائے کرام علیہم السلام کی موت کی نوع ہی جدا ہے۔ تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔ یا یوں کہا جائے کہ آپ کی موت بھی واقع ہوئی اور کسی درجے میں حیات بھی باقی رہی اور آپ کی موت ساتر حیات ہوئی۔ یہ نہیں کہ اس سے آثار حیات کلیۃً منتفی ہوئے۔

یہ کہنا کہ ہمیں موت کے یہ معنی کلام عرب میں نہیں ملتے، اسے کوئی شخص جسے یہ علم ہو کہ مفہوم موت پر اسلام کا ذہن جاہلیت سے شروع ہی سے مختلف ہو گیا تھا، اہمیت نہ دے گا۔ قرآن کریم نے بتایا ہے کہ موت صرف مفارقت روح کا نام نہیں، یہ تو نیند میں بھی ہوتا ہے۔ جب تک پورے آثار حیات منتفی نہ ہوں وہ موت نہیں اور راغب نے یہی بات کہی ہے۔ حضور ﷺ سے بعض آثار حیات چونکہ آخر تک منتفی نہ ہوئے بلکہ اب تک باقی ہیں۔ تو اگر اسے ایک جدی نوع حیات کہہ دیا جائے تو معلوم نہیں کون سا آسمان گرتا ہے۔ علامہ محمد بن احمد بن عبدالہادیؒ (۷۴۴ھ) لکھتے ہیں: ''والحیاۃ جنس تحتہ انواع وکذلک الموت فاثبات بعض انواع الموت لاینافی الحیوۃ'' (الصارم المنکی ص ۱۸۵)

ترجمہ: حیات کی کئی قسمیں ہیں اسی طرح موت کی بھی کئی قسمیں ہیں سو کسی موت کا واقع ہونا ہو سکتا ہے کہ حیات کے منافی نہ ہو۔

دوستوں کا عذر لنگ

بعض کرم فرما یہ کہہ کر بات ٹالتے ہیں کہ نیند کی حالت میں روح نہیں نکلتی۔ قرآن پاک نے جو یہ دعویٰ کیا ہے یہ متشابہات میں سے ہے۔ ہم کہتے ہیں اگر یہ آیت متشابہات میں سے ہوتی تو حضور ﷺ اپنی دُعا میں اس آیت کی پیروی نہ کرتے۔ امام بخاری کتاب الدعوات میں حضور ﷺ کی نیند کے وقت کی یہ دُعا نقل کرتے ہیں: ''باسمک ربی وضعت جنبی وبک أرفعہ ان امسکت نفسی فارحمھا وان ارسلتھا فاحفظھا بما تحفظ بہ الصالحین'' (صحیح بخاری، ج ۲، ۹۳۵)

ترجمہ: تیرے ہی نام پر اے میرے رب! میں نے اپنا پہلو رکھا ہے اور تیرے سہارے ہی میں اسے اُٹھاؤں گا اگر تو میری جان کو روکے رکھے تو اس پر رحم فرما اور اگر اُسے واپس بھیج دے تو اس کی حفاظت فرما جیسے تو اپنے بندوں کی حفاظت کیا کرتا ہے۔

اس حدیث سے پتہ چلا کہ واقعی نیند کے وقت روح نکلی ہوتی ہے جس کے بعد یہ پھر آ جاتی ہے اور موت والے کے لئے یہ واپس نہیں آتی (برزخ میں روح کا بدن میں واپس آنا یا میدان حشر میں روح کا بدن میں واپس آنا، یہ اس آیت کے خلاف نہیں ہے) یہاں جو اس کے روکے رکھنے کی خبر دی گئی ہے یہ صرف اسی دنیا کی بات ہے کہ اس دنیا میں اب روح بدن کی طرف واپس نہ کی جائے گی۔ امساک کا تعلق اسی جہان سے ہے جس سے ارسال کا تعلق ہے۔ ظاہر ہے کہ نیند والے کی روح اسی جہان میں بدن کی طرف لوٹتی ہے نہ کہ کسی اور جہان میں۔

حاصل کلام یہ ہے کہ موت کی حقیقت صرف ابانۃ الروح عن الجسد نہیں۔ آثار حیات جب تک پورے منتفی نہ ہوں۔ قرآن کریم اسے موت نہیں کہتا۔ الا یہ کہ کوئی جدا نوعیت موت ہو اور یہ موت کی کوئی اور نوع ہو۔

پہلے دور میں کیا مفہوم موت پر اختلاف نہیں ہوا؟ کیا معتزلہ نے موت کے عدمی ہونے کا دعوی نہیں کیا؟ کشاف اٹھا کر دیکھیں۔ اور کیا اہل سنت نے اس کی کھلی تردید نہیں کی، الانتصاف اٹھا کر دیکھیں۔

سوال: نیند والے کی طرف روح کا لوٹنا جسے قرآن کریم نے لفظ ارسال سے بیان فرمایا ہے کہ نیند والے

کی روح روکی نہیں جاتی، چھوڑ دی جاتی ہے۔ کیا کہیں اسے احیاء (زندہ کرنے) سے بھی تعبیر کیا گیا ہے اگر نہیں تو معلوم ہوتا ہے نیند سے حقیقت موت واقع نہ ہوئی تھی؟

جواب: سنن نسائی کی روایت میں اس ارسال کے لئے احیاء کا لفظ بھی وارد ہے۔ حدیث شریف کے الفاظ یہ ہیں: ''اللھم انت خلقت نفسی و انت تتو فاھا لک مماتھا و محیاھا ان احییتھا فاحفظھا و ان امتھا فاغفر لھا۔'' (عن عبداللہ بن عمر مرفوعا)

ترجمہ: اے اللہ! تو نے مجھے پیدا کیا اور تو ہی میری جان کی توفی کرے گا میری موت اور زندگی سب تیرے لئے ہیں اگر تو میری جان کو زندگی بخشے تو اس کی حفاظت فرما اور اگر تو اسے موت دے تو اس کی مغفرت فرما۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے اسے فتح الباری میں نقل کیا ہے اور ابن حبان سے اس کی تصحیح نقل کی ہے۔

(فتح الباری ج ۲۳ ص ۱۲۹)

حضرت ابو ہریرہؓ کی ایک روایت میں اس جاگنے پر ردّ روح کے الفاظ بھی ملتے ہیں: ''الحمد للہ الذی عافانی فی جسدی ورد علیّ روحی'' (جامع ترمذی ج ۲ ص ۷۶)

ترجمہ: حمد کے لائق وہ ذات ہے جس نے میرے جسد کو عافیت بخشی اور اس میں میری روح پھر سے لوٹا دی۔

امام ترمذیؒ نے اس کی سند کو حسن کہا ہے۔ امام نوویؒ کہتے ہیں، اس حدیث کی سند صحیح ہے، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ بھی کہتے ہیں کہ اس کی سند حسن ہے۔ (کمافی فیض القدیر ج ۱ ص ۲۸۰)

ان تفصیلات سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام نے اپنے طور پر موت کا ایک مفہوم متعین کیا ہے اور اسلام اس اطلاق میں ذہن جاہلیت کا تابع نہیں ہے اور نہ حقائق کے لئے وہ اشعار جاہلیت کا محتاج ہے۔

نظریۂ قرآن میں موت کیا ہے

موت ایک ایسی صفت ہے، جو صفت ''حیات'' کے تغیر پر بدن کو عارض ہوتی ہے یہ فقط روح کے بدن سے جدا ہونے کا نام نہیں، بلکہ ایک وجودی شئے ہے جس کی اپنی تخلیق ہے۔

خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ (پ:۲۹، الملک)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے موت کو بھی پیدا کیا اور حیات کو بھی۔

پس جب موت کی اپنی ایک خلقت ہے، تو اُسے محض روح و بدن کی مفارقت سے تعبیر کرنا اور محض ایک امر عدمی قرار دینا کس طرح درست ہو سکتا ہے؟

امام ناصر الدین احمد بن محمد بن المنیر الاسکندری المالکیؒ (۶۸۳ھ) فرماتے ہیں: ''ان الموت عدم و ھو خطأ صراح و معتقد اھل السنة انه امر وجودی یضاد الحیاة و کیف یکون العدم بھذہ المثابة و لو کان العدم مخلوقاً حادثاً و عدم الحوادث مقرراً از لاً للزم قطع الحوادث۔'' (الانصاف ج ۳، ص: ۲۰۳ مصر)

ترجمہ: موت کو محض ایک عدمی شئے قرار دینا ایک کھلی ہوئی خطا ہے۔ اہل سنت کے عقیدے میں یہ ایک امر وجودی ہے جو حیات کے مقابل ہے، عدمی شئے اس درجے میں نہیں ہو سکتی۔ اگر عدمیات کی بھی خلقت ہوتی ہو

اور وہ حادث ہوں اور عدم حوادث کا تقرر بھی ازلی ہو تو اس سے قطع حوادث لازم آتا ہے۔

علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں: ''والموت علیٰ ما ذهب اليه الكثير من اهل السنة صفة وجودية تضاد الحياة واستدل علىٰ وجوديته بتعلق الخلق به وهو لا يتعلق بالعدمى لازلية لاعدام'' (روح المعانی ج ۲۹ ص ۴)

ترجمہ: جمہور اہل سنت کے نزدیک موت ایک صفت وجودی ہے، جو حیات کے مقابل ہے اور اس کے وجودی ہونے کا استدلال اس فعل خلق سے متعلق ہونے سے ہوتا ہے۔ کیونکہ فعل خلق عدمی چیزوں سے متعلق نہیں ہوتا، عدمیات تو ازلی ہیں۔

امام رازیؒ لکھتے ہیں: ''واختلفوا فى الموت فقال قوم انه عبارة عن هذه الصفة وقال اصحابنا انه صفة وجودية مضادة الحياة واحتجوا علىٰ قولهم بانه تعالىٰ قال الذى خلق الموت والحياة والعدم لايكون مخلوقا هذا هو التحقيق والموت عند اصحابنا وجودية مضادة للحياة'' (روح المعانی ج ۲۹، ص ۴ مصر)

ترجمہ: مفہوم موت پر بہت پہلے سے اختلاف چلا آرہا ہے، بعض اسے عدم حیات سے تعبیر کرتے ہیں اور ہمارے اصحاب (اہل سنت) اس بات کے قائل ہیں کہ وہ (موت) ایک صفت وجودی ہے جو حیات کے مقابل ہے۔ اکابر اہل سنت کا استدلال اس ارشاد قرآنی سے ہے ''خلق الموت والحياة'' کیونکہ عدمیات کے پیدا ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ تحقیق یہی ہے کہ موت کوئی عدمی صفت نہیں بلکہ ایک صفت وجودی ہے۔

اگر موت عدم کا نام ہو تو خلق کا فعل کس چیز پر واقع ہوگا۔ فتفکر وتدبر!

موت کا وجود حدیث کی روشنی میں

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''يجمع الله الناس يوم القيمة فى صعيد واحد ثم يطلع عليهم رب العلمين...... فيقوم المسلمون ويوضع الصراط فيمرون عليه مثل جياد الخيل و الركاب وقولهم عليه سلم سلم ويبقى اهل النار فيطرح منهم فيها فرج...... فاذا ادخل الله تعالىٰ اهل الجنة الجنة واهل النار النار اتى بالموت ملبيا فيوقف على السور الذى بين اهل الجنة واهل النار ثم يقال يا اهل الجنة فيطلعون خائفين ثم يقال يا اهل النار فيطلعون مستبشرين يرجون الشفاعه فيقال لاهل الجنة ولاهل النار هل تعرفون هذا فيقولون هولاء وهولاء قد عرفناه هو الموت الذى وكل بنا فيضجع فيذبح ذبحا على السور۔'' (جامع ترمذی ج ۲ ص ۷۹ دہلی ص ۲۱۰ لکھنؤ)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تمام لوگوں کو حشر میں ایک جگہ اکٹھا کریں گے۔ اللہ تعالیٰ ان سے کچھ سوال، جواب کریں گے اور نیک لوگ پل کو عبور کر کے جنت میں پہنچ جائیں گے اور اہل جہنم جہنم میں جا گریں گے۔ پھر موت کو وہاں لایا جائے گا اور اسے دیوار پر کھڑا کیا جائے گا جو اہل جنت اور اہل دوزخ کے مابین ہوگی۔ پھر فرمائیں گے دیکھتے ہو یہ کیا ہے؟ دونوں کہیں گے، ہاں ہم جانتے ہیں یہ موت ہے جو ہم پر طاری ہوئی تھی۔ اس وقت اسے لٹایا جائے گا اور اسے ذبح کیا جائے گا...... اس کے بعد موت کسی کو نہ آئے گی۔

عن انس ؓ قال قال رسول الله ﷺ يؤتى بالموت يوم القيمة كانه املح فيوقف بين الجنة والنار

ثم ینادی منادیا اهل الجنة فیقولون لبیک ربنا قال فیقال هل تعرفون هذا فیقولون نعم ربنا هذا الموت فیذبح کما تذبح الشاة فیامن هؤلاء وینقطع رجاء هؤلاء رواه ابویعلی والطبرانی فی الاوسط بنحوه والبزار ورجالهم رجال الصحیح غیر نافع بن خالد وهو ثقه۔ (مجمع الزوائد ج ۱۰ ص: ۳۹۵)

ترجمہ: قیامت کے دن کبش املح کی صورت میں موت کو لایا جائے گا اور جنت اور جہنم کے درمیان کھڑا کیا جائے گا اور اعلان کیا جائے گا کہ جنت والو دیکھو اسے جانتے ہو، وہ کہیں گے یا اللہ ہم جانتے ہیں یہ موت ہے۔ اس وقت موت ذبح کی جائے گی جیسے بکری ذبح کی جاتی ہے۔

اس حدیث کے تمام راوی نافع بن خالد کے سوا سب صحیح بخاری کے رجال ہیں اور نافع بن خالد بھی ثقہ ہے۔

ان روایات سے پتہ چلتا ہے کہ موت یہی نہیں کہ ملک الموت آئے اور روح نکال کر لے جائے یا نازعات وناشطات آئیں اور روح نکال لیں۔ صرف یہی ہو تو یہ ایک عدمی حقیقت ہے مگر حضور ﷺ نے خبر دی کہ یہ ایک وجودی شئے ہے جو ہر مرنے والے پر وارد ہوتی تھی اور اسے سب اہل جنت جنت میں اور سب اہل جہنم جہنم میں پہچانتے ہوں گے...... اگر یہ کوئی وجودی چیز نہیں تو مرنے والوں کو یہ کیا چیز نظر آئی تھی جسے انہوں نے پہچان لیا اور اللہ تعالیٰ نے پھر اسے ذبح کر ڈالا۔ معتزلہ اور کرامیہ مفہوم موت جاہلیت کے اندھیرے میں متعین نہ کرتے اور قرآن وحدیث کی روشنی میں چلتے، تو کبھی نہ کہتے کہ موت صرف ابانۃ الروح عن الجسد کا نام ہے اور کچھ نہیں اور یہ کہ کوئی اور اس کی انواع نہیں ہیں۔

ایک سوال: جب موت ذبح کر دی جائے گی اور نیک وبد، جنت وجہنم میں جا چکے ہوں گے تو یہ جو بعض روایات میں ہے کہ جو گنہگار مسلمان جہنم میں ہوں گے۔ ایک موت ان پر وہاں وارد کی جائے گی تاکہ انہیں نار جہنم کا احساس نہ ہو تو یہ موت کیا اس موت کے علاوہ ہے جو ان پر وارد ہوگی، حدیث کے ان الفاظ پر غور کریں: "اذا ادخل الله الموحدین النار اماتهم فیها اماتة فاذا اراد ان یخرجهم منها امسهم الم العذاب تلک الساعة"

(جامع صغیر ص: ۲۵)

ترجمہ: جب اللہ تعالیٰ ان مسلمانوں کو جہنم میں داخل کریں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں وہاں موت دے دیں گے جب ارادہ فرمائیں گے کہ انہیں آگ سے نکالا جائے تو اس وقت انہیں یہ عذاب چھوئے گا (اور پھر انہیں جہنم سے نکال دیا جائے گا)

"(أماتهم فیها) بمعنی انه یغیب اجسامهم اویقبض ارواحهم لطفا منه بهم واظهار الاثر التوحید"

ترجمہ: اللہ تعالیٰ انہیں وہاں موت دے گا اس کا معنی یہ ہے کہ ان کے جسم وہاں سے غائب ہو جائیں گے اور اللہ تعالیٰ اپنے لطف وکرم سے ان کی روحیں قبض فرمالیں گے یہ اس لئے کہ ان پر توحید کا اثر ظاہر ہو (وہ یہ کہ ان پر آگ اثر نہ کرے)

یہاں اماتهم کا معنی یہ نہیں کہ ان کی روح ان کے بدن سے نکالی جائے گی۔ یہاں مراد یہ ہے کہ حق اللہ تعالیٰ ان کے احساس وشعور کو معطل کر دے گا، تاکہ ان کو جہنم کا عذاب محسوس نہ ہو۔

موت تو ذبح ہو چکی، اب ہیں تو وہ حقیقت میں زندہ مگر اللہ تعالیٰ ان کی زندگی کے ظاہر آثار اور شعور واحساس کو روک دیں گے۔ یہ بھی ایک قسم کی موت ہے، جسے لسان نبوت نے لفظ موت سے تعبیر کیا ہے۔

حقیقت موت

موت ایک وجودی چیز ہے جو کسی جسم پر وارد ہوتی ہے، موت کی حقیقت انفکاکِ روح یا ازالۂ حیات بتلانا ہمارے دوستوں کو ایک بڑا مغالطہ ہے۔ ازالہ حیات نہ بھی ہو تو موت وارد ہوسکتی ہے اور ابانۃ الروح پر بھی (جیسے کہ یہ نائم پر وارد ہوتی ہے) تو ضروری نہیں کہ موت ہو جائے روح کا ارسال یا بدن کی طرف عود کرنا پھر ہوسکتا ہے کیا ضرورت پڑی ہے کہ ہمارے دوست موت کا معنی ابانۃ الروح عن الجسد یا ازالۂ حیات ٹھہرا کر معتزلہ کے ذہن سے موت کو ایک عدمی چیز سمجھیں۔ اور قرآن کی نص بھول جائیں کہ موت کی ایک اپنی خلقت ہے، یہ محض ازالہ حیات کا نام نہیں ہے۔

''خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا'' (پ۲۹: الملک: آیت ۲)

ترجمہ: اس نے پیدا کیا موت کو اور حیات کو تا جانچے تم کو تم میں سے کون اچھے کام کرتا ہے۔

موت کا عدمی معنی (ازالہ حیات) کرنے میں ایک دقت یہ پیش آئے گی کہ موت کے لئے سبق حیات ضروری ہوگا۔ پھر اموات صرف انہیں کو کہا جائے گا، جن میں پہلے حیات رہ چکی۔ اس صورت میں بتوں کو اموات نہیں کہا جاسکے گا۔ کیونکہ ان میں پہلے حیات کبھی نہیں رہی۔ پھر لَا یَسْمَعُ کا معنی بھی یہی ہوگا کہ جو پہلے سنتے تھے اب نہیں سنتے لَا یُبْصِرُ کا معنی یہ ہوگا کہ جو پہلے دیکھتے تھے اب نہیں دیکھتے پہلے کام آتے تھے اب کچھ نہیں کرسکتے پھر یہ کہنا کیسے درست ہوگا: ''لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا یَسْمَعُ وَلَا یُبْصِرُ وَلَا یُغْنِیْ عَنْکَ شَیْءً''

بت پرستی کی ابتداء بے شک قبر پرستی سے ہوئی (ردالمحتار شامی ج۱، ص: ۳۵۲) لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ صنم پرستی، حجر پرستی، ستارہ پرستی اور سورج اور چاند کی پوجا بھی دنیا میں ہے اور رہی ہے قرآن کریم ان سب معبودان باطلہ کو اموات کہتا ہے۔ اگر مسبوقیت الحیاۃ (کہ پہلے ان میں حیات رہی ہو) موت کا لازم اقتضاء ہے اور موت کا معنی ہے ازالہ حیات .... تو خود ہی فرمائیں۔ سورج اور چاند میں، ستاروں اور پتھروں میں پہلے کب زندگی تھی جو ان کو اب اموات کہا جارہا ہے کہ ان کی زندگی جاتی رہی۔ عجیب علم ودانش ہے کہ موت ازالہ حیات کا نام ہے اور جو ازالہ حیات کے بغیر موت کا اقرار کرے وہ مولانا نانوتویؒ بھی ہو تو ہمارا امام نہیں ؎

بریں عقل و دانش بباید گریست

کَیْفَ تَکْفُرُوْنَ بِاللّٰہِ وَکُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْیَاکُمْ (پ۱ البقرۃ آیت ۲۸) میں موت کا لفظ حیات کے بالمقابل ہے۔ یہاں موت کے لئے مسبوقیت بالحیاۃ نہیں ہے اور موت کا معنی یہاں ازالہ حیات کا نہیں، یہاں موت سے مراد عدم ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت مجاہدؒ (۱۱۰ھ) سے یہی منقول ہے۔ معلوم ہوا موت کا معنی ازالہ حیات نہیں، صرف عدم حیات ہے۔ اس تعریف پر معتزلہ کی تائید ہوتی ہے۔ صحیح یہی ہے کہ موت ایک وجودی چیز ہے۔ ازالہ حیات اس کے لئے ضروری نہیں اسی طرح اعادہ روح سے بھی ازالہ اسم موت ضروری نہیں۔

"ان هذه الاعادة ليست مستلزمة لاثبات حياة مزيلة لاسم الموت بل هي نوع حياة برزخية"
(الصارم المنکی ص: ۱۸۵)

آنحضرت ﷺ کی موت طیبہ

آنحضرت ﷺ کی حیات طیبہ کا عنوان تو آپ نے بارہا سنا ہوگا۔ آج موت طیبہ کا عنوان بھی دیکھ لیجئے۔ طیب کا لفظ جس طرح آپ کی حیات کے لئے ہے، اسی طرح یہ اطلاق آپ ﷺ کی موت کے لئے بھی ہے، حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے آپ ﷺ کی وفات پر "ان محمدا قد مات" کا اعلان کرنے سے پہلے موت طیبہ کی آواز لگا دی تھی۔ حضرت عبداللہ بن عمر ؓ روایت کرتے ہیں کہ آپ ؓ نے حضور ﷺ کے جسد اطہر کو پیشانی پر بوسہ دیا اور کہا: "طبت حیًا ومیتا" (فتح الباری ج ۱۶ ص: ۲۸۱ نقلا عن ابن ابی شیبہ)

ترجمہ: آپ ﷺ کی حیات بھی طیب اور موت بھی طیب۔

جس طرح آپ ﷺ کے بدن اطہر سے زندگی میں خوشبو نکلتی تھی، موت پر بھی وہ جسد اطہر اسی طرح خوشبو دے رہا ہے۔ عروض موت نے آپ کو صرف زیر پردہ کیا ہے۔ آثار حیات آپ ﷺ سے منفی نہ ہوں گے۔ بدن اسی طرح نرم اور تر تازہ رہے گا۔ اس میں غور کیا جائے تو ماننا پڑتا ہے کہ یہ موت کی کوئی اور قسم ہی ہے اور موت میں اختلاف نوع کا تصور کوئی کفر نہیں ہے کہ اس کی مخالفت کو اشاعت توحید کا نام دیا جائے۔

یہ موت طیبہ کیسی تھی یا کیسی نہیں؟ اس بحث میں ہم نہ پڑیں۔ اور اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ کی روشنی میں اتنا عقیدہ رکھیں کہ آپ پر موت وارد ہوئی اور اللہ تعالیٰ کا آپ پر موت کا وعدہ پورا ہوا۔ لیکن یہ موت کچھ اس قسم کی تھی کہ نہ صرف کچھ آثار حیات باقی رہے۔ بلکہ بعض اثرات ظاہری بھی قائم اور باقی رہے تو ہم نہیں سمجھتے کہ اس سے اسلام کا کوئی ستون ہے جو گرتا ہے اور کوئی شریعت ہے جو بگڑتی ہے۔ موت کا صحیح اقرار تو حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بھی کرتے ہیں اور اگر وہ اسے ساتر حیات کہتے ہیں اور اس کے کچھ اثرات حیات ہم سب تسلیم کرتے ہیں تو پھر ان جزئیات میں الجھنا اور انہیں جنگ کے میدان بنانا کیا کھلی نادانی نہیں۔

اثرات حیات جو اجماعاً مسلم رہے

موت کا ایک سریع اور صریح اثر یہ ہے کہ میت کسی چیز کی مالک نہیں رہتی۔ اس کے جملہ اموال اس کی ملک سے نکل جاتے ہیں۔ حضور ﷺ کے اموال آپ ﷺ کی ملک پر باقی رہے اور آپ ﷺ کی ملک سے نہ نکلے۔ محدثین نے اپنی کتابوں میں اس مضمون کے باب باندھے ہیں:

"باب ما كان ماله بعد موته قائما على نفقته وملكه" (سنن کبریٰ امام بیہقی ج ۷، ص: ۶۴)

دوسرے لوگوں کے لئے یہ باب باندھا ہے:

ترجمہ: جب آدمی مرجائے تو اس کے مال پر اس کا ملک نہیں رہتا۔ (مجمع الزوائد ج ۴ ص: ۲۲۶)

امام بخاریؒ کتاب الفرائض میں حضرت ابوہریرہ ؓ سے حضور ﷺ کی یہ حدیث لائے ہیں۔

"لاتقسم ورثتي دينارا ما تركت بعد نفقة نسائي و مؤنة عاملي فهو صدقة"

ترجمہ: میرے وارث مال آپس میں تقسیم نہ کریں گے اپنی بیویوں کے نفقہ اور اپنے عامل کی مزدوری کے بعد میں جو کچھ چھوڑوں وہ صدقہ ہے۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۹۶)

(۱) امہات المؤمنین ﷢ کا خرچہ تو سالہا سال تک چلنے والی بات ہے۔ آپ کے اموال بعد وفات بھی آپ کی ملکیت میں رہیں اور آپ کی طرف سے آپ کی ازواج اپنا خرچہ حاصل کریں۔ اور آپ کے عامل اس سے اپنی اجرت لیں تو یہ آپ کے اموال کا آپ کی ملک میں باقی رہنا بتاتا ہے کہ اثرات حیات میں سے یہ اثر باقی ہے کہ آپ کے اموال آپ کی ملک میں رہے۔

(۲) فوت شدہ کی بیوی تا انقضائے عدت متوفی کے مال میں حقدار ہے اس کے بعد نہیں پھر اس کا خرچہ اس کے والدین دیں یا اس کے بیٹے، اب یہ مرحوم خاوند کے ذمہ نہیں۔ حضور ﷺ کی ازواج کے لئے یہ عدت نہیں۔ وہ تازندگی حضور ﷺ کے اموال میں حقدار ہیں۔ یہ بھی تبھی ہوسکتا ہے کہ حضور ﷺ کے اموال آپ کی ملک پر باقی رہیں۔

(۳) موت کا وقت اور موت کے بعد کا وقت میت کے حق میں وصیت کے باب میں برابر ہے اسے اپنے مال میں کوئی حق باقی نہیں رہتا حضرت مصعب بن سعد﷜ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں:

میں بیمار تھا، میں نے حضور ﷺ کے پاس کسی کو بھیجا کہ کیا میں اپنے کل مال کی وصیت کرسکتا ہوں جہاں چاہوں۔ آپ ﷺ نے اس پر نہ کہی میں نے کہا نصف کی وصیت کروں آپ ﷺ نے اس پر بھی انکار فرمایا...... پھر میں نے ثلث (تہائی) کے لئے کہا، آپ اس پر خاموش رہے۔

لیجئے! فوت ہونے والا خود اپنے مال کے نصف حصے کا مالک نہیں رہا۔ اسے اس کے وارث لیں گے، یہ مال گویا اب اس کی ملک میں نہیں رہا۔

"مرضت فارسلت الى النبي ﷺ فقلت دعني اقسم مالي حيث شئت فابى قلت فالنصف فابى"

(صحیح مسلم ج ۲ ص ۴۰)

ادھر حضور ﷺ کو دیکھئے، ازواج مطہرات ﷢ کے خرچہ اور خادم کی اجرت کے بعد جو بچے اسے کلی صدقہ فرمادینے کے حکم سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے اموال اس حالت کے باوجود آپ کی ملک سے نہیں نکلے۔

عام انسان ایسے وقت میں اپنے مال سے بے تعلق ہوجاتا ہے یہ کیوں؟ بوجہ موت کے۔ موت تمام علائق دنیوی کو ختم کر دیتی ہے۔ حضور ﷺ کے املاک باوجود وفات ان کی ملک میں ہیں اور آپ ﷺ اس سے اپنے اخراجات جاری رکھنے کا حکم دیتے ہیں۔ تو اگر مختلف مسائل پر اتنی بات کہہ دی جائے کہ آپ کی موت طیبہ عام انسانوں سے کچھ مختلف تھی اور اس میں موت کا انکار بھی نہ ہو تو محض اتنی بات سے اپنے اسلاف کا استہزاء اور اپنے عوام کی تشغیب ہم نہیں سمجھتے اسلام کی کون سی خدمت ہے اور کس پہلو سے اسے ایک نیکی سمجھا جارہا ہے۔

موت کے بارے میں اہل دانش بہت کچھ کہہ چکے اور کہتے رہیں گے موت کی حقیقت پر اہل تحقیق نے بہت گرد پیمائی کی ہے۔ بات کو الجھانے سے بچانا ہو تو یوں سمجھئے موت ایک ایسی صفت ہے جو صفت حیات کے تغیر پر

بدن کو لاحق ہوتی ہے۔ اگر صفت حیات اپنے موصوف کے حق میں صفت عرضی ہے تو اس کے زوال پر موت کا ورود ہوتا ہے اور اگر صفت حیات اپنے موصوف کے حق میں ذاتی ہو تو پھر دو صورتوں سے خالی نہیں، قابل تغیر ہے۔ (جس کا پتہ ہمیں اس سے چل سکتا ہے کہ اس کی کیفیت میں پہلے بھی کبھی ظہور وخفا کا انقلاب آیا ہو) یا نا قابل تغیر! اگر قابل تغیر ہے تو پھر صفت حیات کے معرض خفا میں آنے یا مستور ہونے پر یہ صفت موت بدن کو لاحق ہوگی۔ اور اگر نا قابل تغیر ہے تو پھر اس پر ورود موت محال ہے۔ پھر وہ موت دائمہ ازلیہ ہے۔ واللہ اعلم بالصواب!

اتنی تدقیق میں جانے کی ضرورت نہیں۔ جمہور اہل سنت مفہوم موت کی اس گہرائی میں نہیں گئے۔ ایسی حیات ذاتی جس کی کیفیات ظہور وخفا میں قابل تغیر ہوں اور اس کی ذاتیت بھی اضافی ہو، ازلی نہ ہو اس کا مرکز و مصداق پوری کائنات میں ایک ہی ذات ہے جو باعث تکوین عالم اور خلاصہ کائنات ہے اس لئے لسانیات کی دنیا میں مفہوم موت کا یہ پہلو اتنا شائع وذائع نہ ہو سکا اگر موت کو اسی عام معنی میں لیا جائے کہ موت روح کے بدن سے جدا ہونے کو کہتے ہیں تو عوامی سطح پر اسے قبول کرنے میں بھی کوئی ممانعت نہیں۔

اس تفصیل سے ہمارا مدعا یہ ہے کہ ان باریک حقائق میں الجھنا اور خواہ مخواہ کسی ایک پہلو کو معرکہ بحث بنانا، کوئی ایسی بات نہیں، جس پر نجات کا یا کم از کم مسئلہ حیات النبی ﷺ کے ثبوت یا عدم ثبوت کا مدار ہو۔ موت کو اگر اسی عام معنی میں لے لیا جائے، جو جمہور کی رائے ہے تو بھی مسئلہ زیر بحث میں مقصود کلام قطعاً متاثر نہ ہوگا۔ ہاں یہ پیش نظر رہے کہ روح کے بدن میں مقید رہنے کا نام ہی حیات نہیں۔ روح بدن سے نکل جائے، لیکن اس کا کوئی خاص تعلق یا اثر بدن کے ساتھ قائم رہے تو بایں صورت بھی بدن کو صفتِ حیات حاصل رہے گی۔ محقق ابن ہمامؒ کے بیان سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہاں روح اور حیات میں ملازمہ نہیں، تاثیر وتعلق بھی وجودِ حیات کے لئے کافی ہے۔ متن فقہ اکبر میں جو یہ جزئیہ داخل عقائد ہے کہ: ''إعادة الروح الی العبد حق'' (شرح فقہ اکبر ص ۱۲۰)

ترجمہ: بندے کی طرف (قبر میں) روح کا لوٹایا جانا برحق ہے۔

ممکن ہے اس میں حرف ''الی'' اسی حقیقت کی طرف اشارہ کر رہا ہو کہ روح کو بدن میں لوٹانا ضروری نہیں، بدن کی طرف لوٹانا ہی اس حیات فی القبر کے لئے کافی ہے جس پر سوال نکیرین اور از اں بعد ادراک الم ولذت کے احکام مرتب ہو سکیں۔ واللہ أعلم بالصواب وعلمہ أتم وأحکم فی کل باب!

موت کا شرعی مفہوم

یاد رکھئے موت فنائے محض کا نام نہیں۔ وہ اختلاف دارین کے تحقق کا نام ہے کہ انسان اس عالم دنیا سے دوسرے عالم میں چلا جائے، علامہ عینیؒ (۸۵۵ھ) لکھتے ہیں: ''الموت لیس بعدم انما ھم انتقال من دار الی دار'' (عینی علی البخاری ج ۶، ص ۷۸)

ترجمہ: موت ایک عدمی چیز نہیں، بلکہ وہ تو ایک عالم سے دوسرے عالم میں منتقل ہو جانے کا نام ہے۔

''لیس بعدم محض ولا فناء صرف'' (بشری الکئیب ص:۱۶)

ترجمہ: موت ہرگز عدم محض اور فنائے خالص کا نام نہیں۔

حجۃ الاسلام حضرت امام غزالیؒ کے الفاظ میں "ایک لباس اتار کر دوسرا لباس پہننے" کا نام موت ہے۔
موت کیا ہے یہ راز کھل ہی گیا؟ زندگی اک رخ بدلتی ہے اس کنارے سے اس کنارے تک جیسے ایک موج جا نکلتی ہے۔

جاننا چاہئے کہ کفار عرب کی طرح موت کے متعلق قرآن عزیز کا نظریہ فنائے کامل کا نہیں انبیاء و صلحاء تو درکنار کل بنی آدم ذائقہ موت چکھنے کے بعد پھر انہی اجسام عنصریہ کے ساتھ زندہ کئے جائیں گے۔ اگر آخرت میں یہ جسمانی زندگی محل استبعاد نہیں تو اگر اللہ تعالیٰ بعض نفوس قدسیہ کو عالم برزخ ہی میں یہ جسمانی زندگی عطا فرمادیں تو اس میں کون سا استبعاد ہے؟ اگر آپ کی عقل اس کا ادراک نہیں کرسکتی تو عالم آخرت کی عنصری حیات کا ادراک بھی تو کوئی کم کٹھن منزل نہیں، وہ کیسے ہوگا؟ فتفکروا یاأولی الابصار!

قرآن عزیز کہتا ہے: "وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا. قُلْ كُوْنُوْا حِجَارَةً اَوْ حَدِيْدًا. اَوْ خَلْقًا مِّمَّا يَكْبُرُ فِيْ صُدُوْرِكُمْ فَسَيَقُوْلُوْنَ مَنْ يُّعِيْدُنَا قُلِ الَّذِيْ فَطَرَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ" (بنی اسرائیل ۴۹)

ترجمہ: اور کہتے ہیں کہ جب ہم ہڈیاں اور چورا چورا ہوجائیں گے، کیا پھر نئے سرے سے بن کر اٹھیں گے؟ آپ کہہ دیجئے کہ تم پتھر ہوجاؤ یا لوہا یا کوئی اور خلقت، جس کو تم اپنے دلوں میں مشکل سمجھ لو۔ پھر پوچھیں گے، کون ہمیں دوبارہ زندہ کرے گا؟ فرمادیجئے، جس نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا۔

پھر فرمایا: "كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ وَعْدًا عَلَيْنَا اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ" (پ ۱۷، انبیاء ۱۰۴)

ترجمہ: جیسے ہم نے پہلے بنایا تھا، اسی طرح پھر اس کو لوٹائیں گے، ہمارا ضرور وعدہ ہے، ہمیں پورا کرنا ہے۔

جن ذرات کو مٹی کھا چکی، وہ کہاں سے آئیں گے؟ فرمایا: "قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ مِنْهُمْ وَعِنْدَنَا كِتٰبٌ حَفِيْظٌ" (پ ۲۶، ق ۴)

ترجمہ: ہمیں معلوم ہے جو زمین کھا رہی ہے ان میں سے، اور ہمارے پاس پورا ریکاڈ محفوظ ہے۔

پھر ارشاد ہے: "مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ. قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ. وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمٌ" (پ ۲۳، یٰسین: ۷۸)

ترجمہ: کون ان ہڈیوں کو ریزہ ریزہ ہونے کے بعد پھر زندہ کردے گا؟ آپ فرمادیجئے، وہی انہیں دوبارہ زندہ کردے گا، جس نے انہیں پہلی بار بنایا تھا اور وہ سب بنانا جانتا ہے۔

کفار و مشرکین کو حیرت تھی کہ ہڈیوں کے ریزہ ریزہ ہونے کے بعد پھر حیات انسانی کیسے ان ذروں میں عود کر آئے گی؟ رب العزت نے فرمایا، یہ ریزے اور چورا تو بہرحال انسانی لاش ہے، جس میں پیشتر زندگی رہ چکی ہے اور خود مٹی کے ذرات میں بھی آثار حیات کا پیدا ہونا چنداں مستبعد نہیں۔ میں اس سے بڑھ کر تمہیں اجازت دیتا ہوں کہ ہڈیوں کا چورا نہیں اگر ممکن ہے تو پتھر میں تبدیل ہوجاؤ یا لوہا بن جاؤ، جو آثار حیات قبول کرنے کی بظاہر صلاحیت نہیں رکھتے، بلکہ ان سے بھی زیادہ سخت چیز، جس کا زندہ ہونا تمہیں لوہے اور پتھروں سے بھی زیادہ مشکل نظر آئے، بن کر دیکھو حتیٰ کہ موت مجسم بھی بن جاؤ تو اس قادر مطلق کے لئے تمہیں پھر اسی جسد عنصری سے زندہ کردینا کوئی مشکل نہیں۔

ایک سوال: یہاں یہ سوال ہوتا ہے کہ قرآن پاک میں جہاں جہاں بھی حشر آخرت کا ذکر ملتا ہے، وہاں ہڈیوں کے چورے اور ذرات منتشرہ کو پھر سے جمع کرنے اور زندہ کرنے کا ذکر ملتا ہے۔ جہاں اجمال ہے، وہاں بھی یہ مفہوم منطوی ہے، گویا کہ حشر آخرت کے لئے زمین یہی ہے کہ ریزہ ریزہ ہڈیاں اور ذرات منتشرہ پھر سے اٹھائے جائیں۔ پس جب اس دن انبیاء بھی اٹھائے جائیں گے، تو ان کی یہ بعثت ذرات منتشرہ اور عظام رمیم سے کیوں نہ ہوگی؟ حدیث شریف کے اس مضمون سے کہ ''زمین پر حرام ہے کہ انبیاء کے جسموں کو مٹی بنائے'' ان کا اجساد سالمہ سے اٹھایا جانا کیا قرآن پاک کے ان مضامین کے خلاف نہیں، جہاں ''حشر آخرت'' ہڈیوں کے چورے اور ذرات منتشرہ پر مبنی ہے؟

اگر انبیاء اس عموم سے مستثنیٰ ہیں تو کیا اس تخصیص کے لئے اتنے درجے کی قوی دلیل موجود ہے جتنے درجے کی قوی اصل یہ ہے کہ حشر آخرت، ذرات منتشرا اور عظام رمیم سے ہوگا۔

جواباً: عرض ہے کہ انبیاء کے اجساد مٹی نہیں ہوتے۔ اس کی شہادت قرآن مجید میں بھی موجود ہے۔ حضرت عزیر علیہ السلام ایک بستی پر سے گزرے جو چھتوں پر گری پڑی تھی۔ آپ کے دل میں آیا، اللہ تعالیٰ اس بستی کو پھر سے کیسے اٹھائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر اور ان کی سواری پر موت طاری کردی اور سو سال اسی حال میں گزر گئے۔ ان کا گدھا مٹی میں ہڈی ہڈی ہو چکا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو پھر سے اٹھایا اور فرمایا: ''وَانظُرْ اِلٰی حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَ انظُرْ اِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا '' (پ:۳، البقرہ ۲۵۹)

ترجمہ: اور تو دیکھ اپنے گدھے کو اور تا ہم تجھے لوگوں کے لئے ایک نشان بنائیں اور تو (گدھے کی) ان ہڈیوں کی طرف دیکھ کس طرح ہم انہیں ابھار کر جوڑتے ہیں اور انہیں گوشت پہناتے ہیں۔ پھر جب اس پر یہ حال ظاہر ہوگیا تو اس نے کہا مجھے معلوم ہے اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

دیکھئے گدھے کا جسم تو ریزہ ریزہ ہوگیا، مگر حضرت عزیر علیہ السلام پر سو سال کی موت نیند جیسی تھی، ان کا بدن پوری طرح محفوظ رہا، اللہ نے حرام کردیا کہ انبیاء کے جسموں کو کھائے۔

حضرت عزیر علیہ السلام کے فوت شدہ پڑے رہنے کے لئے قرآن کریم نے لَبِثْتَ (آپ رہے) کے الفاظ اختیار کئے ہیں اور اصحاب کہف کے سوئے پڑے رہنے کو بھی قرآن کریم نے وَلَبِثُوْا فِيْ كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِيْنَ (پ ۱۵، الکہف ۲۵) سے تعبیر کیا ہے جس طرح سوئے ہوئے اصحاب کہف کو پتہ نہیں چلا کہ وہ کتنا عرصہ سوئے رہے۔ حضرت عزیر علیہ السلام کو بھی پتہ نہ چلا کہ وہ کتنا عرصہ اس حال میں پڑے رہے سو صورتحال سے بے خبری نہ یہاں عدم حیات کی دلیل ہے اور نہ وہاں۔

تاہم یہ بات واضح ہے کہ حضرت عزیر علیہ السلام کا جسد محفوظ رہا اور گدھے کی لاش ریزہ ریزہ ہوگئی۔ حضرت عزیر علیہ السلام کی موت گویا ایک نیند تھی جوان پر سو سال تک وارد رہی اس دوران وہ اپنی چھپی زندگی کو نہ پا سکے۔ جس طرح اصحاب کہف کو اپنی زندگی کا کچھ پتہ نہ رہا۔ حالانکہ وہ طبعاً زندہ تھے۔

کھانا پینا یہاں زندگی کا نشان ہے حضرت عزیر علیہ السلام کا کھانا نہ سڑا، نہ باسی ہوا، کھانے میں زندگی رہی تو ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ نے کھانے والے کو بھی کوئی مخفی حیات دے رکھی ہو۔ جس کا انہیں خود بھی پتہ نہ رہا ہو، انبیاء کا بنیہ جنت کی مٹی سے ہوتا ہے اور یہاں کی مٹی جنت کی مٹی پر غالب نہیں آسکتی۔

حضرت عزیر علیہ السلام کے اس واقعہ میں اس بات پر قوی شہادت موجود ہے کہ انبیاء کے اجساد مٹی کے ساتھ مٹی نہیں ہوتے۔ وہ مٹی سے ملتے تو ہیں مگر مٹی نہیں ہوتے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام وفات کے بعد مدتوں لاٹھی کے سہارے کھڑے رہے، جب لاٹھی کو کیڑا لگ گیا اور وہ ٹوٹ گئی تو حضرت سلیمان علیہ السلام کا جسد زمین پر آگرا اسے کیڑا کیوں نہ لگا؟ اس لئے کہ یہ اللہ کے نبی تھے اور اللہ تعالیٰ نے اس زمین پر حرام کر رکھا ہے کہ نبیوں کے اجساد کو کھائے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے گرنے سے ان کی ہڈی تک نہ کھنکھنائی، نہ ٹوٹی، خشک اور سوکھی ہڈی گرنے سے ٹوٹ جاتی ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کا جسد مبارک نرم اور تروتازہ رہا، اس دنیا کے موسمی اثرات اس پر نہ اترنے پائے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان کی روح مبارک کے آثار باقیہ اب تک جسد کو محیط تھے فقہاء لکھتے ہیں کہ حضور ﷺ کا جسد اطہر قبر مبارک میں آج بھی اس طرح تروتازہ اور نرم ہے جیسے کہ اس کو رکھا گیا تھا۔

"فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ اَنْ لَّوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوْا فِي الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ" (پ ۲۲، السبا ۱۴)

ترجمہ: پھر جب وہ زمین پر آگرا، تو جنوں کو پتہ چل گیا کہ اگر وہ غیب جانتے تو کیوں اتنی کڑی محنت میں لگے رہتے۔

اس میں ارشاد ہے کہ نبی کے اعمال اس کی وفات کے بعد بھی جاری رہتے ہیں جن کے اعمال جاری رہیں، ان کی موت ایک پردہ ہے۔ اللہ کے قرب میں مزید بڑھنے کا سامان انہیں اب بھی حاصل ہے شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں: "سلیمان علیہ السلام پر زندگی میں جو انعامات ہوئے تھے یہ اس کی تکمیل ہوئی کہ موت کے بعد بھی ایک ضروری حد تک انہیں باقی رکھا گیا۔" (تفسیر عثمانی ص: ۵۵۷)

حشر کے دن انبیاء علیہم السلام کا اٹھایا جانا اسی طرح کا ہوگا جس طرح حضرت عزیر علیہ السلام اٹھائے گئے کہ بدن بھی محفوظ اور اس میں زندگی کے آثار لطیفہ بھی جنہیں یہاں کے رہنے والے محسوس نہ کر پائیں موجود...... جب ان سے برزخ کا پردہ اٹھے گا تو وہ کھلی زندگی میں سامنے آجائیں گے یہی ان کا حشر ہے اور وہ اٹھ کھڑے ہوں گے۔

حقیقت یہ ہے کہ انبیائے کرام کو آخرت میں دوبارہ لباس حیات پہنانے کی ضرورت ہی نہیں، عامۃ الناس کو جو زندگی اور کامل حیات عنصری اس دن ملے گی، وہ انبیائے کرام کو پہلے ہی سے عالم برزخ میں حاصل ہے، صرف یہ ہے کہ وہ اوروں سے پردے میں ہے۔ اور وہ اپنی قبور میں ہی اس حیات بعد الوفات پر فائز کر دیئے جاتے ہیں۔ اس دن تو انہیں صرف اپنی اپنی قبور سے نکلنا ہی ہوگا۔ اور ان کا عالم برزخ اچانک عالم آخرت میں بدل جائے گا۔ اور اب یہ ایک کھلی اور محسوس زندگی ہوگی۔ قدرت ایزدی سے ان کی قبور شریفہ شق ہوں گی۔ بخلاف عامۃ الناس کے کہ وہ خود نکلنے کی حالت میں نہیں ہوں گے بلکہ انہیں قدرت ایزدی سے روح و جسد میں جمع کیا جائے گا، اور اسی دن واذا النفوس زوجت کی شان ظاہر ہوگی۔ اس کے برعکس انبیائے کرام علیہم السلام کے قیامت کے دن زندہ کئے جانے کا ثبوت کسی روایت سے نہیں ملتا۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: "انا اول الناس خروجا اذا بعثوا" (مشکوۃ ص: ۵۱۴)

ترجمہ: جب لوگ حشر کے دن اٹھائے جائیں گے تو سب سے پہلے قبر سے نکلنے والا میں ہوں گا۔

دوسروں کے لئے لفظ بعثت (اٹھایا جانا) ہے اور اپنے لئے لفظ خروج (نکلنا) ہے ان دونوں کو ایک لفظ

کے تحت نہیں رکھا گیا۔ سو جس طرح انبیاء کی موت اوروں کی موت سے مختلف ہے ان کی حیات برزخی دوسروں کی حیات برزخی سے مختلف ہے، ان کا حشر بھی دوسروں سے مختلف ہے اوروں کا اپنی قبروں سے اٹھنا ہے اور ان کا نکلنا ہے۔ واللہ اعلم وعلمہ واتم واحکم!

انبیاء کی یہ خصوصیت ہے کہ وفات کے بعد ان کے اجسام عنصریہ میں ریزہ ریزہ ہونے کے بغیر پھر سے حیات عود کر آئے۔ تو یہ مضمون بھی صحیح ہے کہ اس حیات بعد الوفات کا تحقق قیامت کے دن نیا نہیں۔ بلکہ قبور شریفہ ہی میں عمل میں آچکا ہو۔ فرق ہے تو یہ کہ برزخ میں یہ حیات پردے میں ہے اور آخرت میں یہ حیات ایک کھلی حیات ہو گی۔ پہلے مضمون پر سب کا اتفاق ہے کہ انبیاء کرام کے لئے اعادہ حیات اجسام عنصریہ کے ریزہ ریزہ ہونے کے بغیر ہے۔ پس یہ قرآنی مضمون کہ حشر آخرت زمین کے ''ذرات منشرہ'' اور ''عظام رمیم'' سے ہو، انبیاء اس ذیل میں نہیں آتے ...... سو قرآنی عنوان بعثت ''عام مخصوص منہ البعض'' کے درجہ میں ہو تو ظاہر ہے کہ اس کی تخصیص خبر واحد سے محل کلام نہیں، بناء علیہ اس حدیث کی وجہ سے کہ ''الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون'' کہا جا سکتا ہے کہ جس طرح عامۃ الناس کو کامل حیات عنصری حشر کے دن ملے گی۔ انبیاء کرام علیہم السلام اس سے بہت پہلے اپنی اپنی قبور شریفہ میں فائز الحیات ہو چکے ہوئے ہیں۔

پس اس باب میں احادیث سے استدلال خصوصاً، جب کہ وہ تواتر معنی سے اپنے مضمون کو ثابت کر رہی ہوں، عین مقتضائے موضوع ہے یونہی آیات سے الجھتے چلے جانا اور قلب موضوع کرنا کوئی امر مستحسن نہیں ہے۔

ارشادات پیغمبر خاتم ﷺ شریعت اسلام میں قانونی حیثیت رکھتے ہیں۔ صحابہؓ کے عہد سعادت مہد سے سلسلہ روایت چلا، تابعین کے عہد کے بعد علم حدیث فن حدیث سے وابستہ ہوا، اور راویوں کے حالات، ان کی جرح و تعدیل اور اتصال وارسال ایک مستقل موضوع بن گئے۔ پہلے دور میں روایات کا مدار زیادہ اعتماد پر رہا اور آگے چل کر اسناد نے زیادہ اہمیت پائی۔

اس تحقیق و تنقیح کی جوں جوں ضرورت بڑھتی گئی، محدثین کے قواعد و ضوابط مدون ہوتے چلے گئے۔ راویوں کے حالات سے بھی اور محدثین کی تصحیح سے بھی روایات کے صحیح و سقیم ہونے کا پتہ چلتا رہا۔ تحقیق روایت کی یہ دو ہی راہیں ہیں۔

یہ بات کافی نہیں کہ کسی سلسلہ روایت میں جب کوئی ایسا راوی ملے، جس پر کسی نے جرح کی ہو، تو یکسر اس روایت کو چھوڑ دیں۔ بلکہ دیکھا جائے گا کہ تعدیل کرنے والے کون کون اور کتنے ہیں اور جرح کرنے والے کون کون اور کتنے ہیں۔ جرح مفسر ہے یا غیر مفسر اور محدثین کے نزدیک مقبول ہے یا مردود۔ غرضیکہ یہ ایک مستقل فن ہے، جس تک رسائی بغیر فنی مہارت کے ہرگز نہیں ہو سکتی۔ عوام کو تو یہاں بھی اکابر فن کی تقلید سے چارہ نہیں۔ علمی تنقیحات اور فنی مباحث میں عام لوگوں کو کوئی جرح یاد کرا دینا اور پھر ائمہ فن سے استغنا برتنے کی آبیاری کرنا۔ عام کہتے رہنا کہ اہل سنت کے پاس اپنے مسلک کی حمایت میں صرف منکر اور ضعیف قسم کی ہی روایات ہیں اگر تشغیب العوام نہیں تو اور کیا ہے؟ اگر یہ روایات کلیۃً اور قطعاً لائق رد ہوتیں تو محدثین انہیں روایت کیوں کرتے؟

آپ سمجھ چکے ہوں گے کہ یہاں عوام کو مغالطہ دینے اور تعصب وتحزب کا شکار کرنے کے لئے کافی گنجائش ہے۔ جہاں انکار مطلوب ہوا، کسی راوی پر ادنیٰ اشارۂ جرح بھی معاف نہ ہونے دیا اور جہاں خود ضرورت درپیش ہوئی، وہاں ضعیف محدثین کا سہارا لے لیا۔ فالی اللہ المشتکی!

جہاں صحیح مسلم اور ابو داؤد تک کی احادیث ''موضوع روایات'' کے تحت درج کی جارہی ہوں اور اس مکتبِ فکر کے حدیث پڑھنے پڑھانے والے علماء تک کا یہی حال ہو تو اس سے چارہ نہیں کہ اس اندازِ فکر پر خون کے آنسو بہائے جائیں:

طبعت علی کدر و انت تریدھا صفوا من الاقذار والاکدار

ایسے پُرخطر دور میں، جب کہ احترام سلف اور فکر آخرت کا دائرہ سمٹتا چلا جارہا ہے، جہاں یہ امر ضروری ہے کہ ملک وملت کی مہمات میں تعبیری اور فروعی اختلافات میں نہ الجھا جائے وہاں اس ضرورت سے بھی انکار نہیں ہوسکتا کہ دینی طبقوں میں جہاں بھی ''اعتماد علی السلف'' کے خلاف کوئی چنگاری سلگتی نظر آئے، اسے اوّل دھلہ ہی میں بجھا دینے کی پوری جدوجہد کی جائے۔ بیرونی حملے کے وقت بھی تو اس بات کا خیال رکھا جاتا ہے کہ اندرونی آتشزدگی کہیں خرمن حیات کو جلا نہ دے۔

ہاں، اگر طریق اختلاف ایسا ہو، جس میں اکابر کے خلاف جذبات تنفر نہ پیدا ہوں۔ تو پھر یہ اختلاف رائے برداشت کر کے اصولی مسائل میں سب ایک چشمۂ اتحاد سے سیراب ہوسکتے ہیں۔ بلکہ بسا اوقات ایسا بھی ہو جاتا ہے کہ یہ اختلافات تفردات محققین کا مقام پالیں۔

اس سے انکار نہیں کہ نظریاتی مسائل میں اختلاف رائے ہوسکتا ہے، لیکن اگر بعض اکابر سے اختلاف ہو تو بعض دوسرے اکابر کی تائید کے ساتھ ہو...... اور اس امر کی وضاحت کے ساتھ کہ مؤقف قطعی نہیں، اجتہادی ہے، آخر جانب مخالف بھی احتمال صواب سے خالی نہیں۔ الغرض ہر شے اپنے محل پر رہے تو اختلاف کے باوجود نزاع کی صورتیں پیدا نہیں ہوتیں۔

قرآن سے استدلال کرتے اختلاف پیدا ہو تو فیصلہ سنت پر آٹھہرتا ہے۔ دو مختلف حدیثیں مروی ہوں تو صحابہ کرامؓ کا عمل فیصلہ کن قرار پاتا ہے۔ حضرت علیؓ کی نصیحت آپ پہلے پڑھ آئے ہیں۔ حضرت عمرؓ کی نصیحت بھی اس باب میں یہی ہے: ''عن عمر رضی اللہ عنہ انہ قال سیاتی ناس یجادلونکم بشبھات القران فخذوھم بالسنن فان اصحاب السنن اعلم بکتاب اللہ رواہ الدارمی'' (کنز العمال ج۱، ص۱۰۸)

ترجمہ: ایسے لوگ بھی آئیں گے جو تم سے متشابہات قرآن سے استدلال کرتے جھگڑیں گے تم ان کا سامنا سنت سے کرنا اصحاب السنن سے زیادہ قرآن کو جاننے والا کون ہوسکتا ہے۔

اس کتاب مستطاب میں اس آفتاب رشد وہدایت کے زندہ جاوید ہونے کا بیان ہے۔ جس کے نور وعرفان نے لاتعداد ذروں کو غیرتِ خورشید بنا دیا تھا اور جس کی تابانی آج بھی بھٹکتی مخلوق کو چشمۂ ہدایت سے سیراب کررہی ہے۔ اِنْ اُرِیْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِیْقِیْٓ اِلَّا بِاللّٰہِ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَاِلَیْہِ اُنِیْبُ

خالد محمود عفا اللہ عنہ

تمہید

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ الکبیر القادر علیٰ جمیع الممکنات المرید لجمیع الکائنات و الصلوٰۃ و السلام علیٰ جمیع الھداۃ بالزبر و البینات الذین ھم احیاء فی قبورھم بعد الممات خصوصاً علیٰ خاتم الرسل و افضل المخلوقات سیدنا و مولانا محمدنِ النبی الذی ھو حیٌ فی روضۃ من ریاض الجنات و علی اٰلہٖ و اصحابہٖ و اَتباعہٖ الذین یقتبسون من نور حیاتہٖ فی الحیات و بعد الوفات۔ اما بعد:

عالم برزخ کے حالات پر ایک ایسا پردہ پڑا ہے، جو از خود اٹھایا نہیں جا سکتا۔ قرآن کریم نے عالم دنیا اور عالم آخرت کی تفصیلات تو بہت پیش کی ہیں، لیکن درمیانی منزل...... عالم برزخ...... پر اجمال و اشارات ہی کی مصلحت کارفرما ہے۔ برزخ ایک ایسا پردۂ خفا ہے کہ وہاں کے حالات عامۃ الناس کی آنکھوں سے اوجھل ہیں۔ عالم آخرت کا جتنا حصہ اس پردۂ خفا میں ہے، اسے ہی عالم برزخ کہا جاتا ہے۔ اس کی انتہا قیامت پر ہے۔

''وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ'' (پ ۱۸، مومنون ۱۰۰)

ترجمہ: اور ان کے پیچھے قیامت کے دن تک ایک پردہ ہے۔

انسان اس عالم میں پہنچ کر دنیا والوں سے پردہ میں ہو جاتا ہے اور آخرت بھی ابھی پوری طرح سامنے نہیں آئی ہوتی۔ صرف اس کا تھوڑا سا نمونہ سامنے رہتا ہے۔ باقی پردہ ہی پردہ ہے، جو نہ ہٹتا ہے، نہ پھٹتا ہے۔

ہاں انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء عظامؒ نے اس کائنات کے اسرار و رموز کا بارہا مشاہدہ کیا ہے اور رب العزت نے کئی دفعہ اس عالم کو اُن پر منکشف بھی فرمایا، ظاہر ہے کہ گاہے گاہے کی یہ جھلکیاں اور انکشافات کے یہ پرتو اس وادی کے ناآشنا ماحول میں عالم برزخ کے روابط و ضوابط کی جملہ کڑیاں نہیں ملا سکتے۔ پس ہمارے لئے یہی کافی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جو کچھ فرما دیا، اس پر یقین رکھیں اور برزخ کا جو پہلو معرض خفا میں رہا، اس میں قیاسات کے گھوڑے نہ دوڑائیں اور ما فوق العقل کو خلافِ عقل خیال کرتے ہوئے منقولات صحیحہ کے انکار کے درپے نہ ہوں۔

حیاتِ انسانی کے چار دَور

۱...... عالم اَرواح

یہ وہ جہان ہے جہاں روحیں رہتی ہیں اور پھر باری باری اس جہان میں کسی بدن سے متعلق ہو کر آتی ہیں۔ سب روحوں کی ایک ہی دفعہ تخلیق ہو چکی ہے۔ جب کسی کی باری آ جاتی ہے، تو وہ روح کسی جسم میں آ کر یہاں جلوہ پیرا ہوتی ہے۔

انسان کی یہ وہ پہلی زندگی ہے جس میں جملہ بنی نوع انسان سے عہد الست لیا گیا تھا قرآن پاک میں اس کی شہادت موجود ہے: ''وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى شَهِدْنَا اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ'' (پ ۹، الاعراف ۱۷۲)

ترجمہ: اور اللہ نے ان سے ان کی جانوں پر اقرار کرایا "کیا میں نہیں ہوں تمہارا رب؟" سب نے کہا کیوں نہیں ہم اقرار کرتے ہیں، کہیں کہنے لگو قیامت کے دن ہم کو تو اس کی خبر نہ تھی۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں: "ضروری تھا کہ یہ تخم ہدایت جسے کل اسلامی تعلمات کا مبدء ومنتہیٰ اور تمام ہدایات ربانیہ کا وجود مجمل کہنا چاہئے۔ عام فیاضی کے ساتھ نوع انسانی کے تمام افراد میں بکھیر دیا جائے۔ تاکہ ہر آدمی عقل وفہم اور وحی والہام کی آبیاری سے اس تخم کو شجر توحید وایمان کے درجہ تک پہنچا سکے۔ اگر قدرت کی طرف سے قلوب بنی آدم میں ابتداء یہ تخم ریزی نہ ہوتی اور اس کی سب سے زیادہ اساسی وجوہری عقدہ کا حل ناخن عقل وفکر کے سپرد کر دیا جاتا، تو یقیناً یہ مسئلہ بھی منطقی استدلال کی بھول بھلیاں میں پھنس کر ایک نظری مسئلہ بن کر رہ جاتا۔ جس پر سب تو کیا، اکثر آدمی بھی متفق نہ ہو سکتے...... حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کی پشت سے ان کی اولاد اور ان سے ان کی اولاد نکالی۔ سب سے اقرار کروایا، اپنی خدائی کا، پھر پشت میں داخل کیا۔" (تفسیر عثمانی ص: ۲۲۳)

پھر یہی نہیں، اللہ تعالیٰ نے اس عالم ارواح میں تمام اولاد آدم کو خبر دی کہ ان کے پاس اس تخم کی آبیاری کے لئے میرے پیغمبر آتے رہیں گے: "یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ اِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ رُسُلٌ مِّنْکُمْ یَقُصُّوْنَ عَلَیْکُمْ اٰیٰتِیْ" (الاعراف ۳۵)

ترجمہ: اے اولاد آدم! اگر آئیں تمہارے پاس رسول تم اولاد آدم میں سے ہی، سنائیں تم کو آیات میری تو جو کوئی ڈرے اور نیکی اختیار کرے تو نہ خوف ہوگا ان پر نہ غمگین ہوں گے۔

شیخ الاسلامؒ لکھتے ہیں: "ابن جریر (۳۱۰ھ) نے ابو یسار سلمی سے نقل کیا ہے کہ یہ خطاب "یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ اِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ" کل اولاد آدم کو عالم ارواح میں ہوا تھا۔ (ایضاً ص ۲۰۰)

احادیث میں بھی اس عالم ارواح کا ذکر ملتا ہے اس دور کی انتہا والدہ کے پیٹ میں ہوتی ہے جب روح جسد جنین میں داخل ہوتی ہے یہ چند ماہ کی مدت نہ عالم ارواح میں ہے نہ دنیا میں یہ عالم ارواح اور دنیا کا برزخ ہے جو پیدائش پر ختم ہو جاتا ہے۔ اور نومولود کی دنیا شروع ہو جاتی ہے۔

عالم ارواح کو اسی لئے عالم ارواح کہتے ہیں کہ اس کے سوا انسانی زندگی کے جتنے دور ہیں ان سب میں روح اور بدن کا ایک تعلق ہے خواہ جلی طور پر جسے کہ سب دیکھ پائیں یا خفی طور پر جسے عام دیکھا نہ جا سکے (جیسے قبر میں روح وبدن کا تعلق) تاہم عالم ارواح کے سوا دنیا ہو یا آخرت (اور آخرت میں بھی برزخ ہو یا قیامت کے بعد کا جہاں) ہر جگہ روح وبدن کا علاقہ ضرور ہے۔

الحاصل عالم ارواح ایک پورا جہان ہے جس کے اپنے احکام ہیں۔ اور صرف اسی جہان میں انسان کی روحانی زندگی ہے۔ دنیا برزخ اور آخرت تینوں میں بدن کا علاقہ اپنے اپنے حالات کے مطابق ضرور رہتا ہے۔

۲...... عالم دنیا

عام محسوسات میں یہ زندگی انسان کے قریب تر ہے۔ اس کا معنی قریبی زندگی کا دور ہے۔ قرآن اسے "الحیوۃ الدنیا" سے تعبیر کرتا ہے۔ اس میں روح وبدن کا تعلق نہایت مضبوط ہوتا ہے مگر جسد کے احکام روح پر غالب

ہوتے ہیں[۱]۔ یہاں حیات کا تقوم اس دنیا کے رزق مادی پر ہوتا ہے۔ تغذیہ و تنمیہ اس زندگی کے لوازم ہیں۔ اس دور کی انتہا موت پر ہوتی ہے۔ لیکن بعض اوقات مرنے سے پہلے ہی اگلی زندگی کے آثار نظر آنے شروع ہو جاتے ہیں۔ یہی عالم "دار التکلیف" ہے اور یہی "دار العمل" جس کے ذخیرۂ عمل پر بعد کی جزا یا سزا مرتب ہوتی ہے۔

عالم دنیا میں برزخ کی جھلکیاں

کبھی اس دنیا کے تیز نظر عارفین برزخ کی کھڑکی میں بھی جھانک لیتے ہیں اور اس دنیا میں رہتے ہوئے وہ بعض برزخی اعمال کو دیکھ یا سن پاتے ہیں۔ بایں ہمہ ان کی یہ دنیوی زندگی دنیوی ہی رہتی ہے کیونکہ انہوں نے ابھی عالم برزخ میں قدم نہیں رکھا۔ حضرت انس بن مالک ؓ روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

"انہ صورت لی الجنۃ و النار حتی رایتھا وراء الحائط" (صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۴۱)

ترجمہ: جنت اور دوزخ ایک تصویر کی صورت میں میرے سامنے لائی گئیں میں نے ان دونوں کو اس دیوار کے پاس سے دیکھا۔

ایک دوسری جگہ یہ روایت یوں ہے: "لقد رأیت الآن منذ صلیت بکم الصلوۃ الجنۃ و النار ممثلتین فی قبلۃ ھذا الجدار" (ایضاً ج ۱ ص ۱۰۳)

ترجمہ: ابھی جب میں نے تمہیں نماز پڑھائی میں نے اس دیوار کے قبلہ کی طرف جنت اور دوزخ مثالی شکل میں دیکھی ہیں۔

یہاں حضور ﷺ نے عالم بیداری میں جنت اور دوزخ کو ایک مثالی صورت میں دیکھا یہ کہاں دیکھا؟ اسی دنیا میں کیا کوئی اور بھی دیکھ پایا؟ نہیں یہ دنیا میں کسی اور جہان کی جھلکیاں ہیں جو آپ ﷺ دیکھ رہے تھے۔ یہ برزخ کی جھلک تھی۔ حضرت جابر بن عبد اللہ ؓ کہتے ہیں، ایک دفعہ آنحضرت ﷺ نے کسوف (سورج گرہن) کی نماز پڑھائی اور فرمایا: "انہ عرض علی کل شئی تولجونہ فعرضت علی الجنۃ حتی تناولت منھا قطفا اخذتہ . . . عرضت علی النار فرأیت فیھا امرأۃ من بنی اسرائیل تعذب فی ھرۃ لھا ربطتھا فلم تطعمھا و لم ترعھا تاکل من خشاش الارض ورایت اباثمامۃ عمرو بن ملک یجر قصبہ فی النار" (صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۹۷)

ترجمہ: ابھی مجھے ہر چیز جہاں تمہیں جانا ہے دکھائی گئی ہے مجھے جنت بھی دکھائی گئی یہاں تک کہ میں نے اس سے انگور کے کچھ خوشے لئے اور مجھے جہنم بھی دکھائی گئی میں نے اس میں بنی اسرائیل کی ایک عورت کو دیکھا جسے ایک بلی کے سلسلہ میں عذاب ہو رہا تھا۔ اس نے ایک بلی کو باندھ رکھا تھا اور اسے کھانے کو کچھ نہ دیتی تھی اور نہ اسے چھوڑتی تھی کہ وہ خود زمین کے جانور کھالے اور میں نے ابو ثمامہ عمرو بن ملک کو دیکھا وہ جہنم میں اپنی آنتیں گھسیٹ رہا تھا۔

اور یہ بھی فرمایا: "ما من شی لم اکن اریتہ الا رایتہ فی مقامی ھذا حتی الجنۃ و النار"

(رواہ البخاری عن اسماء ج ۱ ص ۱۸)

---

[۱] (قال العارف الجامی ان الغالب فی ھذا العالم احکام الاجساد و احکام الروح مستورۃ لظھور الجسد و خفاء الروح و ینعکس الحال فی البرزخ و تظھر احکام الروح اما المحشر فیستوی فیہ الحکمان و اللہ اعلم)

ترجمہ: کوئی ایسی چیز جو مجھے پہلے نہ دکھائی گئی تھی میں نے ابھی یہاں دیکھی ہے یہاں تک کہ میں نے جنت اور دوزخ کو بھی دیکھا ہے۔

حضرت انس بن مالک ؓ آنحضرت ﷺ سے روایت کرتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا: ''عرضت علی اجور امتی . . . وعرضت علی ذنوب امتی فلم ار ذنبا اعظم من سورۃ من القران او اية اخذها رجل ثم نسيها''
(جامع ترمذی ج ۲ ص ۱۱۵)

ترجمہ: ابھی مجھے اپنی امت کے اجر اعمال دکھائے گئے...... مجھے میری امت کے گناہ بھی دکھلائے گئے اور سب سے بڑا گناہ میں نے یہ دیکھا کہ کوئی شخص قرآن کی کوئی سورت یا آیت سیکھ لے اور پھر اسے بھلا دے۔

حضرت عبداللہ بن عباس ؓ کہتے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ''عرضت علی الامم ورأیت سوادا کثیرا سد الافق فقیل هذا موسی فی قومه'' (صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۸۴)

ترجمہ: مجھے امتیں دکھائی گئیں اور میں نے ایک بڑی جماعت جو افق ڈھانپ رہی تھی دیکھی مجھے بتایا گیا کہ موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کے ساتھ کھڑے ہیں۔

ایک دفعہ آپ ﷺ شہدائے احد کی قبروں پر تشریف لے گئے۔ وہاں سے آکر آپ نے خطبہ دیا: ''انی واللہ لانظر الی حوضی الان وانی اعطیت مفاتیح خزائن الارض انی واللہ ما اخاف ان تشر کوا بعدی ولکنی اخاف'' (ایضاً ج ۲ ص ۹۷۵)

ترجمہ: میں اپنے حوض کوثر کو یہیں سے دیکھ رہا ہوں اور مجھ کو زمین کے خزانہ کی کنجیاں دے دی گئیں۔ اے لوگو! مجھے یہ خوف نہیں کہ تم میرے بعد شرک میں جا پڑو گے مجھے ڈر اس بات کا ہے کہ دنیا کی دولت میں پڑ کر آپس میں حسد نہ کرنے لگو۔

حضرت اسامہ بن زید ؓ کہتے ہیں ایک دن آپ شہر سے باہر جا نکلے اور ایک ٹیلے پر چڑھ کر کہا: ''انی لاری الفتن تقع خلال بیوتکم کوقع المطر......'' (صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۴۶)

ترجمہ: اے لوگو! جو کچھ میں دیکھ رہا ہوں، کیا تمہیں نظر آرہا ہے؟ انہوں نے کہا نہیں فرمایا: تمہارے گھروں میں فتنوں کو اس طرح اترتے دیکھ رہا ہوں جس طرح بارش اتر رہی ہو۔

حضرت ابو ایوب انصاری ؓ کہتے ہیں ایک دفعہ آپ دوپہر کے وقت گھر سے نکلے تو قبروں کے پاس سے گزرے۔ آپ نے فرمایا: ''فقال یهود تعذب فی قبورها'' (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۸۴ کتاب الجنائز)

ترجمہ: یہود پر ان کی قبروں میں عذاب ہو رہا ہے۔

طبرانی کی روایت میں ہے آپ ﷺ نے فرمایا: ان کی آوازیں میرے کانوں میں آرہی ہیں۔

(ارشاد الساری ج ۲ ص ۴۶۶)

امام احمد، امام بیہقی اور حاکم حضرت زید بن ارقم ؓ سے روایت کرتے ہیں۔ ہم ایک دفعہ حضرت ابو بکر ؓ کے ساتھ تھے، کسی نے آپ کو شہد اور پانی پیش کیا تو آپ رو پڑے۔ لوگوں نے رونے کا سبب پوچھا تو آپ نے فرمایا:

ترجمہ: ایک دن میں حضور ﷺ کی خدمت میں تھا کہ آپ نے ہاتھ سے کوئی (غیر مرئی) چیز ہٹائی اور مجھے وہ چیز نظر نہ آرہی تھی میں نے کہا۔ حضور ﷺ کس چیز کو سامنے سے ہٹا رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا یہ دنیا ہے جو میرے سامنے متمثل ہو کر آئی ہے میں نے اسے کہا ہے میرے پاس سے چلی جا۔

یہ سب برزخی نظارے ہیں جو آپ ﷺ نے عین بیداری میں دیکھے۔ آپ ﷺ کے بعد بہت سے اولیاء بھی ایسے گزرے ہیں جنہوں نے اس عالم دنیا میں عالم برزخ کے نظارے دیکھے...... اس سے پتہ چلا کہ برزخ کوئی اتنی دور کی منزل نہیں کہ اسے دنیا میں دیکھا ہی نہ جاسکے تیز نظر عارفین نے کئی دفعہ یہیں اس عالم کی جھلک دیکھی ہے۔

گاہ مری نگاہِ تیز چیر گئی دل وجود گاہ الجھ کے رہ گئی اپنے تصورات میں

پھر دنیا میں پیغمبروں کے خواب بھی خیالات کی پیداوار یا کوئی صدائے بازگشت نہیں ہوتے یہ وحی الٰہی کے پردے ہیں جن پر حقائق ومعارف اترتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس ؓ کہتے ہیں: ''رؤیا الانبیاء وحی''

(رواہ الترمذی)

۱...... حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا میں نے نیند میں دیکھا کہ دودھ کا پیالہ ہے اور میں پی رہا ہوں یہاں تک کہ میں نے اپنے ناخنوں میں اس کی سیرابی کے اثرات دیکھے: ''ثم اعطیت فضلی عمر ؓ قالوا فما اولتہ یارسول اللہ قال العلم'' (صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۳۷)

ترجمہ: میں نے اپنا بچا دودھ عمرؓ کو دیا۔ صحابہؓ نے پوچھا حضور ﷺ اس دودھ کی حقیقت کیا ہے؟ فرمایا: ''علم''

۲...... حضرت ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں حضور ﷺ نے فرمایا میں سویا ہوا تھا کہ میں نے لوگ دیکھے ان پر مختلف پیمائشوں کی قمیصیں تھیں: ''ومر علی عمر بن الخطاب ؓ علیہ قمیص یجرہ قالوا ما اولت یارسول اللہ قال الدین'' (صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۳۶ جامع ترمذی ج ۲، ص ۵۲)

ترجمہ: اور میرے سامنے سے عمرؓ گزرا اور اس پر اتنی لمبی قمیص تھی کہ وہ زمین پر گھسٹتی جاتی تھی، صحابہؓ نے پوچھا اس قمیص کی حقیقت کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''دین''۔

۳...... حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا: میں نے نیند میں دیکھا کہ میں ایک کنویں پر ہوں اور ایک ڈول دھرا ہے میں اس ڈول سے کچھ پانی نکالتا رہا۔ پھر اسے ابوبکرؓ نے پکڑ لیا اور ایک یا دو ڈول نکالے، پھر ڈول بھاری ہونے لگا: ''فاخذھا عمر بن الخطاب ؓ فلم ار عبقریا من الناس ینزع نزع ابن الخطاب ؓ حتی ضرب الناس بعطن'' (صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۴۰)

ترجمہ: پھر اسے عمر بن الخطابؓ نے لے لیا اور اب تک کوئی جوان اس طرح پانی نکالتے نہیں دیکھا جس طرح خطاب کا بیٹا پانی کھینچ رہا تھا۔ یہاں تک کہ لوگ اپنے اپنے ڈول لئے اپنی باری کے انتظار میں جا بیٹھے۔

یہ خلافت کے جلوے تھے جو اللہ تعالیٰ حضور ﷺ کو دکھا رہے تھے کہ حضرت عمرؓ جب منصب خلافت پر آئیں گے تو کس طرح ایک دنیا ان سے سیراب ہوگی، چونکہ حضور ﷺ نے حضرت عمرؓ کو خدا سے مانگ کر لیا تھا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ خود حضور ﷺ کو مقامات عمرؓ دکھلا رہے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ''رأیت کان امرأۃ سوداء ثائرۃ الرأس خرجت من المدینۃ حتی قامت بمھیعۃ وھی الجحفۃ فتأولتھا ان وباء المدینہ نقل الیھا''

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۴۲: جامع ترمذی ج ۲ ص ۵۲)

ترجمہ: میں نے دیکھا کہ ایک سیاہ رنگ عورت ہے جس کے سر کے بال بکھرے ہیں مدینہ سے نکلی ہے اور مھیعہ ٹھہر گئی ہے اور وہ جگہ جحفہ ہے میں نے اس کا مطلب یہ سمجھا کہ مدینہ کی وبا وہاں چلی گئی ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا میں نیند میں تھا کہ مجھے پوری زمین کے خزائن دیئے گئے اور مجھے میرے ہاتھوں میں سونے کے دو کنگن دیئے گئے، وہ مجھے گراں لگے اور انہوں نے مجھے فکر میں ڈالا۔ اسی وقت مجھے وحی آئی: ''انفخهما فنفختهما فاولتهما الكذابين اللذين انا بينهما صاحب صنعاء وصاحب اليمامة'' (صحیح بخاری ج ۲، ص ۱۰۴۲: جامع ترمذی ج ۲، ص ۵۲)

ترجمہ: آپ انہیں پھونک دیں سو میں نے انہیں پھونک دیا (وہ اڑ گئے) میں نے ان سے دو کذاب (اسود عنسی اور مسیلمہ کذاب) مراد سمجھے میں اس سرزمین میں ہوں جو ان دو کے درمیان ہے۔ ایک طرف یمن اور ایک طرف یمامہ۔

دونوں طرف سے دو کذاب اٹھیں گے اور اس طرح اڑ جائیں گے جیسے مٹی اڑ جاتی ہے۔ آپ کو کہا گیا انہیں پھونک لگا دیں۔ آپ نے دونوں پھونک ڈالے۔ عملاً انہیں حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے دور خلافت میں پھونکا یہ حضرت صدیق اکبرؓ کی سعادت تھی کہ ارادۂ رسالت بلکہ ارادۂ الٰہیہ ان کے دستِ حق پرست پر پورا ہوا اور اس سے ان کی خلافت کی صداقت اور آشکار ہوئی۔

آنحضرت ﷺ کا خواب خود بھی وحی تھا۔ اس خواب میں وحی کا آنا ایک اور مرتبۂ وحی کا پتہ دیتا ہے اور یہ دونوں مراتب آپ ﷺ کو نیند میں دکھائے جارہے ہیں۔ کیا یہ حقائق یہ سمجھنے کے لئے کافی نہیں کہ حضور ﷺ اس دنیا میں رہتے ہوئے عالم بیداری ہو یا عالم خواب بارہا برزخی اور اخروی جلوؤں سے آشنا ہوئے اور آپ کے لئے عالم دنیا اور عالم برزخ کے کچھ ایسے فاصلے نہ تھے جن کی سرحدیں ایک دوسرے سے قطعی جدا ہوں۔ جب یہاں رہتے ہوئے آپ برزخی کوائف سے ناآشنا نہ رہے تو عالم برزخ میں جا کر آپ کے بعض دنیوی اعمال باقی رہیں جن کا کم از کم درجہ یہ ہے کہ امت کا آپ سے سلام کا سلسلہ باقی رہے تو کون سے تعجب کی بات ہے؟

۳...... عالم برزخ

قرآن کریم میں ہے: ''وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ'' (پ ۱۸، مومنون: ۱۰۰)

ترجمہ: اور ان کے ورے ایک پردہ ہے اس دن تک جب وہ اٹھائے جائیں گے۔

موت کے بعد سے لے کر قیامت تک کا یہ دور ہے۔ اس میں روح اور بدن یا روح اور اجزائے بدن کے مابین نہایت لطیف اور قوی تعلق[1] قائم ہوتا ہے اس میں دنیا والوں سے بھی پردہ ہو جاتا ہے اور آخرت بھی پوری طرح

[1] یہ تعلق یا تو اس طرح قائم ہوتا ہے کہ روح، بدن یا اجزائے بدن پر اپنی تاثیر ڈالتی ہے اور جیسا روح کا مقام ہو اس کے مناسب بدن یا اجزائے بدن میں آثار حیات قائم ہو جاتے ہیں اور یا خود روح ہی علیین یا سجین سے لا کر داخل بدن یا اجزائے بدن کر دی جاتی ہے اور وہ تعلق قائم کر کے پھر اپنے اپنے مستقر میں لوٹ جاتی ہے۔ اگر روح کمزور ہو اور ذرات بدن بھی منتشر ہوں تو پھر یہ حیات نہایت کمزور قسم کی ہوتی ہے۔ درقبر احیاء و اماتہ حقیقی نیست بسبب انعکاس اشعہ روح بر بدن تعلقی پیدا می شود کہ تعذیہ و تنعیمہ ہمراہ آں می باشد (تحفہ اثنا عشریہ ص ۲۳۸ نولکشور)

ان ارواح کو ایک علاقہ اپنی قبر سے بھی ہوتا ہے کہ زیارت کے لئے آنے والوں اور اقرباء اور دوستوں سے مطلع ہوتے ہیں کیونکہ روح کو قرب اور بعد مکانی سے اس دریافت کو مانع نہیں ہوتا۔ (تفسیر عزیزی پ ۳۰ ص ۸۸) (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

سامنے نہیں آتی۔ یہاں کی زندگی کے لئے روح اور حیات میں ملازمہ[1] نہیں۔ روح اگر بدن میں نہ بھی داخل ہو، صرف تاثیر ہی کر رہی ہو، تو بھی حیات کا تقوم ہو جاتا ہے قبر کی منزل اسی دور میں شمار ہوتی ہے یہ عالم ایک جہت سے مواطن دنیوی سے بھی متعلق ہے اور گنجائش ترقی رکھتا ہے۔ (دیکھئے مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی دفتر ۲ ص ۱۶ ص ۲۹ لکھنؤ)

مختلف درجوں کے لوگوں کا برزخ مختلف ہوتا ہے: (۱) عام اموات عالم برزخ میں روح و بدن کے تعلق سے راحت قبر یا عذاب قبر کے مرحلے سے گزرتی ہیں۔ (۲) شہدا عالم برزخ میں جسمانی حیات سے زندہ ہیں۔ ان کی ارواح پرندوں کی صورت میں متجسد ہوں یا کسی اور صورت میں وہ اپنے ابدان پر برابر متوجہ رہتی ہیں اور ان کے ابدان میں آثار حیات برابر مشاہدہ کئے جاتے رہتے ہیں۔ (۳) انبیاء عالم برزخ میں اپنے اجساد کے ساتھ زندہ ہیں۔ گو وہ زندگی یہاں محسوس اور مشاہد نہ ہو سکے۔ اپنے ہاں وہ ایک حسی زندگی محسوس کرتے ہیں اور اس احساس سے وہ نمازیں بھی پڑھتے ہیں اور ان کے زندوں والے اعمال میں انقطاع نہیں ہوتا ان کی حیات روح کے اعادہ سے ہو یا اس کے اشراف و اشراق سے اس میں اہل السنۃ والجماعۃ کے ہاں کوئی اختلاف نہیں کہ انبیاء علیہم الصلوت والتسلیمات اپنی قبور میں زندہ ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں۔

عالم برزخ کے لئے دنیوی تجربے کی قریب ترین تعبیر

عالم برزخ پر ایک دبیز پردہ پڑا ہے۔ وہاں کے کوائف اور پیرائے ایسے لطیف اور باریک ہیں کہ ہمارے پاس کوئی ایسا لفظ نہیں جو عالم برزخ کا پورا نقشہ کھینچ کر آپ کے سامنے کر دے اور برزخی حالات کو پورا واضح کر کے ہمارے سامنے لے آئے۔ اس زندگی کے قریب تر جو لفظ پایا گیا ہے۔ وہ لسان شریعت میں لفظ نیند ہے۔ آنحضرت ﷺ قبر کے سوال و جواب کی بات کرتے ہوئے مومن کے بارے میں فرماتے ہیں: "فیقال نم صالحا قد علمنا ان کنت لموقنا به" (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۹)

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) روح کا علاقہ بدن سے از راہ نظر و عنایت کے بحال رہتا ہے اور زیارت کرنے والوں اور دوستوں سے فائدہ لینے والوں کی طرف روح کی توجہ آسانی سے ہوتی ہے کہ بدن کے مکان معین ہونے سے گویا روح کا مقام ہی معین ہے۔
(تفسیر عزیزی پ ۳۰ ص ۸۹ تحت آیت ثم اماتہ فاقبرہ)

[1] الحیاۃ فی اللغۃ شیء مغائر للروح لاعینہ بل لمرۃ تعلقۃ و زعم بعض الناس انہ نفس الحیوۃ و لیس کذالک ففی النصوص ذکر الحیوۃ و لیست روحا و طلاقات الروح فی عقیدۃ السفارینی ج ۲ ص ۲۹ تحفۃ الاسلام ص ۳۶ ان ملازمۃ الحیوۃ للروح امر عادی لا عقلی فھذا مما یجوزہ العقل (شفاء السقام ص ۱۵۹)

عالم برزخ کا محل صرف قبر کا ظاہر نہیں، بلکہ اس قبر کی مافوق الادراک حیثیت ہے بعض قبور اپنی برزخی حیثیت میں میلوں تک وسیع ہو سکتی ہیں۔ اگرچہ عام نظروں میں وہ ایک گڑھا ہی دکھائی دیں اور بعض اپنی ظاہری کشادگی سے بھی تنگ ہو سکتی ہیں۔ اگرچہ ظاہر میں کتنی ہی وسیع کیوں نہ ہوں پس حقیقت قبر صرف اس ظاہری گڑھے کا نام نہیں، یہ ایک عالم برزخ کی منزل ہے۔ یہ قبر صرف اس منزل کا ایک پہلو ہے اور اس کی ظاہری علامت ہے اس کی برزخی وسعت و تنگی کو رب العزت ہی جانتے ہیں یا وہ مقدس ہستیاں جن پر عالم برزخ کا انکشاف ہو رہا ہو، اس سے یہ غلط فہمی نہ ہونی چاہیے کہ اس ظاہر قبر کو حقیقت قبر سے کوئی علاقہ نہیں یا برزخ اس قبر سے کوئی بالکل مغائر چیز ہے۔ واللہ اعلم بالصواب!

ترجمہ: اسے کہا جائے گا آرام سے سو رہو ہمیں علم ہے کہ تو ان پر ایمان رکھتا تھا۔

یہ برزخی زندگی کی ایک حالت ہے جسے نیند سے تعبیر کیا گیا ہے۔ نیند میں انسان وہیں کا وہیں رہتا ہے۔ لیکن عالم خواب میں وہ کہاں کہاں سے ہو آتا ہے یہ کسی سے مخفی نہیں، اور پھر اس سیر کے آثار اس کے اس مادی جسم پر بھی وارد ہوتے ہیں۔ وہ پریشان بھی ہوتا ہے اور خوش بھی ہوتا ہے عالم برزخ میں میت وہیں کی وہیں دکھائی دیتی ہے۔ مگر خدا کے پیدا کردہ اس عجیب نظام (عالم برزخ) میں اس پر وہ تمام واردات ہو رہی ہیں جن کا شریعت نے پتہ دیا ہے اور وہ شرعی حقیقت ہیں۔ کوئی پیرایہ مجاز نہیں محدثین لکھتے ہیں: "تضییق القبر و اختلاف الاضلاع حقیقی لانہ مجاز" (مرقات ج۱۰ص۸۷)

ترجمہ: قبر کا سمٹنا (تنگ ہونا) اور پسلیوں کا آپس میں ٹکرانا یہ حقیقت ہے کوئی مجاز نہیں۔

برزخی زندگی کی مثال نیند سے دی جا سکتی ہے اصحاب کہف مدتوں نیند میں رہے اور حضرت عزیر علیہ السلام برزخ میں سے اٹھے، دونوں کی کیفیت یہی تھی۔ لبثنا یوما او بعض یوم برزخی زندگی میں نیند کی سی ایک کیفیت ہے اور اعمال برزخ کا عالم خواب کی طرح ایک وسیع سلسلہ ہے۔ اس حال سے گزرنے والے اسے نیند ہی سمجھتے ہیں۔

"قَالُوْا يٰوَيْلَنَا مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ" (پ۲۳، یٰسین ۵۲)

ترجمہ: کہیں گے خرابی ہماری کس نے اٹھا دیا ہمیں ہمارے سونے کی جگہ سے یہ وہ ہے جو وعدہ کیا تھا رحمن نے اور سچ کہا تھا پیغمبروں نے۔

اللہ تعالیٰ نے بھی ان کی تردید نہیں کی کہ یہ نیند نہیں تھی، ایک دور برزخ تھا۔

اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرے مقام پر بھی نیند اور موت کو جمع کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: "اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا" (پ۲۴ الزمر آیت ۴۲)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ جانوں کو قبض کرتا ہے موت کے وقت اور جن کی موت واقع نہیں ہوئی ان کی نیند کے وقت۔

اللہ تعالیٰ نے توفی (جان کو پورا کر لینا) کے تحت موت اور نیند دونوں کو جمع کیا ہے توفی میں روح نکلتی ہے جو موت والے کے لئے یہاں نہیں لوٹتی اور نیند والے کے لوٹ آتی ہے امساک وارسال کا ظہور اسی عالم (دنیا) میں ہوتا ہے۔ نیند اور موت دونوں توفی میں جمع ہیں سو نیند سے زیادہ کوئی حقیقت برزخ کے قریب نہیں ہو سکتی۔ حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "النوم اخو الموت"

(رواہ البیہقی کما فی الجامع الصغیر ص۲۳ ۳: السراج المنیر ج۴ ص۳۶۰)

ترجمہ: نیند موت کی بہن ہے۔

سوال یہ ہے کہ جب عالم برزخ نیند کی سی ایک کیفیت ہے تو جنت اور جہنم کے اپنے اپنے ٹھکانوں کا دیکھنا کیسے ہوگا۔ ایک طرف قرآن یہ کہتا ہے کہ حشر پر اٹھتے یہ کہیں گے۔ من بعثنا من مرقدنا ہم کو نیند سے کس نے اٹھایا اور دوسری طرف ہے: "اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا" (پ۲۴ المومن آیت ۴۶)

ترجمہ: آگ ہے جس پر وہ صبح و شام پیش کئے جاتے ہیں۔

جواب یہ ہے کہ دنیوی اعمال کے مختلف پیرائے عالم برزخ میں بھی مختلف پیرائے اختیار کر لیتے ہیں کہیں عذاب کے منظر دکھائے جا رہے ہیں اور کہیں قیامت کا ہولناک منظر برزخ کو ایک نیند کر کے سمجھا جا رہا ہے یا ہو سکتا ہے، یہ نفخہ اولی اور ثانیہ کے درمیان بے ہوشی کا وقفہ ہو۔

حقیقت یہ ہے کہ ہم اس نادیدہ شہر کی تفصیل بیان کرنے سے عاجز ہیں۔ یہاں صرف یہ بتلانا ہے کہ محسوسات کے اس دائرہ میں جس سے ہم گزر رہے ہیں صرف نیند ہے جو برزخ کے قریب ہے جس طرح پیغمبروں کی نیند دوسروں کی نیند سے مختلف ہے، آنکھیں سوتی ہیں دل جاگتا ہے، ان کا برزخ بھی دوسروں سے مختلف ہے۔ یہ وہاں پورے احساس سے زندہ ہیں اور ان کے اعمال بھی جاری ہیں جو کیفیت سمجھ میں آجائے بہتر جو نہ سمجھ میں آئے اسے لاتشعرون کے پہلو میں جگہ دے دیجئے۔ وفیہ السداد وفیہ السلامۃ!

حضور ﷺ سے پوچھا گیا: ''أینام أهل الجنة'' کیا اہل جنت سوئیں گے بھی؟ آپ نے فرمایا: ''لا ینامون'' کہ وہ سوئیں گے نہیں۔

انسان خواب وخیال میں کہاں کہاں کھو جاتا ہے، مگر پیغمبر کے خواب پر بھی خدا کا پہرہ ہوتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں: ''رؤیا الانبیاء وحی'' (جامع ترمذی ج ۲ ص ۵۶۴ لکھنؤ)

ترجمہ: انبیاء کا خواب بھی وحی ہے۔

یعنی وحی کی طرح محفوظ ہے مجال ہے کہ اس میں کوئی دخل شیطانی ہو اور عملاً یہ حکم ہے۔ بچے کو بھی ذبح کرتے دیکھیں تو وہ اسے قربان کرنے لے نکلیں گے لیکن ہر کسی کا خواب اس درجے کا نہیں انسان کو احتلام دخل شیطانی سے ہوتا ہے اور نبی کو کبھی احتلام نہیں ہوتا[1]

جب نیند موت کی بہن ہے اور پیغمبروں کی نیند دوسروں کی نیند سے نوعاً مختلف ہے تو اگر ان کی موت بھی دوسروں کی موت سے نوعاً مختلف ہو تو اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں ہے۔

یہاں اصل موضوع موت انبیاء نہیں، اس کی بحث حیاۃ الانبیاء کے ضمن میں آئے گی یہاں ہم صرف یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ عالم برزخ کے کوائف اور حالات بہت عجیب ہیں ہمارے پاس کوئی ایسے الفاظ نہیں جو برزخ کو پوری طرح شیشے میں اتار سکیں۔ جو شہر دیکھا نہیں ایک اجنبی مسافر اس کا کیا پتہ دے سکتا ہے؟

۴...... عالم آخرت

یہ وہی آخری مقام ہے، جسے قرآن کریم ''دارالقرار'' کہتا ہے۔ یہ ہمیشہ ٹھہرنے کا گھر ہے جنت اور جہنم اسی دنیا کے دو مختلف مقامات ہیں۔ یہی زندگی ''أبقی'' ہے (پ ۳۰، سورہ اعلیٰ) آگے فنا نہیں۔

''وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ'' (پ ۲۱، العنکبوت ۶۴)

یہ چاروں ادوار بالترتیب چلتے ہیں اور صفات مختلفہ رکھتے ہیں جو مختلف جہات سے جمع ہوتی رہی ہیں۔ ان میں سے کوئی دو عالم آپس میں متوازی نہیں۔

''فلهذه الانفس اربع دور کل دار اعظم من التی قبلها'' (کتاب الروح ص ۱۴۴)

ترجمہ: سو ان جانوں کے لئے یہ چار جہان ہیں ان میں سے ہر جہان پہلے سے بڑا ہے۔

عالم ارواح سے یہ دنیا وسیع ہے اور اس کے عجائب کی انتہا نہیں۔ سائنس کے سارے کرشمے اسی جہان میں کھلے ہیں۔ اس دنیا سے عالم برزخ کی وسعت زیادہ ہے۔ اس کے اسرار کی انتہا نہیں۔ ہر سو اللہ رب العزت کی

---

[1] پنجاب کے جھوٹے مدعی نبوت مرزا غلام احمد قادیانی کو احتلام ہوتا تھا۔ (سیرت المہدی)

قدرت کے جلوے ہیں اور آخرت کی مدت لا متناہی ہے ہر طرف خالدین فیھا کی صدائیں ہیں۔ یہاں آکر گاڑی رک جاتی ہے اور موت ذبح کر دی جاتی ہے۔ آگے کسی اور جہان میں تبادلہ نہ ہوگا۔ یہ چاروں جہان اپنے اپنے وقت میں رہنے کی جگہیں ہیں۔ ہاں ہمیشہ رہنے کی جگہ صرف آخرت ہے: ''وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَۃَ لَھِیَ الْحَیَوَانُ لَوْ کَانُوْا یَعْلَمُوْنَ'' (پ ۲۱، العنکبوت ۶۴)

یہ چاروں جہان آپس میں ایک لطیف ربط رکھتے ہیں۔ آخرت حیات برزخ کی ہی شانِ تمام ہے۔ عالم برزخ میں بھی روح و بدن کا ایک لطیف اور برزخی تعلق تھا جو عالم آخرت میں آکر کھل گیا اور بدن میں حیات اس طرح عود کر آئی جس طرح عالم دنیا میں تھی سو جن آیات اور روایات میں اس دن روح و بدن کا ملنا یا ارواح کا لوٹنا ہے۔ اس سے مراد کامل درجے میں روح و بدن کا ملنا ہے۔ ان میں یہ مراد ہرگز نہیں کہ پہلے روح و بدن میں کسی درجے کا کوئی علاقہ نہ تھا۔ اگر ہر جہان ایک نئی دنیا ہو تو پھر اگلے جہاں میں پہلے جہان والے پکڑے کیوں جائیں۔

عالم برزخ میں ہر ایک پکڑ اپنی اپنی ہے اور عالم آخرت میں تمام افراد انسان مختلف انواع میں منقسم ہو کر اجتماعی پکڑ یا اجتماعی آرام و راحت پائیں گے۔

یہ کہنا صحیح نہیں کہ عالم برزخ کا اس دنیا سے کوئی تعلق نہیں۔ اس دنیا والا جسد ہی تو سپرد برزخ کیا جاتا ہے جس پر پھر وہاں کے حالات گزرتے ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ لکھتے ہیں: ''واعلم انہ لیس عالم القبر الا من بقایا ھذا العالم و انما تترشح ھنالک العلوم من وراء حجاب و انما تظھر احکام النفوس المختصۃ بفرد دون فرد بخلاف الحوادث الحشریۃ فانما تظھر علیھا و ھی فانیۃ من احکامھا الخاصۃ بفرد فرد باقیۃ باحکام الصورۃ الانسانیۃ'' (حجۃ اللہ البالغہ ج ۱، ص ۳۶)

ترجمہ: اور سمجھ لیجئے کہ عالم قبر اس عالم دنیا کا ہی ایک حصہ ہے جو باقی رہا اور اس میں پردہ غیب کے پیچھے سے علوم اترتے ہیں اور وہی احکام ظاہر ہوتے ہیں جو افراد سے مخصوص ہوں (ہر کسی کے اپنے اپنے) بخلاف حشر کے حالات کے یہ وہاں ظاہر ہوں گے اور برزخ کے انفرادی حالات ختم ہو جائیں گے اور اب اجتماعی انسانی احکام چلیں گے۔

اس سے عالم برزخ اور آخرت میں فرق کھل کر سامنے آ گیا برزخ میں روح و بدن کا علاقہ مخفی ہے۔ ایک پردے کے پیچھے ہے اور آخرت میں ظاہر و باہر۔ برزخ میں احکام فرداً فرداً اترتے ہیں۔ آخرت میں اجتماعی زندگی میں جو مختلف انواع میں منقسم ہوگی۔ یہ بات اصولی ہے کہ عالم برزخ ایک پہلو سے اس دنیا کا ہی ایک حصہ ہے اور یہ بات بھی صحیح ہے کہ عالم آخرت کی زندگی کوئی نئی زندگی نہ ہوگی، حیات برزخی کا ہی ایک پھیلاؤ ہوگی جس میں روح و بدن کھلے طور پر اور کامل طور پر یک جا ہوں گے۔ یہ سمجھ لینا کہ عالم برزخ میں روح کا بدن سے کوئی علاقہ نہیں رہتا۔ یہاں تک کہ تعلق توجہ بھی نہیں، سخت نادانی ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ آگے جا کر لکھتے ہیں: ''فاعلم ان حشر الاجساد و اعادۃ الارواح الیھا لیست حیاۃ مستأنفۃ انما تتمۃ النشأۃ المتقدمۃ بمنزلۃ التخمۃ لکثرۃ الاکل کیف و لو لا ذلک لکانوا غیر الاولین و لما اخذوا بما فعلوا'' (ایضاً ج ۱، ص ۳۷)

ترجمہ: جان لو کہ حشر اجساد اور جسموں میں روحوں کا (کاملۃ) لوٹنا یہ کوئی نئی زندگی نہیں ہے یہ پہلی گزری زندگی کا ہی ایک تتمہ ہے جیسے بیج سے آگے فصل بنتی ہے اور ایسا کیوں نہ ہو۔ ایسا نہ ہوتا تو بعد کے اجسام پہلوں سے کلیۃً مختلف ہوتے اور ان پر اپنے اعمال کا کسی طرح مواخذہ نہ ہو سکتا۔

ان چار جہانوں میں صرف پہلا جہان عالم الارواح ہے۔ان تینوں جہانوں میں انسان نفس انسانی رکھتا ہے۔انسان جسم اور روح دونوں سے مرکب ہے اور اس مجموع کو ہی نفس انسانی کہتے ہیں۔حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب دامت برکاتہم مہتمم دارالعلوم دیوبند لکھتے ہیں:

انسان دو چیزوں سے مرکب ہے جسم اور روح اس کا مجموعہ ہی نفس انسانی کہلاتا ہے۔اس نفس انسانی کو طبعاً تین جہانوں سے گزرنا ہوتا ہے۔ایک دنیا دارالعمل ہے ایک آخرت جو دارالقرار ہے اور ایک برزخ جو دارالانتظار ہے۔ان تینوں جہانوں کے احکام مختلف ہیں اور ان کی نوعیت الگ الگ ہے: (۱) دنیا میں جسم اور جسمانی زندگی اصل ہے۔روح اس کے تابع ہوکر اس کے اثرات قبول کرتی ہیں۔(۲) برزخ میں روح اور روحانی زندگی اصل ہے جسم اس کے تابع ہوکر اس کی نعمت ومصیبت کے اثرات قبول کرتا ہے خواہ وہ اپنی ہیئت پر ہو، یا بکھر جائے۔(۳) اور آخرت میں روح وجسم کا مکمل امتزاج ہے جس میں ہر ایک اپنے اپنے تاثر میں مستقل ہے اور ہر ایک کا اپنا اپنا ادراک اور اپنا اپنا انتفاع ہے۔

ان تینوں جہانوں میں روح کے تعلق کی نوعیت

برزخ چونکہ دنیا اور آخرت کے بیچ میں ہے۔اس لئے اس کا ان دونوں جہانوں سے تعلق ہے۔آدمی جیسے برزخ میں رہتے ہوئے آخرت کی نعیم وجحیم کا مشاہدہ کرتا ہے۔روحانی طور پر ان سے حلذ ذیا متالم ہوتا ہے اور مدبرات آخرت کی زیارت سے بھی مشرف ہوتا ہے۔ایسے ہی برزخ میں رہتے ہوئے دنیا کی معلومات سے بھی حسب حیثیت ومرتبہ مستفید ہوتا ہے۔دنیا والوں کے اعمال خیر یعنی دعاء ایصال ثواب، افاضہ باطنی اس تک پہنچتے ہیں۔حتیٰ کہ وہ اس کی زیارت سے بھی متمتع ہوتا ہے۔پھر خود بھی اپنے اسی قسم کے تصرف دعاء اور ہمت باطن سے افاضہ انوار وکیفیات حتی کہ اپنی ملاقات وزیارت کا بھی انہیں موقع دیتا ہے۔جس کے لئے نصوص شرعیہ موجود ہیں۔

برزخ کا عالم دنیا سے قریبی تعلق

لیکن غور کیا جائے تو برزخ کا تعلق بہ نسبت آخرت کے دنیا سے زیادہ ہے، کیونکہ انسانی نفس کا ایک مستقل جزو (روح) جیسے عالم برزخ میں ہے ویسے ہی اس کا دوسرا مستقل جزو (بدن) دنیا کے عالم میں موجود ہے۔خواہ بہئیت بدن ہو یا بہئیت ذرات لیکن آخرت میں قبل از قیامت انسانی نفس کا کوئی جزو بھی مستقلا قائم اور مستقر نہیں چہ جائیکہ خود نفس قائم ہو یہ الگ بات ہے کہ وقتاً فوقتاً اسے عالم آخرت کے اہم مقامات اور عجائبات کی سیر کرادی جائے یا مشاہدہ ہو جائے اور وہ روحانی طور پر ان کی نعمتوں اور کلفتوں سے حلذ ذ اور متالم بھی ہو لیکن قیامت سے پہلے آخرت چونکہ انسان کا مستقر نہیں اور اس کا کوئی جزو تک بھی وہاں جنت یا نار میں ٹھہرا ہوا نہیں کہ اس کے حیلہ سے انسان کو وہاں اقامت گزیں اور قیام پذیر کہہ دیا جائے۔اس لئے اس کے تعلق کی نوعیت بھی صرف ایک مشاہداتی یا جزوی طور پر انتفاعی رابطہ کی ہے بخلاف دنیا کے کہ اس میں اس کا ۱/۲ حصہ بدن مقیم ہے خواہ اپنی ہیئت پر یا بصورت ذرات، خواہ وہ کہیں منتشر ہوں۔

اہل برزخ کی دنیا سے اور اہل دنیا کی برزخ سے دلچسپی

اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ برزخ کو جتنا تعلق دنیا سے ہے اتنا آخرت سے نہیں اس کا قدرتی تقاضا ہے کہ برزخی اہل دنیا سے اور اہل دنیا برزخی افراد سے ملنے، زیارت کرنے اور ان کے احوال ومقامات جاننے کے خواہشمند ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ قبر میں سوال وجواب کے بعد کامیاب میت کی خواہش یہی ہوتی ہے کہ مجھے اجازت دے دو کہ میں اپنے اعزہ واقارب کو تسلی دے آؤں کہ میں بہت اچھی حالت میں ہوں۔ بالفاظ دیگر میں اپنے احوال ومقامات ان تک پہنچا دوں۔ جیسے بنص قرآنی شہداء حق تعالیٰ سے درخواست کرتے ہیں[1] کہ ہمارے ان اعلیٰ مقامات کی خبر ہمارے دنیوی بھائیوں تک پہنچا دی جائے تاکہ وہ بھی جہاد فی سبیل اللہ کی طرف راغب ہو جائیں۔ اسی طرح برزخ والے دنیا والوں کے احوال معلوم کرنے کے خواہشمند رہتے ہیں جیسے بنص حدیث نبوی مرنے کے بعد روح کے عالم برزخ میں پہنچتے ہی میت کے اعزہ واقارب اس کے اردگرد جمع ہو جاتے ہیں اور اپنے اپنے عزیزوں کے حالات بے تابی سے دریافت کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ ملائکہ کو یہ کہہ کر انہیں روکنا پڑتا ہے کہ اسے دم تو لینے دو، یہ موت کی شدتوں سے چور چور ہو کر آرہا ہے۔

بہرحال جانبین سے ایک دوسرے کے احوال ومقامات پر مطلع ہونے کی خواہش اسی بناء پر ہے کہ برزخ کا دنیا سے اور دنیا کا برزخ سے بہت قریب کا رشتہ ہے ہر ایک کا ایک نصف حصہ دنیا میں ہے اور ایک نصف حصہ برزخ میں۔

اہل برزخ اور اہل دنیا کی باہمی واقفیت

حق تعالیٰ کی بالغ حکمت نے جب ان دونوں جہانوں میں اس تقسیم اجزاء کی وجہ سے یہ خواہش فطرتوں میں ڈال دی ہے تو اسی کی فیاض قدرت کا یہ بھی تقاضا تھا کہ وہ اس خواہش کی تسکین کا سامان بھی پیدا فرمائے اور ایسے وسائل وذرائع پیدا فرما دے کہ برزخ والے دنیوی مقامات واحوال سے اور دنیا والے برزخی مقامات واحوال سے خود بلا واسطہ بھی باخبر ہوتے رہیں اور ان مقامات کی معرفت حاصل کرتے ہیں۔

باہمی واقفیت کے پانچ طریقے

باہمی واقفیت کے وسائل وطرق کیا ہیں؟ کتاب وسنت کی روشنی میں جہاں تک اپنے نارسا ذہن کی رسائی ہوئی پانچ طریقے سامنے آئے جن سے براہ راست برزخی مقامات واحوال کا فی الجملہ علم ہو سکتا ہے۔

۱...... یک عینی مشاہدہ۔
۲...... دوسرے مخبر صادق کی خبر۔
۳...... تیسرے صاحب واقعہ کی اطلاع دہی۔
۴...... چوتھے انکشاف قلبی۔
۵...... پانچویں قیاس واستنباط۔

[1] وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ (پ ۴، آل عمران ۱۷۰، تفسیر عثمانی ص ۱۲۴)

پانچوں طریقوں کے فنی اور اصطلاحی عنوانات

انہی پانچ مقامات کو اگر قدرے ترتیب بدل کر اور اصطلاحی لفظوں میں لاتے ہوئے جہتوں کے انداز سے بطور فنی ترتیب کے ادا کیا جائے تو ذیل کے عنوانات سے ادا کر سکیں گے۔

پہلا استدلال شرعی، دوسرا کشف باطنی، تیسرا رویائے صادقہ، چوتھا عبرت واعتبار اور پانچواں عیان ومشاہدہ۔

پہلا مقام علماء کا ہے، دوسرا عرفاء کا ہے، تیسرا اصلحاء کا ہے، چوتھا عقلاء کا ہے اور پانچواں ہر کس وناکس کا ہے۔

پھر ان مقامات کی نوعیت یہ ہے کہ پہلا مقام اختیاری اور یقینی ہے، دوسرا اکتسابی ظنی ہے، تیسرا غیر اختیاری مگر ظنی ہے، چوتھا اختیاری ظنی ہے اور پانچواں کلیۃً غیر اختیاری مگر یقینی ہے جو محض موہبت من اللہ ہے۔

ان پانچوں طریقوں سے لوگوں نے برزخی مقامات تک علمی اور عرفانی رسائی حاصل کی ہے۔

ان مختلف طرق میں اولین مرتبہ استدلال شرعی کا ہے کہ اللہ تعالیٰ ورسول ﷺ برزخ کے بارے میں خود خبر دیں اور امت اس سے استدلال کر کے اس پر ایمان لائے۔

استدلال کا شخصیاتی درجہ

پھر استدلال شرعی کے درجہ میں ایک درجہ شخصیاتی ہے کہ کسی شخص معین کا نام لے کر اللہ ورسول ﷺ اسے جنت یا مقام یا برزخ میں عالی مقام ظاہر فرمائیں تو ظاہر ہے کہ یہ معرفت یقینی اور واجب الاعتقاد ہوگی۔ جیسے ایک بار حضور اقدس ﷺ کے دائیں طرف صدیق اکبرؓ اور بائیں طرف فاروق اعظمؓ تھے اور ایک دوسرے کے گلے میں ہاتھ ڈالے ہوئے نکلے اور حضور ﷺ نے فرمایا ھکذا انبعث ہم اسی طرح گلے میں باہیں ڈالے ہوئے قبروں سے اٹھیں گے جس سے مقامات برزخ پر روشنی پڑتی ہے۔

یا جیسے حضرت بلالؓ عین نزع کے وقت بے حد خوش وخرم نظر آرہے تھے۔ چہرہ انتہائی بشاش اور امنگوں سے پُرمحسوس ہو رہا تھا۔ اسی حالت میں شوق وخوشی سے لبریز آواز میں فرمایا: "غدا نلقی محمدا و أصحابه" (کل کو انشاء اللہ ہم محمد ﷺ اور آپ کے اصحابؓ سے ملیں گے) آپ درحقیقت اپنا برزخی مقام ظاہر کر رہے تھے کہ وہ معیت نبوی میں ہوگا۔ اور ظاہر ہے کہ یہ فرمانا قیاس وتخمین سے ممکن نہ تھا بلکہ قوت یقین اور جوش ایمان سے تھا جو بلاشبہ امر تعبدی ہے عقلی اور قیاسی نہیں۔ اس لئے یہ حدیث مرفوع کے حکم میں ہوگا اور یہی کہا جائے گا کہ اس برزخی مقام کی حضور ﷺ ہی نے انہیں اطلاع دی ہوگی۔ جس پر انہیں اس درجہ کامل وثوق اور یقین تھا اور یقین بھی محض عقلی نہیں بلکہ یقین حالی تھا اس لئے اس اطلاع کو استدلال شرعی کے دائرہ میں ہم شخصیاتی مقام کہیں گے۔ اس سے ہمیں ایک برزخی مقام کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔

استدلال کا طبقاتی درجہ

شرعی استدلال کا دوسرا درجہ طبقاتی ہے کہ اللہ ورسول ﷺ کسی خاص طبقہ کے برزخی مقام کو ظاہر فرمائیں جس میں افراد واشخاص کا تذکرہ نہ ہو۔ بلکہ ایک طبقہ اور صنف کا ذکر ہو جیسے قرآن کریم میں شہداء کا مقام بیان کیا گیا

کہ وہ زندہ ہیں اور اپنے پروردگار کے پاس سے رزق ذکر پاتے ہیں اور بعض حدیث انہیں سبز پرندوں کے خول دیئے جائیں گے جن میں وہ اڑ اڑ کر جنتوں میں سیر کریں گے اور انہیں اس کے پھلوں، باغوں اور نہروں سے متمتع ہونے کی آزادی ہوگی لیکن جنت اس وقت ان کا قرار نہ ہوگی۔ بلکہ ان کا قراری مقام وہ سونے اور جواہرات کی قندیلیں ہوگی جو عرش میں آویزاں ہوگی اور یہ ارواح طیبہ اپنے ان برزخی اجسام کے ساتھ ان میں بسیرا کریں گی[1]

مزید اکرام وتنشیط کے لئے ان سے بار بار پوچھا جاتا رہے گا کہ کچھ اور چاہتے ہو؟ وغیرہ! اس سے ایک خاص طبقہ کا برزخی مقام مشخص ہوا، اس لئے جو بھی شہادت کے مرتبہ کو پہنچے گا، اس کے لئے اسی مقام کی شہادت دی جائے گی۔

استدلال کا کلیاتی درجہ

استدلال شرعی کا تیسرا مقام کلیاتی ہے جس میں برزخی مقام معلوم کرنے کا محض اصولی معیار ذکر کر دیا گیا ہو یعنی اشخاص یا طبقات کا کوئی ذکر نہیں بلکہ صرف ایک کسوٹی دے دی گئی ہو کہ ہر شخص کو اس پر پرکھ کر دیکھ لیا جائے تو اپنا اور غیر کا برزخی مقام معلوم ہو سکے گا۔ حدیث نبوی میں اصول ارشاد فرمادیا گیا کہ: "تحشرون کما تموتون وتموتون کما تحیون"

ترجمہ: تمہارا حشر اس حالت پر ہوگا جس پر موت آئی تھی اور موت اسی حالت پر آئے گی جس پر زندگی گزاری ہے۔"

اس کلیہ میں ہر شخص کے محشر کے مقام کو پہچاننے کی کسوٹی تو حالت موت کو بنایا گیا ہے اور برزخی مقام پہچاننے کے لئے (جو موت سے شروع ہو کر یوم محشر پر ختم ہوتا ہے) دنیا کی عملی زندگی کو معیار تعارف فرمایا گیا ہے پس اخروی مقام کے لئے ذریعہ تعارف برزخ ہے اور برزخی مقام کے تعارف کے لئے ذریعہ تعارف دنیوی زندگی کی رفتار ہے جو اصولاً ہر انسان کے سامنے اپنی یا اپنے متعارف انسانوں کی کسی نہ کسی حد تک مستحضر رہتی ہے۔ اس سے برزخی مقام کے پہنچاننے کا ایک اصولی اور کلیاتی طریقہ معلوم ہوا جس سے انسانوں کے اعمال اور زندگی دیکھ کر فی الجملہ ان کے برزخی مقام کو پہنچانا جا سکتا ہے۔

کلیاتی استدلال کی مثالی توضیح

یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ صحابہؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! ہم کیسے معلوم کریں کہ اللہ کے یہاں ہمارا کیا مقام اور کیا مرتبہ ہے؟ فرمایا اپنے عمل کو دیکھ لو یعنی عمل کی نوعیت سے قرب اور قرب الٰہی کی نوعیت معلوم کرو۔ پھر اس تعارفی طریقہ کو اور ذرا وسیع فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اگر تمہارے پڑوسی تمہارے حق میں نیک گواہی دیں تو سمجھ لو کہ تم عند اللہ بھی اچھے ہو، پھر اس معیاری دائرہ کو ذرا اور وسیع کرتے ہوئے ارشاد ہوا کہ تم زمین پر خدا کے سرکاری گواہ ہو جس کے حق میں جیسی گواہی دے دوگے وہ اللہ کے نزدیک بھی ویسا ہی مانا جائے گا خواہ وہ دنیا میں ہو یا برزخ اور آخرت میں چنانچہ دنیا میں ایک جنازہ گزرنے پر حضور ﷺ نے فرمایا کہ جنت واجب ہوگئی اور علت وجوب یہ

---

[1] وہاں سے ان ارواح کا ان کے یہاں کے اجساد سے جو برزخی تعلق ہے یہ وہاں کا قرار اس تعلق میں مانع نہیں۔

فرمائی کہ لوگ اس کے بارہ میں کلمہ خیر کہہ رہے ہیں کہ یہ اچھا آدمی تھا۔ لہٰذا جنتی ہو گیا۔ اور ایک دوسرا جنازہ گزرنے پر فرمایا کہ جہنم واجب ہو گئی کیونکہ لوگ اس کے بارے میں کہتے جا رہے تھے کہ بہت برا آدمی تھا ۔

خس کم جہاں پاک

اسی طرح آخرت میں بھی بحق اقوام اس امت کی شہادت معتبر ہوگی اور اس امت پر رسول شاہد ہوں گے جیسے قوم نوح کا فیصلہ اسی امت کی شہادت پر کیا جائے گا۔

ہر سہ استدلال شرعی سے برزخی مقامات کا اندازہ

بیان مذکور سے معلوم ہوا کہ استدلال شرعی کا ایک مقام شخصیاتی ہے ایک طبقاتی ہے اور ایک کلیاتی جس سے ہر انسان کے برزخی مقام کا فی الجملہ اندازہ ہو سکتا ہے۔

پھر ان تینوں مقاموں میں اجمال وتفصیل کا فرق بھی ہے مثلاً شخصی طور پر کسی کے لئے یا اس کے مقام کی تفصیلات ارشاد فرمائی گئی ہوں یا اسے درجہ اجمال میں ذکر کیا گیا ہو، اسی طرح طبقاتی اور کلیاتی اطلاعات میں بھی اجمال وتفصیل کا فرق ہے کہ کس کے لئے ایک ایک عمل کو شخص کے ساتھ یا نوعی طور پر الگ الگ گنا کر اس کا برزخی ثمرہ تفصیل سے ظاہر کیا گیا ہو۔ اس صورت میں تو وہ اس عمل کنندہ کا تفصیلی برزخی مقام ہوگا۔

(عالم برزخ ص ۱۳ تالیف حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب طبع لاہور)

عالم برزخ کی تفصیل اس لئے گزارش کی گئی ہے کہ آپ اس کی کچھ وسعتوں کا اندازہ کر سکیں تاہم اس اقرار سے چارہ نہیں کہ عالم برزخ کے حالات اور کیفیات کا اس طرح جان لینا جیسا کہ ہم یہاں دنیا میں ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں کوئی آسان کام نہیں۔

اس کے مختلف الانواع انکشافات کے باوجود اس پر الٰہی حکمت کے ہزاروں پردے پڑے ہیں۔ اس کے بعد عالم آخرت ہے۔ جس میں ایک دوسرے کو جاننا پہچاننا اور ملنا ملانا اسی طرح واضح ہوگا جس طرح ہم یہاں ایک دوسرے کو جانتے اور پہچانتے ہیں۔ بلکہ وہاں ظواہر کے ساتھ حقائق بھی کھلے نظر آئیں گے۔

عالم ارواح کے بعد یہ تینوں جہان عالم دنیا ہو یا عالم برزخ یا عالم آخرت نفس انسانی سے قائم ہیں صرف عالم ارواح ہے جس میں صرف روحوں کی زندگی ہے اور اسی لئے اسے عالم ارواح کہتے ہیں باقی تینوں جہان روح وبدن کے مختلف النوع تعلق سے ساتھ ساتھ چلتے ہیں انسان ان جہانوں میں اپنے اپنے وقت میں رہتا ہے۔ ہاں مستقل طور پر دار القرار صرف عالم آخرت ہے: "وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ"

اگر آپ دنیوی حیات کے لفظ سے بدکتے ہیں تو لیجئے اس کی بھی تفصیل سن لیں ہم شہداء اور انبیاء کو اس عالم (دنیا) میں نہیں اگلے جہان (عالم برزخ) میں زندہ مانتے ہیں انتقال دارین ہو چکا ہے اور اب یہ حضرات اس عالم کے افراد نہیں۔ اس جہان کے رہنے والے ہیں۔ وہ اگلا جہان ہے۔

اگر کہیں ان نفوس قدسیہ کو دنیوی حیات سے زندہ کہا گیا ہے تو اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ ان کی عالم برزخ کی یہ زندگی انہی ابدان سے متعلق ہے جو ان کے اس دنیا میں تھے یا یہ کہ ان کے اعمال میں دنیا کی طرح اب بھی ارتقاء ہے اور ان کی وفات سے ان کے اعمال کا ارتقاء رکا نہیں۔

سو ان کی اس زندگی کو دنیا کی سی زندگی تو کہا جا سکتا ہے لیکن حقیقۃ میں اس عالم کی زندگی نہیں ظرف کے اعتبار سے یہ ان کی برزخی زندگی ہے۔

برزخی زندگی کی اس تفصیل کے بعد ہم انشاء اللہ کچھ وہ عبارات بھی پیش کریں گے جن میں عذاب قبر کا بیان ہے اور اس میں یہ تفصیل ہے کہ اس کے لئے روح و بدن کا بالکل دنیا کا سا تعلق ہونا ضروری نہیں۔ جس طرح وہ زندگی پردے میں ہے یہ تعلق بھی پردے میں ہے۔

اس برزخی زندگی میں موت وحیات دونوں جمع ہیں اعادہ روح ایسے انداز میں ہوا ہے کہ اس سے وہ حیات قائم نہیں ہوئی جو اسم موت کو کلیۃً اٹھا دے بلکہ اس میں ایک ایسی حیات آتی ہے جو برزخی رہے کہ عام نگاہیں تو اسے نہ پا سکیں مگر اندر ہی اندر ایک حیات قائم ہو جس سے قبر کے نعیم والم کا ادراک ہو سکے۔ قبر میں نعیم والم کے اس ادراک کا اقرار اسلام کے عقائد ضروریہ میں سے ہے یہ حیات کی ایک جدی نوع ہے جو ظاہراً پردے میں ہوتی ہے اسی لئے اسے حیات برزخی کہتے ہیں۔ علامہ محمد بن احمد بن عبدالہادیؒ لکھتے ہیں:

"ان هذه الاعادة ليست مستلزمة لاثبات حياة مزيلة لاسم الموت بل هي نوع حياة برزخية والحياة جنس تحته انواع و كذلك الموت فاثبات بعض انواع الموت لاينافي الحياة" (۱۸۵)

ہاں شہداء اور انبیاء کے لئے اس حیاۃ برزخی میں آنے سے اسم موت اٹھ جاتا ہے ان کے لئے موت صرف اس درجہ میں تھی کہ وہ عالم دنیا سے نکلے اور عالم برزخ میں پہنچے اس کے بعد ان کے لئے موت نہیں نہ انہیں مردہ کہو نہ مردہ سمجھو۔

❋❋❋

اسلام کا عقیدۂ برزخ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی... اَمَّا بَعْدُ!

قرآن وحدیث سے پتہ چلتا ہے کہ عالم دنیا اور عالم آخرت میں ایک درمیانی منزل ہے جس پر اسرار کا پردہ پڑا ہے۔ یہ عالم برزخ ہے جسے عام نگاہیں دیکھ نہیں پاتیں۔ اس میں بھی انسان اپنے دنیا کے برے عملوں پر ایک گونہ عذاب پاتا ہے۔ آخرت کے بڑے حساب سے پہلے یہاں بھی اسے ایک چھوٹے عذاب کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس چھوٹے عذاب میں پھر دو احتمال ہیں۔ دنیا کے مصائب وآفات اور امراض مراد ہوں یا آخرت سے پہلے عالم برزخ کا عذاب مراد ہو حضرت عبداللہ بن عباسؓ پہلی صورت کے قائل ہیں اور حضرت براء بن عازبؓ اور حضرت ابن عباسؓ کے شاگرد مجاہدؒ اس سے عذاب قبر مراد لیتے ہیں۔ جو صورت مراد لیں اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جس طرح عذاب اکبر (آخرت کا عذاب) روح اور جسم دونوں سے متعلق ہے یہ عذاب ادنی بھی روح اور جسم دونوں سے ہے بدن جس حال میں ہو (یکجا ہو جیسا کہ اس دنیا میں ہے یا ذرات منتشرہ کی صورت میں) اس عذاب ادنی کا تعلق بدن سے ضرور ہے۔

دنیا کی زندگی ایک کھلی کتاب ہے ہر کوئی اسے پڑھ سکتا ہے۔ یہ ہر کسی کے لئے مدرک اور مشاہد ہے۔

آخرت کی زندگی بھی کھلی ہوگی اور لوگ ایک دوسرے کو پہچانیں گے۔ اہل نعیم بھی ایک دوسرے کو پہچانیں گے اور جہنمی بھی ایک دوسرے کو پہچانیں گے۔ دنیا اور آخرت کے درمیان کی زندگی پر ایک پردہ ہے اور یہ قیامت تک رہے گا۔ پردے کو عربی میں برزخ کہتے ہیں یہ برزخی زندگی پردے میں ہی ہے یہاں کی آنکھیں اسے پا نہیں سکتیں اور یہاں کے کان از خود اسے سن نہیں پاتے۔ اللہ تعالیٰ اس سے کسی وقت کسی شخص کے لئے پردہ اٹھا دیں تو یہ اور بات ہے۔ علامہ ابوعبداللہ القرطبیؒ (۶۷۱ھ) لکھتے ہیں: ''فاعلموا ایها الاخوان ان عذاب القبر و نعیمه حق کما صرحت به الاحادیث الصحیحة و لکن الله تعالیٰ یاخذ بابصار الخلائق و اسماعهم من الجن و الانس عن رؤیة عذاب القبر و نعیمه الحکمة الٰهیة و من شک فی ذلک فهو ملحد'' (مختصر التذکرہ ص ۳۶ للشعرانی طبع مصر)

ترجمہ: اے بھائیو! جان لو کہ قبر کا عذاب اور اس کا آرام برحق ہے احادیث صحیحہ صراحت سے یہی بتلا رہی ہیں۔ ہاں اللہ تعالیٰ نے دوسرے انسانوں کی آنکھوں اور ان کے کانوں سے اس عذاب اور راحت کو اپنی حکمت سے پردے میں کر رکھا ہے اور جو شخص اس برزخی عمل میں شک کرے وہ ملحد ہے۔ (گمراہ ہو چکا)

یہ عمل پردے کا ہے اسے محسوس نہ کر سکنے کے پیش نظر اس کا انکار نہ کیا جائے اسے برزخی زندگی کہتے ہی اس لئے ہیں کہ اس کا ادراک واحساس کھلے بندوں نہیں ہوتا لیکن اس کا ہونا برحق ہے گو ہم اسے کھلے طور پر دیکھ نہ سکیں۔ علامہ سیوطیؒ (۹۱۱ھ) لکھتے ہیں: ''و نحن لا نشعر به کما انا نحسب المغمی علیه میتا و کذلک یضیق علیه الجو کضمة القبر و لا ینکر شیاء من ذلک من خالط الایمان قلبه'' (شرح الصدور ص ۵۹ مصر)

ترجمہ: اور ہم اسے محسوس نہیں کر پاتے جیسا کہ ہم بے ہوش کو مردہ سمجھ لیتے ہیں اور اسی طرح اس مردہ پر فضا تنگ کر دی جاتی ہے (جو لکڑی پر لٹکا ہو) اور یہ اس کے لئے ضمۃ القبر (قبر کا دباؤ) ہے۔

حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ بھی لکھتے ہیں: ''روح کا تعلق باوجود علیین و سجین کے تعلق کے بدن کے ساتھ بھی ہے اور ضرور ہے مگر اس کو دنیا کی آنکھیں محسوس نہیں کر سکتیں۔ کیونکہ عالم غیب کے اسرار دنیا دار کی آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں اور نہ دکھایا جانا ہی مناسب ہے کیونکہ پھر ایمان بالغیب نہیں رہے گا۔'' (المصالح العقلیہ ج ۳ ص ۲۲۸)

دنیا اور آخرت کے درمیان یہ برزخی زندگی ہے۔ اس کے سارے معاملات پردے کے پیچھے ہیں۔ دنیوی زندگی برزخی زندگی اور اخروی زندگی یہ تین دوائر حیات ہیں اور تینوں میں بدن اور روح ساتھ ساتھ ہیں۔ ہاں برزخ میں یہ ربط اور تعلق اتنا لطیف ہے کہ اسے سمجھنا بہت مشکل ہے۔ سوائے اس کے کہ اس باب میں ہم نصوص شریعت پر ایمان لائیں اور اس کے جو آثار ہمیں کتاب و سنت میں ملتے ہیں انہیں حق تسلیم کریں۔

۱......قرآن کریم میں تین زندگیوں کا ثبوت

حضرت یحییٰ علیہ السلام کے لئے تین دفعہ سلامتی کی دعا کی گئی ہے: (۱) پیدائش کے دن (یہ سلامتی ان کی پوری دنیوی زندگی کو شامل ہے)۔ (۲) وفات کے دن (یہ سلامتی پوری برزخی زندگی کو شامل ہے)۔ (۳) جس دن آپ قبر سے زندگی اٹھائے جائیں گے (یہ سلامتی پوری اخروی زندگی کو محیط ہوگی)۔

قرآن کریم میں ان تینوں حالتوں کا بیان ہے: ''وَسَلٰمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوْتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا''
(پ ۱۶، سورۃ مریم: ۱۵)

پیدائش کے دن کی سلامتی صرف اسی دن کے لئے نہیں پوری دنیوی زندگی کے لئے ہے۔ وفات کے دن کی سلامتی اگلی برزخی زندگی کے لئے مانگی گئی وفات کے بعد اگر کوئی زندگی نہیں تو یہ سلامتی کی دعا کیا صرف موت کی گھڑی کے لئے کی گئی تھی؟ یہ زندگی پردے میں ہے۔ ہاں کھلی زندگی سے آپ اس وقت اٹھائے جائیں گے جس دن سب کو قبروں سے اٹھنا ہے ان تینوں زندگیوں میں روح و بدن دونوں کے لئے سلامتی کی طلب ہے۔

اس آیت میں نہایت واضح طور پر تین زندگیوں کا ثبوت ملتا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی دعا کی ہے: ''وَالسَّلٰمُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَيَوْمَ اَمُوْتُ وَيَوْمَ اُبْعَثُ حَيًّا''

(پ۱۶ مریم آیت ۳۳)

ترجمہ: سلامتی مجھ پر اس دن بھی ہوئی جس دن میں پیدا ہوا اور اس دن بھی ہو جب میں مروں اور اس دن بھی جب میں زندہ کیا جاؤں۔

یہاں تین ایام سے صرف تین دن مراد نہیں مواطن مراد ہیں اور یہ تین زندگیاں ہیں۔

یہ صرف ایام ثلثہ ہیں یا مراد مواطن ثلثہ ہیں

یہاں صرف یوم پیدائش یوم وفات اور یوم بعث مراد نہیں، مراد مواطن ثلثہ ہیں اور انسان ان تینوں میں اللہ رب العزت سے سلامتی کا طالب ہے۔ محققین نے یہاں مواطن ثلثہ ہی مراد لئے ہیں۔

حافظ ابن الجوزی (۵۹۷ھ) اپنی تفسیر زاد المسیر میں حضرت یحییٰ علیہ السلام کی اس دعا پر لکھتے ہیں: ''فخص اللہ تعالیٰ یحیی بالکرامة والسلامة فی المواطن الثلثة'' (زاد المسیر ج ۵ ص ۲۱۵)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے یحییٰ کو ان تینوں مواطن میں عزت اور سلامتی سے خصوصیت بخشی ہے۔

علامہ نسفی (۷۵۳ھ) بھی مدارک میں لکھتے ہیں کہ یہاں مواطن ثلثہ مراد ہیں: ''و ذلک السلام الموجہ الی یحیی فی المواطن الثلثة'' (مدارک التنزیل ج ۳ ص ۲۲۰)

آیئے! اب ذرا آپ کو ساتویں صدی میں لے چلیں۔

علامہ قرطبی (۶۷۱ھ) یَوْمَ وُلِدْتُّ سے پوری کی زندگی مراد لیتے ہیں کہ انسان پوری دنیوی زندگی میں خدا سے سلامتی کا طلب گار رہے۔ وَيَوْمَ اَمُوْتُ سے پوری قبر کی مدت مراد ہے اور اس دور میں بھی انسان سلامتی کا محتاج ہے اور وَيَوْمَ اُبْعَثُ حَيًّا سے بھی آخرت کی پوری زندگی مراد ہے۔

ان مواطن کی ابتداء یوم ولادت، وفات اور یوم بعث سے اس لئے ذکر کی کہ ان مواقع میں انسان بہت کمزور بے بس اور نہایت مضمحل ہوتا ہے پھر کچھ سنبھلتا جاتا ہے۔

علامہ قرطبیؒ لکھتے ہیں: ''و جاء فی المواطن التی الانسان فیه فی غایة الضعف والحاجة''

(الجامع لاحکام القرآن ج ۱۱ ص ۸۸)

پھر آگے جا کر لکھتے ہیں: ''یوم ولدت یعنی فی الدنیا ویوم اموت یعنی فی القبر ویوم أبعث یعنی فی الاخرة''

اور حاصل اس دعا کا لکھتے ہیں: کہ وہ اپنے ان تینوں احوال کے کل عرصے میں خدا سے سلامتی کا طالب ہے۔

امام فخر الدین رازیؒ (۶۰۶ھ) بھی ان تین دنوں سے فقط ایام ثلثہ مراد نہیں لیتے۔ ان مواطن کی کل مدت مراد لیتے ہیں۔ سو یہاں یَوْمَ اَمُوْتُ سے کل برزخی زندگی مراد ہے نہ کہ ایک دن آپ لکھتے ہیں: ''اعظم احوال الانسان احتیا جا الی السلامة هی هذه الاحوال الثلثة ... فجميع الاحوال يحتاج فيها الی السلامة واجتماع السعادة من قبله تعالیٰ طلبها ليكون مصونا عن الافات والمخافات فی كل من الاحوال''

(تفسیر کبیر ج۲۱، ص۲۱۶)

ترجمہ: انسان کے سب سے زیادہ حاجتمندی کے احوال یہ تین مواقع ہیں سو تمام احوال جن میں وہ خدا کی طرف سے سلامتی اور خوش قسمتی کا طالب ہوسکتا ہے ان میں اس کی طلب ہے کہ وہ ان تمام میں جملہ آفات اور مخافات سے محفوظ رہے۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی بھی یَوْمَ اَمُوْتُ صرف وفات سے خاص نہیں کرتے اس سے قبر کی پوری مدت مراد لیتے ہیں اور وَالسَّلَامُ عَلَيَّ (مجھ پر سلامتی ہو) سے ایک نہایت لطیف معنی اخذ کرتے ہیں کہ یہ جملہ اسمیہ ہے۔ حالانکہ پہلے بات جملہ فعلیہ میں چلی آرہی تھی۔ یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلامتی دنیا کی پوری زندگی میں قبر کی پوری مدت میں اور آخرت کی پوری زندگی میں شامل رہے۔

(والسلام علی) جعلت اسمية للدلالة علی الاستمرار۔ (تفسیر مظہری ج۶ ص۹۴)

صاحب روح المعانیؒ بھی اس کی تائید کرتے ہیں: ''فعدل الی الاسمية لارادة الدوام والثبوت''

(روح المعانی ج۱۶ ص۷۴)

تفسیر خازن میں بھی یوم وفات کی سلامتی سے مراد صرف یوم وفات کا امن نہیں سلامتی کی طلب عذاب قبر کی پوری مدت میں مراد لی گئی ہے۔ (دیکھئے تفسیر خازن ج۳، ص۲۱۷)

سو اس میں کوئی شک نہیں کہ انسان قبر کی برزخی زندگی میں بھی اس حالت میں ہے کہ وہ اس میں خدا کی طرف سے سلامتی اور عذاب قبر سے حفاظت چاہتا ہے۔ وہ قبر میں محض جماد اور بے جان نہیں کہ اس پر جو کچھ گزرے اسے کوئی فرق محسوس نہ ہو۔ برزخی زندگی بھی ایک زندگی ہے وہ اس میں (اپنی قبر میں) خدا سے سلامتی کا طالب ہے۔ برزخی زندگی میں انسان قبر میں اگر محض جماد بے جان ہوتا تو اس دور کے لئے اللہ سے سلامتی کی طلب نہ ہوتی۔

قبر میں سلام سے مراد عذاب قبر سے سلامتی ہے یا سلام تحیہ بھی مراد ہوسکتا ہے؟

علامہ طبریؒ (۳۱۰ھ) نے اس سے مراد مطلق امان لیا ہے اور یہ بات عامہ اموات کے بہت مناسب ہے کہ اہوال قبر اور اس کی آفات سے سلامتی مل جائے یہ بڑی بات ہے لیکن انبیاء علیہم الصلوت والتسلیمات کے لئے اس سلام سے مراد سلام تحیہ ہے ہم جب یہاں ایک دوسرے کو ملتے ہیں تو سلام تحیہ کہتے ہیں۔ وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَا (پ۵، النساء۸۶) میں السلام علیکم کہنے کو سلام تحیہ کہا گیا ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام پر اس قبر کی زندگی میں جو سلام وارد ہوتا ہے وہ سلام تحیہ ہی ہے۔

قرآن کریم میں حضرت یحییٰ علیہ السلام کے لئے یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے موطن وفات (قبر کی زندگی) میں جس سلام کی طلب ہے وہ یہی سلام تحیہ ہے اور یہ تبھی ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی قبور میں محض جماد یا پتھر نہ ہوں بلکہ ایسی زندگی سے سرفراز ہوں جو گو دوسروں کو محسوس نہ ہو، لیکن اللہ رب العزت کی طرف سے ان پر سلام تحیہ برابر اترتا ہو اور امت کا سلام بھی ان پر پیش ہوتا ہو۔ علامہ ابن عطیہ (۵۴۱ھ) کہتے ہیں: ''والاظھر عندی انھا التحیة المتعارفه فھی أشرف و أنبه من الامان لان الامان یتحمل بنفی العصیان عنه وھی اقل درجاته وانما الشرف فی ان سلم اللہ تعالیٰ علیه'' (تفسیر قرطبی ج۱۱ ص۸۸، روح المعانی ج۱۶ ص۷۴)

ترجمہ: میرے نزدیک زیادہ واضح بات یہ ہے کہ یہاں سلام تحیہ مراد لیا جائے جو بطور سلام متعارف ہے یہ مطلق امان سے شرف اور بزرگی میں زیادہ ہے امان تو اسے گناہ نہ ہونے کی وجہ سے حاصل ہے اور یہ تو ایک ابتدائی درجہ ہے شرف تو یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس (نبی) پر اپنا سلام (تحیہ) بھیجے۔

قرآن کریم کی نص ہے کہ انبیاء علیہم السلام پوری دنیوی زندگی اور پوری اخروی زندگی خدا کا یہ شرف پاتے ہیں اوران پر بے شک یہ سلام تحیۃ اترتا ہے۔ امتوں کا سلام بھی ان پر پیش ہوتا ہے اور وہ اپنی قبر شریف میں محض جماد اور پتھر نہیں ہیں جیسا کہ پتھری سمجھتے ہیں۔ رہی یہ بات کہ یہ قبر کی سلامتی اس متعارف قبر سے نہیں یہ کسی اور درجے کا نام ہے جس پر یہ اکرام وشرف اترتا ہے۔ سو آنحضرت ﷺ اس کا نہایت واضح جواب ارشاد فرما چکے ہیں۔ آپ نے یہ نہ فرمایا کہ وفات کے بعد یہ اکرام وسلام روح پر پیش ہوتا ہے بلکہ بتلایا کہ اسی بدن پر پیش ہوتا ہے جسے تم سمجھتے ہو کہ ریزہ ریزہ ہو چکا ہو گا۔ حضرت اوس بن اوس ؓ کہتے ہیں کہ صحابہ ؓ نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا: ''کیف تعرض صلوٰتنا علیک وقد أرمت'' (سنن ابی داؤد ج۱ ص۱۵۰، نسائی ج۱ ص۱۵۴، سنن کبریٰ للبیہقی ج۳ ص۲۴۹)

ترجمہ: ہمارا درود آپ ﷺ پر کیسے پیش کیا جائے گا جب آپ ریزہ ریزہ ہو چکے ہوں گے۔

آپ ﷺ نے فرمایا: ''إن اللہ حرم علي الأرض أن تأكل أجساد الأنبياء''

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ انبیاء کے بدنوں کو ریزہ ریزہ کرے۔

اس میں آپ ﷺ نے اس پر متنبہ فرمایا کہ یہ موت کے بعد کی زندگی اسی بدن سے متعلق ہے اور یہ برزخی زندگی ہے اور اس میں بھی آپ پر صلوٰۃ وسلام پیش ہوتے ہیں یہ زندگی چونکہ کھلی زندگی نہیں پردے میں ہوتی ہے اس لئے اسے برزخی زندگی بھی کہتے ہیں۔ مگر برزخ چونکہ بعض علماء کے نزدیک موطن دنیوی میں سے ہے اس لئے اسے ایک پہلو سے دنیوی زندگی بھی کہتے ہیں اور مراد اس سے دنیا کی سی زندگی لیتے ہیں۔

۲...... قیامت سے پہلے آل فرعون کا عذاب

آل فرعون کی غرقابی ایک بری طرح کا عذاب تھا اس سے وہ عالم برزخ میں داخل ہوئے اور یہ ان کا عذاب قبر ہے آخرت کا عذاب انہیں قیامت کے بعد ہوگا۔

''وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْءُ الْعَذَابِ اَلنَّارُ یُعْرَضُوْنَ عَلَیْهَا غُدُوًّا وَّعَشِیًّا وَیَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ اَدْخِلُوْا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ'' (پ ۲۴، المومن آیت ۴۶)

ترجمہ: اور الٹ پڑا فرعون والوں پر بری طرح کا عذاب وہ آگ ہے جس پر وہ پیش کئے جاتے ہیں صبح وشام اور جس دن قیامت قائم ہوگی حکم ہوگا کہ داخل کرو فرعون والوں کو سخت در سخت عذاب میں۔

فرعونیوں کی پہلی نافرمانی کی زندگی گزر چکی۔ اب جب عذاب نے انہیں گھیرا اور وہ ڈوبے تو یہ دوسری زندگی شروع ہوگئی۔ یہ سوء العذاب ان پر اترا۔ اس میں صبح وشام وہ آگ پر پیش کئے جاتے ہیں کہ یہ تمہارا ٹھکانا ہے۔ اور جس دن قیامت واقع ہوگی کہا جائے گا کہ آل فرعون کو اس بڑے عذاب میں ڈالو یہ ان کی تیسری زندگی ہوگی بڑے عذاب میں داخلہ قیامت کو ہے اس آیت میں سوء العذاب اور أشد العذاب کی خبر علیحدہ علیحدہ دی گئی ہے۔ حافظ ابن کثیرؒ (۷۷۴ھ) لکھتے ہیں: ''وھذہ الایة اصل کبیر فی استدلال اھل السنة علی عذاب البرزخ فی القبور'' (تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۸۱)

ترجمہ: اور یہ آیت اہل السنۃ کے استدلال کی بڑی اساس ہے کہ قبروں میں عذاب برزخ ضرور ہے۔

۳...... دنیوی پکڑ کے متصل عذاب اخروی

قوم نوح اپنی غرقابی سے اپنی برزخی زندگی میں داخل ہوئی۔ یہ آگ میں داخلہ غرق ہونے کے معاً بعد ہوا اور جس دن قیامت واقع ہوگی اس دن یہ لوگ تیسری زندگی میں داخل کئے جائیں گے یہ ان کا اشد العذاب میں داخلہ ہوگا: ''مِمَّا خَطِيْـٓـتِهِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا'' (پ ۲۹، نوح ۲۵)

ترجمہ: وہ اپنی غلطیوں کے سبب غرق کردیئے گئے اور اسی وقت آگ میں ڈال دیئے گئے۔

بڑے عذاب میں یہ بھی قیامت کے دن ڈالے جائیں گے۔ شیخ الاسلامؒ لکھتے ہیں: ''بظاہر پانی میں ڈبائے گئے لیکن فی الحقیقت برزخ کی آگ میں پہنچ گئے'' (تفسیر عثمانی ص ۷۴۲)

مماتیوں کے لئے پانی کو آگ کہنا بھی خاصا مشکل ہے۔

۴...... انسانی زندگی کے تین دور

''مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى'' (پ ۱۶، طٰہٰ ۵۵)

ترجمہ: اسی زمین سے ہم نے تم کو بنایا اور اسی میں پھر تمہیں پہنچا دیتے ہیں اور اسی سے نکالیں گے تم کو ایک دفعہ پھر۔

''فِيْهَا نُعِيْدُكُمْ'' سے مراد قبر میں جانا ہے قبر جس شکل میں بھی ہو اور جہاں ہو انسان کو اس میں جانا ضرور ہے۔ جلے ہوئے انسان کے ذرات منتشرہ جہاں جہاں بھی ہوں ان میں باریک باہمی ربط ہی اس کی قبر ہے جس پر احوال قبر وارد ہوں گے۔ اس قسم کی شاذ مثالوں سے ان قبور ظاہرہ کا انکار نہیں کیا جاسکتا یہ قبریں جن میں ہم ظاہراً دفن کرتے ہیں یہ بھی قبریں ہی ہیں۔

اور یہی آگ کے گڑھے یا جنت کے باغات ہیں۔ ان میں میتوں کو اتارو تو یہی سمجھ کر کہ یہی فِيْهَا نُعِيْدُكُمْ کا مصداق ہیں۔ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں: ''برزخ کے احکام روح پر جاری ہوں گے اب دکھ اور سکھ روح کو پہنچے گا وہ صاحب روح کے جسم پر بھی سرایت کرے گا۔ روح کا تعلق بدن سے گو عام حالات میں

ظاہر نہیں لیکن ایک غیر معلوم وجہ پر یہ بھی رہتا ہے بدن سے اس کا بالکل انقطاع اور جدائی نہیں ہوتی۔''
(المصالح العقلیہ ص ۲۲۶)

قبر میں لوٹنے کے بعد وہاں بے جان پڑے رہتا ہے یا وہاں کے کچھ اپنے معاملات بھی ہیں جن کی مخبر صادق ﷺ نے خبر دی ہے؟ حضرت براء بن عازب ؓ فرماتے ہیں آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''فتعاد روحه فی حیاته فیاتیه ملکان فیجلسانه فیقولان له من ربک'' (مسند امام احمد ج ۴ ص ۲۸۷، سنن ابی داؤد ج ۲ ص ۲۹۸)

ترجمہ: پس اس کی روح اس کے بدن میں لوٹائی جاتی ہے پھر اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور اسے بٹھاتے ہیں اور اس سے پوچھتے ہیں تیرے عقیدے میں تیرا رب کون ہے؟

علامہ قرطبی نے بھی اس حدیث کو ان دو حوالوں سے ذکر کیا ہے۔ اس کی پوری بحث احادیث کے ذیل میں آئے گی۔ یہاں صرف دو حوالے نوٹ فرمالیں: ''روی الامام احمد و ابو داؤد باسناد صحیح عن البراء ؓ'' (مختصر تذکرہ القرطبی ص ۳۴)

ترجمہ: امام احمد اور امام ابوداؤد نے سند صحیح کے ساتھ اس حدیث کو حضرت براء ؓ سے روایت کیا ہے۔

ضلع مظفر گڑھ کے مشہور محقق عالم حضرت علامہ عبد العزیز فرہاروی ؒ لکھتے ہیں: ''ان الاحادیث الصحیحة ناطقة بان الروح تعاد فی الجسد عند السوال'' (نبراس علی شرح العقائد ص ۳۲۲)

ترجمہ: احادیث صحیحہ پکار پکار کر کہہ رہی ہیں کہ روح اس سوال (فی القبر) کے وقت بدن میں لوٹائی جاتی ہے۔

فرشتوں کا میت کو بٹھانا اور سوال کرنا احادیث صحیحہ میں پوری صراحت سے موجود ہے۔ یہ بیٹھنا اور اٹھنا بدن کی شان ہے روح تو کروٹیں نہیں لیتی۔ سو یہ قبر میں ہونے والے سارے معاملات صرف روح سے نہیں بدن اور روح کے تعلق سے ہیں مردہ ایک برزخی حیات پا چکا ہے گو ہمارے لئے یہ حیات اور اٹھنا بیٹھنا مدرک اور مشاہد نہ ہو۔

حافظ ابن مندہ نے کتاب الروح والنفس میں حدیث براء نقل کرتے ہوئے یہ بھی روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے قبر میں روح کے لوٹائے جانے کا ذکر کرتے ہوئے یہ آیت بھی تلاوت فرمائی ہے: ''مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى'' (پ ۱۶: طٰہٰ ۵۵) (کتاب الروح ص ۷۴)

حضور ﷺ کے اس استشہاد سے ثابت ہوتا ہے کہ قبر میں روح کے لوٹائے جانے کا مسئلہ قرآن کریم میں بھی اشارۃً موجود ہے۔

''فِيْهَا نُعِيْدُكُمْ'' میں قبر میں محض بے جان پڑے رہنے کی بات ہوتی تو قرآن کریم اسے اس اہتمام اور شان سے ذکر نہ کرتا یہ واقعی دنیا اور آخرت کے درمیان ایک برزخی زندگی ہے جس کے اپنے معاملات ہیں اور یہاں مرنے والے کو قیامت تک کے لئے ٹھہرنا ہے۔

۵.....سوالات اخروی میں ثابت قدمی کی بشارت

''يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ'' (پ ۱۳، ابراہیم ۲۷)

ترجمہ: اللہ ثابت قدم رکھتا ہے ایمان والوں کو قول ثابت (کلمہ طیبہ) سے، دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی اور بچلا (راہ بھلا) دیتا ہے بے انصافوں کو اور کرتا ہے اللہ تعالیٰ جو چاہے۔

قبر کی منزل جو دنیا اور آخرت کے درمیان برزخ ہے اس کو پہلی زندگی میں بھی شمار کر سکتے ہیں کہ قبر اس دنیا میں بھی تو ایک نشان ہے مرنے والا گو اس دنیا سے نکل چکا لیکن ابھی تک اس کا یہاں ایک نشان ہے۔ آخرت کے باوجود اس کا اس سے ایک تعلق ہے۔ اور اس برزخی زندگی کو آخرت میں بھی شمار کر سکتے ہیں کہ آخرت کی دو منزلیں ٹھہرائی جائیں۔ پہلی قبر کی زندگی یہاں عذاب قبر ہوگا اور دوسری محشر کی زندگی جہاں قبروں سے اٹھ کر پہنچنا ہے۔ پھر جنت یا دوزخ کی زندگی ہے جہاں راحت حقیقی دائمی یا اشد العذاب کے ٹھکانے ہوں گے حدیث میں قبر پر بھی آخرت کا لفظ وارد ہے: ''ان القبر اول منازل الاخرۃ'' (مستدرک حاکم ج۱، ص۳۷۱)

''واحوال البرزخ اشبہ باحوال الآخرہ'' (فتح الباری پ ۱۳، ص۲۷۹)

ترجمہ: بے شک قبر آخرت کی منزلوں میں سے پہلی منزل ہے۔

شیخ الاسلامؒ لکھتے ہیں: ''سلف سے دونوں قسم کے اقوال (کہ برزخ کو ادھر شمار کرو یا ادھر) منقول ہیں۔ غرض یہ کہ مومنین دنیا کی زندگی سے لے کر محشر تک اسی کلمہ طیبہ کی بدولت مضبوط اور ثابت قدم رہیں گے دنیا میں کیسی ہی آفات وحوادث پیش آئیں کتنا ہی سخت امتحان ہو قبر میں نکیرین سے سوال وجواب ہو محشر کا ہولناک منظر ہوش اڑا دینے والا ہو ہر موقعہ پر یہی کلمہ توحید ان کی پامردی اور استقامت کا ذریعہ بنے گا'' (تفسیر عثمانی ص ۳۳۵)

صحیح بخاری میں ہے کہ آخرت سے مراد اس آیت میں برزخ ہے حضرت براء بن عازبؓ فرماتے ہیں:

''ان رسول اللہ ﷺ قال المسلم اذا سئل فی القبر یشھد ان لا الٰہ الا اللہ ... الخ'' (صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۸۲)

تقریباً چالیس صحابہ کرامؓ سے معتبر اسانید کے ساتھ اس مضمون کی حدیثیں منقول ہیں۔ ان سب حضرات صحابہ کرامؓ نے آیت مذکورہ میں آخرت سے مراد قبر لی ہے اور اس آیت کو قبر کے عذاب وثواب سے متعلق قرار دیا ہے۔

مرنے اور دفن ہونے کے بعد میں انسان کا دوبارہ زندہ ہو کر فرشتوں کے سوالات کا جواب دینا۔ پھر اس امتحان میں کامیابی اور ناکامی پر ثواب یا عذاب کا ہونا قرآن مجید کی تقریباً دس آیات میں اشارۃً اور رسول کریم ﷺ کی ستر احادیث متواترہ میں بڑی صراحت ووضاحت کے ساتھ مذکور ہے جس میں مسلمان کو شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔ (تفسیر معارف القرآن ج ۵ ص ۲۳۶)

سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر بقول مفتی اعظم اس میں کسی مسلمان کو شک وشبہ کی گنجائش نہیں تو پھر مفتیوں نے عذاب قبر کے منکر پر کفر کا فتویٰ کیوں نہیں دیا؟ جواب یہ ہے کہ علمائے محققین کا فتوے یہی ہے محقق ابوشکور السالمیؒ کتاب التمہید میں لکھتے ہیں: ''فلما عذاب القبر للمؤمنین من الجائزات وللکافرین من الواجبات واللہ تعالیٰ یقول النار یعرضون علیھا غدوا وعشیًّا یعنی فرعون وقومہ دل انہ کان صحیحا فی ای موضع وعلی ای حال ومن انکر ھذا یصیر کافرا'' (کتاب التمہید ص ۱۲۵ طبع ہندی)

ترجمہ: پس جب مومنین کے لئے عذاب قبر جائز ہے اور کافروں کے لئے واجب ہے، اور اللہ تعالیٰ نے فرعون والوں کے بارے میں کہا کہ آگ پر وہ صبح وشام پیش کئے جاتے ہیں تو اس سے معلوم ہوا کہ عذاب قبر برحق ہے کہاں ہو اور کس حال میں ہو۔ اور جو اس کا انکار کرے کافر ہو جاتا ہے۔

حافظ ابن ہمام الاسکندریؒ (۸۶۱ھ) جو بقول علامہ شامیؒ مجتہد کے درجے کو پہنچے ہوئے تھے لکھتے ہیں:

"ولاتجوز الصلوة خلف منکر الشفاعة والرؤية وعذاب القبر والکرام الکاتبین لانہ کافر لتوارث ھذہ الامور عن الشارع ﷺ" (فتح القدیر ج۱ ص۲۴۷)

ترجمہ: جو شفاعت کا منکر ہو یا آخرت میں رویت باری تعالیٰ کا منکر ہو عذاب قبر کا منکر ہو یا کرام کاتبین کا اس کے پیچھے نماز جائز نہیں۔ کیونکہ یہ سب باتیں آنحضرت ﷺ سے استفاضہ عام سے منقول ہیں۔

عذاب القبر پر اس قدر احادیث وارد ہیں کہ ان کی قدر مشترک تواتر کا حکم رکھتی ہے۔

"عذاب القبور کان ثابتا بالا حادیث المشھورة التی یبلغ الحد المشترک منھا مبلغ التواتر وکان السلف الصالح متفقین علی ذلک قبل ظھور المخالفین" (تنقیح اللمعات ج۱، ص۱۸۹)

ترجمہ: عذاب قبر احادیث مشہورہ سے ثابت ہے جن کی قدر مشترک تواتر کو پہنچتی ہے اور سلف صالحین سب اس پر متفق تھے ان مخالفین کے آنے سے پہلے۔

یہ کہنا کہ عذاب قبر ہمیں نظر نہیں آتا اور سوال وجواب کے لئے میت کو بٹھانا ہم نے کبھی نہیں دیکھا نہایت بے تکی بات ہے۔ اس جہان کی آنکھوں سے اس جہان کی واردت کو دیکھنا اور انہیں اس جہان کے اسباب میں تولنا یہ ہرگز کوئی شرعی بصیرت نہیں ہے۔

مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ لکھتے ہیں:

وہ عامیانہ شبہات کہ دنیا میں دیکھنے والوں کو یہ ثواب وعذاب نظر نہیں آتے سو اس کے تفصیلی جوابات کی تو یہاں گنجائش نہیں اجمالاً اتنا سمجھ لینا کافی ہے کہ کسی چیز کا نظر نہ آنا اس کے موجود نہ ہونے کی دلیل نہیں ہوتی جنات اور فرشتے بھی کسی کو نظر نہیں آتے مگر موجود ہیں ہوا نظر نہیں آتی مگر موجود ہے جس کا کائناتی فضا کا اس زمانہ میں راکٹوں کے ذریعہ مشاہدہ ہو رہا ہے وہ اب سے پہلے کسی کو نظر نہ آتی تھی مگر موجود تھی۔ خواب دیکھنے والا خواب میں کسی مصیبت میں گرفتار ہو کر سخت عذاب میں بے چین ہو یا ہے مگر پاس بیٹھنے والوں کو اس کی کچھ خبر نہیں ہوتی۔

اصل بات یہ ہے کہ ایک عالم کو دوسرے عالم کے حالات پر قیاس کرنا خود غلط ہے جب خالق کائنات نے اپنے رسول ﷺ کے ذریعہ دوسرے عالم میں پہنچنے کے بعد اس عذاب وثواب کی خبر دی تو اس پر ایمان واعتقاد رکھنا لازم ہے۔ (معارف القرآن ج۵ ص۲۴۷)

آخرت کے تمام حالات وواقعات جس طرح قرآن وسنت میں وارد ہوئے ان پر بغیر جھجک اور تاویل کے ایمان لانا ہی درحقیقت ایمان ہے۔ حشر اجساد کی بجائے حشر روحانی اور عذاب وثواب جسمانی وروحانی میں اسی طرح وزن اعمال میں تاویلیں کرنا سب اللہ کے نزدیک مردود وباطل اور گمراہی ہے۔ (ایضاً ج۱ ص۳۵۶)

پھر بھی اگر کوئی شخص اس عالم برزخ اور اس کی کیفیت کا انکار کرے تو ویضل اللہ الظالمین کے سوا کیا کہا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ظالموں کو بات ماننے کی توفیق نہیں دیتا ورنہ حق تو ظاہر ہے۔ اس آیت میں اشارہ دیا گیا ہے کہ عذاب قبر کے منکر ظالم ہیں اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔ ان ظالموں کو مرتے ہی اس عذاب کا سامنا ہوگا۔ اس وقت اس کا نام عذاب الھون ہوگا۔ اس سے زیادہ رسوائی کیا ہوگی کہ جس کا انکار کرتے تھے اس میں آ گھرے۔

۶......مرنے کے ساتھ ہی عذاب الہون کا سامنا

''وَلَوْ تَرٰٓي اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْٓا اَيْدِيْهِمْ اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَي اللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ اٰيٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰي كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ'' (پ ۷، الانعام ۹۳)

ترجمہ: اور اگر آپ دیکھ پائیں (یہ کس حال میں ہیں) جب یہ ظالم موت کی سختیوں میں (جکڑے) ہوں گے اور فرشتے ہاتھ بڑھائے ہوئے ہوں گے کہ نکالو اپنی جانیں تمہیں آج عذاب الہون دیا جائے گا اسی بدلے میں جو تم خدا تعالیٰ پر جھوٹی باتیں لگاتے تھے اور تمہارا اس کی آیات کو جھٹلانا از راہ تکبر تھا اور اب آئے ہو ہمارے پاس ایک ایک کر کے جیسا کہ ہم نے تمہیں پہلی بار (ایک ایک کر کے) پیدا کیا تھا۔

یہ ایک ایک کر کے خدا کے پاس حاضری برزخ کی حاضری ہے۔ آخرت کی حاضری اکٹھی ہوگی حشر کے ساتھ ہوگی وہاں اگلے پچھلے سب اکٹھے پیش ہوں گے۔ یہ ایک ایک کی حاضری اس سے پہلے کی حاضری ہے۔ اس یوم وفات سے ہی عذاب الہون ان کو اپنے گھیرے میں لے لے گا یہ عذاب برزخ ہے جو ابھی سے شروع ہو گیا ہے۔

آج جو لوگ عذاب قبر کا انکار کر رہے ہیں اور حیات برزخ کے انکار کے لئے بے محل آیتیں پڑھتے چلے جاتے ہیں کیا وہ تَقُوْلُوْنَ عَلَي اللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ کے مخاطب نہ ہوں گے اور کیا ان کی یہ صدا از راہ تکبر نہیں ہے حقیقت وہی ہے جو قرآن کریم نے بتائی ہے۔

ایک پیر طریقت کو ہم نے اس برزخی منزل کے انکار پر یہ آیت پڑھتے خود سنا: ''ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ'' (پ ۱۸، المومنون ۱۴)

ترجمہ: پھر ہم نے اسے اٹھا کھڑا کیا ایک نئی صورت میں سو بڑی برکت اللہ کی ہے جو سب سے بہتر بنانے والا ہے پھر تم اس کے بعد مرو گے پھر تم قیامت کے دن ہی اٹھائے جاؤ گے۔

اس پر وہ پیر طریقت جھوم جھوم کر کہہ رہے تھے مرنے اور قیامت کے دن اٹھنے کے درمیان کہاں کوئی زندگی ہے۔ قرآن کریم مرنے کے بعد اور قیامت سے پہلے کسی زندگی کا پتہ نہیں دیتا۔

اس پر ہمیں یہ آیت یاد آگئی کنتم تقولون علی اللہ غیر الحق تم اللہ رب العزت کے ذمہ وہ باتیں لگاتے تھے جو اس نے نہیں کہیں۔ قرآن کریم میں جب مرتے ہی عذاب الہون کی ایک زندگی کی خبر ہے۔ تو کیا کوئی مسلمان قیامت سے پہلے کی اس زندگی کا انکار کر سکتا ہے۔ یہ زندگی چھپی ہے اور علیحدہ علیحدہ ہے ثم انکم یوم القیمۃ تبعثون میں اس کھلی زندگی کا بیان ہے جب تم سب اکٹھے اٹھائے جاؤ گے اور تمہارا حشر ہوگا ظاہر ہے کہ ایسی کھلی زندگی تو قیامت کے دن ہی ملے گی۔ اس میں قبر کی برزخی حیات کا انکار ہرگز نہیں ہے۔ مگر افسوس کہ وہ پیر طریقت ان آیات کو اس پہلی زندگی کے انکار کے لئے ہی بار بار پڑھ رہے تھے۔ جس میں کئی آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ کا انکار ہو رہا تھا مگر جاہل مریدین سب زندہ باد کے نعرہ لگا رہے تھے۔

وهل افسد الدهر الا الملوک احبار سوء و رهبانها

۷......مرنے کی ضربیں اور عذاب الحریق کا سامنا

"وَلَوْ تَرٰۤی اِذْ یَتَوَفَّی الَّذِیْنَ کَفَرُوا الْمَلٰٓئِکَةُ یَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِیْقِ۔ ذٰلِکَ بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْکُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَیْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ" (پ۱۰، الانفال ۵۰)

ترجمہ: اور اگر دیکھے تو جس وقت فرشتے کافروں کی جان قبض کرتے ہیں، تو مارتے ہیں ان کے منہ پر (تھپڑ) اور ان کی پیٹھ پر (کوڑے) اور کہتے ہیں چکھو عذاب آگ کا یہ بدلہ ہے تمہارے اعمال کا جو تم نے آگے بھیجے اور اللہ ظلم نہیں کرتا اپنے بندوں پر۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اس آیت پر لکھتے ہیں: "یعنی مار کر کہتے ہیں کہ ابھی تو یہ لو اور عذاب جہنم کا مزا آئندہ چکھنا...... الفاظ آیت کے سب کافروں کو عام ہیں۔ اس لئے راجح یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ (ان کو مارنے کا) عالم برزخ کا ہو اب برزخ کے واقعات سے تعلق یہ ہوگا کہ دنیا میں ان کافروں کی گت بنی، برزخ میں یہ ہوگا اور آخرۃ کے عذاب کا تو کہنا ہی کیا ہے۔" (تفسیر عثمانی ص ۲۴۷)

کیا یہاں کھلے طور پر ان تین زندگیوں کا اقرار نہیں: (۱) دنیا، (۲) برزخ، (۳) آخرت۔

یہ آیت بتلاتی ہے کہ قبض روح کے وقت سے ہی اس کی برزخی زندگی شروع ہوگئی اور عذاب اترنے لگا قبر میں جانے سے پہلے ہی یہ عذاب شروع ہو چکا۔

یہ ضربیں کہاں لگ رہی ہیں؟ بدن کے مختلف حصوں پر سو یہ روحانی عذاب کیسے ہوا؟ قرآن کریم تو کہے یَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ اور ہم کہیں یہ صرف روحانی عذاب ہے جسمانی نہیں۔ کیا قرآن کریم کی بات جھٹلائی جا سکتی ہے؟ نہیں! ومن أصدق من اللہ قیلا!

برزخ کا جسمانی عذاب برحق ہے۔ گو یہاں کے رہنے والے اسے دیکھ نہ سکیں یا سن نہ سکیں یہ واقعات ہمیں نظر نہیں آتے مگر چونکہ قرآن میں ان کا بیان ہے ان پر ایمان لانا فرض ہے۔ برزخی معاملات یہاں مشاہدہ میں نہ آئیں تو ان پر تعجب نہ کرنا چاہئے۔ انہیں تسلیم کر کے ایمان بالغیب کا لطف لیں اور یہی اللہ سے ڈرنے والوں کی شان ہے: "ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْهِ هُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ، الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ" (البقرہ: ۲، ۳)

ترجمہ: اس کتاب میں کوئی شک نہیں راہ بتاتی ہے ڈرنے والوں کو جو ایمان لائے ہیں بن دیکھے۔

۸......قیامت سے پہلے ایک برزخی زندگی

"حَتّٰۤی اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ، لَعَلِّیْۤ اَعْمَلُ صَالِحًا فِیْمَا تَرَکْتُ کَلَّا اِنَّهَا کَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ" (پ۱۸، المومنون ۱۰۰)

ترجمہ: یہاں تک کہ جب پہنچے ان میں سے کسی پر موت تو کہے گا اے رب مجھے واپس بھیج دے شاید میں کچھ بھلے کام کرلوں جو میں چھوڑ آیا تھا۔ ہرگز نہیں (ایسا کبھی نہ ہوگا) یہ ایک بات ہے جو وہ کہہ رہا ہے اور ان کے پیچھے برزخ ہے اس دن تک جب وہ اٹھائے جائیں گے۔

شیخ الاسلامؒ لکھتے ہیں: ''عالم برزخ آتا ہے جہاں پہنچ کر دنیا والوں سے پردہ ہوجاتا ہے اور آخرت بھی سامنے نہیں آتی۔ ہاں عذاب آخرت کا تھوڑا سا نمونہ سامنے آتا ہے جس کا مزا قیامت تک پڑا چکھتا رہے گا''

(تفسیر عثمانی ص ۴۵۲)

دنیا، برزخ، آخرت یہ تین جہاں ہیں جن کی قرآن کریم بار بار خبر دیتا ہے ان زندگیوں کی کیفیات احساسات اور لوازمات میں فرق ہوسکتا ہے بعض امور میں اشتراک واتحاد بھی ہوسکتا ہے لیکن اس یقین سے چارہ نہیں کہ اضواء قرآن ان تینوں زندگیوں کی خبر دیتے ہیں اور مومن ان تینوں زندگیوں میں اللہ تعالیٰ سے سلامتی چاہتا ہے: ''کما یشیر الیہ قولہ تعالیٰ حاکیا عن لسان عیسیٰ ابن مریم وَالسَّلٰمُ عَلَیَّ یَوْمَ وُلِدْتُّ وَیَوْمَ اَمُوْتُ وَیَوْمَ اُبْعَثُ حَیًّا''

حکیم الامت حضرت تھانویؒ لکھتے ہیں: (۱) اللہ تعالیٰ نے تین مقام انسان کے لئے ٹھہرائے ہیں۔ دنیا، برزخ اور دار قرار اور ہر مقام کے لئے علیحدہ علیحدہ کچھ احکام ٹھہرائے ہیں جو اسی سے مخصوص ہیں اور انسان کو بدن اور نفس سے مرکب کیا اور دنیا کے احکام بدنوں پر ٹھہرائے اور روحوں کو بدنوں کے تابع کیا۔ اس لئے شرعی احکام ان حرکات سے مرکب کئے ہیں جو زبان اور اندامون سے ظاہر ہوتے ہیں اگرچہ دل میں کچھ اور باتیں چھپی ہوئی ہوں اور خدا تعالیٰ نے برزخ کے احکام روحوں پر ٹھہرائے اور جسموں کو روح کے تابع کیا[1]

(۲) اس جگہ بدن ظاہر ہے اور روح پوشیدہ اور عالم قبر یعنی برزخ میں روح غالب وظاہر ہوگی اور بدن پوشیدہ اور برزخ کے احکام ارواح پر جاری ہوں گے یعنی دکھ اور سکھ روح کو پہنچے گا تو وہ صاحب روح کے جسم پر بھی سرایت کرے گا۔

(۳) روح کا تعلق بدن سے گو عام حالات میں ظاہر نہیں لیکن ایک غیر معلوم وجہ پر یہ بھی رہتا ہے بدن سے اس کا بالکل انقطاع اور جدائی نہیں ہوتی۔ (المصالح العقلیۃ حصہ سوم ص ۲۱۷)

(۴) پس یہ امر کہ ارواح کا قبور کے ساتھ تعلق ہونا چاہئے اس چشم سے لینا چاہئے جس کو کسی قدر کشفی آنکھ نے بھی بتلایا ہے کہ اس تودہ خاک سے ارواح کا ایک تعلق ہوتا ہے اور السلام علیکم یا أھل القبور کہنے سے جواب ملتا ہے جو آدمی ان قویٰ سے کام لے جن سے کشف قبور ہوتا ہے تو وہ ان تعلقات کو دیکھ سکتا ہے۔ (ایضاً ص ۲۲۶)

(۵) غرض روح کا تعلق قبر کے ساتھ ضرور ہوتا ہے۔ انسان میت سے کلام کرسکتا ہے اور ارواح کا تعلق آسمان سے بھی ہوتا ہے جہاں اس کو ایک مقام ملتا ہے وہاں استقرار ہو یا سیر۔ اور یہ ایک ایسی مسلّم بات ہے کہ ہندوؤں کی کتابوں میں بھی اس کی گواہی موجود ہے پس یہ مسئلہ عام طور پر مسلّمہ مسئلہ ہے بجز اس گمراہ فرقے کے جو نفی بقائے روح کرتا ہے۔ (ایضاً ص ۲۲۷)

روح اعلیٰ علیین میں بھی ہو تو بدن مدفون سے بے تعلق نہیں۔ انہیں قبر پر آنے والوں کے سلام کی اطلاع ہوتی ہے اور روح کے مکانی فاصلے اس دریافت میں مانع نہیں ہوتے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ لکھتے ہیں: ''ان ارواح کو ایک علاقہ اپنی قبر سے ہوتا ہے...... روح کو قرب و بعد مکانی اس دریافت سے مانع نہیں ہوتا۔''

(تفسیر عزیزی پ ۳۰ ص ۸۸ دہلی)

[1] جسموں کو روح سے لاتعلق نہیں کیا روح کے تابع کیا یہ ہے مولانا تھانویؒ کا عقیدہ۔

اس کی کچھ تفصیل آگے آئے گی جہاں حیات انسانی کے مختلف ادوار سے بحث ہوگی۔ یہاں صرف یہ بتلانا ہے کہ حیات انسانی صرف عالم ارواح میں بدن سے متعلق نہیں دنیا، برزخ اور آخرت۔ تینوں جہانوں میں یہ بدن سے متعلق ہے۔ ارشاد قرآنی وَ سَلٰمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوْتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا آپ کے سامنے ہے ولادت، موت اور حشر کے دن اٹھنا کس سے ہے؟ بدن سے! ولادت بھی بدن سے، موت بھی بدن پر اور پھر جی اٹھنا بھی بدن سے ہوگا۔ سو ولادت موت اور بعثت کے بعد کی زندگیاں اسی بدن سے ہیں اور انصاف کا بھی یہی تقاضا ہے کہ انسان نے جس بدن سے عبادت یا معصیت کی ہے عالم برزخ اور عالم آخرت کی راحت اور کلفت اسی بدن کے تعلق سے ہو، یہ علیحدہ بات ہے کہ کسی جہان میں بدن کے احکام غالب ہوں اور کسی میں روح کے اور کسی میں روح اور بدن کی کیفیت ایک سی ہو جائے[1]

عذاب برزخ اور عذاب آخرت

یہاں ہم عالم برزخ پر بحث کر رہے ہیں قرآن کریم کی آٹھ آیات سے ہم نے عالم برزخ ثابت کیا ہے یہ ایک جہان ہے جو عالم دنیا اور عالم آخرت کے مابین قائم ہے اور اس کے اپنے حالات اور احکام ہیں۔ اس میں اور عالم آخرت میں قدر مشترک وہ نعیم و عذاب ہے جو انسان کو اپنے اس دنیا میں کئے گئے اعمال کے نتیجہ میں ملے گا یہ پہلا عذاب ادنی ہے تو دوسرا عذاب اکبر...... یہ قیامت تک کے لئے ہے اور وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے۔

آخرت کے نعیم و عذاب کے بارے میں سب کا اتفاق ہے کہ وہ اسی بدن پر ہوگا جو دنیا میں تھا اور جس کے تعلق سے انسان گناہ کرتا رہا اور فطرت کا اقتضاء بھی یہی ہے کہ جزا و سزا اسی بدن کو ہو جس سے انسان نے کوئی نیکی یا گناہ کیا آخرت کے فیصلے کے لئے اللہ تعالیٰ کوئی نئے بدن نہ بنائیں گے انہی ریزہ ریزہ ہوئے ابدان کو پھر سے قبروں سے اٹھایا جائے گا۔

عذاب برزخ اور نعیم برزخ بھی جب اسی دنیا میں کئے گئے اعمال کی ایک چھوٹے درجے کی جزا و سزا ہے تو فطرت کا تقاضا ہے کہ وہ اس بدن سے ضرور متعلق ہو جس سے انسان نے کوئی نیکی یا کوئی گناہ کیا تھا جس اصول کی بنا پر آخرت میں یہ عنصری بدن مورد لطف و بطش ہوگا۔ اسی اصول پر عالم برزخ میں عذاب قبر اس بدن سے متعلق ہونا چاہئے جس سے انسان نے گناہ کئے ہیں۔ قرآن کریم سے عالم برزخ کا نشان اور عذاب قبر کا پتہ ہم آپ کو پہلے دے آئے ہیں آیئے اب ہم آپ کو احادیث سے بھی اس جہان اور اس کے کچھ حالات کی خبر دیں۔

عذاب قبر محدثین کی نظر میں

قرآن کریم کے بعد دوسری سند علمی ارشادات نبوت ہیں۔ پیشتر اس کے کہ ہم وہ احادیث پیش کریں جن میں حیات برزخ کی خبر دی گئی ہے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے اس باب میں کچھ مسلک محدثین کی وضاحت کر دی جائے تا معلوم ہو کہ یہ محض نقل واقعہ نہیں نہ یہ صرف احکام میت میں سے ہے بلکہ اسے سلفاً و خلفاً ہمیشہ سے ایک عقیدے کی حیثیت حاصل رہی ہے اور اہل سنت کے ہاں یہ مسئلہ ہمیشہ ایمان کا جزو سمجھا گیا ہے۔

---

[1] کما یشیر الیہ قول العارف الجامی أن المحشر یتساوی فیہ الحکمان فافهم

امام سلیمان بن اشعث ابوداؤد السجستانیؒ (۲۷۵ھ) صاحب السنن سے کون واقف نہیں۔ ائمہ صحاح ستہ میں فقہی دقت نظر کی بناء پر آپ کا خاص مقام ہے۔ آپؒ کی مرویات مجتہد کا ایک جامع ذخیرہ علم ہیں۔ آپ نے معتزلہ، کرامیہ، جبریہ، قدریہ اور شیعہ وخوارج کے بالمقابل عقائد اہل سنت کا پورا تحفظ کیا ہے اور سنن ابی داؤد میں کتاب السنۃ کے نام سے ایک مرکزی سلسلہ ابواب قائم کیا ہے۔ آپؒ اس میں یہ باب لائے ہیں:

"فی المسئلة فی القبر و عذاب القبر"

اس کے بعد آپ نے باب المیزان باندھا ہے (کہ اعمال تولے جائیں گے) پھر دجال کے ظہور کا باب ہے۔ یہ سب وہ مسائل ہیں جو ان دنوں معتزلہ اور اہل السنۃ کے مابین اختلافی مسائل تھے، معتزلہ نہ سوال فی القبر کے قائل تھے نہ عذاب قبر کے۔ امام ابوداؤدؒ نے عذاب قبر کو کتاب السنۃ میں لاکر اسی طرف اشارہ کیا ہے کہ اس کا انکار اعتزال کا ایک کھلا نشان ہے اور جو اس کا قائل نہیں وہ اہل سنت میں سے نہیں۔

امام مسلمؒ (۲۶۱ھ) صحیح مسلم میں کتاب صفۃ المنافقین واحکامھم (ج ۲، ص ۳۶۸) اور کتاب الجنة وصفة نعیمها واهلها (ج ۲، ص ۳۷۸) کے تحت اثبات عذاب القبر کو لائے ہیں۔ باب باندھنے والے نے گو یہاں دو بڑے باب باندھے ہیں۔ لیکن آخری باب الامر بحسن الظن باللہ تعالیٰ عند الموت (ج ۲، ص ۳۸۷) اور باب لن یدخل احد الجنة بعمله بل برحمة الله (ج ۲، ص ۳۷۶) پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ساری بحث ایک ہے اور کتاب صفة المنافقین و أحكامهم (ج ۲، ص ۳۶۷) کے تحت ہے اور وہی (منافقین) عالم برزخ میں میت کو (جنت یا دوزخ کے) ٹھکانہ دکھائے جانے اور عذاب قبر کے منکر ہیں۔ صحیح مسلم کا باب عرض مقعد المیت من الجنة والنار علیه واثبات عذاب القبر والتعوذ منه (صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۸۵) بتارہا ہے کہ محدثین نے اسے ہمیشہ اہل السنۃ کے اصولی مسائل میں جگہ دی ہے، اسے محض ایک انکشاف یا نقل واقعہ کا درجہ نہیں دیا۔ بلکہ اثبات عذاب القبر سے معتزلہ پر حجت تمام کی ہے۔ اس کے بعد صحیح مسلم میں کتاب الفتن ہے۔

حضرت امام بخاریؒ (۲۵۶ھ) نے جہاں اور فتنوں سے اللہ کی پناہ میں آنے کے باب باندھے ہیں ان میں آپ باب التعوذ من عذاب القبر لائے ہیں۔ آپؒ نے اسی میں عذاب قبر کی احادیث لکھی ہیں اور ان تمام فتنوں سے پناہ مانگی ہے۔

امام نسائیؒ (۳۰۳ھ) سنن نسائی میں اسے کتاب الاستعاذہ میں لائے ہیں۔ پہلے الاستعاذة من عذاب القبر کا باب ہے، پھر باب الاستعاذة من عذاب جهنم۔

یہ ترتیب بتاتی ہے کہ عذاب جہنم سے پہلے ایک چھوٹا عذاب ہے۔ یہی عذاب برزخ ہے اور یہی عذاب قبر۔

امام ترمذیؒ (۲۷۹ھ) عذاب قبر کی احادیث نو صحابہؓ سے مروی بتاتے ہیں یہ نو کی نو مرفوع ہیں اور حضور ﷺ سے مروی ہیں آپ لکھتے ہیں: "وفی الباب عن علی و زید بن ثابت و ابن عباس و البراء بن عازب و ابی ایوب و انس و جابر و عائشة و ابی سعید کلهم رووا عن النبی ﷺ فی عذاب القبر" (جامع ترمذی ج ۱ ص ۱۲۷)

ان حضرات کے علاوہ احادیث عذاب قبر حضرت ابوہریرہ، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ سے بھی مروی ہیں۔

صحاح ستہ ایک طرف رہیں، مشکوٰۃ تو ہر عالم کے پاس ہوتی ہے اس میں دیکھ لیں، خطیب تبریزی عذاب القبر کا باب کتاب الایمان میں لائے ہیں جس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ عقیدہ عذاب قبر کو ہمیشہ ایمان کی حیثیت حاصل رہی ہے۔ مشکوٰۃ کتاب الایمان میں پانچ باب ہیں:

۱...... الکبائر و علامات النفاق	
۲...... الوسوسہ	۳...... الایمان بالقدر
۴...... اثبات عذاب القبر	۵...... الاعتصام بالکتاب والسنۃ

آپؒ نے اثبات عذاب القبر کو الایمان بالقدر کے ساتھ لا کر اس پر متنبہ کیا ہے کہ جس طرح تقدیر کا انکار معتزلہ کا موقف ہے عذاب قبر کے منکرین بھی معتزلہ میں شمار ہوں گے۔ محدثینؒ کی یہ تنبیہ معتزلہ کے بدی عقائد سے بچنے کے لئے ہے۔

محدثینؒ کا مسلک کھل کر آپ کے سامنے آچکا ہے جو بات بارہ صحابہؓ سے مروی ہو اس کے تواتر میں کیسے شبہ ہوسکتا ہے؟ یہ کوئی خبر واحد نہیں کہ اس کا انکار کفر نہ ہو۔ اب ہم یہاں دس بزرگوں کی روایات پیش کرتے ہیں جنہوں نے عذاب قبر کی احادیث خود آنحضرت ﷺ سے روایت کی ہیں۔

عذاب قبر پر احادیث کی روشنی میں محدثینؒ کی شہادت

قرآن کریم کی شہادت کھل کر آپ کے سامنے آچکی ہے۔ اب آیئے حدیث کی روشنی میں عالم برزخ کا کچھ پتہ لگائیں اور جاننے کی کوشش کریں کہ کہ برزخ کے یہ حالات اور اس کے ثواب وعذاب کی واردات کہاں اور کس طرح واقع ہوتی ہیں اور یہ کہ یہ احادیث کس پائے کی ہیں؟...... اس کے بعد ان شاء اللہ اس پر بحث ہوگی کہ امت نے پچھلے چودہ سو سال میں اس عقیدے کو کس درجے اور کس تفصیل سے قبول کیا ہے۔

۱...... حضرت عبداللہ بن عباس ﷺ فرماتے ہیں: ''مر النبی ﷺ بقبرین فقال انهما لیعذبان و ما یعذبان فی کبیر أما أحدهما فکان لایستتر من البول و أما الآخر فکان یمشی بالنمیمة ثم اخذ جریدة رطبة فشقها نصفین فغرز فی کل قبر واحدة قالوا یارسول اللہ لم فعلت هذا قال لعله یخفف عنهما مالم ییبسا''

(صحیح بخاری ج۱ ص ۳۵، صحیح مسلم ج۱ ص ۱۴۱)

ترجمہ: آنحضرت ﷺ دو قبروں کے پاس سے گزرے۔ آپ نے بتایا کہ ان دو کو عذاب ہو رہا ہے اور وہ کسی بڑے گناہ پر نہیں، ایک تو پیشاب کی چھینٹوں سے بچاؤ نہیں کرتا تھا اور دوسرا چغلی کھانے کا رسیا تھا۔

پھر آپ ﷺ نے کھجور کی ایک ٹہنی لی اور اس کو دو حصوں میں کاٹا اور دونوں ٹکڑے ایک ایک قبر میں گاڑ دیئے۔ صحابہؓ نے اس کی وجہ پوچھی تو آپ ﷺ نے فرمایا شاید جب تک یہ ٹہنیاں سبز رہیں ان سے عذاب ہلکا رہے۔

اس حدیث میں یہ امور پیش نظر رہیں: (۱) یہ حدیث کسی نادر کتاب کی نہیں، حدیث کی اول درجے کی کتابوں میں ہے۔ (۲) آنحضرت ﷺ نے ان دو شخصوں کو انہی گڑھوں میں عذاب ہوتے پایا جنہیں ظاہری قبریں کہا جاتا تھا، کسی اور عالم غیب کی خبر نہیں دی جو ان قبروں سے بالکل لاتعلق ہو اور وہاں ان کو عذاب ہو رہا ہو۔ (۳) پھر آپ نے کھجور کی شاخیں بھی انہی قبروں پر رکھیں جنہیں عرف عام میں قبر کہا جاتا ہے۔ کیا آپ یہ شاخیں

مقام سجین پر رکھ رہے تھے؟ یہ اسی نشان قبر کی بات ہے! (۴) یہ عذاب جو انہیں ہو رہا تھا حشر کے بعد نہیں، جسے عذاب آخرت کہتے ہیں، یہ عالم برزخ کی واردات ہے اور اسے ہی عذاب قبر کہتے ہیں۔ یہ عذاب اکبر سے پہلے ایک چھوٹا عذاب ہے۔

۲...... حضرت زید بن ثابتؓ فرماتے ہیں: ''بینما النبی ﷺ فی حائط لبنی النجار علی بغلة له و نحن معه اذ حادت به فکادت تلقیه و اذا اقبر ستة او خمسة او اربعة... فقال من یعرف اصحاب هذه الاقبر فقال رجل انا قال متی مات هؤلآء قال ماتوا فی الاشراک فقال ان هذه الامة تبتلی فی قبورها فلو لا ان لا تدافنوا موتاکم لدعوت الله ان یسمعکم من عذاب القبر الذی اسمع منه'' (صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۸۶، سنن ابی داؤد ج)

ترجمہ: حضور ﷺ ایک خچر پر سوار ہوئے بنونجار کے ایک باغ سے گزر رہے تھے اور ہم آپ ﷺ کے ساتھ تھے کہ خچر یکایک بدکا قریب تھا کہ وہ حضور ﷺ کو اتار ڈالتا وہاں چھ یا پانچ قبریں تھیں۔ آپ نے پوچھا کوئی ان قبروں والوں کو جانتا ہے؟ ایک شخص نے کہا میں جانتا ہوں، آپ ﷺ نے پوچھا یہ کب کے لوگ ہیں؟ اس نے کہا، دورِ شرک کے، آپ ﷺ نے فرمایا یہ لوگ اپنی قبروں میں ابتلاء میں گھرے ہیں۔ یہ ڈر نہ ہوتا کہ تم اپنے مردوں کو دفن کرنا چھوڑ دو گے تو میں خدا سے دعا کرتا کہ وہ یہ عذاب قبر تمہیں بھی سنا دے جو میں سن رہا ہوں۔

اس حدیث میں بھی یہ امور پیش نظر رہیں: (۱) یہ حدیث کس پائے کی کتاب میں ہے۔ صحیح مسلم اول درجے کی دو کتابوں میں سے ایک ہے۔ اس کے ساتھ امام ابو داؤدؒ نے اپنی سنن میں اسے روایت کیا ہے۔ (۲) آنحضرت ﷺ نے وہیں اس عذاب قبر کی آوازیں سنیں جہاں یہ ظاہری قبریں تھیں۔ سو ان گڑھوں کو عالم برزخ سے بے تعلق نہیں کیا جا سکتا۔ یہی قبر مومن کے لئے دور تک وسیع کر دی جاتی ہے گو ہم اس کا ادراک نہ کر سکیں لیکن اس عدم ادراک سے اس نتیجہ پر پہنچنا کہ یہ گڑھا قبر ہے ہی نہیں ہرگز درست نہیں۔ ہاں یوں کہئے اس کا دوسرا کنارا عالم غیب میں ہے کیونکہ ہم اسے محسوس نہیں کر رہے ہیں...... اس کے بغیر ان احادیث صحیحہ صریحہ کی تکذیب لازم آتی ہے۔ العیاذ باللہ الکریم! (۳) اللہ کے سنانے سے ان آوازوں کا صحابہؓ کو بھی سنایا جانا ممکن تھا۔ حضور ﷺ دعا کرتے تو ہو سکتا ہے صحابہؓ بھی انہیں سن پاتے۔ حضور ﷺ کا انہیں سننا بھی اللہ کے ہی سنانے سے تھا منوں مٹی کے نیچے سے آوازیں سنی جائیں یہ اسماع الٰہی سے ہے بندہ اسباب سے اتنے دور سے نہیں سن پاتا۔ (۴) حضور ﷺ اس دنیا سے مٹی کے اتنے گہرے فاصلے سے برزخ کی آوازیں باسماع الٰہی سن سکتے ہیں۔ تو جب حضور ﷺ خود عالم برزخ (اپنی قبر شریف) میں ہوں تو یہاں کی سلام معروض کو باسماع الٰہی کیوں نہیں سن سکتے؟ اس میں کونسا عقلی یا شرعی استبعاد ہے جو اس کا انکار کیا جائے۔ (۵) حضور ﷺ نے اگلے جہاں کی آوازیں تو سن لیں لیکن یہ لوگوں سے دریافت فرمایا کہ یہ لوگ کون تھے؟ یہ اس لئے کہ پہلی بات کشف اور مشاہدہ سے تعلق رکھتی ہے اور دوسری علم سے ...... غیب کی بات جب تک اللہ تعالیٰ نہ بتائیں از خود اسے جان لینا یہ کسی کے بس میں نہیں نہ غیب جاننے کی چابی اللہ رب العزت نے کسی کو دی ہے۔ (۶) اس خچر کا اس عذاب قبر کو سن پانا اور صحابہؓ کا اسے نہ سننا یہ کسی حکمت الٰہیہ کے سبب تھا۔ نہ اس لئے کہ خچر کا درجہ اور مرتبہ کوئی زیادہ ہے۔ سو اس قسم کے جاہلی استدلالات کہ شیطان کو مشرق و مغرب میں جو وسعت پرواز حاصل ہے وہ اولیاء اللہ کو کیوں نہیں یہ ہرگز کسی اخلاص اور تحقیق پر مبنی نہیں، نہ انسانوں کو جنات و ملائکہ یا حیوانات اور پرندوں پر قیاس کیا جا سکتا ہے۔

۳...... حضرت براء بن عازب ؓ فرماتے ہیں: ''ان رسول اللہ ﷺ قال المسلم اذا سئل فی القبر یشھد ان لا الہ الا اللہ وان محمدا رسول اللہ فذلک قولہ یثبت اللہ الذین امنوا بالقول الثابت فی الحیوۃ الدنیا وفی الآخرۃ'' (صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۸۲، سنن ابی داؤد ج ۲ ص ۶۵۳)

ترجمہ: بے شک حضور ﷺ نے فرمایا مسلمان سے جب قبر میں سوال ہوتا ہے وہ کلمہ شہادت پڑھتا ہے سو یہاں اللہ تعالیٰ کی بات پوری ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو قول ثابت میں ثابت قدم رکھتا ہے دنیا میں اور آخرت میں (یہ قبر آخرت کی پہلی منزل ہے)

۴...... حضرت انس ؓ فرماتے ہیں: ''قال قال رسول اللہ ﷺ ان العبد اذا وضع فی قبرہ وتولی عنہ اصحابہ انہ یسمع قرع نعالھم اتاہ ملکان فیقعدانہ فیقولان... واما المنافق والکافر... فیقال لہ لا دریت ولا تلیت ویضرب بمطارق من حدید ضربۃ فیصیح صیحۃ یسمعھا من یلیہ غیر الثقلین متفق علیہ''

(مشکوۃ ص ۲۵ ابوداؤد ج ۲ ص ۶۵۴ سنن نسائی ج ۱ ص ۲۸۸)

ترجمہ: آنحضرت ﷺ نے فرمایا میت کو جب قبر میں رکھا جاتا ہے اور اس کے ساتھی اسے چھوڑ آتے ہیں اور وہ ان کے جوتوں کی آواز سنتا ہے تو اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اسے بٹھاتے ہیں اور اس سے سوال وجواب کرتے ہیں جو منافق اور کافر ہوتا ہے اسے کہتے ہیں نہ تو نے بات خود سمجھی نہ کسی دوسرے سمجھنے والے کے پیچھے چلا، پھر اسے لوہے کے ہتھوڑوں سے مارتے ہیں اور وہ چیختا ہے ایسی چیخ کہ اسے سب پاس والے سنتے ہیں انسانوں اور جنات کے علاوہ۔

اس حدیث میں ان امور پر نظر رہے: (۱) یہ واقعہ کس قبر میں پیش آتا ہے؟ جس میں میت کو اتارا جاتا ہے اور جس سے اس کے ساتھی رخصت ہوتے ہیں اور وہ ان کے جانے کی آواز سنتا ہے۔ (۲) فرشتے اس کے پاس کس قبر میں آتے ہیں؟ جس میں اسے پکارا گیا اور جہاں اسے چھوڑ کر اس کے ساتھی چل دیئے۔ اگر یہ فرشتے علیین میں اس کے پاس آئے ہوں تو اسے اس طرح بیان نہ کیا جاتا۔ (۳) وہ فرشتے اسے بٹھاتے ہیں۔ یہ اس کا بیٹھنا عالم دنیا کا نہیں نہ یہاں کے حواس سے اسے دیکھا جا سکتا ہے، یہ عالم برزخ کا معاملہ ہے جو اسی قبر میں اسی بدن سے پیش آرہا ہے۔ گو یہاں سے جھانکنے والے کو وہاں کچھ بھی ہوتا دکھائی نہ دے۔ (۴) کافر اور منافق کی سزا کو وہی سن سکتے ہیں جو اس قبر کے زیادہ قریب ہوں یسمعھا من یلیہ...... سو عذاب اسی قبر میں ہو رہا ہے گو یہ اتنی تنگ ہو رہی ہو کہ اس کی پسلیاں اس میں پس جائیں اور دیکھنے والے کو وہ ویسی ہی دکھائی دے۔

۵...... حضرت عبداللہ بن عمر ؓ فرماتے ہیں: ''قال قال رسول اللہ ﷺ ان احدکم اذا مات عرض علیہ مقعدہ بالغداۃ والعشی ان کان من اھل الجنۃ فمن اھل الجنۃ وان کان من اھل النار فمن اھل النار فیقال ھذا مقعدک حتی یبعثک اللہ الیہ یوم القیمۃ'' (مشکوۃ ص ۲۵، سنن نسائی ج ۱ ص ۲۹۱)

ترجمہ: آنحضرت ﷺ نے فرمایا تم میں سے جب کوئی مر جائے تو اسے (عالم برزخ میں) اس کا ٹھکانہ (جہاں اس نے جانا ہے) صبح وشام دکھایا جاتا ہے اگر وہ اہل جنت میں سے ہے تو وہ اہل جنت میں دکھایا جاتا ہے اور اگر وہ جہنم والوں سے ہے تو اسے اس کا ٹھکانہ جہنم میں دکھایا جاتا ہے اور اسے کہا جاتا ہے یہ تمہارا ٹھکانہ ہے یہاں تک کہ تجھے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنے ہاں لے آئے۔

قیامت تک کا یہ منظر عالم برزخ کا منظر ہے۔ اس میں بدن مدفون صبح وشام اپنا آخرت کا ٹھکانہ دیکھتا ہے۔ اگر روح اس جسد مدفون سے بالکل بے تعلق ہے تو کیا روح کی آنکھیں اسے علیین اور سجین سے دیکھ رہی ہیں؟ پھر اس قبر سے اس کا کیا تعلق اور کیا ان ٹھکانوں میں بھی جو دکھائے جاتے ہیں صرف روح ہی جائے گی کیونکہ یہ تو اسی کو کہا جارہا ہے، ھذا مقعدک فافھم!

۶ ...... (۱) حضرت ابو ہریرہ ؓ فرماتے ہیں: ''قال رسول اللہ ﷺ اذا اقبر المیت اتاہ ملکان اسودان ازرقان یقال لاحدھما المنکر وللآخر النکیر فیقولان ... وان کان منافقا... فیقال للارض التئمی علیه فتلتئم علیه فتختلف اضلاعه فلا یزال فیھا معذبا حتی یبعثه اللہ من مضجعه ذلک رواہ الترمذی'' (مشکوۃ ص ۲۵)

ترجمہ: آنحضرت ﷺ نے فرمایا جب میت قبر میں اتاری جاتی ہے تو اس کے پاس دو سیاہ رنگ نیلی آنکھوں والے فرشتے منکر اور نکیر آتے ہیں اور اس سے سوال جواب کرتے ہیں اگر وہ منافق ہو تو زمین کو کہا جاتا ہے کہ اس پر توسمٹ آ وہ اس پر سمٹ آتی ہے یہاں تک کہ اس کی پسلیاں ایک دوسری میں دھنس جاتی ہیں۔ اسے اسی طرح عذاب ہوتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اسے اس کی اس قبر سے اٹھادے۔

(۲) حضرت ابو ہریرہ ؓ یہ بھی فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے نصیحت فرمائی: ''استعیذوا باللہ من خمس: ۱: من عذاب جھنم ۲: وعذاب القبر ۳: وفتنة المحیا ۴: والممات ۵: وفتنة المسیح الدجال'' (سنن نسائی)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی پانچ چیزوں سے پناہ مانگو، ۱: عذاب جہنم سے (جو آخرت میں ہوگا)، ۲: عذاب قبر سے (جو برزخ میں ہوگا)، ۳: زندگی کے فتنہ سے، ۴: موت کے فتنہ سے (یہ کہ خاتمہ خیر پر ہو) اور ۵: مسیح دجال کے فتنہ سے۔

(۳) آپ ؓ نے حضور ﷺ سے یہ بھی نقل فرمایا کہ آپ نے کہا: ''ان المیت یصیر الی القبر فیجلس الرجل الصالح فی قبرہ... الحدیث'' (سنن ابن ماجہ ص ۳۲۵)

ترجمہ: میت قبر میں جاتی ہے نیک آدمی کو اس کی قبر میں بٹھادیا جاتا ہے اس طرح کہ اسے کوئی گھبراہٹ اور پریشانی نہیں ہوتی پھر اس سے پوچھا جاتا ہے تو کس حال میں رہا وہ کہتا ہے فی الاسلام، پھر اسے حضور ﷺ کے بارے میں پوچھا جاتا ہے وہ حضور ﷺ کا نام لیتا ہے کہ آپ ہمارے پاس روشن معجزات کے ساتھ آئے اور ہم نے آپ کی تصدیق کی (اسے پھر یہاں اپنا آخرت کا ٹھکانہ دکھایا جاتا ہے)

۷ ...... حضرت جابر بن عبداللہ انصاری ؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''اذا ادخل المیت القبر مثلت له الشمس عند غروبھا فیجلس یمسح عینیه ویقول دعونی اصلی رواہ ابن ماجه'' (مشکوۃ ص ۲۶)

ترجمہ: جب میت کو قبر میں داخل کیا جاتا ہے تو اس کے سامنے غروب آفتاب کا منظر لایا جاتا ہے وہ اپنی آنکھیں پونچھتا ہوا بیٹھتا ہے اور کہتا ہے مجھے نماز پڑھنے دو۔

کاش! کہ یہ کرم فرما قبر میں نماز پڑھنے کو مذاق بتانے کی بجائے اس فرمودہ رسالت پر غور کرتے۔

۸ ...... حضرت جابر ؓ کہتے ہیں: حضور ﷺ نے جب حضرت سعد بن معاذ ؓ کی نماز جنازہ پڑھائی اور آپ کو قبر میں اتار دیا گیا اور آپ پر مٹی برابر کردی گئی، حضور ﷺ دیر تک تسبیح پڑھتے رہے ہم بھی آپ کے ساتھ تسبیح پڑھتے رہے پھر آپ نے تکبیر کہی ہم نے بھی آپ کے ساتھ تکبیر کہی...... پھر ہم نے آپ سے اس تسبیح وتکبیر کا سبب پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''لقد تضایق علی ھذا العبد الصالح قبرہ حتی فرجه اللہ عنه'' (ایضا)

ترجمہ: اس نیک بندے پر قبر تنگ ہو رہی تھی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اس سے کشائش بخشی۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ بڑے بڑے صلحاء کو بھی اس منزل سے گزرنا پڑتا ہے اور یہ کہ اس کے قریب اللہ رب العزت کی تسبیح و تقدیس کی جائے تو اللہ رب العزت اس سختی کو معاف فرما دیتے ہیں۔

حضور ﷺ کہاں کھڑے رہے؟ اسی گڑھے کے پاس جس کو عرفِ عام میں گڑھا کہتے ہیں یا یہ سب معاملہ مقامِ علیین میں ہو رہا تھا جہاں صلحاء کی ارواح حاضری دیتی ہیں؟

۹...... حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ کہتی ہیں: ''قام رسول اللہ ﷺ خطیبا فذکر فتنۃ القبر التی یفتن فیھا المرء فلما ذکر ضج المسلمون ضجۃ رواہ البخاری'' (ایضا)

ترجمہ: آنحضرت ﷺ خطبہ پر کھڑے ہوئے اور آپ نے فتنہ قبر کا ذکر کیا جس میں آدمی مبتلا کیا جائے گا آپ نے جب یہ ذکر فرمایا تو مسلمان (اس کی گھبراہٹ سے) چیخ اٹھے۔

کیا حضور ﷺ اس وقت کسی آسمانی قبر کا ذکر کر رہے تھے یا یہ اسی قبر کا ذکر تھا جسے لوگ قبر سمجھتے تھے؟ سنن نسائی میں یہ زیادہ ہے کہ اسماء بنت ابی بکرؓ آپ کی بات آخر تک نہ سن سکیں، آپ نے ایک دوسرے شخص سے پوچھا کہ آنحضرت ﷺ نے آخر میں کیا فرمایا تھا اس نے بتایا کہ آپ نے کہا: ''قد اوحی الی انکم تفتنون فی القبور قریبا من فتنۃ الدجال'' (سنن نسائی ج ۱ ص ۲۹۰)

ترجمہ: مجھے وحی کے ذریعہ بتایا گیا ہے کہ تم اپنی قبروں میں آزمائش میں ڈالے جاؤ گے یہ آزمائش فتنہ دجال کی آزمائش کے قریب قریب ہوگی۔

حضرت امام بخاریؒ نے اس پر باب التعوذ من عذاب القبر باندھا ہے۔ ام خالد کہتی ہیں میں نے کسی صحابیؓ سے اس کے خلاف کچھ نہیں سنا جسے اس نے حضور ﷺ سے روایت کیا ہو: ''لم اسمع احدا سمع من النبی ﷺ غیرھا'' (صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۴۲)

اس کا مطلب اس کے سوا کیا ہے کہ حضور ﷺ کے صحابہؓ میں سے کسی نے اس مسئلہ سے (عذاب القبر) سے اختلاف نہیں کیا نہ اس میں اختلاف کی کوئی گنجائش موجود تھی۔

۱۰...... ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کہتی ہیں میرے پاس دو بوڑھی یہودی عورتیں آئیں اور مجھے بتایا اُھل القبور یعذبون فی قبورھم کہ فوت شدگان کو ان کی قبور میں عذاب ہوتا ہے میں نے ان کی تصدیق نہ کی اور یہ مجھے اچھا نہ لگا کہ میں یہود کی تصدیق کروں۔ وہ چلی گئیں اور حضور ﷺ تشریف لے آئے میں نے حضور ﷺ سے سارا واقعہ عرض کیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا ان دونوں نے سچ کہا ہے: ''انھم یعذبون عذابا تسمعہ البھائم کلھا''

ترجمہ: وہ ایسا عذاب پا رہے ہیں جسے سب چوپائے سن رہے ہیں صرف انسانوں اور جنوں سے وہ عذاب پردے میں رکھا گیا ہے۔

ام المومنینؓ کہتی ہیں کہ اس کے بعد حضور ﷺ نے کسی نماز میں اس دعا کو نہیں چھوڑا۔ آپ ہر نماز کے بعد اعوذ بک من عذاب القبر پڑھتے تھے۔

بہائم (چوپائے) کہاں رہتے ہیں؟ زمین پر...... کیا یہ سجین میں عذاب سننے جاتے ہیں یا اسی زمین پر قبروں سے گزرتے ہوئے یہ آوازیں ان تک پہنچتی ہیں؟

نہایت افسوس ہے کہ ایک پیر طریقت نے یہاں بھی مثالی ابدان کی بات چلا رکھی ہے اور اس ظاہری قبر کو وہ قبر ماننے کے لئے تیار نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ (اس زمین کے) دراصل چوپائے اِن عذاب یافتہ لوگوں کی آوازیں نہیں سنتے۔ ان کے مثالی ابدان مقام سجین پر لے جائے جاتے ہیں وہ وہاں عذاب یافتہ لوگوں کی آہ و بکا سنتے ہیں۔ ان قبروں (اس زمین پر نظر آنے والی قبروں) کا اس عذاب سے کوئی تعلق نہیں۔ نہ یہ گڑھے قبریں ہیں۔ یہاں کسی کو عذاب نہیں ہوتا۔ نہ یہاں چوپائے کوئی عذاب قبر سنتے ہیں۔

ان سے پوچھا گیا کہ حضور ﷺ نے ان معذبین کی آوازیں کہاں سے سنی تھیں؟ انہی گڑھوں سے یا مقام سجین سے؟ اس پر پیر طریقت نے فرمایا: حضور ﷺ کی روحانیت بہت اونچی ہے، آپ یہیں سے (اس زمین سے) مقام سجین کی آوازیں سن رہے تھے آوازیں وہاں سے آرہی تھیں مگر آپ کو اس طرح محسوس ہوتا تھا گویا انہی قبروں سے سن رہے ہیں۔

پھر آپ سے پوچھا گیا کہ حضور ﷺ نے جب پوچھا تھا کہ یہ کن کی قبریں ہیں؟ تو کیا آپ نے ان گڑھوں کی طرف اشارہ کر کے نہ پوچھا تھا "یہ کن کی قبریں ہیں" ہم کیسے مان لیں کہ ان گڑھوں کا قبر سے کوئی تعلق نہیں ہوتا؟ اس پر پیر طریقت لاجواب ہو گئے۔

***

قبر کی واردات

اسلام کا چودہ سو سال کا مسلسل اعتقاد

حدیث کی ان روشن شہادتوں سے یہ بات واضح ہے کہ یہ قبریں صرف گڑھے نہیں ہیں۔ یہ وہ اسرار گاہیں ہیں جن میں قدرت باری کا نقشہ کھل کر سامنے آتا ہے۔ آیئے اب ان واردات پر اسلام کی چودہ صدیوں کی شہادت لیں۔ اہل اسلام نے اپنی تاریخ کے کسی موڑ پر اس حقیقت کا انکار نہیں کیا کہ عذاب قبر برحق ہے۔ قبر ظاہر میں تو ایک گڑھا ہے مگر اس میں وہ لاتعداد ہنگامے سو رہے ہیں کہ یہاں کی آنکھ نہ انہیں دیکھ سکے نہ یہاں کے کان انہیں سن سکیں۔ مسلمان قرآن و حدیث کی روشنی میں انہیں تسلیم کر کے ایمان بالغیب کی لذت پاتا ہے۔

نو جلیل القدر صحابہؓ کی گواہی جامع ترمذی کے حوالے سے آپ دیکھ آئے ہیں۔ یہ اسلام کی پہلی صدی کی آواز ہے۔ ہم نے اس پر کچھ اور شہادتیں بھی پیش کی ہیں۔ آیئے اب ہم آپ کو دوسری صدی ہجری میں لے چلیں۔

دوسری صدی کی شہادت

پہلی صدی کے اختتام پر حضرت امام ابوحنیفہؒ کی عمر بیس سال کی تھی۔ آپ نے حضرت انس بن مالکؓ (۹۱ھ) جو حدیث احوال برزخ کے راوی بھی ہیں، کی زیارت بھی کی تھی[۱]۔ آپ کے درس و تدریس کا دور دوسری صدی کا نصف اوّل ہے۔ آپؒ نے کوفہ و بصرہ کے جبر و قدر کے معرکے اور اعتزال و ارجاء کے فتنوں کو قریب سے

---

[۱] رای انس بن مالک غیر مرة لما قدم علیهم الکوفة (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۵۸)

دیکھا تھا۔ آپ نے عقائد اہل سنت کے تحفظ کے لئے اور حضور ﷺ کی امت کو عقائد بدعت سے بچانے کے لئے عقائد اسلام پر ایک چھوٹا سا رسالہ لکھا عقائد اسلام پر یہ اس امت کی سب سے پہلی تحریر ہے۔ آپ کے نزدیک احکام کی فقہ، دراصل فقہ اصغر ہے اور عقائد کی فقہ، فقہ اکبر ہے۔ آپ نے یہی نام اپنے رسالہ کو دیا جس کی بڑے بڑے محدثین نے شرحیں لکھی ہیں۔ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ (۱۵۰ھ) اس میں قبر کی واردات کا یوں ذکر کرتے ہیں: ''واعادة الروح الی العبد فی قبرہ حق'' (شرح الفقہ الاکبر ص ۱۲۰)

ترجمہ: اور روح کا بندہ کی طرف لوٹایا جانا برحق ہے۔

تیسری صدی کی شہادت

تیسری صدی جلیل القدر ائمہ حدیث کی صدی ہے۔ حضرت امام احمدؒ (۲۴۱ھ) لکھتے ہیں: ''الایمان بالحوض والشفاعة والایمان بمنکر ونکیر وعذاب القبر والایمان بملک الموت بقبض الارواح ثم ترد فی الاجساد فی القبور فیسألون عن الایمان والتوحید'' (کتاب الصلوٰۃ للامام احمد بن حنبل ص ۴۵)

ترجمہ: حوض کوثر، شفاعت، قبر میں منکر ونکیر کا آنا، عذابِ قبر، اس بات پر ایمان لانا کہ ملک الموت روحیں قبض کرتا ہے پھر یہ روحیں قبروں میں اپنے اجساد میں لوٹائی جاتی ہیں اور وہاں ایمان اور توحید کے بارے میں پوچھ لیا جاتا ہے (یہ سب امور برحق ہیں)

پھر امام بخاری (۲۵۶ھ)، امام مسلم (۲۶۱ھ)، امام ابوداؤد (۲۷۵ھ) اور امام ترمذی (۲۷۹ھ) کی شہادتیں بھی آپ کے سامنے آچکیں۔ اب آیئے اس تسلسل کو چوتھی صدی میں دیکھیں۔

چوتھی صدی شہادت

حافظ ابن جریر الطبریؒ (۳۱۰ھ) لکھتے ہیں: ''ذکر قبض روح المومن فتعاد روحہ فی جسدہ ویاتیہ الملکان فیجلسانہ فی قبرہ فیقولان من ربک'' (تفسیر ابن جریر ج ۱۳ ص ۲۱۴)

ترجمہ: یہ مومن کی روح کے قبض ہونے کا بیان ہے پھر وہ روح (قبر میں) اس کے جسد میں لوٹائی جاتی ہے اور اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اسے (اس میت کو) قبر میں بٹھاتے ہیں اور پوچھتے ہیں تیرا رب کون ہے؟

امام ابوجعفر الطحاویؒ (۳۲۱ھ) جنہیں فقہاء کرام أعلم بمذہب أبي حنیفۃ وصاحبیہ (طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۳۴۲) لکھتے ہیں، رقمطراز ہیں: ''نؤمن بعذاب القبر ونعمه... وبسؤال منکر ونکیر للمیت فی قبرہ عن ربہ ودینہ ونبیہ علی ما جاءت بہ الأخبار عن رسول اللہ ﷺ وعن أصحابہ اجمعین والقبر روضة من ریاض الجنة او حفرة من حفر النیران'' (العقیدۃ الطحاویہ مع الشرح ص ۶۰)

ترجمہ: ہم عذاب قبر اور نعیم قبر پر ایمان لاتے ہیں ...... منکر ونکیر کا قبر میں تین سوال پوچھنا جیسا کہ آنحضرت ﷺ اور آپ کے سب صحابہؓ سے منقول ہے برحق ہے اور قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یا جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے۔

جو لوگ کہتے ہیں کہ یہ اس زمین کی قبر کو روضۃ من ریاض الجنۃ نہیں کہا گیا وہ قبر کہیں اور ہے تو وہ لازما

حضور اکرم ﷺ کے مدینہ کے روضہ منورہ کو بھی روضۃ من ریاض الجنۃ نہیں مانتے ہوں گے۔ حافظ ابو بکر الجصاص الرازیؒ (۳۷۰ھ) لکھتے ہیں: ''واذا جاز ان یکون المومنون قد احیوا فی قبورھم قبل یوم القیمۃ وھم منعمون جاز ان یحیی الکفار فی قبورھم فیعذبوا'' (احکام القرآن ج۱ ص۱۰۸)

ترجمہ: اور جب یہ جائز ہے کہ مومنین کو قیامت سے پہلے ان کی قبروں میں زندہ کیا جائے اور وہاں نعمت ربانی سے سرفراز ہوں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کافر بھی اپنی قبروں میں زندگی پائیں اور (اس زندگی سے) انہیں وہاں عذاب ملے۔

نعیم قبر اور عذاب قبر کی ان کیفیتوں کو ان قبروں سے یکسر بے تعلق سمجھنا کیا ظاہر شریعت کا انکار نہیں؟

پانچویں صدی کی شہادت

پانچویں صدی کے علماء میں امام بیہقی (۴۵۸ھ)، امام ابوالمظفر الاسفرائنی (۴۷۱ھ)، امام ابوالقاسم عبد الکریم القشیری (۴۶۵ھ)، حافظ ابن عساکر الدمشقی (۵۷۱ھ) اور امام غزالی (۵۰۵ھ) نے عقائد کی سرحدوں پر بڑا کام کیا ہے۔

ابوالمظفر طاہر بن محمد الاسفرائنیؒ لکھتے ہیں: ''اخبر انھم یحیون فی القبور وقد ورد فی معنی احیاء الموتی فی القبور مالا یحصی من الای والاخبار والآثار'' (التبصیر ص۱۵۸)

ترجمہ: آپ نے خبر دی ہے کہ انہیں قبروں میں زندگی ملتی ہے اور قبروں میں مردوں کو زندہ کیا جاتا ہے اس پر اتنی آیات اور احادیث اور آثار وارد ہیں کہ گنے نہیں جاسکتے۔

''وفیہ احادیث کثیرۃ عن النبی ﷺ فی ھذا الباب ان الملکین یجیئان فی القبر الی المیت ویحی اللہ المیت فیسألان عما ذکرنا وقد انکرت المعتزلۃ وعامۃ المبتدعۃ ھذا'' (اصول الدین ص۱۶۵)

ترجمہ: اور اس میں نبی کریم ﷺ سے احادیث کثیرہ منقول ہیں کہ قبر میں میت کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور اللہ تعالیٰ میت کو زندہ کر دیتا ہے اور وہ فرشتے اس سے وہ باتیں پوچھتے ہیں جو ہم نے ذکر کی ہیں۔ معتزلہ اور بدعتی لوگ قبر کے اس سوال وجواب کے منکر ہیں۔

اما غزالیؒ (۵۰۵ھ) لکھتے ہیں: ''واما عذاب القبر دلت علیہ قواطع الشرع اذ تواتر عن النبی ﷺ وعن الصحابۃ رضی اللہ عنھم بالاستعاذۃ منہ فی الادعیۃ واشتھر عنہ المرور بقبرین انھما لیعذبان ودل علیہ قولہ تعالیٰ وحاق بال فرعون سوء العذاب، النار یعرضون علیھا غدوا وعشیا وھو ممکن فیجب التصدیق بہ ووجہ امکانہ ظاھر وانما تنکر المعتزلۃ'' (الاقتصاد فی الاعتقاد ص۹۷)

ترجمہ: اور عذاب قبر کے ثبوت پر شریعت کے قطعی دلائل وارد ہیں اور آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرامؓ سے تواتر سے ثابت ہے کہ یہ حضرات اپنی دعاؤں میں عذاب قبر سے پناہ مانگتے رہے اور یہ بات آپ سے خبر مشہور کے درجہ میں ہے کہ آپ دو قبروں کے پاس سے گزرے جن میں مُردوں کو عذاب ہو رہا تھا اس برزخی عذاب پر قرآن کریم کی یہ آیت دلالت کرتی ہے ''اور گھیر لیا آل فرعون کو برے عذاب نے، آگ ہے جس پر وہ صبح وشام پیش کئے جاتے ہیں'' اور ایسا ہونا ممکن ہے سو ضروری ہے کہ اس کی تصدیق کی جائے اور اس کی وجہ امکان ظاہر ہے اور سوائے معتزلہ کے اس کا انکار کوئی نہیں کرتا۔

پھر یہ بھی لکھتے ہیں: ''ولا یبعدان تعاد الروح الی الجسد فی القبر ولا یبعدان توخر الی یوم البعث''
(احیاء العلوم ج ۴ ص ۴۰۹)

ترجمہ: اور بعید نہیں کہ قبر میں روح ہی جسد میں لوٹائی جاتی ہو اور یہ بھی بعید نہیں کہ اسے حشر تک مؤخر رکھا جائے (یعنی اس دوران روح کا بدن سے صرف تعلق ہو)

نوٹ: حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے بھی اس باب میں امام غزالیؒ سے تمسک کیا ہے اور ان کی تائید کی ہے۔ (حجۃ اللہ البالغہ ج ا ص ۱۴)

اب ذرا چھٹی صدی میں چلئے:

چھٹی صدی کی شہادت

علامہ برہان الدین المرغینانیؒ (۵۹۳ھ) صاحب الہدایہ فرماتے ہیں: ''من یعذب فی القبر یوضع فیہ الحیوۃ فی قول العامۃ'' (ہدایہ ج ۲ ص ۴۸۴)

ترجمہ: جسے قبر میں عذاب دیا جائے اس میں جمہور اہل سنت کے قول کے مطابق زندگی قائم کی جاتی ہے۔

ساتویں صدی کی شہادت

علامہ قرطبی ابوعبداللہ محمد بن احمدؒ (۶۷۱ھ) فرماتے ہیں: ''ان عذاب القبر و نعیمہ حق کما صرحت بہ الاحادیث الصحیحۃ ولکن اللہ تعالیٰ یاخذ بابصار الخلائق و اسماعھم من الجن و الانس عن رؤیۃ عذاب القبر و نعیمہ'' (مختصر تذکرہ القرطبی ص ۳۶)

ترجمہ: عذاب قبر اور نعیم قبر برحق ہے جیسا کہ احادیث صحیحہ نے اس کی تصریح کی ہے لیکن اللہ تعالیٰ عام انسانوں اور جنات کی آنکھوں کو اور ان کے کانوں کو عذاب قبر اور نعیم قبر سے روکے رکھتے ہیں (کہ وہ اسے دیکھ نہیں پاتے)

علامہ قرطبیؒ کی دوسری عبارت

''وقد اجمع اھل الکشف ان المیت یحس بظغطۃ القبر و یحس باختلاف اضلاعہ ولو کان فی بطون السباع و الطیور او کان قد حرق و ذری فی الریح فتحس کل ذرۃ بالألم ولو کانت متفرقۃ'' (ایضاً)

ترجمہ: سب اہل کشف اس پر متفق ہیں کہ میت قبر کے دباؤ کو محسوس کرتی ہے اور پسلیوں کے ایک دوسرے میں دھنسنے کو محسوس کرتی ہے گو وہ میت درندوں اور پرندوں کے پیٹوں میں ہی کیوں نہ ہو یا وہ جل کر خاک ہو گئی ہو اور خاک میں اڑ گئی ہو۔ اس میت کا ایک ایک ذرہ اس الم (عذاب قبر) کو محسوس کرتا ہے گو وہ میت متفرق ذرات میں ہی کیوں نہ بٹی ہو۔

امام نوویؒ (۶۷۶ھ) شرح صحیح مسلم میں برزخی عذاب کی یہ صورت بتلاتے ہیں: ''ثم المعذب عند اھل السنۃ الجسد بعینہ او بعضہ بعد اعادۃ الروح الیہ و الی جزء منہ و خالف فیہ محمد بن جریر و عبداللہ بن کرام و طائفۃ فقالوا لا یشترط اعادۃ الروح قال اصحابنا ھذا فاسد لان الالم و الاحساس انما یکون فی الحی قال اصحابنا و لا یمنع من ذلک کون المیت قد تفرقت اجزاءہ کما نشاھدہ فی العادۃ او اکلتہ السباع او حیتان

البحر او نحو ذلک فکما ان اللہ تعالیٰ یعیدہ للحشر وھو سبحانہ وتعالیٰ قادر علی ذلک فکذا یعید الحیوۃ الی جزء منہ وان اکلتہ السباع والحیتان'' (شرح صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۸۶)

ترجمہ: پھر اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک عذاب اس (دنیا والے) جسد کو پورے جسد کو یا بعض حصہ بدن کو اس میں روح لوٹنے کے بعد ہوتا ہے گو وہ اس کے کسی ایک جزو میں ہی کیوں نہ ہو۔ اس میں محمد بن جریر اور عبداللہ بن کرام (جو فرقہ کرامیہ کا بانی گزرا ہے) اور کچھ دوسرے لوگوں نے اختلاف کیا ہے وہ کہتے ہیں روح کا لوٹنا اس کے لئے شرط نہیں ہمارے اصحاب (اہل السنۃ والجماعۃ) کا کہنا ہے عذاب قبر میں یہ بات مانع نہیں کہ میت کے بدن کے اجزاء مختلف جگہوں میں بکھر گئے ہوں۔

جیسا کہ ہم روز دیکھتے ہیں یا اسے (میت کو) درندوں نے یا سمندر کی مچھلیوں نے کھالیا ہو یا ایسا ہی کوئی اور سبب واقع ہوا ہو۔ سو جیسے اللہ تعالیٰ ان ذرات منتشرہ کو حشر کے دن لوٹائے گا اور اللہ تعالیٰ جو ہر کمزوری سے پاک ہے اور وہ اس پر قادر ہے سو اسی طرح اللہ تعالیٰ اس میں (گو اس کے کسی ایک حصہ بدن میں کیوں نہ ہو) حیات لوٹا دیتا ہے گو اسے درندے اور مچھلیاں کھا چکے ہوں۔

اس عبارت میں امام نوویؒ نے محمد بن جریر اور عبداللہ بن کرام کے مقابلہ میں جن علماء کو پیش کیا ہے انہیں اُصحابنا کہہ کر پیش کیا ہے اور دو دفعہ ایسا کہا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ دونوں حضرات ان کے نزدیک اہل سنت کے افراد نہیں ورنہ ان کے مقابلے میں وہ قال اُصحابنا کی تعبیر اختیار نہ کرتے۔ سو جاننا چاہئے کہ اس محمد بن جریر سے مراد ابن جریر طبری نہیں ابن جریر کرامی ہے جسے علماء کرام شیعہ لکھتے ہیں۔ کرامیہ اور شیعہ دونوں تقیہ کے قائل ہیں اور جھوٹ بولنا جائز سمجھتے ہیں...... سو ہم صاحب نبراس سے اتفاق نہیں کر سکتے جو اسے اہل سنت میں سے سمجھتے ہیں۔

یہ اس صورت میں ہے کہ نبراس ص ۳۲۲ میں یہ اضافہ کسی نقل نویس کا نہ ہو۔ واللہ أعلم وعلمہ أتم وأحکم!

تفسیر ابن جریر طبری ج ۱۳، ص ۲۱۴ میں عقیدہ اہل سنت کی کھلی تائید موجود ہے۔ امام نسفیؒ (۷۰۱ھ) بھی لکھتے ہیں: ''عند العامہ توضع فیہ الحیوۃ بقدر ما یتألم والحیاۃ المطلقۃ وقیل توضع فیہ الحیوۃ من کل وجہ'' (الکافی شرح الوافی)

ترجمہ: جمہور اہل سنت کے نزدیک میت میں اس قدر حیات ڈال دی جاتی ہے کہ وہ نعیم والم کا ادراک کر سکے وہ مطلق حیات ہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ہر پہلو سے اس میں حیات لوٹائی جاتی ہے۔

آٹھویں صدی کی شہادت

علامہ صدر الدین الحنفیؒ (۷۷۴ھ) شارح عقیدہ طحاویہ رقمطراز ہیں: ''وکذلک عذاب القبر یکون للنفس والبدن جمیعاً باتفاق اہل السنۃ والجماعۃ'' (شرح عقیدہ طحاویہ ص ۳۴۰)

ترجمہ: اور اسی طرح عذاب قبر ہے جو باتفاق اہل السنۃ والجماعۃ روح اور بدن دونوں کو ہوتا ہے۔

افسوس کہ اہل السنۃ والجماعۃ کی یہ اجماعی پکار بھی ہمارے راہ گم کردہ دوستوں کو راہ نہیں دکھا سکتی۔ علامہ تقی الدین السبکی الشافعیؒ (۷۵۶ھ) لکھتے ہیں: ''وقد اجمع اہل السنۃ علیٰ اثبات الحیوۃ فی القبور قال امام الحرمین فی الشامل وقد اتفق سلف الامۃ علی اثبات عذاب القبر واحیاء الموتیٰ فی قبورھم ورد الارواح فی اجسادھم'' (شفاء السقام ص ۱۵۱)

ترجمہ: اہل السنۃ کا اجماع ہے کہ قبروں میں میت کو حیات ملتی ہے امام الحرمینؒ نے لکھا ہے کہ سب سلف امت کا اس پر اتفاق ہے کہ: (۱) عذاب قبر ثابت ہے، (۲) مردوں کو یہ زندگی قبروں میں ملتی ہے اور (۳) یہ کہ ارواح اجساد میں لوٹائی جاتی ہیں: "ان حیاۃ جمیع الموتیٰ بأرواحهم واجسامهم فی قبورهم لا شک فیها" (ایضاً)

ترجمہ: تمام اموات کے لئے زندگی ان کی قبروں میں ان کی ارواح واجساد کے ساتھ ثابت ہے اس میں کوئی شک نہیں ہے۔

اسلاف امت کے اس کھلے اجماع کے بعد بھی کیا اس عقیدے میں کسی قسم کا کوئی شک ہو سکتا ہے؟

قاضی عضد الدین الایجیؒ (۷۵۶ھ) صاحب مواقف: "احیاء الموتیٰ فی قبورهم ومسئلة منکر و نکیر و عذاب القبر للکافر والفاسق کلها حق عنه واتفق علیه سلف الامة قبل ظهور الخلاف واتفق علیه الاکثرون بعده" (شرح مواقف ص ۵۱۷ مع الشرح)

ترجمہ: اموات کا اپنی قبروں میں زندہ کیا جانا۔ اور منکر ونکیر کے (وہاں) سوالات۔ اور عذاب قبر تمام کافروں اور فاسقوں کے لئے برحق ہے اور اس پر تمام اسلاف امت کا ظہور اختلاف سے پہلے اتفاق رہا ہے اور ظہور اختلاف کے بعد بھی اسلاف امت کی اکثریت اسی عقیدے کی رہی ہے۔

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ (۷۲۸ھ): "الاحادیث الصحیحة المتواترة تدل علی عود الروح الی البدن وقت السؤال والسؤال للبدن بلا روح قول طائفة من الناس وانکره الجمهور وقابلهم أخرون فقالوا السؤال للروح بلا بدن... وکلاهما غلط والاحادیث الصحیحة ترده ولو کان ذلک علی الروح فقط لم یکن للقبر بالروح اختصاص" (شرح حدیث النزول ص ۵۱)

ترجمہ: اور احادیث صحیحہ متواترہ منکر ونکیر کے سوال کے وقت روح کے بدن میں لوٹائے جانے کی خبر دیتی ہیں، اور سوال بدن سے بلا روح ہو یہ کچھ لوگوں کا قول ہے اور جمہور اہل اسلام نے اس کا انکار کیا ہے اور کچھ لوگ ان پہلے لوگوں کے بالکل الٹ اٹھے ہیں وہ کہتے ہیں منکر ونکیر کا سوال صرف روح سے ہے بدن سے نہیں اور یہ دونوں باتیں غلط ہیں۔ احادیث صحیحہ ان کی تردید کرتی ہیں۔ اگر صورت یہی ہوتی کہ یہ سوال وجواب صرف روح سے ہو تو قبر کا روح سے کوئی اختصاص نہ ہوتا۔

"بل العذاب والنعیم علی النفس والبدن جمیعاً باتفاق اهل السنة والجماعة"

(شرح حدیث النزول ص ۵۱)

ترجمہ: یہ قبر کا نعیم وعذاب باتفاق اہل سنت روح وبدن دونوں کے لئے ہے۔

غور فرمائیں! اگر روح کا بدن مدفون سے کوئی تعلق نہ ہو تو قبر کے نعیم وعذاب پر کیسے ایمان لایا جا سکتا ہے؟

"فقد صرح الحدیث بإعادة الروح الی الجسد وباختلاف اضلاعه وهذا بین فی ان العذاب علی الروح والبدن مجتمعین" (فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۴، ص ۲۸۹)

ترجمہ: حدیث میں تصریح ہے کہ روح جسد میں لوٹائی جاتی ہے اسی طرح یہ بھی تصریح ہے کہ میت کی پسلیاں آپس میں ٹکراتی ہیں اور یہ اس بات کا بین ثبوت ہے کہ قبر کا عذاب روح اور بدن دونوں پر اکٹھے ہوتا ہے۔

حافظ ابن قیمؒ (۷۵۱ھ): ''ان مذهب سلف الامة وائمتها ان الميت اذا مات يكون في نعيم او عذاب وان ذلك يحصل لروحه وبدنه'' (کتاب الروح ص ۶۴)

ترجمہ: اسلاف امت اور ائمہ دین کا مذہب یہ ہے کہ انسان جب مر جائے تو وہ (قبر کے) نعیم یا عذاب میں رہتا ہے اور نعیم و عذاب اس کے روح و بدن دونوں کو ہوتا ہے۔

علامہ سعد الدین تفتازانیؒ (۷۹۲ھ) معتزلہ کے مقابلے میں نکلے جو خبر واحد کو حجت نہیں مانتے تھے اور اعادہ روح کے منکر تھے۔ ان کے سامنے آپ نے یہ موقف اختیار کیا کہ اگر حیات کے لئے اعادہ روح لازم نہ کیا جائے تو بھی تو حیات کا تحقق ہو سکتا ہے۔ پھر عذاب قبر کا انکار کیوں؟ فرماتے ہیں: ''ويجوز ان يخلق الله في جميع الاجزاء او في بعضها نوعا من الحيوة قدر مايدرك ألم العذاب ولذة النعيم وهذا لا يستلزم اعادة الروح الى بدنه ولا ان يتحرك ويضطرب'' (شرح عقائد ص ۷۷)

ترجمہ: اور یہ جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ پورے بدن میں یا بعض اجزائے بدن میں ایک طرح کی حیات پیدا کر دے کہ میت اس سے عذاب کی تکلیف یا نعیم کی لذت پا سکے اور اس حیات کے لئے ضروری نہیں کہ روح بدن کی طرف لوٹے اور نہ یہ کہ وہ بدن متحرک ہو یا ہلے جلے۔

یہ عامہ اموات کے بارے میں ہے ان میں مطلق حیات کا قول اختیار کیا جائے جس سے میت عذاب قبر یا نعیم قبر کا ادراک کر سکے تو یہ کافی ہے۔

علامہ تفتازانیؒ یہاں اعادہ روح کا انکار نہیں کر رہے۔ معتزلہ کو سامنے رکھ کر میت کے بدن میں زندگی کا ایک باریک انداز ثابت کر رہے ہیں جس سے بدن میں عذاب قبر یا اس کی راحت کا تحقق ہو سکے۔ علامہ تفتازانیؒ کا اس سے مقصد احادیث کا انکار نہیں۔ علیٰ وجہ الالزام انہوں نے یہ بات کہی ہے۔ بدن میت میں زندگی کا آنا مسلمات میں سے ہے۔ یہ جس طرح سے بھی آئے ہو سکتا ہے۔ اعادہ روح سے ہو یا تعلق روح سے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ چاہیں اس میں اتنی زندگی پیدا کر دیں کہ وہ الم یا راحت کو پا سکے۔

ہدایہ میں ہے: ''ومن يعذب في القبر يوضع فيه الحيوة في قول العامة'' (ہدایہ ج ۲، ص ۴۸۴)

ترجمہ: اور جس میت کو قبر میں عذاب دیا جاتا ہے اس میں جمہور کے عقیدہ کے مطابق ایک طرح کی زندگی ٹھہرائی جاتی ہے۔

نویں صدی کی شہادت

اب ذرا نویں صدی میں چلیں۔ علامہ عضد الدین الایجیؒ (۷۵۶ھ) کی عبارت آپ شرح مواقف میں دیکھ آئے ہیں۔ اب شارح علامہ سید شریف الجرجانیؒ (۸۱۶ھ) کی عبارت بھی دیکھیں: ''واذا ثبت التعذيب ثبت الاحياء والمسئلة لان كل من قال بعذاب القبر قال بها'' (شرح مواقف ص ۷۱۶)

ترجمہ: اور جب عذاب کا ثبوت ہو گیا تو زندگی کا ثبوت بھی ہو گیا اور قبر کے سوال و جواب کا ثبوت بھی مل گیا۔ کیونکہ ہر وہ شخص جو عذاب کا اقرار کرے اسے قبر کی اس زندگی کا اقرار کرنا ہوگا۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (۸۵۲ھ) پہلے کرامیہ کا رد کرتے ہیں جو واردات قبر صرف بدن پر لاتے ہیں اور پھر ان لوگوں کا رد کرتے ہیں جو انہیں صرف روح سے متعلق بتاتے ہیں بغیر اس کے کہ وہ بدن کی طرف عود کرے۔
اور پھر لکھتے ہیں: ''وخالفهم الجمهور فقالوا تعاد الروح الی الجسد او بعضه كما ثبت في الحديث ولو كان على الروح فقط لم يكن للبدن بذلک اختصاص ولا يمنع من ذلک كون الميت فقد تفرق اجزاءه لان الله تعالىٰ قادر على ان يعيد الحيوة الى جزء من الجسد ويقع عليه السؤال كما هو قادر على ان يجمع اجزائه''
(فتح الباری ج ۳ ص ۲۷۷)

ترجمہ: اور جمہور نے ان کی مخالفت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ روح بدن کی طرف یا اس کے بعض حصوں کی طرف لوٹائی جاتی ہے جیسا کہ حدیث میں ثابت ہے اور اگر عذاب صرف روح پر ہوتا تو بدن کو اس سے کوئی اختصاص نہ تھا اور اس کے لئے میت کا اس حال میں ہونا کہ اس کے اجزاء متفرق ہو چکے ہیں عذاب قبر میں مانع نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ جسم کے کسی حصے میں زندگی لوٹا دے اور فرشتوں کا سوال اس حصہ بدن پر وارد ہو۔ جیسے کہ وہ اس پر قادر ہے کہ اس کے تمام اعضائے بدن کو پھر سے جمع کر دے۔

پھر آگے جا کر لکھتے ہیں: ''قد ثبتت الاحاديث بما ذهب اليه الجمهور كقوله (علیہ السلام) انه يسمع خفق نعالهم وقوله (علیہ السلام) تختلف اضلاعه لضمة القبر وقوله (علیہ السلام) يسمع صوته اذا ضرب بالمطراق وقوله (علیہ السلام) يضرب بين اذنيه وقوله (علیہ السلام) فيقعدانه وكل ذلک من صفات الاجساد'' (فتح الباری ج ۳، ص ۲۷۷)

ترجمہ: بے شک احادیث جمہور کے حق میں ثابت ہیں جیسے حضور ﷺ کا یہ ارشاد کہ مردہ (جنازہ پڑھنے والوں کے) جوتوں کی آواز سنتا ہے اور حضور ﷺ کا یہ ارشاد کہ قبر کے ملنے سے اس کی پسلیاں ایک دوسرے سے ٹکرا جاتی ہیں اور آپ ﷺ کا یہ ارشاد کہ وہ ہتھوڑے چلنے کی آواز سنتا ہے اور آپ ﷺ کا یہ ارشاد کہ اس کے دونوں کانوں کے مابین ضرب لگتی ہے اور آپ ﷺ کا یہ ارشاد کہ فرشتے اسے بٹھاتے ہیں اور یہ سب ابدان کی صفات (اور حرکات) ہیں۔ روح کی کیفیات نہیں۔

علامہ بدر الدین العینیؒ (۸۵۵ھ): ''ان الأرواح تعاد الى الأجساد عند المسئلة وهو قول الاكثر من اهل السنة'' (شرح صحیح بخاری ج ۱۷، ص ۹۳)

ترجمہ: بے شک ارواح سوال و جواب کے وقت اجساد کی طرف لوٹائی جاتی ہیں اور یہی فیصلہ جمہور اہل السنۃ کا ہے۔

''ولا بعد في رد الحيوة الى بعض اجزاء البدن فيختص بالاحياء والمسألة والعذاب وان لم يكن مشاهدًا لنا'' (ایضاً ج ۸، ص ۱۴۷)

ترجمہ: اور بعض حصہ بدن کی طرف حیات کا لوٹنا اور اس کا زندوں سے اختصاص اور قبر کا سوال و جواب اور قبر کا نعیم و عذاب ان میں سے کوئی چیز مستبعد نہیں۔ گو ہم ان حالات کو دیکھ نہ سکیں۔

محقق علی الاطلاق حافظ ابن ہمامؒ (۸۶۱ھ): ''الحق ان الميت المعذب في قبره توضع فيه الحيوة بقدر مايحس بالألم والبنية ليست بشرط عند اهل السنة حتى لو كان متفرق الاجزاء بحيث لا تتميز

الاجزاء بل هي مختلطة بالتراب فيعذب جعلت الحيوة في تلك الاجزاء التي لا يأخذها البصر و ان الله تعالىٰ على ذلك لقدير'' (فتح القدیر شرح ہدایہ ج ۴، ص ۹۹)

ترجمہ: حق یہ ہے کہ میت کو عذاب قبر ہوتا ہے اور اس کے لئے اس میں اس قدر حیات رکھ دی جاتی ہے کہ عذاب قبر کو وہ محسوس کر سکے اور میت کے سب اجزاء کا یکجا ہونا اہل السنۃ کے ہاں عذاب قبر کے لئے شرط نہیں۔ میت اگر متفرق الاجزاء بھی ہو یہاں تک کہ اجزاء باہم پہچانے نہ جاسکیں بلکہ مٹی کے ساتھ مل چکے ہوں تو بھی اسے عذاب قبر ہوتا ہے۔ حیات اس کے ان اجزاء میں ڈالی جاتی ہے جنہیں نظر پا نہ سکے اور بے شک اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے۔

''توضيحه انا نمنع اقتضاء ذلك عود الحيوة الكاملة الى جميع البدن و غاية مايقتضي اعادة الحيوة الى الجزء الذي به فهم الخطاب ورد الجواب والانسان قبل موته لم يكن يفهم بجميع بدنه بل بجزؤ من باطن قلبه واحياء جزء يفهم الخطاب ومجيب ممكن مقدور عليه وامور البرزخ لا تقاس بأمور الدنيا'' (مسامرہ شرح مسائرہ ج ۲، ص ۱۱۶)

ترجمہ: اور اس کی توضیح یہ ہے کہ ہم عذاب قبر کے لئے بدن میں پوری حیات کے لوٹ آنے کا تقاضا نہیں کرتے۔ زیادہ سے زیادہ اتنی بات ہے کہ حیات اس جزو بدن میں لوٹ آئے جس سے وہ سوال و جواب دینے کو سمجھ سکے۔ اس سے پہلے بھی تو انسان پورے بدن سے بات کو نہ سمجھتا تھا۔ صرف باطن قلب ایک حصے سے بات کو پالیتا تھا اور اب اس کے کسی ایک حصے کا زندگی پالینا اسے بات سمجھنے (سوال و جواب) کے لائق کر دیتا ہے اور جواب دینا اس کے لئے ممکن اور مقدور ہو جاتا ہے اور برزخ کے احوال کو دنیوی امور پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

دسویں صدی کی شہادت

امام سیوطیؒ (۹۱۱ھ) حافظ ابن تیمیہؒ سے موافقت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''وقال ابن تيمية الاحاديث متواترة على عود الروح الى البدن وقت السؤال و سؤال البدن بلا روح قول طائفة منهم ابن الزاغوني وحكي عن ابن جرير وانكره الجمهور وقابلهم اخرون فقالوا السؤال للروح بلا بدن قاله ابن حزم و اخرون منهم ابن عقيل و ابن الجوزي وهو غلط والا لم يكن للقبر بذلك اختصاص'' (شرح الصدور ص ۶۰)

ترجمہ: ابن تیمیہؒ نے کہا ہے کہ متواتر احادیث سوال قبر کے وقت روح کے بدن کی طرف لوٹنے کی خبر دے رہی ہیں اور بدن سے بغیر روح سوال کیا جانا ایک گروہ کا خیال ہے ابن الزاغونی انہی میں سے ہے اور ابن جریر سے بھی اسی قسم کی بات حکایت کی جاتی ہے اور جمہور اہل اسلام اس کا انکار کرتے ہیں۔ اس گروہ کے مقابل ایک اور گروہ ہے جو روح سے بلا اتصال بدن سوال کا قائل ہے۔ یہ بات ابن حزم اور کچھ اور لوگوں نے بھی بتائی ہے۔ ابن عقیل اور ابن الجوزی اسی کے (عذاب روح بلا بدن) قائل ہیں اور یہ بات بالکل غلط ہے بات اگر اس طرح ہوتی تو عذاب قبر کے قبر سے خاص ہونے کی کوئی وجہ نہ تھی۔

دسویں صدی کی ایک اور شہادت لیجئے۔ علامہ جلال الدین الدوانیؒ (۹۲۸ھ) لکھتے ہیں عذاب قبر کے وہی قائل ہیں جو بدن مدفون کے زندہ کئے جانے کے قائل ہوں۔ یہ زندہ کیا جانا اعادہ روح کے بغیر محض اتصال روح سے بھی ہو سکتا ہے۔ صورت احیاء جو بھی ہو اس کی تفصیل اپنی جگہ لیکن عذاب قبر کے لئے بدن یا ذرات بدن

میں زندگی کا لوٹایا جانا برحق ہے۔ آپؒ لکھتے ہیں: ''فمنهم من اثبت التعذيب وانكر الاحياء وهو خلاف العقل وبعضهم لم يثبت التعذيب . . . وهذا انكار لعذاب القبر ومنهم من قال باحيائه لكن من غير اعادة الروح و منهم من قال بالاحياء باعادة الروح معا ولا يلزم ان يرى اثر الحيوة فيه حتى ان الماكول فى بطن الحيوانات يحيى ويسأل و ينعم و يعذب ولا ينبغى ان ينكر لان من اخفى النار فى الشجر الاخضر قادر على اخفاء العذاب والنعيم'' (حاشیہ عقائد عضدیہ ص ۹۳ طبع الہندی)

ترجمہ: ایسے لوگ بھی ہیں جو عذاب قبر مانتے ہیں مگر بغیر میت کے زندہ کئے جانے کے، اور یہ خلاف عقل ہے اور بعض ایسے ہیں جو سرے سے میت کے برزخ میں عذاب پانے کے قائل نہیں، یہ عذاب قبر کا کھلا انکار ہے۔ اور ایسے بھی ہیں جو میت کے زندہ کئے جانے کے قائل ہیں لیکن بغیر اعادہ روح کے اور ایسے لوگ بھی ہیں جو اعادہ روح سے میت کا زندہ کیا جانا مانتے ہیں اور عذابِ قبر کے لئے یہ لازم نہیں کہ اس میں (اس میت میں) آثار حیات دیکھے بھی جا سکیں۔ وہ شخص جسے کسی جانور نے کھا لیا، وہ اس جانور کے پیٹ میں زندہ کیا جاتا ہے اور اس سے وہیں سوال ہوتا ہے۔ اس کی نعیم قبر یا عذاب قبر وہی ہے اس کا انکار نہ کرنا چاہئے۔ جو ذاتِ باری سبز اور تروتازہ درخت میں آگ کو چھپا سکتا ہے وہ اس پر قادر ہے کہ عذابِ قبر اور نعیم قبر کو اس طرح چھپا رکھے کہ یہاں کے زندوں کے حواس نہ اسے پا سکیں اور نہ اسے سن سکیں۔

علامہ عبدالوہاب اشعرانیؒ (۹۷۳ھ) اس پر بحث کرتے ہوئے کہ پورے بدن میں روح لوٹائی جاتی ہے یا اس کے بعض ماندہ حصے کی طرف؟...... لکھتے ہیں: علامہ حلیمیؒ روح کے پورے بدن میں لوٹائے جانے کے قائل ہیں اور علامہ ابن جریر طبریؒ اور امام الحرمینؒ بدن کے ماندہ حصے میں اس کے لوٹنے کے قائل ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اہل حق روح کے بدن میں لوٹائے جانے کے سب قائل تھے۔ وہ لوٹایا جانا پورے بدن میں ہو یا بعض اجزاء بدن میں: ''ان الحليمى يقول ترد الروح الى جسده كله و ابن جرير الطبرى و امام الحرمين يقولون ترد الروح الى مابقى منه'' (الیواقیت والجواہر ج دوم، ص ۱۲۹)

ترجمہ: علامہ حلیمی اس کے قائل ہیں کہ روح پورے جسم میں لوٹائی جاتی ہے اور ابن جریر الطبری اور امام الحرمینؒ اس کے بعض حصہ بدن میں روح کا لوٹایا جانا مانتے ہیں۔

فقہاء احنافؒ میں علامہ شمس الدین القہستانیؒ (۹۵۳ھ) سے کون واقف نہیں آپ لکھتے ہیں: ''والمعذب فى القبر كحى بقدر مايتألم به وهو اقرب الى الحق'' (جامع الرموز ج ۲، ص ۲۹۲)

ترجمہ: اور جسے قبر میں عذاب ہو رہا ہے وہ اس درجہ زندہ ہے جو الم عذاب پا سکے اور اقرب الی الحق یہی بات ہے۔

دسویں صدی کے نصف آخر کے محدث جلیل علامہ عبدالروف المناویؒ (۱۰۰۳ھ) حدیث براء بن عازبؓ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ظاہر حدیث چاہتا ہے کہ روح سارے بدن میں لوٹائی جاتی ہے۔ فتعاد روحه فى جسده۔ لیکن حافظ ابن حجرؒ اس کے صرف نصف اعلیٰ میں لوٹنے کے قائل ہیں۔ جمہور کا مذہب پہلا ہے۔

پھر قاضی ابوبکر باقلانیؒ سے تطبیق اس طرح نقل کرتے ہیں: ''جمع بان مقرها فى النصف الاعلى ولها اتصال بباقيه وقيل جزم به القاضى''

ترجمہ: دونوں باتوں میں تطبیق یوں دی گئی ہے کہ روح کا قرار تو بدن کے اوپر کے نصف حصے میں ہوتا ہے اور باقی حصہ بدن سے روح کا صرف اتصال اور تعلق ہے اور کہا گیا ہے کہ قاضی عیاض بھی اسی پر یقین رکھتے تھے۔

دسویں صدی کے مجدد حضرت ملا علی قاریؒ (۱۰۱۴ھ) فقہ وحدیث کے جامع امام تھے۔ آپ نے حضرت امام ابوحنیفہؒ کی کتاب فقہ اکبر کی شرح لکھی ہے۔ آپ اس میں لکھتے ہیں: ''واعلم ان اھل الحق اتفقوا علی ان اللہ تعالیٰ یخلق فی المیت نوع حیاۃ فی القبر قدر مایتألم و یتلذذ ولکن اختلفوا ھل یعاد الروح الیہ ... والمنقول عن ابی حنیفۃ التوقف الا ان کلامہ ھھنا یدل علی اعادۃ الروح اذجواب الملکین فعل اختیاری فلایتصور بدون الروح'' (شرح فقہ اکبر)

ترجمہ: اور جان لو اہل حق سب اس پر متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ قبر میں میت میں ایک ایسی حیات پیدا کر دیتا ہے جس سے وہ عذاب قبر یا نعیم قبر کو پا سکے۔ ان کا اس میں اختلاف ہے کہ یہ حیات اعادہ روح سے ہوتی ہے یا اس کے بغیر...... حضرت امام ابوحنیفہؒ سے اس میں توقف منقول ہے مگر آپ کی عبارت یہاں اعادہ روح کی بات کہہ رہی ہے کیونکہ فرشتوں کو جواب دینا ایک اختیاری فعل ہے اور وہ بدوں اعادہ روح کے تصور میں نہیں آ سکتا۔

ملا علی قاریؒ نے اسے اہل حق کا اجماع بتایا ہے کہ قبر میں ہر میت کو زندگی ملتی ہے اور اس سے سوال و جواب ہوتا ہے اس کا خلاف کرنے والے کیا اہل حق میں سے ہو سکتے ہیں؟ یہ آپ کے سوچنے کی بات ہے!

توقف امام اس میں نہیں کہ روح بدن میں آتی ہے یا نہیں۔ بلکہ اس میں ہے کہ روح پورے بدن میں آتی ہے یا بعض حصہ بدن میں۔ ملا علی قاریؒ ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں: ''ولعل توقف الامام فی ان الاعادۃ متعلق بجزء البدن او کلہ'' (مرقات ج۱، ص۱۹۸)

ترجمہ: اور حضرت امام ابوحنیفہؒ سے جو توقف منقول ہے (وہ اس میں نہیں کہ قبر میں میت کو زندگی ملتی ہے یا نہ) وہ اس میں ہے کہ حیات اس کے پورے بدن میں لوٹائی جاتی ہے یا اس کے بعض حصہ بدن میں۔

پھر ملا علی قاریؒ نے اس دوسرے احتمال کو حدیث کی روشنی میں کلیۃً رد کر دیا ہے: ''تعاد روحہ فی جسدہ ظاھر الحدیث ان عود الروح الی جمیع اجزاء البدن فلا التفات الی قول البعض بان العود انما یکون الی البعض ... فانہ لا یصح ان یقال من قبل العقل بل یحتاج الی صحۃ النقل'' (ایضاً ج۴، ص۲۵)

ترجمہ: میت کی روح اس کے جسد میں لوٹائی جاتی ہے۔ اس حدیث کا ظاہر یہی ہے کہ یہ عود روح جمیع اجزائے بدن کی طرف ہوتا ہے۔ سو ان چند لوگوں کی بات کی طرف دھیان نہ کیا جائے جو روح کا بعض حصہ بدن کی طرف لوٹنا مانتے ہیں...... کیونکہ ایسی بات محض عقل سے نہیں کہی جا سکتی۔ اس کے لئے صحت نقل درکار ہے۔

ملا علی قاریؒ کو اس سے انکار نہیں کہ روح و بدن کا کامل تعلق قیامت کو ہی ہوگا۔ اس دن کی بعثت بے شک برحق ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان احادیث صحیحہ کا یکسر انکار کر دیا جائے جن میں عالم برزخ میں روح کا بدن کی طرف عود کرنا صراحت سے مذکور ہے۔

آپؒ لکھتے ہیں: ''حتی یرجعہ اللہ فی جسدہ ای یردہ الیہ کاملاً فی بدنہ'' (ایضاً ص۳۱)

ترجمہ: حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اس کی روح کو اس کے جسد میں پھر سے لے آئے اس سے مراد اس روح کا کامل طور پر بدن میں لوٹنا ہے۔

روح کا بدن سے ایسا کامل تعلق جیسا کہ اس دنیا میں ہے۔ یہ عامہ اموات کے لئے بیشک اسی دن ہوگا۔ وَاِذَاالنُّفُوسُ زُوِّجَتْ کا کامل اظہار قیامت کے دن ہی ہے۔لیکن برزخی زندگی کو محض روحانی ماننا اور بدن مادی سے کلیۃً بے تعلق رکھنا یہ عقیدہ اہل حق کا نہیں ہے۔

ملاعلی قاریؒ ان ناقصانِ دین کے ساتھ نہیں ہیں۔آپ ایک مقام پر لکھتے ہیں:''کما توهمه بعض ارباب النقصان حتی جعلوا عذاب القبر روحانیاً لا جسمانیاً والصواب ان عذاب الاٰخرة و نعیمها متعلقان بهما'' (مرقات ج۱۰، ص ۸۷)

ترجمہ: جیسا کہ بعض ناقص علم کے لوگوں نے وہم کر رکھا ہے اور وہ عذاب قبر کو محض ایک روحانی چیز بتلاتے ہیں جسمانی نہیں مانتے...... صحیح بات یہ ہے کہ نعیم قبر اور عذاب قبر روح اور بدن دونوں سے تعلق رکھتے ہیں۔

نعیم والم تو ایک طرف رہے قبر میں تو اعمال کا ثبوت بھی ملتا ہے کیا اعمال بغیر جسد تقوم میں آتے ہیں؟ حضور ﷺ نے موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں نماز پڑھتے پایا تو کیا وہ صرف روح کا عمل تھا؟ سنن نسائی کے حاشیہ میں منقول ہے:

یہ حدیث حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حیات فی القبر کی صریح دلیل ہے۔اس میں آپ کو وصفِ نماز سے موصوف بتلایا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ آپ کھڑے تھے۔ یہ وہ امور ہیں جن سے صرف روح موصوف نہیں ہو سکتی۔ یہ تو جسد کی شان ہے کہ وہ عملِ نماز میں ہو اور اس کے قبر سے خاص ہونے میں بھی اس کی دلیل ہے اگر نماز صرف روح کے اعمال میں سے ہوتی تو اسے قبر سے خاص کرنے کی کوئی وجہ نہ تھی۔ (زہرالربی علیٰ سنن النسائی ج۱)

گیارھویں صدی کی شہادت

اب آیئے آپ کو گیارہویں صدی میں لے چلیں۔اس دور کے علماء حق کا مسلک کیا تھا؟ اس دور کی مرکزی شخصیت حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ (۱۰۳۴ھ) ہیں۔آپ بدنِ مثالی کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ عقیدہ تو اعتقاد تناسخ سے بھی برا ہے۔اس کے بعد آپؒ یوں رقمطراز ہیں:''پس بدن اول را از حصولِ احکامِ برزخ چارہ نبود واز عذاب وثوابِ قبر گزر نہ...... وبدنِ ثانی راچوں حیات ثانی اثبات ے نمایند حشر درحق او در دنیا ثابت گشت۔انگارم کہ معتقداں نقل روح معلوم نیست کہ بعذاب وثواب قبر قائل باشند وحشر ونشر معتقد بوند۔افسوس ہزار افسوس ایں قسم بطالاں خودرا بمسند شیخی گرفتہ اند ومقتدائے اہل اسلام گشتہ اند ضلوا فاضلوا''

(مکتوبات دفتر دوم مکتوب ۵۸، لکھنؤ)

ترجمہ: اس دنیا والے بدن کو احکام برزخ کا سامنا کرنے سے چارہ نہیں اور اس بدن کا عذاب وثواب قبر سے چھٹکارا نہیں اور اس مجوزہ بدن ثانی کے لئے جب یہ لوگ دوسری حیات ثابت کرتے ہیں تو اس کا حشر تو دنیا میں ہی واقع ہو گیا۔ میں سمجھتا ہوں کہ روح کے منتقل کئے جانے کا عقیدہ رکھنے والے معلوم نہیں ہوتا کہ وہ عذاب و ثواب قبر کے قائل ہوں گے اور حشر ونشر کا عقیدہ رکھتے ہوں گے۔افسوس ہزار افسوس اس قسم کے جھوٹے لوگوں پر کہ اپنے آپ کو پیر طریقت بنائے بیٹھے ہیں اور اہل اسلام کے مقتدا بنے ہوئے ہیں وہ خود گمراہ ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کر رہے ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی شیخ سرہندیؒ ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں: ''وآنچہ او علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰت والتسلیمات از احوال آخرت خبر دادہ است ہمہ حق است از عذاب گور وضغطہ آں وسوال منکر ونکیر دراں وفنائے عالم وانشقاق سمٰوات وانتشار کواکب و برداشتن زمین کوہہا و پارہ پارہ شدن اینہا وحشر ونشر واعادہ روح بجسد وزلزلہ ساعت وہول قیامت ومحاسبہ اعمال وشہادت جوارح باعمال مکتسبہ'' (مکتوبات دفتر ۲، مکتوب ۶۷)

ترجمہ: اور جو کچھ آنحضرت ﷺ نے آخرت کے احوال کی خبر دی ہے برحق ہے جیسے عذاب قبر اور قبر کا دباؤ، اور منکر ونکیر کے قبر میں سوالات، اور پوری دنیا کا فنا ہونا، اور آسمان کا پھٹنا، اور ستاروں کا انتشار، اور زمین کا پہاڑوں کو اٹھانا اور ان کا ریزہ ریزہ ہو جانا، اور حشر ونشر اور روح کا جسد میں پھر سے لوٹ آنا، اور قیامت کا بڑا زلزلہ اور قیامت کی ہولناکی اور اعمال کا حساب، اور اعضاء جسمانی کی اپنے کئے گئے اعمال پر شہادت یہ سب امور برحق ہیں۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ (۱۰۵۲ھ) بھی اسی دور کے بزرگ ہیں۔ حدیث میں آپ اپنے وقت کی سند تھے۔ آپؒ لکھتے ہیں: ''واختلاف کردہ اند کہ عذاب قبر بزندہ گردانیدن میت است یا در مقابلہ داشتن روح بادے یا بنوعی دیگر کہ پروردگار تعالیٰ خواہد و مارا بدریافت کنہہ حقیقت آں را نباشد وحق آنست کہ باحیاء است۔ چنانچہ ظاہر احادیث دال است براں۔'' (اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ ج۱، ص ۱۰۷)

ترجمہ: اور اختلاف کیا ہے کہ عذاب قبر میت کو پھر سے زندہ کرنے سے ہوتا ہے یا روح کو میت کے سامنے لانے سے۔ یا کسی اور طریق سے جو اللہ تعالیٰ چاہے۔ اور ہمیں اس کی کنہہ معلوم کرنے کی کوئی راہ نہیں ہے۔ اور حق یہ ہے کہ عذاب قبر میت کو پھر سے زندہ کرنے سے ہوتا ہے۔ جیسا کہ ظاہر احادیث اس کی شہادت دیتی ہیں۔

''قطع مے کنم بعود حیات ہر میت را چنانکہ در احادیث ورود یافتہ۔'' (حجۃ اللہ البالغہ ج۱، مترجم ص ۵۵)

ترجمہ: مجھے یقین ہے کہ ہر میت کو پھر سے حیات ملتی ہے جیسا کہ احادیث میں اس کی خبر دی گئی ہے۔

بارھویں صدی کی شہادت

بارہویں صدی کے مجدد حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (۱۱۷۶ھ) اپنے مسلک پر حضرت امام غزالیؒ (۵۰۵ھ) کو پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''امثال ھٰذہ الاخبار لھا ظواھر صحیحۃ واسرار خفیۃ ولٰکنھا عند ارباب البصائر واضحۃ فمن لم ینکشف لہ حقائقھا فلاینبغی ان ینکر ظواھرھا بل اقل درجات الایمان التسلیم والتصدیق فان قلت فنحن نشاھد الکافر فی قبرہ مدّۃ ونراقبہ ولا نشاھد شیأمن ذٰلک فما وجہ التصدیق علی خلاف المشاھدۃ فاعلم ان لک ثلٰث مقامات فی التصدیق بامثال ھٰذا احدھا وھو الاظھر والاصح والاسلم ان تصدق بانھا موجودۃ وھی تلدغ المیت لٰکنک لاتشاھد ذٰلک فان ھٰذہ العین لاتصلح لمشاھدۃ الامور الملکوتیۃ'' (حجۃ اللہ البالغہ ج۱، مترجم ص ۵۵)

ترجمہ: اس طرح کی احادیث اپنے ظاہر معانی پر وارد ہیں اور ان کے کچھ چھپے ہوئے حقائق بھی ہیں۔ گو وہ اہل بصیرت کے ہاں چھپے نہیں بالکل واضح ہیں۔ سو جس پر یہ حقیقتیں مخفی ہوں اسے نہ چاہئے کہ ان کے ظاہری معنیٰ کا انکار کرے۔ کم از کم یہ تو کرے کہ ان پر ایمان لائے انہیں تسلیم کرے اور ان کی تصدیق کرے۔ اگر تجھے یہ خیال گزرے کہ ہم کافر مردوں کو قبروں میں پڑے مدت سے دیکھ رہے ہیں۔ اور دھیان بھی رکھتے ہیں لیکن ان میں سے

(کہ جیسے انہیں سانپ کاٹ رہے ہوں) کسی بات کو ان میں دیکھ نہیں پاتے۔ تو اس کھلی کیفیت کے مقابلہ میں ہم ان احادیث کی تصدیق کیسے کریں؟ تو جان لے کہ تیرے ان روایات کی تصدیق میں تین مقام ہیں جن میں سے ایک یہ ہے اور وہی ظاہر معنی ہے اور وہی صحیح ہے اور وہی سلامتی والا ہے کہ تو تصدیق کرے کہ سانپ وغیرہ واقعی موجود ہیں اور وہ واقعی (اس گڑھے میں پڑی) میت کو ڈس رہے ہیں لیکن تو اسے دیکھ نہیں پاتا۔ کیوں اس دُنیا کی آنکھ امور ملکوتی (برزخ کے حالات) کو دیکھنے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔

حضرت شاہ صاحبؒ تاکید فرماتے ہیں کہ اگر ہم قبر میں ان حالات کا مشاہدہ نہ کرسکیں جن کی احادیث میں خبر دی گئی ہے تو انکار کے درپے ہرگز نہ ہوں بلکہ ان احادیث کے ظواہر پر ایمان لائیں اور یقین کریں کہ کافر میت کو واقعی سانپ کاٹ رہے ہیں۔ اگرچہ ہم اسے دیکھ نہیں پاتے۔ یہ کس میت کے بارے میں کہا جارہا ہے؟ جو اس گڑھے میں پڑی ہے۔ آپ یہ ان لوگوں کے بارے میں جن کی قوت بہیمیہ قوی اور قوت ملکوتیہ کمزور ہوتی ہے فرما رہے ہیں اور زیادہ تر لوگ اسی قبیل کے ہیں: ''فلا یکون الموت انفکاکاً لنفوسھم عن الابدان بالکلیۃ بل تنفک تدبیر أو لاینفک وھمًا'' (حجۃ اللہ البالغہ)

ترجمہ: ان کی موت میں انفکاکِ روح عن البدن (روح کا بدن سے جُدا ہونا) کلی طور پر نہیں ہوتا۔ روح کا صرف تعلقِ تصرف (جس سے روح بدن میں تدبیر کرتی تھی) ختم ہوتا ہے تعلق توجہ ختم نہیں ہوتا (دھیان اس کا ادھر قائم رہتا ہے)

یہاں وہم سے مراد کوئی غیر موجود حقیقت نہیں۔ ورنہ شاہ صاحبؒ اس کا اعتبار کرتے ہوئے انفکاکِ روح عن البدن کی کلی نفی کا انکار نہ فرماتے۔ سو یہاں یہ لفظ تعلقِ توجہ کے معنی میں ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ بتلاتے ہیں کہ نسمہ جو روح اور بدن کے مابین ایک برزخی درجہ ہے اس کی ایک توجہ روح کی طرف ہوتی ہے اور دوسری بدن کی طرف اور وہ روح و بدن میں ایک رابطہ ہے۔ موت کے وقت نسمہ بدن سے جدا ہوتا ہے لیکن اس کا ایک رخ ادھر ضرور رہتا ہے۔ ہم اسے ایک برزخی تعلق کہہ سکتے ہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں: ''ولما کانت النسمۃ برزخاً متوسطاً بین الروح الالھی والبدن الارضی وجب ان یکون لھا وجہ الٰی ھٰذا ووجہ الٰی ذلک والوجہ المائل الی القدس ھو الملکیۃ والوجہ المائل الی الارض البھیمیۃ'' (حجۃ اللہ البالغہ ج ۱، ص ۶۷)

ترجمہ: اور جب نسمہ ایک برزخی چیز ہے جو روح الٰہی اور بدن ارضی کے مابین ہے تو ضروری ہے کہ اس کا ایک رخ ادھر روح کی طرف ہو اور ایک رخ ادھر بدن کی طرف ہو۔ اس کی جو جہت عالم قدس کی طرف جھکی ہو وہ ملکیت ہے اور جو جہت زمین کی طرف جھکی ہو وہ بہیمیت ہے۔

یہ ایک واقعی حقیقت ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ کے ہاں عالم برزخ میں روح کا ایک تعلق (جس میں روح بدن میں نشوونما کا کوئی تصرف نہ کرتی ہو) بدن ارضی سے ضرور قائم رہتا ہے۔ قاضی شمس الدین صاحب بھی اسے تسلیم کرتے ہیں: ''حضرت مرحوم نے عالم برزخ کا ایک سب سے کم درجے کا طبقہ ذکر فرمایا ہے جن کے ارواح کا تعلق ابدان کے ساتھ تسلیم کرتے ہیں۔'' (مسالک العلماء ص ۵۸)

محترم قاضی صاحب کہنا یہ چاہتے ہیں کہ کم درجے کے لوگوں میں تو روح و بدن کا کچھ تعلق قائم ہے لیکن انبیاء علیہم السلام اور شہداءؓ کے دھڑ قبروں میں بالکل بے جان پڑے ہیں۔ اُن کی ارواح کا ان سے کوئی تعلق نہیں۔ روح و

بدن کا یہ علاقہ صرف چھوٹے لوگوں میں قائم ہوتا ہے ۔

بریں عقل و دانش بباید گریست

قاضی صاحب کو یہ مغالطہ غالباً علامہ نسفیؒ کی عبارت سے لگا ہے جو علامہ سیوطیؒ نے اُن کی کتاب بحر الکلام سے نقل کی ہے۔ وہ واقعی نچلے طبقے کے بارے میں ہے: ''هي متصلة بأجساد ها فتعذب الارواح وتتألم الاجساد'' (نقلا من شرح الصدور للسیوطی ص ۱۰۴)

ترجمہ: وہ ارواح ان کے اجساد سے متصل رہتی ہیں (اس اتصال سے عذاب جو ارواح کو ہو رہا ہے ابدان کی تکلیف بنتا ہے) ارواح عذاب پاتی ہیں اور ابدان تکلیف اٹھاتے ہیں۔

یہ تعلقِ اتصال ہے جو نہایت قریب کا تعلق ہے۔ کاملین کے لئے یہ تعلق اشراق کا ہے جس میں ارواح ملاءِ اعلیٰ کی بلندیوں سے یا جہاں بھی وہ مصروفِ سیر ہوں ان کے ابدان پر تاثیر کرتی ہیں۔ نچلے طبقے کے لئے اتصال ہے اور کاملین کے لئے اشراق اور یہ اشراف ہے جس سے ابدان زندگی کا شرف پاتے ہیں۔ ہاں کوئی بزرگ اتصال کو اشراق کے معنی میں لیں تو یہ اس کی اپنی مراد ہوگی۔ اتصال اور اشراق دو مستقل حقیقتیں ہیں۔

یہاں ہم حیات شہداءؒ یا حیاتِ انبیاء علیہم السلام سے بحث نہیں کر رہے۔ موضوع زیرِ بحث عذابِ قبر ہے۔ ہم صرف یہ کہہ رہے ہیں کہ ہمارے ان دوستوں کے بیان کے مطابق حضرت شاہ صاحبؒ نچلے طبقے کے لئے (اور اکثریت انہی کی ہوتی ہے) برزخ میں روح و بدن کے تعلق کے قائل ہیں۔ سو حضرت شاہ صاحبؒ بھی پچھلی گیارہ صدیوں میں آ ملے۔ جن کا متفقہ عقیدہ ہم آپ کے سامنے پیش کر آئے ہیں کہ قبر میں راحت والم صرف روح کے لئے نہیں بدن کے لئے بھی ہے۔ عذاب روح پر اترتا ہے اور بدن اس سے تکلیف پاتا ہے۔ جیسا کہ علامہ نسفیؒ نے بحر الکلام میں اس کی تصریح کی ہے۔

اب اگر ابدان کاملین کے لئے یہ تعلقِ اشراق آپ کو حضرت شاہ صاحبؒ کے کلام میں نہ ملے تو اسے دلیل انکار بنانا کسی طرح درست نہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو آپ ۱۱۴۴ھ میں روضہ رسول پر مجاورت نہ کرتے اور آپ کو اس دوران وہاں جو مشاہدات ہوئے ان کا آپ کے ہاں کوئی ذکر نہ ہوتا۔ ان شاء اللہ العزیز ہم اس پر آگے چل کر بحث کریں گے۔ واللہ ولی التوفیق!

یہاں صرف یہ کہنا پیش نظر ہے کہ اگر ان حضرات کو عامہ اموات کے لئے تو یہ تعلق روح بالبدن (اتصال) حضرت شاہ صاحب کے کلام میں ملے اور کاملین کے لئے اشراق نہ ملے تو اسے دلیل انکار نہ بنائیں۔ جب ایک طبقے کے لئے ایک درجے کا یہ تعلق ان کے ہاں ثابت ہے تو دوسرے طبقے کے لئے ان کے حسب حال یہ تعلق کیوں نہ ہوگا۔ عدمِ ذکر کو یہاں ذکرِ عدم کے طور پر نہ لیا جائے اور اس بات کی گردان نہ کی جائے کہ حضرت شاہ صاحب کے کلام میں روح و بدن کے برزخی تعلق کا کہیں اشارہ تک نہیں ملتا۔

شہداء کی روحیں پرندوں کی صورت میں ہوں یا حواصلِ طیور میں ہوں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اب ان کا تعلق کسی اور بدن سے ہو ہی نہیں سکتا بدن کے عدم ذکر کو ذکرِ عدم کی دلیل نہ بنایا جائے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں: ''لامانع من تعلقها ببدن برزخي مغائر لهذا البدن الكثيف'' (حجۃ اللہ البالغہ ج ۲ ص ۲۱)

ترجمہ: روح کا تعلق اس بدنِ کثیف (اس عنصری بدن) کے علاوہ اس کے مغایر کسی بدن برزخی سے بھی ہو تو اس میں کوئی امر شرعی مانع نہیں ہے۔

جب یہاں کوئی مانع شریعت میں موجود نہیں تو روح کا تعلق اگر بدن عنصری سے بھی کسی درجے میں مان لیا جائے تو اس کے لئے کون سی نص مانع ہے۔ پرندوں والی روایت سامنے رکھ کر اب بدن سے تعلق کی کلی نفی کرتے چلے جانا کوئی دانائی نہیں ہے۔

اب آیئے بارہویں صدی کے دائرہ علم و عرفان میں آئیں اور حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ (۱۲۳۹ھ) کی طرف رجوع کریں۔ آپ اس مسئلہ میں کیا کہتے ہیں شرح عقائد نسفی کی شرح میزان العقائد میں لکھتے ہیں: ''فیعذب اللحم متصلا بالروح والروح متصلا بالجسد وکذا اذا صار ترابا یکون روحه بترابه والروح والتراب یتألمان'' (میزان العقائد ص ۹۸)

ترجمہ: سو اس گوشت پوست کو (اس عنصری بدن کو) روح کے اتصال سے عذاب ہوتا ہے اور روح کو بدن کے اتصال سے عذاب ملتا ہے اور اگر میت کا بدن ریزہ ریزہ ہو جائے تو اس کی روح مٹی کے ان ذروں سے متصل ہوگی اور روح اور یہ ذرات بدن دونوں عذاب قبر کی تکلیف اٹھائیں گے۔

عقائد سنت کا اثبات اور رافضیوں کا ابطال حضرت شاہ صاحبؒ کا خاص موضوع رہا ہے۔ روافض عذاب قبر کی بجائے عذاب رجعت کے قائل ہیں کہ ایک دفعہ پھر اسی دنیا میں آنا ہے۔ اور مجرموں نے اس کا عذاب یہاں پانا ہے سو جس طرح انہوں نے توحید کے ساتھ عدل، رسالت کے ساتھ امامت کی اختراع کی، آخرت کے ساتھ رجعت کا مقدمہ لگایا۔ روافض اہل سنت کے عقیدہ عذاب قبر پر اسی طرح برستے ہیں جس طرح دیگر اقوام ہند......

حضرت شاہ عبدالعزیزؒ ان کے اعتراض نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''ہم ایک شخص کو زمین پر مرا پڑا دیکھتے ہیں یا کسی کو مدتوں صلیب پر لٹکا پاتے ہیں یہاں تک کہ اس کے اجزائے بدن سب منتشر ہو گئے اور اس میں زندگی، قیام وقعود اور حرکت اور سوال و جواب کی کوئی بات نہ پائی گئی۔''

آپؒ اس کے جواب میں لکھتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ روح آں میت را بقدر یکہ ادراک وتالم وتلذذ ازو حاصل شود بہ بدنے از ابدان عنصریہ یا مثالیہ مخترعہ متعلق مے سازد وایں کار سرانجام مے فرماید ومحسوس نبودن ایں حرکات دلالت برعدم وقوع آنہانمے کند زیرا کہ ذوات اشخاص ملائکہ وجن را بحواس ادراک نمے کنیم چہ جائے کہ حرکات معہذا واقع است بلا شبہ عند المسلمین۔'' (تحفہ اثنا عشریہ ص ۲۸۴)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ اس میت کی روح کو اس درجے میں کہ وہ اس سے تکلیف وراحت پاسکے کسی عنصری بدن یا کسی مثالی بدن سے جو اسی کے لئے بنا ہو جوڑ دیتے ہیں اور اس کام کو (عذاب قبر کو) پورا فرماتے ہیں اور ان حرکات کا ہمیں دکھائی نہ دینا ان کے مواقع نہ ہونے پر دلالت نہیں کرتا۔ ہم فرشتوں اور جنات کی شخصیات کا بھی تو اپنے حواس سے ادراک نہیں کر پاتے چہ جائیکہ ان کی حرکات کو، حالانکہ یہ سب حقائق تمام اہل مذاہب کے ہاں مسلمات میں سے ہیں۔

یہاں آپؒ نے ابدان عنصریہ اور ابدان مثالیہ دونوں کی گنجائش رکھی ہے جن کو آپ جواب دے رہے ہیں ان کی نظر میں بعض صوفیوں کے ہاں ابدان مثالیہ کے اقوال موجود ہوں گے۔ آپ نے ہر پہلو کو ملحوظ رکھتے ہوئے

رافضیوں کو کلامی انداز میں جواب دیا ہے لیکن آگے چل کر آپ اسی بات پر آجاتے ہیں جو اہل سنت کا مختار ہے۔ آپؒ مذکورہ عبارت کے چند سطر بعد لکھتے ہیں: "خدا تعالیٰ قادر است برآنکہ...... روح آں میت را باوصف تعلقے کہ بدن خود پیدا کردہ منعم ومعذب کردہ اند۔" (ایضاً)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ اس میت کی روح کو اس تعلق سے جو اس کا اپنے (عنصری بدن سے) قائم ہے (قبر میں) نعیم وعذاب دے۔

پھر ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں ارواح انبیاء واولیاء کا مقر علیین ہے۔ لیکن ان ارواح کا اپنی قبروں سے بھی ایک تعلق ہوتا ہے جس سے وہ زائرین اور اپنے جاننے والوں کے آنے سے مستانس ہوتے ہیں (ان سے انس پاتے ہیں) آپؒ لکھتے ہیں: "تعلقے بہ قبر نیز ایں ارواح راے باشد کہ بہ حضور زیارت کنندگان واقارب ودیگر دوستاں بر قبر مطلع ومستانس مے گردند، زیرا کہ روح را قرب وبعد مکانی مانع ایں دریافت نے شود۔"

(فتاوے عزیزی پ ۳۰ ص ۱۲۵)

ترجمہ: ان روحوں کا اپنی قبروں سے بھی ایک تعلق ہوتا ہے جس سے وہ زیارت کے لئے آنے والوں اور اپنے اقارب اور دوستوں کی حاضری کو پہنچانتے ہیں اور مانوس ہوتے ہیں...... یہ اس لئے کہ روح کا مکانی قرب وبعد اس دریافت میں مانع نہیں ہوتا۔

پھر ایک جگہ ہندوؤں کو جواب دیتے ہوئے کہ مردوں کو جلانا صحیح طریقہ نہیں، دفن کرنا ہی درست ہے لکھتے ہیں: "دردفن کردن چوں اجزائے بدن بتامہ یکجاے باشد علاقہ روح بابدن از راہ نظر وعنایت بحال مے ماند وتوجہ روح بزائرین ومستانسین ومستفیدین بسہولت مے شود کہ بہ سبب تعیین مکان بدن گویا مکان روح ہم متعین است" (ایضاً ص ۶۱)

ترجمہ: میت کو دفن کرنے میں تمام اجزائے بدن یکجا رہتے ہیں روح کا تعلق بدن سے از راہ نظر وعنایت بحال رہتا ہے اور روح کی توجہ زیارت کرنے والوں اور مستفیض ہونے والوں پر بڑے آرام سے ہوتی ہے۔ بدن کی جگہ کے معین ہونے کے باعث گویا روح کو بھی ایک مقام معین مل گیا ہے۔

روح کا یہ تعلق کس بدن سے ہوتا ہے بدن عنصری سے یا کسی بدن مثالی سے؟ اس کا جواب بھی حضرت شاہ صاحبؒ سے لیں: "ارواح را تعلق بہ بدن خود کہ در قبر مدفون است البتہ مے باشد زیرا کہ مدت دراز دریں بدن بودہ اند۔" (فتاوے عزیزی ج ۲، ص ۳۴)

ترجمہ: ارواح کا تعلق اپنے بدن سے جو قبر میں مدفون ہوتا ہے قائم رہتا ہے کیونکہ ارواح مدتوں (اس دنیا میں) ان بدنوں میں رہ چکی ہیں۔

اور پھر لکھتے ہیں: "ثابت شد کہ روح باقی است واورا تعلقے خاص باجزاء بدن بعد مفارقت از وے وتغیر کیفیت وے نیز باقی است کہ بداں علم وشعور بزائران قبر واحوال ایشاں دارد۔" (ایضاً ج ۲ ص ۱۰۸)

ترجمہ: اور یہ بھی پتہ چلا کہ روح باقی ہے اور اس کا بدن سے مفارقت اور کیفیت کے تغیر کے باوجود اجزائے بدن سے ایک خاص تعلق قائم رہتا ہے اور تعلق سے قبر پر آنے والوں کو اور ان کے حالات کو جانتی اور پہنچانتی ہے۔

شیعہ اہل سنت کے اس عقیدے کے مقابل عذاب رجعت کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ اونچے درجے

کے لوگ اور نہایت درجے کے مجرمین ایک دفعہ پھر اس دنیا میں لوٹیں گے اور ان کی یہ زندگی اس عالم دنیا میں ہوگی۔ یہ اس طرح کی دوبارہ زندگی ہوگی جو حضرت عزیر علیہ السلام کو سو سال کے بعد پھر جی اٹھنے پر ملی تھی اور یہ بالکل دنیوی زندگی تھی۔ رجعت میں عالم برزخ کا نہیں دنیا کا سامنا ہوگا اور اس میں روح اور بدن کا وہی حقیقی تعلق ہوگا جو ہم اب اس دنیا میں محسوس کرتے ہیں یا جسے حضرت عزیر علیہ السلام نے دوبارہ زندہ ہو کر محسوس کیا تھا۔

شیعہ علماء نے اپنی کتابوں میں اپنے اس عقیدہ رجعت پر بڑی بحثیں کی ہیں۔ شریف مرتضیٰ (۴۳۶ھ) نے مسائل ناصریہ میں لکھا ہے زمان مہدی میں ابوبکر و عمر کو پھر سے زندہ کیا جائے گا۔

(تحفہ اثنا عشریہ ص ۲۴۲ فارسی، ص ۴۹۹ ص ۵۰۱ اردو)

اور ملا باقر مجلسی نے حق الیقین (طبع ایران) ص ۳۸۴ سے آگے کئی صفحات تک اس پر مفصل بحث کی ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ ان کے خلاف عقابی نظر رکھتے تھے۔ آپ نے اہل سنت کے عقیدہ عذاب قبر کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ عالم برزخ میں روح کا اس عنصری بدن سے اس طرح کا تعلق نہیں ہوتا جیسا کہ اس دنیا میں تھا۔ وہاں روح اور بدن کا ایسا تعلق ہے جو زیر پردہ ہے یہ کوئی کھلی زندگی نہیں جسے دوسرے بھی دیکھ سکیں۔ یہ ایک نہایت لطیف ربط ہے جو روح کو بدن سے ملاتا ہے۔

قبر میں اعادہ روح بھی اس طرح کا نہیں جس طرح حضرت عزیر علیہ السلام کو اس دنیا میں حاصل ہوا تھا۔ وہاں یہ صرف اس درجے میں ہے کہ میت کا علم و شعور لوٹ کر آئے اور وہ سوالوں کا جواب دے سکے یا پھر وہ وہاں کے الم و راحت کا ادراک کر سکے۔ یہ ادراک اسی بدن (یا اس کے ذرات) کے واسطہ سے ہوتا ہے۔ بدن روح کے لئے بمنزلہ آلہ ہے جس سے کسی تکلیف یا راحت کا ادراک ہو سکتا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ وہاں کے حالات کو اس دنیا کے حالات پر قیاس نہیں کیا جا سکتا...... آنحضرت ﷺ نے جو کچھ فرما دیا یا اس دین قیم کی جو وضاحتیں حضرات صحابہ کرامؓ اور ائمہ دین نے کیں اسے اسی طرح ماننا اور اسے اپنے عقیدے کا حصار جاننا ہمارے ذمہ ہے۔

دنیا اور برزخ میں ایک یہ فرق بھی ہے کہ یہاں کے امور اولاً بدن پر وارد ہوتے ہیں اور روح اس کے ذیل میں الم یا راحت پاتی ہے۔ اس کے لئے بدن کی بقا اور یکجا سلامتی ضروری ہے۔ عالم برزخ میں اصل واردات روح پر ہوتی ہیں بدن یا اجزائے بدن اس کے ذیل میں الم و راحت پاتے ہیں سو وہاں عذاب قبر کے لئے بقائے بدن یا بدن کی سلامتی ضروری نہیں۔ شاہ صاحبؒ نے یہ بات اس عالم کے مناسب کہی ہے۔ یہ نہیں کہ روح کا اس بدن سے کوئی علاقہ ہی نہیں رہا۔ ہاں وہ علاقہ جو پہلے اس بدن سے تھا اس کا انقطاع ہو چکا ہے۔ آپؒ شیعہ کو جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں: ”در قبر احیاء و اماتت حقیقیہ نیست بسبب انعکاس اشعہ روح بر بدن تعلقے پیدا مے شود کہ تغذیہ و تنمیہ بدن ہمراہ آں نمے باشد تا معنی حیات متحقق باشد۔“ (تفسیر عزیزی پ ۲۹، ص ۱۳۲)

ترجمہ: قبر میں میت کو زندہ کرنا اور مارنا ایسی حقیقی صورت میں نہیں ہوتا کہ اس کے لئے غذا کا تقاضا اور بدن کا نشو و نما ہو، یہ ہو تو حیات کے حقیقی معنی متحقق ہوتے ہیں یہاں صرف یہ ہے کہ روح کی شعاعوں کے انعکاس سے بدن سے ایک تعلق پیدا ہو جاتا ہے۔

یعنی اتنی حیات قبر کے سوال و جواب اور نعیم و عذاب کے لئے کافی ہے گو یہ حیات غذا اور نشو و نما والی نہ ہو۔ پھر آپ کا یہ کہنا کہ معذب روح ہے نہ کہ بدن...... حضرت شاہ صاحبؒ کی دیگر تصریحات کی روشنی میں اس کا

مطلب بھی یہ سمجھا جائے گا کہ براہ راست عذاب روح پر ہے بدن پر نہیں ...... کہ اس کے لئے بدن کی سلامتی شرط ٹھہرے۔ اس کا یہ مطلب نہ سمجھا جائے گا کہ اب اس عذاب کا اس بدن یا اس کے ذرات منتشرہ سے کوئی برزخی علاقہ بھی نہیں ہے...... کسی مصنف کی عبارت کی تشریح اس کے اپنے عقائد اور بیانات کی روشنی میں ہی ہونی چاہئے۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے جو وجہ لکھی ہے اس سے یہی سمجھ میں آتا ہے کہ بدن کی سلامتی عذاب قبر کے لئے لازمی نہیں۔

''معذب روح است نہ بدن تا بقائے بدن شرط تعذیب باشد''

ترجمہ: معذب (اصالۃ) روح ہے نہ کہ بقائے بدن اس عذاب کے لئے ضروری ہو۔

اب اگر کوئی مجاہد اس آخری عبارت کو اس کی تشریح کے بغیر حضرت شاہ صاحبؒ کا مؤقف قرار دے اور سمجھے کہ میں نے میدان مار لیا ہے اور ان صریح عبارتوں کو ایک نظر سے بھی نہ دیکھے جو ہم پہلے پیش کر آئے ہیں تو وہ خود سوچے کہ اللہ رب العالمین کے حضور اسے کیسے اپنے جہل کا عذر پیش کرنا ہوگا یا خیانت کا اقرار کرنا ہوگا؟ یہ تو کرامیہ کا عقیدہ ہے کہ وہ اپنے مسلک کی خاطر جھوٹ بولنا جائز سمجھتے ہیں آپ دیوبندی کہلاتے ہوئے ان کے جال میں کیسے پھنس گئے؟

ان کنت لا تدری فتلک مصیبة وان کنت تدری فالمصیبة اعظم

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (۱۱۷۶ھ) کے جانشین حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ (۱۲۳۹ھ) کا مؤقف آپ کے سامنے آچکا ہے۔ آپ نے شیعہ کے عقیدہ رجعت کی تردید کرتے ہوئے قبر کی زندگی کو اس دنیا کی سی نہیں بتلایا تاہم اہل سنت کے اس عقیدے کی بھی پوری حفاظت کی ہے جو اسلام کی بارہ صدیوں کے اہل حق کی متفقہ آواز تھی کہ عذاب قبر برحق ہے اور یہ روح اور بدن (یا ذرات بدن) دونوں کو شامل ہے اگر کہیں بدن مثالی کو بھی راہ دی جائے تو بھی بدن اصلی کو برزخ کی ان واردات سے کلی طور پر فارغ نہیں کیا جاسکتا۔

اب آیئے حضرت شاہ ولی اللہؒ کے تلمیذ رشید حضرت مولانا قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتیؒ (۱۲۲۵ھ) کے مسلک کو بھی دیکھتے جائیں۔ یہ آپ تیرہویں صدی سے گزر رہے ہیں اور یہ اس وقت کے اہل سنت کی متفقہ آواز ہے۔

آپ حضرت براء بن عازبؓ کی روایت کردہ حدیث کہ قبر میں روح بدن میں لوٹائی جاتی ہے اور یہ کہ مومنوں کی روحوں کا مقر علیین ہے تطبیق دیتے ہوئے لکھتے ہیں: ''وجه التطبيق ان مقر ارواح المؤمنين فی علّيين او فی السماء السابعة ونحو ذلک كمامر و مقر ارواح الكفار فی سجين ومع ذلک لكل روح منها اتصال بجسد فی قبره لايدرک كنهه الا الله تعالیٰ وبذلک الاتصال يصح ان يعرض علی الانسان المجموع المركب من الجسد والروح مقعده من الجنة او النار ويحس اللذة أو الألم ويسمع سلام الزائر ويجيب المنكر والنكير و نحو ذلک مما ثبت بالكتاب والسنة... قال النسفی فی بحر الكلام هی متصلة بأجسادها منها كالشمس فی السماء ونورها فی الارض'' (تفسیر مظہری ج ۱۰ ص ۲۲۵)

ترجمہ: وجہ تطبیق یہ ہے کہ مومنین کی روحوں کا مقر علیین میں ہے یا ساتویں آسمان میں اور اسی طرح کہیں ہو جیسا کہ گزرا اور کافروں کی روحوں کا مقر مقام سجین ہے اس سب کے باوجود ہر روح کا اپنے قبر میں رکھے بدن سے بھی ایک تعلق ہے جس کی حقیقت کو اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں اور اسی تعلق سے یہ درست ہے کہ انسان پر جو جسم اور روح سے مرکب ہے اس کا ٹھکانہ جنت یا دوزخ کا پیش ہوتا رہے اور اسی حیات سے وہ قبر کے نعیم اور عذاب کو محسوس کرتا

رہے۔زائرین کے سلام کرنے اور منکر ونکیر کے سوالوں کا جواب دے اور اس طرح کی اور باتیں جو کتاب وسنت سے ثابت ہوئی ہیں۔

علامہ نسفیؒ بحر الکلام میں لکھتے ہیں ارواح اپنے اجساد سے اسی طرح متصل ہیں جیسے سورج باوجودیکہ آسمان میں ہوتا ہے مگر اس کی روشنی زمین میں وسیع پھیلی ہوتی ہے۔

یہ صرف قارہ ہند کی بات نہیں علامہ ابن عابدین شامی (۱۲۵۲ھ) بھی اسی صدی سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپؒ اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''ولا یرد تعذیب المیت فی قبرہ لانہ توضع فیہ الحیوۃ عند العامۃ بقدر ما یحس بہ الألم والبنیۃ لیست بشرط عند اھل السنۃ بل تجعل الحیوۃ فی تلک الاجزاء المتفرقۃ لایدرکھا البصر'' (ردالمحتار ج ۳،ص ۲۰۱)

ترجمہ: اور میت کے عذاب قبر کا انکار نہ کیا جائے کیونکہ جمہور اہل اسلام کے نزدیک اس میں اس قدر حیات رکھ دی جاتی ہے کہ وہ اس عذاب کو محسوس کر سکے اور عذاب کے لئے بدن کا یکجا ہونا اہل سنت کے نزدیک شرط نہیں ہے اس صورت میں (بدن کے ریزہ ریزہ ہونے کی صورت میں) زندگی اجزائے متفرقہ میں رکھ دی جاتی ہے اور یہاں کی آنکھ اس عذاب کو دیکھ نہیں پاتی۔

یہاں حیات کی نوع سے بحث نہیں۔اتنا مان لیجئے کہ قبر میں میت کو اتنی حیات ضرور حاصل ہوتی ہے کہ وہ عذاب قبر کو پا سکے۔

''قال أھل السنۃ والجماعۃ عذاب القبر حق وسؤال المنکر والنکیر حق وضغطۃ القبر حق... فیعذب اللحم متصلا بالروح متصلا بالجسم فیتألم الروح مع الجسد'' (شامی باب الجمعہ ج ۱ ص ۶۱۰)

ترجمہ: اہل السنۃ والجماعۃ کہتے ہیں کہ عذابِ قبر اور منکر ونکیر کا سوال برحق ہے اور قبر کا دباؤ بھی برحق ہے ...... جسد کو عذاب روح کے اتصال سے ہوتا ہے اور جسم بھی اس کے ساتھ شامل ہوتا ہے اور روح جسد کے اتصال سے تکلیف کا احساس کرتی ہے (اور یہی عذاب قبر ہے)

قاضی شوکانیؒ (۱۲۵۵ھ) بھی اسی دور کے ہیں۔آپ اس مسئلے کی روشنی میں کہ دفن کے بعد وہاں دعائے مغفرت کرنی چاہئے اور اللہ سے میت کی ثابت قدمی مانگنی چاہئے کہ وہ صحیح جوابات دے پائے،احادیث پیش کرنے کے بعد لکھتے ہیں: ''فیہ مشروعیۃ الاستغفار للمیت عند الفراغ من دفنہ وسؤال التثبیت لہ لانہ یسئل فی تلک الحال وفیہ دلیل علیٰ ثبوت حیاۃ القبر وقد وردت بذلک احادیث کثیرۃ بلغت حد التواتر وفیہ ایضا دلیل علی ان المیت یسئل فی قبرہ وقد وردت بہ ایضا احادیث صحیحۃ فی الصحیحین وغیرھما وورد ایضا مایدل علی ان السوال فی القبر المختص بھذہ الامۃ کمافی حدیث زید بن ثابت عند مسلم ان ھذہ الامۃ تبتلی فی قبورھم وبذلک جزم الحکیم الترمذی'' (نیل الاوطار ج ۴،ص ۱۳۹)

ترجمہ: اس میں میت کے دفن سے فارغ ہونے کے بعد اس کے لئے دعائے مغفرت کی مشروعیت اور اس کے لئے ثابت قدمی کی استدعا ہے کیونکہ اس وقت اسے پوچھا جا رہا ہوتا ہے...... اور اس میں حیات قبر کا ثبوت ہے اور اس پر اس کثرت سے احادیث وارد ہیں کہ وہ تواتر تک پہنچتی ہیں...... اور اس میں اس کی بھی دلیل ہے کہ میت سے قبر میں سوال ہوتے ہیں اور اس پر بھی صحیحین اور دوسری کتابوں میں صحیح احادیث موجود ہیں اور یہ بھی وارد

ہے کہ قبر میں سوال ہونا اس امت سے مختص ہے جیسا کہ صحیح مسلم میں حضرت زید بن ثابتؓ سے مروی ہے کہ اس امت کے لئے قبر کی ایک آزمائش ہے۔ حکیم ترمذیؒ بڑے جزم سے اس کے قائل ہیں۔

یہاں یہ بات خاص طور پر سامنے رہے کہ قاضی صاحب کے ہاں حیات فی القبر کا ثبوت حد تواتر کو پہنچتا ہے اور یہ بات اہل علم سے مخفی نہیں کہ اسلام میں تواتر سے ہونے والے امور کا انکار قطعیات اسلام کا انکار ہے۔

قاضی شوکانیؒ نے دفن کے بعد قبر کے پاس ٹھہرنے اور میت کے لئے دعا کو صرف مشروعیت کی سند دی ہے۔ شافعیہ کے ہاں اسے سنت کا درجہ حاصل ہے۔ فقہ شافعی کی مشہور کتاب منہاج میں ہے: ''ویسن ان یقف جماعۃ بعد دفنہ عند قبرہ ساعۃ یسئلون لہ التثبیت'' (منہاج ج۱، ص ۴۲۴)

ترجمہ: اور مسنون ہے کہ ایک جماعت میت کو دفن کرنے کے بعد اس کی قبر کے پاس ٹھہری رہے جو اس کے لئے (میت کے لئے) ثابت قدمی کی دعا مانگتے رہیں۔

منہاج کی شرح زاد المحتاج (ج ۴، ص ۴۲۴) میں اس پر صحیح مسلم کے حوالے سے حضرت عمرو بن العاصؓ کی یہ وصیت نقل کی گئی ہے: ''اذا دفنتمونی فاقیموا بعد ذلک حول قبری ساعۃ قدر ما تنحر جزور ویفرق لحمہا حتی أستأنس بکم'' (صحیح مسلم ج۱، ص ۱۱۲)

ترجمہ: جب تم مجھے دفن کر چکو تو اس کے بعد میری قبر کے گرد اتنا وقت ٹھہرو جتنے میں ایک اونٹ نحر کر کے اس کا گوشت بانٹا جا سکے (اتنا وقت اس لئے ٹھہریں) کہ میں تم سے مانوس ہوں۔

قاضی شوکانیؒ نے جو بات کہی ہے کہ سوال فی القبر اور وہاں کا عذاب گو وہ ادنی ہو اس امت کی خصوصیت ہے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی رائے بھی یہی ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں: ''اخبر النبی ﷺ ان عذاب امتہ فی قبورھم'' (حجۃ اللہ البالغہ ج ص، مترجم ص ۱۰۷)

ترجمہ: نبی ﷺ نے خبر دی ہے کہ آپ کی امت کا عذاب ان کی قبروں میں ہے۔

اب آگے چلیں۔ عمدۃ المحققین حضرت علامہ محمود آلوسیؒ (۱۲۷۰ھ) بھی اسی صدی کے ہیں۔ آپؒ لکھتے ہیں:

''واختلف فی ھذہ الحیوۃ فذھب کثیر من السلف الی انھا حقیقیۃ بالروح والجسد ولکنا لا ندر کہا فی ھذہ النشأۃ'' (روح المعانی ج ۲، ص ۱۷)

ترجمہ: اور اس قبر کی حیات میں اختلاف ہے سلف صالحین کی اکثریت اس طرف ہے کہ یہ روح وجسد کے ساتھ حیات حقیقی ہے لیکن ہم اسے اس دنیا میں دیکھ نہیں پاتے۔

حیات حقیقی ہو یا کسی اور نوع کی ہو حیات حیات ہے اور اسی سے میت کو عذاب قبر ہوتا ہے۔

''والجمہور علی عود الروح الی الجسد او بعضہ وقت السؤال علی وجہ لا یحس بہ اھل الدنیا الا من شاء اللہ تعالیٰ منھم۔'' (روح المعانی ج ۲۲، ص ۵۷)

ترجمہ: اور جمہور اہل اسلام اس کے قائل ہیں کہ روح سوال کے وقت بدن کی طرف یا اس کے بعض حصہ کی طرف لوٹائی جاتی ہے اور یہ ایسے انداز پر ہوتا ہے کہ اہل دنیا اسے محسوس نہیں کر سکتے۔ مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اہل دنیا میں سے کسی پر یہ باطن کھول دے۔

علامہ آلوسیؒ نے ان اجساد کی بحث میں جو یکجا نہ رہے ہوں اور متفرق جگہ پھیل چکے ہوں ایک یہ بات کہی ہے کہ اس کے جواب میں یہ موقف اختیار کرنا کہ اللہ تعالیٰ ان سب اجزاء کو پھر ایک جا کر دے گا اور اس پر برزخ کی واردات ہوں گی یہ کوئی مسئلے کا رخ نہیں ہے۔ جب ہم اسے (روح کو) کسی اور برزخی بدن سے متعلق کر سکتے ہیں تو کیا ضرورت پڑی ہے کہ ہم اس کے نئے سرے یکجا ہونے کا قول کریں۔

علامہ آلوسیؒ نے یہ بات صرف ان ابدان کے بارے میں کہی ہے جو ریزہ ریزہ ہو چکے ہوں اور وہ بھی صرف ایک سوال کا جواب دینے کے لئے اور آپ نے تعبیر بھی ایسی اختیار کی کہ بدن کے یکجا ہونے کا موقف اختیار کرنے کی کیا ضرورت پڑی ہے جب اس کا ایک اور حل ممکن ہے تو ہم اس پیچیدگی میں کیوں پڑیں۔ یہ ترتیب کلام بتاتی ہے کہ یہاں علامہ آلوسیؒ محض ایک کلامی انداز میں بات کر رہے ہیں ورنہ عقیدہ ان کا وہی ہے جسے آپ دوسرے مقامات پر زیادہ واضح انداز میں کہہ آئے ہیں۔ آپ نے مذکورہ بات اسی انداز میں کہی ہے کہ وہ منکرین پر حجت ہو سکے اور جس طرح بھی ہو وہ عذاب قبر اور سوال قبر کے عقیدہ پر آسکیں۔

''اما القول بحیاۃ ھذا الجسد الرمیم مع عدم بنیۃ وتفرق اجزائہ وذھاب ھیئۃ وان لم یکن ذلک بعیدا من قدرۃ من یبدء الخلق ثم یعیدہ لکن لیس الیہ کثیر حاجۃ ولا فیہ مزید فضل ولا عظیم منۃ''

(روح المعانی ج ۲، ص ۲۱)

ترجمہ: اور اس ریزہ ریزہ ہوئے جسم میں یکجا نہ ہونے کے باوجود حیات کا عود کر آنا اگرچہ اللہ رب العزت کی قدرت سے بعید نہیں جو پہلی تخلیق بخشتا ہے اور پھر اسے لوٹائے گا لیکن یہ موقف اختیار کرنے کی ہمیں کوئی زیادہ ضرورت نہیں نہ اس میں کوئی خاص فضیلت ہے نہ کوئی بڑا احسان (کیونکہ قبر کا سوال وجواب اور اس کا نعیم وعذاب ایک دوسری صورت میں بھی قائم ہو سکتا ہے)

یہ پیرایہ بیان کیا مسئلے کی صورت واضح کرتا ہے یا یہ محض ایک کلامی اندازِ جواب ہے یہ آپ فیصلہ کریں۔

عقیدہ کے بیان میں آپ نے جو پیرایہ اختیار فرمایا ہے وہ یہ ہے: ''اعلم ان اتصال الروح بالبدن لا یختص بجزء دون جزء بل ھی متصلۃ مشرقۃ علی سائر اجزائہ الاصلیۃ لانھا التی یقوم بھا الانسان من قبرہ یوم القیمۃ علیٰ ما اختارہ جمع واعلم ایضا ان الروح علی القول بتجردھا لا مستقر لھا بل لا یقال انھا داخل العالم او خارجہ کما سمعت وانما المستقر حینئذ البدن الذی تتعلق وقد نص بعض الصوفیۃ علی انہ لا مانع من ان تتعلق نفس ببدنین فاکثر بل ھو واقع عندھم وذکر بعضھم ان احد البدنین ھو البدن الاصلی والآخر مثالی یظھر للعیان علی وجہ خرق العادۃ'' (ایضاً ج ۱۵ ص ۱۶۳)

ترجمہ: جان لو کہ روح کا بدن سے اتصال کسی ایک حصہ بدن سے مختص نہیں بلکہ یہ بدن کے سارے اجزائے اصلیہ سے متصل اور اس پر پرتو انداز ہے کیونکہ وہ اجزائے اصلیہ ہی ہیں جن کے ساتھ انسان قیامت کے دن اپنی قبر سے اٹھے گا بہت سے لوگوں کا یہی کہنا ہے اور یہ جانو کہ روح کا بصورت اس کے تجرد کے اعتقاد کے معین ٹھکانہ نہیں، یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ وہ اس عالم میں ہے یا اس عالم سے خارج ہے جیسا کہ تم نے سنا، اس صورت میں اس کا مستقر وہ بدن ہوگا جس سے وہ متعلق ہے، اور بعض صوفیہ نے کہا ہے کہ اس میں کوئی علمی رکاوٹ نہیں کہ ایک

روح دو بدنوں یا ان سے بھی زیادہ ابدان سے متعلق ہو بلکہ (ان کے ہاں) ایسا واقع بھی ہے، اور بعض صوفیہ نے کہا کہ دو بدنوں میں ایک بدن اصلی (دنیا والا) ہے اور دوسرا مثالی، جو کبھی خرق عادت کے طور پر لوگوں کو نظر آتا ہے۔

چودھویں صدی کی شہادت

اب آیئے ہم آپ کو چودھویں صدی میں لے چلیں۔ اس صدی کے اکابر علماء میں شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسنؒ (۱۳۳۹ھ)، حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوریؒ (۱۳۴۶ھ)، مفتی عزیز الرحمنؒ (۱۳۴۶ھ)، امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ (۱۳۵۲ھ)، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ (۱۳۶۲ھ) اور مفتی اقلیم ہند حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ (۱۳۷۲ھ) سرفہرست ہیں۔ ان بزرگوں کے وقت میں دیوبند کے مفتی عزیز الرحمنؒ (۱۳۴۶ھ) تھے۔

جماعت اہل حدیث میں نواب صدیق حسن خاں (۱۳۰۷ھ) اور مولانا نذیر حسین دہلوی (۱۳۲۰ھ) اس دور کے اکابر علماء میں سے سمجھے جاتے ہیں۔

حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ (۱۳۵۲ھ): ''ثم السؤال عندی یکون بالجسد مع الروح''
(فیض الباری ج ۴ ص ۱۸۵)

ترجمہ: قبر کے یہ سوال میری تحقیق کے مطابق جسد سے ہوتے ہیں جس کے ساتھ روح شامل ہے۔

''فان البدن بدون الروح جماد لاحراک له والروح بدون البدن معطلة عن الافعال فاحتاج احدهما الی الآخر فلما اشترکا فی الکسب اشترکا فی الاجر اد الوزر'' (ایضا ص ۱۱۵)

ترجمہ: بدن بغیر روح کے ایک جمادی چیز ہے جس میں حرکت نہیں ہوتی اور روح بغیر بدن کے عمل سے خالی ہے ان دونوں میں سے ایک دوسرے کا محتاج ہے پس جب یہ دونوں کسب عمل میں ایک دوسرے کے ساتھ شریک ہیں تو یہ دونوں (نیک اعمال کے) اجر اور (برے اعمال کی) پکڑ میں بھی شریک ہونے چاہئیں۔

''ثم لاحاجة فی إثبات عذاب القبر الی ما قاله الصوفیة ان العذاب علی البدن المثالی دون المادی وحینئذ لابعد ان لم نشاهد احدا یعذب فی قبره فان الا سهل ان یقال انه من عالم الغیب واقامة الدلائل العقلیه علیه جهل ومن یطیق ذلک'' (ایضا ج ۲، ص ۴۷۶)

ترجمہ: عذاب قبر ثابت کرنے کے لئے اس طرف جانے کی حاجت نہیں جو صوفیہ کرام نے تجویز کی ہے کہ عذاب کسی بدن مثالی پر ہوتا ہے اس دنیا والے مادی بدن پر نہیں اور اس صورت میں (بدن مثالی کی تجویز پر) استبعاد نہیں رہتا۔ اگر ہم کسی کو قبر میں عذاب پاتے نہ دیکھ سکیں اس سے زیادہ سہل بات تو یہ ہے کہ اسے عالم غیب کا ایک عمل کہیں (جو ہماری نظر سے اوجھل ہے) اور عالم غیب کی حقیقتوں پر دلائل عقلیہ قائم کرنا یہ خود ایک جہالت ہے اور ایسا کر بھی کون سکتا ہے۔

فیصلہ مفتی اعظم دیوبند حضرت مفتی عزیز الرحمن صاحب عثمانیؒ (۱۳۴۶ھ): (۱) قبر میں بھی روح کا تعلق رہتا ہے اور مستقر اصلی اس کا علیین ہے یا سجین۔ (۲) عذاب روح پر مع الجسم ہوتا ہے۔

(فتاوی دار العلوم دیوبند ج ۵ ص ۴۲۷ مطبوعہ دیوبند)

حضرت مولانا حسین علی صاحب (۱۳۶۲ھ): اس بات پر کہ قبر کے سوال کے وقت روح بدن میں عود کرتی ہے اور تعلق ہمیشہ رہتا ہے گو بدن ریزہ ریزہ اور متفرق و منقسم ہو چکا ہو احادیث متواتر وارد ہیں۔

(تحریرات حدیث ص ۲۵۷)

یہ چودہ سو سال کی شہادت آپ کے سامنے ہے ہم نے ہر صدی کے علماء کے بیانات آپ کے سامنے رکھ دیئے ہیں۔ سنت الٰہی یہ رہی ہے کہ سو سال سے زیادہ اس امت میں کسی غلطی کو قرار نہیں دیا جاتا، نہ امت کو اس پر رہنے دیا جاتا ہے۔ اس امت میں صدی وار مجدد ین آتے ہیں جو اس کے دین کو بیرونی آمیزشوں سے پاک کرتے رہتے ہیں سو جو شہادت چودہ سو سال سے ایک ہی نہج پر آ رہی ہو اور جمہور علمائے اسلام اس بات پر متفق ہوں کہ عذاب قبر برحق ہے اور یہ بدن اور روح دونوں کو شامل ہے اور کہیں بدن مثالی ہو بھی تو اس عذاب یا راحت کو اس بدن عنصری سے بالکل لاتعلق نہیں رکھا جا سکتا اور ان واردات برزخی میں جملہ اموات ایک ہیں۔

نواب صدیق حسن خاں صاحب (۱۳۰۷ھ) لکھتے ہیں: ''احادیث متواترہ اند برآنکہ عودے کند روح بسوئے بدن وقت سوال وایں تعلق ہمیشہ میماند اگرچہ جسد جان دریدہ متفرق و منقسم گردد'' (التنکیت ص ۳۳)

ترجمہ: روح بوقت سوال بدن میں آتی ہے اس پر احادیث متواترہ وارد ہیں اور یہ تعلق بعد میں بھی رہتا ہے۔

''وجملہ اموات از مومنین وکفار از حصول علم وشعور وادراک وسماع وعرض اعمال وردجواب برزائر برابر اند تخصیص بانبیاء وصلحاء نیست۔''

ترجمہ: جملہ اموات خواہ مومن ہوں یا کافر برزخ کے علم وشعور اور ادراک وسماع اور عرض اعمال میں اور زائر کے سلام کا جواب دینے میں برابر ہیں۔ برزخ کی زندگی میں انبیاء وصلحاء کی تخصیص نہیں۔

برزخ کی یہ حیات سب کو حاصل ہے گو ہر ایک کی یہ حیات اس کے اپنے حالات اور مقامات کے مطابق ہو۔ امید ہے نواب صاحب کی اس تصریح کے بعد غیر مقلد حضرات مولانا محمد اسماعیل صاحب (گوجرانوالہ) کے اس بیان کو کوئی اہمیت نہ دیں گے۔

ہم نے اب تک یہاں جو بحث کی ہے وہ عذاب قبر کے باب میں اس عقیدے کو شامل ہے کہ قبر کا یہ عذاب یا اس کی راحت روح اور اس کے جسد عنصری دونوں کو شامل ہے۔ اللہ رب العزت جسد میت میں ایک ایسی برزخی حیات پیدا کر دیتے ہیں جس سے وہ قبر کے الم ولذت کا ادراک کر سکے۔

یہ حیات روح کے تعلق سے قائم ہوتی ہے یا اعادہ روح سے یہاں دونوں صورتوں کی گنجائش ہے جو چیز مطلوب ہے وہ اس بدن عنصری کی اس درجہ کی حیات ہے کہ اس پر عذاب قبر یا اس کی راحت مرتب ہو سکے وہ جس راہ سے بھی ہو۔ اہل سنت کو کسی ایک پر اصرار نہیں۔

ہاں مطالعہ کتب سے ہمیں دونوں مسلک ملتے ہیں اور ان میں سے کوئی بھی اہل سنت سے باہر نہیں۔ ہاں جو نہ اعادہ روح کا قائل ہو نہ تعلق روح کا وہ بے شک معتزلہ یا کرامیہ کی گود میں جا چکا ہے ان دو مسلکوں میں پہلا مسلک محدثین کا ہے اور دوسرا متکلمین کا...... محدثین ان حدیثوں پر اعتماد کرتے ہیں جن میں قبر میں روح کے دوبارہ لوٹائے جانے کا ذکر ہے گو یہ لوٹایا جانا دنیا کی طرح کا نہ ہو۔ اور متکلمین ہر اس طریق کو تسلیم کرتے ہیں جس سے بدن مدفون میں اتنی حیات مانی جا سکے جو وہاں کی الم وراحت کا ادراک کر لے۔

مسلک محدثین ...... بحث اعادہ روح

محدثین علم نبوت کے امین ہیں اور متکلمین اس کے پہرہ دار...... اسلام پر جب کسی نے فکری حملہ کیا تو متکلمین نے انہیں انہی کے ہتھیاروں سے عقل، تجربات، مشاہدات اور ان کی روایات سے شکست دی لیکن دائرۂ امت کے اندر علم کے جو چراغ جلے وہ محدثین نے ہی جلائے ہیں فقہاء نے یہ کوشش کی کہ ان چراغوں کی روشنی جتنی دور تک لے جاسکیں لے جائیں اور کتاب وسنت کے منصوص مسائل کو غیر منصوص حدود تک پھیلا دیں۔

زندگی کے مسائل سمجھنے اور سمجھانے آسان ہیں۔ مابعد الموت حقیقتوں پر دبیز پردے پڑے ہیں۔ انہیں جب بھی کسی نے اٹھانے کی کوشش کی عقلِ انسانی ان کی اتھاہ گہرائیوں میں گم ہو کر رہ گئی۔ متکلمین نے اپنے انداز میں فکر اسلامی کا پہرہ دیا لیکن احاد امت نے ہمیشہ محدثین کے سایہ میں پناہ لی۔ یہ سارا کاروبار مجتہدین کے سایوں میں چلتا ہے اور یہی آج امت کے لئے صراط مستقیم ہے اور یہ وہی راہ ہے جس پر پہلے انعام یافتہ لوگ چلے وہ نہ مورد غضب ہوئے نہ راہ سے بہکے اور نہ بھٹکے۔

جب ہم میت کو دفن کرآتے ہیں تو اس پر کیا گزرتی ہے اس پر تاہیں عالم کے پردے پڑے ہیں۔ قبر کے اندر جھانکتے بھی رہیں تو اس عالم کی آنکھیں عالم برزخ کی واردات کو پا نہ سکیں گی اور ان پر یہ پردہ قیامت تک پڑا ہے۔ الا یہ کہ اللہ تعالیٰ کسی صاحب مقام پر یہ پردہ کھول دیں۔ علمی زبان میں اسے کشف کہا جاتا ہے۔

پردے کے پیچھے کی حقیقتوں کو جاننے کا ایک ہی طریقہ ہے وہ یہ کہ ہم لسان نبوت پر اعتماد کریں اور جو بات سمجھ میں نہ آئے اسے حضرت خضر کے سپرد کر دیں۔ آخر ہر بات کا جاننا بھی تو ہمارے لئے ضروری نہیں۔ کوئی بیرونی فکری حملہ آور ہو تو متکلمین کے حصار میں رہ کر اس کا جواب دیا جاسکتا ہے۔

حقیقت تک پہنچنے کے دو علمی زینے

پیشتر اس کے کہ ہم اعادہ روح کی روایات کی تصحیح میں محدثین کے عمومی مؤقف پر بحث کریں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے روایت کے عمومی مزاج پر کچھ بات کر لی جائے اور پھر یہ بات سمجھی جائے کہ ہم لوگوں (متاخرین) کے لئے تصحیح روایت کے کیا کیا طریق ہیں۔

روایت کا مدار اس کے راویوں پر ہوتا ہے ان راویوں کے حالات اسماء الرجال سے ملتے ہیں دیانت اور یاداشت راویوں کی بنیادی صفات ہیں۔ یہ لائق اعتماد ہوں تو روایت قابل قبول ہو جاتی ہے۔ راوی فاسق بھی ہو تو اس کی روایت واجب الرد نہیں لائق تبیّن ہے ممکن ہے اور قرائن (دیگر قریب کے حالات) سے یہ پختہ ہو جائے۔

قرآن کریم نے ہمیں یہ اصولی تعلیم دی ہے: "يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ" (پ ۲۶، الحجرات ۶)

ترجمہ: اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس کوئی فاسق شخص کوئی خبر لے آئے تو تم اس کا تبین کرو (اس کی دوسرے ذرائع سے پڑتال کرو) کہیں ایسا نہ ہو کہ تم ناواقفی میں کسی قوم سے جا الجھو اور پھر اپنے کئے پر تمہیں ندامت اٹھانی پڑے۔

منکرین حدیث کا طریق واردات یہ ہے کہ جونہی کسی راوی پر کوئی کلمہ اختلاف نظر سے گزرا، اچک لیا کہ یہ روایت تو کسی درجے میں لائق اعتماد نہیں ہے۔ اہل علم کہیں گے اصل ہر شخص میں تعدیل ہے بشرطیکہ وہ خود مجہول نہ ہو جب تک اس کے خلاف واضح السبب جرح نہ آجائے اسے مجروح نہ سمجھا جائے اور جب جرح کرنے والے اور تعدیل کرنے والے دونوں طرف ہوں تو اگر جرح مبین السبب نہیں تو دونوں طرف کے ائمہ جرح وتعدیل میں وزن اور غلبہ کو دیکھا جائے گا...... جرح کا لفظ دیکھتے ہی اچھل پڑنا اور قواعد علم سے اس کا جائزہ نہ لینا یہ منکرین حدیث کا طریق واردات ہے اہل تحقیق کا نہیں۔

اگر صرف الفاظ جرح کی ہی تلاش ہے تو کیا ایسے الفاظ امام الائمہ حضرت امام ابو حنیفہؒ اور حضرت امام بخاریؒ کے خلاف موجود نہیں؟ کیا حضرت امام شافعیؒ پر یحییٰ بن معینؒ کی جرح نہیں؟ کیا امام ترمذیؒ کو مجہول کہنے والے اہل علم یہاں نہیں گزرے؟

"مامن الائمة الاو قد طعن فيه طاعنون وهلك فيه هالكون"

ترجمہ: ائمہ میں کوئی ایسا نہیں گزرا مگر یہ کہ طعنہ کرنے والے اس پر طعن کرتے رہے۔ اور ہلاک ہونے والے (ان کی مخالفت میں) ہلاک ہوتے رہے۔

سو ضروری ہے کہ رواۃ کا اصول حدیث کی روشنی میں جائزہ لیا جائے اور جرح قوی نہ ہو تو جارحین اور معدلین میں قوت اور غلبہ دیکھا جائے۔ اندھے کی لاٹھی سے ہر ایک کو ہانکتے چلے جانا یہ پورے علم حدیث سے اعتماد اٹھانے کی خوفناک حرکت ہے۔

دوسری بات یہ پیش نظر رہے کہ تصحیح حدیث صرف تصدیق رواۃ سے نہیں ہوتی ائمہ فن کی تصحیح وتصدیق سے بھی ہوتی ہے۔ اور اس طرح سے بھی حدیث لائق قبول ہو جاتی ہے۔

حافظ شمس الدین الذہبیؒ (۷۴۸ھ) لکھتے ہیں: "اذ العمدة فی زماننا ليس على الرواة بل على المحدثين والمفيدين والذين عرفت عدالتهم وصدقهم فی ضبط اسماء السامعين" (میزان الاعتدال ج ۱ ص ۴)

ترجمہ: ہمارے زمانے میں لائق اعتماد راہ راویوں کی تحقیق نہیں بلکہ محدثین اور اساتذہ فن پر اعتماد ہے اور ان لوگوں پر جن کی عدالت جانی جا چکی اور ان کا صدق راویوں کے ضبط اعتماد میں جانا جا چکا۔

فن کے عارفین اور علماء بارعین جو بات کہتے ہیں اس تک رسائی ہر اجنبی کی نہیں ہو سکتی۔ ان سے خود بھی پوچھا جائے تو وہ اپنی حذاقت کو دو سطروں میں اگل سکیں گے جرح وتعدیل کے مقتدر امام عبد الرحمن بن مہدیؒ (۱۹۸ھ) کہتے ہیں: "ومعرفة الحديث الهام فلو قلت للعالم بعلل الحديث من اين قلت هذا؟ لم يكن له حجة" (معرفۃ علوم الحدیث ص ۱۱۳)

ترجمہ: اور حدیث کی معرفت ایک دل میں اتری صداقت ہے، آپ اگر کسی علل حدیث کے عالم سے پوچھیں کہ یہ بات تو نے کہاں سے کہی ہے تو شاید وہ بھی اپنی بات پر حجت قائم نہ کر پائے۔

حافظ جلال الدین سیوطیؒ (۹۱۱ھ) لکھتے ہیں:

"ان الجرح انما جوز فی الصدر الاول حيث كان الحديث يوخذ من صدور الاحبار لا من بطون الاسفار... اما الآن فالعمدة على الكتب المدونة" (الکاوی فی تاریخ السخاوی کمانی الرفع والتکمیل ص ۵۰)

ترجمہ: جرح پہلے دور میں اس لئے جائز رکھی گئی تھی کہ حدیث علماء کی یادداشتوں سے حاصل کی جاتی تھی کتابوں کے ذخیرہ سے نہیں...... لیکن ان دنوں (بعد کے ادوار میں) اعتماد ان کتابوں پر ہے جو (اس فن پر) مدون ہو چکی ہیں۔

سو ہم اپنے قارئین کو اس طرف بھی متوجہ کریں گے کہ وہ دیکھیں کہ اعادہ روح کی حدیث کو کن کن ماہرین فن نے قبول کیا ہے۔

آیئے! اب ہم وہ روایت حضرت امام احمد بن حنبلؒ (۲۴۱ھ)، جو حضرت امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ کے استاذ ہیں کے حوالہ سے پیش کرتے ہیں:

حدیث اعادۂ روح

حضرت امام احمدؒ نے یہ حدیث محمد بن خازم ابو معاویہ سے لی۔ وہ کہتے ہیں ہم نے یہ حدیث اعمش سے لی، وہ اسے منہال بن عمرو سے اور وہ اسے زاذان تابعی سے روایت کرتے ہیں زاذان اسے براء بن عازبؓ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ مومن کی روح جب قبض ہونے کے بعد ساتویں آسمان پر پہنچائی جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ حکم دیتے ہیں کہ میرے اس بندے کا نام علیین میں لکھو اور پھر اسے زمین کی طرف لوٹا دو کیونکہ:
''مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى''

ترجمہ: میں نے انہیں اسی سے (مٹی سے) پیدا کیا اور اسی میں انہیں لوٹاؤں گا اور اسی سے انہیں پھر اٹھاؤں گا۔

اس کے بعد کیا ہوتا ہے اسے حدیث کے الفاظ میں پڑھیں: ''فتعاد روحه في جسده فيأتيه ملكان فيجلسانه فيقولان له من ربک''

(مسند امام احمد ج ۴، ص ۲۸۷، تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۵۳۱، ابن جریر ج ۱۳ ص ۲۱۴، مشکوٰۃ ص ۱۴۲)

ترجمہ: سو اس کی روح پھر اس کے جسد میں لوٹائی جاتی ہے اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اسے بٹھاتے ہیں اور اسے کہتے ہیں تیرا پالنے والا کون ہے؟

صحاح ستہ کی مرکزی کتاب سنن ابی داؤد میں بھی یہ حدیث موجود ہے[1] اور اسے ابوداؤد الطیالسی نے بھی روایت کیا ہے سو قبر میں میت میں روح کا پھر سے آنا اس کے علیین یا سجین میں جانے کے منافی نہیں۔

محدث حاکمؒ نے بھی اسے مستدرک میں روایت کیا ہے۔ حافظ ذہبیؒ نے اس کی تصحیح کا اقرار کیا ہے......

حاکم نے ساتھ ہی یہ الفاظ بھی لکھے ہیں: ''وفي هذا الحديث فوائد كثيرة لاهل السنة وقمع المبتدعة''

(مستدرک حاکم ج ۱ ص ۳۹)

ترجمہ: اور اس حدیث میں اہل السنۃ کی بہت تائید ہے اور بدعتیوں کی خوب اکھاڑ ہے۔

حاکم (۴۰۵ھ) نے پانچویں صدی دیکھی ہے۔ اس وقت معتزلہ اور کرامیہ پیدا ہو چکے تھے جو عذاب قبر

---

[1] سنن ابی داؤد ج ۲ ص ۲۹۸۔ مسند ابی داؤد الطیالسی ص ۱۰۲ میں ہے: فیرد الی الارض وتعاد روحه في جسده

کے منکر تھے۔ ابن حزم (۴۵۷ھ) بھی اس کے قریب قریب ہوئے جو عذاب قبر کو صرف روح سے متعلق مانتے تھے۔ حاکم حدیث براء﷜ روایت کر کے اہل سنت کے عقیدہ کی تائید کر رہے ہیں اور دوسروں کو بدعتی کہہ رہے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دنوں تک عذاب قبر اور اس کے روح وجسد دونوں کو شامل ہونے کے خلاف بدعتیوں کے سواء اور کوئی نہ تھا کل بھی یہ بدعتی تھے اور آج بھی بدعتی ہیں۔

حدیث کے راویوں پر کلام

اس کا پہلا راوی ابومعاویہ ثقہ ہے (تقریب للحافظ ابن حجر) دوسرا راوی سلیمان بن مہران الاعمش بھی ثقہ ہے (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۴۵) تیسرا راوی منہال بن عمرو ہے یحییٰ بن معین کہتے ہیں یہ ثقہ ہے (تہذیب ج ۱۰ ص ۳۲۰) شعبہ اس کی روایت نہ لیتے تھے وہ یہ کہتے تھے کہ ان کے گھر سے ساز کی آواز سنی گئی تھی یہ پتہ نہیں چل سکا کہ کس نے سنی۔ یہ ہوسکتا ہے کسی نے بے پر کی اڑادی ہو۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے اس الزام کے بارے میں لکھا ہے: ''لم یصح عنہ ذلک وجرحہ بھذا تعسف ظاھر وقد وثقہ ابن معین والعجلی وغیرھما''

(تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۳۲۰)

ترجمہ: گھر سے ساز کی آواز کا سنا جانا ان سے صحیح طریق سے ثابت نہیں اور انہیں اس وجہ سے مجروح ٹھہرانا ایک کھلی زیادتی ہے یحییٰ بن معین اور عجلی نے اس کی توثیق کی ہے۔

اگر کسی نے انہیں سیئ المذہب کہا ہے تو وہ اسی ذہن سے ہوگا کہ یہ ساز کو جائز سمجھتے ہیں جب یہ کہانی ہی غلط ہوگئی تو اس قبیل کی سب جرحیں جو ابن حزم نے پیش کی ہیں یکسر اڑ گئیں۔

اگلا راوی ابو عبداللہ زاذان الکندی ہے یحییٰ بن معینؒ کہتے ہیں ثقہ لایسئل عن مثلہ۔ (تہذیب ج ۳ ص ۲۶۱) ایسا ثقہ ہے کہ ان جیسے راویوں کے بارے میں سوال ہی نہیں کیا جاسکتا۔ ابن حبان اسے کثیر الخطاء کہتے ہیں لیکن علماء سے پوشیدہ نہیں کہ ابن حبان ان علماء میں سے ہے جنہیں جرح میں متشدد کہا جاتا ہے سو ان کی جرح معتبر نہیں۔ اس کے بعد حضرت براء بن عازب﷜ صحابی رسول (ﷺ) ہیں اور آپ اسے حضور ﷺ سے نقل کرتے ہیں۔

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ منہال بن عمرو اور زاذان کے بارے میں لکھتے ہیں: ''اما المنہال فمن رجال البخاری وحدیث زاذان مما اتفق السلف والخلف علی روایتہ وتلقیھا بالقول''

ترجمہ: منہال بن عمرو صحیح بخاری کے رجال میں سے ہے اور حدیث زاذان کی روایت پر اور اس کی تلقی بالقبول پر سلف وخلف سب جمع ہیں۔ (شرح حدیث النزول ص ۵۱)

حافظ ابن قیمؒ کہتے ہیں: ''ولم یضع من قدح فی صحۃ ھذا الحدیث شیأ کابن حزم للنصرۃ لمذھبہ الباطل'' (اغاثۃ اللھفان ج ۱ ص ۲۷۷)

ترجمہ: جس نے اس حدیث کی صحت میں کوئی عیب ڈھونڈا اس نے کوئی چیز ثابت نہیں کی جیسے ابن حزم اپنے باطل نظریے کی نصرت میں اس حدیث پر جرح کرتے ہیں۔

یہاں بدن میں روح کے نہ لوٹنے کے عقیدہ کو مذہب باطل کہا گیا ہے۔

حدیث کی تصحیح کرنے والے اور اسے قبول کرنے والے محدثینؒ

حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نامور شاگرد حضرت عبداللہ بن مبارکؒ (۱۵۶ھ) اسے اپنی کتاب کتاب الزہد والرقاق کے ص ۴۳۱ پر لائے ہیں۔ یہ دوسری صدی ہجری کی بات ہے۔

تیسری صدی میں آپ اسے مسند امام احمد (۲۴۱ھ) اور سنن ابی داؤد (۲۷۵ھ) میں دیکھئے۔ علماء حدیث جانتے ہیں کہ امام ابوداؤد جس حدیث پر سکوت کریں وہ ان کے نزدیک معتبر اور لائق احتجاج ہوتی ہے۔

آیئے! اب چوتھی صدی میں دیکھیں امام ابن جریر الطبریؒ (۳۱۰ھ) نے اپنی تفسیر ج ۱۳ ص ۲۱۴ پر اس کی چار سندیں نقل کی ہیں۔ حافظ ابن ابی شیبہؒ (۲۳۵ھ) نے بھی اسے المصنف میں روایت کیا ہے۔

امام بیہقیؒ فرماتے ہیں: ''ھذا حدیث صحیح الإسناد'' (الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۲۵)

پانچویں صدی کے امام حاکم (۴۰۵ھ) اسے مستدرک میں لا کر اس کی تصحیح فرماتے ہیں اور کہتے ہیں اس کی سند امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ کی شرطوں کے مطابق صحیح ہے گو انہوں نے اس کی تخریج نہیں کی...... ووافقه الذهبی فی تلخیصه علی المستدرک

علامہ ابوالمظفر الاسفرائنیؒ (۴۷۱ھ) بھی لکھتے ہیں: ''واخبر انهم یحیون فی القبور وقد ورد فی معنی احیاء الموتی فی القبور مالا یحصی من الای والاخبار والاثار'' (التبصیر ص ۱۵۸)

ترجمہ: اور آپ نے خبر دی ہے کہ اموات کو ان کی قبروں میں زندہ کیا جاتا ہے اور اموات کے قبروں میں زندہ کئے جانے پر اس قدر آیات، احادیث اور آثار وارد ہیں کہ انہیں شمار نہیں کیا جاسکتا۔

ساتویں صدی کے علامہ قرطبیؒ (۶۷۱ھ) بھی اس کی تصحیح کرتے ہیں: ''وروی الامام احمد وابو داؤد باسناد صحیح عن البراء رضی اللہ عنہ'' (مختصر تذکرہ قرطبی للشعرانی ص ۳۴)

ترجمہ: امام احمد بن حنبل اور امام ابوداؤد السجستانی نے سند صحیح سے اسے حضرت براء بن عازبؓ صحابی) سے نقل کیا ہے۔

آٹھویں صدی کے حافظ ابن تیمیہؒ (۷۲۸ھ) لکھتے ہیں: ''ورواه الامام احمد وغیره وهو حدیث اجمع رواة الاثر علی شهرته واستفاضته وقال الحافظ ابو عبد الله بن منده هذا الحدیث اسناد متصل مشهور رواه جماعة عن البراء'' (شرح حدیث النزول ص ۴۷)

ترجمہ: اور اس حدیث کو امام احمد اور دوسرے ائمہ نے روایت کیا ہے اور یہ ایسی حدیث ہے کہ تمام محدثین اس کی شہرت اور اس کے استفاضہ عام پر جمع ہوئے ہیں اور حافظ ابوعبداللہ بن مندہ نے کہا ہے اس حدیث کے سب رواۃ آپس میں متصل ہیں اور یہ حدیث درجہ شہرت کو پہنچی ہے اسے حضرت براء بن عازبؓ سے ایک جماعت تابعین نے روایت کیا ہے۔

''الاحادیث الصحیحة المتواترة تدل علی عود الروح الی البدن وقت السؤال'' (ایضاً ص ۵۱)

ترجمہ: صحیح اور متواتر احادیث منکر و نکیر کے سوال کے وقت روح کے بدن میں دوبارہ آنے پر دلالت کرتی ہیں۔

حافظ ابن قیمؒ (۷۵۱ھ) فرماتے ہیں: ''وھو حدیث صحیح صححہ جماعۃ من الحفاظ''

ترجمہ: یہ حدیث صحیح ہے۔ حدیث میں جو علماء حافظ کے درجے میں ہیں ان کی ایک جماعت نے اس کی تصحیح کی ہے۔ (اجتماع الجیوش الاسلامیہ ص ۳۵)

پھر ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں: ''ھذا حدیث مشہور مستفیض صححہ جماعۃ من الحفاظ و لا نعلم احدا من ائمۃ الحدیث طعن فیہ بل رووہ فی کتبھم وتلقوہ بالقبول و جعلوہ اصلا من اصول الدین فی عذاب القبر و نعیمہ و مسئلہ منکر و نکیر و قبض الارواح و صعودھا الی بین یدی اللہ ثم رجوعھا الی القبر''

(کتاب الروح ص ۵۹)

ترجمہ: یہ حدیث درجہ شہرت کو پہنچی ہوئی ہے اور خبر مستفیض ہے اسے حفاظ حدیث کی ایک جماعت نے صحیح کہا ہے اور ہم نہیں جانتے کہ ائمہ حدیث میں سے کسی نے اس پر کوئی طعن کیا ہو بلکہ انہوں نے اسے اپنی کتابوں میں روایت کیا ہے اور اسے قبول کیا ہے اور اسے اصول دین میں سے قبر کے عذاب وثواب اور سوال نکیرین اور قبض ارواح اور ان ارواح کے اللہ کے حضور حاضر ہونے اور پھر سے قبر میں چلے آنے کے باب میں ایک اصل ٹھہرایا ہے۔

''فالحدیث صحیح لا شک فیہ'' (ایضا ص ۵۶)

ترجمہ: یہ حدیث صحیح ہے جس میں شک نہیں کیا جا سکتا۔

علامہ سبکیؒ (۷۵۶ھ) لکھتے ہیں: ''ورجال اسنادہ کلھم ثقات'' (شفاء السقام ص ۱۵۰)

ترجمہ: اور اس کے رجال سارے کے سارے ثقہ ہیں۔

آٹھویں صدی کے آخر میں علامہ نور الدین الہیثمی (۸۰۷ھ) جو حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کے استاذ ہیں، نے بھی اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ آپؒ لکھتے ہیں: ''رواہ احمد و رجالہ رجال الصحیح'' (مجمع الزوائد ج ۳، ص ۵۰)

ترجمہ: اس حدیث کو امام احمد نے روایت کیا ہے اور اس کے رجال سند سب صحیح کے رجال ہیں۔

نویں صدی کے حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (۸۵۲ھ) بھی اسے ثابت حدیث قرار دیتے ہیں۔ (دیکھئے فتح الباری ج ۵ ص ۵۰۴) آپ دوسرے جگہ فرماتے ہیں: ''تعاد الروح الی الجسد او بعضہ کما ثبت فی الحدیث'' (فتح الباری ج ۳، ص ۴۷۷)

ترجمہ: روح جسد کی طرف یا اس کے ایک حصے کی طرف لوٹائی جاتی ہے جیسا کہ حدیث سے ثابت ہو چکا۔

دسویں صدی کے امام سیوطیؒ (۹۱۱ھ) لکھتے ہیں ''وقال ابن تیمیۃ الاحادیث متواترۃ علی عود الروح بالبدن وقت السؤال'' (شرح الصدور ص ۶۰ مصر)

ترجمہ: اور ابن تیمیہؒ کہتے ہیں متواتر درجے کی احادیث سوال قبر کے وقت روح کے بدن میں لوٹنے پر موجود ہیں۔

علامہ عبدالروف المناویؒ (۱۰۰۳ھ) لکھتے ہیں: ''زاد فی حدیث البراء فتعاد روحہ فی جسدہ''

(فیض القدیر ج ۲ ص ۳۷۲)

ترجمہ: اور حدیث براء میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ اس کی روح جسد میں پھر سے لائی جاتی ہے۔

سیدنا ملا علی قاریؒ (۱۰۱۴ھ) لکھتے ہیں: ''فتعاد روحه في جسده ظاهر الحديث ان عود الروح الى جميع اجزاء بدنه'' (مرقات ج ۴، ص ۲۵)

ترجمہ: یہ جو حدیث میں ہے کہ اس کی روح جسد کی طرف لوٹائی جاتی ہے اس کا ظاہر یہ ہے کہ روح کا یہ لوٹنا پورے جسد میں ہوتا ہے (بعض حصہ بدن میں نہیں)

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ (۱۰۳۴ھ) نے بھی اعادہ روح بجسد کی تصدیق فرمائی ہے۔ (مکتوبات دفتر ۲ مکتوب ۶۷)

''واختلف في ان الميت يعذب باحياء في القبر او يجعل الروح في مقابلته او بنوع آخر ما يعلمه الله ولا نعلمه والاظهر الاصوب انه بالاحياء واعادة الروح وهو ظاهر الاحاديث'' (تنقیح اللمعات ج ۱ ص ۱۸۹)

ترجمہ: اس بات میں اختلاف کیا گیا ہے کہ میت کو عذاب قبر اسے زندہ کر کے ہوتا ہے یا روح اس کے جسد کے مقابل ٹھہرائی جاتی ہے (کہ وہ جسد اس کے تعلق سے عذاب پائے) یا کسی اور طریقے سے جسے خدا ہی جانتا ہے اور ہم نہیں جانتے اس میت کو عذاب دیا جاتا ہے۔ جو چیز زیادہ ظاہر اور زیادہ درست ہے وہ یہ ہے کہ میت کو عذاب زندہ کر کے اور اس میں روح پھر سے لوٹا کے دیا جاتا ہے اور ظاہر احادیث یہی ہے۔

تیرہویں صدی کے حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ (۱۲۲۵ھ) بھی لکھتے ہیں: ''فيعاد روحه في جسده وكذا قال في الكافر فيعاد روحه في قبره قال ابن عبد البر هذا أصح ما قيل'' (تفسیر مظہری ج ۱۰ ص ۱۲۴)

ترجمہ: پس میت کی روح اس کے جسد میں پھر سے داخل کی جاتی ہے اور اسی طرح کافر کے بارے میں کہا گیا ہے اس کی روح اس کی قبر میں لوٹائی جاتی ہے۔ ابن عبد البر مالکیؒ کہتے ہیں کہ اس سلسلے میں جتنی باتیں بھی کہی گئی ہیں ان میں یہ سب سے زیادہ صحیح ہے۔

قاضی شوکانیؒ (۱۲۵۰ھ) نے تو اس کے تواتر کا دعوے کیا ہے کہ اب کسی کو اس مسئلہ میں قیل وقال کی حاجت نہیں۔

''وقد وردت بذلک احادیث کثیرة بلغت حد التواتر'' (نیل الاوطار ج ۴، ص ۹۷)

ترجمہ: اور اس پر احادیثِ کثیرہ وارد ہیں اور اس قدر ہیں کہ حدِ تواتر کو پہنچ رہی ہیں۔

مفتی بغداد حضرت علامہ آلوسیؒ (۱۲۷۰ھ) فرماتے ہیں: ''والجمهور على عود الروح الى الجسد'' (روح المعانی ج ۲۲، ص ۵۷)

ترجمہ: اہل اسلام اسی کے قائل ہیں کہ قبر میں روح جسد میں لوٹائی جاتی ہے۔

نواب صدیق حسن خاں صاحبؒ (۱۳۰۷ھ) بھی رقمطراز ہیں: ''احادیث متواترہ اند برآنکہ عود کند روح بسوئے بدن وقت سوال وایں تعلق ہمیشہ می ماند اگر جسد جاں دریدہ ومتفرق ومنقسم گردد۔'' (التکلیت ص ۲۳)

ترجمہ: روح سوال نکیرین کے وقت بدن کی طرف عود کرتی ہے اس پر متواتر احادیث وارد ہیں اور روح کا بدن سے یہ تعلق ہمیشہ رہتا ہے اگرچہ انسان کا جسم ٹکڑے ٹکڑے ریزہ ریزہ اور مختلف حصوں میں بٹ چکا ہو۔

چودھویں صدی کے مولانا السید احمد حسن لکھتے ہیں: "وقال البیھقی ھذا حدیث صحیح الاسناد" (تنقیح الرواۃ ج ۱، ص ۳۱۴)

ترجمہ: امام بیہقی کہتے ہیں کہ یہ حدیث باعتبار سند بالکل صحیح ہے۔

"والحدیث صحیح" (ایضاً ص ۳۱۷)

ترجمہ: اور یہ حدیث صحیح ہے۔

یہ چودہ سو سال کا تاریخی سرمایہ ہم نے آپ کے سامنے رکھ دیا ہے۔ اس کی روشنی میں کوئی منصف مزاج اس حقیقت سے انکار نہ کر سکے گا کہ دنیا اور آخرت کے مابین ایک برزخی زندگی ہے جس میں روح کا ایک نہایت خاموش اور باریک تعلق بدن عنصری یا اس کے ذرات منتشرہ سے قائم رہتا ہے۔ یہ تعلق اعادہ روح سے ہوتا ہے مگر یہ اعادہ اس طرح کا نہیں جیسا کہ ہم اس دنیا میں محسوس کرتے ہیں یہاں زندگی دو طرف سے قائم ہے اندر روح سے اور باہر غذا اور نشو و نما سے...... وہاں زندگی اس تغذیہ و تنمیہ کے بغیر قائم ہوتی ہے اسے دنیوی حیات کہنا درست نہیں الا یہ کہ یہ مراد ہو کہ یہ برزخی زندگی دنیا والے اجساد میں ہے کسی اور مثالی بدن میں نہیں۔ قبر کا عذاب وہی بدن برداشت کرے جس نے گناہ کئے ہیں۔

ایک سوال اور اس کا جواب

علامہ ابن حجر مکیؒ (۹۷۳ھ) سے پوچھا گیا کہ میت کے بدن نے جب بوسیدہ ہی ہونا ہے تو اس پر کافور ملنے کا کیا فائدہ؟...... حضرت علامہ نے جواب دیا: "الحکمة ماھو مقرر عند اھل السنة والجماعة من ان البدن ینعم بانواع النعیم کالروح وحیثما بقی اتصل بہ النعیم الی ان قال... فان البدن بینہ وبینھا عنایة الارتباط والمناسبة" (فتاویٰ کبریٰ ج ۲، ص ۷)

ترجمہ: جو چیز اہل السنۃ والجماعۃ کے ہاں طے ہے حکمت اس میں یہ ہے کہ بدن بھی روح کی طرف مختلف طرح کی نعمتوں سے بہرہ ور ہے اور جب تک یہ باقی رہے نعمت برزخ اس کے شامل حال ہوگی یہاں تک کہ اس کا نشان نہ رہے کیونکہ بدن اور روح کے مابین ایک تعلق اور ربط کی عنایت قائم ہے۔

پھر ان سے پوچھا گیا کہ قبر میں میت کو بٹھا کر سوال کرتے ہیں یا لیٹے ہوئے پوچھ لیتے ہیں؟

"فأجاب بالذی فی البخاری انہ یسئل قاعدا وکذا فی ابن ماجہ" (ایضاً)

ترجمہ: آپ نے اس کا وہی جواب دیا جو صحیح بخاری میں ملتا ہے وہ یہی ہے کہ اسے بٹھا کر اس سے سوال کیا جاتا ہے اور سنن ابن ماجہ میں بھی یہی ہے۔

اور ظاہر ہے کہ اگر شہید کا بدن کرامۃً بوسیدہ نہ ہو تو نعیم روح اس بدن سے بھی مربوط رہے گی۔ برزخ کی واردات صرف روح سے متعلق کرنا یہ اہل حق کا موقف نہیں اہل بدعت کا موقف ہے۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں: "وچوں قوے از متبدعہ واہل ہوا کہ اکثر معتزلہ وبعضے روافض باشند انکار کردہ اند عذاب قبر را و احادیث مشہورہ کہ قدر مشترک از آں بحد تواتر رسیدہ دراں ورود یافتہ است وسلف صالح پیش از ظہور اہل بدعت

وانکار ایشاں ہمہ اتفاق داشتہ اند بہ ثبوت آں واعتقاد بداں...... واختلاف کردہ اند کہ عذاب در قبر بزندہ گردانیدن میت است یا در مقابلہ داشتن روح باوے یا بنوعی دیگر کہ پروردگار خواہد مارا بدریافت کنہ حقیقت آں راہ نہ باشد و حق آں ست کہ باحیاء است چناں کہ ظاہر احادیث دال ست برآں۔" (اشعۃ اللمعات ج۱، ص ۱۱۴)

ترجمہ: اور چونکہ بدعتی لوگ اور خواہشات کی پیروی کرنے والے کہ بیشتر ان میں معتزلہ ہیں اور کچھ رافضی بھی ہیں عذاب قبر کا انکار کرتے ہیں اور شہرت کے درجہ میں پہنچی ہوئی احادیث کہ ان کی قدر مشترک تواتر کے درجہ کو پہنچتی ہے اس باب میں وارد ہیں اور سلف صالحین بدعتیوں کے ظاہر ہونے اور ان کے انکار عذاب قبر سے پہلے سب اسی اعتقاد پر تھے۔

ہاں ان میں یہ اختلاف ہے کہ عذاب قبر میت کو زندہ کرنے سے دیا جاتا ہے یا روح کو اس کے جسد کے سامنے کرنے سے یا کسی اور طریقے سے یا جو خدا چاہتے ہیں...... اس کی حقیقت معلوم نہیں اور حق یہ ہے کہ قبر میں سارا معاملہ میت کو دوبارہ زندہ کرنے سے ہوتا ہے ظاہر حدیث اسی پر دلالت کرتی ہیں۔

اگر اتنا بھی تسلیم کر لیں کہ اللہ تعالیٰ میت میں ایسی حالت پیدا کر دیتے ہیں کہ وہ الم وراحت کا ادراک کر سکے تو اہل بدعت سے نکلنے کے لئے اتنی بات بھی کافی ہے۔ لیکن یہ حضرات اگر اسی پر مصر رہیں کہ قبر میں میت یا اس کے اجزاء بے حس محض ہیں اور اس میں الم وراحت کا ادنیٰ ادراک نہیں تو پھر کوئی عالم انہیں بدعتی ہونے کے زمرہ سے نہیں نکال سکے گا۔ انہیں چاہئے کم از کم اتنا تو مان لیں کہ عذاب قبر بایں قدر الم وراحت درمیت برحق ہے۔ حضرت شیخ لکھتے ہیں: "اگر ہمیں قدر بدانند کہ پروردگار تعالیٰ در مردہ حالتی پیدا کند کہ بداں چیزے الم وراحت دریابد در اعتقاد صحیح کفایت است" (اشعۃ اللمعات ج۱، ص ۱۱۴)

ترجمہ: اگر اتنا ہی جان لیں کہ اللہ تعالیٰ مردے میں ایک ایسی حالت پیدا فرما دیتا ہے کہ وہ اس سے الم وراحت کا ادراک کر سکے تو عقیدہ صحیحہ کے لئے یہ بات بھی کافی ہو سکتی ہے۔

لیکن اگر بدن کو بالکل بے جان اور بالکل بے حس وشعور مانیں تو پھر اس کے بدعتی عقیدہ ہونے میں کوئی شک نہیں رہ جاتا۔

ہم نے اپنے کرم فرماؤں سے اہل حق کے ساتھ ملنے کی یہ آخری تجویز عرض کر دی ہے اور اگر آپ نے ارادہ ہی کر رکھا ہے کہ آپ کا انجام معتزلہ اور شیعہ کے ساتھ ہو تو ہم اس پر سوائے اظہار تاسف کے اور کیا کر سکتے ہیں۔

> قال شیخ الاسلام ابن تیمیة فی بعض مناسکه: ثم یاتی الروضة بین القبر والمنبر فیصلی بها ویدعو بما شاء ثم یاتی قبر النبی ﷺ فیستقبل جدار القبر ویقف متباعدا کما یقف لو ظهر فی حیاته بخشوع وسکون منکس الرأس غاض الطرف مستحضرا بقلبه جلالة موقفه ثم یقول السلام علیک یا رسول الله وبرکاته! السلام علیک یا نبی الله وخیرته من خلقه! السلام علیک سید المرسلین و خاتم النبیین وقائد غر المحجلین اشهد ان لا اله الا الله واشهد انک رسول الله (الصارم المنکی ص۹)

وفات کے بعد دنیوی زندگی کسی کی نہیں

موت کے بعد عالم برزخ شروع ہوتا ہے۔ برزخی زندگی دنیوی زندگی سے بہت مختلف ہے۔ دنیوی زندگی کیا ہے؟ جو روح وبدن کے تعلق اور دنیوی آب وہوا کے تصرف سے قائم ہوتی ہے۔ اندر روح کی بقا اور باہر مادی غذا ہو تو یہ سلسلہ قائم رہتا ہے اور نشو ونما اس کے آثار میں سے ہے۔

اس جہاں سے جانے کے بعد اس قسم کی حیات باقی نہیں رہتی۔ برزخی حیات کتنی اعلیٰ وادنیٰ کیوں نہ ہو اسے علی الاطلاق دنیوی حیات کہنے سے بہت سی غلط فہمیاں جنم لے لیتی ہیں۔ ہمیں اس خطرے کا شروع سے ہی احساس تھا کہ حیات النبی ﷺ کی بحث میں عوام کے لئے اس تعبیر کا تحمل خاصا مشکل ہوگا۔ ہم نے اس کتاب کے ٹائیٹل پر یہ الفاظ جلی خط میں لکھ دیئے۔ ''مکینِ گنبدِ خضراء کی حیاتِ برزخی کا بیان'' مبادا کوئی اس حیات طیبہ سے بالکل دنیا کی زندگی مراد نہ لے لے۔

وفات کے بعد پھر اس دنیوی زندگی میں آنا یہ شیعہ عقیدہ ہے جسے وہ عقیدہ رجعت کہتے ہیں۔ اہل السنۃ کے ہاں وعدہ موت پورا ہونے کے بعد کسی کو اس دنیا میں نہیں آنا...... حضور ﷺ کی حیات طیبہ کو دنیویہ صرف اس پہلو سے کہتے ہیں کہ یہ دنیا والے جسد اطہر سے ہے گویا اس عالم کے لئے کھلی زندگی نہیں آپ برزخ میں اسی جسد اطہر سے نمازیں پڑھتے ہیں اور آپ کی وہ حیات آپ کے لئے بے شک حسی ہے لیکن ہم اسے محسوس کر نہیں پاتے نہ ہمیں اس عالم کی نماز کے رکوع وسجود نظر آتے ہیں۔

ایک سویا ہوا آدمی خواب کی دنیا میں بیٹے کو ذبح کر رہا ہے مگر اس کے پاس بیٹھنے والے اس کے جسد میں کوئی آنا جانا اور نقل وحرکت نہیں دیکھتے۔ جو خدا اس پر قادر ہے کہ عالم خواب کا ایسا سلسلہ بنا دے کہ ادھر پورا عمل ہو اور ادھر حرکت تک محسوس نہ ہو۔ کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ حضور ﷺ کا جسد اطہر یہاں (اس دنیا) کے لوگوں کو بالکل سکون میں دکھائی دے اور آپ اس برزخی حیات میں نمازیں بھی پڑھیں اور آپ ﷺ کی وہ حیات آپ کے حق میں پوری حسی ہو۔ آپ اسے اسی طرح محسوس کریں جیسا کہ اس عالم میں آپ نمازیں پڑھتے تھے بغیر اس کے کہ وہ جہاں عالم تکلیف ہو۔ اللہ رب العزت بے شک اس پر قادر ہے کہ اس جسد اطہر کو عالم برزخ میں ان تمام واردات سے نوازے جن کا احادیث میں ذکر ملتا ہے اور اس دنیا والوں کو اس بدن اطہر میں کوئی حرکت محسوس نہ ہو۔

اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ جسد اطہر قبر مبارک میں صرف محفوظ ہوتا، اس طرح نرم ونازک اور تازہ نہ رہتا جیسا کہ وہ روضہ پاک میں دفن کرنے کے وقت تھا۔ ہدایہ میں ہے کہ وہ آج بھی اسی طرح ہے جیسا کہ رکھا گیا تھا: ''وھو الیوم کما وضع'' (ہدایہ باب الجنائز ج۱، ص۱۶)

ترجمہ: اور وہ آج بھی اسی طرح تروتازہ ہے جیسا کہ رکھا گیا تھا۔

حق یہ ہے کہ آج بھی وہ جسد اطہر اسی طرح نرم اور تازہ ہے جیسے آج سے چودہ سو سال پہلے قبر مبارک میں رکھا گیا تھا۔ اس جسد پاک کو وہاں برزخی حیات حاصل ہے جس سے آپ ﷺ نمازیں بھی پڑھتے ہیں اور سلام پیش کرنے والوں کا سلام بھی سنتے ہیں۔ آپ ﷺ عالم برزخ میں اپنے جسد اطہر میں حیات کے تمام آثار محسوس کرتے ہیں۔ آپ ﷺ اپنی قبر مبارک میں نمازیں بھی پڑھتے ہیں اور آپ ﷺ کے لئے قبر مبارک کی وہی وسعتیں ہیں جو

ہمیں روضہ مبارکہ کی دکھائی دیتی ہے اس کی مسافتوں اور لطافتوں کو یا عالم برزخ میں رہنے والے جانیں یا اللہ رب العزت جو ان عجائب اور کوائف کو پیدا کرنے والا ہے۔

اس وقت ہمارا موضوع حیات انبیاء علیہم نہیں یہ بحث ضمناً آ گئی ہے۔ حیات انبیاء علیہم پر ہم انشاء اللہ العزیز حیات شہداءؓ کے بعد بحث کریں گے۔ یہاں ہم صرف یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ دنیا اور آخرت کے مابین جو برزخی زندگی ہے وہ دنیوی زندگی نہیں، نہ اس میں تصرف آب وہوا ہے نہ مادی نشوونما ہے۔ برزخی زندگی اس دنیوی زندگی سے بہت مختلف ہے۔

بدنِ عنصری سے ایک لطیف تعلق کے باوجود اسے دنیوی زندگی کہنا خطرات سے خالی نہیں۔ اسے علی الاطلاق دنیوی حیات کہنا بقول حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ خلاف اہل السنۃ والجماعۃ ہے۔

حافظ ابن قیمؒ (۷۵۱ھ) صراحت سے کہتے ہیں کہ عالم برزخ میں روح کا عود کر آنا اس طرح نہیں جس طرح روح یہاں بدن میں داخل ہے، روح وبدن کے تعلق کی یہ ایک جدی نوع ہے۔ یہ تعلق ایسا نہیں جیسا کہ اس دنیا میں تھا۔

''ان الروح تعاد بین الجسد واکفان وھذا عود غیر التعلق الذی کان لھا فی الدنیا بالبدن وھو نوع آخر وغیر تعلقھا بہ حال النوم وغیر تعلقھا بہ وھی فی مقرھا بل ھو عود خاص للمسئلۃ''

ترجمہ: بے شک روح جسد اور کفن میں لوٹائی جاتی ہے اور اس کا پھر سے لوٹ آنا اس تعلق سے مختلف ہے جو اسے اس دنیا میں بدن میں حاصل تھا یہ تعلق کی اور قسم ہے اور یہ اس تعلق سے بھی مختلف ہے جو اس کے بدن کو روح سے نیند میں حاصل تھا، یہ اس تعلق سے بھی مختلف ہے جو روح کو جسد سے اپنے مقر میں موجود ہوتے ہوئے بدن سے حاصل تھا۔ یہ سوال نکیرین کی خاطر روح کا بدن کی طرف پھر سے پلٹنا ہے اور یہ ایک خاص قسم کی پلٹ ہے (جو ان تمام تعلقات سے مختلف ہے اور اس کے مطابق روح قبر میں بدن میں لوٹتی ہے) (کتاب الروح ص ۶۱ ص ۲۲۸)

شرح عقائد میں ہے: ''ویجوز ان یخلق اللہ تعالیٰ فی جمیع الأجزاء او فی بعضھا نوعا من الحیوۃ قدر مایدرک ألم العذاب ولذۃ النعیم وھذا لا یستلزم اعادۃ الروح الیٰ بدنہ ولا یتحرک ویضطرب''

(شرح عقائد للتفتازانی ص ۷۹۲)

ترجمہ: اور یہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ میت کے پورے بدن میں یا اس کے کسی حصے میں ایک طرح کی حیات پیدا کر دے جس سے وہ قبر کے عذاب کی تکلیف یا وہاں کی راحت کی لذت پا سکے اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ روح بدن کی طرف (کاملۃ) لوٹے اور نہ ضروری ہے کہ وہ حرکت کرے اور ہلے جلے۔

یعنی عذاب قبر کے لئے مطلق حیات چاہئے اعادہ روح سے ہو یا بغیر اس کے، یہاں صرف حیات کا اقرار ہے اعادہ روح کا نہیں مگر علامہ عبدالعزیز پرہارویؒ لکھتے ہیں: ''ان الحیوۃ للمیت لیست کحیوۃ غیرہ باعادۃ الروح فی الجسد اعادۃ کاملۃ'' (نبراس ص ۳۲۳)

ترجمہ: میت کی یہ حیات دوسروں کی حیات کی طرح نہیں جس میں روح جسد میں کامل طور پر عود کرتی ہے۔

یہاں اعادۂ کاملہ کا انکار ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں حیات کا حصول روح کے تعلق سے ہے گو یہ روح کا پوری طرح عود کرنا نہ ہو۔ روح وبدن کے تعلق کی ایک جدی نوع ہو۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (۸۵۲ھ) صریح لفظوں میں کہتے ہیں: ''هذه الحيوة ليست دنيوية انما هي أخروية'' (فتح الباری ج ۲ ص ۲۱۳)

ترجمہ: قبر کی یہ زندگی عالم دنیا کی نہیں عالم آخرت کی ہے۔

''لاتشبه حيوة الدنيا'' وہ حیات دنیوی زندگی کی سی نہیں۔ (ایضاج ۴ ص ۳۶)

''الحيوة في القبر للمسئلة ليست الحياة المستقرة المعهودة في الدنيا التي تقوم فيها الاروح بالبدن وتدبره وتصرفه وتحتاج الى مايحتاج اليه الاحياء بل هي مجرد إعادة لفائدة الامتحان الذي وردت به الأحاديث الصحيحة'' (فتح الباری ج ۳، ص ۴۸۴)

ترجمہ: قبر میں سوال و جواب کے لئے زندگی اس دائمی حیات کی طرح نہیں جس کا وہ دنیا میں عادی تھا جس میں روح بدن کے ساتھ قائم ہوتی ہے اور روح ہی بدن میں تدبیر کرتی ہے اور وہ ہر اس چیز کی محتاج ہوتی ہے جس کے زندہ محتاج ہوتے ہیں (جیسے غذا اور نشو ونما) بلکہ یہ قبر کی زندگی محض ایک اعادہ روح ہے جس سے سوال وجواب کا وہ فائدہ پورا ہوتا ہے جو احادیث صحیحہ میں وارد ہے۔

حافظ ابن ہمامؒ کے مشہور شاگرد امام قاسم بن قطلو بغا (۸۷۹ھ) امام قونوی سے نقل کرتے ہیں: ''قال الإمام القونوی اختلفوا في انه يخلق فيه حيوة مطلقة كحيوة قبل الموت اوحيوة بقدر ما يحس الألم والصحيح هذا'' (مسامرہ شرح مسایرہ ج ۲، ص ۱۱۶)

ترجمہ: علامہ قونویؒ فرماتے ہیں اس میں اختلاف ہے کہ میت میں مطلق حیات پیدا کر دی جاتی ہے جیسا کہ موت سے پہلے اسے حاصل تھی یا اسے حیات صرف اسی قدر ملتی ہے جس سے وہ عذابِ قبر کو محسوس کر سکے اور یہ دوسری بات صحیح ہے۔

سیدنا ملاعلی قاریؒ (۱۰۱۴ھ) بھی کہتے ہیں: ''ولكل روح لجسدها اتصال معنوی لايشبه الاتصال في الحيوة الدنيا بل اشبه شئی به حال النائم وان كان هو اشد من حال النائم اتصالا وبهذا يجمع بين ماورد ان مقرها في عليين او سجين وبين مانقله ابن عبدالبر عن الجمهور انها عند افنية القبور'' (مرقات ج ۴، ص ۲۵)

ترجمہ: اور ہر روح کا اپنے جسد کے ساتھ ایک اتصال ہوتا ہے جو اس اتصال سے جو اسے پہلے دنیا میں تھا مشابہ نہیں بلکہ جو بات اس کے سب سے زیادہ قریب ہے وہ سونے والے کا حال ہے۔ اگرچہ یہ قبر کی زندگی روح کے اتصال میں سونے والے کے حال سے زیادہ مضبوط ہے اور اس تشریح سے تطبیق ہو جاتی ہے اس میں کہ روحوں کا مقر علیین میں یا سجین میں ہے اور اس میں جو ابن عبدالبر نے جمہور سے نقل کی ہے کہ ارواح افنیہ قبور میں ہوتی ہیں۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ (۱۲۲۹ھ) اس سے بھی زیادہ وضاحت سے کہتے ہیں: ''در قبر احیاء اماتت حقیقیہ نیست...... کہ تغذیہ وتنمیہ بدن ہمراہ آں نے باشد۔'' (تحفہ اثنا عشریہ ص ۳۸۲)

ترجمہ: قبر میں میت کو زندہ کرنا اور مارنا حقیقی نہیں، اس قبر کی زندگی میں نہ بدن کو (یہاں کی) غذا کی حاجت ہے نہ بدن کی اس میں نشو ونما ہوتی ہے۔

اہل علم کی تصریحات سے پتہ چلتا ہے کہ قبر کی زندگی دنیوی زندگی نہیں، وہ جہان دوسرا ہے۔ قبر میں بدن عنصری سے بے شک روح کا ایک لطیف تعلق ہوتا ہے لیکن صرف بایں قدر کہ اس سے کسی قدر الم یا راحت کا ادراک

ہو۔ یہ برزخی زندگی ہے جس میں روح نہایت لطیف پیرایہ میں بدن عنصری پر سایہ فگن ہوتی ہے اس عالم میں رد الروح الی الجسد اسی درجہ میں ہے نہ کہ کاملاً جیسا کہ اس دنیا میں تھا۔

انبیاء علیہم السلام کی حیات جسمانی عام اموات سے قوی ہے۔ یہ ابدان شروع سے محفوظ ہوتے ہیں اس لئے ان کی برزخی حیات نہایت قوی درجے کی ہے اور چونکہ یہ اسی بدن سے متعلق ہے جو اس دنیا میں تھا اس لئے اس کو بعض علماء نے حیات برزخی دنیوی سے بھی تعبیر کیا ہے۔ تاہم ان کی یہ حیات باعتبار ظرفیت حیات دنیوی نہیں برزخی ہے، یہاں نہیں عالم برزخ میں ہے یہاں ان کا دفن بھی صحیح ہے کفن بھی صحیح ہے اور ان کی خلافت اور جانشینی بھی صحیح ہے۔

نہایت تعجب سے دیکھا اور سنا گیا کہ بعض علماء ان دنوں ایسا پیرایہ بیان اختیار کئے ہوئے ہیں گویا علماء دیوبند انبیاء کرام علیہم السلام کو اس جہان میں زندہ مانتے ہیں اور وہ ان کی وفات اور اس عالم سے مفارقت کے قائل نہیں (معاذ اللہ) ان میں سے ایک صاحب کا ایک خطاب ہم یہاں نقل کرتے ہیں:

۱...... آنحضرت ﷺ اگر زندہ ہیں تو بتائیں صحابہ کرام ؓ نے کیوں انہیں زندہ قبر میں اتار دیا کیا یہ حضور ﷺ کی گستاخی نہیں کہ انہیں زندہ درگور کر دیا جائے اگر آپ ﷺ زندہ ہوتے تو صحابہ ؓ آپ کو دفن کیوں کرتے؟

تبصرہ: جب یہ کسی کا عقیدہ ہی نہیں تو یہ پیر طریقت کن لوگوں کی تردید کر رہے ہیں اور کن کو یہ وعظ کر رہے ہیں یہ شاید انہیں خود بھی پتہ نہ ہو۔ قاضی صاحب آپ ہی انہیں کچھ سمجھائیں۔

۲...... اگر صحابہ ؓ حضور ﷺ کو زندہ سمجھتے تھے تو جب خلافت پر انصار اور مہاجرین میں سقیفہ بنی ساعدہ میں اختلاف ہوا تو کسی صحابی ؓ نے یہ کیوں نہ کہا، چلو حضور ﷺ سے یہ مسئلہ پوچھ لیں معلوم ہوا وہ آپ ﷺ کو زندہ نہیں سمجھتے تھے۔

تبصرہ: یہ مشورہ لینا اور دینا اس دنیا کے احکام ہیں اگلے جہان کے نہیں حیات النبی ﷺ کے قائلین آپ کو عالم برزخ میں زندہ مانتے ہیں نہ کہ عالم دنیا میں...... اگر کسی عالم نے آپ کی اس حیات کو دنیوی کہا ہے تو یہ باعتبار ظرف دنیوی نہیں ہے اسے جسمانی ہونے کے پہلو سے دنیوی کی سی کہا ہے کہ آپ اسے اپنے حق میں اس طرح محسوس کرتے ہیں۔ گو ہم یہاں اسے اس طرح نہ دیکھ سکیں۔

۳...... حضرات آپ بتائیں کہ اگر آنحضرت ﷺ کی قبر کھلی ہو اور میں آپ کے بدن کو ہاتھ لگاؤں تو آپ ﷺ کیا اس پر کسی تکلیف کا اظہار فرمائیں گے؟ اگر آپ ﷺ کی آواز سنائی دے تو تم بے شک سچے ہو۔ ورنہ مان لو کہ آپ قبر میں زندہ نہیں ہیں۔ (استغفر اللہ)

تبصرہ: یہاں کے لوگ صرف وہی آواز سن سکتے ہیں جو اس عالم کی ہو۔ اگلے جہاں کی آواز یہاں سنی جائے یہ بدوں اسماع باری ممکن نہیں۔ تمہارا یہ سوال ان لوگوں سے تو ہو سکتا ہے جو آپ کو اس جہان میں زندہ مانتے ہوا ور انتقال دارین (من الدنیا الی البرزخ) کے قائل نہ ہوں۔

۴...... یہ میں کار میں بیٹھا ہوں شیشے بند ہیں میں باہر کے منظر کو دیکھ تو رہا ہوں سن نہیں رہا۔ جب میں اتنے قریب کے فاصلے سے باہر کی آواز سن نہیں پاتا۔ تو سوچو! آنحضرت ﷺ اتنی مٹی کے فاصلے سے اپنی قبر میں کسی کا سلام کیسے سنتے ہوں گے۔

تبصرہ: شیشے یا مٹی کے یہ فاصلے اس جہان داخلی کے فاصلے ہیں۔ اس سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے خیال میں علمائے دیوبند حضور ﷺ کو اس دنیا میں رہنے والا مانتے ہیں...... نہیں علمائے دیوبند آپ کے انتقال

دارین کے قائل ہیں۔ حضور ﷺ کے سننے کی قوت اس جہان کے مادی فاصلوں سے بالا ہے۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ لکھتے ہیں: ”آپ کی حیات نہ صرف روحانی ہے جو کہ عام شہداء کو حاصل ہے بلکہ جسمانی بھی ......اور از قبیل حیات دنیوی بلکہ بہت وجوہ سے اس سے قوی ترؒ“

(مکتوبات شیخ الاسلام ج ا ص ۳۰)

یہاں دنیوی سے مراد علاقہ ظرفیت نہیں آپ ﷺ یقیناً عالم برزخ میں ہیں اس جہان میں نہیں۔ لیکن آپ ﷺ کے اپنے حق میں وہ حیات حسی جسمانی ہے اور اسی جسد اطہر میں ہے جو اس دنیا کا تھا البتہ وہ حیات یہاں کے لوگوں کے لئے مدرَک اور مشاہَد نہیں الا یہ کہ خدا تعالیٰ کسی کو کشف کے ذریعہ اگلے جہان کا نقشہ دکھادے۔

پیر طریقت کی یہ چار طریقوں کی رپورٹ ہمیں ملی ہے ان پر مجموعی غور سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے مخالفین ابھی تک یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ ہم آں سرور ﷺ کو اسی دنیا میں زندہ مانتے ہیں اور اسی پہلو سے آپ ﷺ کی دنیوی زندگی کا عقیدہ رکھتے ہیں..... حاشا وکلا ایسا ہرگز نہیں اس پہلو سے آپ کی حیات دنیوی کا اعتقاد ہرگز اہلسنت کا مذہب نہیں ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے اس بیان کو اگر پورے علمائے دیو بند کا عقیدہ سمجھ لیا جائے تو کیا ہم بہت سے لفظی اختلاف سے بچ نہیں جاتے؟

حیات دنیوی ظاہری کا تو دنیا میں کوئی بھی قائل نہیں، قرآن پاک کی اتنی صریح مخالفت کون مسلمان کرسکتا ہے؟ جو بھی قائل ہیں حیات برزخی ہی کے قائل ہیں۔ (منقول از رسالہ تعلیم القرآن راولپنڈی ص ۳۲، ماہ جنوری ۱۹۶۰ء)

موجودہ حالات میں احتیاط اسی میں ہے کہ عام عرفی معنی میں اسے حیات دنیوی نہ کہا جائے لیکن اگر کوئی اس حیات کو دنیوی کے نام سے تعبیر کرے اور آپ کی حیات برزخیہ سے بھی انکار نہ کرے تو اسے اس کا ملزم نہیں سمجھنا چاہئے کہ وہ حضور ﷺ کو اس دنیا میں زندہ مانتا ہے اور انتقال دارین کا قائل نہیں (استغفر اللہ)۔ ایسا شخص اہل السنۃ والجماعۃ میں سے ہے وہ ہرگز اہل حق سے باہر نہیں، قبر کی زندگی کو بھی کسی دوسرے اعتبار سے دنیوی زندگی کہا جاسکتا ہے۔

یہ کچھ تفصیل محض اس لئے گزارش کی گئی ہے کہ مسئلہ حیات النبی ﷺ میں اصل اختلاف کو زیادہ نہ کیا جائے ایک دوسرے کو قریب سے سمجھا جائے۔ المہند میں حیات برزخیہ دنیویہ کے الفاظ کو انہی معنی میں سمجھا جائے جو علماء دیو بندؒ اس سے مراد لیتے ہیں ہمارے ذمہ یہ بات نہ لگائی جائے کہ ہم آنحضرت ﷺ کو اس دنیا میں زندہ مانتے ہیں اور انتقال دارین کے قائل نہیں ہیں۔

اگر یہ صحیح ہے اور یہ یقیناً ہمارے دل کی آواز ہے تو پیر طریقت کو بھی وہ تقریریں نہ کرنی چاہیں جنہیں ہم ابھی مختصر تبصروں کے ساتھ ہدیہ قارئین کر آئے ہیں۔ اس قسم کی بے محل تقریریں تشغیب عوام کا سبب تو ہوسکتی ہیں لیکن ان میں دین کی ہرگز کوئی خدمت نہیں ہے اور یہ نفرت کو بڑھانے والی ہیں ایک دوسرے کو قریب کرنے والی نہیں ہیں۔ و کفی باللہ شہیدا!

ل امام فخر الدین رازی المطالب العالیہ کے تیسرے مقالہ کی فصل ۵ میں لکھتے ہیں: فوجب القطع بان النفس بعد مفارقة البدن مدركة للجزئيات سو یہ ادراک اگر عالم برزخ میں بڑھ جائے تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔

قبر کی زندگی کو کیا کسی پہلو سے دنیوی زندگی کہا جاسکتا ہے؟

اس بات کے تسلیم کرنے سے چارہ نہیں کہ قبر کی یہ زندگی ایک پہلو سے دنیوی زندگی بھی ہے اور خود قرآن کریم نے ایک تفسیر کے اعتبار سے اسے دنیوی زندگی کہا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: ''يُثَبِّتُ اللهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ'' (پ ۱۳، ابراہیم ع ۴، آیت ۲۷)

ترجمہ: مضبوط رکھتا ہے اللہ ایمان والوں کو مضبوط بات سے دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں۔

حضرت براء بن عازبؓ کہتے ہیں آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب مومن کو قبر میں سوال کے لئے بٹھایا جاتا ہے اور وہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ کی شہادت دے لیتا ہے تو یہ وہ ثابت قدمی ہے جو اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو عطاء فرماتا ہے۔ (دیکھئے صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۸۳، ج ۲ ص ۶۸۲)

یہ قبر کے سوال اور ایمان پر ثابت قدمی پہلی منزل ہے اور دوسری منزل قیامت کے دن کا سوال وجواب ہے قرآن کریم نے پہلی منزل کو حیات دنیوی کی ثابت قدمی کہا ہے اور دوسری منزل کو آخرت کی ثابت قدمی کہا ہے سو اس اعتبار سے قبر کی زندگی کو دنیوی زندگی میں بھی شمار کیا جاسکتا ہے یہ ایک مکمل دنیوی زندگی ہے جو یہاں ہے اور ایک پردے کی دنیوی زندگی ہے اسے برزخی زندگی بھی کہتے ہیں۔ حافظ ابن جوزیؒ (۵۱۷ھ) قرآن کریم کی اس آیت میں دنیوی زندگی کا یہی معنی کرتے ہیں: ''الحيوة الدنيا زمن السوال في القبر والآخرة السوال في القيامة''

(تفسیر زاد المسیر ج ۴ ص ۳۶۱)

ترجمہ: یہ دنیا کی زندگی اس وقت کو کہا ہے جب قبر میں سوال کی گھڑی ہو اور آخرت اس وقت کو جب قیامت کے دن سوال وجواب ہوں گے۔

تفسیر خازن میں ہے: ''الحيوة الدنيا بمعنى حياة في القبر عند السوال''

(تفسیر خازن ج ۳، ص ۸۷، قرطبی ج ۹، ص ۳۶۳)

ترجمہ: یہاں حیات دنیا حیات فی القبر کے معنی میں ہے جو قبر کے سوال کے وقت ہوگی۔

بعض مفسرین نے قبر اور قیامت دونوں منزلوں کے سوال وجواب کو وفی الآخرۃ سے متعلق کہا ہے لیکن ہم یہاں صرف اس بات پر متنبہ کرنا چاہتے ہیں کہ حیات فی القبر کو دنیوی حیات کی ایک قسم کہنا کوئی ایسا گناہ نہیں جو علمائے دیوبندؒ نے ہی کیا ہو بلکہ پہلے مفسرین بھی اسے دنیوی حیات میں داخل کرتے آئے ہیں۔ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثانیؒ لکھتے ہیں: ''قبر کی منزل جو دنیا اور آخرت کے درمیان برزخ ہے اس کو ادھر (حیات دنیا میں) یا ادھر (حیوۃ آخرت میں) جس طرف چاہیں شمار کرسکتے ہیں چنانچہ سلف سے دونوں قسم کے اقوال منقول ہیں۔'' (تفسیر عثانی ص ۳۳۵)

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ بھی فرماتے ہیں کہ برزخ ایک اعتبار سے مواطن دنیوی میں سے ہے اور اس میں اعمال کے بڑھنے کی بھی بہت گنجائش ہے: ''برزخ صغریٰ چوں از یک وجہ از مواطن دنیوی است گنجائش ترقی دارد واحوال ایں وطن نظر باشخاص متفاوۃ متفاوت فاحش دارد الانبیاء یصلون فی القبور رشنیدہ باشد وحضرت پیغمبر ما علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام شب معراج چوں بر قبر حضرت کلیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام گزشتند دیدند کہ در قبر نماز مے گزارد'' (مکتوبات دفتر ۲ مکتوب نمبر ۱۶، ص ۲۹)

ترجمہ: برزخ صغریٰ ایک پہلو سے مواطن دنیوی میں سے ہے یہ اس طرح کہ اس میں اعمال میں ترقی کی گنجائش ہے اور برزخ کے حالات مختلف درجوں کے لوگوں میں بہت تفاوت رکھتے ہیں آپ نے حدیث الانبیاء یصلون فی القبور سنی ہوگی اور ہمارے نبی ﷺ معراج کی رات جب موسیٰ علیہ السلام کی قبر کے پاس سے گزرے تو انہیں اپنی قبر میں نماز پڑھتے پایا۔

برسرِ مطلب آمدیم

• اصل بحث عامہ اموات کی برزخی زندگی کی ہو رہی تھی اور ہم عذاب قبر پر بحث کر رہے تھے حیات النبی ﷺ کا مسئلہ ضمناً آ گیا کیونکہ یہ حیات طیبہ بھی قبر ہی کی بہار ہے۔اب ہم پھر اصل بات کی طرف لوٹتے ہیں۔ جمہور اہل السنۃ والجماعۃ عذاب قبر اور نعیم قبر کو روح اور بدن دونوں سے متعلق مانتے ہیں اور روح کا یہ تعلق بدن عنصری سے ہے محض بدن مثالی سے نہیں، وہ جتنے بھی ہوں مقدور باری ہیں۔لیکن حکمت الٰہی اسی میں ہے کہ عذاب قبر اسی بدن سے متعلق ہو جس نے دنیا میں گناہ کئے اور یہ وہی جسد ہو (یا اس کے ذرات منتشرہ ہوں) جو کامل صورت میں آخرت میں معذب ہوگا...... دنیا میں بھی گناہ اسی بدن نے کئے، عذاب برزخ بھی اسی بدن یا اس کے ذرات سے متعلق ہونا چاہئے اور ضرور ہے آخرت کا عذاب بھی اسی بدن پر ہو۔عالم دنیا، عالم برزخ اور عالم آخرت تینوں روح اور بدن کے تعلق سے چلیں...... جمہور اہل السنۃ کا مختار یہی ہے کہ عذابِ قبر روح اور بدن کو شامل ہے یہ حقیقت اعادہ روح سے قائم ہو یا تعلق روح سے اس میں دونوں طرف اہل حق کی تصریحات ہیں۔محدثینؒ اعادہ روح کے قائل ہیں اور متکلمین معتزلہ، کرامیہ اور شیعہ کو جواب دینے کے لئے وسعت تعبیر کے قائل ہیں اور ہمیں اس پر بھی کوئی اعتراض نہیں ہے۔

یہ نہ سمجھا جائے کہ اس حیات برزخی میں دنیوی زندگی کا کوئی پہلو راہ نہیں پا سکتا برزخی میں کئی ایسے پہلو ملیں گے جن کی سرحدیں دنیوی زندگی کو چھوتی ہیں۔بایں ہمہ ان سے دنیوی زندگی مراد نہیں۔جو اس جہاں سے چل بسا وہ برزخی زندگی میں ہے دنیوی میں نہیں گو یہ برزخی زندگی بھی بعض پہلوؤں سے موطن دنیوی میں سے ہو۔

حیات برزخی کا دنیوی پہلو

یہ دنیا دار العمل ہے موت پر زنجیرِ عمل کٹ جاتی ہے انبیاء کی یہ خصوصیت ہے کہ ان کا سلسلہ عمل کٹتا نہیں۔ برزخ میں بھی ان کا سلسلہ عمل جاری رہتا ہے اور وہ اللہ کی عبادت میں لذت پاتے ہیں۔وہ بایں معنیٰ بھی زندہ ہیں کہ ان کے اعمال ابھی قائم ہیں۔یہ انبیاء کی حیات برزخی کا دنیوی حصہ ہے۔حضرت مولانا انور شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں:

”فنبی اللہ حی یرزق واحیاء فی قبورھم یصلون تسرد فی ذکر الحیوۃ افعالھا لا اصلھا او رادمع الاجساد فان اجسادھم حرمت علی الارض“ (تحیۃ الاسلام ص ۳۶)

ترجمہ: سو اللہ کا نبی زندہ ہے اسے رزق دیا جاتا ہے اور حدیث الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون اصل حیات کے بیان میں نہیں افعال حیات کے بیان میں نقل کی جاتی ہے یا مراد یہ ہے کہ وہ اپنے اجساد سے زندہ ہیں کیونکہ ان کے جسموں کو مٹی نہیں کھاتی۔

اعمال حیات مراد ہوں یا اجساد حیات یہ بات اپنی جگہ صحیح ہے کہ عالم برزخ عالم تکلیف نہیں، یہاں انسان اسی وقت تک مکلف ہے جب تک موت نہ آ جائے۔ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ (پ ۱۴ حجر آیت ۹۹) حکم الٰہی ہے اور اسی وقت تک کے لئے ہے جب تک موت نہ آ جائے۔

سو عالم برزخ میں عبادت مکلف ہونے کی صورت میں نہیں قرب الٰہی میں اور بڑھنے کے لئے ہے۔ یہ ذوق عبادت کی مزید لذت پانے کے لئے ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اس روحانی لذت سے محروم نہیں کرنا چاہتے جسد کی سلامتی اس عمل کا ایک آلہ ہے۔

اعمال طاعت اس دنیا کا حصہ ہیں اور ان پر عمل پیرائی یہاں کی زندگی ہے۔ انبیاء علیہم کی حیات برزخی اس پہلو سے دنیوی زندگی ہے کہ اس کا سلسلہ عمل باقی ہے اور جسد کی سلامتی انہیں اسی لئے ملی ہے کہ عمل اس کے بغیر قیام نہیں پکڑتا۔ انبیاء علیہم وہاں اپنی نقل وحرکت اسی طرح محسوس کرتے ہیں جیسے کہ وہ اس دنیا میں محسوس کرتے تھے۔ یہاں کی آنکھیں نہ اس برزخی زندگی کو دیکھ سکتی ہیں نہ یہاں کے کان اسے سن سکتے ہیں الا یہ کہ اللہ تعالیٰ خود کسی کو دکھا دیں یا سنا دیں۔

اس دنیوی زندگی کا امتداد محالات میں سے نہیں اللہ تعالیٰ چاہتے تو آپ کو برزخ میں جانے نہ دیتے۔ آپ یہیں تا قیامت رہتے اور پھر قیامت کو آپ پر اللہ تبارک وتعالیٰ کا وعدہ اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ پورا ہوتا اور آپ پھر براہ راست آخرت میں چلے جاتے یہ بدوں برزخ آخرت میں جانا کوئی ناممکن بات نہ تھی۔

برزخ کی کلی نفی اور حیات دنیوی کا امتداد

آنحضرت ﷺ کو امتداد حیات کا موقع دیا گیا تھا اور آپ نے اسے پسند نہ فرمایا۔ آپ ﷺ نے اللہ رب العزت سے ملنے کو حیات دنیوی پر ترجیح دی۔ حضرت ابو موہبہ ؓ کہتے ہیں حضور ﷺ نے مجھے فرمایا: "ولاحمد ایضا من حدیث ابی مویھبة قال قال رسول اللہ ﷺ انی اوتیت مفاتیح خزائن الارض والخلد ثم الجنة فخیرت بین ذلک وبین لقاء ربی والجنة فاخترت لقاء ربی والجنة۔" (صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۴۱)

ترجمہ: مجھے زمین کے خزانوں کی کنجیاں دی گئیں اور یہ کہ میں قیامت تک رہوں پھر آگے جنت ہے، مجھے اختیار دیا گیا کہ قیامت تک یہاں رہوں یا اللہ کی ملاقات اور جنت میں جانے کی ہاں کروں، میں نے لقاء رب اور جنت کو اختیار کیا ہے۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۱۱۲ عن احمد)

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ ؓ روایت کرتی ہیں: "انه لم یقبض نبی حتی یری مقعده من الجنة ثم یخیر فلما نزل به ورأسه علی فخذی غشی علیه ثم افاق فأشخص بصره الی سقف البیت ثم قال اللّٰھم الرفیق الاعلی فقلت اذا لا یختارنا وعرفت انه الحدیث الذی کان یحدثنا وھو صحیح۔" (صحیح بخاری ج ۲، ص ۶۴۱)

ترجمہ: کوئی نبی وفات نہیں پاتا مگر یہ کہ وہ اپنا مقام جنت میں دکھا دیا جاتا ہے پھر اسے اختیار دیا جاتا ہے (کہ دنیا میں رہے یا آخرت کو اختیار کرے)...... آنحضرت ﷺ نے جب اللھم الرفیق الأعلی فرمایا تو میں نے سمجھ لیا کہ اب آپ ہمارے پاس نہ رہیں گے میں نے جان لیا کہ حضور ﷺ جو فرمایا کرتے تھے کہ نبی کو (دنیا میں رہنے کا) اختیار دیا جاتا ہے وہ سچ ہے اور یہ کہ آپ کو اختیار دیا گیا ہے۔

سو اگر آپ قیامت تک کی دنیوی زندگی پالیتے اور برزخی زندگی سے بالکل نہ گزرتے تو بھی ایسا ممکن تھا اور قواعد شرع اس کا کہیں انکار نہیں کرتے۔ اگر ایسا ہوتا تو یہ آپ ﷺ کی دنیوی زندگی کا امتداد تھا۔

آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے پاس حاضری کو پسند کیا تو اللہ تعالیٰ نے بھی ایک پہلو سے آپ ﷺ کی دنیوی زندگی باقی رکھی کہ آپ کے اعمال کا سلسلہ باقی رہے اور آپ قرب الٰہی میں اور آگے بڑھتے رہیں اور اب تک اور پھر قیامت تک آپ کے سلسلہ طاعات میں تسلسل رہے اور یہ برزخ کے پردے میں دنیوی زندگی کا امتداد ہے گو یہاں کی آنکھوں سے استتار ہے۔

سو اگر آپ قیامت تک کی دنیوی زندگی پائے ہوتے اور برزخی زندگی سے بالکل نہ گزرتے تو یہ عین ممکن تھا اس صورت میں آپ صعقہ اولیٰ میں اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ کا وعدہ پورا کرتے اور صعقہ ثانیہ پر پھر اٹھ کھڑے ہوتے اور جنت میں داخل ہو جاتے۔ اس صورت میں آپ ﷺ کی قیامت سے پہلے جو زندگی ہوتی وہ دنیوی زندگی ہی تو ہوتی اور اس میں کوئی شرک کا پہلو نہ تھا۔ معلوم نہیں آپ ﷺ پر وفات ہو چکنے کا اقرار عقیدہ توحید کا جزو کیسے بن گیا۔ آپ ﷺ کی وفات ایک تاریخی حقیقت ہے لیکن یہ توحید کا جزو نہیں۔ وعدہ وفات کبھی بھی پورا ہو سکتا تھا۔

دنیوی زندگی اور برزخی زندگی میں فرق

دنیوی زندگی ایک پہلو سے برزخی زندگی سے اعلیٰ و اولیٰ ہے ورنہ دوسرے اعتبارات سے برزخی زندگی افضل ہے۔ دنیوی زندگی میں قرب الٰہی میں بڑھنے والے اعمال میسر ہیں۔ یہ اعمال کی وہ قوت ہے جو برزخی زندگی میں نہیں وہاں اعمال صرف روحانی لذت اور ذوق حیات کے لئے ہیں۔

شہید برزخ میں اور پھر آخرت میں جسمانی حیات پانے کے باوجود اس دنیا میں پھر آنے کی تمنا کرے گا تا کہ ایک دفعہ پھر وہ خدا کی راہ میں مارا جائے اور وہ یہ لذت ایک دفعہ پھر پائے جو اس نے پہلی دفعہ قتل ہونے پر محسوس کی تھی۔

برزخی زندگی کی شان یہ ہے کہ وہاں ایک دفعہ کا کیا وضوء (جو انبیاء کو بعد الوفات غسل کی صورت میں کرایا جاتا ہے) قیامت تک کی نمازوں کے لئے کافی ہے۔

جس اعتبار سے دنیوی زندگی بہتر و برتر تھی اس اعتبار سے آنحضرت ﷺ اسی زندگی میں ہیں اور جس اعتبار سے برزخی زندگی اعلیٰ و الطف ہے اس اعتبار سے آپ ﷺ برزخی زندگی میں ہیں۔ تاہم آپ کی اس زندگی کو ہم دنیوی بالمعنی المتبادر نہیں کہتے۔ اگر دنیوی کہتے بھی ہیں تو بالعمل المتواتر کے اعتبار سے کہتے ہیں جو آپ ﷺ کو عالم برزخ میں بے شک حاصل ہے۔

برزخی زندگی کی یہ آہٹ کہاں تک رہتی ہے

شہداء اللہ کی راہ میں کٹ کر ہمیشہ کی زندگی پا چکے ہیں۔ انہیں اموات کہنا اب منع ہے۔ وہ احیاء (زندہ) ہیں۔ عالم برزخ میں وہ زندوں والے اعمال کا تسلسل دیئے گئے ہیں۔ انبیائے کرام علیہم السلام بھی عالم برزخ میں جسمانی حیات رکھتے ہیں اور ان کے اعمال بھی باقی ہیں اور ان کی حیات کا بھی کسی تاویل سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ شہداء کی روحوں کو سبز پرندوں کا سا جسد ملتا ہے اور وہ آسمانوں میں سیر کرتی ہیں، ملاء اعلیٰ میں گھومتی ہیں۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا وہ برزخی پردے میں کبھی زمین تک آ سکتی ہیں یا نہیں؟ اس کے انکار پر کوئی دلیل ہماری نظر سے نہیں گزری ہاں کسی جانے والے کا اس عالم (دنیا) میں آنا ممکن نہیں۔ عالم ان کا دوسرا ہے تو پھر کسی کا یہاں آنا منع نہیں جسے اللہ تعالیٰ چاہے یہاں تک کی سیر کرا دے۔

پھر انبیاء علیہم السلام کا مرتبہ تو ان سے بھی اونچا اور اعلیٰ ہے۔ کیا برزخی سیر کے لئے ان کی روحوں پر آسمان و زمین کے دروازے بند ہیں؟ اور کیا حضور ﷺ نے اس دنیوی زندگی میں دو قبروں کے پاس سے گزرتے ہوئے ان کی برزخی آوازیں نہ سنی تھیں؟ کیا اعمال برزخ کا ظہور کبھی اس زمین پر نہیں ہو سکتا؟ کیوں نہیں!

سو اگر روایات میں انبیاء علیہم السلام کا برزخی پردے میں یہاں آنا اور آنحضرت ﷺ کا انہیں دیکھ پانا مل جائے تو ہمارے پاس کوئی ایسی شرعی دلیل نہیں جو اس کے تسلیم کرنے میں ہمیں مانع ہو۔ یہ ان کا اس عالم میں آنا شمار نہیں ہوگا۔ یہ اس زمین کی ایک برزخی سیر ہے جو عالم برزخ میں وقوع میں آ رہی ہے۔

انبیاء کرام علیہم السلام کا سلسلۂ عمل رکا نہیں

احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ انبیاء ﷺ کا سلسلۂ عمل رکا نہیں ان کی طاعات برابر جاری ہیں۔ صرف یہ ہوا کہ وہ موت کا پل عبور کرنے سے ہماری آنکھوں سے اوجھل کر دیئے گئے ہیں اور اب ان کے چلنے پھرنے کا جہان یہ دنیا نہیں عالم برزخ ہے۔ وہ ایک انداز سے ان قبروں میں ہیں اور ایک جہت ان کی برزخی وسعت ہمارے ادراک سے بالا ہے۔ وہ کبھی اس زمین پر دکھائی بھی دیں تو یاد رکھئے اللہ رب العزت نے ان پر برزخی سیر کے دروازے کھول رکھے ہے۔ شہداء کے لئے اگر سیر گاہیں کھلی ہیں تو انبیاء ﷺ کے لئے اس وسعت میں کونسا شرعی قاعدہ مانع ہے۔

انبیاء علیہم السلام کا برزخی پردے میں یہاں آنا

حضرت ابن عباس ؓ کہتے ہیں: "سرنا مع رسول اللہ ﷺ بین مکۃ والمدینۃ فمررنا بواد فقال أی واد هذا فقالوا وادی الازرق فقال کانی انظر الی موسیٰ فذکر من لونه وشعره شيئا۔" (صحیح مسلم ج۱، ص۹۵)

ترجمہ: ہم آنحضرت ﷺ کے ساتھ مکہ اور مدینہ کے درمیان گزر رہے تھے ہم ایک وادی کے پاس سے گزرے تو آپ نے پوچھا یہ کون سی وادی ہے؟ صحابہ ؓ نے عرض کی وادی ازرق، آپ نے فرمایا میں گویا یہاں موسیٰ کو دیکھ رہا ہوں آپ نے پھر ان کے رنگ اور ان کے بال بھی بتائے کہ وہ کیسے ہیں۔

حضور ﷺ کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے رنگ اور بالوں کا ذکر کرنا اس تاکید میں تھا کہ آپ ﷺ نے واقعی انہیں ہی دیکھا ہے عارضی اور مثالی ابدان کے حلیے اور نقشے اس طرح بیان نہیں کئے جاتے اور انبیاء سابقین کا اپنے اصلی اجساد سے یہاں آنا محدثین کے ہاں کوئی امر ممنوع نہیں ہے وہ برابر اس احتمال کو جگہ دیتے ہیں۔

(دیکھئے فتح الباری ج۷، ص۱۴۷)

صحیح بخاری میں ہے: "أما موسی کأنی أنظر الیه اذا انحدر فی الوادی یلبی" (صحیح بخاری ج۱ ص۲۱۰)

ترجمہ: موسیٰ علیہ السلام کو تو گویا میں دیکھ رہا ہوں آپ وادی میں اترتے لبیک کہہ رہے ہیں۔

یہ لبیک کہنا اعمال عمرہ وحج میں سے ہے۔ ظاہر ہے کہ ان اعمال کی زمین یہ دنیوی زمین ہی ہے۔ حمد وثنا کے نغمے تو جنت میں بھی ہوں گے۔ لیکن طواف عمرہ کعبہ کے سوا کہیں نہیں اور حج عرفات کے سوا کہیں نہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا لبیک کہتے ہوئے دکھائی دینا بتلاتا ہے کہ اس برزخی زندگی میں ان کے یہاں کے بعض اعمال برابر جاری ہیں اور ان کی ہمیں مخبر صادق ﷺ نے خبر دی ہے۔ انبیاء علیہم السلام اپنے ان اعمال کو پورے حسی طور پر عمل میں لاتے ہیں اور گو وہ اپنی قبر کی زندگی میں ہیں لیکن اس کی وسعت انہیں ان اعمال سے مانع نہیں ہے۔

دسویں صدی کے مجدد سیدنا ملا علی القاری رحمہ اللہ دوسری حدیث ''فاذا موسیٰ قائم یصلی فی قبرہ'' کی شرح میں لکھتے ہیں: ''فان حقیقة الصلوٰة وھی الإتیان بالأفعال المختلفة انما تکون بالأشباح لا بالأرواح فقط'' (مرقات ج۱۱ ص۱۵۷)

ترجمہ: نماز کی شرعی حقیقت مختلف کاموں کو عمل میں لانا ہے اور اعمال بجالانا ابدان سے ہوتا ہے صرف ارواح سے نہیں۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت یونس علیہ السلام کے بعد الموت حج کرنے کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''الانبیاء أحیاء عند ربهم یرزقون فلا مانع ان یحجون قال القرطبی حببت الیهم العبادة فهم یتعبدون بما یجدون من دواعی أنفسهم'' (فتح الملہم ج۱ ص۳۳۰)

ترجمہ: انبیاء اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں انہیں رزق بھی دیا جاتا ہے تو یہ بات ناممکن نہیں کہ وہ حج بھی کرتے ہوں علامہ قرطبی کہتے ہیں عبادت کی محبت ان کے دلوں میں ڈال دی گئی ہے اور اب وہ اپنے داعیہ نفس سے اپنے خدا کی عبادت میں لگے رہتے ہیں۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ حج کے موقعہ پر وادی عسفان کے پاس سے گزرے تو آپ نے وہاں سے حضرت ہود اور حضرت صالح علیہما السلام کے گزرنے کی خبر دی۔ آپ ﷺ نے کہا: ''مر به هود و صالح علیهما السلام علی بکرات خطمها اللیف ازرهم العباء وار دیتهم النمار یلبون یحجون البیت العتیق'' (رواہ ابو یعلیٰ والطبرانی ایضاً)

ترجمہ: حضرت ہود اور حضرت صالح علیہما السلام اونٹوں پر سوار آپ کے پاس سے گزرے ہیں ان اونٹوں کی مہاریں کھجور کی چھال کی...... ان کی لنگیاں عباء...... اور چادریں اون کی تھیں۔ تلبیہ کہتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے بیت قدیم کا طواف کرنے جارہے تھے۔

حافظ ابن کثیرؒ (۷۷۴ھ) لکھتے ہیں: اسنادہ حسن۔ (البدایہ والنہایہ ج۱ ص۱۳۸)

محدث شہیر حافظ ابو یعلیٰؒ (۳۰۷ھ) حضرت نوح علیہ السلام کا نام بھی ذکر کرتے ہیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نام بھی لیتے ہیں۔ (البدایہ ج۱ ص۱۱۹)

ان روایات سے پتہ چلتا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے اعمال طاعت جاری ہیں اور وہ کبھی اپنی برزخی سیر میں اس زمین پر بھی آنکلتے ہیں۔ تاہم ان کا جہان عالم برزخ ہے نہ کہ یہ جہان۔ معراج کی رات جب آنحضرت ﷺ نے ایک سرخ ٹیلے کے پاس حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی قبر میں نماز پڑھتے دیکھا تو آپ خود حیرت میں تھے، آپ انہیں اس عالم (برزخ) میں...... نگاہوں کو تردد ہورہا تھا کہ وہ واقعی وہی ہیں یا اور...... کبھی فرماتے کأنی أنظر إلیه گویا میں انہی کو دیکھ رہا ہوں۔

اللہ رب العزت نے فرمایا: "وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ فَلَا تَکُنْ فِیْ مِرْیَةٍ مِّنْ لِّقَآئِهٖ" (پ ۲۱: السجدہ آیت ۲۳)

ترجمہ: اور ہم نے دی موسیٰ کو کتاب سو آپ اس کی ملاقات میں کسی شک میں نہ پڑیں۔

شیخ الاسلام حضرت علامہ عثمانیؒ لکھتے ہیں: "تم جو موسیٰ سے شب معراج میں ملے تھے وہ کچی حقیقت ہے وہ دھوکہ یا نظر بندی نہیں۔"

یہ اس صورت میں ہے کہ یہ آیت واقعہ اسراء کے بعد نازل ہوئی ہو۔ اگر پہلے نازل ہوئی تو یہ ایک وعدہ ہے جو آپ ﷺ کو دیا گیا اور لیلۃ الاسراء میں اسے پورا کیا گیا۔

جب آپ ﷺ کی ملاقات حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہوئی تو اس کے بعد آپ کی ملاقات پوری جماعت انبیاء علیہم السلام سے بھی ہوئی مگر قبر میں نماز پڑھتے آپ ﷺ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ہی پایا تھا۔

حضرت علامہ انور شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: "ان کثیرا من الاعمال قد ثبتت فی القبور کالاذان والاقامة عند الدارمی وقراءة القران عند الترمذی" (فیض الباری ج۱ ص۱۸۳)

ترجمہ: بہت سے اعمال قبروں میں بھی ثابت ہیں سنن دارمی کی روایت میں اذان اور اقامت کا قبر میں ہونا مذکور ہے اور ترمذی کی روایت میں قبر میں سے قرآن کی آواز سنائی دے رہی ہے۔

حیات انبیاء علیہم السلام کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "اراد بالحیوة فعل الاعمال واکثر من فی القبور فی العطلة بخلاف المقربین" (تحیۃ الاسلام ص۳۶)

ترجمہ: حدیث میں حیات سے مراد فعل اعمال ہے (زندوں کے سے اعمال کا باقی رہنا) اور اکثر لوگ جو قبروں میں ہیں ان کے اعمال تعطل میں ہیں بخلاف مقربین۔

اعمال کے بارے میں ملا علی قاریؒ تصریح فرما چکے ہیں کہ وہ ابدان سے وقوع میں آتے ہیں صرف ارواح سے نہیں۔ مردے ان اعمال حیات سے خالی ہیں لیکن مقربین کی یہ بات نہیں۔

"الاتیان بالافعال المختلفة انما تکون بالاشباح لا بالارواح" (مرقات ج۱۱ ص۱۵۷)

ترجمہ: یہ مختلف قسم کے افعال بجالانا ابدان سے ہی ہو سکتا ہے...... صرف ارواح سے نہیں۔

حیات شہداء کی بحث میں حیات انبیاء علیہم السلام کی یہ بحث ضمناً آگئی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ حیات انبیاء علیہم السلام ایک برزخی حقیقت ہے جس کا انکشاف بارہا یہاں کی تیز آنکھوں کو ہوا اور انہوں نے جو کچھ دیکھا بتا دیا اور پھر قرآن کریم نے بھی ان کی تصدیق کر دی۔ اس کے بعد ہمارے یہ کرم فرما معلوم نہیں اور کس دلیل پر ایمان لائیں گے فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ بَعْدَهٗ یُؤْمِنُوْنَ!

حضور ﷺ کی پہلے انبیاء علیہم السلام سے ملاقات

ہم حضرت نوح، حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت ابراہیم علیہم السلام کا برزخی پردے میں زمین پر آنا اور حضور ﷺ کا انہیں دیکھ پانا پہلے ذکر آئے ہیں۔ ان میں موسیٰ علیہ السلام کی ملاقات بہت اہم ہے کیونکہ اس کے بارے میں قرآن پاک میں صراحت سے کہا گیا ہے: "فَلَا تَکُنْ فِیْ مِرْیَةٍ مِّنْ لِّقَآئِهٖ" (پ۲۱ السجدہ آیت ۲۳)

ترجمہ: آپ ان سے ملاقات کے بارے میں کسی شک و تردد میں نہ پڑیں۔

بیت المقدس میں معراج کی رات انبیاء کرام علیہم السلام اسی طرح آئے تھے جس طرح ارواح شہداء سبز پرندوں کے قالب میں آسمانوں پر سیر کرتی ہیں۔ برزخی سیر میں کبھی زمین پر آجاتے ہیں۔ پھر جب ان انبیاء علیہم السلام نے حضور ﷺ کے ساتھ نماز بھی پڑھی اور نماز زندہ جسد کو چاہتی ہے اور بدن کے بغیر یہ عمل ترتیب نہیں پا سکتا تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان کے اجساد کون سے تھے؟

جس طرح شہداء کی روحیں سبز پرندوں کے قالب میں متجسد ہوتی ہیں انبیاء علیہم السلام کی ارواح ان نبیوں کی اصلی صورت میں متجسد ہوئیں یا انبیاء کرام کی اس رات تشریف آوری اپنے ارواح واجساد کے ساتھ تھی۔

محدثینؒ نے یہاں دونوں احتمال ذکر کئے ہیں ہوسکتا ہے صرف ارواح کی آمد ہو اور ہوسکتا ہے انبیاء کرام علیہم السلام اپنے اجساد اصلیہ کے ساتھ برزخ کے پردے میں یہاں پہنچے ہوں اور ان کی تشریف آوری ارواح واجسام دونوں سے ہو۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (۸۵۲ھ) لکھتے ہیں: ''واما الذین صلوا معه فی البیت المقدس فیحتمل الأرواح خاصة ویحتمل الاجساد بارواحها'' (فتح الباری ج ۷ ص ۱۴)

ترجمہ: وہ انبیاء علیہم السلام جنہوں نے اس رات حضور ﷺ کے ساتھ بیت المقدس میں نماز پڑھی ہوسکتا ہے کہ وہاں صرف روحیں متجسد ہوئی ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ ارواح مع الاجساد یہاں آئی ہوں۔

''إن أرواحهم تشكلت بصورة أجسادهم او أحضرت أجسادهم لملاقاة النبی ﷺ تلك الليلة تشريفا وتكريما ويؤيده حديث عبد الرحمن بن هاشم عن انس ففيه وبعث له ادم ومن دونه من الانبياء''

(فتح الباری ج ۷، ص ۱۴)

ترجمہ: ان کی روحیں ان کی صورتوں میں متشکل ہوئی ہوں یا اس رات ان کے اصل اجساد ہی نبی کریم ﷺ کی ملاقات کے لئے حاضر کر دیئے گئے ہوں دونوں باتیں ہوسکتی ہیں ایسا حضور ﷺ کی تشریف وتکریم کے لئے ہوا اور اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے، حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ کے لئے حضرت آدم علیہ السلام اور دوسرے سب انبیاء علیہم السلام اٹھائے گئے۔ (حاضر کئے گئے)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ حافظ ابن حجرؒ دوسرے احتمال کے مؤید ہیں کہ اس رات انبیاء کرام علیہم السلام حضور ﷺ کے اعزاز واکرام میں اپنے اصل اجساد کے ساتھ یہاں آئے۔ عالم برزخ میں ان اجساد کو اتنی لطافت ملی ہوئی ہے کہ وہ لمحوں میں یہ فاصلے طے کر پاتے ہیں۔ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں جو لوگ تخت بلقیس کا آنکھ جھپکنے میں آپہنچنا مان سکتے ہیں وہ قدرت ایزدی سے ان انبیاء علیہم السلام کے یہاں آنے اور جانے میں بھی کوئی شک نہیں کر سکتے۔ تخت تو لکڑی کا تھا جس میں نہ کبھی کوئی روح رہی نہ اس نے کوئی لطافت پائی اور وہ آنا بھی عالم دنیا میں تھا لیکن انبیاء کرام علیہم السلام کی یہ آمد تو برزخی پردے میں ہے کیا برزخ میں بھی ان کے اجساد ایسی لطافت نہیں پا سکتے کہ آنکھ جھپکنے میں وہ اپنی قبور سے آئیں بھی اور باذن الٰہی پھر وہاں جا بھی پہنچیں ...... اور یہ فاصلہ اور آنا جانا یہاں کے کسی دوسرے شخص کو محسوس ومشاہد نہ ہو۔ جن کی برزخ کے عجائب پر نظر ہے وہ کبھی ان امور کا انکار نہیں کر سکتے۔

انبیاء ﷨ کا اصلی اجساد کے ساتھ یہاں آنا کوئی ایسی بات نہیں کہ محدثین نے اسے اپنے ہاں کوئی جگہ نہ دی ہو۔ جو لوگ ان حقائق کو استہزاء سے ٹھکراتے ہیں وہ آخرت کی جوابدہی کے لئے تیار رہیں یاد رہے کہ بیت المقدس میں ان کی ملاقات کے لمحے اور تھے......اور آسمانوں پر ان کی ملاقات کے لمحے اور تھے......تو ان میں سے کوئی بات خلاف عقل نہیں اور احادیث میں یہ ملاقاتیں ثابت ہیں تو ان واردات کا کیسے انکار کیا جا سکتا ہے۔

"صلوتهم في اوقات مختلفة وفي اماكن مختلفة لا يرده العقل وثبت به النقل فدل ذلك على حياتهم" (فتح الباری کتاب الانبیاء پ ۱۳، ص ۲۷۸ دہلی)

ترجمہ: ان کی (بیت المقدس میں) نماز اور وقتوں میں تھی اور (یہ امور) مختلف مقامات سے تعلق رکھتے ہیں عقل ان کا انکار نہیں کرتی اور نقل سے یہ بات ثابت ہے تو یہ اس پر دلالت ہے کہ انبیاء ﷨ زندہ ہیں۔

ملاقات انبیاء ﷨ پر قرآن کی شہادت

اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو ایک ایسا حکم دیا جس پر بدوں اس کے عمل نہیں ہو سکتا کہ آپ کی ان اپنے سے پہلے کے انبیاء ﷨ کے ساتھ ملاقات ہو اور آپ ان سے اپنے عقیدہ کی تائید حاصل کریں ارشاد ہوتا ہے:

"وَسْئَلْ مَنْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُسُلِنَا أَجَعَلْنَا مِنْ دُونِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً يُعْبَدُونَ" (پ ۲۵ زخرف ع ۴، آیت ۴۵)

ترجمہ: اور پوچھ دیکھ ان سے جن کو ہم نے تجھ سے پہلے رسول بنا کر بھیجا۔ کیا ہم نے بنائے ہیں رحمٰن کے سوا اور معبود جو پوجے جائیں۔

حضور ﷺ کو جب ان سے پوچھنے کا مکلف فرمایا تو لازم ہوا کہ آپ کی کبھی نہ کبھی ان سے ملاقات ہوئی ہو۔ یہ اس آیت کا ظاہر ہے۔

کچھ دوسرے علماء ہیں جنہوں نے آیت کو مجازی معنی پر لا کر یہ تفسیر کی کہ اس میں خود ان انبیاء ﷨ سے پوچھنا مطلوب نہیں ان کی کتابوں اور امتوں سے دریافت کرنا مراد ہے کہ کبھی کیا کسی پیغمبر نے بھلا شرک کی اجازت دی ہے۔

شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے اس کے حقیقی اور مجازی دونوں معنی بیان کیے ہیں: "یہ ارشاد کہ پوچھ دیکھو یعنی جس وقت ان سے ملاقات ہو جیسے شب معراج میں ملاقات ہوئی یا ان کے احوال کتابوں سے تحقیق کرو جو ذرائع تحقیق و تفتیش کے ہوں ان کو استعمال میں لانے سے صاف ثابت ہو جائے گا کہ کسی دین سماوی میں کبھی شرک کی اجازت نہیں ہوئی۔" (تفسیر عثمانی ص ۶۳۹)

اول معنی حقیقی اور ظاہر معنی ہیں اور حضور ﷺ کے عمل سے بھی انہی کی تائید ہوتی ہے دوسرے معنی مجازی ہیں جن میں صرف عن الظاہر کرنا پڑتا ہے۔ علامہ قرطبیؒ (۶۷۱ھ) نے بعض روایات نقل کی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے انبیاء ﷨ کی امامت کرنے کے بعد ان سے یہی بات پوچھی (دیکھئے تفسیر قرطبی ج ۱۶، ص ۹۴) ان روایات کی سند ہمیں معلوم نہیں ہو سکی۔

جلالین میں بھی پہلے معنی کو ہی ظاہر معنی کہا گیا ہے: "قيل هو على ظاهره بان جمع له الرسل ليلة الاسراء وقيل المراد امم من اى اهل الكتابين" (تفسیر جلالین ص ۶۵۱ مصر)

ترجمہ: کہا گیا ہے کہ آیت اپنے ظاہر پر ہے وہ یہ کہ تمام پیغمبر آپ کے لئے معراج کی رات جمع کئے گئے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد اہل کتاب کی امتیں ہیں یعنی یہ کہ آپ ان کی امتوں سے پوچھ دیکھیں۔

جلالین میں دوسرے مقام پر صریح لفظوں میں اسے لیلۃ الاسراء کی ملاقات قرار دیا ہے: ''فلاتکن فی مریۃ (شک) من لقائہ وقد التقیا لیلۃ الاسراء'' (تفسیر جلالین ص ۵۵۰)

ترجمہ: سو آپ موسیٰ کی ملاقات میں شک نہ کریں اور یہ دونوں (حضور ﷺ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام لیلۃ الاسراء میں ملے تھے۔

حافظ ابن کثیرؒ بھی اسی کی تائید کرتے ہیں: ''وفی الجلالین قیل ھو علی ظاھرہ بان جمع لہ الرسل لیلۃ الاسراء'' (ج ، ص ۱۲۹)

ترجمہ: اور جلالین میں ہے کہ اسے اپنے ظاہر پر بتلایا گیا ہے یہ کہ معراج کی رات آپ کے لئے تمام پیغمبر اکٹھے کئے گئے تھے۔

پرانے ادیان میں غور کرنے کا حکم یہ پہلی آیت کے مجازی معنی ہیں۔ حقیقی معنی مراد لیا جا سکے تو مجازی معنی اختیار نہ کرنے چاہئیں۔ شیخ محمد علی الصابونی اس دوسرے معنی کو مجازی قرار دیتے ہیں یہ ظاہری معنی نہیں ہیں۔

''والسؤال ھھنا مجاز عن النظر فی ادیان الانبیاء'' (تفسیر صفوۃ التفاسیر ج ۳ ص ۱۵۹)

ترجمہ: انبیاء سے سوال کرنا ان کے ادیان میں غور کرنے کی ایک مجازی تعبیر ہے۔

تفسیر قرآن کا ایک اصول یاد رکھئے۔ امام فخر الدین رازیؒ (۶۰۶ھ) لکھتے ہیں: ''القانون انہ یجب حمل کل لفظ ورد فی القران علی حقیقتہ الا اذ اقامت دلالۃ عقلیۃ قطعیۃ توجب الانصراف عنہ ومن لم یعرف شیاً لم یخض فیہ'' (تفسیر کبیر ج ۶، ص ۵)

ترجمہ: اصول یہی ہے کہ قرآن کریم میں جو لفظ وارد ہوا اسے اس کے حقیقی معنوں پر محمول کیا ہے جب تک کہ ایسی قطعی دلالت قائم نہ ہو جو اسے کے اصلی معنوں سے ہٹانا ضروری قرار دے اور جو کسی چیز کو سمجھا ہی نہیں وہ اس کی گہرائی میں کیسے اترے گا۔

علامہ بغویؒ (۵۱۶ھ) لکھتے ہیں: ''فلما فرغ من الصلوۃ قال لہ جبریل سئل یا محمد من ارسلنا من قبلک من رسلنا الآیۃ فقال رسول اللہ ﷺ لا اسئل فقد اکتفیت وھذا قول الزھری وسعید بن جبیر وابن زید قالوا جمع لہ الرسل لیلۃ الاسراء وامر ان یسأل'' (معالم التنزیل ج ۴، ص ۱۴۱)

ترجمہ: جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو جبریل نے آپ سے (خدائی حکم پہنچاتے ہوئے) کہا اے میرے رسول! جو رسول میں نے پہلے بھیجے ہیں آپ ان سے پوچھ دیکھیں۔ زہری، سعید بن جبیر، ابن زیدؒ کی یہی رائے ہے یہ کہتے ہیں آپ کے لئے تمام رسول معراج کی رات جمع کئے گئے اور آپ کو کہا گیا کہ آپ ان سے پوچھ دیکھیں۔

''عن سعید بن جبیر قال لیلۃ اسری بہ لقی الرسل وفیہ... واسئل من ارسلنا'' (درمنثور ص ۱۹)

ترجمہ: حضرت سعید بن جبیر سے روایت ہے وہ کہتے ہیں جس رات حضور ﷺ کو معراج کی سیر کرائی گئی آپ سب رسولوں سے ملے اور اس آیت میں ہے آپ ان سے جو ہم نے آپ سے پہلے بھیجے، پوچھ دیکھیں۔

قاضی ثناء اللہ صاحبؒ (۱۲۲۵ھ) بھی یہی معنی کرتے ہیں: ''عن ابن عباس قال لما اسری بالنبی ﷺ

بعث اللہ لہ ادم و اولادہ من المرسلین الیٰ ان قال جبریل تقدم یا محمد فصل بھم فلما فرغ من الصلوٰۃ قال جبریل سل یا محمد من ارسلنا'' (تفسیر مظہری ج، ص ۳۵)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ جب آنحضرت ﷺ کو معراج کی سیر کرائی گئی تو حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد میں سے تمام انبیاء علیہم السلام بھیجے گئے یہاں تک کہ جبرئیل علیہ السلام نے کہا حضور ﷺ آگے بڑھیں پس آپ نے انہیں نماز پڑھائی جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو جبرئیل نے حضور ﷺ سے کہا آپ ان سے پوچھ دیکھیں۔

قاضی شوکانیؒ (۱۲۵۵ھ) کی تصریح بھی سن لیجئے: ''واسئل من ارسلنا... الایۃ قال الزھری وسعید بن جبیر وابن زید ان جبریل قال ذلک للنبی ﷺ لما اسری بہ فالمراد سوالہ الانبیاء فی ذلک الوقت عند ملاقاتہ بھم وبہ قال جماعۃ من السلف'' (فتح القدیر ج، ص ۵۵۷)

ترجمہ: اور آپ پوچھ دیکھیں ان سے جنہیں ہم نے رسول بنا کر بھیجا زہری، سعید بن جبیر اور ابن زیدؒ کہتے ہیں جب حضور ﷺ کو معراج کی سیر کرائی گئی تو جبریل علیہ السلام نے حضور ﷺ سے یہ بات کہی سو اس سے مراد ان پیغمبروں سے ملاقات کے وقت آپ کا ان سے سوال کرنا ہے اور یہی تفسیر سلف کی ایک جماعت نے کی ہے۔

علامہ محمود آلوسیؒ (۱۲۷۰ھ) کی تفسیر روح المعانی میں ہے: ''اخرج الطبرانی وابن مردویہ وایضاً فی المختارۃ بسند صحیح عن ابن عباس انہ قال فی الایۃ ای من لقاء موسیٰ واخرج ابن ابی حاتم عن ابی العالیہ انہ قال کذلک فقیل لہ اولقی علیہ الصلوٰۃ والسلام موسیٰ؟ قال نعم! الاتری الیٰ قولہ تعالیٰ واسئل من ارسلنا... اراد بذلک لقاءہ ایاہ لیلۃ الاسراء کما ذکر فی الصحیحین و غیرھما وروی نحو ذلک عن قتادۃ وجماعۃ من السلف وقالہ المبرد حین امتحن الزجاج بھذہ الایۃ وکان المراد من قولہ فلاتکن فی مریۃ من لقائہ علیٰ وعدہ تعالیٰ بنبیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام بلقاء موسیٰ وتکون الایۃ نازلۃ قبل الاسراء''

(روح المعانی ج۲۱ ص ۱۳۷)

ترجمہ: طبرانی اور ابن مردویہ حضرت ابن عباسؓ سے سند صحیح سے نقل کرتے ہیں آپ نے اس آیت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ملاقات تسلیم کی ہے اور ابن ابی حاتم ابوالعالیہ (۹۰ھ) سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بھی ایسا ہی کہا ہے۔ آپ سے پوچھا گیا کیا واقعی حضور اکرم ﷺ کی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی؟ آپ نے کہا ہاں کیا تم قرآن کریم میں اس آیت کو نہیں دیکھتے واسئل من ارسلنا اس سے حضور ﷺ کا ان سے معراج کی رات ملاقات کرنا مراد ہے جیسا کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم اور دوسری کئی کتابوں میں مذکور ہے حضرت قتادہ (۱۱۸ھ) اور سلف صالحین کی ایک جماعت یہی کہتی ہے۔ علامہ مبرد کی رائے بھی یہی ظاہر ہوئی جب آپ نے زجاج کا اس آیت میں امتحان لیا اور یہی مراد الٰہی ہے اور اس آیت میں فلاتکن فی مریۃ من لقائہ (آپ ان کی ملاقات میں شک نہ کریں یہ ہو کر رہے گی) اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو موسیٰ سے ملاقات کرانے کا وعدہ دیا تھا۔ یہ آیت واقعہ معراج سے پہلے نازل ہوئی تھی (سو یہ ایک وعدہ تھا جو معراج کی رات پورا ہوا)

''عن قتادۃ قال سئلھم لیلۃ اسری بہ لقی الانبیاء و لقی ادم ومالک خازن النار قلت ھذا ھو الصحیح فی تفسیر ھذہ الآیۃ'' (تفسیر کبیر امام رازی ج۷، ص ۴۳۰، مدارک ص، قرطبی ج۱۶، ص ۹۴)

ترجمہ: حضرت قتادہ ؓ سے مروی ہے آپ ﷺ کا ان انبیاء علیہم السلام سے سوال کرنا معراج کی رات وقوع میں آیا تھا آپ آدم علیہ السلام سے ملے۔ میں (فخر الدین الرازی) کہتا ہوں اس آیت کی تفسیر میں صحیح بات یہی ہے۔

ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباس ؓ کی تفسیر اس ملاقات کا پتہ دیتی ہے اور آیت بھی اپنے ظاہری اور حقیقی معنی پر رہتی ہے۔

قتادہ (۱۱۸ھ)، سعید بن جبیر (۹۵ھ)، زہری (۱۲۴ھ)، ابو العالیہؒ (۹۰ھ) جیسے اکابر جو تفسیر میں صحابہ کرام ؓ کے براہ راست شاگرد ہیں وہ اسی تفسیر کو ترجیح دیتے ہیں۔

تیسری صدی کے محدثین امام احمد (۲۱۴ھ)، امام بخاری (۲۵۶ھ)، امام مسلم (۲۶۱ھ) وغیرہم حضور ﷺ کی ان انبیاء سے ملاقات سند صحیح سے روایت کرتے ہیں۔

چوتھی صدی کے امام طحاویؒ (۳۲۱ھ)

پھر امام بیہقی (۴۵۸ھ)، بغوی (۵۱۶ھ)، امام نسفی (۵۳۷ھ)، امام رازی (۶۰۶ھ)

پھر ساتویں صدی کے امام نووی (۶۷۶ھ)، قرطبی (۶۷۱ھ)

پھر آٹھویں صدی کے علامہ خازن (۷۴۱ھ) اور حافظ ابن کثیرؒ (۷۷۴ھ)

نویں صدی کے حافظ ابن حجر (۸۵۲ھ)،

دسویں صدی کے امام سیوطی (۹۱۱ھ) اور ملا علی قاری (۱۰۱۴ھ)

گیارہویں صدی کے شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۱۰۵۲ھ)

بارہویں صدی کے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱۱۷۶ھ)

تیرہویں صدی کے قاضی ثناء اللہ (۱۲۲۵ھ)، شوکانی (۱۲۵۵ھ) اور علامہ آلوسی (۱۲۷۰ھ) اور چودھویں صدی کے جلیل القدر مفسر شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی[1] ﷫!

یہ مفسرین حضرات قرآن کی آیت واسئل من ارسلنا کے اس ظاہر معنی کو مسلسل اور متواتر نقل کرتے چلے آرہے ہیں اور بیشتر حضرات اس کی بھی صراحت کرتے جاتے ہیں کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی یہ اقتداء اور حضور ﷺ سے ملاقات صرف ان کی ارواح سے نہیں ارواح واجساد سے تھی اور برزخ میں ان کے اجساد کریمہ پیرایہ اطاعت میں وہاں پہنچے ہوئے تھے۔

ہم تسلیم کرتے ہیں کہ متاخرین میں کچھ ایسے مفسر بھی ہوئے جو اس آیت کو اس کے ظاہر معنی سے پھیر کر اسے مجازی معنوں پر محمول کرتے ہیں لیکن اس سے آپ کو اتنی بات تو تسلیم کر لینی چاہئے کہ اگر انبیاء کرام علیہم السلام اپنے ارواح واجساد کے ساتھ اس رات حضور ﷺ سے ملے ہوں اور یہ سب اللہ رب العزت کی قدرت سے ظہور میں آیا ہو تو یہ کوئی شرک کی بات نہیں ہے کہ اس کی تردید اور اس مؤقف سے استہزاء کئے بغیر ان معتزلہ کا عقیدہ توحید ہی قائم نہ ہوتا ہو۔ اسلاف کے کسی موقف سے گو اس میں آپ کو ان سے اختلاف ہی کیوں نہ ہو اس قدر وحشت کا اظہار صحیح نہیں کہ آپ کو ان کا عقیدہ توحید ہی متزلزل دکھائی دے۔

الحذر الحذر اے چیرہ دستاں الحذر

---

[1] شیخ الاسلام فتح الملہم میں فرماتے ہیں: "ولقد اتینا موسی الکتاب فلا تکن فی مریۃ من لقائہ قال قد کان قتادۃ یفسرھا ان النبی ﷺ قال قد لقی موسی لیلۃ الاسراء... ورافقہ علیہ جماعۃ منہم المجاہد والکلبی والسدی" (فتح الملہم ج۱ ص۳۲۹)

جو علماء انبیاء علیہم السلام کی اس رات ابدان سے حاضری کے قائل ہیں جب وہ بھی دوسرا قول کہ ان کی ارواح متشکل ہوئی ہوں اسے ساتھ نقل کرتے ہیں تو تعجب ہے کہ آج دوسرے موقف کا عقیدہ رکھنے والے اس ظاہر معنی قرآن کے نقل تک کی جرأت و ہمت نہیں کرتے؟ محض اس لئے کہ کہیں ان کے معتقدان سے بگڑ نہ جائیں۔

دسویں صدی کے علامہ سیوطیؒ (۹۱۱ھ) اور ملا علی قاریؒ (۱۰۱۴ھ) کا پیرایہ بیان ملاحظہ فرمائیں۔ کیا انہوں نے دونوں قول ذکر نہیں کئے۔ ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں: ''قال الحافظ السیوطی استشکل رؤیۃ الانبیاء فی السموات مع ان اجسادھم مستقرۃ فی قبورھم واجیب بان ارواحھم تشکلت بصور اجساد ھم اذا حضرت اجسادھم لملاقاۃ النبی ﷺ تلک اللیلۃ تشریفا وتکریما لہ'' (مرقات ج۱۱ ص۴۵)

ترجمہ: حافظ جلال الدین سیوطیؒ کہتے ہیں (حضور ﷺ کی) ان انبیاء کرام علیہم السلام سے آسمانوں پہ ملاقات پر ایک اشکال وارد ہے ان کے اجساد عنصری تو ان کی قبور میں ہیں (پھر ان سے آسمانوں پر ملاقات کیسے) اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ ہوسکتا ہے ان کی ارواح خود ان کے اجسام کی صورت میں متشکل ہوگئی ہوں یا ان کے اجساد حضور ﷺ کی ملاقات کے لئے اور آپ کی تشریف وتکریم کے لئے (ان کی قبروں سے) یہاں لا حاضر کئے گئے ہوں۔

کیا یہ اللہ رب العزت کی قدرت سے بعید ہے کہ انہیں ان کی قبروں سے یہاں لا حاضر کرے؟

پھر ذرا آگے جا کر لکھتے ہیں: ''الذین صلوا معہ فی بیت المقدس... ثم اجسادھم کارواحھم لطیفۃ غیر کثیفۃ فلا مانع لظھورھم فی عالم الملک والملکوت علی وجہ الکمال بقدرۃ ذی الجلال... فان حقیقۃ الصلوٰۃ وھی الاتیان بالافعال المختلفۃ انما تکون بالاشباح لا بالارواح'' (ص۱۵۷)

ترجمہ: جن حضرات نے حضور اکرم ﷺ کے ساتھ اس رات نماز پڑھی...... پھر ان کے اجسام بھی تو ان کے ارواح کی طرح لطیف ہیں کچھ کثیف نہیں سو یہ ناممکن نہیں کہ وہ اس عالم ملکوت میں اللہ ذوالجلال کی قدرت سے اس کامل پیرایہ میں (روح وبدن کے ساتھ) وہاں پہنچیں...... نماز کی حقیقت اس کے مختلف افعال کو وجود میں لانا ہے اور یہ اجساد سے ہی ہوسکتا ہے نہ کہ صرف ارواح سے۔

یہ حضور ﷺ کی پہلے انبیاء علیہم السلام سے شفاہاً ملاقات تھی یہ کوئی خواب کی بات نہیں، حضور ﷺ کی دنیوی زندگی تھی اور ان کی برزخی (ماسوائے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے) اور یہ قدرت خداوندی کے عجائب ہیں جنہیں حق سبحانہ وتعالیٰ جب چاہتے ہیں اپنے کسی بندہ پر ظاہر فرمادیتے ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پہلے انبیاء سے ملاقات

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی معراج کی رات جو دوسرے انبیاء علیہم السلام سے ملاقات ہوئی اس میں آپ اپنی دنیوی زندگی میں تھے اور وہ حضرات اپنی برزخی زندگی میں، پھر آپ جب نزول فرمائیں گے تو کیا ان کی پہلے انبیاء کرام علیہم السلام سے کوئی اور ملاقات بھی ہوگی؟

حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب دنیا میں دوبارہ آئیں گے تو ان کی بھی پہلے انبیاء علیہم السلام سے اس طرح کی ملاقات ہوگی جیسے حضور ﷺ نے یہاں حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت ابراہیم اور حضرت یونس علیہم السلام سے ملاقات فرمائی اور ممکن ہے ان کی ملاقاتیں ان کی قبور پر ہوں۔ جس طرح حضور ﷺ کی کثیب احمر کے پاس حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات

ہوئی تھی۔ حافظ سیوطیؒ (۹۱۱ھ) اپنے فتاویٰ میں لکھتے ہیں: ''فکذلک عیسی اذا نزل الی الارض یری الانبیاء ویجمع بھم ومن جملتھم النبی ﷺ فیاخذ عنه ما احتاج الیه من احکام الشریعة'' (الحاوی للفتاوی ج ۲ ص ۲۹۱)

ترجمہ: اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام جب زمین پر اتریں گے آپ بھی انبیاء علیہم السلام کو دیکھ پایا کریں گے ان کے ساتھ ملیں گے اور انہی میں نبی ﷺ بھی ہیں۔ سو آپ (حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضور ﷺ سے حسب ضرورت آپ کی شریعت کے احکام بھی لیں گے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روضہ اطہر پر حضور ﷺ سے ملاقات: حافظ ابو یعلیٰ (۳۰۷ھ) حضرت ابو ہریرہؓ سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ''والذی نفسی بیده لینزلن عیسی بن مریم ثم لئن قام علی قبری فقال یا محمد لأجیبنه'' (مسند ابی یعلیٰ ج ۶ ص ۱۰۱، الحاوی ج ۲ ص ۲۹)

ترجمہ: قسم اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے عیسیٰ بن مریم ضرور نازل ہوں گے پھر اگر وہ میری قبر پر آئیں اور مجھے مخاطب کریں تو میں انہیں جواب بھی دوں گا۔

علامہ محمود آلوسیؒ (۱۲۷۰ھ) بھی اسے حافظ ابو یعلیٰ سے انہی الفاظ میں نقل کرتے ہیں: ''انه علیه السلام یاخذ الاحکام من نبینا ﷺ شفاهاً بعد نزوله وهو ﷺ فی قبره الشریف واید بحدیث ابی یعلی والذی نفسی بیده لینزلن عیسی بن مریم ثم لئن قام علی قبری وقال یا محمد لاجیبنه'' (روح المعانی ج ۲۲ ص ۳۵)

ترجمہ: حضرت عیسیٰ علیہ السلام بعد نزول ہمارے نبی کریم ﷺ کے سامنے ہو کر ان سے مواخذ احکام کریں گے اور آپ ﷺ اپنی قبر شریف میں ہیں اور اس کی تائید محدث ابی یعلیٰ کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے عیسیٰ بن مریم ضرور نازل ہوں گے پھر آپ اگر میری قبر پر آئیں اور سلام کہیں یا محمد کہیں تو میں ان کو جواب بھی دوں گا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روحانیت اتنی اونچی ہوگی کہ آپ جب چاہیں حضور ﷺ سے مسئلہ پوچھ لیا کریں گے۔

امام سیوطیؒ نے حافظ ابن عساکرؒ کی یہ روایت بھی نقل کی ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ''فلیسلکن فج الروحاء حاجًا او معتمراً فلیقفن علی قبری فلیسلمن علی ولأردن علیه'' (الحاوی ج ۲، ص ۲۹)

ترجمہ: حضرت عیسیٰ روحاء کے رستے حج یا عمرے پر چلیں گے اور میری قبر پر بھی ضرور ٹھہریں گے اور مجھ پر سلام کریں گے اور میں آپ پر سلام لوٹاؤں گا۔

صحیح مسلم میں ہے کہ آپ فج روحاء سے حج یا عمرے کا احرام باندھیں گے: ''لیھلن ابن مریم بفج الروحاء حاجا او معتمرا او لیثنینھا'' (صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۰۸)

ترجمہ: حضرت عیسیٰ فج روحاء کے مقام سے حج یا عمرے کا (احرام باندھیں گے) تلبیہ پکاریں گے یا دونوں کا قران کریں گے۔

اس ملاقات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی دنیوی زندگی میں ہوں گے اور حضور اکرم ﷺ اپنی برزخی زندگی میں ...... البتہ لیلۃ الاسراء کی ملاقات میں یہ دونوں حضرات اپنی دنیوی زندگی میں تھے...... اور بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس رات شرف صحابیت بھی پا گئے کیونکہ صحابی وہ ہے جس نے اپنی دنیوی زندگی میں حضور اکرم ﷺ کو (جب کہ آپ بھی اپنی یہاں کی زندگی میں تھے) ایمان کی حالت میں بیداری میں دیکھا ہو اور ظاہر

ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے لیلۃ الاسراء میں حضور ﷺ کو دیکھا تھا...... مگر آپ چونکہ پھر اپنے آسمانی سفر پر چلے گئے اس لئے زمین پر افضل الصحابہ کا درجہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ کا ہی رہا۔

نوٹ: حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب نازل ہوں گے تو اس وقت بھی وہ اللہ کے رسول ہوں گے اللہ تعالیٰ کسی کو اعزاز دے کر اس سے اسے چھینتے نہیں ہاں اس وقت ان کی رسالت یہاں نافذ نہ ہوگی کیونکہ یہ دور دورِ محمدی ﷺ ہے اور قانون شریعت محمدی...... حضرت عیسیٰ علیہ السلام خود اسی شریعت پر عمل پیرا ہوں گے۔

آپ پر انتظامی امور میں تو کبھی وحی آئے گی لیکن وحی شریعت (جس کو دینی طور پر قانونی حیثیت حاصل ہو کہ اس کا ماننا فرض ہو اور اس کا انکار کفر ہو گو اس میں کوئی نیا دینی حکم نہ ہو) نہ آئے گی یہ سلسلہ وحی منقطع ہو چکا اور دین کامل ہو چکا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی یہ ملاقاتیں جو پہلے انبیاء علیہم السلام اور حضور خاتم الانبیاء ﷺ سے ہوں گی اور حضور ﷺ ان کے سلام کا جواب دیں گے۔ اس سے اس بات کا پتہ ملتا ہے کہ ان حضرات قدسیہ کی برزخی زندگی کی کچھ جھلکیاں قیامت تک اس دنیا میں ظاہر ہوتی رہیں گی...... لیکن کب؟ جب اللہ چاہے ان کی دینوی زندگی بالمعنی المتبادر یہاں نہیں ہے۔

یہ صرف حنفیہ کا ہی موقف نہیں، فقہ شافعی کے جلیل القدر امام علامہ یوسف الاردبیلیؒ فقہ شافعی کی مشہور کتاب، کتاب الانوار لاعمال الابرار میں لکھتے ہیں: ''وکان ﷺ یوخذ عن الدنیا عند تلقی الوحی ولا تسقط عنه الصلوٰۃ وغیرھا ومن یراہ فی المنام فقد راہ حقا ولکن لایجب العمل بما یسمعه الرای منه لعدم ضبطه ویخاطب بعد الموت بقول السلام علیک ایھا النبی ورحمة الله وبرکاته لان الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون ویحجون کما ورد'' (کتاب الانوار ج ۲ ص ۱۴ مطبوعہ مصر ۱۳۶۲ھ)

جب برزخ مواطن دنیوی میں سے ہے تو عالم برزخ میں انبیاء علیہم السلام کا سلسلہ عمل باقی ہے اور جس طرح شہداء کی ارواح سبز پرندوں کے قالب میں آسمانوں کی پرواز کرتی ہیں انبیاء کرام علیہم السلام کا آسمانوں پر جانا جیسا کہ وہ وہاں معراج کی رات حضور ﷺ سے ملے کوئی امر بعید نہیں ہے۔ اجسام لطافت میں ارواح کے درجے میں آجائیں تو یہ بھی کوئی امر مستبعد نہیں اکابر علماء نے دین کو جس پیرائے میں ہم تک نقل کیا ہے اگر کرامیہ ان سے پورا اتفاق نہیں کر سکتے تو کم از کم اس عظیم سلسلہ اسلاف سے استہزاء کا پیرایہ بھی تو اختیار نہ کریں۔ کاش! ہماری یہ صدا ان کے کانوں کے پردوں سے نیچے اتر کر ان کی دل کی کھڑکی پر دستک دے سکے۔ لیکن ضروری ہے کہ دل زندہ ہو یا وہ کان اس طرف لگا دیں۔ لمن کان له قلب او القی السمع وھو شھید!

ان اعمال کو (جو ان حضرات کے عالم برزخ میں جاری ہیں) ہم دنیوی حیات کا باقی حصہ کیوں کہہ رہے ہیں؟ یہ اس لئے کہ ان اعمال سے ان کا ارتقاء رکا نہیں۔ اس جہت سے قبر کی برزخی منزل مواطن دنیوی میں سے ہے۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ لکھتے ہیں: ''برزخ صغرے چوں از یک وجہ از مواطن دنیوی است گنجائش ترقی دارد و احوال ایں وطن نظر باشخاص متفاوت تفاوت فاحش دارد الانبیاء یصلون فی القبور رشنیدہ باشند و حضرت پیغمبر ما علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام شب معراج چوں بر قبر حضرت کلیم علی نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام گزشتند دیدند کہ در قبر نماز مے گزارد۔'' (مکتوبات ج ۲ ص ۳۰ ص ۲۹ نمبر ۱۶)

ترجمہ: برزخ صغریٰ ایک پہلو سے مواطن دنیوی میں سے ہے یہ اس طرح کہ اس میں اعمال میں ترقی

کی گنجائش ہے اور برزخ کے حالات مختلف درجوں کے لوگوں میں بہت تفاوت رکھتے ہیں آپ نے حدیث الانبیاء یصلون فی قبورھم سنی ہوگی اور ہمارے نبی ﷺ معراج کی رات جب موسیٰ علیہ السلام کی قبر کے پاس سے گزرے تو انہیں اپنی قبر میں نماز پڑھتے پایا۔

ہائے! ہم کس کے سامنے یہ داغ دل لے جائیں کہ ہم جب کوئی مضمون کسی حدیث سے بیان کریں تو کرامی حضرات منکرین حدیث کے انداز گفتگو پر آجاتے ہیں کہنے لگتے ہیں قرآن کریم عبادت کی آخری حد موت قرار دیتا ہے۔ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَأْتِيَكَ الْيَقِيْنُ (پ ۱۴، حجر آیت ۹۹) تو تم قرآن کے مقابلے میں احادیث پیش کرتے ہو؟

قرآن کریم نے مکلف کی حیثیت میں عبادت کی آخری حد موت بتائی ہے اور عالم برزخ کی یہ عبادات تکلیفی نہیں، یہ حضرات انبیاء علیہم السلام تلذذاً مصروف عبادت رہتے ہیں اور ان کی اس عبادت میں بھی ایک شان ارتقائی ہے۔ یہ قرب عالم خلق کے قبیل سے ہے، قرب عالم امر محض اس کا ایک سایہ ہے۔ ہم ان شاء اللہ العزیز اس پر کچھ آگے چل کر بحث کریں گے۔ اگر عبادت صرف موت تک کے لئے ہے تو پھر یہ جنت میں یاد الٰہی کی صدائیں کیوں اٹھ رہی ہیں؟

قرآن پاک سے جنت میں یاد الٰہی کا ثبوت

"وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰىنَا لِهٰذَا" (پ ۸ الاعراف ع ۵ آیت ۴۳)

ترجمہ: اور وہ کہیں گے سب تعریفیں اس ذات کے لئے ہیں جس نے ہمیں ادھر ہدایت بخشی۔

"وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ" (پ ۲۴، زمر آیت ۷۴)

ترجمہ: سب تعریفیں اس ذات کے لئے ہیں جس نے اپنا وعدہ ہم پر پورا کیا اور ہمیں اس زمین کا وارث کیا۔

"وَلَهُ الْحَمْدُ فِي الْاٰخِرَةِ" (پ ۲۲، السبا: ۱)

ترجمہ: اور اسی ذات کے لئے آخرت میں حمد ہے۔

"دَعْوٰىهُمْ فِيْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ" (پ ۱۱، یونس آیت ۱۰)

ترجمہ: ان کی پکار جنت میں ہوگی۔ سبحانک اللّٰھم وبحمدک!

"وَقِيْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ" (پ ۲۴، زمر آیت ۷۵)

ترجمہ: اور وہاں آواز سنی جائے گی۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ!

یہ آیات پتہ دے رہی ہیں کہ وہ حمد باری کی صدائیں ہوں گی، یادِ الٰہی کے نغمے ہوں گے وہ جہاں عالم تکلیف نہیں لیکن عالم لذت ضرورت ہے اور مقربین ایزدی وہاں بھی قرب الٰہی کی لذت پاتے ہیں۔

اگر وہاں سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ بھی پڑھیں، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ بھی پڑھیں، تحیات سلام بھی ہوں تو کیا نمازیں وہاں ذوق عبادت کے لئے نہیں پڑھی جاسکتیں۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ حضور ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ وہاں اہل جنت کو الہاماً تسبیح وتحمید پر لگایا جائے گا:

"یلھمون التسبیح والتحمید" (رواہ مسلم ج ۲، ص ۳۷۹)

ترجمہ: ان کے دل میں یہ بات ڈال دی جائے گی کہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح وتحمید کریں!

عالم برزخ کے اعمال تکلیفی نہیں یہ قرب الٰہی میں مزید سبقت کے لئے ہیں۔ آنحضرت ﷺ کا وہاں

امت کے لئے استغفار بھی جاری ہے: "حیاتی خیر لکم و مماتی خیر لکم تعرض علی اعمالکم فما کان من حسن حمدت اللہ علیہ و ما کان من سیء استغفرت اللہ لکم " (رواہ البزار باسناد جید فتح الملہم ج ۱ ص ۴۱۳)

ترجمہ: میری زندگی بھی تمہارے لئے بہتر ہے اور میری موت بھی تمہارے لئے بہتر ہے مجھ پر تمہارے اعمال پیش کئے جاتے ہیں جو اچھے ہوں ان پر میں حمد باری بجالاتا ہوں جو برے ہوں ان پر میں اللہ کے حضور استغفار کرتا ہوں۔

معلوم ہوا آپ ﷺ کی وفات ایک امر آنی نہیں بلکہ ایک پورا موطن ہے جس میں آپ کے اعمال جاری ہیں۔ یہاں سلام کہنا سنت ہے جواب دینا واجب ہے۔ حضور ﷺ زائرین کے سلام کا جواب دیتے ہیں تو یہ وجوباً نہیں۔ امت پر شفقت اور رحمت کے لئے ہے۔ یہ بھی پتہ چلا کہ آپ بعد وفات میت نہیں برابر امت کے لئے دعائیں فرماتے ہیں۔

انبیاء علیہم السلام کے اعمال باقی ہیں اور املاک بھی باقی

انسان کے تصرف میں یا اس کا بدن ہے یا مال۔ اس پر بدنی اور مالی دونوں قسم کی عبادت فرض کی گئی ہے۔ موت پر انبیاء علیہم السلام کے بدن محفوظ رکھے گئے تو موت پر ان کے اموال بھی آگے تقسیم نہ ہوئے محفوظ رہے اور ان کا تصرف وہی رہا جو ان کی زندگی میں ان اموال کا ہوتا تھا جس طرح کوئی انسان اپنی زندگی میں مال صدقہ کرے تو وہ اس کے اپنے نامہ اعمال میں سے ہے۔ پیغمبروں کا مال ان کے اس دنیا سے جانے کے بعد صدقہ کیا جائے تو وہ ان کا اپنا صدقہ شمار ہوگا کیونکہ ان کا سلسلہ عمل اس جہان سے کٹا نہیں۔ پس اس درجے تک ان کے اموال ان کی اپنی ملک پر ہی باقی رہیں گے۔

جب ان کے اموال باوجود وفات کے ان کی ملک پر باقی رہیں گے تو اگر ان کا ملک یمین (باندیاں) باقی ہو تو ظاہر ہے کہ اس کی بھی نہ توریث ہوگی نہ تملیک۔

ان کی ازواج ہوں تو ان کی زوجیت قائم رہے گی۔ عدت وفات سے ان کے نکاح کا خاتمہ نہ ہوگا[1]۔ اس پر حنفیہ شافعیہ مالکیہ اور حنابلہ کا اتفاق ہے۔

آنحضرت ﷺ کے مقام حیات کو حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی ؒ کے الفاظ میں پڑھیے: "آپ زندہ ہیں اور آپ کی حیات بہت قوی ہے جو کہ دوسروں کو حاصل نہیں، ان کی حیات ایسی قوی ہے کہ ان کی بیبیوں سے نکاح کرنا بعد ان کی وفات کے بھی جائز نہیں جیسے کسی زندہ خاوند کی بیوی سے نکاح جائز نہیں اور سب کی بیبیوں سے بعد خاوند کی وفات کے شادی کرنا جائز ہے حتی کہ شہداء جن کی حیات بعد شہید ہونے کے اموات مومنین سے قوی ہوتی ہے کہ ان کے بدن کو زمین نہیں کھا سکتی مگر ان کی بھی بیبیوں سے بعد مرجانے کے نکاح جائز ہے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کی حیات شہداء کی حیات سے قوی تر ہے۔ حدیث ابن ماجہ میں ہے۔ ان نبی اللہ حی یرزق" (تعلیم المعارف ص ۱۸)

یہ نکاح اس لئے ناجائز نہیں کہ وہ امت کی مائیں ہیں۔ مائیں ہونا حقیقی نہیں یہ ان کا اعزاز اور احترام ہے

[1] لا عدۃ علی ازواجہ لانہ حی فتزوجھن باقیۃ (زرقانی علی المواہب ج ۵ ص ۳۳۲)
لا عدۃ علیھن لانہ ﷺ حی فی قبرہ و کذلک سائر الانبیاء (مرقات ج ۱۱ ص ۲۵۶)

ورنہ ازواج مطہرات پر اپنے روحانی فرزندوں سے پردہ کرنا واجب نہ ہوتا...... حالانکہ انہوں نے تا حیات احادِ امت سے پردہ کیا ہے۔ سو اس بات کو عدم نکاح کی علت نہیں بنایا سکتا۔ صحیح بات یہ ہے کہ وہ حضور ﷺ کے نکاح سے نہیں نکلیں۔ آپ کی وفات اوروں کی وفات جیسی نہیں...... آپ شہداء سے نہایت اعلیٰ درجہ کی حیات سے زندہ ہیں۔ اس کی تفصیلی بحث انشاء اللہ ہم آگے جا کر حیاۃ انبیاء علیہم السلام میں کریں گے۔

انبیاء علیہم السلام کے برزخی اعمال اور ان کی برزخی سیر کی ایک جھلک آپ کے سامنے آ چکی ہے اب ایک سوال یہ ابھرتا ہے کہ سیر کا درجہ جو ارواح شہداء اور کئی دوسرے مومنین کو آسمان پر حاصل ہے کیا اس کی آہٹ بھی زمین پر سنی جاتی ہے؟

حافظ ابن قیمؒ (۷۵۱ھ) لکھتے ہیں: ''جمعہ کے دن مومنین کی روحیں ان کی قبروں کے قریب آتی ہیں۔''
(زاد المعاد ج۱ ص ۱۴۴)

حافظ ابن تیمیہؒ (۷۲۸ھ) بھی اقتضاء الصراط المستقیم میں لکھتے ہیں۔ جب کوئی مسلمان کسی شہید یا کسی دوسرے مومن کی زیارت کرتا ہے تو اسے وہ روحیں پہچان لیتی ہیں۔ اس پر علامہ سمہودیؒ (۹۱۱ھ) لکھتے ہیں:
''جب احادِ مومنین کا یہ حال ہے تو سید المرسلین ﷺ کا کیا حال ہوگا۔'' (وفاء الوفاء ص ۱۳۵)

حیات شہداء کی بھی برحق ہے اور انبیاء کی بھی...... برزخ میں دونوں کے اعمال طاعت جاری ہیں۔ وہاں کے مناسب حال رزق بھی دونوں کو ملتا ہے اور سیر کے مواقع بھی دونوں کو دیئے جاتے ہیں۔ ہاں شہداء کے املاک ان کی ملک میں نہیں رہتے اور انبیاء علیہم السلام کی حیات ان سے بھی قوی ہے ان کے املاک ان کی ملکیت سے نہیں نکلتے۔

اتصالِ روح سے جسدِ مدفون میں حیات کیسے مانی جا سکتی ہے؟ حضرت مولانا عبدالحکیم سیالکوٹیؒ لکھتے ہیں:
''لیس المراد بالحیی ھھنا مایعاد فیہ الروح ویصدر عنہ الافعال الاختیاریۃ بل ما یدرک الالم و اللذۃ فاذا خلق اللہ فیہ ادراکا... یکون حیالا جمادا'' (عبدالحکیم علی الخیالی ص ۱۱۸)

ترجمہ: یہاں زندہ سے ایسا زندہ مراد نہیں جس میں روح (کاملۃ) لوٹائی گئی ہو اور اس سے افعال اختیاریہ صادر ہوتے ہیں بلکہ ایسی زندگی مراد ہے جس میں وہ قبر کی تکلیف یا راحتِ قبر پا سکے۔ سو جب خدا تعالیٰ نے اس میں اتنا ادراک پیدا کر دیا تو اب یہ جسد محض جماد نہیں ہوگا زندہ ہوگا۔ (گو کسی درجے میں زندہ ہو)

بات صرف بطور جواب کہی گئی ہے۔ معتزلہ خبر واحد کی حجیت کے قائل نہ تھے اور حدیث براء بن عازبؓ گو علماء اہل سنتؒ کے ہاں تواتر کو پہنچ چکی تھی۔ تاہم اس کے تواتر پر بحث مسئلے کو اور طوالت میں ڈالتی۔ متکلمین نے اعادہ روح کی بجائے اتصال روح کا موقف اختیار کر لیا اور معتزلہ پر حجت تمام کر دی۔ حضرت مولانا عبدالعزیز پرہارویؒ لکھتے ہیں یہ موقف صرف معتزلہ کے جواب میں اختیار کیا گیا ہے آپ فرماتے ہیں: ''ھذا جواب اشکال اوردہ المعتزلۃ'' (نبراس علی شرح العقائد ص ۳۲۲)

ترجمہ: یہ ایک اشکال کا جواب ہے، جو معتزلہ پیش کرتے ہیں۔ (یہ صورت جواب الزامی ہے)

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ (۱۰۵۲ھ) لکھتے ہیں: ''بسیارے از اشاعرہ وحنفیہ در اعادہ روح تردد کردہ اند و تلازم روح وحیات را منع نمودہ۔'' (جذب القلوب ص ۱۸۶، نقلا عن الشمائرہ)

ترجمہ: بہت سے اشاعرہ اور حنفیہ بھی روح کے میت میں لوٹنے میں تردد کرتے ہیں اور اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ زندہ ہونے کے لئے روح کا عود کر آنا ضروری ہے۔

اعادہ روح کی بحث اور یہ تفصیل کہ یہ اعادہ کاملہ نہیں، یہ مباحث آپ کے سامنے آ چکے۔ یہ اعادہ مستمرہ نہیں اتنا ہے کہ الم ولذت کا ادرک ہوتا رہے اس پر بھی تصریحات موجود ہیں۔ اب ہم صرف اس تعارض کو اٹھانا چاہتے ہیں جو بعض ذہنوں میں حدیث اعادہ روح کے خلاف پایا جاتا ہے۔

قرآن کریم پ ۲۴، الزمر آیت ۴۲ میں ہے: "اَللّٰهُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِهَا فَیُمْسِكُ الَّتِیْ قَضٰی عَلَیْهَا الْمَوْتَ وَیُرْسِلُ الْاُخْرٰۤی اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی"

ترجمہ: اللہ کھینچ لیتا ہے جانوں کو جب وقت ہوان کے مرنے کا اور جو نہ مریں ان کی (جان) کھینچتا ہے ان کی نیند میں پھر روک لیتا ہے ان کو جن کا مرنا ٹھہرایا اور دوسروں کی بھیج دیتا ہے ایک وقت مقرر تک۔

اس سے پتہ چلا اللہ تعالیٰ موت اور نیند دونوں میں روح قبض کرتا ہے موت والے کی روکے رکھتا ہے اور نیند والے کی واپس بھیج دیتا ہے۔ موت والے کا تعلق بدن سے کٹ جاتا ہے مگر نیند والے کی روح بدن پر برابر اثر ڈالتی ہے جس سے اس کی سانس چلتی ہے اور نبضیں اچھلتی ہیں۔

پس موت کے لئے دو چیزیں لازم ہوئیں: (۱) روح کا بدن سے نکلنا اور (۲) آثار حیات کا باقی نہ رہنا ...... نیند والے سے آثار حیات منتفی نہیں ہوتے اور روح کے واپس آنے پر وہ پھر زندہ ہو جاتا ہے۔

شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں: "حضرت علیؓ سے بغوی نے نقل کیا ہے کہ نیند میں روح نکل جاتی ہے مگر اس کا مخصوص تعلق بدن سے بذریعہ شعاع کے قائم رہتا ہے جس سے حیات باطل ہونے نہیں پاتی جیسے آفتاب لاکھوں میل سے بذریعہ شعاعوں کے زمین کو گرم رکھتا ہے۔" (تفسیر عثمانی ص ۶۰۰)

اگر کسی کی روح بدن سے اس طرح نکلے کہ پھر وہ اس دنیا میں اس بدن میں نہ لوٹے مگر اس کے آثار اس بدن سے گھنٹوں کے طویل فاصلوں کے باوجود منتفی نہ ہوں تو یہ ایک جدی قسم کی موت ہوگی کہ موت آئی، روح بدن سے جدا ہوئی مگر آثار حیات کچھ باقی رہے تو اس کے بارے میں کہا جاسکے گا میت ہونے کا وعدہ بھی پورا ہو گیا اور حیات کلیۃ زائل بھی نہ ہوئی۔ اس پر ہم انشاء اللہ آگے بحث کریں گے۔

یہاں صرف یہ بتلانا ہے کہ روح نیند کے وقت بھی نکلتی ہے اور موت کے وقت بھی نیند والی واپس بھیج دی جاتی ہے اور موت والی کو اللہ تعالیٰ روکے رکھتے ہیں۔ یہ امساک کب تک رہتا ہے؟ یہ بات غور طلب ہے۔

استدلال معتزلہ

معتزلہ کہتے ہیں یہ امساک (روح کا بدن سے روکے رکھنا) قیامت تک کے لئے ہے۔ سو قبر میں تعاد الی جسدہ (اعادہ روح) کی روایت اس آیت کے خلاف ہے۔ اس تعارض میں قرآن پاک کو ترجیح حاصل ہوگی۔ کرامیہ اور ظاہر یہ بھی اس میں معتزلہ کے ساتھ ہیں۔

جواب اہل سنت

(۱) قرآن کریم میں قبض روح کا جو بیان اس آیت میں دیا گیا ہے وہ اس عالم (دنیا) کے اعتبار سے ہے۔ امساک (موت والے کی روح روکے رکھنا) اور ارسال (نیند والے کی کچھ دیر بعد چھوڑ دینا) دونوں اسی

جہان کے عمل ہیں جہاں ارسال کا تحقق ہوتا ہے وہیں تک امساک کی مدت ہے۔ یہ حالتیں اسی دنیا کی ہیں قبر میں روح کا لوٹنا یہ عالم برزخ کے حالات میں سے ہے دنیا کے حالات میں سے نہیں۔ عالم آخرت میں روح کا بدن میں لوٹنا تو کرامیہ کے ہاں بھی مسلم ہے۔ سو امساک ان کے ہاں بھی ہمیشہ کے لئے نہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ وہ امساک قیامت پر ختم کرتے ہیں اور اہل سنت اسے دفن پر ختم سمجھتے ہیں...... پھر قبر میں روح و بدن کا یہ تعلق صرف سوال وجواب تک رہے گا یا مستمر (دائمی طور پر) اس میں بھی تفصیل ہے۔

(۲) موت والے کی روح کو بدن سے صرف اس انداز میں روکا جاتا ہے کہ وہ بدن میں کوئی تصرف کرے، موت سے روح کا بدن سے تعلق تصرف کٹتا ہے اور اسے وہ زندگی نہیں ملتی جو اسے پہلے اس دنیا میں حاصل تھی قبر میں اگر روح کا اس انداز میں اعادہ مان لیا جائے جس سے روح کو بدن میں تصرف اور اختیار حاصل نہ ہو تو اس سے آیت مذکورہ سے ٹکراؤ لازم نہیں آتا۔ یہاں امساک صرف تعلق تصرف کا ہے اور یہ اہل سنت کے عقیدہ حیات قبر کے خلاف نہیں۔ حضرت علامہ محمود آلوسیؒ (۱۲۷۰ھ) لکھتے ہیں: "ای یقبضھا عن الابدان بان یقطع تعلقھا تعلق التصرف فیھا عنھا" (روح المعانی ج ۲۴، ص ۷)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ روح کو بدنوں سے قبض کرتا ہے بایں طور کہ ارواح کا ابدان سے تعلق تصرف قطع کر دیتا ہے کہ اس حیات میں غذا اور تغذیہ و تنمیہ کی ضرورت نہیں ہوتی۔

حضرت مولانا تھانویؒ (۱۳۶۲ھ) بھی لکھتے ہیں: "ان جانوں کو تو تصرف فی الابدان کی طرف عود کرنے سے روک لیتا ہے جن پر موت کا حکم فرما چکا ہے اور باقی جانوں کو جو کہ نوم میں معطل ہو گئیں تھیں اور ابھی ان کی موت کا وقت نہیں آیا ایک میعاد معین تک کے لئے رہا کر دیتا ہے کہ جاگ کر پھر بدستور ابدان میں تصرف کرنے لگتی ہیں۔" (بیان القرآن ج ۳، ص ۳۰۰)

اس تشریح سے اس آیت میں اور حدیث اعادہ روح بہ بدن میں کوئی تعارض نہیں رہتا۔ اس حدیث کو جمہور علماء اسلامؒ نے پورے یقین سے قبول کیا ہے اور حق یہ ہے کہ یہ تواتر کے درجے کو پہنچتی ہے۔ حافظ ابن قیمؒ (۷۵۱ھ) لکھتے ہیں: "فامساکہ سبحانہ التی قضی علیہ الموت لاینافی ردھا الی جسدھا المیت فی وقت ما رداً عارضاً لا یوجب لہ الحیوۃ المعھودۃ فی الدنیا واذا کان النائم روحہ فی جسدہ وھو حی وحیاتہ غیر حیاۃ المتیقظ فان النوم شقیق الموت فھکذا المیت اذا أعیدت روحہ الی بدنہ کحال النائم المتوسطۃ بین الحی والمیت فتامل ھذا یزیح عنک اشکالات کثیرۃ" (کتاب الروح ص ۵۳)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کا اس روح کو روکے رکھنا جس کے بارے میں موت کا فیصلہ تھا۔ اس کے کسی وقت اس جسد میت کی طرف لوٹانے کے منافی نہیں۔ بشرطیکہ یہ لوٹنا اس کی اس دنیا میں وہ زندگی لازم نہ کرے جو اسے یہاں پہلے حاصل تھی...... اور جب سوئے ہوئے کی روح باوجودیکہ اس کے جسد میں ہوتی ہے مگر اس کی زندگی جاگنے والے کی زندگی جیسی نہیں۔ اسی لئے کہا گیا ہے کہ نیند موت کی بہن ہے سو میت کی طرف جب روح اس کے بدن میں لوٹائی جائے تو اس کا حال سونے والے کی طرح ہو جاتا ہے جو زندہ اور مردہ کے ایک درمیان کی منزل ہے...... اس پر غور کرو یہ (انشاء اللہ العزیز) تمہارے بہت سے اشکالات زائل کر دے گا۔

روح و بدن کے ہر تعلق کو ان کے دنیا کے سے تعلق کی طرح لازم سمجھنا ہرگز صحیح نہیں۔

یہ صحیح ہے کہ ہمارے کرامی دوستوں کی اصل مخالفت ان عام گڑھوں سے نہیں جن میں یہ عامہ اموات دفن ہوتے ہیں۔ان کی اصل ضد انبیاء علیہم السلام کی قبور سے ہے۔ان کے مزارات کو جہاں زائرین حاضری دیتے ہیں یہ کسی درجے میں روضہ جنت ماننے کے لئے تیار نہیں۔

حدیث میں جس طرح مومن کی قبر کے لئے روضۃ من ریاض الجنۃ کے الفاظ وارد ہیں حدیث میں حضور ﷺ کے منبر (جو روضہ منورہ کے حرم نبوی میں ہے) اور آپ کی قبر تک کے فاصلے کو بھی ریاض الجنۃ کہا گیا ہے۔ حاجی صاحبان سے پوچھئے وہ کس قدر جدو جہد اور جوش وولولہ سے مسجد نبوی میں ریاض الجنۃ کی جگہ تلاش کرتے ہیں ......اگر یہ حضور ﷺ کی قبر نہیں اور وہ عالم بالا میں کسی اور مقام پر ہے تو یہ ریاض الجنۃ یہاں کیسے آ گیا؟...... جب یہ بقعہ مبارکہ واقعی ریاض الجنۃ ہے تو یہ جو حضور ﷺ کی ظاہری قبر ہے یہی حضور کی حقیقی قبر ہے......اگر یہ حضور کی حقیقی قبر نہ ہوتی تو حضرت عمرؓ کبھی گنبد خضریٰ میں دفن ہونے کی خواہش نہ کرتے ...... یہی وہ قبر ہے جس کی مٹی روئے زمین کے تمام بقاع سے برتر و افضل ہے اور یہی وہ جگہ ہے کہ پوری کائنات میں کوئی جگہ اس کی برابری نہیں کر سکتی۔

قبر کی وسعت وفسحت کو اس ظاہری قبر سے کلیۃً جدا رکھنا اور من وجہ بھی اس ظاہری قبر سے متصل نہ ہونے دینا یہ ایک اصولی غلطی ہے اور مفہوم قبر نہ جاننے کی وجہ سے ہے۔دعا کیجئے اللہ تعالیٰ حق سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اب ہم کچھ قبر کی حقیقت عرض کرتے ہیں لیکن پہلے معتزلہ کے انکار پر ایک نوٹ ملاحظہ فرمالیں۔

معتزلہ کی ظاہری قبر سے گریز پائی

جب ہمارے دوستوں کو ان حقائق سے بھاگنے کی کوئی راہ نہیں ملتی تو اقرار کر لیتے ہیں کہ میت کی قبر میں برزخی زندگی برحق ہے اور اس پر الم وراحت کی کیفیتیں بھی حق ہیں لیکن قبر سے مراد یہ گڑھا نہیں جو دفن میت کے لئے یہاں کھودا جاتا ہے یہ کوئی عالم برزخ کا مقر ہے سو یہاں کوئی نہیں جانتا کہ کس کی قبر کہاں ہے......سو ضروری معلوم ہوتا ہے کہ حیات فی القبر کی بحث میں مفہوم قبر پر بھی کچھ عرض کر دیا جائے۔

فقہاء اور محدثین علم دین کے امین ہیں اور متکلمین اسلام اس کے پہرہ دار............ متکلمین جب کوئی بات کہتے ہیں تو کسی اعتراض کا جواب دینے کے لئے یا مخالف کا منہ بند کرنے کے لئے......اثبات شریعت کے لئے فقہا ومحدثین ہی امت کے امناء ہیں......ہم نے کوشش کی ہے کہ اولاً قبر کا مفہوم قرآن وحدیث کے اطلاقات سے پیش کریں اور اس بات کو سامنے رکھیں کہ اس باب میں نعیم قبر پر یا عذاب قبر پر مسلکِ محدثین کیا ہے اور وہی برحق ہے۔

اس ظاہری معنی پر عقلاً ایک اعتراض واقع ہوتا تھا وہ یہ کہ جن اموات کو یہ گڑھے کی صورت میں قبر نہیں ملتی یا یہ کہ وہ ہوا میں بکھر جائیں ان کے ساتھ وہ معاملات جو شریعت نے اموات کے ساتھ ہونے والے بتائے ہیں کیسے پورے ہوں گے؟ اس کا جواب دینے کے لئے متکلمین اٹھے اور انہوں نے اس گڑھے کی صورت کے علاوہ قبر کی ایک اور صورت بھی تجویز کر دی قبر کی یہ دوسری صورت پہلی صورت سے کوئی ٹکراؤ نہ تھا۔اس کے ایک پردے کے پہلو کی خبر مزید تھی۔افسوس کہ نادان دوستوں نے اسے ایک ٹکراؤ سمجھ لیا اور محدثین کے مقابلہ میں متکلمین کو ایک نئے مسلک کی صورت میں سامنے لے آئے اور ایک مسلک نہیں مسالک العلماء کے مدعی ہوئے حالانکہ ان میں کوئی ٹکراؤ نہ تھا۔قبر کا ایک باطنی پھیلاؤ تھا جسے معتزلہ اور کرامیہ کو لاجواب کرنے کے لئے پیش کیا گیا افسوس کہ ہمارے یہ دوست اسے سمجھ نہ سکے۔

قرآن کریم میں مسئلہ حیات انبیاء علیہم السلام کے کئی اقتضاء موجود ہیں:

۱...... وَسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَآ (پ ۲۵، الزخرف ۴۵)

۲...... وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَلَا تَكُنْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآئِهٖ (پ ۲۱، السجدہ ۲۳)

۳...... وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ (پ ۲، البقرہ ۱۵۴)

۴...... وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ (پ ۴، آل عمران ۱۶۹)

یہ آیات گو اس موضوع پر عبارۃ النص نہیں لیکن ان میں اس پر دلالۃ النص موجود ہے۔

اس سے پانچ باتیں معلوم ہوئیں: (۱) قرآن کریم کی رو سے انبیاء کرام علیہم السلام حالاً زندہ ہیں یہ مسئلہ دلالۃ النص سے ثابت ہے (۲) انبیاء کرام علیہم السلام کو حالاً زندہ ماننا ایمانیات میں سے ہے اتنا ایمان رکھنا کہ وہ زندہ ہیں اہل سنت ہونے کے لئے کافی ہے۔ گو ہم اس کو سمجھ نہ سکیں۔ (۳) انبیاء علیہم السلام کی یہ حیات بعد الوفات ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں وفات آنے کے سب علماء حق قائل گزرے ہیں۔ (۴) جن علماء نے قرآن سے حیاۃ الانبیاء علیہم السلام ثابت کی ان کے لئے دعا ہے زادھم اللہ شرفا ان علماء حق کا یہ شرف علمی ہے۔ (۵) ہمیں اس زندگی کا شعور نہیں لَا تَشْعُرُوْنَ، نہ کہ ان کے لئے پرندوں کی سی زندگی ثابت کریں اور کہیں کہ وہ سبز پرندوں کے پوٹوں میں زندگی پائے ہوئے ہیں۔

قبر کی حقیقت

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى، اَمَّا بَعْدُ!

قبر کا شریعت نے اس کی دلالت لغوی کے وراء کوئی علیحدہ مفہوم مقرر نہیں کیا یہ تو بتایا کہ قبر آخرت کی منزلوں میں سب سے پہلی منزل ہے (رواہ ابن ماجہ ۳۱۵) لیکن یہ اسی گڑھے کو کہا گیا ہے جس میں میت اتاری جاتی ہے۔

ہاں شریعت نے اس کی ایک وسعت وفسحت بھی بتائی جو اس دنیا سے پردہ غیب میں ہے اور اس سے اس ظاہری گڑھے کا قبر نہ ہونا لازم نہیں آتا۔ زیادہ سے زیادہ آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ قبر کا ایک کنارہ تو ہمارے سامنے ہے اور دوسرا خدا ہی جانے غیب کے پردوں میں کہاں تک وسیع یا تنگ ہے۔ اگر میت کی پسلیاں اس میں آپس میں ٹکرائیں[1] تو یہی قبر اس میت پر تنگ ہو چکی ہے ورنہ یہی گڑھا عالم غیب میں ایک پورا باغ[2] ہے۔ تاہم یہ کسی طرح صحیح نہیں کہ اس قبر کو قبر نہ کہا جائے اور کہا جائے کہ شرعاً یہ قبر نہیں ہے، شریعت کی اصطلاح میں قبر کچھ اور ہے۔ صحیح یہ ہے کہ قبر کا دونوں سے تعلق ہے اس دنیا سے بھی اور برزخ[3] سے بھی۔

---

[1] فیقال للارض التئمی علیہ فتلتئم علیہ حتی تختلف اضلاعہ فلا یزال فیھا معذبا حتی یبعثہ اللہ من مضجعہ ذلک

(رواہ الترمذی ج ۱ ص ۱۲۷)

[2] القبر روضۃ من ریاض الجنۃ او حفرۃ من حفر النیران

[3] حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں: والمراد بالقبر عالم البرزخ وھو عالم بین الدنیا والآخرۃ لہ تعلق بکل منھما (تنقیح اللمعات ج ۱ ص ۱۸۹)

ومراد بہ قبر عالم برزخ است کہ واسطہ است میان دنیا وآخرت وتعلق دارد بہر دو مقام نہ آں گورے کہ مردہ را در و گور کنند۔

(اشعۃ اللمعات ج ۱، ص ۱۱۴) (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

سرگودھا کے مولانا نیلوی یہ درست نہیں کہہ رہے کہ شرعی قبر کے لئے کسی اور قول کی تلاش کی جائے اس کے لئے وہ ایک رسالہ "القول المرعی فی القبر الشرعی" لکھنے کا اعلان کرر ہے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ یہاں کی ظاہری قبر کو بالکل قبر نہیں مان رہے۔

مولانا نیلوی دہلی کے جامعہ امینیہ میں مفتی کے عہدہ پر نہیں تھے اس مدرسہ کے اصل مفتی، مفتی اقلیم ہند حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب تھے نیلوی صاحب کو چاہئے تھا کہ وہ اپنا یہ موقف حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب کے سامنے تصدیق کے لئے پیش کرتے انہیں پورا پتہ چل جاتا کہ ان کا رسالہ "القول المرعی فی القبر الشرعی" بالکل غلط ہے۔ حضرت مفتی کفایت اللہ کے المہند علی المفند پر بھی دستخط ہیں اور انہوں نے عقیدہ حیات النبی کا کہیں انکار نہیں کیا۔ اس مدرسہ کے مدرس ہونے کی حیثیت سے ان کا ظاہری قبر کے قبر نہ ہونے کا فتویٰ کسی طرح بھی لائق پذیرائی نہیں سو اس مدرسے کی نسبت سے اپنے اس فتوے میں غلط رعب قائم کرنا صحیح نہیں۔

لغوی معنی اور شرعی معنی میں ایک اصولی فرق ہے

صلوۃ (نماز) کے ایک لغوی معنی ہیں اور ایک اس کی شرعی حقیقت ہے، زکوۃ کے ایک لفظی معنی ہیں اور اس کی ایک شرعی حقیقت ہے، حج کے ایک لفظی معنی ہیں اور اس کی ایک شرعی حقیقت ہے۔ پھر شرعی تخاطب میں بھی اسی طرح حقیقت و مجاز کے دائرے ہیں جس طرح لغوی تخاطب میں حقیقت لغوی اور مجاز لغوی کی معرکہ آرائی ہے۔ لیکن قبر کی کوئی علیحدہ شرعی اصطلاح نہیں قبر وہی ہے جسے سب قبر کہتے ہیں ہاں اس کی وسعت و فسحت اور اس کے عجائب و کوائف کو اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں میت کی روح جہاں بھی ہو اس کا اس گڑھے کے مدفون (یا اس کے ذرات منتشرہ) سے اشراف و اشراق کا کوئی لطیف رابطہ ضرور قائم ہوتا ہے۔

قرآن وحدیث میں قبر کسے کہا گیا ہے؟ یہی جو گڑھا ہر ایک کو سامنے نظر آتا ہے ملنگوں کی طرح دور کے چکر دینا۔ دور دور۔ کہ معلوم نہیں قبر کہاں کی کہاں ہے۔ یہ بات باطنی فرقے کے لوگوں کو تو جچتی ہے، اہل علم کے لئے یہ زیبا نہیں کہ قرآن وحدیث کے عام اطلاقات کو چھوڑ کر خود غیب کے پردوں میں کھو جائیں جب شریعت نے قبر کی وسعت و فسحت کے بارے میں برزخی حقیقت کو پورا تحفظ دیا ہے تو اس بحث میں علماء صادقین کو ملنگ بننے کی کیا ضرورت ہے۔

آیئے اب قرآن وحدیث کی روشنی میں مفہوم قبر متعین کریں اور تلاش کریں کہ یہ لفظ کسی اور غیب کی وادی پر بھی بولا گیا ہے؟

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) قبر ایک درمیانی جہان ہے جو دنیا اور آخرت کے مابین ہے اور اس کا دنیا سے بھی تعلق ہے اس گڑھے سے جس میں میت کو دفن کرتے ہیں اور اس جہان سے بھی جہاں تک قبر کا پھیلاؤ ہے۔ یہی نہ سمجھو کہ یہ صرف اسی گڑھے کا نام ہے جس میں میت کو دفن کرتے ہیں کئی میتیں تو ذرات میں بکھری ہیں ان کی قبر وہی ہے جہاں ان کے بدن کے اجزائے اصلیہ آپس میں مربوط ہوتے ہوں اس کا برزخی کنارا دوسرا ہے سو عالم برزخ دنیا اور آخرت دونوں سے مربوط ہے۔ جب یہ کہا جاتا ہے کہ قبر اس گڑھے کا نام نہیں تو یہ تعبیر صرف ان مردوں کے لیے اختیار کی جاتی ہے جنہیں کسی جگہ دفن نہیں کیا جا سکا۔ اس میں اس پر متنبہ کرنا ہوتا ہے کہ اس کی بھی قبر ہے اور اس سے سوال و جواب اور نعیم و عذاب اسی غیر مرئی اور غیر محسوس قبر میں ہوگا۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی یہ بھی لکھتے ہیں: لیس المراد به الحفرة التي يدفن فيه الميت فرب ميت لا يدفن كالغريق والمحروق والماكول في بطن الحيوانات يعذب وينعم (تنقیح اللمعات ج ۱ ص ۱۸۹)

قرآن کریم میں ایک آنے والے وقت کی خبر دی گئی ہے۔ فرمایا: ''وَاِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ''
(پ ۳۰ الانفطار آیت ۴)

جب قبریں کرید دی جائیں گی اور اندر سے باہر آنے والی ہر جان جان لے گی اس نے کیا آگے بھیجا اور کیا پیچھے چھوڑا۔ کیا یہ وہی قبریں نہیں جو اس جہان میں قبریں نظر آتی ہیں۔

مردے قبریں کھلنے سے پہلے زندہ ہوں گے یا کھلنے کے بعد یہ بات بحث طلب ہے لیکن یہ بات یقینی ہے کہ قبروں سے مراد یہی گڑھے ہیں اور انہی گڑھوں سے مردے زندہ کر کے نکالے جائیں گے اور جو چیز زمین کی تہہ میں ہے اوپر آجائے۔ یہ سب قبریں زیروزبر کر دی جائیں گی۔

یہ قبریں کیا عالم غیب کی کسی وادی کا نام ہے یا انہیں گڑھوں کا جنہیں آنکھیں دیکھتی ہیں اور انسان کھودتے ہیں۔ اور پھر کبھی کبھی ان پر حاضری بھی دیتے ہیں۔

ایک دوسرے مقام پر بھی یہ بات کہی: ''اِذَا بُعْثِرَ مَا فِي الْقُبُوْرِ'' (پ ۳۰، العادیات آیت ۹)

ترجمہ: جب اٹھائے جائیں گے جو قبروں میں ہیں۔

اب تو نہ کہیں یہ قبر کے حقیقی معنی نہیں۔ موت کے بعد مردے کو کہاں پردہ ملتا ہے؟ قرآن پاک میں ہی دیکھئے: ''اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ'' (پ ۳۰، عبس آیت ۲۱)

ترجمہ: پھر اسے موت دی اور قبر میں رکھوا دیا۔

قرآن میں یہاں قبر اسی گڑھے کو کہا گیا ہے جہاں مردے کو پردے میں کیا جاتا ہے یہ پردہ اس جہان سے ہے اور اگلے جہان کے کنارے اللہ رب العزت کو ہی معلوم ہیں۔

یہ بھی فرمایا کہ کسی منافق کی نماز جنازہ نہ پڑھیں نہ اس کی قبر پر کھڑے ہوں۔ وہ اس لائق ہی نہیں کہ ان کے لئے کوئی دعا کی جائے۔

''وَلَا تُصَلِّ عَلٰۤى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ'' (پ ۱۰، التوبہ ۸۴)

اور یہ اسی وقت کہا گیا تھا جب آپ اس ظاہری قبر پر کھڑے تھے: ''وقام علی قبرہ'' (سنن ابن ماجہ ص ۱۰۹)

ترجمہ: اور آپ اس کی قبر کے پاس ٹھہرے۔

یہ جو حکم ہوا کہ کسی منافق کی قبر پر بھی کھڑے نہ ہوں کہ اس کے لئے دعا کریں۔ یہ قبر اسی گڑھے کا نام ہے یا یہ کوئی عالم غیب کی جگہ ہے جسے ہم نہ یہاں محسوس کر سکیں نہ جان سکیں نہ وہاں جا سکیں۔

قرآن کریم میں جہاں بھی یہ لفظ آیا ہے اسی گڑھے پر آیا ہے۔ یہ گڑھا عالم غیب میں جہنم کا ایک دائرہ بنے یا جنت کا کوئی باغیچہ اس کی وسعت وفسحت اللہ ہی کو معلوم ہے قبر اسی کا نام ہے قرآن کریم میں قبر اس گڑھے کے سواء اور کسی چیز کو نہیں کہا گیا آگے اس کی ایک برزخی وسعت ہے۔

مخالفین کی یہ رٹ کہ قبر اس گڑھے کا نام نہیں کیا قرآن کریم کی کھلی مخالفت نہیں ہے؟ بعض صوفیوں نے اگر مجازی رنگ میں قبر کے کسی اور عالم کی خبر دی تو اس سے قبر کے قرآنی معنوں کا انکار کیسے جائز ہو گیا۔ قرآن کے مقابلے میں صوفیوں کی بات کو اصل ٹھہرانا یہ راہ بدعت نہیں تو کون سی سنت ہے۔

جب اس قبر کا برزخی کنارہ اللہ ہی کے علم میں ہے تو اگر کسی صوفی کی کشفی نظر اس کے (قبر کے) کسی

دوسرے حصے پر پڑ گئی اور اس نے قبر کے وہاں کے حالات ذکر کر دیئے تو اس سے اس ظاہری قبر کا انکار کیسے نکل آیا؟ برزخی وسعت ماننے کا مطلب اس قبر کا انکار تو نہیں ہے۔ پھر صوفیہ کرام کے مشاہدات پر عقائد کی بنیاد رکھنا کیا اس کی کوئی اصل شرعی ہے؟

قبر احادیث کی روشنی میں

۱...... آنحضرت ﷺ نے فرمایا: "کنت نہیتکم عن زیارۃ القبور فزوروھا"

(سنن ابن ماجہ ص ۱۱۴ کما فی المشکوٰۃ ص ۱۵۴)

ترجمہ: میں تمہیں پہلے قبروں پر جانے سے روکا کرتا تھا۔ اب کے بعد اجازت ہے تم انہیں دیکھنے جایا کرو یہ تمہیں آخرت کی یاد دلاتی ہیں۔

۲...... آنحضرت ﷺ نے جب فرمایا: "ان المیت اذا وضع فی قبرہ" (صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۸۶)

کہ میت جب قبر میں اتاری جائے۔ الحدیث۔

تو قبر سے یہاں کون سی جگہ مراد ہے؟ یہی جو نظر آتی ہے یا یہ کوئی اعلیٰ علیین کی جگہ کے لئے ہے۔

۳...... آنحضرت ﷺ نے ایک اور موقعہ پر فرمایا: "یہود تعذب فی قبورھا" (ایضاً ج ۲ ص ۳۸۶)

یہاں قبور کیا انہی گڑھوں کو نہیں کہا گیا؟ کیا یہ کوئی عالم غیب کی جگہ تھی؟

۴...... آپ ﷺ نے جب ارشاد فرمایا تو آپ نے قبر سے کون جگہ مراد لی تھی؟

"ان اولئک اذ کان فیھم الرجل الصالح فمات بنوا علی قبرہ مسجدا"

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۰۱ صحیح بخاری ج ۱ ص ۶۱)

ترجمہ: ان لوگوں میں جب کوئی نیک آدمی مرتا تو وہ اس کی قبر پر (کے پاس) جائے عبادت بنا دیتے۔

۵...... جب آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ دیکھئے (صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۴۶) کا باب ما بین قبرہ ﷺ و منبرہ کے الفاظ۔ حدیث جامع صغیر کے ایک نسخہ میں اس طرح ہیں: "ما بین قبری و منبری روضۃ من ریاض الجنۃ"

(السراج المنیر ج ۴ ص ۱۹۶) متفق علیہ

ترجمہ: جو جگہ میری قبر اور میرے منبر کے مابین ہے وہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔

تو اس میں قبر کس جگہ کو کہا گیا ہے۔ کیا یہ جگہ اعلیٰ علیین میں ہے یا یہیں مدینہ منورہ میں؟

۶...... پھر آپ ﷺ کا یہ ارشاد بھی ملاحظہ فرمایئے: "قاتل اللہ الیہود اتخذوا قبور انبیائھم مساجد"

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۶۲ صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۰۱)

ترجمہ: اللہ یہود کو برباد کرے انہوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو سجدہ گاہیں بنا لیا۔

۷...... ایک اور جگہ ارشاد ہے: "(عن ابن عمر مرفوعا) من حج فزار قبری بعد موتی کان کمن زارنی فی حیاتی" (رواہ البیہقی فی شعب الایمان کذا فی المشکوٰۃ ص ۲۴۰)

ترجمہ: جس نے حج کیا اور میری وفات کے بعد میری قبر کی زیارت کی ایسا ہی ہے جیسے اس نے میری زندگی میں میری زیارت کی ہو۔

یہ تشبیہ کے طور پر فرمایا گیا ہے جس پر ہر بات میں مشابہت ضروری نہیں۔

۸...... آپ ﷺ نے اذخر گھاس کو کاٹنے کی اجازت دی تو فرمایا۔اس کی ضرورت ہے مگر کس لئے: "لقبورنا و بیوتنا" ہماری قبروں کے لئے اور گھروں کے لئے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۸۰)

یہاں قبور انہی جگہوں کو کہا گیا جن میں میت اتاری جاتی ہے اور اسے اس میں دفن کیا جاتا ہے، نہ کہ کسی پردے کے جہان کو۔

۹...... پھر آپ ﷺ کا یہ ارشاد بھی پیش نظر رہے: "یا أهل القبور یغفر الله لنا و لکم و انتم سلفنا و نحن بالاثر" (رواہ الترمذی کذا فی المشکوۃ ص ۱۵۴)

آپ نے قبرستان جا کر یہ کہنے کی تعلیم دی ہے۔کیا وہاں قبریں نہ تھیں؟ سو انہی قبروں کے پاس جا کر ہمیں یہ کہنے کا حکم دیا گیا۔

۱۰...... ایک شخص کو آپ ﷺ نے قبر پر بیٹھے دیکھا تو ارشاد فرمایا: "لا تؤذ صاحب القبر و لا یؤذیک" (رواہ الطحاوی ج ۱ ص ۲۹۶)

ترجمہ: تم اس قبر والے کو اذیت نہ دو نہ وہ تجھے نقصان دے۔

اب آپ ہی کہیں یہاں قبر سے مراد اگر یہ ظاہری قبر نہیں جسے مخالفین بار بار گڑھا کہہ رہے ہیں تو اس سے اور کیا مراد ہے۔کیا کوئی شخص اعلیٰ علیین میں کسی قبر کی بے ادبی یا ایذاء رسانی کے لئے جا سکتا ہے؟ یہ کہنا کہ گجرات کے شاہ صاحب شاید وہاں گئے ہوں یہ بھی غلط ہے۔

۱۱...... آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: "ان هذه الامة تبتلى فی قبورها فلولا ان لا تدافنوا لدعوت الله ان یسمعکم من عذاب القبر" (صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۸۶)

<u>ترجمہ</u>: یہ امت اپنی قبروں میں آزمائش سے گزرتی ہے۔مجھے یہ ڈر نہ ہوتا کہ تم اپنی میتوں کو دفن کرنا چھوڑ دو گے تو میں خدا سے دعا کرتا کہ وہ تمہیں بھی عذاب قبر کی یہ آوازیں سنا دے۔

۱۲...... آپ کا یہ بھی ارشاد ہے اس سے واضح ہوتا ہے کہ لسان شریعت میں قبریں کن جگہوں کو کہا جاتا تھا؟ انہی قبروں کو جو سامنے نظر آتی ہیں یہی گڑھے ہیں۔

"لا تجلسوا على القبور و لا تصلوا الیها" (جامع ترمذی ج ۱ ص ۱۲۵)

<u>ترجمہ</u>: تم نہ قبروں پر بیٹھا کرو اور نہ ان کی طرف منہ کر کے نمازیں پڑھا کرو۔

۱۳...... آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا: "اذا وضعتم موتاکم فی قبورهم فقولوا بسم الله و علی ملة رسول الله" (مستدرک حاکم ج ۱ ص ۳۶۶)

<u>ترجمہ</u>: جب تم اپنی میتوں کو قبروں میں رکھو تو یہ کہہ کر رکھو: "بسم الله و علی ملة رسول الله"

بھلا کیا اس کا مطلب یہ لیا جا سکتا کہ تم اپنی میتوں کو لے کر اعلیٰ علیین پہنچا کرو کیونکہ قبر تو اس جگہ میں ہے۔ یہاں کے ان گڑھوں کو تو قبر نہیں کہا جاتا۔استغفر اللہ!

۱۴...... آپ ﷺ کا ایک اور جگہ پر ارشاد ہے: "لعن رسول الله ﷺ زائرات القبور و المتخذین علیها المساجد و السرج" (رواہ ابوداؤد ج ۲، ص ۱۰۵، سنن نسائی ج ۱ ص ۲۲۲، طیالسی ص ۳۵۷، اولی فی المشکوۃ ص ۱۵۴، و تمامی ۱/۷۱)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے قبروں پر گھومنے والی عورتوں اور وہاں جائے عبادت بنانے والے مردوں اوران دیئے جلانے والوں پر لعنت فرمائی ہے۔

کیا یہاں ان زائرات قبور پر لعنت کی گئی ہے جو عالم غیب کی کسی بستی میں زیارت قبر کرنے جایا کرتی تھیں یا وہ انہی ظاہری قبروں پر ہی جاتی تھیں۔ جنہیں قبریں کہنے سے مخالفین نے انکار کیا ہے۔

۱۵...... جب آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام بعد نزول وفات پا کر میرے مقبرے میں دفن ہوں گے۔ تو آپ نے لفظ قبر سے کون سی جگہ مراد لی تھی۔ یہی مدینہ منورہ کا روضہ اطہر یا اعلیٰ علیین کی کوئی وادی اس پر بھی فرصت میں غور فرمالیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''ینزل عیسیٰ ابن مریم الی الارض فیتزوج ویولد له ویمکث خمسا واربعین سنة ثم یموت فیدفن معی فی قبری فاقوم انا وعیسی ابن مریم فی قبر واحد بین ابی بکر ﷛ وعمر ﷛'' (مشکوٰۃ ص ۴۸۰)

ترجمہ: حضرت عیسیٰ بن مریم نیچے اتریں گے آپ نکاح کریں گے آپ کے اولاد بھی ہوگی پینتالیس سال یہاں ٹھہریں گے پھر آپ کی وفات ہوگی اور میری قبر کے پاس میرے ساتھ دفن ہوں گے میں اور عیسیٰ بن مریم ایک قبر (مقبرے) سے اٹھیں گے اور ہم دونوں ابوبکر اور عمر ؓ کے مابین ہوں گے۔

۱۶...... ایک اور جگہ ارشاد نبوی ﷺ ہے: ''لینزلن عیسیٰ ابن مریم ثم لئن قام علی قبری لأجیبنه''
(روح المعانی ج ۲۲ ص ۳۵ االحاوی للسیوطی ج ۲ ص ۲۹)

ترجمہ: حضرت عیسیٰ بن مریم ضرور اتریں گے پھر اگر وہ میری قبر پر (سلام کے لئے) ٹھہرے اور سلام کہا تو میں ضرور اس کا جواب دوں گا۔

۱۷...... حضور ﷺ جب یہ حدیث فرمارہے تھے تو آپ کس قبر کے بارے میں کہہ رہے تھے؟

''اللّٰهم لاتجعل قبری وثنا یصلی الیه فانه اشتد غضب الله علی قوم اتخذ وا القبور انبیاءهم مساجد'' (المصنف لعبدالرزاق ج ۱ ص ۴۰۶ مجموعہ فی ج ۸ ص ۲۶۴)

ترجمہ: اے اللہ میری قبر کو معبود نہ بننے دینا جس کی طرف لوگ سجدے کریں۔ اس قوم پر اللہ کا غضب بھڑکا جس نے اپنے نبیوں کی قبروں کو جائے عبادت بنالیا۔

''من زار قبری وجبت له شفاعتی''

(رواہ البزار والدارقطنی عن ابن عمر مرفوعا قال القاری فی شرح الشفاء صححه جماعة من ائمة الحدیث ج ۸ ص ۲۶۴)

ترجمہ: جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لئے میری شفاعت لازم ہوگئی۔

اس میں کس قبر کی زیارت کے لئے کہا جارہا ہے؟ یہی نا کہ جسے ہم روضہ رسول ﷺ کہتے ہیں۔

۱۸...... آنحضرت ﷺ نے جب یہ فرمایا تو آپ کے ذہن میں قبر کے کیا معنی تھے؟

''الأرض کلها مسجد الا القبر والحمام'' (المصنف ج ۱ ص ۴۰۵)

ترجمہ: کل سطح زمین (میرے دین میں) مسجد ہے سوائے قبر اور حمام (جائے غسل) کے۔

۱۹...... پھر آپ جب حضرت موسیٰ ؑ کی قبر کے پاس سے گزرے تو وہ قبر کیا آپ نے اعلیٰ علیین میں پائی تھی یا اسی زمین کے ایک سرخ ٹیلے کے پاس آپ نے اس کا مشاہدہ کیا تھا؟

"مررت علی موسیٰ لیلۃ اسری بی عند الکثیب الاحمر وھو قائم یصلی فی قبرہ"
(سنن کبریٰ ج ۳ ص ۳۴۸، صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۶۸)

ترجمہ: جس رات مجھے معراج کی سیر کرائی گئی میرا گزر موسیٰ پر گزر ہوا وہ سرخ ٹیلے کے پاس تھی میں نے آپ کو اپنی قبر میں نماز پڑھتے پایا۔

ہم یہ کیسے مان لیں کہ حضرت موسیٰ ؑ کا جسد اصلی تو قبر میں صرف محفوظ پڑا تھا اور اس پر ایک مثالی جسد کھڑا نماز پڑھ رہا تھا۔ ہمیں ان لوگوں پر تعجب آتا ہے جو اس قسم کا عقیدہ رکھ کر خود بھی بھٹکے اور اوروں کو بھی بھٹکار ہے ہیں۔ اللہ ان پر رحم کرے۔

۲۰...... حضور ﷺ کے نماز جنازہ پڑھانے سے اللہ تعالیٰ قبروں کو اموات پر منور اور روشن فرما دیتے ہیں۔
(صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۱۰، سنن کبریٰ ج ۴ ص ۴۶)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ میت کو قبر میں اس قدر ادراک اور احساس ضرور ملتا ہے کہ وہ اس کی روشنی اور اندھیرے میں فرق کر سکے اور میت پر اس کا اثر پڑے ورنہ مردہ لاش اور جماد محض کو روشنی اور اندھیرا دونوں برابر ہیں۔ پھر حضور ﷺ نے وہاں کی روشنی کو کیوں اہمیت دی کچھ سوچیں۔

قبر کا اطلاق صحابہ کرامؓ کے بیانات میں

۱...... آنحضرت ﷺ جب صحابہؓ کے ساتھ دو قبروں کے پاس سے گزرے تھے جن میں مُردوں کو عذاب ہو رہا تھا تو وہاں قبر سے یہ گڑھے ہی نہیں تو اور کیا مراد تھی؟ اور کھجور کی ٹہنی اس گڑھے پر رکھی تھی یا عالم غیب کی کسی اور وادی کے مقام پر؟ اس پر غور فرماویں اور کبھی یہ نہ کہیں کہ شریعت میں قبر اس گڑھے کا نام نہیں ہے۔ حدیث میں صاف طور پر اسی کو قبر کہا گیا ہے سیدنا حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں: "مر النبی ﷺ بقبرین فقال انھما لیعذبان"
(مشکوٰۃ ص ۴۲، صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۵، صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۴۱)

ترجمہ: نبی کریم ﷺ دو قبروں کے پاس سے گزرے تو آپ نے فرمایا۔ ان دونوں کو عذاب ہو رہا ہے۔
(یہ قبریں کہاں تھیں؟ اسی زمین پر تو تھیں)

۲...... رسول اللہ ﷺ غزوہ احد کے بعد جب شہداء کو دفن کرنے لگے تو حضرت انسؓ فرماتے ہیں: "کان یجمع الثلاثۃ والاثنین فی قبر واحد" (مستدرک حاکم ج ۱ ص ۳۶۵)

ترجمہ: حضور ﷺ تین تین اور دو دو شہیدوں کو ایک قبر میں دفن کرتے رہے۔

۳...... حضرت عمرؓ نے ایک شخص کو ایک قبر کے پاس نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو فرمایا:
"القبر القبر" (صحیح بخاری ج ۱ ص ۶۱)

ترجمہ: یہ سامنے قبر ہے قبر ہے۔
یعنی قبر سامنے ہو تو نماز نہ پڑھنی چاہئے۔

۴...... حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ: "ان رسول اللہ ﷺ ادخل رجلا قبرہ لیلا واسرج فی قبرہ"
(سنن ابن ماجہ ص ۱۰۹، جامع ترمذی ج ۱ ص ۱۲۵)

ترجمہ: رسول پاک ﷺ نے ایک شخص کو رات کے وقت قبر میں اتارا اور اس کی قبر میں روشنی کی۔

۵...... حضرت بریدہؓ نے وصیت کی کہ میری قبر پر کھجور کی دو ٹہنیاں گاڑ دینا۔ حضرت امام بخاریؒ نقل فرماتے ہیں کہ: "واوصی بریدۃ الاسلمی ان یجعل فی قبرہ جریدا" (صحیح بخاری ج۱، ص۱۸۱)

ترجمہ: حضرت بریدۃ الاسلمیؓ نے وصیت کی کہ ان کی قبر میں کھجور کی ٹہنی رکھ دینا۔

یہاں قبر سے ان کی کیا مراد تھی؟ یہی گڑھا یا کچھ اور؟

۶...... حضرت عمرو بن عاصؓ (۶۷ھ) نے بھی اپنے بیٹے کو وصیت کی کہ مجھے دفن کرنے اور میری قبر پر مٹی ڈالنے کے بعد وہاں اتنا ٹھہرا رہنا جتنے میں اونٹ ذبح کر کے بانٹا جا سکتا ہے تاکہ میں تم سے مانوس رہ کر خدا کے بھیجے ہوؤں (منکر نکیر) کا جواب دے سکوں آپ نے فرمایا: "ثم اقیموا حول قبری قدر ما ینحر الجزور ویقسم لحمها حتی استانس بکم واعلم ماذا اراجع به رسل ربی" (صحیح مسلم ج۱ ص۷۶)

ترجمہ: پھر تم میری قبر کے گرد ٹھہرنا اتنا وقت کہ اونٹ ذبح کیا جائے اور اس کا گوشت تقسیم ہو جائے میں تم سے (اس دوران) مانوس رہوں گا اور جان لوں گا کہ اپنے رب کے بھیجے ہوؤں کو کیا جواب دوں۔

۷...... حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں: "من السنۃ ان تأتی قبر النبی ﷺ من قبل القبلۃ وتجعل ظهرک الی القبلۃ وتستقبل القبر بوجهک" (مسند امام اعظم ص۱۲۶)

ترجمہ: سنت یہ ہے کہ تم حضور ﷺ کی قبر پر قبلہ کی طرف سے آؤ پھر تمہاری پشت قبلہ کی طرف رہے اور تمہارے چہرے کا رخ قبر کی طرف رہے۔

۸...... حضرت جابرؓ فرماتے ہیں: "ان النبی ﷺ صلّی علی قبر امرأۃ بعد ما دفنت" (رواہ الترمذی ج۱ ص۱۲۷)

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے ایک عورت کی قبر پر اس کی نماز (جنازہ) پڑھی یہ اس کے دفن کے بعد ہوا۔

قرآن کریم، احادیث نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام اور آثار صحابہؓ کی شہادتیں آپ نے سن لیں کہ وہ کن جگہوں کو قبر کہتے تھے اور ان میں سے بیشتر حوالے اسی زندگی کے ہیں جو اس عالم دنیا اور عالم آخرت کے درمیان کی زندگی ہے اور دونوں کے مابین برزخ ہے۔ اس بحث میں قبر اسی جگہ کو کہا گیا ہے جو یہاں زمین پر ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اسی زمین کو حکم دیتے ہیں کہ فلاں میت پر سمٹ کر اکٹھی ہو جا اور پھر اس کی پسلیاں آر پار ہو جاتی ہیں۔ یہ واقعہ عالم غیب کی کسی علیحدہ وادی میں پیش نہیں آتا حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "فیقال للارض التئمی علیه فتلتئم علیه فتختلف اضلاعه" (رواہ الترمذی ج۱ ص۱۲۷)

ترجمہ: پھر اس زمین کو حکم ہوتا ہے اس میت پر سمٹ کر اکٹھی ہو جا سو زمین اس پر سمٹتی ہے اور اس کی پسلیاں آر پار ہو کر دب جاتی ہیں۔

یہ عذاب یہاں دیکھنے والوں کو نظر آ رہا۔ اس اعتبار سے یہ بے شک عالم غیب ہے لیکن یہ کہنا کہ یہ قبر حقیقت میں قبر ہی نہیں، لسانِ شریعت کے ان عام اطلاقات کا کھلا انکار اور تواترِ امت سے ایک کھلا ٹکراؤ ہے۔ مخالفین جس دیدہ دلیری سے ظاہر شریعت کا انکار کر رہے ہیں اس میں وہ قبروں کے پاس پڑے ملنگوں کو بھی پیچھے چھوڑ گئے ہیں۔

معنی قبر پر حضرت امام ابو حنیفہؒ کی شہادت

اب آیئے یہی اطلاق حضرت امام ابو حنیفہؒ (۱۵۰ھ) سے بھی سن لیں۔ صحابہؓ کے بعد انہی کا درجہ ہے۔ آپ فرماتے ہیں حافظ ابن الہمام الاسکندریؒ (۸۸۶ھ) سے منقول ہے: ''عن ابی حنیفة ان الزائر یستقبل القبر ویستدبر القبلة'' (العرف الشذی ص ۲۰۲)

ترجمہ: امام ابو حنیفہؒ سے مروی ہے کہ (روضہ پر) حاضری دینے والا زائر قبر کے سامنے سے آئے اور قبلہ کو پس پشت رکھے۔

فقہ کی کتابوں سے ہمیں مزید شواہد پیش کرنے کی ضرورت نہیں۔ حدیث اور فقہ میں قبر سے مراد یہی گڑھے ہیں۔ حدیث وفقہ سے دین کی اصل مراد معلوم ہوتی ہے دینی کلام میں متوازی نظریات کا رد اور استدلال میں عقل وامکان کا دخل ساتھ ساتھ رہتا ہے۔ قبر کے جو معنی میں نے بیان کئے ہیں وہ حدیث وفقہ کی اصطلاح میں ہیں اور متکلمین جب معتزلہ کے امکانی سوالات کو اپنے جواب میں لپیٹتے ہیں تو قبر کے معنی وسیع کرتے ہیں۔ اسے اس گڑھے تک نہیں رہنے دیتے جو زمین میں دکھائی دیتا ہے۔ ان مردوں کے لئے جو ڈوب جائیں یا جل جائیں یا جانوروں کے پیٹ میں چلے جائیں انہیں ایک قبر کا پیدا دینا ہوتا ہے اس موقعہ پر وہ کہتے ہیں کہ قبر صرف اس گڑھے کو ہی نہیں کہتے یہ عالم برزخ کی ایک منزل ہے۔ محدثین جب ان کی بات نقل کرتے ہیں تو وہ اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے، نہ یہ کہ یہ حدیث وفقہ کی اصطلاح ہے۔

''ولیس المراد به الحفرة التی یدفن فیه المیت فرب میت لایدفن کالغریق والمحروق والما کول فی بطن الحیوانات یعذب وینعم ویسأل'' (تنقیح اللمعات ج ۱ ص ۱۸۹)

ترجمہ: قبر سے مراد یہی جگہ نہیں جس میں میت دفن کی جاتی ہے کئی اموات کو تو دفن ہونے تک کی نوبت نہیں آتی جیسے کوئی ڈوب جائے یا جل جائے یا جسے جنگل کے حیوانات کھالیں اور وہ ان کے پیٹ میں ہو اسے بھی تو عذاب قبر ہوتا ہے اور سوال وجواب کی نوبت آتی ہے۔

قاضی شمس الدین صاحبؒ بھی اقرار کرتے ہیں: ''اس میں شک نہیں کہ اس محسوس محفور فی الارض کو ہی عرف عام اور فقہ کی اصطلاح میں قبر کہتے ہیں اور کتب فقہ کے باب الجنائز میں جس قبر کے احکام مذکور ہیں وہ یہی محسوس محفور فی الارض ہے۔ مگر علم کلام میں جہاں قبر کے ثواب حساب اور عذاب کا ذکر ہے اس سے مراد عالم برزخ ہے۔'' (مسالک العلماء ص ۶۶، ۶۷)

ہمیں متکلمین کی اس اصطلاح سے انکار نہیں لیکن ہم اس حقیقت کو نظر انداز نہیں کر سکتے کہ مراد حدیث کو فقہاء ہی زیادہ جانتے ہیں اور اس کا خود محدثین کو اعتراف ہے۔ امام ترمذی باب غسل میت میں اس کی تصریح کر چکے ہیں۔

قارئین یہاں دیکھ لیں حدیث وفقہ کے سہارے کون لوگ چل رہے ہیں اور کون لوگ متکلمین کی اصطلاحات سے احادیث کی تشریح کے درپے ہیں۔ حدیث وفقہ کو علم کلام کے تابع کرنا ہمیں سمجھ میں نہیں آتا۔ علم کلام تو مرتب ہی حضور ﷺ کے بہت بعد ہوا ہے۔

''الانبیاء احیاء فی قبورهم یصلون'' الفاظ حدیث کے ہیں۔ ان میں قبر کا معنی علم کلام سے لینا اور فقہ کی اصطلاح سے کھیلنا یہ کون سا انصاف ہے اور کون سی شان علم ہے۔

شہداء احد کی قبریں اسی زمین پر ہیں ان پر سے حضور ﷺ گزرے اور فرمایا: ''اللھم ان عبدک و نبیک یشھد ان ھؤلاء شھداء وانھم من زارھم او سلم علیھم الی یوم القیمۃ ردوا علیہ'' (وفاء الوفاء ص ۹۳۳)

ترجمہ: اے اللہ! تیرا نبی اور تیرا بندہ گواہی دیتا ہے کہ یہ شہداء ہیں (اشارہ انہی زمین کی قبروں کی طرف ہے اور) جو ان کی زیارت کرتا ہے یا ان پر سلام بھیجتا ہے قیامت تک یہ ان کو جواب دیتے رہیں گے۔

پھر آپ حضرت مصعب بن زبیرؓ کی قبر پر ٹھہرے اور فرمایا: ''اللھم ان عبدک و نبیک یشھد ان ھؤلاء شھداء فأتوھم وسلموا علیھم فلن یسلم علیھم احد ماقامت السموات والارض الا ردوا علیہ''

(وفاء الوفاء ص ۹۳۱)

ترجمہ: اے اللہ! تیرا نبی اور تیرا بندہ گواہی دیتا ہے کہ یہ شہداء ہیں لوگو! ان کے پاس آؤ (انہی قبروں کے پاس نہ کہ علیین میں) اور ان پر سلام پڑھو جب تک زمین و آسمان قائم ہیں تو یہ سلام پڑھنے والوں کا جواب دیتے ہیں۔

آپ کا یہ فرمانا کہ لوگو! ان کے پاس آؤ عالم برزخ کی کسی نادیدہ بستی میں آنے کی تلقین نہ تھی اعلیٰ علیین یا سجین نیکوں اور بروں کے قبرستان نہیں ہیں۔ یہ تو ملا اعلیٰ کے دفتر کا نام علیین ہے جہاں مقربین نام لکھانے کے لئے حاضری دیتے ہیں یہ قبریں نہیں ہیں۔

قبر اعلیٰ علیین یا سجین کا کوئی مقام نہیں۔ یہ اسی زمین کی جگہ مٹی کا گھر ہے۔ جسے متعارف زبان میں قبر کہتے ہیں۔ احادیث نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام، اطلاقات صحابہؓ اور امام ابوحنیفہؒ کی شہادت آپ کے سامنے ہے اگر اس پر بھی تسلی نہیں تو خود قبر سے ہی سن لیں۔ وہ کیا کہتی ہے حضرت ابوسعید الخدریؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ایک دفعہ قبر کا ذکر فرماتے ہوئے کہ وہ تمام لذتوں کو مٹا دیتی ہے قبر کی اپنی فریاد ان لفظوں میں نقل فرمائی: ''انا بیت الغربۃ وانا بیت الوحدۃ وانا بیت التراب وانا بیت الدود، رواہ الترمذی'' (مشکوٰۃ ص ۲۵۷)

ترجمہ: میں غربت کا گھر ہوں، تنہائی کا گوشہ ہوں، میں مٹی کا ٹھکانہ اور کیڑوں کی زد میں ہوں۔

کیا مٹی کا ٹھکانا علیین میں ہو سکتا ہے اور کیا علیین تنہائی کا گوشہ ہے یا وہاں ارواح کے مسکن ہیں؟ یاد رکھئے قبر آخر قبر ہے اور وہ یہی ہے۔

معنی قبر پر فریقین کا اتفاق

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب دامت برکاتہم مہتمم دارالعلوم دیوبند نے ۲۲ جون ۱۹۶۲ء کو جامعہ عثمانیہ حنفیہ راولپنڈی میں شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خاں صاحب اور قاضی شمس الدین صاحب اور حضرت مولانا قاضی نور محمد صاحبؒ کے سامنے یہ تحریر لکھی اور حضور ﷺ کی مدینہ منورہ کی قبر مبارک کو ہی آپ کی برزخی زندگی کا محل قرار دیا۔ حضرت قاری صاحب دامت برکاتہم نے یہ تحریر لکھی اور اس پر ان تینوں حضرات نے دستخط کئے:

وفات کے بعد نبی کریم کے جسد اطہر کو برزخ قبر شریف میں بہ تعلق روح حیات حاصل ہے اور اس حیات کی وجہ سے روضہ اطہر پر حاضر ہونے والوں کا صلوٰۃ وسلام سنتے ہیں۔ محمد طیب

حال وارد راولپنڈی ۲۲ جون ۱۹۶۲ء

(دیکھئے ماہنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی ص ۵۳، ماہ اگست ۱۹۶۲ء)

اس سے یہ نزاع ہمیشہ کے لئے ختم ہو گئی کہ یہ ظاہری قبریں برزخی منازل نہیں ہیں اب اس پر سب کا اتفاق ہو گیا ہے کہ یہاں کی قبر ہی آخرت کی پہلی منزل ہے جس میں میت کو اتارا جاتا ہے۔ رہیں برزخ کی وار دات، تو یہ یہاں کی آنکھوں سے پوشیدہ ہیں۔

قبر اگر صرف گڑھا ہے تو اس پر دعا کیوں؟

اگر یہ گڑھا جس میں میت رکھی گئی، قبر نہیں وہاں صرف ایک محض بے جان لاش دھری ہے جس سے قیامت تک روح کا تعلق نہیں تو اس پر میت کے لئے دعا کرنا کس لئے ہے؟ وہاں مرنے والا تو نہیں ہے۔

ہمارے یہ کرم فرما کہتے ہیں زیارت قبور صرف اس لئے ہے کہ یہ تمہیں آخرت یاد کرائیں۔ ہم عرض کرتے ہیں یہ صرف کی قید آپ نے کہاں سے نکالی ہے تذکیر آخرت سے ہمیں انکار نہیں۔ یہ تو اپنے فائدے کے لئے ہے لیکن کیا مرحوم کے فائدے کے لئے وہاں جانا اور اس کے لئے دعا کرنا کیا یہ شریعت میں ثابت نہیں؟

اگر وہاں ایک محض بے جان دھڑ پڑا ہے اور یہ قبر نہیں جس پر ایلام و تنعیم کی کیفیات گزرتی ہوں تو پھر وہاں حاضری اور اس کے لئے دعا کرنا، اس کا کیا معنی رہ جاتا ہے؟ کچھ نہیں!

قبر پر دعا کے لئے حاضری کا ذکر تو قرآن کریم میں بھی ملتا ہے: "وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓی اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰی قَبْرِهٖ" (پ ۱۰، التوبہ ۸۴)

ترجمہ: اور آپ ان میں کسی کی جو مر جائے کبھی نماز جنازہ نہ پڑھیں اور نہ اس کی قبر پر کبھی دعا کے لئے کھڑے ہوں۔

یہ قبر پر کھڑا ہونا نماز جنازہ کے علاوہ ہے ...... کس لئے؟ دعا کے لئے!

حافظ ابن کثیرؒ (۷۷۴ھ) لکھتے ہیں اس آیت کے نازل ہونے کے بعد حضور ﷺ نے کسی منافق کی نماز جنازہ نہ پڑھی، نہ کبھی اس کی قبر پر دعا کی یہاں قبر سے کون سی قبر مراد ہے؟

"فما صلّی رسول اللہ ﷺ بعدہ علی منافق ولا قام علی قبرہ حتی قبضہ اللہ" (تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۳۸۶)

سیدنا حضرت عثمانؓ آپ کے بارے میں روایت کرتے ہیں: "کان رسول اللہ ﷺ اذا فرغ من دفن المیت وقف علیہ فقال استغفروا لاخیکم ثم سلوا لہ التثبیت فانہ الآن یسئل" (سنن ابی داؤد مشکوۃ ص ۲۶)

ترجمہ: آنحضرت ﷺ جب دفن میت سے فارغ ہوتے تو اس کی قبر پر کھڑے ہوتے اور فرماتے اپنے بھائی کے لئے مغفرت کی دعا مانگو اور اس کے لئے اللہ سے ثابت قدمی مانگو اسے اب پوچھا جا رہا ہے۔

اگر یہ سوال و جواب اسی قبر میں نہیں ہو رہے تو اس قبر پر کھڑے ہو کر اس کے لئے دعا کیوں؟

آنحضرت ﷺ سے بقیع کے قبرستان میں جانا اور وہاں ان لوگوں کے لئے ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا کیا حدیث سے ثابت نہیں؟

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضرت عبداللہ ذوالبجادینؓ کے جنازہ میں موجود تھے۔ آپ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ جب ان کے دفن سے فارغ ہوئے تو وہیں قبلہ رخ ہوئے اور مرحوم کے لئے دعا فرمائی: "فلما فرغ من دفنہ استقبل القبلۃ رافعا یدیہ" (رواہ ابوعوانہ فتح الباری ج ۱۱ ص ۱۲۲)

ترجمہ: جب آپ اس کے دفن سے فارغ ہوئے تو قبلہ رخ ہوئے اور ہاتھ اٹھا کر دعا فرمائی۔

اگر قبر میں محض ایک بے جان لاشہ پڑا ہے تو فاتح مصر سیدنا حضرت عمرو بن عاصؓ اپنے بیٹے جلیل القدر محدث حضرت عبداللہ بن عمروؓ (۶۷ھ) کو یہ کیوں کہہ رہے ہیں کہ جب تم میرے دفن سے فارغ ہو جاؤ تم سب میری قبر کے اردگرد کچھ عرصہ ٹھہرے رہنا۔ تا کہ میں تمہاری حاضری سے انس پکڑوں اور اپنے رب کے بھیجے ہوؤں (منکر نکیر) کو بات لوٹا سکوں، جواب دے سکوں: "ثم اقیموا حول قبری قدر ما ینحر جزور ویقسم لحمها حتی أستأنس بکم وأعلم ماذا أراجع بہ رسل ربی" (صحیح مسلم ج ۱ ص ۷۶ مسند احمد ج ۴ ص ۱۹۹)

یہاں حضرت عمرو بن العاصؓ اپنی کس قبر کے گرد ٹھہرنے کی نصیحت فرما رہے ہیں؟ اسی قبر پر جس میں لوگوں نے اس وقت آپ کو اتارا تھا یہ سوال وجواب جس پر پورا اترنے کی آپ کی تمنا ہے کہاں ہوں گے؟ اعلیٰ علیین میں یا اس قبر میں اگر اس قبر میں نہیں یہ محض ایک گڑھا ہے تو خدارا انصاف کیجئے حضرت عمرو بن العاصؓ انہیں اس قبر کے گرد کھڑا کرا کر کس طرح ان سے مانوس ہونے کے طلب گار ہیں۔

سوال وجواب اسی قبر میں

قبر کا سوال وجواب عالم برزخ میں ہے یا اسی قبر میں؟ پھر بعض اوقات یہ صورت بھی ہوتی ہے کہ مرنے والے کی ظاہری قبر بنی ہی نہیں۔ سو اس سے سوال کہاں ہوگا؟ حضرت ملا علی قاریؒ اس حدیث کی بحث میں کہ میت سے سوال قبر میں ہوتا ہے لکھتے ہیں کہ حضور ﷺ نے لفظ قبر کی تخصیص (اذا سئل فی القبر) اس لئے کی کہ عام طور پر ایسا ہی ہوتا ہے قبریں بنتی ہیں اور میتیں ان میں اتاری جاتی ہیں۔ سو لفظ قبر کی تخصیص اس عام عادت کی بناء پر ہے ورنہ جس جگہ میت یا اس کے بدن کے اجزاء ہوں (جیسے مچھلیوں کے پیٹ یا درندوں کے پیٹ) وہی اس کی قبر ہوگی اور وہیں اس سے سوال ہوگا۔ ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں: "اذا سئل فی القبر التخصیص للعادة أو کل موضع فیہ مقرہ فھو قبرہ" (مرقات ج ۱، ص ۱۹۷)

ترجمہ: "جب قبر میں سوال ہو" قبر کی تخصیص اس لئے ہے کہ عام طور پر ایسا ہی ہوتا ہے یا ہر وہ جگہ جہاں اس میت کا مقر ہے وہی اس کی قبر ہے (وہاں یہ سوال وجواب ہوتے ہیں)

یہاں لفظ أو (حرف تردید) عام قبروں کے مقابلے میں ہے کہ کبھی قبر کی صورت یہ بھی ہوتی ہے کہ عادت عام میں قبر دکھائی نہ دے۔

افسوس کہ بعض نادان اس کو سمجھ نہیں پائے اور انہوں نے اس سے علیین اور سجین کے مقامات مراد لے لئے۔ کاش اکہ یہ لوگ اسی صفحہ پر ملا علی قاریؒ کے یہ الفاظ بھی پڑھ لیتے کہ اللہ تعالیٰ مومنین کو آخرت میں سوال وجواب کے وقت ثابت قدم رکھتا ہے۔ آپؒ اس بحث میں لکھتے ہیں: "(وفی الآخرة) ای البرزخ وغیرہ وقیل فی القبر عند السوال وھو الصحیح کما وقع بہ التصریح" (ایضا)

ترجمہ: آخرت سے مراد عالم برزخ یا کوئی اور جگہ ہے جہاں سوال ہوتا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اسکا برزخ یہ قبر ہے اور یہ دوسری بات صحیح ہے۔

اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ قیل ہمیشہ ضعف مقولہ کے لئے نہیں آتا کبھی صورت برعکس بھی ہوتی ہے جیسا کہ یہاں ہے۔ قبر کا سوال وجواب برحق ہے اور میت کے لئے ثابت قدمی کی دعا بھی بلاشبہ درست ہے۔

قاضی شوکانیؒ (۱۲۵۵ھ) بھی ایک مقام پر لکھتے ہیں: "فیہ مشروعیۃ الاستغفار للمیت عند الفراغ من دفنہ وسوال التثبیت لہ لانہ یسئل فی تلک الحال وفیہ دلیل علی ثبوت حیاۃ القبر وقد وردت بذلک احادیث کثیرۃ بلغت حد التواتر وفیہ ایضاً دلیل علی ان المیت یسئل فی القبر وقد وردت بہ ایضا احادیث صحیحۃ فی الصحیحین وغیرھما وورد ایضا مایدل علی ان السؤال فی القبر مختص بھذہ الامۃ کما فی حدیث زید بن ثابت عند مسلم ان ھذہ الامۃ تبتلی فی قبورھا وبذلک جزم الحکیم الترمذی"

(نیل الاوطار ج ۴ ص ۱۳۹)

ترجمہ: اس میں میت کے لئے دفن سے فراغت کے بعد مغفرت طلب کرنے کی مشروعیت اور اس کے لئے ثابت قدمی کی دعا ہے کیونکہ اس وقت اس سے سوال کیا جارہا ہوتا ہے اور یہ حیات فی القبر کے ثبوت کی بھی دلیل ہے اور اس موضوع (حیات فی القبر) پر اس قدر احادیث وارد ہیں کہ وہ تواتر کی حد کو پہنچتی ہیں اور اس میں اس پر بھی دلیل ہے کہ میت سے سوال وجواب قبر میں ہوتے ہیں اور اس پر بھی صحیح احادیث صحیح بخاری، صحیح مسلم اور دوسری کتابوں میں وارد ہیں اور ایسی روایات بھی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ قبر میں سوال اسی امت سے خاص ہے جیسا کہ صحیح مسلم میں زید بن ثابتؓ کی روایت میں ہے کہ اس امت کو ان کی قبروں میں ایک ابتلاء کا سامنا ہے اور حکیم ترمذی (صاحب نوادر الاصول) اسی کے قائل تھے۔

مقر اموات بھی زمین ہے

جس طرح زندوں کی بہاریں اس زمین پر آتی ہیں اموات کے جملہ حالات بھی اسی زمین پر واقع ہوتے ہیں۔ یہ زمین زندوں اور مردوں دونوں کو اپنے دامن میں لئے ہوئے ہے۔ قرآن کریم میں ہے: "اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا، اَحْيَآءً وَّاَمْوَاتًا" (پ ۲۹، المرسلات)

ترجمہ: کیا ہم نے زمین کو سمیٹ کر رکھنے والی نہیں بنایا؟ (کن کو سمیٹ کر رکھنے والی) زندوں اور مردوں کو۔

یہ آیت بتلاتی ہے کہ جس طرح زندوں پر راحت وتکلیف اسی زمین پر آتی ہے، اموات پر تکلیف و راحت بھی اسی زمین پر اترتی ہے۔ عذاب قبر اسی زمین میں ہوتا ہے قیامت تک کے جملہ حالات اس پر یہیں گزریں گے اور پھر یہیں سے حشر کے لئے اٹھنا ہوگا۔ حضرت شیخ الاسلامؒ لکھتے ہیں: "زندہ مخلوق اسی زمین میں بسر کرتی ہے اور مردے بھی اسی مٹی میں پہنچ جاتے ہیں۔ انسان کو زندگی بھی اسی خاک سے ملی اور موت کے بعد بھی یہی اس کا ٹھکانہ ہوا تو دوبارہ اسی خاک سے اٹھا دینا کیوں مشکل ہوا؟ جو خدا اس حقیر زمین میں اپنی قدرت کے متضاد نمونے دکھلاتا ہے اور موت وحیات اور سختی ونرمی کے مناظر پیش کرتا ہے۔ کیا وہ میدان حشر میں سختی ونرمی اور نجات وہلاکت کے مختلف مناظر نہیں دکھلا سکتا؟" (تفسیر عثمانی ص ۷۵۵)

جب انسانوں کی تکلیف وراحت اسی زمین پر ہے اور آخرت کی نجات وہلاکت بھی اسی زمین پر واقع ہو گی تو انسان کی درمیانی منزل (موت کے بعد اور قیامت سے پہلے کی) کیا اس زمین سے جدا کسی اور زمین پر واقع ہے؟ کیا خدا اس منزل کے مختلف مناظر راحت قبر ہو یا عذاب قبر اس زمین میں واقع نہیں کر سکتا؟ جسے اس دنیا والوں کی آنکھیں نہ دیکھ سکیں اور نہ یہاں کے کان سن سکیں۔

آپ ارواح کے مقر علیین یا سجین کو ٹھہرالیں آپ کو کون روکتا ہے۔ لیکن ابدان یا ابدان کے منتشر ذرات پر جو کچھ گزرتی ہے اسے زمین سے جوڑے رکھیں تو اس کے لئے آپ اپنے آپ کو اتنی بات نہیں سمجھا سکتے کہ ارواح جہاں بھی ہوں ان کے زیر اثر یہ زیر زمین ابدان ان برزخی حالات سے یقیناً گزر رہے ہیں جن کی قرآن وحدیث میں خبریں دی گئی ہیں۔ کیا مرنے کے بعد بھی زمین ہمارا ٹھکانہ نہیں؟ اور کیا یہیں سے ہمیں حشر کے لئے نہیں اٹھنا؟ کیا قرآن نے نہیں کہا؟

"مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى" (پ ۱۶، طٰہٰ ۵۵)

ترجمہ: ہم نے تمہیں اسی مٹی سے پیدا کیا اور اسی میں ہم تمہیں لوٹائیں گے۔ اور پھر اسی سے دوبارہ نکالیں گے۔

جو انسان ہوائی جہاز کے حادثے میں جلے وہ بھی اسی زمین سے اٹھیں گے اور جو دریاؤں میں ڈوبے وہ بھی اسی زمین سے نکلیں گے، جنہیں جانور کھا گئے وہ بھی اسی زمین سے نکلیں گے، جنہیں باقاعدہ قبریں نصیب ہوئیں وہ بھی اسی زمین سے نکلیں گے۔ قرآن پاک کی یہ آیات بتلاتی ہیں کہ مرنے کے بعد انسان کا ٹھکانہ اسی زمین میں ہے اور اسی زمین پر انسان پر راحت والم کے جملہ حالات گزرتے ہیں۔

گو ہمارے اور ان حالات کے مابین ایک پردہ ہے جو نہ ہٹتا ہے، نہ پھٹتا ہے مگر بعض خاصان خدا کے لئے وہ بھی کرامۃً اٹھتا بھی ہے یہ یہاں رہتے ہوئے بھی وہاں کی کوئی جھلک دیکھ پاتے ہیں۔

عالم برزخ کے لئے کسی اور زمین کی تلاش نہ کرو

احباب گرامی قدر! تم اس برزخی زندگی کے لئے کسی اور زمین کی تلاش میں کیوں کھو گئے؟ خدا نے جب ہمیں اسی زمین سے اٹھانا ہے تو اس سے پہلے کی پردے کی زندگی کیا اسی زمین میں نہیں ہو سکتی؟ کیا تم اسی لئے کسی اور زمین کی تلاش میں نکلے ہو کہ یہ زندگی تمہیں نظر نہیں آ سکتی پردے میں ہے اس لئے اس کا ماننا مشکل ہے؟ کیا یومنون بالغیب (وہ بن دیکھے ایمان لاتے ہیں) اس امت کی شان نہیں؟ قرآن وحدیث کو چھوڑ کر تم کس فلسفی یا صوفی کے دامن میں پناہ لوگے کہ قبر اس زمین پر نہیں کسی اور جگہ کا نام ہے؟

اگر کسی صوفی نے یہ کہہ دیا کہ قبر اس گڑھے کا نام نہیں تو تم نے اس سے یہ کیسے سمجھ لیا کہ قبر اس پوری زمین میں ہی کہیں نہیں؟ اگر کسی جلنے والے یا ڈوبنے والے کی قبر کہیں گڑھے کی صورت میں نہیں تو اس سے یہ کیسے نکل آیا کہ وہ پوری زمین میں کسی غیر مرئی صورت میں بھی کہیں نہیں ہے؟ کیا تم کسی حدیث سے دکھلا سکتے ہو کہ حشر کے دن کچھ مردے جانوروں کے پیٹوں سے نکلیں گے یا دریاؤں اور سمندروں سے اٹھیں گے یا بجلی کے کھمبوں سے اتریں گے جہاں وہ جل کر بالکل بے نشان ہو گئے تھے؟ اگر آپ کو یہ بات کسی حدیث میں نہیں ملتی تو محض اس لئے کہ ان قبروں کے قبر ہونے کا انکار نہ کریں کہ بعض اموات کو ظاہراً کسی گڑھے میں جگہ نہیں ملی تھی۔

قرآن وحدیث میں قبر کے معنی وہی ہیں جو عام عرب اپنی زبان کے معروف محاورے میں سمجھ سکتے تھے۔ کسی فوق الادراک منزل میں قبر کی نشاندہی کرنا اس کتاب کی شان نہیں جس کا اپنا دعوے یہ ہو: "وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ" (پ ۲۷، القمر آیت ۱۷)

ترجمہ: قرآن کو نصیحت پکڑنے کے لئے ہم نے آسان کر دیا ہے۔ سو کیا ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا؟

قرآن کے اسرار و دقائق اپنی جگہ، کوئی ان کا انکار نہیں کر سکتا۔ اس کے اصول ہدایت بہت آسان ہیں۔ دین فطرت عام انسانی سمجھ سے کلیۃً بالا نہیں کہ کسی طرح سمجھ میں ہی نہ آسکے اللہ تعالیٰ نے اسے نصیحت حاصل کرنے کے لئے بہت آسان کر دیا ہے۔ سو اس کے الفاظ انہیں معنوں پر محمول ہوں گے جو عرب اس سے اپنے محاورے کے مطابق سمجھ سکتے تھے۔ اگر کچھ باتیں اس سے وراء ہیں تو اللہ تعالیٰ نے خود متشابہات کی نشان دہی کر دی ہے اور بتا دیا ہے کہ کہاں الفاظ اپنی ظاہری معنی میں نہ ہوں گے۔

قبر کے بارے میں قرآن و حدیث میں کہیں نہیں کہ اس سے اس کا ظاہری معنی مراد نہیں ہے اور یہ کہ قبر کسی اور جگہ ہے اس گڑھے میں نہیں۔

"بلغنا انہ من وقف عند قبر النبی ﷺ فتلا ھذہ الایۃ اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا"[1] (شرح الشفاء ج ۲ ص ۸۵)

ترجمہ: ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ جو شخص آنحضرت ﷺ کی قبر پر آئے اور یہ آیت پڑھے اے ایمان والو! اس نبی پر درود و سلام بھیجو۔ (پ ۲۲، الاحزاب آیت ۵۶)

یہاں ایک عرب قبر کا کیا معنی سمجھ سکتا ہے؟ مسلمانوں کے ذہن میں لفظ قبر سے مدینہ منورہ کا روضہ اطہر ہی آئے گا یا مومن اپنے خیال کی دنیا میں مقام علیین تک اڑے گا آخر کچھ تو سوچئے کہاں تک بہکے چلے جاؤ گے۔

معنی قبر پر سعودی پیشواء امام عبدالعزیز اوّل کی شہادت

قبر کے جو معنی ہم قرآن و حدیث اور حضرت امام ابوحنیفہؒ کے بیانات سے نقل کر آئے ہیں اس دور متاخر میں بھی علماء اسلامؒ نے قبر سے یہ ظاہر قبر ہی مراد لی ہے۔ نجد کے شیخ محمد بن سعود کے بیٹے امام عبدالعزیز اوّل لکھتے ہیں: "صحابہ کرامؓ ایک دفعہ قحط سالی کے موقع پر دعاء استسقاء کے لئے نبی ﷺ کے چچا عباسؓ کو ساتھ لے کر گئے تھے کہ وہ بارش کے لئے دعا مانگیں۔ جیسا کہ بخاری شریف میں انس بن مالکؓ سے روایت موجود ہے صحابہ کرامؓ نہ تو آپ کی قبر کے پاس آئے نہ وہاں انہوں نے کھڑے ہو کر دعا مانگی حالانکہ نبی ﷺ کو قبر میں حیات برزخی حاصل ہے۔" (رسالہ مذکور ص ۳۱ مترجم مولانا اسماعیل غزنوی ۱۹۲۷ء مطبوعہ امرتسر)

یہاں اس بات میں کہ صحابہؓ آپ کی قبر کے پاس نہ آئے کون سی قبر مراد ہے؟ یہی نا کہ جو مدینہ منورہ میں گنبد خضرا میں ہے اور پھر اس کے ساتھ موصوف کا یہ کہنا کہ "نبی ﷺ کو قبر میں حیات برزخی حاصل ہے" کیا یہی قبر مراد نہیں؟ علماء نجد کے عقیدہ میں آنحضرت ﷺ اپنی اسی قبر میں جو زیارت گاہ عوام و خواص ہے برزخی حیات سے زندہ ہیں اور برزخی حیات سے مراد یہ ہے کہ حیات آپ کے جسد اطہر میں پردے میں ہے ہر کوئی اسے نہیں دیکھ پاتا۔ علماء اسلامؒ میں سے آپ کی اس قبر کی حیات کا کسی نے انکار نہیں کیا اور آپ ﷺ اسی حیات سے (اسے دنیا والے بدن کے اعتبار سے دنیوی کہیں یا پردے کے باعث برزخی کہیں) قبر پر آنے والوں کا صلوٰۃ و سلام سنتے ہیں۔

ہمیں افسوس اس پر ہے کہ ہمارے مخالفین حضور ﷺ کو اس قبر مبارک میں نہ حیات دنیوی سے زندہ

---

[1] قال القاری فی شرحہ رواہ البیھقی وابن ابی حدیک وقد جماعۃ احتج بہ اصحاب الکتب الستۃ معنی قولہ بلغنا

مانتے ہیں نہ حیات برزخی سے۔ اس قبر کو وہ محض ایک گڑھا سمجھتے ہیں جس میں آپ کا بدن مبارک (معاذ اللہ) بالکل پتھر کی طرح بے جان اور بے شعور پڑا ہے۔ استغفر اللہ العظیم! جب یہ کہتے ہیں کہ ہم حیات برزخی کے قائل ہیں تو ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ آپ آسمانوں میں کسی دور کی جگہ میں برزخی حیات سے زندہ ہیں اس قبر میں آپ ﷺ کو برزخی حیات بھی ہرگز حاصل نہیں۔ ولم یقل بہ احد من السلف والخلف من علماء اہل السنۃ والجماعۃ!

شیخ محمد بن عبدالوہاب کے بیٹے امام عبداللہ کی شہادت

اور حضور ﷺ کی زندگی قبر میں برزخی زندگی ہے جو شہداء کی زندگی سے بہت اعلیٰ ہے قرآن شریف کی آیات اس پر منصوص ہیں کیونکہ حضور ﷺ شہداء سے بلاشک وریب افضل ہیں۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ جب کوئی مسلمان آنحضرت ﷺ پر (قبر پر) سلام کہے تو آپ اس کا سلام سنتے ہیں۔ (دوسرا رسالہ مذکورہ بالا ص ۶۵ مرقومہ ۱۲۸۱ھ)

اب آپ ہی کچھ غور کریں کہ یہاں قبر سے کون سی قبر مراد ہے اور آپ کا قبر مبارک کے پاس سماع کہاں مانا گیا ہے کہ آپ زائرین کے صلوۃ وسلام کو کہاں سن رہے ہیں؟

سرخیل علماء نجد شیخ محمد بن عبداللطیف کی شہادت

علماء آل شیخ میں جو مقام شیخ محمد بن عبداللطیف کا تھا اس سے اہل علم ناآشنا نہیں۔ آپ نے مسئلہ عذاب قبر اور مقام قبر بڑی وضاحت سے لکھا ہے۔

۱...... شہادت دربارہ عذاب قبر

ہم قبور کے فتنہ (آزمائش) اور اس کے عذاب اور اس میں راحت اور یہ کہ جسموں میں روحوں کو ڈالا جائے گا ایمان لاتے ہیں۔ (چوتھا رسالہ از رسائل مذکورہ ص ۱۱۹)

۲...... شہادت دربارۂ مقام قبر اور حیات قبر

آپ اپنی قبر میں زندہ ہیں لیکن برزخی حیات کے ساتھ، اور آپ کی زندگی شہداء کی زندگی سے کہیں بہتر ہے۔ اور آپ کی قبر پر جو آپ کو سلام کہتا ہے آپ سنتے ہیں۔ (چوتھا رسالہ از رسائل مذکورہ ص ۱۱۹)

برزخ کے حالات یہاں مشاہدہ میں نہیں آتے

قرآن کریم ہمیں بعض ایسے برزخی حالات کی خبر دیتا ہے جو ہمارے سامنے واقع ہوتے ہیں مگر ہمیں نظر نہیں آرہے ہوتے۔ ارشاد ہوتا ہے: "وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الظَّالِمُونَ فِي غَمَرَاتِ الْمَوْتِ وَالْمَلَائِكَةُ بَاسِطُو أَيْدِيهِمْ أَخْرِجُوا أَنفُسَكُمُ ۖ الْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُونِ" (پ ۷، الانعام آیت ۹۳)

ترجمہ: اور اگر آپ دیکھیں جب ظالم لوگ موت کی سختیوں میں گھرتے ہیں اور فرشتے اپنے ہاتھ پھیلاتے ہیں نکالو اپنی جانیں آج تمہیں خواری کا عذاب دیا جائے گا۔

فرشتوں کی ایک یہ بات بھی قرآن کریم نے نقل کی ہے: "يَضْرِبُونَ وُجُوهَهُمْ وَأَدْبَارَهُمْ"

(پ ۱۰، الانفال آیت ۵۰)

ترجمہ: فرشتے بیٹھتے ہیں ان کے چہروں پر اور ان کی پیٹھ پر۔

فرشتوں کا جو معاملہ اس مرنے والے سے ہو رہا ہے اس سے اس کے برزخ کا آغاز ہو چکا اسے اب وہ دیکھ بھی رہا ہے اور چھو بھی رہا ہے مگر پاس بیٹھنے والوں کو وہ فرشتے نظر نہیں آرہے۔ مرنے والا اس وقت دنیا اور آخرت کے درمیان ہے۔ اس وقت ہر نیک و بد فرشتوں کو دیکھتا ہے مگر دوسروں سے وہ پردے میں ہوتے ہیں۔

ہاں! اللہ کے کچھ نیک بندے ایسے بھی ہیں جو اس دنیا میں رہتے ہوئے بھی ملاء اعلیٰ اور عالم بالا سے آشنا ہوتے ہیں۔ فرشتوں کا ان کے ہاں آنا جانا ہوتا ہے۔ عالم ناسوت (انسانوں کی دنیا) اور عالم ملکوت (فرشتوں کا جہاں) کے درمیان گو برزخ کا پردہ نہیں لیکن ایک حجاب ضرور ہے جو کبھی اٹھ بھی جاتا ہے آنحضرت ﷺ نے ایک دفعہ کہیں مدینہ میں بیٹھے ملاء اعلیٰ میں فرشتوں کا اختصام سنا۔ آپ کے سامنے اس وقت تمام جہان روشن ہو گیا تھا۔

عالم بالا اور کرۂ ارضی کے حجابات اور ارتباطات

ہم اہل زمین ملاء اعلیٰ سے پردے میں ہیں۔ فرشتوں کی آمد یہاں زمین پر ہوتی ہے مگر ہمارا وہاں آنا جانا نہیں ہوتا۔ ہم جب تک اس دنیوی زندگی میں ہیں ہم سے فرشتے حجاب میں رہتے ہیں۔ وہ یہاں بھی آجائیں تو جب تک اذنِ الٰہی نہ ہو ہم انہیں دیکھ نہیں سکتے۔

سوال یہ ہے کہ انبیاء کرام ﷩ اور اونچے درجے کے اولیاء﷭ کیا وہ بھی ملاء اعلیٰ سے اسی پردے میں ہیں؟ نہیں! ان سے اللہ تعالیٰ نے بارہا یہ پردے ہٹائے بھی ہیں۔ انہیں اس ملاء اعلیٰ سے ایک خاص انس اور ارتباط ہو جاتا ہے۔ ملائکہ یہاں اتر کر بھی ان سے مل جاتے ہیں جب اللہ تعالیٰ چاہیں زمین پر بھی کبھی ملاء اعلیٰ کی سیر و سیاحت ہوتی رہتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس﷠ کہتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ”لاتدخل الملئکۃ بیتا فیہ کلب و لا صورۃ یرید صورۃ التماثیل التی فیھا الأرواح“　　(صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۷۰)

ترجمہ: فرشتے اس گھر میں نہیں آتے جس میں کتا ہو یا کوئی تصویر ہو۔ تصویر سے آپ کی مراد ذوی الارواح کی تصاویر ہیں جن میں روح ہو۔

حضرت عائشہ صدیقہ﷞ کہتی ہیں ایک دفعہ حضرت جبریل ﷤ دروازے پر کھڑے رہے اور اندر نہ آئے۔ آپ نے آہٹ سنی تو باہر نکلے: ”فخرج النبی ﷺ فاذا ھو بجبریل قائم علی الباب فقال ما منعک ان تدخل قال ان فی البیت کلبا و انا لاندخل بیتا فیہ کلب و لا صورۃ“　　(سنن ابن ماجہ ص ۲۶۰)

ترجمہ: آنحضرت ﷺ کیا دیکھتے ہیں کہ جبریل ﷤ دروازے پر کھڑے ہیں آپ نے کہا آپ کو گھر آنے سے کس چیز نے روکا ہے انہوں نے کہا گھر میں ایک کتا ہے اور ہم اس گھر میں نہیں آتے جس میں کتا یا تصویر ہو۔

ام المومنین حضرت عائشہ﷞ کہتی ہیں کہ جب حضور ﷺ محاذ خندق سے واپس آئے، ہتھیار اتارے اور غسل فرمایا تو آپ ﷺ کے پاس جبریل آئے اور کہا۔

”اتاہ جبریل فقال قد وضعت السلاح واللہ ما وضعناہ اخرج الیھم قال فالی این قال ھھنا و اشار الی بنی قریظۃ فخرج النبی ﷺ الیھم“　　(صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۹۰)

ترجمہ: آپ کے پاس جبریل آئے اور کہا آپ نے ہتھیار اتار دیئے ہیں بخدا ہم نے تو نہیں اتارے آپ ان کی طرف چلیں۔ آپ ﷺ نے کہا کدھر؟ حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا ادھر اور بنو قریظہ کی طرف اشارہ کیا۔ اس پر نبی کریم ﷺ ادھر ہوئے۔

انبیاء کے سوا دوسرے کاملین کے لئے بھی فرشتوں کی یہ رویت ممکن ہے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ کہتے ہیں کہ میں نے جنگ احد کے دن حضور ﷺ کے دائیں بائیں دو شخص دیکھے جن کے کپڑے سفید تھے: "رایت یوم احد عن یمین رسول الله ﷺ و عن یسارہ رجلین علیهما ثیاب بیض یقاتلان عنه کاشد القتال ما رأیتهما قبل ولا بعد" (ایضاً ج ۲ ص ۵۸۰، صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۵۲)

ترجمہ: میں نے جنگ احد کے دن آنحضرت ﷺ کے دائیں اور بائیں دو شخصوں کو دیکھا جن کے کپڑے سفید تھے اور وہ آنحضرت ﷺ کی طرف سے سخت جنگ لڑ رہے تھے میں نے نہ انہیں کبھی ان سے پہلے دیکھا نہ بعد میں۔

حضرت مولانا مفتی شفیع فرماتے ہیں: "فرشتہ اپنی اصل ہیئت و صورت میں سامنے آ جائے تو اس کی ہیبت کو کوئی انسان برداشت نہیں کر سکتا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ فرشتہ انسان کی شکل میں آئے جیسے جبریل امین نبی کریم ﷺ کے پاس بہت مرتبہ بشکل انسانی آئے۔" (معارف ج ۳ ص ۲۸۷)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ لکھتے ہیں: "وانهم قد یظهرون لافاضل الادمیین فیبشرونهم وینذرونهم" (حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ ص ۳۰۹)

ترجمہ: اور فرشتے اس زمین پر اونچے درجے کے لوگوں کے لئے کبھی ظاہر بھی ہو جاتے ہیں اور انہیں بشارات اور نذرات بھی دیتے ہیں۔

ایک اور جگہ پھر لکھتے ہیں: "وأن لهم اجتماعات کیف شاء الله وحیث شاء الله" (ایضاً ص ۵۹)

ترجمہ: اور ان کے لوگوں سے کبھی اجتماعات بھی ہو جاتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ چاہے اور جہاں چاہے۔

یہ سب آمد اور ظہور کسی دوسری شکل میں ہوتا ہے اصل شکل میں وہ دکھائی دیں تو پھر حجت تمام ہو جاتی ہے اور انکار پر فوراً عذاب اترتا ہے۔ اس لئے الٰہی حکمت مقتضی ہوئی کہ خدا کا پیغام انسانوں پر اترے اور فرشتے بھی نازل ہوں تو انسانی ادا میں: "وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ. وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ" (پ ۷، الانعام آیت ۹)

ترجمہ: اور کہا انہوں نے کیوں نہیں اترا اس پر کوئی فرشتہ اور اگر ہم فرشتہ اتارتے تو اسی وقت قصہ طے ہو جاتا۔ پھر وہ مہلت نہ پا سکتے اور اگر ہم فرشتے کو بھی بھیجتے تو بھی انسانی شکل میں بھیجتے۔ تو ہم ان کو شبہ میں ہی رکھتے جس شبہ میں وہ اب پڑے ہوئے ہیں۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں: "اگر فرشتہ اپنی اصلی صورت میں آئے تو یہ لوگ ایک منٹ کے لئے بھی اس کا تحمل نہ کر سکیں۔ اس کے رعب و ہیبت سے دم نکل جائے۔ یہ صرف انبیاء علیہم السلام کا ہی ظرف ہوتا ہے جو اصل صورت میں فرشتہ کی رویت کا تحمل کر سکیں۔ نبی کریم ﷺ نے عمر بھر میں دو مرتبہ حضرت جبریل علیہ السلام کو اپنی اصلی صورت میں دیکھا ہے اور کسی نبی کی نسبت ایک مرتبہ بھی ثابت نہیں۔" (تفسیر عثمانی ص ۱۶۶)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا ظرف طبعی دوسرے عام انسانوں کا سا نہ تھا۔ آپ میں اتنی روحانی قوت تھی کہ فرشتوں کو ان کی اصلی ہیئت میں دیکھنے کے متحمل تھے۔ یہاں رہتے ہوئے ملاء اعلیٰ سے یہ مناسبت ہو جائے تو پھر یہ تسلیم کرنے میں کیا رکاوٹ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دنیوی حیات میں آپ ﷺ پر ملاء اعلیٰ کے کچھ جلوے بھی اتارے تھے۔ سو اگر کوئی یہ سمجھ جائے کہ جب آپ خود عالم برزخ میں پہنچے تو وہاں بھی یہ دو جہانوں کا ارتباط قائم رہا اور وہاں آپ کا یہی دنیوی بدن جسد اطہر ایک برزخی پیرائے میں قائز حیات ہوا تو اس میں کیا شرعی استحالہ لازم آتا ہے۔

آپ ﷺ کے برزخ کو دوسرے عام انسانوں کے برزخ کے درجہ میں لانا یہ کونسا علم و دانش کا تقاضا ہے؟ یہ کہتے ہیں یہ مثلیت فی البشریت کا تقاضا ہے۔ ہم پوچھتے ہیں یوحی الی کے بھی تو آخر کچھ مقتضیات ہیں یا نہیں؟ وکفی باللہ شھیدا برزخ کے بعد عالم آخرت ہے اور یہ بھی نبی پاک ﷺ کا ان کی اپنی شان کے مطابق ہے۔

ان چار جہانوں کے سوا کیا کوئی اور جہان بھی ہے

یہ چار جہانوں کا بیان تھا۔ ان کے سوا ایک اور جہان ہے جو رہنے کی جگہ نہیں صرف دیکھنے کی چیز ہے۔ اس میں حقائق و معانی حسب حال مختلف صورتوں میں دکھائی دیتے ہیں اور نادیدہ حقیقتیں دیدہ بن جاتی ہیں اسے عالم مثال کہتے ہیں۔

عالم مثال

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے بہت سی احادیث سے استنباط کر کے ایک ایسے عالم کا پتہ دیا ہے، جو عالم ارواح کے سوا حیات انسانی کے باقی ادوار میں انسان کے ساتھ متوازی چلتا ہے، یہ عالم عنصری نہیں اسے عالم مثال[1] کہتے ہیں۔

"دلت احادیث کثیرۃ علی ان فی الوجود عالما غیر عنصری یتمثل فیہ المعانی باجسام مناسبۃ لھا فی الصفۃ" (حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۴ مصر)

<u>ترجمہ</u>: بہت سی احادیث دلالت کرتی ہیں کہ ایک اور جہان موجود ہے جو عنصری نہیں۔ اس میں معانی صفات اور اعراض اس اس صورت اجسام میں متمثل ہوتے ہیں جو صفات میں ان کے مناسب ہو۔

یہ گویا ایک صاف پانی کی غیر محدود نہر یا شیشہ ہے جس میں عالم شہادت کی وہ چیزیں جو جاندار یا مجسم body materia l نہیں ہیں۔ اپنی مناسب اور موزوں شکلوں modes میں جاندار اور مجسم ہو کر نظر آتی ہیں مثلاً نیکی virtue جو ایک مرئی visible چیز نہیں، ایک حسین جمیل شخص کی شکل میں بدی، evil ایک کریہہ المنظر صورت میں، ایمان آفتاب بن کر، علم دریا کے طور پر جلوہ گر ہوتا ہے۔ یہ حقائق و معانی ہیں جو مختلف صورتوں کا لباس پہن رہے ہیں۔ یہ عالم مثال کی شکلیں اور تصویریں ہیں۔

---

[1] سورۃ بقرہ اور سورۃ آل عمران کا قیامت کے دن آنا، اعمال کا جو اعراض ہیں مجسد ہونا، دنیا کا بوڑھی عورت کی شکل میں آنا، موت کا مینڈھے کی شکل میں ظاہر ہونا وغیرہ وغیرہ اسی کی مثالیں ہیں۔

یہ معانی کی تصویریں ہیں۔ اس جہان میں بھی اگلے جہان کے حقائق کی تصویریں بھی ملتی ہیں۔ حضور ﷺ کا یہ کہنا کہ "صورت لی الجنة والنار" (صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۴۱) اسی قبیل سے ہے۔ جنت وجہنم اپنی جگہ محسوس حقیقتیں ہیں۔ یہ کوئی معانی کا اجتماع نہیں ہے۔

عالم مثال کا لفظ معانی کی تصویروں کے لئے بھی آتا ہے اور حقائق کی تصویروں کے لئے بھی لیکن صرف ان حقیقتوں کے لئے جو اس جہان سے اس جہان میں جلوہ ریز ہوں۔ جیسے کہ جنت دوزخ جو حضور ﷺ کو یہاں دکھائی گئی یا حضرت جبرئیل ؑ جو ملاء اعلیٰ سے اس جہان میں دحیہ کلبی کی صورت میں ظاہر ہوتے رہے۔

ہاں اس جہان میں چیزوں کی شکلیں بدلیں جیسے لاٹھی کا سانپ بن جانا، آگ کا باغ بن جانا تو یہ عالم مثال کی باتیں نہیں۔ معجزات میں حقیقت بدلتی ہے اور یہ فعل خداوندی سے وجود میں آتے ہیں۔

حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ خلیفہ ارشد حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ عالم مثال کو عالم غیب اور عالم شہادت کی ایک برزخی منزل بتاتے ہیں۔ ان کے ہاں یہ عالم ملکوت اور عالم جسمانیات کے درمیان ایک تیسری منزل کا نام ہے۔ یہ برزخ اس برزخ سے جدا ہے جو عالم دنیا اور آخرت کے مابین ہے۔ ان میں سے ہر ایک کے اپنے حالات ہیں اور ہر ایک کا اپنا مقام ہے حضرت سید صاحب اس بحث کو سمیٹتے ہوئے لکھتے ہیں: "اس عالم کا مستقل وجود ہو یا نہ، مگر اس میں شک نہیں کہ قرآن پاک اور احادیث صحیحہ میں ایسے واقعات، حالات، مشاہدات اور کیفیات مذکور ہیں جن کی تشریح اس عالم میں بخوبی کی جاسکتی ہے۔" (سیرت النبی ج ۳ ص ۷۷۰)

معراج کی رات حضور ﷺ نے عالم برزخ کے مسافروں کو عالم مثال میں دیکھا جیسا کہ بیضاوی کی رائے ہے یا ہوسکتا ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ واقعی اصل اجسام تھے جو بقدرت الٰہیہ وہاں لا جمع کئے گئے تھے۔ ان میں کوئی بات ہو اس میں شرک کی کوئی آلائش نہیں ہے جہاں علماء کا اختلاف ہے وہاں ہر پہلو کا ایک احترام ہے۔ جو علماء وہاں اسے اصل اجساد کی حاضری اور قدرت خداوندی کا جلوہ نہیں ایک لائق استہزاء منظر سمجھتے ہیں وہ اللہ رب العزت کی پکڑ سے ڈریں[۲]۔

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد   میلش اندر طعنہ پاکاں برد

ہاں آپ ﷺ نے اس رات جو غیبت کرنے والوں کو انسانی گوشت کھاتے دیکھا یا دیکھا کہ لوگ سامنے رکھا اچھا صاف ستھرا گوشت نہیں کھا رہے اور گندہ اور بدبودار گوشت کھا رہے ہیں یا کچھ ایسے لوگ دیکھے جن کے ہونٹ اونٹ کے سے تھے اور ان میں آگ ڈالی جارہی تھی۔ یا زانیہ عورتیں دیکھیں جو چھاتیوں کے بل لٹکی تھیں۔ یہ سب واقعات[۱] بے شک ان اشخاص واعمال کی مثالی صورتیں تھیں لیکن اس میں شک نہیں کہ دیکھنے والے کی نظر عالم مثال کی نہیں اس دنیا کی تھی جس نے ابھی موت کو نہ دیکھا تھا اور یہ خدا کا نشان اور اس کا جلوہ تھا کہ عالم دنیا اور عالم برزخ اس رات مل رہے تھے۔ لِنُرِيَهُ مِنْ آيَاتِنَا إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ کی شان ظاہر ہو رہی تھی۔

۱۔ وتمثل الانبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام لہ (تفسیر بیضاوی ص ۲۸۳ مصر)

مثل النبیون لصلیت بہم (تفسیر مظہری)

۲۔ ان کی تفصیل تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۱۲ میں دیکھئے۔

باقی انبیاء کو درمیانی حیثیت میں رکھئے ہو سکتا ہے اجساد اصلیہ ہوں اور ہو سکتا ہے مثالی صورتیں ہوں اور ان میں سے ہر ایک طرف علماء کی ایک جماعت موجود ہے لیکن یہ قول کسی کا نہیں کہ حضور ﷺ اس سیر برزخی میں اپنے اصل جسد کے ساتھ نہ تھے۔ یہ جسد اس برزخی سیر میں روح کی لطافت میں تھا تو اب وہ جسد عالم برزخ میں کیوں روح کے حکم میں نہیں، معاذ اللہ بے جان و بے حس پڑا ہے؟ استغفر اللہ!

حضرت شاہ ولی اللہؒ کا مسلک

حضرت شاہ ولی اللہؒ کے ہاں یہ ایک عالم برزخ کی سیر تھی۔ جہاں آپ ﷺ کے جسد اطہر پر روح کے خواص طاری کئے گئے اور معانی و واقعات آپ کو مختلف اشکال وصور میں مشاہدہ کرائے گئے آپ نے متعدد حقائق ومعانی اور مجرمین و منعمین کو مختلف اشکال وصور میں دیکھا۔ لیکن یہ سونی صد حقیقت ہے کہ آپ خود اس سیر برزخی میں اپنے اصلی جسد اطہر کے ساتھ تھے اور وہ جسد اطہر اس برزخی سیر میں روح کے حکم میں تھا اور جس طرح روح پرواز کرتی ہے آپ آن کی آن میں پہلے آسمان پر تھے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں: ''کل ذلک لجسدہ ﷺ فی الیقظۃ ولکن ذلک فی مواطن ھو برزخ بین المثال والشھادۃ جامع لاحکامھما فظھر علی الجسد احکام الروح'' (حجۃ اللہ البالغہ ج۲، ص۲۰۶)

ترجمہ: آپ کا یہ سارا سفر معراج جاگتے ہوئے آپ کے جسد اطہر کے ساتھ تھا لیکن یہ ان مقامات میں تھا جو عالم شہادت (اس کھلی دنیا) اور عالم مثال کے مابین ایک برزخی درجہ کے ہیں۔ اس میں عالم شہادت اور عالم مثال دونوں جمع تھے اور جسد اطہر پر روح کے احکام ظاہر ہوئے تھے۔

آپ کی یہ سیر معراج بتلاتی ہے کہ مکہ مکرمہ میں یہ جسد اطہر کس درجہ لطافت پا چکا تھا اور کہاں کہاں جا چکا تھا۔ جہاں جاتے جبریل کے نوری پر جلتے تھے۔ یہ خاکی جسد اطہر اس سرحد کو ایک آن میں پار کر گیا۔ اب وہ جسد اطہر جب مدینہ میں مختفی ہوا، یہاں کی آنکھوں سے پردے میں ہوا تو اب اس میں کوئی لطافت اور جلاء نہیں کہ روح اقدس کے تعلق سے فائز حیات ہو وہ تا قیامت قبر میں بے جان وحس پڑا رہے گا اللہ تعالیٰ نے کیا اس کے لئے وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى کی بشارت نہ دی تھی کہ ہر بعد کی منزل آپ کے لئے پہلے سے بہتر ہوگی۔

ہم نے اس تمہید میں عالم ارواح، عالم دنیا، عالم برزخ اور عالم آخرت کا کچھ مختصر تعارف عرض کیا ہے۔ عالم مثال کی کچھ تفصیل بھی عرض کر دی ہے۔ عالم مثال کے دو پہلوؤں میں سے دوسرا پہلو بے شک علماء کے ہاں ملتا ہے۔ لیکن پہلا پہلو ان کے ہاں عالم ارواح کا ایک جلوہ ہے وہ اسے عالم ارواح کے کھاتے میں اور دوسرے پہلو کو برزخ کے کھاتے میں ڈالتے ہیں۔ گویا ان کے ہاں یہ کوئی مقام نہیں لیکن یہ نہ سمجھا جائے کہ انہیں ان حقیقتوں سے انکار ہے جو ہم اوپر ذکر کر آئے ہیں۔

حضرت مولانا انور شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: ''اما عند علماء الشرع فلیس ھنالک الا العالمان عالم الارواح وعالم الاجساد وقد یخطر بالبال ان ماسماہ الصوفیۃ عالم المثال ھو الذی سماہ اھل الشرع عالم البرزخ ولم یبق فرق الا فی التسمیۃ واما ماسماہ الصوفیۃ الارواح المجردۃ فلم یبحث عنہ العلماء''

(فیض الباری)

ترجمہ: لیکن علماء شرع کے ہاں یہاں دو ہی جہان ہیں۔ عالم ارواح اور عالم اجساد ہاں کبھی دل میں یہ بات گزرتی ہے کہ صوفیہ جس کا نام عالم مثال رکھتے ہیں یہ وہی نہ ہو جس کا نام علماء شرع عالم برزخ رکھتے ہیں اس صورت میں فرق صرف نام کا رہ جائے گا۔ اور صوفیہ جس کا نام ارواح مجردہ رکھتے ہیں علماء شرع نے اس سے بحث نہیں کی۔

اسلام میں ابدان مثالیہ کا تصور

جو مہربان کوائف برزخیہ کو اس قبر کے احوال نہیں مانتے اور قبر کی نشاندہی عالم غیب کی کسی چھپی وادی سے کرتے ہیں انہیں مشکل یہ پیش آتی ہے کہ وہاں میت کو لے جائیں کیسے؟ میت تو اس قبر میں دفن ہے جسے یہ لوگ قبر ہی نہیں جانتے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ (۱۲۳۹ھ) لکھتے ہیں: "دفن کرنے میں اجزاء بدن کے اپنے مقام پر سب کے سب اپنے حال پر برقرار رہتے ہیں تو روح کا علاقہ بدن سے از راہ نظر وعنایت بحال رہتا ہے۔ بدن کا مقام معین ہونے سے گویا روح کا مقام بھی معین ہے۔" (تفسیر عزیزی پ ۳۰، ص ۷۹)

اس قبر کو قبر نہ ماننے والے عذاب قبر کے لئے اب کسی اور بدن کی تلاش میں نکلے جو اس دور کی قبر میں پہنچ کر عذاب وصول کر سکے۔ اب انہیں اس بدن مثالی سے یہ عقیدہ اختیار کرنا پڑا کہ یہ دور کا بدن اس دور کی جگہ میں عذاب پا رہا ہے اور جس جسم نے گناہ اور جرم کئے تھے وہ قیامت تک قبر میں بے حس و حرکت عذاب سے محفوظ پڑا ہے۔ یہ عجیب عقیدہ ہے جو قبروں پر ہونے والے شرک کو روکنے کے لئے ان لوگوں نے بنا رکھا ہے اس کے بغیر اشاعت توحید و سنت ہو ہی نہیں سکتی۔

یہ عقیدہ انہوں نے قرآن و حدیث سے لیا ہے یا صوفیوں سے، آپ ان سے تحقیق کریں ہم صرف یہ کہیں گے کہ قرآن و حدیث میں ہمیں یہ مثالی دنیا کہیں نہیں ملی۔ شریعت میں عالم ارواح اور عالم اجساد کے وراء ہمیں کسی مثالی دنیا کا پتہ نہیں ملا۔ مثالی صورتیں تو ملیں، لیکن مثالی ابدان ہم کہیں دیکھ نہ پائے معراج کی رات آپ نے جو کچھ ابدان کو ہوتے دیکھا وہ ابدان معذبہ کی مثالی صورتیں تھیں۔ اصل عذاب قبر اصلی (وہ ایک جگہ ہو یا متعدد ذرات میں منقسم) کو ہو رہا تھا۔

علمائے شریعت کے ہاں جیسا کہ حضرت شاہ صاحبؒ کی رائے آپ مطالعہ کر چکے ایسے بدن مثالی کا کوئی تصور نہیں جو عذاب پانے کے لئے بنایا گیا ہو۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے جو عالم مثال کا پتہ دیا ہے۔ وہ اپنے کشف سے دیا ہے حضرات صوفیہ کرامؒ کے ان نظریات کی بنیاد ان کے مشاہدات ہیں۔ انہیں اپنی جگہ رکھتے ہوئے ہمیں اپنے عقائد کتاب و سنت سے لینے چاہئیں کرامیہ اور اہل سنت میں یہ بحث تو چلی کہ عذاب برزخ صرف روح پر ہے یا روح اور بدن دونوں پر لیکن یہ بحث خیر القرون میں کہیں نہیں ملتی کہ کسی نے عذاب قبر کے لئے کوئی مثالی بدن تلاش کیا ہو اور اس جسد عنصری کو نہایت احتیاط سے بچا لیا ہو۔

سنا ہے ہمارے یہ کرم فرما حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مثال پیش کرتے ہیں کہ وہاں عدالت کی سزا ایک مثالی بدن پر وارد کی گئی اور اصل بدن عنصری کو اللہ تعالیٰ نے نہایت احتیاط سے محفوظ کر لیا۔ یہ جواب "عذر گناہ بدتر از گناہ" ہے۔

تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم

جن لوگوں نے یہ سمجھا کہ عذاب قبر کی طرح نعیم قبر بھی مثالی جسموں سے متعلق ہے۔ وہ شہداء کرام کی حیات برزخی کو پرندوں کو صورت میں لے آئے اور انہوں نے اتنا بھی نہ سوچا کہ مثالی بدن کسے کہتے ہیں اور یہ کہ پرندے کن کی مثالی صورت ہیں؟ انسانوں کی؟ مثالی بدن تو وہ ہے جو اصل بدن جیسا ہو اور اس کی مثال ہو روح متجسد ہو تو یہ وہی شکل اختیار کرے گی جو اصل جسم کی ہو پرندوں کو اجساد مثالی کہنا یہ کون سا علم کلام ہے۔

روح اس شکل میں متجسد ہو تو یہ عالم ارواح کی ایک صورت ہو گی کوئی علیحدہ عالم مثال نہ ہو گا اور پھر یہ بھی ضروری نہیں کہ روح ایک ہی صورت میں متجسد ہو، اس کی متعدد صورتیں بھی ہو سکتی ہیں۔ یہ متعدد صورتیں صور مثالی ہوں گی، اجسام مثالی نہ ہوں گے جیسا کہ وہم کر لیا گیا ہے۔ بعض اولیاءؒ جو کبھی کئی صورتوں میں دیکھے گئے وہ محض ان کی مثالی صورتیں تھیں۔ یہ کوئی مثالی اجسام نہ تھے۔

یہ مشاہدات اور عجائب و کوائف اپنی جگہ، لیکن ظاہر ہے کہ عقائد کی اساس صوفیہ کے یہ مشاہدات نہیں ہو سکتے۔ صوفیہ کو محققین ہی ہوں عقائد کی اساس نہیں بن سکتے۔ عقائد کی بناء دلائل قطعیہ پر ہونی چاہئے۔ صوفیوں کے مشاہدات پر نہیں۔ اور مسائل کی بناء بھی مجتہدین کے فیصلوں پر ہونی چاہئے نہ کہ صوفیوں کے اقوال پر حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ (۱۰۳۴ھ) لکھتے ہیں: ''صوفیہ کا عمل حلت و حرمت میں سند نہیں ہے ہمیں اتنا کافی ہے کہ ہم ان کو معذور سمجھیں اور ملامت نہ کریں اس میں امام ابوحنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ، اور امام محمدؒ، کے قول کا اعتبار ہے نہ کہ ابوبکر شبلیؒ اور ابوالحسن نوریؒ کے عمل کا۔ اس زمانہ کے کچے صوفیوں نے اپنے پیروں کے عمل کو بہانہ بنا کر رقص و سرود دین و ملت میں داخل کر لیا ہے اور اس کو نیکی اور عبادت سمجھتے ہیں۔'' (مکتوبات حضرت امام ربانی دفتر اول ص ۲۰۲)

اس بحث کا حاصل یہ ہے کہ قبر، میت، روح، جسد، الم، راحت اور ادراک کے وہ اطلاقات جو کتاب و سنت میں ملتے ہیں، انہیں چھوڑ کر اور ان کے ظاہری معنوں سے منہ موڑ کر عقائد کی بناء صوفیہ کے مشاہدات اور ابدان مثالیہ پر رکھنا اور اشاعت توحید و سنت اسے ہی سمجھنا کہ عالم برزخ کا عذاب و ثواب کسی مثالی جسد کو گھیرے میں لئے ہوئے ہے کوئی صحیح علمی موقف نہیں۔ کرے کوئی اور بھرے کوئی یہ بات کہیں قرین عقل نہیں۔

صوفیہ نے جو دیکھا ضروری نہیں کہ اسے صحیح سمجھا ہو

صرف انبیاء کرام علیہم السلام ہیں جن کا خواب بھی وحی ہے۔ ان کے فہم پر خدا کی حفاظت کا سایہ ہوتا ہے جو ان کی خطا اور بقاء علی الخطاء سے حفاظت کرتا ہے مجتہد کی یہ شان نہیں کہ اس کی خطاء سے حفاظت موعود ہو۔ جب وہ گہرائی میں اترتا ہے تو بات کبھی درست بیٹھتی ہے اور کبھی خطا۔ عارف کشف سے دیکھتا ہے یا غیب کے پردے میں جھانکتا ہے تو ضروری نہیں کہ وہ بات کو صحیح پالے۔ کیا مشاہدے اور ادراک میں کبھی غلطی نہیں ہو سکتی؟

عارف جامیؒ لکھتے ہیں انسان جو روح اور بدن کا مجموعہ ہے۔ اس کے دنیا اور برزخ کے حالات مختلف ہیں۔ یہاں بدن کے احکام غالب ہیں روح اس کے ضمن میں متاثر ہوتی ہے۔ وہاں روح احکام غالب ہیں اور بدن اس کے ضمن میں متاثر ہوتا ہے۔ اس مشاہدے میں عذاب روح پر اترتا ہے اور بدن اس سے متاثر ہوتا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ وہاں عذاب کے جھونکے یا راحت کی لہریں پہلے روح پر ہی اتریں اور چونکہ جسم اس کے لئے بمنزلہ آلہ ہے اس لئے وہ بدن پر آ کر رہیں گی اور یہ قول صحیح قرار پائے گا کہ قبر کی واردات روح اور بدن دونوں پر ہوتی ہیں سو

کسی عارف نے پہلی منزل مشاہدہ کی اور بتایا کہ عذاب روح کو ہو رہا ہے، تو ہمارے یہ کرم فرما چڑھ دوڑے کہ دیکھو کرامیہ کی بات درست نکلی۔ عزیزان گرامی اس صورت حال میں بدن کے ادراک کی نفی نہیں ہے۔ بات صرف یہ ہے کہ عذاب روح پر اتر رہا ہے اور اس کے تعلق سے بدن متالم ہو رہا ہے یہی روح و بدن کا عذاب قبر ہے۔

اگر روح خود مثالی صورت میں یا کسی پرندے کی صورت میں متجسد ہو اور اس پر عذاب یا راحت اترے (گو اس کے ضمن میں بدن اصلی بھی عذاب و راحت کا ادراک کرے) اور وہ عارف کہہ دے کہ عذاب اس جسد برزخی کو ہو رہا ہے تو اس میں شریعت کی کسی بات سے ٹکراؤ نہیں ہے۔

ہمیں اپنے کرم فرماؤں سے یہ گلہ نہیں کہ وہ صوفیہ کرام کے ان مشاہدات کی خبر کیوں دیتے ہیں۔ ہمارا شکوہ صرف یہ ہے کہ بزرگوں کے ان مشاہدات کو قرآن وحدیث کے کھلے اطلاقات کے انکار کا زینہ نہ بنائیں۔

مسئلہ عذاب قبر کی اساسی حیثیت

عذاب قبر کا مسئلہ اہل السنۃ کے اساسی عقائد میں سے ہے کتب حدیث اور عقائد کی کتابوں میں اس کے باب بندھے ہیں جمہور اہل سنت اس میں روح و بدن دونوں کے الم و راحت کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ کوئی عود روح نہ بھی مانے، تعلق روح مان لے عذاب و راحت دونوں پر جانے تو وہ ہمارے ہاں منکرین عذاب قبر میں سے نہیں ہے بدن یک جانہ ہو ذرات منتشرہ میں منقسم ہو اور ان پر ایک باریک رابطے سے عذاب اترنا مانے تو اسے بھی منکرین عذاب قبر میں سے نہ جانا جائے۔ بدن کا یکجا ہونا ہمارے ہاں اس کے لئے شرط نہیں ہے۔

لیکن اگر وہ ان تمام کیفیات کو اصل بدن سے بالکل لاتعلق کر دیں اور سارا عذاب کسی اور بدن پر ڈال دیں تو پھر آپ ہی فیصلہ کریں کہ انہیں اہل سنت میں شمار ہونے کا کیا حق باقی رہ گیا ہے۔ ہم کہیں گے تو شکایت ہوگی۔ محض ضد و عناد سے معتزلہ، کرامیہ، شیعہ اور ظاہریہ کے دامنوں میں پناہ لینا اور قرآن وحدیث کے مقابلے میں صوفیوں کے مشاہدات سے تمسک کرنا سخت ناعاقبت اندیشی ہے۔

انکار عذاب قبر کی ضرورت کیوں پڑی؟

کرامیہ کا اصل اختلاف حیات النبی کے موضوع پر تھا۔ وہ حضور ﷺ کو بعد وفات حقیقی نبی نہ مانتے تھے۔ آپ ﷺ کی حکمی رسالت کے قائل تھے۔ اس مہم کو سر کرنے کے لئے انہیں ابتداء سے روح و بدن کی لاتعلقی کی ضرورت تھی، عذاب قبر میں وہ صرف روح کے عذاب کے قائل ہوئے شہداء کی حیات مانی تو صرف پرندوں کے قالب میں الغرض اس موضوع کا جہاں تک پھیلاؤ تھا یہ لوگ عقیدہ اہل سنت کی تمام کڑیوں کو ایک ایک کرکے توڑتے گئے۔

ہمارے عہد میں بھی اختلاف عقیدہ حیات النبی ﷺ سے شروع ہوا۔ یہ حضرات ابتداء میں عذاب قبر کے منکر نہ تھے۔ لیکن مسئلہ جب اطراف و جوانب میں پھیلا تو انہیں بھی عذاب قبر میں معتزلہ کے ساتھ جانا پڑا۔

آپس میں یہ کہتے ہیں کہ اگر ہم عامہ اموات میں کسی درجے کی حیات کا اقرار کرلیں تو پھر ہمیں شہداء کی بھی حیات جسمانی کا اقرار کرنا پڑے گا۔ اس لئے ہم ابتداء سے ہی انکار ضروری سمجھتے ہیں کہ عامہ اموات کے لئے عذاب قبر روح و بدن کے تعلق سے نہیں ہے۔ یہ اس لئے کہ ہمیں انتہا میں حضور ﷺ کی حیات فی القبر کا کسی درجے میں اقرار نہ کرنا پڑے۔

جب کسی نے گڑھے میں گرنے کی ہی نیت کر رکھی ہو تو اسے کون روک سکتا ہے اختلاف ہو تو حل ہو سکتا ہے ضد اور عناد کا کوئی علاج نہیں۔ یہ گر اسی جس ترتیب سے اٹھی ہے ہم چاہتے ہیں کہ ہم بھی اسی ترتیب سے چلیں۔ پہلے اسلام کے عقیدہ برزخ پر کچھ بحث ہو جائے اس کے ضمن میں مسئلہ عذاب قبر پر کچھ بحث ہو جائے۔ پھر حیات الشہداء پر کچھ بحث ہو جائے۔ اور آخر میں مسئلہ حیات انبیاء ﷺ پر عقائد اہل السنۃ والجماعۃ کی روشنی میں حق بات کہہ دی جائے۔

ہم نے حق بات کہنی تھی کہہ دی۔ اب اسے دلوں میں اتارنا یہ ہمارے بس کی بات نہیں، دل اللہ رب العزت کی دو انگلیوں کے درمیان ہیں۔ جس طرح وہ چاہتا ہے وہ انہیں پھیرتا ہے۔

احباب سے گزارش ہے کہ وہ ہماری معروضات کو ضد و عناد اور تعصب کی عینک اتار کر پڑھیں۔ ان شاء اللہ بہت سے بیمار دلوں کو شفا ہو گی۔ وھو المستعان وعلیہ التکلان۔ یاقوم ألیس منکم رجل رشید!

عالم ارواح، عالم دنیا، عالم برزخ، عالم آخرت اور عالم امثال کے حالات اور ان کی صفات آپ کے سامنے ہیں ان میں عالم برزخ میں قبر کے الم ولذت کی کیفیت اور اس کا ادراک اس چھپے جہان (برزخ) کا سب سے بڑا نازک مسئلہ ہے۔ اس کھلے جہان میں ہم اس پر ایمان لانے کے تو مکلف ہیں۔ کیونکہ قرآن پاک اور احادیث میں اسے ان مختلف پیرایوں میں بیان کیا گیا ہے کہ ان کی قدر مشترک اسے تواتر کا درجہ دیتی ہے۔ لیکن اسے یہاں پوری طرح جان لینا ہمارے بس میں نہیں۔ تاہم اپنے قارئین کی سہولت کے لئے ہم اسے کچھ سہل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ واللہ ولی التوفیق۔

عذاب القبر

۱...... ''ثم السوال عندی یکون بالجسد مع الروح کما اشار الیہ صاحب الهدایة''

(فیض الباری مولانا السید انور شاہ صاحبؒ ج ۲ ص ۱۸۲)

ترجمہ: میرے نزدیک قبر کا سوال و جواب روح و جسد کے مجموعہ سے ہوگا اور صاحب ہدایہ نے بھی اسی طرف اشارہ کیا ہے۔

۲...... ''یصح ان یعرض علی الانسان المجموع المرکب من الجسد والروح مقعده من الجنة او النار ویحس اللذة والالم'' (مظہری ج ۱۰ ص ۲۲۵)

ترجمہ: یہ صحیح ہے کہ قبر میں جنت اور دوزخ کے ٹھکانے روح و جسد کے مجموعہ پر پیش ہوتے ہیں اور روح و جسد سے مرکب انسان ہی قبر کے لذت والم کا ادراک کرتا ہے۔

۳...... ''ولا یرد تعذیب المیت فی قبره لانه توضع فیه الحیات عند العامة بقدر ما یحس بالالم والبنیة لیست بشرط عند اهل السنة بل تجعل الحیاة فی تلک الاجزاء المتفرقة لایدر کها البصر''

(ردالمحتار شامی باب الیمین فی الضرب والقتل ج ۳، ص ۲۰۱)

ترجمہ: عذاب قبر کا انکار نہ کیا جائے، کیونکہ جمہور اہل سنت کے نزدیک میت میں اس قدر حیات رکھی جاتی ہے کہ وہ لذت والم کا ادراک کر سکے، اور جسم کا یکجا ہونا اس ادراک الم کے لئے اہل سنت کے ہاں کوئی شرط نہیں بلکہ وہ حیات اجزائے منتشرہ میں بھی اس طرح رکھی جا سکتی ہے کہ یہ ظاہری آنکھیں اسے نہ پا سکیں۔

۴ ...... "واعلم ان اهل الحق اتفقوا علی ان اللہ تعالیٰ یخلق فی المیت نوع حیاة فی القبر قدر ما یتألم أو یتلذذ" (شرح فقہ اکبر ص ۱۲۱)

ترجمہ: یہ جان لیجئے کہ اہل حق (اہل سنت) کا اس پر اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ میت میں بحالت قبر ایک اس طرح کی حیات ضرور پیدا فرما دیتے ہیں کہ وہ (معاملات قبر میں) الم یا لذت کا ادراک کر سکے۔

۵ ...... "ان مذهب سلف الأمة وائمتها ان المیت اذا مات یکون فی نعیم أو عذاب و ان ذلک یحصل لروحه وبدنه" (کتاب الروح ص ۶۳)

ترجمہ: سلف امت اور ائمہ اہل سنت کا فیصلہ یہی ہے کہ مرنے کے بعد میت کے لئے نعیم وعذاب کے معاملات برحق ہیں اور (قبر میں لذت والم کا) یہ ادراک روح وبدن کے مجموعہ کے ساتھ ہوتا ہے۔

۶ ...... "ان النعیم والعذاب لایکون الا علی الروح و ان البدن لا ینعم ولا یعذب وهذا تقوله الفلاسفة المنکرون لمعاد الابدان وهؤلاء کفار باجماع المسلمین ویقوله کثیر من اهل الکلام من المعتزلة وغیرهم الذین یقرون بمعاد الابدان لکن یقولون لا یکون ذلک فی البرزخ وانما یکون عند القیام من القبور لکن هؤلاء ینکرون عذاب البدن فی البرزخ فقط" (ایضاً ص ۶۲)

ترجمہ: قبر کا ثواب وعذاب صرف روح کو ہوتا ہے اور بدن کو اس سے کوئی تعلق نہیں، یہ ان فلاسفہ کا قول ہے، جو "معاد ابدان" کے بھی منکر ہیں اور یہ لوگ بالاجماع مسلمان نہیں۔ معتزلہ کے متکلمین کا جو "معاد ابدان" کا اقرار کرتے ہیں، ان کا بھی قبر کے ثواب وعذاب کے متعلق یہی عقیدہ ہے۔ وہ معاملہ ابدان کو صرف حشر میں تسلیم کرتے ہیں، برزخ میں اس کے قائل نہیں۔ ان معتزلہ کا عقیدہ ہے کہ عذاب قبر صرف روح سے متعلق ہے۔ بدن کو اس سے کوئی تعلق نہیں۔

۷ ...... "بدن اول را از حصول احکام برزخ چارہ نبود از عذاب وثواب قبر گزر نہ...... افسوس، ہزار افسوس، این قسم بطالاں خود را سند شیخی گرفتہ اند ومقتدائے اہل اسلام گشتہ ضلوا واضلوا" (مکتوبات امام ربانی دفتر دوم ص ۱۱۶)

ترجمہ: اس سے پہلے بدن (عنصری) پر احکام برزخ ضرور وارد ہوتے ہیں اور اس بدن اول کو عذاب قبر اور ثواب قبر کے معاملات سے ہرگز چھٹکارا نہیں۔ افسوس ہزار افسوس، ان فریب کاروں پر جو شیخ ہونے کی مسند بچھائے ہوئے ہیں مسلمانوں کے مقتداء بنتے ہیں (اور پھر ان امور کا انکار کرتے ہیں) یہ خود بھی گمراہ ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کر رہے ہیں۔

تنقیح المبحث

مختلف ادوار حیات کی تفصیل اس لئے کی گئی ہے کہ اصل موضوع جس پر پورے سواد اعظم کا اجماع ہے، مشتبہ ہو کر نہ رہ جائے۔ برزخی کیفیات کی تفصیل اس لئے ہے کہ اس دنیا والے بدن یا اس کے اجزا کو عالم برزخ میں روح سے کلی طور پر جدا نہ سمجھا جائے۔ بلکہ ہر کسی کے لئے اس کے مقام کے مطابق روح وبدن کا تعلق قائم تسلیم کیا جائے۔

جملہ اہل اسلام کا اتفاق اور اجماع ہے کہ آنحضرت ﷺ پر وفات شریفہ وارد ہوئی اور طریان موت سے كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ کا وعدہ پورا ہوا۔ آپ ﷺ کے لئے جس قسم کی وفات مقدر تھی اس کا ورود ہوا، اور آپ ﷺ

نے یقیناً اس عالم دنیا سے عالم برزخ میں انتقال فرمایا۔ روضہ منورہ برزخ کامل اور آخرت کی پہلی منزل ہے۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی ارشاد فرماتے ہیں: ''حسب ہدایت کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ اور اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ تمام انبیائے کرام ﷺ خاص کر حضرت سرور انام ﷺ کی نسبت موت کا بھی اعتقاد ضرور ہے۔ (لطائف قاسمی ص ۴ مطبع مجتبائی)

''بالجملہ موت انبیاء اور موت عوام میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔'' (آب حیات ص ۲۱۹)

اس پر بھی پورے سواد اعظم کا اجماع ہے کہ حضور ﷺ کے پردہ قبر میں جانے کے بعد پھر آپ کے جسد اطہر میں حیات لوٹا دی گئی۔ دخول روح سے اس دنیا والے جسم عنصری میں اعادہ حیات ہوا یا تاثیر روح سے آپ ﷺ کے جسد عنصری میں حیات لوٹ آئی؟ اس میں کچھ خفیف سا اختلاف ہوا لیکن انجام کار سب کا اتفاق ہے کہ آپ ﷺ کا جسد اطہر روضہ منورہ میں محض بے حس وبے شعور نہیں بلکہ فائز الحیات ہے۔ آپ ﷺ کی یہ حیات قدسیہ باعتبار تعلق بالبدن جسمانی، باعتبار تعلق بالرزق روحانی اور باعتبار تعلق بالعالم برزخی ہے۔

ان سطور سے یہ حقیقت بے غبار ہوگئی کہ اصل بحث مطلق حیات نہیں بلکہ ''حیات بعد الوفات'' ہے۔ پس وہ آیات یا روایات جن سے ثبوت وفات سید الکائنات کا استدلال ہوتا ہو، ہمارے مدعا کے قطعا خلاف نہیں۔ مسئلہ زیر بحث میں انہیں بار بار دہرانا محل نزاع بنانا یقیناً خروج عن المبحث ہے۔ اہل سنت کا عقیدہ حیات النبی ﷺ کے مسئلہ میں یقیناً ''حیات بعد الوفات'' کا ہے۔ پہلے وفات کا دور بعد کے زندہ ہونے کے ہرگز منافی نہیں۔ خطبہ صدیقی صرف ان لوگوں کے خلاف ہی پیش ہوسکتا ہے جو آنحضرت ﷺ پر کسی قسم کے طریان موت کے قائل نہ ہوں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی طریان موت کی کیفیت میں تو اختلاف کر سکتے ہیں، لیکن ورود موت سے انہیں بھی اختلاف نہیں۔ یہ حقیقت ان کو بھی تسلیم ہے کہ جس قسم کی وفات آپ ﷺ کے لئے مقدر تھی وہ آپ ﷺ پر وارد ہوئی۔ اور وعدہ الٰہیہ حضور ﷺ پر بھی پورا ہوا۔

طریان موت اور اعادۂ حیات کے احتمالات ثلثہ

صورتِ واقعہ کچھ بھی ہو، روضۂ منورہ کی حیات جسمانی پھر بھی قدر مشترک ہے

احتمال اوّل: آپ ﷺ کی وفات شریفہ بمعنی ابانۃ الروح عن الجسد ہے۔ لیکن روح مبارک جسد اطہر سے جدا ہونے اور رفیق اعلیٰ اور علیین کی سیر کرنے کے بعد پھر قبر شریف میں رکھے ہوئے جسد اطہر میں لوٹا دی گئی[1]

---

[1] اعلیٰ علیین میں اس وقت داخلے اور تعلق قائم کر کے پھر روح واپس ہو جانے پر تعجب نہ ہو۔ اس لیے کہ جب حضرت جبریلؑ اور میکائیلؑ نے ایک خواب میں حضور ﷺ کو اس عالم کی سیر کرائی تھی اور حضور اکرم ﷺ نے وہاں اپنی منزل دیکھی تھی، تو آپ اس میں داخل ہونے لگے تھے ظاہر ہے کہ آپ ﷺ کا داخل ہونے کا ارادہ وہاں رہنے کے لیے نہ تھا۔ بلکہ آپ محض سیر کے طور پر وہاں داخل ہونا چاہتے تھے۔ اس پر حضرت جبریلؑ اور حضرت میکائیلؑ نے کہا تھا: ''انه بقی لک عمر لم تستکمله فلو استکملت اتیت منزلک'' آپ کی عمر شریف میں سے کچھ حصہ باقی ہے جب آپ اس کی تکمیل فرمالیں گے تو پھر آپ اپنی اس منزل میں آئیں گے۔

(بخاری کتاب الجنائز ج ۱ ص ۱۸۵) (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

روح اقدس کا اعلیٰ علیین سے تعلق بھی رہا اور روضہ منور میں رکھے جسد اطہر میں بھی حیات لوٹ آئی اور اس طرح روح و بدن میں ویسا ہی قوی تعلق قائم ہو گیا جو اس دنیا میں تھا بلکہ اس سے بھی قوی تر، کیونکہ یہ حیات دنیوی رزق مادی کی محتاج ہے۔ لیکن اس عالم برزخ کی حیات عنصری جسمانی اس دنیا کے رزق مادی پر مبنی نہیں۔ اس کا تقوم رزق روحانی پر ہے اور یہ ہمارے شعور سے بالاتر ہے۔

احتمال دوم: آپ ﷺ کی وفات شریفہ بمعنی ابانۃ الروح عن الجسد ہی ہے۔ لیکن بعد کا اعادۂ حیات دخولِ روح سے نہیں اتصالِ روح سے ہو، روح مبارک جسد اطہر سے جدا ہو کر رفیق اعلیٰ اور حظیرہ قدسیہ میں پہنچی پھر اسی مستقر سے اس کا پرتو قبر شریف میں رکھے ہوئے جسد اطہر پر پڑنے لگا اس سے جسد عنصری کا شعور بیدار ہوا اور روح و بدن میں نہایت قوی علاقہ قائم ہو گیا۔ روح و بدن کے اس تعلق سے حیات جسمانی قائم ہوئی اور روضہ منورہ پر عرض کئے گئے صلوٰۃ و سلام کو آپ ﷺ خود سنتے ہیں۔

احتمال سوم: آپ ﷺ کی وفات شریفہ بمعنی ابانۃ الروح عن الجسد نہیں، بلکہ بمعنی قبض روح ہے انقباض الروح فی القلب سے روح اقدس سارے جسد سے یہ موجودہ تعلق منقطع کر کے قلب مبارک میں مستور ہو گئی پھر وہاں روح اور حیات میں تلازم ہٹ گیا۔ آثار حیات قلب منور سے پھر پھیل گئے اور روح مبارک اس تعلق کے باوجود علیین سے بھی متعلق ہو گئی۔

خلاصہ یہ کہ حیات ایک لمحہ کے لئے بھی مرتفع نہ ہوئی اور "روح بمعنی حیات" کا کلی انقطاع نہ ہوا۔ گو انقباض الروح فی القلب سے موت کا وعدہ بھی پورا ہو گیا۔ اس عالم میں روح و حیات میں تلازم نہیں۔ آثار حیات سلب ہو کر قلب میں اس لئے منتقل ہوئے کہ اختلاف دارین کا تحقق ہو سکے، کیونکہ موت ذریعہ ہے اس عالم میں منتقل ہونے کا اور قاعدہ ہے حریم اسرار میں بغیر آئین دربار کے کوئی شخص داخل نہیں ہو سکتا۔ اس قسم کے ورودِ وفات پر صحابہ کرامؓ نے آپ ﷺ کو دفن کر دیا اور روضۂ منورہ میں پھر آپ ﷺ کے جسد اطہر میں حیات پھیلا دی گئی اور روح و بدن کا ویسا ہی تعلق قائم ہو گیا جیسا کہ اس دنیا میں تھا ما سوا اس کے کہ لوازم حیات وہاں صرف وہی ہیں جن کا پتہ ہمیں شریعت کی طرف سے ملتا ہے، اس دنیا کی زندگی کے جمیع لوازمات کا تحقق وہاں ضروری نہیں۔

تبصرہ: طریانِ موت اور اعادۂ حیات کی ان تین صورتوں میں سے کوئی ایک محل نزاع نہیں اور نہ ان میں سے ایک کے امر واقع ہونے پر ہمیں اصرار ہے بحث و تمحیص وہیں ہونی چاہئے جہاں ترتب احکام مختلف کر و ٹمیں لے رہا ہو اور جہاں بہر صورت قدر مشترک ایک ہی ہو اور ترتب آثار و احکام میں، خواہ کوئی بھی احتمال اختیار کر لیں، نتیجہ ایک ہی ہو، وہاں ان مباحث میں الجھ کر رہ جانا خود ایک انداز جنون ہے۔

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے طریانِ موت اور اعادہ حیات کے لئے جس صورت کو امر واقع قرار دیا ہے۔ اس کے متعلق لکھتے ہیں: "ہم بھی رسول اللہ ﷺ کی حیات کے لئے ایسے تیقن کے خواستگار نہیں کہ وہ ہم سنگ یقین توحید و رسالت ہو، فقط اس قدر کافی ہے کہ منشاء ترتب آثار و احکام ہو سکے۔" (آب حیات ص ۲۸)

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) جب یہ کلام اس وقتی داخلے کے جواب میں تھا تو متبادر ہوتا ہے کہ استکمال عمر کے بعد وہاں جو داخلہ میسر ہو گا وہ بھی بطور سیر اور کچھ وقت کے لیے ہی ہو گا۔ بعد میں کیا ہو گا، یہاں اس کی تفصیل نہیں اور نہ یہ اس کا مقام تھا۔ ہاں اس روایت کے کسی طریق میں ہمیں یہ الفاظ نہیں ملے کہ آپ استکمال عمر کے بعد اس منزل ہی میں ہمیشہ رہیں گے۔ من ادعی فعلیہ البیان بہر حال یہ ایک خواب تھا جس کی تحقیق اس وقت موضوع کلام نہیں ممکن ہے اس کی تعبیر کچھ اور ہو۔

"گو عقیدہ تو یہی ہے اور میں تو جانتا ہوں، انشاء اللہ العزیز ایسا ہی رہے گا مگر اس عقیدہ کو عقائد ضروریہ سے نہیں سمجھتا۔" (لطائف قاسمیہ ص ۵ مطبع مجتبائی)

پس جب حضرت حجۃ الاسلامؒ نے اپنی اختیار کردہ صورت سے اختلاف کرنے کا خود دوسروں کو حق دیا ہے تو اب اس خاص جزئیہ میں حضرتؒ سے اختلاف، خود ان کے مسلک سے خروج نہیں۔ ہاں اگر قدر مشترک ہی کا، کہ روضۂ منورہ میں جسدِ اطہر محض بے حس و شعور نہیں، بلکہ اس میں حیات عنصری بہرصورت کیفیت موت موجود ہے، انکار کردیا جائے تو پھر اس اصل کے انکار کو ایک خاص صورت موت کے انکار پر قیاس نہیں کرسکتے۔ یہ یقیناً اکابر اہل سنتؒ کے مسلک سے گریز پائی ہوگی۔

روح مبارک نے علیین سے پرتو ڈال کر جسد اطہر میں حیات لوٹائی ہو یا قدرت ایزدی سے خود روح ہی بدن میں داخل ہوچکی ہو یا قلب منور میں مستور حیات پھر سارے بدن میں پھیلادی گئی ہو۔ صورت واقعہ خواہ کچھ ہو، مآل کار سب کا ایک ہے اور وہ یہ کہ روضۂ منورہ کی حیات جسمانی تمام احتمالات اور مسالک فکر کی قدر مشترک ہے۔

تفصیل مذکور سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہے کہ مسئلہ زیر بحث فقط یہی ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنے روضہ شریفہ میں حیات عنصری سے زندہ ہیں یا جسد اطہر محض بے جان پڑا ہے۔ یہ بحث ہرگز نہیں کہ:

۱...... حضور ﷺ پر وفات شریفہ کا ورود ہوا تھا یا نہیں ...... یا

۲...... یہ طریان موت انقطاع الروح عن الجسد کے معنی میں تھا یا قبض روح کے معنی میں ...... یا

۳...... روح مبارک کا مستقر مقام علیین ہے اور وہ وہاں سے روضہ منورہ میں رکھے گئے جسد اطہر پر پرتو حیات ڈال رہی ہے یا خود روح ہی دوبارہ جسد اطہر میں داخل ہے اور رفیق اعلیٰ سے فقط ایک تعلق باقی ہے، وغیر ذٰلک من المدارک!

ان کیفیات کو موضوع بنا لینا یقیناً خروج عن المبحث ہوگا اور یہ امور قطعاً نقطہ اشتراک "قبر شریف کی حیات عنصری" کے عوارض ذاتیہ میں سے نہیں، ان احتمالات ثلثہ میں سے کسی ایک یا دو کے بالکل خلاف واقعہ ثابت ہو جانے سے بھی اصل مسئلے کا انکار یا ابطال لازم نہیں آتا۔

اصل مبحث حیات النبی ﷺ

باعتبار تعلق بالبدن ...... حیات جسمانی

باعتبار تعلق بالعالم ...... حیات برزخی — مشترک مفاد حیات جسمانی برزخی ہے۔

باعتبار تعلق بالرزق ...... حیات روحانی — (ولولا الاعتبارات لبطل الحکمۃ)

حیات جسمانی

زندہ اسے ہی کہتے ہیں جس کے بدن میں حیات ہو، خواہ دخول روح سے، خواہ اتصال روح سے فقط روح کے زندہ ہونے سے کسی کو زندہ نہیں کہا جاتا۔ اس لئے کہ روح تو ہوتی ہی زندہ ہے، خواہ مسلمان کی ہو یا کافر کی، روح جہاں بھی ہوگی زندہ ہی ہوگی پس کسی بھی شخصیت کے زندہ ہونے یا نہ ہونے کا معیار جسم ہے اور یہی زندگی کا محل ہے جس کے بدن میں حیات ہو وہ زندہ ہے اور جس کی روح یا حیات اس کے بدن سے منقطع ہے وہ زندہ نہیں

اور نہ اسے کوئی شخص زندہ سمجھتا ہے۔

قرآن عزیز میں جہاں بھی انسانی حیات کا تذکرہ ہے۔اس کا محل جسم ہی ہے شہداء کے متعلق ارشاد فرمایا:

۱...... ''وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَاءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ'' (پ:۲،البقرہ آیت ۱۵۴)

ترجمہ:اور تم اُنہیں، جو اللہ کی راہ میں مارے جاتے ہیں مردے نہ کہو، بلکہ وہ زندہ ہیں، لیکن تمہیں پتہ نہیں چلتا۔

یہاں احیاء اُنہی کو فرمایا، جو مَن یُقتل کے ماتحت آتے ہیں اور ظاہر ہے قتل کا محل جسم ہے نہ کہ روح...... پس حیات کا محل بھی جسم ہی ہے نہ کہ روح...... اگر جسم میں زندگی ہو تو وہ زندہ ہے۔اگر جسم زندہ نہیں تو کوئی زندگی نہیں۔

اگر یہ کہا جائے کہ شہداء کے اجسام سامنے بالکل مردہ نظر آتے ہیں، بلکہ بعض اوقات لاش بھی ایک جگہ نہیں ہوتی تو کس طرح تسلیم کرلیا جائے کہ وہ جسدی طور پر زندہ ہیں؟

جواباً عرض ہے کہ اسی لئے تو اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا تھا...... وَلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ''لیکن تمہیں پتہ نہیں چلتا''...... اگر ہمیں اس حیات کا پتہ نہیں چلتا تو یہ ایک پردہ ہے، حق یہی ہے کہ حیات ثابت ہے اور وہ جسدی حیات ہے۔

قاضی شوکانیؒ (۱۲۵۰ھ) لکھتے ہیں: ''ورد النص فی کتاب اللّٰہ فی حق الشهداء انهم احیاء یرزقون و ان الحیاۃ فیهم متعلقة بالجسد فکیف بالأنبیاء المرسلین'' (نیل الاوطار ج ۳ ص ۲۱۱ مصر)

ترجمہ:نص قرآن وارد ہے کہ شہداء زندہ ہوتے ہیں، اُنہیں رزق بھی دیا جاتا ہے اور یہ کہ اُن کی حیات جسمانی ہوتی ہے(خواہ ہمیں اس کا ادراک نہ ہوتا ہو) پس انبیائے مرسلین کی حیات اطہر کس طرح جسمانی نہ ہوگی؟

۲...... ''وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى'' (پ:۳،البقرہ آیت ۲۶۰)

ترجمہ:اور جب ابراہیم علیہ السلام نے کہا۔اے پروردگار! مجھے دکھایئے کہ آپ کس طرح مردوں کو زندہ فرماتے ہیں۔

یہاں حیات کا محل اسے ہی بتایا ہے جسے کہ ''موتٰی'' کہا گیا ہے اور ظاہر ہے روح ہمیشہ زندہ ہوتی ہے اسے میت کبھی بھی نہیں کہا جاتا۔موت کا محل جسم ہی ہے اور ''موتٰی'' اجسام ہی کو کہا گیا ہے پس حیات کا محل بھی جسم ہی ہے نہ کہ روح۔

۳...... ''فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ'' (پ:۳،البقرہ آیت ۲۵۹)

ترجمہ:حضرت عزیر علیہ السلام کو سو سال تک موت سے رکھا[1]۔

اس میں بھی اماتت کا محل جسم ہی ہے نہ کہ روح۔حضرت عزیر علیہ السلام کی روح پر تو موت قطعاً نہ آئی تھی۔پس جس طرح موت کا محل جسم ہے نہ کہ روح، اسی طرح حیات کا محل بھی جسم ہی ہے۔جب حیات جسم میں ہو تو زندہ ہے جب نہ ہو تو زندہ نہیں۔

---

[1] پیشِ نظر رہے کہ جس طرح جملہ بنی آدم پر نفسِ اماتت محض ایک آنی اور صرف چند لمحات کے لیے وارد ہوتا ہے۔بعد ازاں برزخی معاملات شروع ہو جاتے ہیں۔حضرت عزیرؑ پر ایسا نہ ہوا، بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں سو سال تک موت کی حالت میں رکھا، آگے کے برزخی معاملات ان پر وارد نہ فرمائے کیونکہ آگے جا کر انہیں اسی دنیا میں زندہ کیا جانا تھا۔پس جب موت سابقہ سے انتقال دارین کا تحقق نہ تھا تو برزخی معاملات کو روک لیا گیا۔یہاں مائۃ عام کی قید اسی لیے ہے کہ جب دوسرے بنی آدم پر نفسِ اماتت کے بعد معاملات برزخ جاری کر دیئے جاتے ہیں۔یہاں معاملہ عجیب ہو رہا ہے پس اسے ایک ضابطہ بنانا اور موت انبیاء کے لیے بطور ایک کلیہ کے پیش کرنا ایک کھلی خطا ہے۔

۴...... ''أنی یحیی هٰذه'' ...... میں بھی محل حیات جسم ہی ہے نہ کہ روح۔

ان حقائق سے واضح ہے حیات ہوتی ہی جسمانی ہے۔ اگر روح کا تعلق بدن کے ساتھ نہ ہو تو اسے کوئی حیات نہیں کہتا اور نہ ہی یہ حیات کی کوئی قسم ہے۔ خواہ مخواہ اسے حیات روحانی کہتے چلے جانا ایک مغالطہ اور فریب ہے۔ اسی طرح موت کا محل بھی جسم ہی ہے۔ مالک بن ریب اپنے مرثیے میں کہتا ہے:

ولما تراءت عند مرو منيتي و حل بها جسمي و حانت و فاتيا

ترجمہ: اور جب مرو کے پاس میری موت سامنے آئی اور اس کا محل میرا جسم بنا اور میری وفات کی گھڑی آ پہنچی۔

حیات برزخیہ

نہایت افسوس ہے کہ انبیاء کرام ﷩ کی حیات عنصری جسمانی کے انکار کو حیات برزخی کے مبہم اقرار میں لپیٹنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ حالانکہ حیات کی کوئی قسم برزخی نہیں۔ حیات برزخیہ میں علاقہ نوعیت کا نہیں، ظرفیت کا ہے۔ اور حیات برزخی سے مراد حیات فی البرزخ ہے، نہ یہ کہ حیات کی اپنی کوئی قسم برزخی ہے۔ نہ یہ مطلب ہے کہ آپ کو عالم برزخ میں حیات جسمانی حاصل نہیں۔

پس جن بزرگوں نے حیات برزخی کی تصریح کی ہے، اُن کی مراد روضۂ منورہ کی حیات عنصری جسمانی کا انکار ہرگز نہیں۔ اسی طرح جنہوں نے حیات روحانی کے الفاظ استعمال کیے۔ ان کا منشاء یہی تھا کہ باعتبار تعلق بالرزق وہ روحانی حیات ہے، نہ یہ کہ حیات کی کوئی اپنی قسم روحانی بھی ہے۔ اندریں صورت حیات روحانی یا حیات برزخی کے قول سے قبر شریف کی حیات جسمانی کا انکار ہرگز لازم نہیں آتا۔

خلاصۃ المرام یہ کہ آنحضرت ﷺ کی حیات ثانیہ کی ان جہات (برزخی، روحانی، معنوی) میں کوئی اختلاف نہیں، انہیں خواہ مخواہ محل بحث بنانا اصل موضوع الجھانے کے سوا اور کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ اصل موضوع تحقیق صرف حیات جسمانی ہے اور وہی محل نزاع بنی ہوئی ہے۔ پس اصل بحث یہ ہے کہ: ''سید الکائنات ﷺ کو اپنے روضۂ شریفہ میں حیات عنصری جسمانی حاصل ہے یا جسد اطہر محض بے حس و شعور پڑا ہے۔'' (معاذ اللہ)

روح کی حقیقت

بقیۃ السلف بحر العلوم حضرت علامہ سید انور شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ بالفاظ عارف جامیؒ یہاں تین چیزیں ہیں: (۱) وہ جواہر جن میں مادہ اور کیت دونوں ہوں، جیسے ہمارے ابدان مادیہ۔ (۲) وہ جواہر جن میں مادہ نہیں صرف کیت ہے جنہیں صوفیہ ''اجسام مثالیہ'' کہتے ہیں۔ (۳) وہ جواہر جو مادہ اور کیت دونوں سے خالی ہوں، جن کو صوفیاء ''ارواح'' اور حکماء ''جواہر مجردہ'' کے نام سے پکارتے ہیں۔

جمہور اہل شرع جس کو روح کہتے ہیں وہ صوفیہ کے نزدیک ''بدن مثالی'' سے موسوم ہے جو بدن مادی میں حلول کرتا ہے اور بدن مادی کی طرح آنکھ، ناک، کان، ہاتھ، پاؤں وغیرہ اعضاء رکھتا ہے۔ یہ روح بدن مادی سے کبھی جدا ہو جاتی ہے اور اس جدائی کی حالت میں بھی ایک طرح کا مجہول الکیفیت علاقہ بدن کے ساتھ قائم رکھ سکتی ہے جس سے بدن پر ہر حالت میں موت طاری ہونے نہیں پاتی۔ گویا حضرت علی مرتضیٰؓ کے قول ﷺ کے مطابق، جو بغوی نے اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْأَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا کی تفسیر میں نقل کیا ہے، اس وقت روح خود علیحدہ رہتی ہے مگر اس کی شعاع جسد

میں پہنچ کر بقائے حیات کا سبب بنتی ہے، جیسے آفتاب لاکھوں میل سے بذریعہ شعاعوں کے زمین کو گرم رکھتا ہے۔

(فوائد القرآن للعلامۃ العثمانیؒ ص ۷۷۳)

حضرت علامہ انور شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں: "الحیوۃ فی اللغۃ شیء مغائر للروح لا عینہ بل ثمرۃ تعلقہ وقد زعم بعض الناس انہ نفس الحیوۃ ولیس کذلک" (تحسیبہ الاسلام ص ۳۶)

ترجمہ: حیات اور روح لغت کی رو سے دو مختلف حقیقتیں ہیں حیات روح کا عین نہیں، بلکہ اس کے تعلق کا ایک ثمرہ ہے، بعض عام لوگوں کا گمان ہے، کہ روح ہی نفس حیات ہے، حالانکہ معاملہ ایسا نہیں۔

حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں: "بسیارے از اشاعرہ حنفیہ در اعادۂ روح تردد کردہ اند وتلازم روح وحیات را منع نمودہ۔" (جذب القلوب ص ۱۸۶ از مسائرہ)

ترجمہ: بہت سے اشاعرہ اور حنفیہ (حیات فی القبر کے لئے) اعادہ روح کے باب میں متردد رہے ہیں (یعنی اسے قطعی نہیں جانتے رہے) اور حیات اور روح کے تلازم کے قائل نہیں ہیں۔

یعنی قبر میں حیات جسمانی کے لئے اعادہ روح ضروری نہیں، محض تعلق روح سے بھی وہاں حیات کا تحقق ہو جاتا ہے۔

مفارقت بدن کے بعد روح کا شعور

امام رازیؒ اس پر دلائل پیش کرتے ہوئے کہ "روح مفارقت بدن کے بعد بھی جزئیات کا ادراک کر سکتی ہے، فرماتے ہیں: "فوجب القطع بان النفس بعد مفارقۃ البدن مدرکۃ للجزئیات"

(المطالب العالیہ مقالہ ۱۳ فصل ۵ مطبوعہ مصر)

ترجمہ: یہ بات قطعی طور پر تسلیم کرنی چاہئے کہ نفس انسانی بدن سے جدا ہونے کے باوجود ان جزئیات کا ادراک کر سکتی ہے جو اس بدن پر وارد ہوں۔

ان تفصیلات سے واضح ہو گیا کہ اصل موضوع "اعادہ روح" بھی نہیں، بلکہ "ثبوت حیات بعد الوفات لسید الکائنات" ہے اور اسی موضوع پر ہم کچھ گزارشات کرنا چاہتے ہیں۔ عود روح کی بحث اگر کہیں آئی ہے تو ضمناً آئی ہے۔ حیات شہداء کا بیان بھی صرف اس لئے ہے کہ ان کی حیات جسمانی کا ثبوت انبیاء کرام کی حیات ثابت کرنے کے لئے ایک زینہ کے درجہ میں ہے اور ان کی حیات سے انبیاء کی حیات بدلالت التزامی ثابت ہوتی ہے۔

اب ہم اس باب کو شروع کرتے ہیں۔ وللہ ولی التوفیق وبہ ازمۃ التحقیق!

حیاتِ شہداء

عامہ اموات کی برزخی زندگی اور اس کا اصلی بدن یا اس کے ذرات منتشرہ سے تعلق بایں قدر کہ عذاب قبر یا اس کی نعیم کا ادراک ہو سکے تفصیل کے ساتھ آپ کے سامنے آچکا ہے یہ ایک روحانی زندگی ہے۔ جس کا قرآن پاک کی مختلف آیات میں اشارۃً ذکر ہے بقول حضرت مفتی اعظم مفتی محمد شفیع صاحبؒ: "مرنے اور دفن ہونے کے بعد قبر میں انسان کا دوبارہ زندہ ہو کر فرشتوں کے سوالات کا جواب دینا، پھر اس امتحان میں کامیابی اور ناکامی پر ثواب یا عذاب کا ہونا قرآن مجید کی تقریباً دس آیات میں اشارۃً اور رسول کریم ﷺ کی احادیث متواترہ میں بڑی صراحت و

وضاحت کے ساتھ مذکور ہے جس میں مسلمانوں کو شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔" (معارف القرآن ج ۵،ص ۲۳۶)

لیکن حیات شہداء عامہ اموات کی طرح صرف روحانی نہیں جسمانی ہے اور وہ اپنے حق میں اسے جسمانی ہی محسوس کرتے ہیں۔ عامہ اموات کی برزخی زندگی قرآن کریم میں اشارۃً اور شہداء کرام کی جسمانی برزخی زندگی قرآن پاک میں عبارۃً مذکور ہے۔ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی اس سے بھی زیادہ کامل جسمانی برزخی زندگی قرآن کریم سے دلالۃً ثابت ہو رہی ہے حیات انبیاء کی بحث ہم انشاء اللہ آگے جا کر کریں گے۔

یہاں موضوع سخن حیات شہداء ہے جو قرآن کریم میں عبارۃ النص سے مذکور ہے جس کا انکار کفر ہے۔ اس کا سمجھ میں نہ آنا اس کے انکار کی دلیل نہیں ہو سکتا۔ نہ اس کا کسی مثال میں آنا اس کے شعور میں آنے پر نتیجہ خیز ہو سکتا ہے۔

نامناسب نہ ہوگا اگر ہم حیات شہداء پر قرآنی شہادت پیش کرنے سے پہلے نفس حیات پر کچھ گزارش کر دیں۔ اس کے ضمن میں موت پر بھی کچھ بحث ہو جائے گی۔

ابن عبد الہادیؒ (۷۴۴ھ) لکھتے ہیں: "والحیاۃ جنس تحتھا انواع و کذلک الموت فاثبات بعض انواع الحیاۃ لا یزیل اسم الموت کالحیاۃ البرزخیۃ واثبات بعض انواع الموت لا ینافی الحیاۃ کما فی الحدیث الصحیح عن النبی ﷺ انہ کان اذا استیقظ من النوم قال الحمد للہ الذی احیانا بعد ما اماتنا والیہ النشور" (الصارم المنکی ص ۱۸۵)

ترجمہ: حیات ایک جنس جس کے تحت کئی انواع ہیں اسی طرح موت ایک جنس ہے جس کے تحت کئی انواع ہیں سو کسی ایک قسم کی حیات کا ورود موت کے منافی نہیں جیسا کہ حیات برزخی میں ہوتا ہے اور کسی ایک نوع کی موت کا اثبات حیات کے منافی نہیں جیسا کہ صحیح حدیث میں آنحضرت ﷺ سے منقول ہے آپ جب نیند سے اٹھتے تو کہتے کہ سب حمد وثنا اسی ذات کے لئے ہے جس نے ہمیں موت کے بعد زندگی دی اور اسی کی طرف اٹھ جانا ہے۔

سو حیات کی اگر مختلف انواع مان لی جائیں تو یہ کوئی ایسی گھاٹی نہیں جس پر پہلے کوئی نہ آیا ہو۔ ہمارے دوست ہمیں بے جا طعنہ دے رہے ہیں اسی طرح موت کی بھی انواع ہیں۔

۱...... ایک حیات وہ ہے جس میں روح اور بدن کا تعلق صرف اس درجہ میں ہے کہ عذاب قبر اور اس کی نعیم کا ادراک ہو سکے یہ ایک روحانی حیات ہے اور اس میں جسم سے بھی قدرے تعلق ہے۔

۲...... ایک وہ حیات ہے جو روح کے بدن میں ہونے سے قائم ہوتی ہے لیکن روح کا بدن سے تعلق تصرف نہیں ہوتا نہ اس سے بدن کا تغذیہ و تنمیہ ہے، نہ اس کے لئے پانی اور ہوا لازمی ہیں۔ یہ اعادہ برزخ کے ساتھ برزخی زندگی ہے۔ ضروری نہیں کہ یہ زندگی پانے والے اسے حسی طور پر جسمانی زندگی محسوس کریں۔

۳...... ایک حیات وہ ہے جو روح کے بدن میں داخلے اور تصرف تعلق سے قائم ہوتی ہے اس میں آب و ہوا کے خارجی اثرات نشو ونما اور مادی خوراک درکار ہوتی ہیں جیسی کہ ہماری اس دنیا کی زندگی ہے۔

۴...... ایک زندگی روح اور بدن عنصری کے اتصال سے قائم ہے اس میں روح کا تعلق تصرف اتنا ہے کہ پورا بدن نرم و نازک اور محفوظ رہے۔ انہیں اس عالم کے مناسب رزق ملتا ہے اور ان سے عالم غیب کے افعال و آثار کا ظہور ہوتا ہے اور وہ اپنے حق میں اسے جسمانی حیات محسوس کرتے ہیں اور مختلف اعمال بھی (جیسے نماز پڑھنا) کرتے ہیں۔ پر دیکھنے والوں کو ان میں سے کوئی حرکت دکھائی نہیں دیتی۔ ہاں انہیں اللہ تعالیٰ اس جہان کے زائرین کا سلام

سنا دیتے ہیں یہ انبیاء کرام کی حیات برزخی ہے۔

۵...... چوتھے درجے میں جس حیات کا ذکر ہے اگر وہ کھلے بندوں ہو اور ایک دوسرے کو نظر آئے اور یہ ہو بھی وفات کے بعد تو یہ صرف عالم آخرت کی زندگی ہے۔ اہل جنت جنت میں اسی زندگی سے رہیں اور پھریں گے اور اہل جہنم بھی آخرت میں اسی جسم اور زندگی سے معذب ہوں گے اہل جنت اور اہل جہنم کے لئے اپنی اپنی برات کا رزق ہوگا۔

زندگی کے یہ مختلف محال ہم نے اس لئے ذکر کر دیئے ہیں کہ متعدد انواع حیات کو سمجھنے میں مدد ملے اور زندگی کی مختلف حیثیتوں کا ادراک ہو سکے۔

سوال: قبر کی برزخی زندگی ایک علیحدہ نوع ہے کیا یہ تعبیر کہیں سلف نے بھی اختیار کی ہے کہ وہاں مختلف انواع حیات کے الفاظ ملیں یا زندگی کی حقیقت ایک ہی ہے؟

جواب: ہاں آپ شرح العقائد اٹھا کر دیکھیں علامہ تفتازانیؒ (۷۹۲ھ) لکھتے ہیں: "ویجوز ان یخلق اللہ تعالیٰ فی جمیع اجزاء البدن او فی بعضها نوعا من الحیوۃ قدر مایدرک الم العذاب و لذۃ النعیم"

(شرح عقائد ص ۷۷)

ترجمہ: اور یہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ پورے بدن میں یا اس کے کسی حصے میں زندگی کی کوئی ایسی نوع قائم کر دے جس سے اسے عذاب کی تکلیف یا آرام کی لذت کا ادراک ہوتا رہے۔

حافظ ابن قیمؒ (۷۵۱ھ) برزخ میں روح لوٹنے کے ذیل میں لکھتے ہیں: "لان ذلک الرد نوع آخر غیر المعهود" (کتاب الروح ص ۸۹)

ترجمہ: یہ روح کا بدن کی طرف لوٹنا روح وبدن کے تعلق کی اور نوع ہے جو اس دنیا والے تعلق سے مختلف ہے۔

اور ملا علی قاریؒ (۱۰۱۴ھ) لکھتے ہیں: "ان اهل الحق اتفقوا علی ان اللہ یخلق فی المیت نوع حیوۃ فی القبر" (شرح فقہ اکبر ص ۱۲۰)

ترجمہ: سب اہل حق اس پر متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ قبر میں میت میں ایک خاص طرح کی زندگی پیدا کر دیتا ہے۔

حافظ ابن حجرؒ (۸۵۲ھ) اس نوع حیات کو ادراک سے تعبیر کرتے ہیں اور کہتے ہیں اس کی اپنی تخلیق ہے۔

"ان اللہ تعالیٰ یخلق فیه ادراکا بحیث یسمع ویعلم ویلذ ویألم" (فتح الباری ج ۳ ص ۴۷۷)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ اس میت میں ایسا ادراک پیدا کر دیتے ہیں کہ وہ سنتا بھی ہے سمجھ بھی لیتا ہے آرام اور تکلیف محسوس کرتا ہے۔

اور یہی بات علامہ آلوسیؒ نے روح المعانی میں کہی ہے۔ (روح المعانی ج ۲۲ ص ۵۷)

یہی بات علامہ ابن عبدالہادیؒ (۷۴۴ھ) کہتے ہیں: "نوع حیاۃ برزخیة" (الصارم المنکی ص ۱۹۸)

ترجمہ: حیات برزخی زندگی کی ایک دوسری نوع ہے۔

اس زندگی سے اسم موت کلیۃً اٹھنا ضروری نہیں دونوں جمع ہو سکتے ہیں۔

موت کی بھی اسی طرح انواع ہیں یہ محض عدم حیات کا نام نہیں اس کی اپنی تخلیق ہے خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ (پ ۲۹، الملک) یہ قرآن کریم کی نص صریح ہے۔ سو جب یہ ایک مستقل وجودی شئے ہے تو ظاہر ہے کہ اس کی

بھی کئی انواع ہو سکتی ہیں۔ الحیوۃ جنس تحتہ انواع و کذلک الموت!

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ حضور اکرم ﷺ کی موت کو عالم اموات کی سی موت نہیں سمجھتے۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ موت کی مختلف انواع کا عقیدہ رکھتے تھے۔

قرآن کریم میں حضور ﷺ کے میت ہونے کو اوروں کے میت ہونے سے جدا بیان کیا گیا ہے حضور ﷺ کو بحیثیت میت ہونے کے ان عام میتوں میں شامل نہیں کیا گیا۔ فرمایا: ''اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّاِنَّھُمْ مَّیِّتُوْنَ'' (الزمر) یہ نہیں کہا ''انک وانھم میتون'' اس سے پتہ چلا آپ کی موت ایسی نہیں جو جمیع وجوہ سے اوروں کی موت جیسی ہو۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں: ''حضور ﷺ کی موت جمیع وجوہ و معانی میں لازم نہیں کہ ایسی موت ہو جیسے کہ عام اموات کی ہوتی ہے بلکہ حضور ﷺ کی موت حس اور شعور کے ذہاب اور تعطل کی حد تک ہے۔''

(مدارج النبوت ج ۲، ص ۵۷۶)

امام الحرمینؒ (۴۷۸ھ) لکھتے ہیں حضرت صدیق اکبرؓ بھی حضور ﷺ کی موت کو عام اموات سے ایک جدی موت سمجھتے تھے۔ ہمارے نزدیک شہداء کی موت بھی عام اموات سے جدی موت ہے کہ باوجود موت کے حیات ان سے منفی نہیں ہوتی۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں: ''حضور ﷺ کے املاک حضور ﷺ کی ملک میں باقی تھے۔ صدیق اکبرؓ حضور کی نیابت میں ان میں تصرف کرتے تھے۔ صدیق اکبرؓ جانتے تھے کہ حضور ﷺ کا ملک حضور ﷺ کے املاک پر باقی ہے جیسا کہ امام الحرمین نے کہا ہے۔'' (مدارج النبوت ج ۱ ص ۷۰۱)

یہ صرف متاخرین کا ہی موقف نہیں امام بیہقی (۴۵۸ھ) نے بھی سنن کبری ج ۷، ص ۶۴ پر یہ باب باندھا ہے: ''باب ما کان ماله بعد موته قائما علی نفقه و ملکه''

اس سے پتہ چلتا ہے کہ بعض دنیوی احکام میں ابھی حضور ﷺ کی حیات مستمر تھی اس کا حاصل اس کے سوا کیا سمجھا جا سکتا ہے کہ آپ کی موت روح مبارک کی مفارقت کے باوجود محض ساتر حیات ہو مزیل حیات نہ ہو۔

یہ حضرت صدیق اکبرؓ، امام بیہقی، امام الحرمین اور حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کا تفرد نہیں، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بھی اسی موقف پر ہیں۔ علامہ سمہودیؒ (۹۱۱ھ) شیخ ابو منصور البغدادیؒ کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

''قال الاستاذ ابو منصور البغدادی قال المتکلمون المحققون من اصحابنا ان نبینا ﷺ حی بعد وفاته'' (وفاء الوفاء ج ۴ ص ۱۳۵۴، اعلاء السنن طبع قدیم ج ۱۰ ص ۳۳۰)

ترجمہ: ہمارے محققین علماء کلام نے لکھا ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام اپنی مناسب وفات کے بعد زندہ ہیں اپنی امت کی طاعات سے خوش ہوتے ہیں۔

حضور ﷺ کی وفات جو آپ کے مناسب حال تھی کیسی تھی۔ ضروری نہیں کہ ہم اس کی کنہہ پا لیں۔ ہاں اتنا مان لیں کہ وہ عام اموات سے کچھ مختلف تھی تو یہ کوئی ایسی بات نہیں جس میں کوئی تفرد ہو۔ پہلے بھی کئی حضرات کہہ چکے ہیں کہ آپ کو وہ وفات آئی جو آپ کے حسب حال تھی ہم انشاء اللہ آگے چل کر اس پر بحث کریں گے۔

یہاں ہمارا موضوع حیات شہداء ہے اس کے بعد حیات انبیاء علیہم السلام کی بحث آئے گی جس کے ضمن میں بطور مقدمہ ہم انشاء اللہ العزیز کچھ موت پر بحث کریں گے۔ واللہ ولی التوفیق وبیدہ ازمۃ التحقیق یہ اثبات حیات

شہداء و حیات انبیاء علیہم السلام کے لئے بمنزلہ تمہید سمجھئے۔

حیات شہداء قرآن کریم کی روشنی میں

''وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ'' (البقرہ آیت ۱۵۴)

ترجمہ: اور نہ کہو ان کو جو مارے گئے اللہ کی راہ میں کہ وہ مردے ہیں نہیں وہ تو زندے ہیں لیکن تمہیں سمجھ نہیں۔

حضرت شیخ الہندؒ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ''یعنی جس نے اللہ کے لئے جان دی وہ اس جہان میں جیتے ہیں مگر تم کو ان کی زندگی کی خبر اور اس کی کیفیت معلوم نہیں اور یہ سب صبر کا نتیجہ ہے[1]''

''وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ'' (پ ۴ آل عمران آیت ۱۶۹)

ترجمہ: اور تم ہرگز نہ سمجھو ان لوگوں کو جو مارے گئے اللہ کی راہ میں ''مردے'' بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس کھاتے پیتے خوشی کرتے ہیں اس پر جو اللہ نے ان کو دیا اپنے فضل سے اور خوشی لیتے ہیں ان کی طرف سے جو ابھی تک ان کے پاس نہیں پہنچے ان کے پیچھے اس واسطے کہ نہ ڈر ہے ان پر اور نہ ان کو غم۔ وہ خوش ہوتے ہیں اللہ کی نعمت اور فضل سے اور اس بات سے کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کی مزدوری ضائع نہیں کرتا۔

صحابہؓ کے سامنے بدر اور احد کے نقشے تھے شہیدوں کی یادیں تھیں۔ اللہ رب العزت نے فرمایا اپنی زبان پر بھی یہ لفظ نہ لاؤ کہ وہ مردے ہیں بلکہ تمہارے گمان میں بھی یہ بات نہ ہو کہ وہ مردے ہیں ایسا خیال رکھنے کی بھی تمہیں اجازت نہیں۔

ایک اہم سوال اور اس کا جواب

سوال: جب وہ سامنے مرے اور قتل ہوئے اور پھر صحابہؓ نے انہیں دفن بھی کیا تو اب کیسے کہا مَا مَاتُوْا وہ مرے نہیں یا قتل نہیں ہوئے۔ کیا كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ سے وہ مستثنٰی ہیں؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں کہا کہ تم یہ نہ کہنا مَا مَاتُوْا (وہ مرگ آشنا نہیں ہوئے) یا مَا قُتِلُوْا (وہ قتل نہیں ہوئے) بلکہ فرمایا تم یہ نہ کہو کہ وہ مردے ہیں یعنی اب وہ مردے ہیں ایسا نہ کہنا نہ سمجھنا بے شک وہ مرگ آشنا ہوئے انہوں نے موت کا پیالہ پیا۔ ان کا کفن و دفن برحق لیکن اب وہ مردہ نہیں اس جہان میں زندہ ہیں اور ان کی وہ زندگی حقیقی ہے اور زندگی کا پورا لطف انہیں حاصل ہے۔

مَا مَاتُوْا جملہ فعلیہ ہے تمہیں یہ کہنے کا حکم نہیں دیا تم بے شک کہو قُتِلُوْا (وہ مارے گئے) تم کہا یہ تو اللہ تعالیٰ نے بھی کہہ دیا ہے ہاں ھُم اموات یہ جملہ اسمیہ ہے یہ کہنے سے تمہیں روکا گیا۔ اب تم یہ نہ کہو وہ مردے ہیں۔ وہ مردے نہیں زندہ ہیں۔

---

[1] پچھلی آیت اس پر ختم ہوئی اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ یہ جملہ اس سے ربط کے لیے بیان فرمایا۔

ان آیات میں "بل" اضرابیہ ہے جو پہلی بات کا ابطال کرتا ہے یہاں "بل"...... قتلوا کا ابطال نہیں کر رہا۔ قتلوا ایک حقیقت ہے بل کا اضراب ھم اموات کہنے اور سمجھنے کے متعلق ہے۔ سو ان کے زندہ ہونے کے عقیدہ میں ان واقعات سے ہرگز کوئی تعارض اور ٹکراؤ نہیں۔ ان پر موت کا آنا بھی برحق اور اگلے جہان میں حیات جسمانی پانا بھی برحق اور ان آیات میں انہی اجسام کو زندہ کہا گیا ہے جو قتلوا کا مورد بنے تھے، اختلاف زمان سے دوسری بات کا ماننا پہلی سے ٹکراؤ اور تعارض نہیں بل کا اضراب ھم اموات پر ہے اور امر واقع اور عقیدہ صادقہ یہ ہے کہ ھم احیاء (وہ زندے ہیں)۔

بل کے بعد جو جملہ ہو وہ پہلے جملے کا ابطال کرتا ہے۔ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى میں جس فلاح کی خبر دی گئی ہے تم اسے پا نہ سکو گے کیونکہ تم دنیا کی زندگی کو آخرت کی زندگی پر ترجیح دے رہے ہو۔ یہاں "بل" اضرابیہ کے ساتھ بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا فرمایا اس نے تمہارے فائز فلاح ہونے کا ابطال کر دیا۔

مشرکین سمجھتے تھے کہ بدر اور احد کے شہید عدم میں چلے گئے اللہ تعالیٰ نے ان کی زندگی کی خبر دی یہ قصر قلب ہے مشرکین انہیں موت پر ختم سمجھتے تھے اللہ تعالیٰ نے انہیں حیات پر بند کر دیا۔ وہ حقیقی طور پر زندہ ہیں مردہ کہنا تو درکنار تمہارے گمان میں بھی یہ بات نہ آئے کہ وہ مردے ہیں۔

یہاں زندہ کن کو کہا گیا

یہاں زندہ اجسام انہی کو کہا گیا ہے جن پر مشرکین کا فعل قتل وارد ہوا تھا۔ یہاں اجسام ہی قتل کا مورد ہوئے تھے اور انہیں اجسام کو وہاں زندہ کہا گیا یہ سمجھنے میں اگر دقت ہو تو لا تشعرون (کہ تم شعور نہیں رکھتے) کہہ کہ اس تذبذب کو رفع کر دیا گیا۔

جس طرح قرآن کریم میں حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں فرمایا: وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ انہوں نے مسیح کو پورے وثوق سے قتل نہیں کیا بلکہ جس بدن کے وہ مورد قتل ہونے کے مدعی ہوئے ہیں اس بدن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف اٹھا لیا ہے رفع اسی جسم کا ہوا جس پر وہ فعل قتل وارد کرنے کی مدعی تھے۔

اسی طرح جن شہدائے بدر و اُحد پر وہ عمل قتل سے ان کے اموات ہونے کے مدعی تھے انہی شہداء کے بارے میں اس کا ابطال کیا گیا کہ وہ مردے نہیں زندے ہیں اور ان کی حیات کا اثبات کیا گیا اور شک تک کرنے سے منع کر دیا گیا۔

قتل کون ہوا؟ جسم! زخمی کون ہوا؟ جسم! تلواریں اور نیزے کن پر چلے؟ جسموں پر!

نہ روح زخمی ہوئی نہ کسی جسد مثالی پر تلوار چلی۔ سو یہ بات کہ وہ زندہ ہیں یہ انہی اجسام کی خبر ہے جو میدان جہاد میں تڑپے اور پھڑکے اور جنہیں صحابہؓ نے دفن کیا شہیدوں کی روح زندہ ہے۔ یہ بالکل بے محل بات ہے وہ تو مری ہی نہ تھی نہ جسد مثالی مرا تھا۔ سو فعل قتل جس سے متعلق ہوا حالت حیات بھی اسی کی ہوئی۔ ان اجسام پر بے شک وعدہ موت پورا ہوا۔ لیکن اب یہ زندہ ہیں اور زندگی کے تمام لوازم انہیں اس جہان میں میسر ہیں۔ بل اَحیاء نے ھم اَموات کا کلی طور پر ابطال کر دیا ہے۔

اگر صرف روح کی زندگی مراد ہوتی تو لاتشعرون کہنے کی کیا ضرورت تھی۔ روح زندہ ہے اجسام مردے ہیں یہ بات تو ہر کسی کو سمجھ آرہی تھی۔ اس بات میں کس کو استبعاد تھا جو لاتشعرون کہہ کر ختم کیا گیا۔ یہ شہداء کی جسمانی حیات ہے جو ہمارے حواس سے بالا تھی۔ اس نارسائی سے جو بے یقینی تھی اسے لاتشعرون سے دور کیا گیا۔

اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ان کی حیات کے کچھ لوازم بھی ذکر فرمائے۔ فرمایا یرزقون انہیں رزق بھی دیا جاتا ہے صرف روح کو کھانے پینے کی کیا ضرورت ہے؟ نہ جسد مثالی رزق کا محتاج ہے۔ کھانا پینا تو اسی جسم کی صفات میں سے ہے۔ جب یہ صفت ذکر کی گئی تو تاکید ہوگئی کہ شہداء کی حیات جسمانی ہے صرف روحانی نہیں اور عنصری بدن سے ہے کسی اور جسد سے نہیں۔ جسد مثالی کھانے پینے سے بے نیاز ہوتا ہے اس کی کچھ بحث آگے آئے گی۔

"فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ" خوشی اور غم کی لہریں بدن میں اٹھتی ہیں۔ یہ احساسات روحوں میں نہیں جاگتے۔ فرح زندوں کی صفات میں سے ہے مردوں کے حالات میں سے نہیں۔

"وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ" اس بات کی خوشی کہ ان کے بھائی بھی انہیں آملیں گے ان کے چہروں میں محسوس ہورہی ہے۔ وہ یہ خوشی اپنے بشرہ میں (چہرے میں) محسوس کررہے ہیں ظاہر ہے کہ کھال اور چہرے انہی ابدان کے ہیں، ابدان مثالیہ کے نہیں۔

دوزخ کی آگ کھالوں کو جھلس دے گی۔ لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ (پ ۲۹، المدثر) بدن عنصری میں خوشی کی لہریں اٹھتی ہیں تو ان چہروں کو مستبشرہ کہا جاتا ہے۔

"وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ" (پ ۳۰، عبس آیت ۳۹)

سو اس میں کوئی شبہ نہیں رہ جاتا کہ يَسْتَبْشِرُوْنَ کا فاعل ابدان ہیں۔ الَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ سے بھی وہ پورے انسان ہیں جو انہیں آملیں گے یہاں ضمیر "ھم" کا مرجع کون ہیں؟ وہ ابدان جو ابھی ان سے نہیں ملے۔ ورنہ روح کے لئے تو قرب و بعد زمانی کوئی چیز نہیں۔

سوال: اللہ کی راہ میں شہید ہونے والے بدنوں کو تو یہ مرتبہ ملا کہ انہیں عالم برزخ میں گو یہاں کی آنکھیں اس حیات حسی کا مشاہدہ نہ کرسکیں حسی حیات دی گئی اور یہی ابدان عالم برزخ میں قائز الحیات ہوئے لیکن ان کی روحوں کو بھی کیا کوئی امتیازی شان ملتی ہے؟

جواب: اس عالم میں روح جس طرح بدن میں قید ہے بدن سے نکلنے کے بعد اس کا ادراک اور دائرہ سیر بہت بڑھ جاتا ہے۔ اس کا قبر کے سوال و جواب کے وقت بدن میں اعادہ بھی ہو تو کاملین کے لئے یہ اعادہ اشراف ہے اعادہ قید نہیں وہ روحیں عالم بالا سے ایک تعلق رکھتے ہوئے بھی ابدان کی طرف لوٹ سکتی ہیں اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ موت کے بعد روح کا ادراک بڑھ جاتا ہے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ لکھتے ہیں:" وارواح الكمل اذا فارقت اجسادها صارت كالموج المكفوف لايهزها ارادة متجددة و داعية سانحة ولكن النفوس التي هي دونها تلتصق منها بالهمة فيجلب بها نورا و هيئة مناسبة بالأرواح" (حجۃ اللہ البالغہ باب الاذکار ص ۷۷)

ترجمہ: کامل لوگوں کی ارواح جب اپنے اجساد سے جدا ہوتی ہیں وہ اسی موج کی طرح ہو جاتی ہیں جو رکی ہوا نہیں کوئی نیا ارادہ اور پیش آنے والا داعیہ اپنی جگہ سے نہیں ہلا سکتا۔ لیکن نچلے طبقے والے نفوس اپنی ہمت سے ان سے ملصق ہو کر نور اور ایک ہیئت مناسب پیدا کر لیتے ہیں۔

یعنی وہ روح ایک موج مکفوف کی طرح ہے جس سے نچلے والے اثر قبول کرتے ہیں۔ یہاں قبروں کے ابدان بھی اگر کاملین کے ہوں تو وہ ارواح عالیہ سے اثر قبول کرتے ہیں اور ان کا اس جگہ سے خاص ربط ہوتا ہے جہاں وہ مدفون ہوں۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اس بحث کے آخر میں لکھتے ہیں: ''وھی المکنی عنہ بقولہ ﷺ مامن احد یسلم علی الارد اللہ علی روحی فارد وقد شاھدت ذلک ما لا أحصی فی مجاورتی المدینہ سنۃ الف ومائۃ واربع واربعین ۱۱۴۴'' (ایضاح ۲ ص ۷۷)

ترجمہ: اور اسی کی طرف کنایہ ہے حضور ﷺ کے اس ارشاد میں کہ جب کوئی مسلم مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح کو ادھر لوٹا چکے ہوتے ہیں سو میں بھی اس پر سلام لوٹاتا ہوں ۱۱۴۴ھ میں جب میں مدینہ ٹھہرا ہوا تھا تو میں نے بارہا اس کا مشاہدہ کیا۔

اب آپ ہی بتائیں حضرت شاہ صاحبؒ کا مسلک قبر مبارک کے جسد اطہر کے بارے میں کیا ہے؟ آپ جب روضۂ نبویہ پر حاضر ہوتے رہے اور سلام عرض کرتے رہے تو آپ نے اپنا مشاہدہ کیا بتایا ہے؟ کیا روح انور کا تعلق قبر مبارک میں رکھے جسد اطہر سے ہے یا نہیں؟ آپ حضرت شاہ ولی اللہؒ کی اس شہادت کو پڑھیں اور بار بار پڑھیں۔

جسدِ اطہر کی شان عالم برزخ میں

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے نزدیک عالم برزخ میں حضور ﷺ کے جسد اطہر کی شان کیا ہے؟ آپ کے نزدیک حضور ﷺ کا سفر معراج عالم برزخ کی ہی ایک سیر تھی۔ اس رات آپ کے جسد اطہر پر روح کے خواص جاری کر دیئے گئے اور حقائق و معانی مختلف اشکال و صور میں آپ کو مشاہدہ کرائے گئے۔ حدیث میں اس کی پوری تفاصیل ملتی ہیں۔

آنحضرت ﷺ اپنی اس سیر برزخی میں اپنے اصل جسد اطہر کے ساتھ تھے اور یہ خواب نہیں بیداری کا واقعہ تھا۔ جسد اطہر اس برزخی سیر میں روح کے حکم میں آ چکا تھا اور جس طرح روح پرواز کرتی ہے آپ آن کی آن میں پہلے آسمان پر تھے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ لکھتے ہیں: ''کل ذلک بجسدہ ﷺ فی الیقظۃ ولکن ذلک فی موطن ھو برزخ بین المثال والشھادۃ جامع لاحکامھما فظھر علی الجسد احکام الروح''

ترجمہ: آپ کا یہ سارا سفر اپنے جسد مبارک کے ساتھ تھا اور بیداری میں تھا لیکن یہ ایسے موطن میں تھا جو عالم شہادت اور عالم مثال کے مابین ایک برزخی درجہ ہے اور یہ دونوں کے احکام کو جامع ہے اس وقت جسد پر روح کے احکام چل رہے تھے۔ (حجۃ اللہ البالغہ ص ۲۰۶ ج ۲)

آپ کی سیر معراج بتلاتی ہے کہ مکہ مکرمہ میں ہی آپ کا یہ روح اطہر روح کے الطف مقام پر آ چکا تھا اور حضرت شاہ صاحبؒ کے ہاں آپ اپنی وفات سے پہلے بھی ایک برزخی سیر سے گزارے گئے تھے پھر جب آپ مدینہ منورہ آ گئے اور اس پر اتمام نعمت کی دولت پا گئے۔ (ما کان موعودا فی قولہ تعالی ویتم نعمتہ علیک) تو اب یہ جسد اطہر کس شان اور لطافت پر ہوگا اسے عالم برزخ کے سیاحوں کے سوا اور کون سمجھ سکتا ہے ہاں ہم یہ ماننے کے لئے قطعا تیار نہیں کہ وہ جسد اطہر جو مکہ مکرمہ میں پوری لطافت سے برزخی سیر کر چکا تھا وہ اب اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ

مَّيِّتُونَ کے وعدہ کو پورا کر کے اس مقام پر آ گیا تھا کہ اب تا قیامت اس روح مقدسہ سے بیگانہ رہے جس کے تعلق سے اس پر سفر معراج میں خود روح کے احکام طاری تھے، وہ جسد اطہر جسے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی مکی زندگی میں ہی جلاء تام بخش دی تھی۔ وہ اب تا قیامت قبر میں بے جان و بے حس پڑا ہے۔ استغفر اللہ العظیم۔ کیا یہ عقیدہ انحطاط آیت وَلَلْآخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْأُولَىٰ سے نصاً متصادم نہیں؟

حضرت شاہ صاحبؒ تو اپنے ۱۱۴۴ھ کے مشاہدات میں روضہ انور کی حاضری میں یہ جلوے دیکھ آئے ہیں اب انہیں پڑھ کر بھی اگر کسی کو صحت عقیدہ کی دولت نہ ملے تو ہم اس کے سوا کیا کہہ سکتے ہیں ؎

تہی دستان قسمت راچہ سود از رہبر کامل ۔۔۔ کہ خضر از آب حیواں تشنہ مے آرد سکندر را

حق یہ ہے کہ کاملین کی روح کا ادراک وفات کے بعد اور وسیع ہو جاتا ہے اس دنیا کی زندگی میں حضور ﷺ کی رویت بصری اور قوت سمعی صحابہؓ کی سی نہ تھی۔ آپ روح الامین کو آتا دیکھتے تھے اور آپ کے قریب بیٹھے دوست اس کیفیت کے آثار تو دیکھتے لیکن فرشتوں کو نہ دیکھتے اور نہ سنتے آپ کی نگاہ کبھی برزخ کے پردوں کو چیر کر دور کے نقشے دیکھ لیتی اور قبروں کے پاس سے گزرتے آپ کبھی برزخی آوازیں بھی سن لیتے۔ جب دنیا میں یہ حال تھا تو اس وادی کے سیاحوں کے اس بیان کو بھی مان لیجئے کہ کاملین کی روح کا ادراک وفات کے بعد اور بڑھ جاتا ہے اور وہ اپنے اجسام مدفونہ سے بھی کلیۃً بے توجہ نہیں ہوتیں۔ روحی کمالات کا فیض ان پر بھی اترتا ہے۔ مولانا رومؒ لکھتے ہیں:

باش تا مرغ از قفس آید بروں ۔۔۔ تا بہ بینی ہفت چرخ او را زبون

ترجمہ: انتظار کر یہاں تک کہ روح اس بدن سے پرواز کرے پھر تو دیکھے کہ کس طرح سات آسمان اس کے آگے زیر ہیں۔ (مثنوی دفتر ص ۳۲۵)

سو اس میں شک نہیں کہ وفات کے بعد روح کا ادراک اور وسیع ہو جاتا ہے۔ اس کی برکتیں اگر سات آسمانوں تک جا سکتی ہیں تو کیا زمین میں رکھے بدن کو ان میں سے کوئی حصہ نہیں مل سکتا جب اس روح کے آگے سات آسمان زیر ہیں تو روح الارواح کا اشراف و اشراق صرف اس جسد اطہر کے لئے ہی ممنوع ہے جو زمین میں دفن ہے؟ وہاں فرشتے بھی حاضری دیتے ہیں اور سلام پیش کرنے والے زائرین کا تانتا بھی ہر آن اور ہر لحہ بندھا ہے یا اس بدن اطہر میں وہ امجذاب نہیں کہ وہ اس روح عالی سے فیضیاب ہو؟

آیئے برزخی مشاہدہ کے ایک اور سیاح سے اس کی تصدیق حاصل کیجئے شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ (۱۳۷۷ھ) لکھتے ہیں: "یہ برزخی حیات بعض پہلوؤں سے اس دنیوی حیات سے قوی تر بھی ہے۔" (مکتوبات شیخ الاسلام ج)

یہ اس لئے کہ دنیوی حیات کے بہت سے حجابات اس برزخی حیات میں اٹھ جاتے ہیں: "آپ کی حیات نہ صرف روحانی ہے جو کہ عام شہداء کو حاصل ہے بلکہ جسمانی بھی اور از قبیل حیات دنیوی بلکہ بہت وجوہ سے اس سے قوی تر" (مکتوبات شیخ الاسلام ج ۱ ص ۱۳۰)

ہم یہ کہہ رہے تھے کہ شہداء بعد قتل ایک ایسی زندگی پا لیتے ہیں جسے وہ حساً محسوس کرتے ہیں اور ان کی وہ زندگی جسمانی ہوتی ہے اس میں ان کی روح کا ادراک اور بڑھ جاتا ہے کاملین کی ارواح میں حضور اکرم ﷺ کے برزخی ادراک کا ذکر ضمناً آ گیا ہے اصل موضوع ارواح شہداء کی امتیازی شان ہے اب اس کا ایک پہلو ملاحظہ کیجئے۔

(ب) پھر روح کو قوت تجسد بھی ملتی ہے روح خود ایک جسم کی شکل اختیار کرتی ہے وہ کسی دوسرے جسد میں بطریق حلول نہیں اترتی یہ تناسخ ہے (جس کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں) یہاں روح خود ایک جسم کی صورت میں ابھرتی ہے اور یا پرندے کے بدن میں اس تعلق سے آتی ہے جو سوار کو سواری سے ہوتا ہے اور اس میں بھی تناسخ کا کوئی شائبہ نہیں۔

شہداء کی روحیں سفید پرندوں کی سی صورت اختیار کرتی ہیں اور سیر بھی کرتی ہیں۔ حضرت قتادہؓ (۱۱۸ھ) کہتے ہیں: "بلغنا ان ارواح الشهداء فی صور طیر بیض تاکل من ثمار الجنة" (المصنف لعبدالرزاق ج ۵ ص ۲۶۳)

ترجمہ: ہم کو روایت پہنچی ہے کہ شہداء کی روحیں سفید پرندوں کی شکل اختیار کرتی ہیں اور جنت کے پھل کھاتی ہیں۔

پھر آنحضرت ﷺ سے ان کا سبز پرندوں کی صورت میں آنا بھی منقول ہے: "ان ارواح الشهداء فی طیر خضر تعلق من ثمر الجنة" (جامع ترمذی ج ۱ ص ۱۹۷)

ترجمہ: بے شک شہیدوں کی روحیں سبز پرندوں میں اترتی ہیں اور جنت کے پھل کھاتی ہے۔

سنن نسائی میں حضرت کعب بن مالکؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "ان نسمة المومن طائر فی شجرة الجنة حتی یبعثه الله الی جسده یوم القیمه" (سنن نسائی ج ۱، ص ۲۹۲)

ترجمہ: مومن کی روح باغ جنت میں ایک پرندے کی صورت میں رہتی ہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اسے اس کے جسد میں قیامت کے دن (کاملۃً) لوٹا دے۔

روح الامین بھی دحیہ کلبی کی صورت میں متجسد ہوئے۔ پھر اگر کاملین کی روحیں بھی کسی اور صورت میں تجسد کریں تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ لکھتے ہیں: "وان شئت قلت بتمثل الروح نفسها صورة لان الارواح فی غایة اللطافة وفیها قوت التجسد کما یشعر به ظهور الروح الامین بصورة دحیة الکلبی"

ترجمہ: آپ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ روح خود پرندے کی صورت میں متمثل ہو گئی کیونکہ ارواح میں انتہائی لطافت ہوتی ہے اور ان میں قوت تجسد بھی ہے حضرت روح الامین جبریل ﷺ کا دحیہ کلبی کی صورت میں متمثل ہونا اس کا پتہ دیتا ہے۔ (حجۃ اللہ البالغہ ج ۲، ص ۲۱)

روح کے اس کمال لطافت اور تجسد صورت کے باجود اس کا تعلق کسی بدن مثالی سے ہو یا قبر کے بدن عنصری سے ہو یا دونوں سے ہو تو روح کے اس اشراف کے لئے کوئی دلیل منع شریعت میں وارد ہے؟ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں: "لامانع من تعلقها ببدن برزخی مغائر لهذا البدن الکثیف" (ایضا)

ترجمہ: روح کا تعلق کسی اور برزخی بدن سے بھی ہو جو اس بدن کثیف کے علاوہ ہو شریعت میں کوئی دلیل اس سے مانع نہیں ہے۔

جب یہاں کوئی مانع نہیں اور علیین میں ہونے کے باوجود روح کا تعلق کسی برزخی بدن سے ہو سکتا ہے اور ارواح کی یہ وسعت وہاں تک اثر انداز بھی جا سکتی ہے تو قبر کے بدن عنصری سے اس کے تعلق میں کیا امر مانع ہے جس کا مشاہدہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کو ۱۱۴۴ھ کو روضہ نبوی پر بار بار ہوتا رہا ہے اور تاریخ کے مختلف موڑوں پر اگر کہیں شہداء کے اجسام کھلے تو ان میں زندگی کے اثرات دیکھے گئے۔

سو یاد رکھئے ارواح کاملین کے اس درجہ لطافت اور تجسد صورت کے باوجود ان کے تعلق بالبدن العنصری سے کوئی شرعی مانع موجود نہیں ہے۔ ارواح شہداء کو جو بدن عنصری میں آنے کی اجازت نہ دی گئی تو وہ اس عالم (عالم دنیا) میں اپنے ابدان عنصریہ میں لوٹنے کی گزارش تھی۔ تاکہ ایک دفعہ پھر وہ میدان جہاد میں آئیں اور اللہ کی راہ میں پھر شہید ہوں۔ ان کی تمنا عالم برزخ میں اپنے ابدان میں آنے کی نہ تھی عالم برزخ میں تو ان کے وہ بدن بزروئے نص قرآن زندہ ہیں اور وہ جہاں دار العمل نہیں دار الجزاء ہے دار العمل صرف یہ دنیا ہے جس کے اعمال اگلے جہان میں پھل لاتے ہیں۔

عالم دنیا میں روحوں کے دوبارہ نہ لوٹنے کو عالم برزخ میں روحوں کے اپنے بدنوں میں نہ لوٹنے کی دلیل بنانا اگر علمی خیانت نہیں تو اور کیا ہے؟

اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ شہداء خود تمنا ہی عالم دنیا میں لوٹنے کی کریں گے۔ حدیث میں یہاں صریح طور پر دنیا کا لفظ موجود ہے اور ان کی جنت میں بھی جب کہ وہ وہاں ابدان عنصریہ سے پہنچے ہوئے ہوں گے یہی تمنا ہوگی۔ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں: "ما احد یدخل الجنة یحب ان یرجع الی الدنیا و له ما علی الارض من شئی الا الشهید یتمنی ان یرجع الی الدنیا فیقتل عشر مرات" (صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۹۵)

ترجمہ: کوئی شخص جو جنت میں جائے اس بات کا خواہاں نہیں ہوتا کہ اسے دنیا میں پھر بھیجا جائے دنیا کی ہر چیز کا مالک بنا کر مگر شہید وہ تمنا کرتا ہے کہ ایک دفعہ پھر وہ دنیا کو جائے اور اسی طرح دس دفعہ وہ اللہ کی راہ میں مارا جائے۔

ارواح شہداء کے سبز پرندوں کی صورت میں آنے یا سفید پرندوں کی صورت میں آنے کی روایات مختلف ہیں۔ پھر یہ اختلاف بھی کہ ارواح خود ان صورتوں میں متجسد ہوتی ہیں یا حواصل طیور میں اس طرح اترتی ہیں جیسے سوار سواری لے لے۔ الفاظ میں بہت اختلاف ہے۔ غالباً اسی اضطراب کے باعث امام بخاری باوجود آیت: "وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا" کا باب باندھنے کے آپ اس میں حدیث طیر خضر نہیں لائے۔ امام مسلمؒ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت پیش کی ہے۔ امام نوویؒ نے اسے حل کرنے کی بہت کوشش کی ہے مگر بات وہیں کی وہیں رہتی ہے: "قال القاضی قال بعض المتکلمین علی هذا الاشبه صحة قول من قال طیرا و صورة طیر او اکثر ما جاءت به الروایة واستبعد بعضهم هذا ولم ینکره اخرون ولیس ما فیه ینکر ولا فرق بین الامرین بل روایة طیر او جوف طیر أصح معنی۔" (نووی شرح صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۳۶)

ترجمہ: قاضی نے بعض متکلمین سے نقل کیا ہے کہ زیادہ صحیح بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ روح خود پرندوں کی شکل میں آئے اور زیادہ روایات میں یہی بات ملتی ہے اور بعض لوگوں نے اسے مستبعد جانا ہے اور دوسروں نے اس کا انکار نہیں کیا اور اس میں کوئی ایسی بات نہیں جس پر شریعت میں انکار وارد ہوا اور دونوں اقوال میں کوئی زیادہ فرق نہیں ہے، اور پرندے کی صورت یا پرندے کے پیٹ میں جانے کی روایت زیادہ صحیح ہے۔

یہ روایت حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت انس بن مالک اور حضرت ابوسعید خدریؓ سے بھی مروی ہے اور ان میں سے کوئی بھی اسے آیت وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ کی تفسیر قرار نہیں دیتا۔ بیشتر روایات میں اس آیت کا ذکر تک نہیں ملتا۔ پھر ان روایات میں کہیں یہ بات بھی نہیں ملتی کہ آخرت میں ارواح شہداء کو ان پرندوں سے کیسے رہائی ملے گی۔ جب وہ اپنے اصلی اجساد کے ساتھ انسانی شکلوں میں جنت میں جائیں گے۔ حشر کے دن وہ کس وقت اپنی پرندوں کی قبا بدلیں گے۔ اس کا کسی ضعیف حدیث میں بھی اشارہ نہیں ملتا۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت سے صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ شہیدوں کی روحیں ارواح مجردہ کی صورت میں نہیں وہ پرندوں کی صورت میں متجسد ہیں۔ لیکن ان ارواح متجسدہ کا کسی اور برزخی بدن سے یا قبروں کے عنصری بدن سے کوئی تعلق ہے یا نہیں۔ اس سے یہ روایت بالکل خاموش ہے سوائے حیات شہداء کی تفسیر قرار دینا یہ کچھ میں نہیں آتا اور نہ اس آیت وَلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ کی تصریح اس کی تائید کرتی ہے۔

"لا مانع من تعلقها ببدن برزخی مغائر لهذا البدن الكثيف" (حجۃ اللہ البالغہ ج ۲ ص ۲۱)

ترجمہ: روح کا تعلق کسی برزخی بدن سے بھی ہو جو اس عنصری بدن کے علاوہ ہو اس سے شرعاً کوئی چیز مانع نہیں۔

"مغائر لهذا البدن الكثيف" بدن برزخی کی تشریح ہے اس میں اس بدن عنصری سے تعلق کی نفی کا دعوےٰ نہیں ہے۔ جو علماء اسے بدن عنصری سے روح کا تعلق نہ ہونے کی دلیل بنا رہے ہیں اور کہتے ہیں: "ان میں تعلق روح بالجسم العنصری کا نام تک بھی نہیں بلکہ اس کی نفی صراحۃً مذکور ہے۔" (مسالک العلماء ص ۷۴)

وہ عبارت کو سمجھ نہیں پائے مغائر لهذا البدن بدن برزخی کی صفت ہے اس میں بدن عنصری سے تعلق کی نفی نہیں جیسا کہ سمجھ لیا گیا ہے۔ فوا اسفا علی ضیعۃ العلم!

ارواح کا پرندوں کی شکل پانا کیا یہ ان کی زندگی ہے

قرآن کریم نے جس پر عظمت پیرایہ اور پر شکوہ الفاظ میں شہداء کا بعد قتل زندہ ہونا بیان کیا ہے اور اس حیات کو اتنا لطیف اور مخفی بتایا ہے کہ تم اس کو پا نہیں سکتے۔ اس تک پہنچ نہیں سکتے (وَلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ) اس کی یہ شرح اتنی آسان کہ انہیں پرندوں کی شکلیں دے دی جاتی ہیں اور وہ سیر کرتے پھرتے ہیں۔ بس یہی ان کی زندگی ہے یہ بات غور طلب ہے۔

کیا حدیث میں جہنمیوں کا سیاہ پرندوں کی شکل جانا مذکور نہیں کیا وہ بھی زندہ ہیں؟ اگر ایسا ہی ہے تو بتلایئے ان دو زندگیوں میں باعتبار زندگی کیا فرق ہے؟ باعتبار راحت اور عذاب بیشک فرق ہے مگر باعتبار زندگی کیا فرق ہے۔ وہ جنت میں سیر کرتے ہیں یہ جہنم میں تڑپتے پھرتے ہیں مگر باعتبار زندہ ہونے کے ان میں کیا فرق ہے؟ ہمارے پاس اس کا مثبت جواب ہونا چاہئے۔ اگر نہیں تو ہمیں وَلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ کے دبیز پردے کے پیچھے رہنا چاہئے۔

یہ سمجھ لینا کہ صحابہ کرامؓ لَا تَشْعُرُوْنَ پر قانع نہ رہے اور وہ اسے شعور میں لانے کی برابر کوشش کرتے رہے اور ان کے بارے میں پوچھتے رہے یہ بات غور طلب ہے۔ پھر حضور ﷺ نے بھی جواب میں آیت وَلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ نہ پڑھی۔ جواب میں شہیدوں کا پرندوں کی شکل میں آنا بیان کر دیا اور بس! آنحضرت ﷺ نے کیا مختلف مواقع پر قرآن کی آیات سے استدلال نہیں فرمایا۔ پھر یہاں آپ نے آیت وَلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ کیوں نہ پڑھ دی۔

شہداء سبز پرندوں کے روپ میں

ارواح شہداء کو سبز پرندوں میں اتار دیا جاتا ہے اور ارواح کفار کو سیاہ پرندوں کے قالب میں۔ فرق ہے تو یہ کہ: (۱) سبز پرندے جنت میں ہیں اور سیاہ پرندے دوزخ میں ہیں۔ (۲) سبز پرندے سیر میں چلتے پھرتے ہیں اور سیاہ تڑپتے پھرتے ہیں۔ (۳) سبز پرندوں کی روایات اونچی کتابوں میں اور سیاہ کی نچلی کتابوں میں۔

یہ سب فرق سہی مگر جس بات کو نظریں تلاش کرتی ہیں وہ ان کی حیات ہے۔ کیا زندگی زندگی میں فرق ہے یا زندگی ایک ہی نوع کی ہے۔ جنت اور جہنم کی تقسیم تو ویسے ہی مومنین اور کفار میں قائم ہے۔ اس میں شہداء کی کوئی تخصیص نہیں۔ پھر خوشی سے چلنا پھرنا اور تڑپنا یہ نعیم وعذاب کے کوائف ہیں۔ زندگی دونوں میں برابر ہے۔ ہاں حیات جو صحابہؓ کے شعور سے بھی بالا ہے وہ کیا ہے اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث میں اس کا بیان کہاں ہے؟ آپ نے تو اسے حیات شہداء کی کیفیت اور لَا تَشْعُرُوْنَ کی تفسیر قرار نہیں دیا اور نہ ان سے یا آنحضرت ﷺ سے یہ امید کی جاسکتی ہے کہ آپ ارشاد الٰہی وَلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ کے خلاف اسے شعور میں لانے کی مثالیں بیان فرمائیں۔

کفار سیاہ پرندوں کے روپ میں

آیت اَلنَّارُ یُعْرَضُوْنَ عَلَیْہَا (مومن) کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں: ”آل فرعون کی روحیں سیاہ پرندوں کی شکل میں ہر روز صبح وشام دو مرتبہ جہنم کے سامنے لائی جاتی ہیں اور جہنم کو دکھا کر ان سے کہا جاتا ہے کہ تمہارا ٹھکانہ یہ ہے۔“ (تفسیر معارف القرآن ج ۷ ص ۶۰۳)

حافظ ابن کثیرؒ (۷۷۴ھ) لکھتے ہیں: ”فاما حصول ذلک للجسد فی البرزخ وتالمہ بسببہ فلم یدل علیہ الا السنۃ فی الاحادیث المرضیۃ“ (تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۸۱)

یعنی قرآن وحدیث کو ملا کر مسئلہ یہ ہوا کہ عذاب وثواب قبر روح اور جسم دونوں کو ہوتا ہے اور یہی حق ہے۔ اور آل فرعون کی روحیں سیاہ رنگ پرندوں کے قالب میں ہیں۔ ابن کثیرؒ یہ بات پہلے ص ۴۳ پر کہہ آئے ہیں۔ ایک شخص نے امام اوزاعیؒ (۱۵۷ھ) سے کہا: ”ہم نے سمندر میں سے کچھ پرندے نکلتے دیکھے ہیں جن کے پروں پر سفیدی تھی۔ اور ان کی تعداد اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ وہ جھنڈ کے جھنڈ اس سمندر (بحر قلزم) سے نکلتے ہیں اور بحر غربی کے کنارے جاتے ہیں پھر جب تیسرے پہر کا وقت ہوتا ہے تو ویسے ہی سیاہ پرندے آکر سمندر میں گھس جاتے ہیں۔“

اس پر امام اوزاعیؒ (۱۵۷ھ) نے فرمایا: ”ان پرندوں کے حواصل میں آل فرعون کی روحیں ہیں جو صبح وشام جہنم پر پیش کی جاتی ہیں۔ یہ آل فرعون چھ لاکھ جنگی سوار تھے۔“ (مواہب الرحمٰن ج ۷ پ ۲۴ ص ۱۵۹)

علامہ نسفیؒ (۷۰۱ھ) بحر الکلام میں لکھتے ہیں: ”واما ارواح الکفار فی جوف طیر سود تحت الارض السابعۃ“ (نقلا من شرح الصدور ص ۱۰۴)

ترجمہ: اور کافروں کی روحیں ساتویں زمین کے نیچے سیاہ پرندوں کے پیٹ میں ہوتی ہیں۔

سو اگر پرندوں کے قالب میں آنا ہی زندگی ہے تو پھر شہداء کی کیا تخصیص رہی؟ پرندوں کے قالب تو جہنمیوں کو بھی ملتے ہیں اور سبز اور سیاہ پرندوں کی دونوں قسم کی روایات حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے ہی مروی ہیں۔ سو یہ صرف ارواح کے تجسد کا بیان ہے ان کی حیات کی تفصیل نہیں اور نہ یہ روایات آیت لا تشعرون کو منسوخ کرتی ہیں کہ اب ہمیں ان کی حیات کا شعور حاصل ہو گیا ہے اور بات سمجھ میں آگئی ہے۔

غذا روح کی ضرورت ہے یا بدن کی

کھانا پینا یہ بدن کی ضرورت ہے روح کی نہیں۔ روح کی غذا تسبیح وتقدیس اور اللہ کی یاد کے سوا کچھ نہیں جنت میں شہداء کی روحیں اگر سبز رنگ کے پرندوں کی صورت میں متجسد ہو کر سیر کرتی ہیں۔ تو ظاہر ہے انہیں کھانے کی

حاجت نہیں ہوتی۔ غذا ہمیشہ سے بدن کی طلب رہی ہے نہ کہ روح کی۔

قرآن کریم نے شہداء کو جو زندہ کہا تو اس کی دلیل میں یُرزَقُونَ بھی فرمایا معلوم ہوا یہ ابدان کی زندگی ہے صرف روح کی نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے الفاظ یُرزَقُونَ ان کی دلیل حیات کے طور پر بیان فرمائے ہیں۔

علامہ ابو عبد اللہ القرطبی (۶۷۱ھ) فرماتے ہیں: "بل أحیاء دلیل علی حیاتھم وانھم یرزقون ولا یرزق الا الحی"

ترجمہ: بل احیاء (وہ زندہ ہیں) ان کی حیات کی دلیل ہے اور یہ کہ انہیں رزق ملتا ہے اور رزق تو زندوں کو ہی دیا جاتا ہے نہ کہ مردوں کو۔

حیات شہداء بنص قرآن ایسی واضح ہے کہ معتزلہ جو عام عذاب قبر کو بدن سے متعلق نہیں مانتے وہ بھی مانتے ہیں: "بل احیاء لدلالۃ الکلام علیھا قولہ تعالیٰ یرزقون کسائر الاحیاء یاکلون ویشربون وھو تاکید لکونھم احیاء وصف حالھم التی ھم علیھا" (تفسیر کشاف ج ۱ ص ۴۲۹)

ترجمہ: وہ زندہ ہیں اللہ کے کلام یرزقون کی دلالت اسی پر ہے جیسا کہ دوسرے سب زندوں کی صفت ہے وہ کھاتے بھی ہیں اور پیتے بھی ہیں اور یہ کہ ان کے زندہ ہونے کی تاکید ہے ان کا وہی حال بتایا گیا جس میں کہ وہ ہیں۔

برزخ کی یہ غذا اسی جنس کی ہوتی ہے جو وہ اس دنیا میں کھاتا پیتا تھا گو نوع اس کی دوسری ہو۔ ابن رسول صاحبزادہ ابراہیمؓ کی وفات ہوئی تو حضور ﷺ نے بتلایا کہ ابراہیمؓ کے لئے اگلے جہان میں دودھ پلانے والی موجود ہے۔

اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ اگلے جہان میں یُرزَقُونَ کی شان شہداء سے خاص نہیں: "عن عدی بن ثابت قال سمعت البراء قال لما مات ابراھیم قال رسول اللہ ﷺ ان لہ مرضعا فی الجنۃ"

ترجمہ: حضرت براء کہتے ہیں جب حضور ﷺ کے بیٹے ابراہیم کی وفات ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا اس کے لئے جنت میں دودھ پلانے والی موجود ہے۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۱۴ ج ۱ ص ۴۶۱)

دنیا میں ابراہیم کی غذا دودھ تھی تو آگے بھی دودھ ملا گو وہ دودھ اس عالم کا تھا جو ضروری نہیں کہ اس دودھ جیسا ہو۔

ایک سوال: اگلے جہاں کے رزق سے اگلے جہان والے غذا پائیں یہ بات تو سمجھ میں آتی ہے لیکن یہاں کے ابدان جیسے شہداء کرام جو حیات جسمانی سے فائز الحیات ہیں وہ اس جہان کے رزق سے کیسی سیری حاصل کر سکتے ہیں؟

جواب: کیا آپ نے یہ مطالعہ نہیں فرمایا کہ آنحضرت ﷺ یہاں عالم دنیا میں بھی کبھی غیبی رزق سے متمتع ہوئے جو بدن میں تو قوت پیدا کرتا لیکن اسے منہ سے کھانے کی ضرورت نہ ہوتی تھی۔ آنحضرت ﷺ نے جب صوم وصال (روزے جوڑ کر) رکھے تو بعض صحابہؓ نے بھی ایسا کرنا چاہا حضور ﷺ نے انہیں منع فرمایا اور بات کھول دی۔

"لست کاحد کم انی یطعمنی ربی ویسقینی" (ایضاً ج ۱ ص ۲۶۳)

ترجمہ: میں تم میں سے کسی کی طرح نہیں ہوں۔ میرا پروردگار مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔

حضور ﷺ کا یہاں کا جسد اطہر اس عالم غیب کے کھانے سے سیری محسوس کرتا تھا سو شہداء بھی اگر جسمانی حیات سے زندہ ہوں اور اللہ رب العزت انہیں ان کے مناسب حال رزق پہنچائے تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔

تیسری صدی کے علماء میں سے کسی نے یہ سوال نہیں اٹھایا کہ ان دنیوی ابدان کا اس عالم غیب کے رزق سے سیری حاصل کرنا ہماری سمجھ میں نہیں آتا۔ سب اہل حق تسلیم کرتے تھے کہ اللہ کی قدرتوں کا احاطہ کرنا انسان کے بس کی بات نہیں۔ ہمارا فرض ہے اللہ رب العزت نے اور اس کے رسول برحق نے جو کچھ فرما دیا اس پر بے چوں وچرا ایمان لائیں۔

آیت حیاۃ شہداء کے تقاضے

آیت حیات شہداء کے آخر میں یہ بات بڑی صراحت سے کہی گئی ہے ولکن لَا تَشْعُرُوْنَ اس کا حاصل یہ ہے کہ تم اس حیات شہداء کو اپنے شعور میں نہیں لا سکتے اس کا ادراک نہیں کر سکتے۔ قرآن کی یہ بات کہ تم اس کا شعور نہیں رکھتے کیا یہ ہمیشہ کے لئے نہیں؟ یہ کرم فرما کہتے ہیں کہ حصہ آیت اسی وقت تک کے لئے تھا جب تک حضور ﷺ نے ارواح شہداء کے حواصل طیور میں آنے اور جنت میں داخلہ لینے کی بات نہ فرمائی تھی۔ جب آپ نے امت کو حیات شہداء کا شعور بخش دیا تو اب آیت لَا تَشْعُرُوْنَ منسوخ ہو گئی۔ استغفر اللہ العظیم!

اب ان کی زندگی جنت میں اسی طرح کی ہے جس طرح اور مومنین کی ہو گی۔ اُن کی بھی حیات روحانی اور ان کی بھی حیات روحانی۔۔۔ آیت حیاۃ شہداء میں جو ان کی جسمانی حیات کا بیان تھا سب کا سب ختم ہو گیا۔ اس سے زیادہ اس آیت کی تحریف اور کیا ہو گی۔ أعاذنا اللہ منہ!

ہم قادیانیوں کو بارہا کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کے مدعی (قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ پ ۶، النساء ۱۵۷) جس جسم کو قتل کرنے کے مدعی تھے اللہ نے اسی کو اٹھایا اسی کا رفع کیا۔ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ میں بل اضرابیہ ہے یہود کا جس چیز کے قتل کا دعویٰ ہے۔ اللہ رب العزت کا اسی کے رفع کا دعوی ہے۔ سو حضرت مسیح علیہ السلام کے رفع جسمانی کا عقیدہ ضروریات میں سے ہے۔

اب وہی بات ہمیں اپنے ان کرم فرماؤں کو کہنی پڑ رہی ہے کہ لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ میں جو زیر قتل آئے انہی کے بارے میں بل اضرابیہ ابطالیہ وارد ہے کہ وہ اموات نہیں انہیں اموات نہ کہو۔ بلکہ وہ زندہ ہیں تمہیں سمجھ نہ آئے تو لَا تَشْعُرُوْنَ کے تحت قبول کرلو۔ ضروری تو نہیں کہ عالم غیب کی ہر بات سمجھی جائے۔

ان کرم فرماؤں نے آیت کی جو تفسیر بنا رکھی ہے وہ "بل" اضرابیہ پر نظر رکھنے والوں اور لا تشعرون پر یقین رکھنے والوں کے لئے کسی طرح لائق فہم نہیں۔ ان کے بیان کا حاصل یہ ہے کہ: "جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جاتے ہیں ان کی روحیں پرندوں کی صورت میں سیر کرتی ہیں تم انہیں مردہ نہ کہو وہ زندہ ہیں تمہیں ان کی زندگی کی سمجھ نہیں آسکتی۔"

جب وہ پرندوں کی شکل میں آگئے تو سمجھ تو آگئی اب ان کے بارے میں ہمیں لا تشعرون کیسے کہا جا سکے گا۔ جنت میں چلنے پھرنے والے کیا سب شہید ہوں گے یا شہداء کے علاوہ بھی وہاں کسی کو داخلہ ملے گا؟ پھر ان کے بارے میں کیا وہی کہا جائے گا کہ ان کی زندگیوں کا تم شعور نہیں رکھتے یا یہ اور شکلوں میں وہاں جائیں گے اور شہید پرندوں کی شکل میں کچھ تو سمجھائیے کہ ان میں ایک لَا تَشْعُرُوْنَ کے تحت ہوں۔ اور دوسرے شعور کے تحت۔ ان میں فارق آیت کون سی ہے؟

کچھ تو کہئے کہ لوگ کہتے ہیں ۔۔۔ آج غالب غزل سرا نہ ہوا

قرآن کی آیت حیاتِ شہداء پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ شہداء زندہ ہیں اور ان کے جو ابدان مقتول ہوئے انہیں مردے نہ کہو۔ ان کی زندگی تمہارے حواس سے بالا ہے تم اس کا ادراک نہیں کر سکتے۔

ارواح کا مستقر علیین میں مان کر کیا تم بہ تعلق روح ابدان مقتولہ کی زندگی نہیں مان سکتے جو یہاں کی آنکھوں سے تو پردے میں ہے لیکن لَاتَشْعُرُوْنَ کے تحت ہمارے ایمان میں ہے کہ ہم اس کا شعور نہیں رکھتے۔ حدیث طیور کی بے شک تصدیق کرو لیکن ابدان شہداء کو ہرگز مردہ نہ کہو۔ ان میں ایسی زندگی ہے جو تم سے پردے میں ہے۔ اور اس جہت سے وہ زندہ ہیں۔

قرآن کریم کے ان ظاہر معنوں کو کسی خبر واحد سے جو دلالۃ بھی مضطرب ہو پھیر دینا یہ علم کی کون سی خدمت ہے اور عوام میں اس خبر واحد کو متواتر اور قطعی الدلالۃ بتانا اس سے بڑھ کر عوام سے فریب کاری کیا ہوگی؟ جو مفسرین آیت وَلَاتَزِرُ وَازِرَۃٌ وِّزْرَ اُخْرٰی کو قبر سے متعلق قرار دیں ان کے سوا کون ہے جو برزخ میں شہداء کی حیات جسمانی کا انکار کر سکے۔

ہر کسی نے اپنی اپنی قبر میں جانا ہے۔ وَلَاتَزِرُ وَازِرَۃٌ وِّزْرَ اُخْرٰی کوئی کسی کا بوجھ نہ اٹھائے گا۔

(مسالک العلماء ص ۲۵)

اب ہم ایسی تفسیرات کو کس طرح تسلیم کر لیں۔ اگر کسی کو اللہ تعالیٰ کے کلام وَلَاتَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتٌ کے مقابلہ میں ان کے ابدان مقتولہ کو اموات ہی کہنا ہے تو جیسے قرآن کے انکار کی یہ روش پسند ہو وہ تسلیم کرے۔ روح کے کوائف سن کر ابدان مقتولہ کی زندگی جو نص قرآن سے ثابت ہے اس کا انکار ہمیں کسی طرح گوارا نہیں۔

بل احیاء

"حیاۃ الشھداء ثابتۃ فی الآیات و الاحادیث وقد اختلفوا فیھا و ذھب کثیر من السلف الی انھا حیاۃ حقیقیۃ بالروح والجسد ولکن لاندرکھا ولا نعلم حقیقتھا ولا نھا من احوال البرزخ التی لایطلع علیھا" (مدارک التنزیل ج ۲ ص ۲۹)

ترجمہ: شہیدوں کی زندگی آیات اور احادیث سے ثابت ہے اور (کرامیہ جیسے) لوگوں نے اس میں اختلاف کیا ہے اور اسلاف کی اکثریت (اہل السنۃ والجماعۃ) اس طرف گئی ہے کہ شہداء کی یہ زندگی حیات حقیقی ہے جو روح اور بدن کے ساتھ ان کو حاصل ہوتی ہے لیکن ہم اسے محسوس نہیں کر پاتے اور نہ ہم اس کی حقیقت جانتے ہیں اور اس لئے بھی کہ یہ برزخ کے احوال میں سے ہے جس پر انسان مطلع نہیں ہوتا۔

"ان الشھداء بعد موتھم وقتلھم احیاء عند ربھم یرزقون فرحین وھذہ صفۃ الاحیاء فی الدنیا واذا کان ھذا فی الشھداء کان الانبیاء بذلک احق و اولی" (سفاریني ج ۲ ص ۳۹)

ترجمہ: بے شک شہداء اپنی موت اور قتل ہونے کے بعد اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں انہیں رزق دیا جاتا ہے اور وہ خوش ہیں اور یہ دنیا میں زندوں کی صفت ہے جب شہداء کا یہ حال ہے کہ وہ زندہ ہیں تو انبیائے کرام تو اس شان کے زیادہ حقدار اور اہل ہیں۔

جماعت اہل حدیث کے بزرگ قاضی شوکانیؒ (۱۲۵۵ھ) لکھتے ہیں: "معنی الآیۃ عند الجمھور انھم

احیاء حیاۃ محققۃ ثم اختلفوا فمنهم من یقول الیهما ترد الیهم ارواحهم فی قبورهم فیتنعمون وقال مجاهد یرزقون من ثمر الجنة وذهب من عدا الجمهور الی انها حیاۃ مجازیة والصحیح الاول والمراد بالرزق المعروف فی العادات علی ماذهب الیه الجمهور" (تفسیر فتح القدیر ج ۱ ص ۲۹۹)

ترجمہ: اور آیت حیات شہداء کے معنی جمہور کے نزدیک یہ ہیں کہ وہ حیات حقیقی کے ساتھ زندہ ہیں۔ پھر اس میں اختلاف ہے کہ کیا ان کی روحیں قبروں میں ان کی طرف لوٹائی جاتی ہیں اور وہ وہاں اور اک نعیم کرتے ہیں۔ امام تفسیر مجاہد (۱۱۸ھ) کہتے ہیں انہیں وہاں جنت کے پھل دیئے جاتے ہیں اور جمہور (اہل السنۃ والجماعۃ) کے سوا جو لوگ ہیں (جیسے معتزلہ اور کرامیہ) وہ کہتے ہیں کہ یہ حیات حقیقی نہیں مجازی ہے اور صحیح بات پہلی ہی ہے کہ یہ ان کی (قبر کی حیات) حقیقی حیات ہے اور رزق سے مراد وہی رزق ہے جسے عادۃ رزق کہا جاتا ہے جیسا کہ جمہور اہل اسلام کا مسلک ہے۔

مفسرین میں جب اختلاف ہوا کہ ابدان شہداء میں روحیں لوٹتی ہیں یا نہیں تو کسی نے نہ کہا کہ جب حضور نے حیات شہداء کی تفسیر پرندوں کی سیر سے کر دی ہے اب تم ان بدنوں کو کیوں زیر بحث لا رہے ہو۔ ان بدنوں کے لئے حیات حقیقی کیوں ثابت کر رہے ہو اور پھر اسے جمہور اہل اسلام کا مسلک کہہ رہے ہو۔ کیا جمہور اسلام ارواح شہداء کے قنادیل عرش سے لٹکنے کے خلاف تھے؟ نہیں انہیں نہ اس حدیث سے انکار تھا نہ قرآن کریم کی اس آیت شہداء سے۔ قرآن کریم کی رو سے وہ شہداء کی حیات جسمانی کے بھی قائل تھے اور روح کے اپنے مقامات رفیعہ کا بھی وہ انکار نہ کرتے تھے جس کے اثر سے ابدان قبروں میں زندگی پاتے ہیں۔

قاضی صاحب یہ بھی لکھتے ہیں: "ورد النص فی کتاب الله فی حق الشهداء انهم احیاء یرزقون وان الحیوۃ فیهم متعلقة بالجسد فکیف بالانبیاء المرسلین" (نیل الاوطار ج ۳ ص ۳۱۱)

ترجمہ: قرآن کریم میں شہیدوں کے بارے میں نص موجود ہے کہ وہ زندہ ہیں انہیں رزق دیا جاتا ہے اور ان کی حیات جسد کے ساتھ ہے۔ یہ حیات انبیاء و مرسلین علیہم کو بدرجہ اولی حاصل ہے۔

ہم نے قاضی صاحب کو اس لئے پیش کیا ہے کہ ایک قاضی ہمیں بھی پیش آئے ہیں وہ تقلید سلف میں ہمارے خلاف تھے اور یہ قاضی تائید سلف میں ہمارے خلاف ہیں۔

یہ غیر مقلد بزرگ تو اپنی بات کہہ چکے۔ اب تیرہویں صدی کے ایک مقلد بزرگ سے بھی سن لیجئے۔ ان سے تمسک کئے بغیر آپ چودھویں صدی کے ان کرم فرماؤں سے نہیں بچ سکیں گے۔ علامہ محمود آلوسیؒ (۱۲۷۰ھ) لکھتے ہیں: "واختلف فی هذه الحیاة وذهب کثیر من السلف الی انها حقیقیة بالروح والجسد ولکنا لا ندرکها فی هذه النشأة واستدلوا بسیاق قوله تعالی: عند ربهم یرزقون" (روح المعانی ج ۲ ص ۲۰)

ترجمہ: اور اس زندگی میں اختلاف کیا گیا ہے۔ اسلاف کی اکثریت اسی بات پر ہے کہ ان کو حقیقی حیات حاصل ہے جو روح اور جسد کے ساتھ ہوتی ہے لیکن ہم اسے اس جہان میں دیکھ نہیں پاتے اور ان سلف صالحین نے عِندَ رَبِّهِمْ یُرْزَقُونَ سے استدلال کیا ہے۔

علامہ آلوسیؒ نے سلف کا مسلک ہم تک پہنچا دیا ہے اور اسے جمہور کا مسلک کہا ہے اس کے بعد اب کیا تردد باقی رہ گیا۔

"یرزقون لکونهم احیاء والقول بان ارواحهم تتعلق بالافلاک والکواکب فتلتذ بذلک وتکتسب زیادة کمال قول هابط الی الثری ولا اظن القائل به قرع سمعه الروایات الصحیحه والاخبار الصریحة بل لم یذق طعم الشریعة الغراء ولا تری له منهج المحجة و خبر القنادیل لا ینور کلامه ولا یزیل ظلامه فلعمری ان حال الشهداء وحیاتهم وراء ذلک" (ایضاً ج ۴ ص ۱۲۲، ۱۲۳)

شہداء کی حیات اور رزق کو روحانی رزق بتلانا اور سمجھنا کہ ان کے ارواح آسمانوں اور ستاروں پر ہوتے ہیں اور اس میں لذت محسوس کرتے ہیں اور کمال بڑھاتے ہیں۔ یہ انہی لوگوں کا کہنا اور سمجھنا ہوسکتا ہے جن کے کانوں میں صحیح اور صریح روایات اور اخبار کی آواز نہیں پڑی۔ بلکہ ایسے لوگ شریعت غرا کی لذت سے آشنا نہیں ہیں اور ان کو الحجہ بیضا کی راہ نہیں دکھلائی گئی۔ اللہ کی قسم شہداء کا حال اور ان کی زندگی روحانی رزق اور زندگی سے بالا و برتر ہے۔

پھر آگے تفسیر ابن کثیر کو دیکھیں وہ اسے الجواب سے شروع کرتے ہیں: "والجواب ان الآیة دلت علی عرض الارواح علی النار غدوا وعشیا فی البرزخ ولیس فیه دلالة علی اتصال تالمها باجسادها فی البرزخ اذ قد یکون ذلک مختصا بالبرزخ فاما حصول ذلک للجسد فی البرزخ وتالمه فلم یدل علیه الا السنة فی الاحادیث المرضیة التی ذکرها" (تفسیر ابن کثیر ج ۱۲، ص ۱۹۴)

ترجمہ: اس کا جواب یہ ہے کہ یہ آیت عالم ارواح میں ارواح کے آگ پر دن رات پیش کئے جانے پر دلالت کرتی ہے اور اس میں برزخ میں اس عذاب کے بدنوں سے متصل ہونے پر کوئی دلالت نہیں کیونکہ یہ (صورت) عالم برزخ سے مختص ہوسکتی ہے۔ رہا اس کا بدن سے وصول اور الم کا پہنچنا تو اس پر احادیث مرضیہ دلالت کرتی ہیں۔

شہداء کی امتیازی حیات یہ ہے کہ ان کی ارواح کو تجسد ہے (یہ سبز یا سفید پرندوں کی صورتیں ہیں) اور اس تجسد کو شہداء کے دنیوی اجساد سے اس قدر اتصال اور تعلق ضرور ہے کہ اس نے دنیوی اجساد کے اندر حیات پیدا کر رکھی ہے۔

یہ شہداء کی زندگی کا بیان ہے کہ ارواح شہداء کا پرندوں کی صورت میں پرواز کرنے کے باوجود اپنے دنیوی اجساد سے ایک گونہ تعلق ضرور ہے اور اسی کے سبب ان کو حیاۃ جسمانی حاصل ہے تاہم یہ حیات ایسی ہے کہ ہم اس دنیا میں رہتے ہوئے اس کا ادراک نہیں کر پاتے۔ الا یہ کہ اللہ تعالیٰ خود کسی کے لئے برزخ کے یہ پردے اٹھا دیں۔ عارفین نے جب کبھی شہداء یا انبیاء کو ان کی قبروں میں زندگی کے پورے آثار سے دیکھا وہ کشف کی آنکھوں سے دیکھا ورنہ وہ دنیا سے پردے میں رہے۔

پردہ اٹھنے کی مثالیں

برزخ کے پردے قبروں کی عام برزخی واردات پر ہیں۔ نعیم صالحین اور عذاب مجرمین دونوں پردے میں ہیں۔ حضور ﷺ سے پردے اٹھے تو آپ نے دو قبروں میں دو مجرمین کو گہرے عذاب میں گھرا پایا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر کے پاس سے گزرے تو انہیں قبر میں نماز پڑھتے پایا۔

معتزلہ کی ایک غلط تاویل اور اس کا جواب

قرآن کریم نے شہداء کے زندہ ہونے کی جو خبر دی ہے اس سے مراد یہ ہے کہ انہیں قیامت کے دن زندہ

کیا جائے گا اور اس دن وہ ہمیشہ کی آرام کی زندگی پائیں گے۔ فَرِحِیْنَ بِمَآ اٰتٰھُمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ میں اسی طرف اشارہ ہے۔ یہی نہیں کافر بھی اس دن زندہ کئے جائیں گے مگر وہ اس دن انتہائی کلفت اور تکلیف میں ہوں گی۔

جواب: آیت حیات شہداء کا جملہ وَلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ (اور لیکن تم زندگی کا شعور نہیں رکھتے) اس کی تردید کرتا ہے کیوں اس دن (قیامت کے دن) تو سب ایک دوسرے کی زندگی کا شعور رکھتے ہوں گے۔ ہر زندہ دوسرے کو زندہ نظر آئے گا اور اس دن کسی کی زندگی چھپی زندگی نہ ہوگی۔ یہاں ہمیں شہداء کی زندگی کے بارے میں کہا گیا ہے ولکن لاتشعرون۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ شہداء کی زندگی جس کی اس آیت میں خبر دی گئی ہے قیامت سے پہلے کی ہے ان کے مارا جانے اور قیامت کے مابین ان کا برزخ ہے اور اسی برزخ میں وہ حیات جسدی سے زندہ ہیں۔

حافظ ابوبکر جصاص رازیؒ (۳۷۰ھ) لکھتے ہیں: "فیہ اخبار باحیاء اللّٰہ تعالی الشہداء بعد موتھم ولا یجوز ان یکون المراد انھم سیحیون یوم القیمۃ لانہ لو کان ھذا مرادہ لما قال ولکن لاتشعرون لان قولہ ولکن لاتشعرون اخبار بفقد علمنا بحیاتھم بعد الموت ولو کان المراد الحیاۃ یوم القیمۃ لکان المومنون قد شعروا بہ وعرفوا قبل ذلک فثبت ان المراد الحیاۃ الحادثۃ بعد موتھم قبل یوم القیمۃ واذا جاز ان یکون المومنون قد احیوا فی قبورھم قبل یوم القیمۃ وھم المنعمون جاز ان یحیی الکفار فی قبورھم فیعذبون وھذا یبطل قول من ینکر عذاب القبر" (احکام القرآن ج۱ ص ۹۳)

ترجمہ: اس آیت میں شہداء کے مارے جانے کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے زندہ کئے جانے کی خبر دی گئی ہے اور یہ صحیح نہیں کہ اس سے مراد قیامت کے دن زندہ کیا جانا ہوا ایسا ہوتا تو اللہ تعالیٰ یہ نہ کہتے ولکن لاتشعرون۔ کیونکہ یہ جملہ کہ تم ان کی اس زندگی کو دیکھتے نہیں ہمارے ان کی اس زندگی کو جاننے کی نفی کرتا ہے اور اگر اس آیت سے یہی مراد ہو تو مومن تو ان کی اس زندگی کو دیکھ لیں گے۔ اور پہچان لیں گے پھر لاتشعرون کیسا؟ سو بات یہی ہے کہ اس سے ان کی وہ حیات مراد ہے جو ان کو مارا جانے کے بعد قیامت سے پہلے حاصل ہوگی۔ اور جب یہ ممکن ہے کہ مومنوں کو ان کی قبروں میں زندگی ملے اور وہ وہاں نعیم قبر پائیں تو یہ کیوں نہیں ہوسکتا کہ کافروں کو بھی ان کی قبروں میں زندہ کیا جائے اور ان کو ان میں عذاب ملے اس سے معتزلہ کا عقیدہ انکار عذاب قبر باطل ٹھہرتا ہے وہ سمجھتے ہیں عذاب قبر کوئی شے نہیں نہ وہاں کوئی زندگی ہے اور نہ عذاب۔

برزخ کا ایک اپنا حال ہے

برزخ کا ماقبل سے جدا اور مابعد سے مختلف ایک اپنا حال ہے اس کا اثبات عقیدہ برزخ کا اقرار اور اس کا انکار عالم برزخ کی کلی نفی ہے۔ انسان انبیاء ہوں یا شہداء موت کا پل عبور کر کے ہی اس جہان میں داخل ہوتے ہیں اور اس جہان کی ایک اپنی زندگی ہے جسے برزخی زندگی کہا جاتا ہے یہ زندگی دنیوی ابدان سے متعلق ہو تو اسے جسمانی حیات بھی کہا جاتا ہے گو یہ ہمارے شعور اور ادراک سے بالا ہو حشر کے دن جب قبروں سے اٹھیں گے تو وہ ایک کلی حیات ہوگی۔ برزخ کی یہ حیات ماقبل کی وفات سے متصادم نہیں نہ یہ مابعد عالم آخرت کی کلی زندگی کے منافی ہے ماقبل کی وفات سے انبیاء اور شہداء کو عالم برزخ میں مردے نہیں کہا جاسکتا۔

انبیاء کرام علیہم السلام کے لئے ان کی موت کا اقرار اور حالاً انہیں مردہ کہنے سے انکار

یہ اس بحث کا مرکزی نقطہ ہے۔انبیاء بے شک اپنے وقت میں موت کا ذائقہ چکھ آئے ہیں لیکن حالاً وہ اموات نہیں احیاء ہیں۔ مرے ہوئے نہیں زندہ ہیں۔ ہمارا یہ استدلال اسی منہاج پر ہے جس منہاج پر ہم نے حیات شہداء پر استدلال کیا تھا۔ ماضی میں دونوں (شہداء اور انبیاء) موت آشنا ہوئے۔اب دونوں اموات نہیں احیاء ہیں۔ان دنوں ان کے میت ہونے کا فیصلہ درست نہیں حالاً ان کے احیاء ہونے کا عقیدہ ضروریات مذہب اہل سنت میں سے ہے۔

شہداء کے لئے موت وارد ہونے کا اقرار اور حالاً انہیں مردہ کہنے پر انکار

قرآن کریم نے شہداء سے موت وارد ہونے کی نفی نہیں کی ایسا ہوتا تو یوں فرماتے وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ إِنَّهُمْ مَاتُوا لیکن ایسا نہ کہا۔ بلکہ فرمایا انہیں اموات (مردے) نہ کہو، انہیں مردے نہ سمجھو۔اب بعد وفات وہ زندہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں قتل (موت وارد ہونے) کے بعد حیات بخش رکھی ہے۔

عالم برزخ میں شہداء کی زندگی روحانی ہے یا جسمانی اس کا فیصلہ من یقتل کو دیکھ کر کریں۔زندگی کا حکم اسی پر ہے جس پر قتل وارد ہوا اور ظاہر ہے کہ وہ جسم ہے جس پر قتل وارد ہوا۔قرآن کریم نے اسی کے مردہ ہونے کا ابطال کیا اور اس کے زندہ ہونے کا اثبات کیا ہے۔

"بل" اضرابیہ ابطالیہ ماقبل کا ابطال کرتا ہے مابعد کا اثبات کرتا ہے یہاں "بل" سے شہداء کے مردے ہونے کی نفی کی ان کے زندہ ہونے کا اثبات کیا۔سو ان کی زندگی حقیقی اور جسمانی اور وہ روح اور جسم دونوں سے زندہ ہیں گو ہمیں اس کا ادراک اور شعور نہ ہو۔ لَا تَشْعُرُوْنَ اس پر قرآنی شہادت ہے۔

یہی جسمانی زندگی ان کا مخصوص اور امتیازی درجہ ہے۔ یہ قول حضرت ابن عباس، مجاہد، حسن بصری اور دیگر کئی صحابہؓ اور تابعینؒ کا ہے کہ وہ جسمانی حیات سے زندہ ہیں۔لیکن اس میں پھر اختلاف ہوا کہ ان کی ارواح پرندوں کی صورت میں متجسد ہیں اور پھر ابدان پر سایہ فگن ہیں یا وہ اجساد مثالیہ میں اتری ہوئی ہیں۔صورت حال جو بھی ہو یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ ان کا ان کے اصل دنیوی اجساد سے کوئی تعلق نہیں۔

علامہ محمود آلوسیؒ (۱۲۷۰ھ) لکھتے ہیں: "ولا یعجز اللّٰہ تعالیٰ ان یحل بہ حیوۃ تکون سبب الحس والادراک وان کنا نراہ رمۃ مطروحۃ علی الارض لا یتصرف ولا یری فیہ شیئ من علامات الاحیاء فقد جاء فی الحدیث ان المؤمن یفسح لہ مد بصرہ ویقال لہ نم نومۃ العروس مع انا لا نشاہد ذلک اذ البرزخ امر یعتزل عن اذھاننا وادراک قوانا" (روح المعانی ج ۲،ص ۲۰)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ اس سے عاجز نہیں ہے کہ شہداء کے دنیوی اجسام میں زندگی اتار دے اگرچہ ہم اس کو زمین ہی میں گلا سڑا دیکھیں اور حیات کے اثرات ان میں نہ دیکھ پائیں۔اور یہ ہماری کمزوری ہوگی کیونکہ اصل حقیقت کچھ اور ہے گو ہم اسے پوری طرح سمجھنے میں ناکام رہیں اس کی مثال میں حدیث پیش کی جاسکتی ہے کہ مومن کے لئے اس کی قبر نظر کی حد تک کھول دی جاتی ہے اور اس کو کہا جاتا ہے کہ اس میں دلہن کی نیند کی طرح سو جاؤ حدیث کی اس خبر کے باوجود ہم میت کی قبر کو اس حد تک کھلا ہوا نہیں دیکھتے نہ میت کو اس میں دلہن کی مانند سویا ہوا پاتے ہیں

مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ یہ خبر امر واقعہ نہیں ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ برزخ اور عالم غیب کے احوال ہیں جن کا یہاں کی آنکھ سے دیکھنا بہت مشکل ہے۔

پھر آگے جا کر لکھتے ہیں: "والذی یمیل القلب الیہ ان لھاتیک الابدان شبھا تاما صوریا بھذہ الابدان وان المواد مختلفۃ والاجزاء متفاوتۃ اذ فرق بین العالمین وشتان مابین البرزخین ویمکن حمل احادیث الطیر علی تشبیہ ھذہ الابدان الغضۃ الطریۃ بسرعۃ حرکتھا وذھابھا حیث شاءت بالطیر الخضر" (روح المعانی ج ۲ ص ۲۱)

ترجمہ: اور جس بات سے میرے دل کو تسلی اور اطمینان ہے وہ یہ ہے کہ برزخی ابدان کو ان ابدان کے ساتھ پوری پوری صورت مشابہت ہے۔ اگرچہ دونوں کے اجزاء متفاوت اور ان کے عناصر مختلف ہوں اس لئے کہ دونوں جہانوں میں فرق ہے اور ہوسکتا ہے کہ حدیث میں سرعت حرکت کے اعتبار سے تشبیہ ہو۔

مولانا محمد اسماعیل صاحب (گوجرانوالہ) کہتے ہیں شہداء کو رزق دیا جانا ان کی حیات جسمانی کی دلیل نہیں بن سکتا۔ اس لئے کہ قرآن کریم اس عطا کو غیر شہداء سے بھی متعلق کرتا ہے اور زندہ صرف شہداء کو کہا گیا ہے سو شہداء کو رزق دیا جانا ان کی جسمانی زندگی کی دلیل نہیں ہے۔ نیز اس رزق کو عند ربھم کہا گیا ہے جو روحانی رزق کے لئے آتا ہے سو جب رزق روحانی ہے تو ان کی زندگی بھی روحانی ہوگی مولانا نے اس سلسلہ میں اس آیت سے استدلال کیا ہے۔

"وَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ثُمَّ قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا لَیَرْزُقَنَّھُمُ اللّٰہُ رِزْقًا حَسَنًا" (پ ۱۷، الحج ۵۸)

ترجمہ: اور جو لوگ گھر چھوڑ آئے پھر اللہ کی راہ میں مارے گئے یا مر گئے تو اللہ تعالیٰ انہیں خاص رزق حسن عطاء فرمائیں گے۔

یہاں عام مرنے والوں سے بھی رزق حسن کا وعدہ ہے کیا وہ بھی زندہ ہیں؟ اگر رزق دیا جانا زندگی کی دلیل ہے تو چاہئے کہ وہ بھی زندہ ہوں؟

الجواب: اس آیت میں اَوْ مَاتُوْا (یا وہ مر گئے) کے الفاظ عام اموات کے بارے میں نہیں ہیں یہ ان لوگوں کے بارے میں ہیں جو اپنے گھروں سے اللہ کی راہ میں نکلے اور پھر اسی راہ عمل میں مرے وہ اور اس راہ عمل میں مارے جانے والے دونوں کے لئے اس آیت میں وعدہ رزق ہے۔

یہ کیوں؟ اس لئے کہ وہ متوفی فی سبیل اللہ بھی شہید کا درجہ رکھتے ہیں۔ قتیل فی سبیل اللہ اور متوفی فی سبیل اللہ دونوں کو اللہ تعالیٰ نے درجہ شہادت دیا ہے اور دونوں سے رزق حسن کا وعدہ ہے۔

فضالہ بن عبید (۵۷ھ) نے دیکھا کہ لوگ قتیل فی سبیل اللہ کے جنازہ کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں تو انہوں نے فرمایا: "فامامن قتل فی سبیل اللہ فانہ حی عند ربہ یرزق وامامن توفی فی سبیل اللہ من مھاجر او غیر مھاجر فقد تضمنت ھذہ الایۃ الکریمۃ مع الاحادیث الصحیحۃ اجراء الرزق علیہ" (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۲۳۲، ۲۳۹)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ متوفی فی سبیل اللہ بھی شہید ہے وہ عام مرنے والوں میں سے نہیں۔ عام اموات کے مقابلہ میں یہاں قتیل فی سبیل اللہ اور متوفی فی سبیل اللہ دونوں باجر شہادت ماجور ہیں اور حیات جسمانی اور رزق حسن پاتے ہیں۔

مولانا اسمٰعیل صاحب کی قرآن پاک پر ماشاء اللہ اچھی نظر ہے لیکن حدیث میں آپ کا مطالعہ کمزور ہے اگر ان احادیث پر آپ کی نظر ہوتی تو آپ ایسی بات نہ کہتے۔

۱...... حضرت ابو مالک اشعریؓ روایت کرتے ہیں: ''جو اللہ کی راہ میں نکلا پھر فوت ہو گیا یا مارا گیا۔ اس گھوڑے یا اونٹ نے اسے مار ڈالا یا اس پر کوئی تکلیف آ گئی وہ شہید ہے۔'' (سنن کبریٰ ج ۹ ص ۱۶۶)

۲...... حضرت معاذ بن جبلؓ (۱۸ھ) روایت کرتے ہیں: ''جس نے اخلاص اور سچائی سے خدا سے مقام شہادت چاہا وہ طبعی موت پائے یا مارا جائے اس کے لئے مرتبہ شہادت ہے۔'' (ایضاً ص ۱۷۰)

۳...... حضرت عمرؓ نے اثناء خطبہ میں فرمایا: ''لوگو! ایسا کہو جیسا حضور ﷺ فرما گئے جو اللہ کی راہ میں مارا گیا یا فوت ہوا وہ جنت میں ہے۔'' (ایضاً ۱۶۸)

۴...... سہیل بن حنیف اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں: ''جس نے سچے دل سے شہادت کو چاہا اللہ تعالیٰ اسے شہادت کا درجہ دیں گے اگرچہ وہ اپنے بستر پر فوت ہو۔'' (ایضاً ص ۱۷۰)

مولانا اسمٰعیل صاحب قرآن کریم کے محاورہ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ کو بھی نہیں سمجھے۔ خواہ مخواہ کہے جا رہے ہیں کہ انہیں روحانی رزق ملتا ہے حضرت مریم کے پاس جب بیت المقدس میں خلاف موسم پھل آتے تو حضرت زکریا ﷤ اس پر حیران ہو گئے۔ آپ نے ان سے پوچھا تو حضرت مریم نے بتایا: هُوَ مِنْ عِنْدِ اللهِ (پ ۳، آل عمران ۳۷) یہ کوئی روحانی رزق نہ تھا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ وہ خاص اللہ کے ہاں سے آتا تھا حضرت مریم کا جسد دنیوی تھا اور یہ رزق بھی اس کے مناسب دنیوی اللہ تعالیٰ بغیر اسباب کے انہیں مہیا فرمائیں تو محض اس وجہ سے انہیں روحانی رزق نہیں کہہ دیا جاتا۔ ایسے مواقع پر خدا کی قدرت پر نظر رکھنی چاہئے۔

شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں: ''خدا کی قدرت سے اسی طرح مجھے یہ چیزیں پہنچائی جاتی ہیں۔'' (تفسیر عثمانی ص ۷۰)

پھر اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ کہا: ''فَابْتَغُوا عِنْدَ اللهِ الرِّزْقَ'' (پ ۲۰، العنکبوت ۱۷)

<u>ترجمہ</u>: تم اللہ کے ہاں رزق ڈھونڈو۔

معلوم ہوا کہ عند اللہ یا عند ربہم کچھ روحانی رزق سے ہی خاص نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں کے دنیوی رزق پر بھی یہ محاورہ استعمال کیا ہے افسوس مولانا محمد اسمٰعیل صاحب اسے سمجھ نہ پائے۔

حیات شہداء کے شواہد

۱...... ''لما حضر احد دعانی ابی من اللیل فقال ما ارانی الا مقتولا فی اول من یقتل من اصحاب النبی ﷺ وانی لا اترک بعدی اعز علی منک غیر نفس رسول اللہ ﷺ وان علی دینا فاقض واستوص باخوانک خیرا''

حضرت جابرؓ کہتے ہیں احد کے دن میرے والد نے مجھے کہا۔ شاید آج میں سب سے پہلے شہید ہو جاؤں۔ حضور ﷺ کے بعد کوئی مجھے تم سے پیارا نہیں میرا قرض ادا کر دینا اور اپنی بہنوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا۔

حضرت جابرؓ کہتے ہیں واقعی سب سے پہلے میرے والد مارے گئے اس دن دو دو شہید ایک جگہ دفن کئے گئے تھے۔ میں نے نہ چاہا کہ میرے والد کے ساتھ کوئی اور دفن ہو۔ میں نے چھ ماہ بعد اپنے والد کی قبر کو کھولا تا کہ آپ کو علیحدہ دفن کروں۔

"فکان اول قتیل ودفنت معه اخر فی قبره ثم لم تطب نفسی ان اترکه مع اخر فاستخرجته بعد ستة اشهر فاذا هو کیوم وضعته هنیة غیر اذنه" (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۸۰)

ترجمہ: آپ جنگ احد کے پہلے شہید تھے میں نے آپ کے ساتھ ایک اور شخص کو بھی آپ کی قبر میں دفن کر دیا پھر مجھے یہ بات اچھی نہ لگی کہ میں نے اپنے والد کو کسی اور شخص کے ساتھ رکھوں میں نے پھر چھ ماہ کے بعد آپ کو وہاں سے نکالا آپ اسی حال میں تھے جیسا کہ میں نے آپ کو دفن کیا تھا صرف ایک کان میں تھوڑا سا تغیر تھا۔

حضرت جابرؓ کے والد عبداللہ بن عمرو انصاریؓ کے ساتھ آپ کے بہنوئی حضرت عمرو بن الجموحؓ دفنائے گئے تھے۔ (فتح الباری ج ۳، ص ۲۱۶ کتاب الجنائز)

۲..... تقریباً پچاس سال بعد حضرت امیر معاویہؓ کے دور حکومت میں مدینہ منورہ کے قریب نہر کظامہ کھودی گئی۔ اس کھدائی میں سید الشہداء حضرت امیر حمزہؓ کا جسد ملا۔ وہ اسی طرح تھا جس طرح دفن کیا گیا تھا اس میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی تھی۔ بیلچہ انگلی پر لگ گیا تو خون بہنے لگا۔

حافظ ابن حجرؒ (۸۵۲ھ) لکھتے ہیں: "وما وجد فی صدر هذه الامة من شهداء احد وغیرهم علی هذه الصورة ولم یتغیروا بعد الدهور الطویلة لحمزة بن عبد المطلب فانه وجد حین حفر معاویة العین صحیحا لم یتغیر اصابت الفاس اصبعه فدمیت" (سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۳۴ فتح الباری ج ۳ ص ۱۴۲)

ترجمہ: اور اس امت کے پہلے دور میں جو شہداء احد وغیرہ اسی صورت میں پائے گئے لمبے زمانے گزرنے کے بعد بھی ان میں کوئی تغیر واقع نہیں ہوا۔ ان میں حضرت حمزہؓ کو اسی طرح پایا گیا آپ میں کوئی تغیر واقع نہ ہوا تھا۔ کام کرنے والے کا بیلچہ آپ کی انگلی پر لگ گیا تو اس سے خون جاری ہو گیا۔

۳..... حضرت عمرو بن الجموح اور عبداللہ بن عمرو انصاریؓ ایک دفعہ پھر بوجہ سیلاب دوسری جگہ منتقل کئے گئے:

"فوجدا لم یتغیرا کانهما ماتا بالامس وکان احدهما قد جرح فوضع یده علی جرحه فدفن وهو کذلک فامیطت یده عن جرحه ثم ارسلت فرجعت کما کان وکان بین احد وبین یوم حفر عنهما ست واربعون سنة" (موطا امام مالک ص ۳۶۸، طبع جدید ص ۱۷۷)

ترجمہ: وہ دونوں اس طرح پائے گئے گویا کل فوت ہوئے ہیں ان میں سے ایک احد کے دن زخمی ہوا تھا اور اس نے اپنا ہاتھ اپنے زخم پر رکھا ہوا تھا اور اسی حالت میں وہ دفن کر دیا گیا تھا میں نے آپ کا ہاتھ زخم سے ہٹایا اور پھر چھوڑ دیا۔ وہ وہیں جا لگا جہاں کہ پہلے تھا۔

۴..... حضرت عمرؓ کے زمانے میں نجران کے ایک آدمی نے ایک جگہ جہاں قبریں تھیں، زمین کھودی تو حضرت عبداللہ بن تامرؓ کا جسد ملا۔ ہاتھ سر پر رکھا ہوا تھا۔ راوی کہتا ہے۔

"فاذا اخرت یده عنها انبعث دما واذا ارسلت یده ردها علیها فامسکت دمها"

(سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۳۵ و تفسیر خازن ج ۱ ص ۲۲۸)

ترجمہ: جب میں آپ کا ہاتھ زخم سے ہٹاتا تو اس زخم سے خون پھوٹ پڑتا اور جب میں آپ کے ہاتھ کو چھوڑ دیتا تو وہ وہیں جا لگتا اور اس کے خون کو روک دیتا۔

۵...... "عن هشام بن عروة عن ابيه فلما سقط عليهم الحائط في زمان بن الوليد بن عبد الملك اخذوا في بنائه فبدت لهم قدم ففزعوا وظنوا انها قدم النبي فما وجدوا احدا يعلم ذلك"

ترجمہ: ولید بن عبدالملک کے زمانہ میں ام المومنین حضرت عائشہؓ کے حجرہ کی دیوار گر گئی جب اسے بنانے لگے تو ایک قبر سے قدم ظاہر ہوا۔ لوگ گھبرا گئے کہ یہ حضور ﷺ کا قدم نہ ہو حضرت عروہؓ نے وہ قدم پہچان لیا اور بتایا یہ حضرت عمرؓ کا قدم ہے۔ (صحیح بخاری ج ا ص ۱۸۶)

۶...... حضرت امیر معاویہؓ کے دور حکومت میں جب نہر کظامہ کھودی گئی اور درمیان میں شہداء کی قبریں کھلیں تو دیکھا کہ ان کے جسد تر و تازہ ہیں اور بال بڑھے ہوئے ہیں۔ اتفاقاً ایک شہید کے پاؤں پر کدال لگی تو خون جاری ہو گیا۔ جب وہ جگہ کھودی گئی تو سب طرف مشک کی خوشبو پھیل گئی۔ (وفاء الوفاء ج ۳ ص ۹۳۹)

۷...... حضرت حذیفہ اور حضرت عبداللہ بن جابرؓ کے مزارات دریائے دجلہ کے کنارے تھے، ۱۹۳۰ء کے قریب کی بات ہے۔ دریا زمین کاٹتا ان کے مزارات کے قریب آ پہنچا۔ حکومت عراق نے حکم دیا کہ ان مزارات کو حضرت سلمان فارسیؓ کے احاطہ میں منتقل کر دو اور پھر ایسا ہی کیا گیا۔ پھر جنازے ہوئے اور آٹھ دس ہزار آدمیوں نے ان میں شرکت کی ایک صاحب الطاف حسین جوان جنازوں میں شریک ہوئے تھے ان کا بیان ہے۔

قبر سے نکلے ہوئے جنازوں کی موجودگی اور خلق کی آہ بکاء نے قیامت کا نمونہ برپا کر رکھا تھا اکثر آدمی روتے روتے بے ہوش ہو گئے۔ نعشیں تیرہ سو سال گزرنے کے بعد بھی بالکل سالم تھیں۔ کفن ہاتھ لگانے سے بوسیدہ تھا ایک صاحب کی داڑھی سفید اور ایک کی سیاہ۔ (صدق لکھنؤ ۱۱ دسمبر ۱۹۴۴ء)

یہ واقعہ ماہنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی کی اگست ۱۹۶۴ء کی اشاعت میں بھی اسی طرح منقول ہے اور اس کا عنوان ہے: "نا قابل انکار صداقت"

قصبہ سلمان پاک جو بغداد سے ۴۰ میل کے فاصلے پر ہے، زمانہ قدیم میں اس کا نام "مدائن" تھا جہاں متعدد صحابہ کرامؓ گورنری کے عہدے پر فائز رہے۔ یہاں ایک شاندار مقبرے میں حضرت سلمان فارسیؓ مشہور صحابی مدفون ہیں اور آپ کے گنبد مزار سے متصل نبی آخر الزمان ﷺ کے دو صحابہ حضرت حذیفہ الیمانیؓ اور حضرت جابر بن عبداللہؓ کے مزارات ہیں۔ ان دونوں اصحاب رسول ﷺ کے مزارات پہلے سلمان پاک سے دو فرلانگ کے فاصلے پر ایک غیر آباد جگہ میں تھے۔

ہوا یہ کہ حضرت حذیفہؓ نے خواب میں ملک فیصل اول شاہ عراق سے فرمایا کہ ہم دونوں کو موجودہ مزاروں سے منتقل کر کے دریائے دجلہ سے تھوڑے سے فاصلہ پر دفن کر دیا جائے۔ اس لئے کہ میرے مزار میں پانی اور جابرؓ کے مزار میں نمی شروع ہو گئی ہے۔

شاہ یہ خواب مسلسل دو راتوں میں دیکھتا رہا اور شاید بے پروائی یا انہماک امور سلطنت کے باعث بھول گیا، تیسری شب حضرت موصوف نے عراق کے مفتی اعظم کو خواب میں یہی ہدایت فرما کر کہا۔ ہم دو راتوں سے بادشاہ کو کہہ رہے ہیں لیکن اس نے اب تک انتظام نہیں کیا۔ اب یہ تمہارا کام ہے کہ اس کو متوجہ کر کے اس کا فوری بندوبست کراؤ۔

چنانچہ اگلے روز صبح ہی صبح مفتی اعظم نوری السعید پاشا وزیر اعظم کو ساتھ لے کر بادشاہ سے ملے اور اس سے اپنا خواب بیان کیا شاہ فیصل نے کہا، میں بھی دو راتوں سے خواب میں یہی دیکھ رہا ہوں۔ صحابہ کی پاکدامنی کی یہ آسمانی شہادتیں ہیں۔

آخر کافی غور و مشورے کے بعد شاہ نے مفتی اعظم سے کہا آپ مزارات کھولنے کا فتویٰ دے دیں تو میں اس کی تعمیل کے لئے تیار ہوں۔ جب مفتی اعظم نے مزارات کے کھولنے اور لاشوں کو منتقل کرنے کا فتوے دے دیا تو یہ فتویٰ اور شاہی فرمان دونوں اس اعلان کے ساتھ اخبارات میں شائع کر دیئے گئے کہ بروز عید قربان بعد نماز ظہر ان دونوں اصحاب رسول کے مزارات کھولے جائیں گے۔

اخبارات میں یہ حال شائع ہونا تھا کہ تمام دنیائے اسلام میں یہ خبر بجلی کی طرح پھیل گئی۔ رائٹر اور دوسری خبر رساں ایجنسیوں نے اس خبر کو تمام دنیا میں پہنچا دیا۔ حسن اتفاق دیکھئے کہ ان دنوں موسم حج ہونے کے باعث تمام دنیا سے مسلمان حج کے لئے حرمین شریفین (مکہ اور مدینہ) میں جمع ہو رہے تھے۔ جب انہیں یہ حال معلوم ہوا تو انہوں نے شاہ عراق سے یہ خواہش ظاہر کی کہ مزارات حج کے چند روز بعد کھولے جائیں تا کہ وہ بھی شرکت کر سکیں۔ اسی طرح حجاز، مصر، شام، لبنان، فلسطین، ترکی، ایران، بلغاریہ، افریقہ، روس، ہندوستان وغیرہ ملکوں سے شاہ عراق کے نام بے شمار تار پہنچے کہ ہم بھی جنازوں میں شریک ہونا چاہتے ہیں۔ مہربانی فرما کر مقررہ تاریخ چند روز آگے بڑھا دی جائے۔ چنانچہ دنیا کے مسلمانوں کی خواہش پر یہ دوسرا فرمان جاری کر دیا گیا کہ اب یہ رسم حج کے دس دن بعد ادا کی جائے گی اور اس کے ساتھ ہی خواب میں اہل مزارات کی عجلت کی تاکید کے پیش نظر احتیاطی تدابیر بھی کی گئیں کہ پانی مزارات تک نہ پہنچنے پائے۔

آخر کار وہ دن بھی آ گیا جس کی آرزو میں لوگ جوق در جوق سلمان پارک میں جمع ہو گئے دوشنبہ کے دن، بارہ بجے کے بعد لاکھوں انسانوں کی موجودگی میں مزارات کھولے گئے تو معلوم ہوا کہ حضرت حذیفہ الیمانی ؓ کے مزار میں کچھ پانی آ چکا تھا اور حضرت جابر ؓ کے مزار میں نمی پیدا ہو چکی تھی حالانکہ دریائے دجلہ وہاں سے کم از کم دو فرلانگ دور تھا۔

تمام ممالک کے سفیر عراقی حکومت کے تمام ارکان اور شاہ فیصل کی موجودگی میں پہلے حضرت حذیفہ الیمانی ؓ کی نعش مبارک کو کرین کے ذریعے زمین سے اس طرح اوپر اٹھایا گیا کہ ان کی نعش کرین پر نصب کئے ہوئے سٹریچر پر خود بخود آ گئی۔ اب کرین سے سٹریچر کو علیحدہ کر کے ہز میجسٹی، شاہ فیصل، مفتی اعظم عراق، وزیر مختار جمہوریہ ترکی اور پرنس فاروق ولی عہد مصر نے کندھا دیا اور بڑے احترام سے ایک شیشہ کے تابوت میں رکھ دیا۔ پھر اسی طرح حضرت جابر بن عبداللہ ؓ کی نعش مبارک کو مزار سے باہر نکالا گیا۔

نعش ہائے مبارک کا کفن، حتیٰ کہ ریش ہائے مبارک کے بال تک بالکل صحیح حالت میں تھے۔ نعشوں کو دیکھ کر یہ اندازہ ہرگز نہیں ہوتا تھا کہ یہ تیرہ سو سال قبل کی نعشیں ہیں، بلکہ گمان یہ ہوتا تھا کہ شاید انہیں رحلت فرمائے دو تین گھنٹے سے زائد وقت نہیں گزرا۔ سب سے عجیب بات یہ تھی کہ ان دونوں کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں اور ان میں اتنی پراسرار چمک تھی کہ بہتوں نے چاہا کہ ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھیں لیکن ان کی نظریں اس چمک کے سامنے ٹھہرتی ہی نہ تھیں اور ٹھہر بھی کیسے سکتی تھیں؟ وہ اپنے عالم برزخ میں تھے۔ بڑے بڑے ڈاکٹر یہ دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ ایک جرمن ماہر چشم جو بین الاقوامی شہرت کا مالک تھا۔ اس تمام کارروائی میں بڑی دلچسپی لے رہا تھا۔

اس نے یہ منظر دیکھا تو بس دیکھتا ہی رہ گیا، وہ اس سے کچھ اتنا بے اختیار ہوا کہ ابھی نعش ہائے مبارک تابوتوں میں ہی رکھی گئی تھیں کہ آگے بڑھ کر مفتی اعظم عراق کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا، آپ کے مذہب اسلام کی حقانیت اور ان صحابہؓ کی بزرگی کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے؟ لایئے حضرت مفتی اعظم! ہاتھ بڑھایئے۔ میں مسلمان ہوتا ہوں۔ لاالہ الااللہ محمد رسول اللہ!

اس موقع پر ایک جرمن فلم ساز کمپنی نے کمال کیا، کمال کیا بلکہ وہ دور دراز سے آئے ہوئے مشتاقان دید پر احسان کیا کہ اس نے شاہ عراق کی منظوری سے اپنے خرچ پر صحن مزارات کے اوپر دو سو فٹ بلند فولاد کے چار کھمبوں پر کوئی تیس فٹ لمبا اور بیس فٹ چوڑا ٹیلی ویژن کا سکرین لگا دیا۔ پھر اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ کھمبوں کے چاروں طرف بھی چھت سے ملحق چار سکرین لگا دیئے۔ اس سے یہ فائدہ ہوا کہ ہر کوئی اپنی جگہ کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر مزارات کے کھلنے کے وقت سے لے کر آخر وقت تک تمام کاروائی دیکھتا رہا۔ زیارت کے جوش میں کوئی ریل پیل نہیں ہوئی۔ اور اس طرح ہزاروں لوگ اس ہڑبونگ میں پس کر مرنے سے بچ گئے۔ مردوں عورتوں اور بچوں نے نہایت اطمینان سے پوری کاروائی دیکھی۔

دوسرے دن بغداد کے سینماؤں میں اس واقعہ کے فلم دکھائے گئے۔ اس واقعہ کے فوراً بعد بغداد میں کھلبلی مچ گئی اور بے شمار یہودی اور نصرانی خاندان بلا کسی جبر کے اپنے جہل و گمراہی پر افسردہ، اپنے گناہوں پر نادم، ترساں ولرزاں جوق درجوق مسجدوں میں قبول اسلام کے لئے آتے تھے اور مطمئن شاداں وفرحاں واپس جاتے تھے۔ اس موقع پر مشرف بہ اسلام ہونے والوں کی تعداد اتنی تھی کہ اس کا اندازہ لگانا آسان نہیں۔

یہ ''چشم دید واقعہ'' کسی کتاب میں لکھا ہوا اگلے زمانے کا تاریخی واقعہ نہیں ہے یہ ہمارے ہی زمانے کا آنکھوں دیکھا حال ہے۔ اس کو زیادہ عرصہ بھی نہیں گزرا۔ ۱۹۳۲ء میں اس معجزہ کا ظہور ہوا ہے۔ اس کو ہر مذہب وملت اور کئی ممالک کے اشخاص نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ اس کی دنیا کے اخباروں نے جلی عنوانات سے تشہیر کی ہے اور اس کے ہر جگہ چرچے رہے ہیں۔ یہ مزارات گمنام افراد کے بھی نہ تھے یہ نبی آخرالزمان محمد رسول ﷺ کے دو مشہور ومعروف صحابہؓ کے مزار تھے جن کو پہلے بھی لوگ جانتے اور مانتے تھے اور جواب بھی مرجع خلائق بنے ہوئے ہیں۔ (منقول از ماہنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی اشاعت اگست ۱۹۶۴ء)

ہر شخص ٹھنڈے دل سے غور کرے کیا علم وعقل قیاس اور سائنس کے پاس اس کا کوئی جواب ہے؟ کیا کوئی صاحب عقل وہوش جس کے دل میں ذرا سی بھی شائبہ حق وانصاف ہو اس سے انکار کر سکتا ہے کہ ان اصحاب رسول کو یہ حیات برزخی جس نسبت سے حاصل ہوئی وہ مکین گنبد خضری بھی اسی جسد اطہر سے حیات برزخی رکھتے ہیں۔ یہاں مزارات سے کون سی قبریں مراد ہیں؟ یہی وہ جو یہاں محسوس ومشاہد ہیں یا یہ کہیں عالم غیب میں تھیں اور اللہ رب العزت نے ان اصحاب رسول ﷺ کی قبروں اور ان کے اجساد مدفونہ کو جو عزت اور کرامت بخشی کیا وہ انہی گڑھوں سے متعلق نہ تھی جو یہاں زمین میں کھودے گئے اور انہی میں یہ اجساد کریمہ اس شان سے سالم اور محفوظ رہے۔ ان میں آثار حیات اگر ہمیں محسوس نہ ہوں تو آیت قرآنی لاتشعرون کے تحت ہمیں اس پر ایمان لانے میں کون سی چیز مانع ہے؟ فاعتبروا یااولی الابصار!

دنیا نے جن صحابہؓ کی حیات برزخی کا یہ مشاہدہ کیا وہ حضرت حذیفہ اور حضرت جابر بن عبداللہؓ تھے۔ یہ

حضرت ابوبکر اور حضرت عمرؓ کے ساتھیوں میں اور ان کی خلافت تسلیم کرنے والوں میں سے تھے ان کی حیات اگر ایک طرف اسلام کا اعجاز ہے تو دوسری طرف حضرت ابوبکر و عمرؓ کی خلافتوں کے برحق ہونے کا آسمانی نشان بھی ہے۔ جو لوگ صحابہؓ پر برستے ہیں اور انہیں ان کی خلافتوں میں صادق اور امین نہیں جانتے وہ اپنے ان ابدان کی زندگی سے ہمیشہ کے لئے محروم کردیئے جاتے ہیں اور انہیں ان کے ان کے مثالی اجساد میں رکھا جاتا ہے اور ان کا حشر بھی ان کی انہی مثالی صورتوں میں ہوگا۔

اصول فقہ کی مشہور کتاب ''مسلم الثبوت'' کی شرح ''فواتح الرحموت'' جو قم سے شائع ہوئی ہے میں ہے:

''انهم بمثل هذه الاقاويل خرجوا عن ربقة الاسلام ولذا راهم بعض اهل رضوان الله تعالى عليهم اجمعين على صورة الخنازير كما هو مشروح في الفتوحات المكية للشيخ الاكبر وارث رسول الله ﷺ بل حكم بعض اهل الله تعالى رضوان الله عليهم انهم يحشرون على صورة الخنازير''

(فواتح الرحموت بذیل المستصفیٰ من علوم الاصول ج ۲ ص ۷ ۹ طبع منشورات الرضی پہ قم)

حاصل یہ ہے کہ حضرت ابوبکر و عمرؓ اور ان کے ساتھیوں پر زبان درازی کرنے والے اور انہیں حق پر تسلیم نہ کرنے والے آخرت میں خنزیروں کی صورت میں اٹھائے جائیں گے۔

حیات انبیاء علیہم السلام کی ایک جھلک

جب صور پھونکا جائے اور حشر کی گھڑی آ پہنچے

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی... اَمَّا بَعْدُ!

جب قیامت کا بگل بجے گا اور صور پھونکا جائے گا کل روئے زمین اللہ تعالیٰ کی ایک مٹھی میں ہوگی اور ساتوں آسمان کاغذ کی طرح اس کے ایک ہاتھ میں ہوں گے اور اس کے دونوں ہاتھ دائیں ہیں اور اس کی مثال نہیں دی جاسکتی۔

اس دن جب سب مردے قبروں سے اٹھیں گے انبیاء کرام کا احیاء ہوگا یا ان کا طویل بے ہوشی سے افاقہ ہوگا بصورت ثانی وہ پہلے سے زندہ سمجھے جائیں گے جواب اس لمحہ ثانیہ سے ہوش میں آگئے۔ اس بات کی تحقیق کے لئے ہمیں قیامت کی خبروں میں لفظ افاقہ کی تلاش ہوگی۔

یہ گھڑی جس کے واقع ہونے کا وقت اللہ ہی کو معلوم ہے کیسے قائم ہوگی۔ قرآن کریم میں اس کی اس طرح خبر دی گئی ہے۔

''وَنُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَاءَ اللّٰہُ ثُمَّ نُفِخَ فِیْہِ اُخْرٰی فَاِذَا ھُمْ قِیَامٌ یَّنْظُرُوْنَ وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّھَا وَوُضِعَ الْکِتٰبُ وَجِایْٓءَ بِالنَّبِیّٖنَ وَالشُّھَدَاءِ وَقُضِیَ بَیْنَھُمْ بِالْحَقِّ وَھُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ۔　(پ ۲۴، الزمر ۶۸، ۶۹)

ترجمہ: اور پھونکا جائے گا صور پھر بے ہوش ہو جائے جو کوئی آسمانوں میں ہے اور زمین میں مگر جس کو اللہ چاہے پھر پھونکا جائے گا دوسری بار تو وہ سب اٹھ کھڑے ہوں گے دیکھتے ہر طرف۔ اور زمین اپنے رب کے نور سے

جگمگا اٹھے گی اور لایا جائے گا نبیوں کو اور شہیدوں کو اور فیصلہ ہوگا لوگوں میں انصاف سے اور ان پر ظلم نہ ہوگا اور ہر جی کو جو اس نے کیا پورا ملے گا اور وہ خوب جاننے والا ہے جو یہ کرتے رہے۔

علماء محققین کے نزدیک کل دو دفعہ نفخ صور ہوگا پہلے مرتبہ میں سب کے ہوش اڑ جائیں گے پھر زندے تو مردے ہو جائیں گے اور جو مر چکے تھے ان کی ارواح پر بے ہوشی کی کیفیت طاری ہو جائے گی بعد میں دوسرا نفخہ ہوگا جس سے مردوں کی ارواح ابدان کی طرف واپس آجائیں گی اور بے ہوشوں کو افاقہ ہوگا۔

اس وقت محشر کے عجیب و غریب منظر کو حیرت زدہ ہو کر تکتے رہیں گے پھر خداوند قدوس کی پیشی میں تیزی سے حاضر کئے جائیں گے۔ اس وقت حق تعالیٰ کی تجلی اور نور پر کیف سے محشر کی زمین چمک اٹھے گی حساب کا دفتر کھلے گا اور اعمال نامے سامنے رکھ دیئے جائیں گے۔ (تفسیر عثمانی ص ۲۰۴)

عربی میں "صعق" کا لفظ غشی اور موت دونوں معنوں میں استعمال ہوتا ہے: "صعق الرجل اذا غشی علیہ و صعق الرجل اذا مات"

صور پھونکا جانے پر جو صعقہ ہوگا وہ موجود زندوں کے لئے پیغام موت ہوگا اور جو پہلے مر چکے ہیں اور بعد الوفات زندہ تھے ان کے لئے یہ صعقہ غشی کا ہوگا وہ یہ آواز سنتے ہی بے ہوش ہو جائیں گے۔

اب سارے اولین و آخرین موت کی آغوش میں ہیں جو پہلے مر چکے ہیں وہ تو برزخ میں تھے ہی، جو اب مرے وہ بھی سب پہلوں کے ساتھ موت کے پردے میں ہیں۔ چار مقرب فرشتے یا حملۃ العرش پر شاید اس نفخہ کا اثر نہ ہو اور وہ الا من شاء اللہ کا استثناء پالیں لیکن جو طبقہ قیامت قائم ہونے سے پہلے حیات بعد الوفات پا چکا اس پر اس صعقہ کا اثر بے ہوشی کا ہوگا نفخہ سنتے ہی بے ہوش ہو جائیں گے۔

پھر دوسرا صعقہ ہوگا اور سب لوگ اٹھ کھڑے ہوں گے۔ جو موت کی آغوش میں گئے تھے وہ سب زندہ ہو گئے اور جو بے ہوش ہوئے وہ ہوش میں آجائیں گے۔ قبروں میں انبیاء کا مقام کیا ہے؟ مقام حیات ہو تو وہ بے ہوشی سے افاقہ میں آئیں گے۔ اموات ہوں تو زندہ کئے جائیں گے۔ مردوں پر تو وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ کا عمل ہوگا اور بے ہوشی والے تو پہلے ہی روح و بدن کے ساتھ ہیں۔ ہاں اس دن روح و بدن کامل صورت میں جمع ہوں گے۔

انبیاء کرام علیہم اس دن بے ہوشی سے اٹھیں گے وہ موت سے حیات میں نہیں بے ہوشی سے افاقہ میں آئیں گے۔ ان کا برزخ ختم ہو جائے گا اور آخرت شروع ہو جائے گی۔ اب ان کی زندگی پردے کی نہیں کھلی ہوگی اور وہ ایک دوسرے کے سامنے کھلی اور کامل حیات میں ہوں گے حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: "لاتخیرونی علی موسیٰ فان الناس یصعقون فاکون اول من یفیق فاذا موسیٰ باطش بجانب العرش فلاادری اکان فیمن صعق فافاق قبلی او کان ممن استثنی اللہ عزوجل" (صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۸۴)

ترجمہ: تم مجھے موسیٰ پر فضیلت نہ دو۔ لوگ بے ہوش ہو جائیں گے اور میں پہلا ہوں گا جسے بیہوشی سے افاقہ ہوگا تو میں کیا دیکھوں گا کہ موسیٰ عرش کا پایہ پکڑے کھڑے ہیں میں نہیں کہہ سکتا کہ وہ بیہوش ہونے والوں میں سے تھے اور مجھ سے پہلے ہوش میں آگئے یا (بیہوش ہی نہ ہوئے تھے) ان میں تھے جنہیں اللہ عزوجل نے اس آزمائش سے مستثنیٰ رکھا۔

یہ آپ کا بیہوشی سے افاقہ دوسرے نفخہ کے بعد ہوگا۔ ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں: "انی اول من یرفع راسہ بعد النفخۃ الاخیرۃ" (فتح الباری ج ۱۳ ص ۱۹۶)

ترجمہ: میں پہلا شخص ہوں گا جو نفخہ ثانیہ کے بعد سر اٹھائے گا۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ نفخہ اولی اور نفخہ ثانیہ کے مابین کچھ وقت ضرور ہوگا کتنا ہوگا۔ اس میں کوئی قطعی بات نہیں کہی جا سکتی لیکن اتنی بات ہے ایک فاصلہ ضرور ہے اور اصل قیامت وہی ہے جو دوسرے نفخہ کے بعد قائم ہوگی قرآن کریم میں ہے: "ثُمَّ نُفِخَ فِيهِ أُخْرَىٰ فَإِذَا هُمْ قِيَامٌ يَنظُرُونَ" (پ ۲۴ الزمر ع ۷ آیت ۶۸)

ترجمہ: پھر دوسری بار نفخہ صور ہوگا تو سب اٹھ کھڑے ہوں گے ایک دوسرے کو دیکھتے۔

یہ برزخ اور آخرت میں فرق ہے برزخ میں ایک دوسرے کو دیکھنا نہیں اور آخرت میں سب ایک دوسرے کو دیکھتے ہوں گے۔

ہمیں احادیث میں لفظ افاقہ کی تلاش تھی۔ انبیاء کرام علیہم کے لئے نفخہ ثانیہ پر لفظ افاق من قبلی اور اول من یفیق کے الفاظ صحیح بخاری سے مل گئے ہیں اس سے پتہ چلتا ہے کہ انبیاء کرام عالم برزخ میں اپنی قبروں میں زندہ ہیں اس عالم کے اعتبار سے وہاں ان کی نیند ایک بے ہوشی کی سی ہوگی جو نفخہ ثانیہ پر ختم ہو جائے گی اور اب سب ایک مکمل زندگی میں آجائیں گے۔

یہ دوسرے نفخہ پر آپ کا اٹھنا کہاں سے ہوگا؟ مدینہ منورہ کی قبر مبارک سے حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں حضور ﷺ نے فرمایا: "فان الناس یصعقون یوم القیمة فاکون أول من تنشق عنه الارض فاذا انا بموسی آخذ بقائمة من قوائم العرش فلا ادری کان فیمن صعق ام حوسب بصعقة الاولی"

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۲۵۔ وفی روایۃ ابن جوزی بصعقۃ الطور ج ۱ ص ۴۸۱)

ترجمہ: سو سب انسان (جو زمین پر زندہ ہوں گے) قیامت کے دن (صور پھونکا جانے سے) مر جائیں گے اس کے بعد میں پہلا ہوں گا جس سے قبر پھٹے گی (کھلے گی اور میں نکلوں گا) کیا دیکھوں گا کہ موسیٰ عرش کا پایہ پکڑے کھڑے ہیں۔ میں نہیں جانتا کہ وہ بے ہوشی میں آئے یا انہیں وہی بے ہوشی کافی ہو گئی جو انہیں پہلے (کوہ طور پر) پیش آ چکی ہے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ پہلا نفخہ اس وقت ہوگا جب انبیاء علیہم اپنی اپنی قبروں میں ہوں گے اور دنیا آباد ہوگی۔ پہلا نفخہ قیامت کا نفخ ہوگا اور دنیا کے سب انسان مر جائیں گے۔

پھر جب دوسرا نفخہ ہوگا تو پہلے مرے ہوئے لوگ جو اپنی قبروں میں یا ذرات منتشرہ میں ہوں گے سب زندہ ہو جائیں گے اور جو پہلے نفخہ سے مرے تھے اور ان کے دفن ہونے کی نوبت نہ آئی تھی وہ پھر زندہ ہو جائیں گے اور اولین و آخرین سب کا حشر ہوگا۔

حافظ ابن کثیر دمشقی لکھتے ہیں:

ترجمہ: "نفخہ اولی وہ ہے جس سے زمین و آسمان میں زندہ نفوس سب مر جائیں گے مگر جن کو اللہ چاہے۔ اور دوسرے نفخہ سے سب مرے ہوئے زندہ ہو جائیں گے اور قیامت کے ہولناک مناظر کا سامنا کریں گے۔"

(تفسیر ابن کثیر ج ص فتح الباری ج ۱۳ ص ۱۹۸)

رہا انبیاء کرام علیہم کا معاملہ وہ پہلے نفخہ سے بے ہوش ہو جائیں گے اور دوسرے نفخہ سے ان کی بے ہوشی جاتی رہے گی اور وہ اپنی قبروں سے نکلیں گے سب سے پہلے حضور ﷺ کی قبر کھلے گی اور آپ ہوش میں آئیں گے

اچانک عرش پر نظر پڑے گی تو موسیٰ علیہ السلام عرش کا پایہ پکڑے نظر آئیں گے معلوم ہوتا ہے وہ پہلے نفخہ پر قبر میں بے ہوش ہی نہ ہوئے ہوں گے۔

یہ صورت حال کیا بتا رہی ہے؟ اوروں کا موت سے حیات میں آنا اور انبیاء علیہم السلام کا بے ہوشی سے افاقہ میں آنا اور ان کی قبروں کا کھلنا اور پھر کل بنی نوع انسان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہو جانا۔

نفخہ اولیٰ اور ثانیہ کے مابین کتنا وقت ہوگا؟ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور بات آپ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول سے شروع کی۔۔۔ آپ فرماتے ہیں: "یخرج الدجال فی امتی فیلبث فیهم اربعین فیبعث الله عز وجل عیسی ابن مریم۔۔۔ فیظهر فیهلکه ثم یلبث الناس بعده سنین سبعا لیس بین الاثنین عداوة ثم یرسل الله ریحا باردة من قبل الشام فلا یبقی احد فی قلبه مثقال ذرة من ایمان الا قبضته ویبقی شرار الناس فی خفة طیر واحلام السباع وهم فی ذلک دارة ارزاقهم حسن عیشهم ثم ینفخ فی الصور فلا یسمعه احد الا أصغی له"

(مسند الامام احمد ج ۹، ص ۲۰۲، حدیث ۶۵۵۵۔ الفتح الربانی ترتیب مسند الامام احمد بن حنبل الشیبانی ج ۲۴ ص ۸۶)

میری امت میں دجال نکلے گا اور چالیس سال تک رہے گا، پھر اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھیجے گا آپ دجال کو قتل کریں گے پھر شام کی طرف سے ایک ٹھنڈی ہوا چلے گی اور جس کے دل میں ذرہ بھر ایمان ہوگا وہ اس کے جھونکے سے مر جائے گا صرف اہل شر رہ جائیں گے طیور کی طرح۔ ان میں توہم، نفور اور اضطراب ہوگا۔ فسق و فجور کے دلدادہ اور فساد پر آمادہ ہوں گے۔ خیالات ان کے برے ہوں گے اور حالات بے وقار ہوں گے۔ عقلیں ناقص ہوں گی اور علم وحلم سے خالی ہوں گے۔ قلت رحم، اہلاک، اتلاف، غصب اور وحشت ان کی زندگی ہوگی۔ نہ نیکی کو نیکی جانیں گی نہ برائی کو برائی مانیں گے۔ شیطان کے اکسانے اور ترغیب پر وہ شرک کریں گے، رزق انکا وسیع ہوگا۔ صاحب مال اور صاحب حیثیت ہوں گے۔ ایسے وقت اور ایسے حالات میں صور پھونکا جائے گا۔

"ثم یرسل الله مطرا کانه الطل فتنبت منه اجساد الناس ثم ینفخ فیه اخری فاذا هم قیام ینظرون قال ثم یقال یا ایها الناس هلموا الی ربکم وقفوهم انهم مسئولون"

پہلے نفخہ کی جس کے کان میں آواز پڑے گی وہ مر جائے گا، کوئی زندہ باقی نہ رہے گا، سب مر جائیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ شبنم کی طرح بارش برسائے گا جس سے اجسام اگ آئیں گے[1] پھر دوسرا نفخہ ہوگا اور سب اٹھ کھڑے ہوں گے اس وقت سب ننگے ہوں گے اور کہا جائے گا چلو اب اپنے رب کی طرف چلو۔ او کما قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم!

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ نفخہ اولیٰ اور نفخہ ثانیہ کے درمیان کچھ وقت ضرور ہوگا۔ اصل قیامت وہی ہے جو دوسرے نفخہ پر قائم ہوگی۔

قرآن کریم کہتا ہے: "ثُمَّ نُفِخَ فِيهِ أُخْرَىٰ فَإِذَا هُمْ قِيَامٌ يَنظُرُونَ" (پ ۲۴، الزمر ۶۸)

<u>ترجمہ</u>: پھر دوسری بار نفخہ صور ہوگا تو وہ سب کھڑے ہو جائیں گے ایک دوسرے کو دیکھتے ہوں گے۔

اس صورت حال میں انبیاء کرام علیہم السلام کا اپنی قبروں سے آنا بے ہوشی سے افاقے کی صورت میں ہوگا، موت سے حیات کی صورت میں نہ ہوگا۔ جس سے یہی سمجھ میں آتا ہے کہ وہ اپنی قبروں میں پہلے سے زندہ ہیں جو نفخہ

[1] قبروں کے اندر انسانی ڈھانچوں کے ریزے سب یکجا ہونے لگیں گے بدن پھر سے بن جائیں گے۔

اولی سے صرف بے ہوشی میں جائیں گے اور دوسرے نفخہ سے وہ ہوش میں آجائیں گے اور ان کی قبریں کھل جائیں گی۔ امام نوویؒ (۶۷۰ھ) فرماتے ہیں: "وهذا من اشكل الاحاديث لان موسىٰ قد مات فكيف تدركه الصعقة انما تصعق الاحياء" (شرح صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۶۸)

ترجمہ: یہ مشکل ترین احادیث میں سے ہے موسیٰ علیہ السلام تو فوت ہو چکے ہوئے ہیں۔ صور پھونکا جانا ان پر کیا اثر کرے گا (وہ تو پہلے سے فوت شدہ ہیں) صور پھونکا جانے سے تو جو زندہ ہیں وہ مریں گے (نہ کہ وہ جو پہلے سے برزخ میں حیات پائے ہوئے ہیں)

پھر آگے چل کر آپ قاضی عیاضؒ (۵۴۴ھ) سے اس کا حل پیش کرتے ہیں: "قال القاضي فيحتمل ان هذه الصعقة صعقة فزع بعد البعث حين تنشق السموات والارض فتنتظم حينئذ الآيات والاحاديث و يؤيد قوله ﷺ فافاق لانه انما يقال افاق من الغشي واما الموت فيقال بعث منه و صعقة الطور لم يكن موتا واما قوله ﷺ فلا ادري افاق قبلي فيحتمل انه ﷺ قاله قبل ان يعلم انه اول من تنشق عنه الارض ان كان هذا اللفظ على ظاهره وان نبينا ﷺ اول شخص تنشق عنه الارض على الاطلاق" (شرح صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۶۸)

ترجمہ: ہوسکتا ہے صعقہ سے مراد جب آسمان اور زمین پھٹ چکے ہوں گے صعقہ فزع مراد ہو۔ اس سے تمام آیات اور احادیث میں تطبیق ہو جاتی ہے اور حضور ﷺ کا ارشاد بھی اس کی تائید کرتا ہے جب آپ نے کہا کہ موسیٰ افاقہ میں آئے، تو یہ اسے ہی کہا جاتا ہے جو بے ہوشی سے ہوش میں آئے، موت سے جو اٹھایا جائے اسے بعث کہتے ہیں طور کی بے ہوشی موت نہ تھی اور حضور ﷺ کا یہ کہنا کہ میں نہیں جانتا کہ وہ مجھ سے پہلے ہوش میں آئے، ہوسکتا ہے یہ اس سے پہلے کی بات ہو جب آپ کو علم دیا گیا کہ سب سے پہلے آپ کی قبر کھلے گی۔

یہاں یہ بات معلوم رہے کہ نفخہ اولیٰ جس سے ہر ایک زندہ (باستثناء من شاء منہ) مر جائے گا اس وقت انبیاء کرام کس حال میں ہوں گے؟ وہ اس وقت نہ مریں گے۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (۸۵۲ھ) لکھتے ہیں: "ان الذين يصعقون هم الاحياء واما الموتى فهم في الاستثناء في قوله تعالى الا من شآء الله ولا يعارض ما ورد في هذا الحديث ان موسى ممن استثنى الله لان الانبياء احياء عند الله وان كانوا في صورة الاموات بالنسبة الى اهل الدنيا وقد ثبت ذلك للشهداء ولا شك ان الانبياء اعلى رتبة من الشهداء وورد التصريح بان الشهداء ممن استثنى الله"

(فتح الباری ج ۱۳ ص ۱۹۶)

ترجمہ: جو لوگ زندہ ہیں پہلے صعقہ میں مریں گے اور جو پہلے سے مرے ہیں وہ الا من شاء اللہ کے استثناء میں داخل ہیں اور یہ بات اس حدیث کے خلاف نہیں جس میں موسیٰ ان میں شمار ہیں جو مستثنیٰ کئے گئے کیونکہ انبیاء سب اللہ کے ہاں زندہ ہیں اگرچہ وہ اہل دنیا کی نسبت سے اموات کی صورت میں ہیں۔ اور یہ مرتبہ شہداء کو حاصل ہے اور انبیاء تو بلا شک شہداء سے کئی درجہ اعلیٰ ہیں اور ان کے مستثنیٰ ہونے کی تصریح موجود ہے۔

انبیاء علیہم السلام الا من شاء اللہ کے استثناء میں داخل ہیں جیسے کہ پہلے سے فوت شدہ لوگ اس استثناء میں شامل تھے۔ سو نفخہ اولیٰ میں موت صرف زندوں کے لئے ہے اور جو پہلے سے مردہ ہیں وہ اس صعقہ الموت میں نہیں آئیں گے۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اللہ کے ہاں زندہ ہیں گو عام اہل دنیا کے مقابل وہ اموات کی صورت میں

ہیں۔ تاہم (حقیقتہً وہ اموات میں نہیں ہیں) جب شہداء کے لئے اس صعقہ سے استثناء موجود ہے تو انبیاء تو اس سے بھی اوپر کے درجے میں ہیں۔

انبیاء کرام علیہم صعقہ اولی سے مستثنی ہیں اور وہ نفخہ ثانیہ میں اٹھیں گے۔ اس وقت ان پر اس صعقہ سے ایک گھبراہٹ کی صورت پیدا ہوگی۔ یہ صعقہ ان کے لئے صعقہ فزع ہے جس سے سب سے پہلے آپ کو افاقہ ہوگا۔ جو مردہ ہیں وہ اس صعقہ ثانیہ سے زندہ ہو جائیں گے انبیاء علیہم جو پہلے اپنی قبور میں زندہ رہے ان کی قبریں کھلیں گی اور وہ اس صعقہ سے گھبراہٹ میں ہوں گے۔ پھر سب انسان زندہ ہوں گے اور انبیاء کرام بھی افاقہ میں آجائیں گے اور پھر سب خدا کی طرف چل دیں گے۔

حیات انبیاء کی یہ ایک مکمل جھلک آپ کے سامنے ہے اور یہ اس حدیث کے عین مطابق جس میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں۔ اور وہ وہاں معروف طاعات بھی ہیں اس حدیث کی پوری بحث انشاء اللہ آگے آئے گی۔

قرآن کریم اور عقیدہ حیات النبی ﷺ

قرآن کریم کا یہ کھلا عنوان آپ کے سامنے ہے کہ شہداء اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں تم انہیں مردہ نہ کہو علماء کرام نے اس حیات شہداء سے بدلالۃ النص حیات انبیاء بھی ثابت کی ہے۔ ہمارے مخالفین کو بھی اس کا اقرار ہے پھر معلوم نہیں وہ کون سا داعیہ ہے جو عقیدہ حیات انبیاء کے انکار کے لئے نہیں قرآن کے گرد لے آیا ہے۔ حالانکہ قرآن میں اس مسئلہ کی کہیں صراحت نہیں ہے پھر ان نادانوں کا بار بار کہنا کہ اس عقیدے کے اثبات میں کتاب اللہ پیش کرو اگر خود اپنے اکابر سے بغاوت نہیں تو اور کیا ہے قاضی شمس الدین صاحب لکھتے ہیں: "قرآن کریم میں اس مسئلہ کی صراحت کہیں بھی نہیں ہاں شہداء کے حق میں ارشاد ہے: "بل هم احیاء[1] ولکن لاتشعرون" اس سے بطور دلالۃ النص سمجھ میں آتا ہے کہ انبیاء علیہم جن کا درجہ شہداء سے بھی بہت بڑا ہے وہ بعد الوفاۃ زندہ ہیں اور اس طرح علماء کرام نے زادہم اللہ شرفا یہ مسئلہ قرآن کریم سے نکالا۔ دلالۃ النص اسے کہتے ہیں کہ ایک چیز مذکور ہو اور دوسری اس سے بطور اولی سمجھ میں آئے۔ اس دور میں (پہلے دور میں) اس کے ساتھ اتنا ایمان لانا کافی تھا کہ یہ حضرات زندہ ہیں جس زندگی کا ہمیں شعور نہیں اور بس۔" (مسالک العلماء ص ۲۹)

قاضی صاحب کی بس یہاں آکر رکی ہے کاش کہ ان کے نوجوان ساتھی بھی اپنی بس یہیں پر روک دیتے اور بات آگے نہ بڑھتی مگر افسوس کہ انہوں نے مجتہد بن کر قرآن کریم سے نئے سرے سے استنباط کرنا شروع کر دیا اپنے مقلد ہونے کو بھول گئے اور دعوی کر دیا کہ انبیاء کرام کی بعد الوفاۃ زندگی کی نفی قرآن کریم میں صراحت سے موجود ہے (استغفر اللہ العظیم) قرآن کریم پر یہ مشق ظلم اس دور کی علمی بے راہروی کی انتہا ہے۔

قاضی شمس الدین صاحب نے اپنی اس مذکورہ عبادت میں پانچ باتوں کا کھلا اقرار ہے:

۱...... حیات النبی ایمانیات میں سے ہے۔
۲...... قرآن میں اس مسئلے کی کہیں صراحت نہیں ہے۔

---

[1] معلوم نہیں قاضی صاحب نے بل ہم احیاء کے الفاظ قرآن میں کہاں دیکھے ہیں۔

۳...... جس طرح شہداء بعد الوفات زندہ ہیں انبیاء کرام بعد الوفات بطریق اولیٰ زندہ ہیں۔
۴...... جس طرح علماء حیات النبی کے قائل ہوئے ان کے لئے ژادھم شرفا کی دُعا ہے۔
۵...... جن علماء نے قرآن سے مسئلہ حیات النبی نکالا اس دور میں ان کی کسی نے مخالفت نہ کی تھی۔

ہمیں ان نادانوں سے شکوہ نہیں جو اس مسئلہ میں بار بار قرآنی آیات کا مطالبہ کرتے ہیں اور وہ قاضی صاحب کی اس بات کو غلط کہتے ہیں کہ قرآن کریم میں اس مسئلے کی کہیں صراحت نہیں۔ ہم یہاں یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ ان کا قاضی صاحب کو غلط کہنا خود غلط ہے۔

ہاں یہ بات اپنی جگہ صحیح ہے کہ قرآن کریم میں حیاتِ انبیاء کے کئی اقتضاء موجود ہیں:

۱...... "وَسْـَٔلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَا " (پ ۲۵ الزخرف آیت ۴۵)

۲...... "وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَلَا تَكُنْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآئِهٖ" (پ ۲۱ الم سجدہ آیت ۲۳)

قرآن کریم میں اگر بقول قاضی صاحب اس مسئلے کی کہیں صراحت نہیں تو اس صُورت میں احادیث صریحہ کیا اس مسئلے کا فیصلہ نہ کر سکیں گی؟ صحابہؓ کا اس صُورت میں علمی پیمانہ کیا تھا؟ وہ مسائل کس ترتیب سے حل کرتے تھے؟

کاش ہمارے نادان دوست اس مسئلے کو سمجھے ہوتے۔

پھر اتنی ہی بات نہیں آنحضرت ﷺ بوجہ شہادت حیات شہداء کے عنوان سے بھی زندہ ہیں اور یہ تو قرآن کی عبارۃ النص ہے کہ شہداء زندہ ہیں جس کا منکر مسلمان نہیں رہ سکتا۔

اب آیئے دیکھیں آنحضرت ﷺ نے کیسے شہادت پائی؟ ۷ھ میں خیبر کے دن ایک یہودیہ نے آپ کو زہر دیا تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس وقت اس کے اثر کو روک لیا۔ روکنے میں یہ حکمت تھی کہ اللہ تعالیٰ کا حضور ﷺ سے وعدہ تھا کہ آپ حق بات کہتے رہیں، میں آپ کو لوگوں سے بچاؤں گا۔ وہ تبلیغ رسالت کو روکنے میں کامیاب نہ ہو سکیں گے۔ اللہ کے رسول غالب آکر رہتے ہیں۔ ارادہ خداوندی ہوا کہ اس وعدے کا خلاف نہ ہو۔ اس زہر کا اثر روک لیا گیا جب آپ جملہ فرائض ادا کر چکے اس زہر کا اثر عود کرنے لگا۔

یہ اسی طرح ہے کہ جب غار ثور میں سانپ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی ایڑی کو ڈسا تو اللہ تعالیٰ نے اس زہر کو اثر کرنے سے روک دیا گیا حضور ﷺ آپ کو اللہ کی طرف سے اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا کا وعدہ حفاظت دے چکے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ اس زہر کے اثر سے محفوظ رہے اور جب تک حضور ﷺ کی معیت رہی سانپ کے زہر کا اثر رہا۔ حضور ﷺ کی وفات کے بعد پھر اس زہر نے اثر دکھانا شروع کیا۔ یہاں تک کہ آپ اسی تکلیف سے حیات شہداء کے ایوان میں داخل ہو گئے۔

علامہ شعبی (۱۰۳ھ) قسم کھا کر کہتے ہیں حضرت ابوبکرؓ سانپ کے زہر سے اور حضرت عمرؓ قتل سے شہید ہوئے۔ (دیکھئے مستدرک ج ۳ ص ۵۹)

آنحضرت کا مرتبہ شہادت

فتح خیبر کے بعد آپ چند دن وہاں ٹھہرے ایک یہودی عورت زینب بنت حارث نے ایک بھنی ہوئی بکری جس میں اس نے زہر ملایا تھا آپ کی خدمت میں پیش کی آپ نے چکھتے ہی اپنا ہاتھ روک لیا اور فرمایا اس بکری میں

زہر ملا ہوا ہے اس وقت تو آپ اس کے اثر سے محفوظ رہے لیکن آخر میں یہ اثر پھر عود کر آیا۔ آپ مرض الوفات میں فرماتے تھے یہ اسی کا زہر ہے جو میں نے خیبر میں کھایا تھا۔ (سیرت مصطفیٰ ج ۳ ص ۱۹۳، فتح الباری ج ۷ ص ۳۸۰) سو آپ کا مرتبۂ شہادت برحق ہے۔

ایک اہم سوال

ایک اہم سوال یہ ہے کہ اگر آج بھی کوئی شخص یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ وہ ابدان جن پر کفار قتل وارد کرنے کے مدعی ہوئے زندہ ہیں اور ان کی یہ جسمانی زندگی ہمارے شعور سے بالا ہے اور وہ اسے پرندوں کی سی زندگی نہیں کہتا صرف روح کا تجسد سبز پرندوں یا سفید پرندوں کی صورت میں مانتا ہے اور کافروں کی روح کا تجسد سیاہ پرندوں میں تسلیم کرتا ہے وہ کس درجے کا مجرم ہے؟ کیا اس متفقہ عقیدہ سے نکل گیا جس کے بارے میں اوپر کہا گیا ہے کہ "حیاۃ انبیاء میں نزاع نہیں" وہ تو بالاتفاق ثابت ہے۔

اور اگر کوئی شخص یہ کہے کہ انبیاء اور شہداء حالا اموات ہیں احیاء نہیں قرآن کی آیۃ: أَمْوَاتٌ غَيْرُ أَحْيَاءٍ انہی کے متعلق ہے۔ وہ موت کا پل عبور کرنے کے بعد اب زندہ نہیں تو کیا وہ اوپر کے بیان کردہ عقیدہ حیات النبی کا قائل سمجھا جاسکے گا۔

ہم ان دونوں سوالوں کا جواب نہیں دینا چاہتے کیونکہ ہمارے کرم فرما اس پر بس کر چکے ہیں۔ ہم بات کو کیوں آگے بڑھائیں، ان کی بس یہاں رکی ہے۔

اتنا ایمان لانا کافی تھا کہ یہ حضرات زندہ ہیں جس زندگی کا ہمیں شعور نہیں اور بس۔ (مسالک العلماء ص ۲۹)

قاضی شمس الدین صاحب ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں: "عزیزان من احیاۃ الانبیاء علیہم السلام میں نزاع نہیں وہ تو بالاتفاق ثابت ہے۔"

ہم اس کے جواب میں اس کے سوا کیا کہہ سکتے ہیں کہ: بزرگان من! جب حیاۃ النبی میں کوئی نزاع نہیں یہ مسئلہ اہل سنت میں بالاتفاق طے شدہ ہے تو جنہوں نے اسے اختلافی بنا دیا آپ نے ان کے خلاف بھی کبھی کچھ کہا یا لکھا ہے؟ کم از کم اتنا ہی ہمیں بتا دیں کہ اتفاق میں جو شخص اختلاف پیدا کرے اس کا حکم کیا ہے؟

آپ نے عقیدہ حیاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اقرار جن واشگاف لفظوں میں کیا ہے اسے پھر دیکھیں اور اس کے کھلے منکرین کا بھی کچھ علاج سوچیں یہ نہ کہیں کہ کچھ مرض لاجواب بھی ہوتے ہیں۔

مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا تعارف

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بوجہ شہادت فی سبیل اللہ قرآن کی عبارت النص کی رو سے زندہ ہیں اور بطور نبی اور رسول آپ قرآن کی دلالۃ النص سے زندہ ہیں۔ قاضی شمس الدین صاحب کا یہ کہنا کہ حیات الانبیاء میں نزاع نہیں انبیاء بالاتفاق زندہ ہیں یہ صحیح ہے لیکن امت کے پہلے چودہ سو سال میں اور یہ آج کل کی نزاع اجماع کو نہیں توڑ سکتی۔

جب ہمارا اور ہمارے دوستوں کا اس پر اتفاق ہے کہ قرآن کریم میں یہ مسئلہ صراحت سے کہیں مذکور نہیں اسے قرآن کریم کی دلالۃ النص سے ثابت کرنے کے بعد اگر ہم ان احادیث صریحہ کو دیکھ پائیں جن میں انبیاء علیہم السلام کو

اسی طرح احیاء کہا گیا ہے جس طرح قرآن کریم نے شہداء کو احیاء کہا ہے۔ تو کیا مسلمان کا جذبہ ان احادیث کی تضعیف ہونی چاہئے یا ان احادیث سے قرآن کی تائید بھی چاہئے۔ اس کا ایک ہی جواب ہے، دو جواب کبھی نہ ہو سکیں گے۔

حیات بعد الوفات لسید الکائنات

الباب الاوّل وفیہ خمسة فصول

"حدثنا هارون بن عبد الله اخبرنا حسين بن علی عن عبد الرحمن[1] بن يزيد بن جابر عن ابی الاشعث الصنعانی عن اوس بن اوس قال قال رسول الله ﷺ ان من افضل ایامکم یوم الجمعة فیه خلق ادم وفیه قبض وفیه النفخة وفیه الصعقة فاکثروا علی من الصلوة فیه فان صلوتکم معروضة علی قال قالوا یا رسول الله وکیف تعرض صلوتنا علیک وقد ارمت (قال یقولون) بلیت فقال ان الله عزوجل حرم علی الارض اجساد الانبیاء" (سنن ابی داؤد ج ا، ص ۱۵۰، ص ۲۱۴۔ سنن نسائی ۱۵۴۔ سنن ابن ماجہ ص ۷۷، ص ۱۱۹۔ سنن دارمی ص ۱۹۵۔ مستدرک حاکم ج ا ص ۲۷۸، ج ۴ ص ۵۶۰۔ مسند امام احمد ج ۳، ص ۱۶۔ سنن کبریٰ بیہقی ج ۳ ص ۲۴۸۔ والطبرانی کمافی نیل الاوطار ج ۳ ص ۲۱۰، ص ۲۱۱ واحمد کمافی التفسیر لابن کثیر ج ۳ ص ۵۱۴ وابن خزیمہ وابن حبان وسعید بن منصور فی سننہ وابن ابی شیبہ فی مصنفہ کمافی شرح العلامة الیوسنوی ص ۸ مصر۔ دلائل النبوت لابی نعیم ص ۴۹۶ مصر)

ترجمہ: حضرت اوس بن اوس ؓ کہتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: تمام دنوں میں سے افضل جمعہ کا دن ہے، اسی دن آدم کی تخلیق ہوئی، اسی دن ان کی روح قبض ہوئی، اسی دن صور پھونکا جائے گا اور اسی دن قیامت کے بے ہوشی ہوگی۔ پس جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو، کیونکہ تمہارا درود بے شک مجھ پر پیش کیا جاتا ہے صحابہ ؓ نے عرض کی کہ یارسول اللہ! جب آپ قبر میں گل چکے ہوں گے تو اس وقت ہمارا درود آپ پر کیسے پیش کیا جائے گا؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ رب العزت نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ انبیاء کے جسموں کو مٹی بنائے۔

۱...... صحابہ کرام ؓ کا یہ سوال کہ بعد الوفات ہمارا درود آپ ﷺ پر کیسے پیش کیا جائے گا دراصل آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد سے پیدا ہوا تھا:

"فان صلوتکم معروضة علیّ"

ترجمہ: بے شک تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔

ظاہر ہے کہ آنحضرت ﷺ جس وقت یہ ارشاد فرما رہے تھے اس زندگی میں آپ پر صلوٰۃ وسلام بلا ریب روح مع الجسد پر پیش ہوتا تھا۔ اس حیات میں یہ تصور بھی نہیں کہ روح اور جسم کبھی ایک دوسرے سے جدا ہوتے ہیں۔ اس پر یہ سوال پیدا ہوا کہ بعد الوفات یہ عرض صلوٰۃ وسلام صرف روح مجرد پر ہوگا یا بدستور روح مع الجسد ہی پر پیش ہوتا رہے گا۔ آنحضرت کا ارشاد فان صلوتکم معروضة علی یہاں جملہ اسمیہ میں ہے۔ صحابہ ؓ نے جب اس استمرار پر متعجب ہو کر قبل الوفات اور بعد الوفات میں فرق معلوم کرنا چاہا تو آپ نے ہر دو میں فرق کرنے کی بجائے ایک

[1] قال ابن حبان فی صحیحہ حدثنا ابن خزیمة حدثنا ابو کریب حدثنا حسین بن علی حدثنا عبد الرحمن بن یزید بن جابر فصرح بالسماع منہ (جلاء الافہام للحافظ ابن القیم ص ۲۶ طبع امرتسر)

اصولی بات بتا دی کہ پیغمبروں کی وفات کے بعد وہ حالت نہیں ہوتی جو عام دوسرے انسانوں کی ہوتی ہے۔
آپ ﷺ نے جو کچھ فرمایا، وہ اسی کا جواب تھا، ارشاد ہوا: ''زمین پر حرام ہے کہ انبیاء کے جسموں کو مٹی بنائے''
گویا آپ نے قبل الوفات اور بعد الوفات کے عرض صلوٰۃ وسلام کو برابر رکھا۔ اب ظاہر ہے کہ قبل الوفات یہ عرض صلوٰۃ وسلام روح مع الجسد پر پورے شعور سے ہوتا تھا۔ پس اس یقین سے چارہ نہیں کہ بعد الوفات بھی یہ عرض صلوٰۃ وسلام روح مع الجسد پر پورے ادراک وشعور سے ہو رہا ہے، ورنہ بنائے سوال اور جواب میں کوئی تطابق نہیں رہتا۔

۲...... آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد کہ ''زمین پر حرام ہے کہ انبیاء کے جسموں کو مٹی بنائے'' صرف ارمت (آپ ﷺ مٹی میں گھل چکے ہوں گے) کے مقابلہ میں نہیں، بلکہ کیف تعرض صلوتنا علیک کے جواب میں ہے یعنی ارشاد نبوت صرف یہ نہیں کہ انبیائے کرام کے اجساد مطہرہ مٹی کے ساتھ مٹی نہیں ہوتے۔ بلکہ آپ کا منشاء یہ ہے کہ انبیائے کرام کے اجساد مطہرہ اس طرح محفوظ ہوتے ہیں کہ ان پر صلوٰۃ وسلام برابر پیش ہوتا رہتا ہے۔ اس لئے کہ اصل سوال یہ تھا: ''کیف تعرض صلوتنا علیک وقد أرمت''

ترجمہ: ہمارا درود آپ ﷺ پر کیسے پیش کیا جائے گا جب کہ آپ مٹی میں گھل چکے ہوں گے۔

ظاہر ہے کہ یہاں جواب میں یہ مراد ہرگز نہیں کہ اجساد مطہرہ صرف اس طرح محفوظ ہیں کہ اپنی اپنی قبور میں محض بے حس وشعور پڑے ہیں۔ بلکہ منشائے رسالت میں ایسی محفوظیت مراد ہے کہ ان پر صلوٰۃ وسلام پیش ہو سکے۔ اگر اجساد محفوظ پر صلوٰۃ وسلام پیش نہ ہوتا ہو اور انہیں اس صلوٰۃ وسلام کا بالکل شعور نہیں ہوتا تو حدیث کے دونوں جملوں میں کوئی ربط نہیں رہتا۔ سوال وجواب کا اقتضاء یہی ہے کہ آنحضرت ﷺ کا جسد اطہر محض بے حس و شعور اکرا کا محفوظ نہ ہو بلکہ اس میں ایسی حیات ہو کہ اس پر صلوٰۃ وسلام پیش ہو سکے۔

۳...... صحابہ کرامؓ کے سوال میں ''ارمت'' اور اس کے جواب میں ''اجساد الانبیاء'' کے اطلاقات قطعاً اور یقیناً اس دنیا والے جسد عنصری سے متعلق ہیں۔ یہاں اس شبہ کی قطعاً گنجائش نہیں کہ شاید اجساد مثالیہ مراد ہوں پس اس یقین سے چارہ نہیں کہ اب صلوٰۃ وسلام روضہ منورہ کے اسی جسد عنصری پر پیش ہو رہا ہے جس پر ورود موت ہوا تھا اور جسے صحابہؓ نے دفن کیا تھا۔ جسد اطہر وہاں مع الروح ہے اور عرض صلوٰۃ وسلام کا محل بنا ہوا ہے۔ محض بے جان جسم پر درود پیش کرنے کا تو کوئی معنی ہی نہیں اگر اس کا کچھ امکان ہوتا کہ بے جان بدن یا اجزائے بدن پر بھی عرض صلوٰۃ وسلام ہو سکے کا تو صحابہ کرامؓ کبھی یہ سوال پیدا نہ کرتے۔

''کیف تعرض صلوتنا علیک وقد ارمت''

اور اگر بے جان بدن پر ہی یہ عرض صلوٰۃ وسلام ہے تو پھر سارے بدن کے یک جا ہونے یا ذرات بدن کے منتشر ہونے میں کیا فرق ہے، پھر اتنے اہتمام سے کیوں کہا گیا کہ انبیاء کے اجساد محفوظ رہتے ہیں، مٹی نہیں ہوتے۔ فتفکر فان ذلک من مدارک الاذکیاء!

مولانا محمد بشیر قنوجی تفہیم المسائل فارسی ص ۸۵ پر اس حدیث حفظ اجساد سے اسی طرح استدلال فرما رہے ہیں۔

لطیفہ: بعض حیران کن واقعات یا تصورات جب لطفِ طبع کے لئے کہے یا سنے جاتے ہیں تو انہیں لطیفہ کہتے ہیں۔ ایسے لطائف اچھے خاصے ذوق طبع کا سامان ہوتے ہیں لیکن ایسے ہی بعض اوقات جہالت کی انتہاء، نظر کے فریب یا تاویل کے فساد کو بھی علمی لطیفوں کے طور پر ذکر کر دیتے ہیں جو واقعہ ہم عرض کرنا چاہتے ہیں وہ بھی فساد تاویل کی انتہائی مثال ہے چونکہ اسے نقل کرنے میں بھی طبیعت پر گرانی ہوتی ہے، اس لئے اسے لطیفہ کے بجائے کثیفہ کے عنوان سے ذکر کیا جاتا ہے۔

پچھلے چند ماہ کا واقعہ ہے، ایک تقریر کے سلسلہ میں ضلع کیمبل پور جانا ہوا۔ وہاں چند روز پہلے کے ایک جلسہ کی روئیداد بعض لوگوں سے سننے کا اتفاق ہوا۔ ایک عالم نے اس حدیث پر بحث کرتے ہوئے بیان فرمایا کہ قبور میں اجساد کا محفوظ رہنا نبوت صادقہ کی علامت ہے۔ سچے مدعی نبوت اور جھوٹے مدعی نبوت کا اس طرح سے پتہ چل سکتا ہے کہ قبر کھول کر دیکھ لو جھوٹے مدعی کی لاش گل سڑ کر ریزہ ریزہ ہو چکی ہوگی اور سچے پیغمبر کا جسد بالکل محفوظ ہوگا۔ آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد فرمانا کہ "زمین پر حرام ہے کہ پیغمبروں کے جسموں کو کھائے" سچے اور جھوٹے نبیوں کا امتیاز کرنے کے لئے تھا۔ (معاذ اللہ) اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ قبروں کو کھول کر سچے نبیوں کی پہچان ہوتی ہے اور اس کے سوا ان کی صداقت کا کوئی نشان نہیں معاذ اللہ ثم معاذ اللہ۔

اگر یہ بیان دلفگار صحیح ہے تو غور کیجئے کہ کس طرح منشائے نبوت کو مسخ کرنے کی بے باک کوشش کی گئی ہے۔ ارشاد نبوت کو سیاق و سباق سے بے نیاز کرنے اور اسے ایسا معنی پہنانے پر جو آج تک کسی شارح حدیث کو نہیں سوجھے، حیرت در حیرت ہوتی ہے۔

الا یا قومنا انتبھوا فانا نحاسب فی القیامة غیر شک

اگر چہ یہ ارشاد نبوت اجساد انبیاء کی محفوظیت ایسی محفوظیت کہ اس پر صلوۃ وسلام پیش ہو سکے اور ایسا صلوۃ وسلام پیش ہونا جیسا کہ قبل الوفات ہوتا تھا یعنی روح وجسد کے مجموع پر پر دلیل ناطق اور شاہد صادق ہے تاہم تائید مزید کے لئے یہ بھی سنیئے۔

تائید مزید

سنن ابن ماجہ میں حضرت ابوالدرداء سے یہ روایت اس طرح منقول ہے کہ حضور انور ﷺ نے ارشاد فرمایا: "ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء فنبی اللہ حی یرزق" (ابن ماجہ ص ۱۱۹)

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ انبیاء کے جسموں کو مٹی بنائے پس اللہ کا پیغمبر زندہ ہوتا ہے اور اسے رزق بھی ملتا ہے۔

لیجئے! جو مضمون حضرت اوس بن اوس ؓ کی روایت سے اس طرح ثابت ہوتا تھا:

"فان صلوتکم معروضة علی ـــــ بنائے سوال کیف تعرض صلوتنا علیک وقد ارمت"

"ان اللہ حرم علی الارض اجساد الانبیاء۔ جواب برائے صورت عرض صلوۃ وسلام بعد الوفات۔"

نتیجہ: ...... بعد الوفات حیات جسمانی۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی روایت میں وہی نتیجہ خود الفاظ نبوت بن کر سامنے آ گیا۔

فنبی اللہ حی یرزق اللہ کا پیغمبر زندہ ہوتا ہے اور اسے رزق بھی دیا جاتا ہے اس جزو کے متعلق بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ مدرج من الراوی ہے۔ محدثین میں سے کسی نے یہ تصریح نہیں کی۔ یہ ادعاء اور حکم ادراج کہاں تک صحیح ہے یہ اس کی تفصیل کا موقع نہیں ہمیں صرف یہ بتانا ہے کہ انبیاء کے اجساد مطہرہ کے محفوظ ہونے اور ان پر صلوٰۃ وسلام کے پیش ہوتے رہنے سے، حیات النبی ﷺ کا جو استدلال ہم نے پیش کیا ہے، وہ دوسری روایت میں بعینہٖ جزو حدیث کے طور پر موجود ہے اور اگر یہ راوی احدیث کی اپنی تفسیر اور ادراج ہے[1] تو بھی اس میں ہماری ہی تائید ہے کہ حدیث حفظ اجساد کا اس کے پورے سیاق وسباق کے ساتھ جو مطلب ہم نے سمجھا تھا، اس حدیث کے روایت کرنے والے بھی وہی مطلب لے رہے ہیں مقام تعجب ہے کہ اجساد الانبیاء کے واضح سیاق کے باوجود فنبی اللہ حی یرزق کا مطلب یوں بیان کیا جائے کہ اس میں مطلق حیات کا ثبوت ہے۔ حیات جسدی کا اس سے کوئی تعلق نہیں علمی دنیا میں اس سے بڑا ظلم کیا ہوگا ؎

والبغی یصرع اهله والظلم مرتعه الوخیم

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی یہ روایت ایک اور سلسلہ اسناد سے بھی طبرانی میں موجود ہے۔

(جلاء الافہام لابن القیم ص ۵۰)

رجال اسناد روایت ابی الدرداء

۱...... حافظ ابن حجر عسقلانیؒ ——— قلت رجاله ثقات (تہذیب ج ۳ ص ۳۹۸)

۲...... الحفنی حاشیہ عزیزی شرح جامع صغیر ——— رجاله ثقات (السراج المنیر ج ۱ ص ۲۹۰ مصر)

۳...... ملا علی قاری ——— باسناد جید نقله میرک عن المنذری وله طرق کثیرة بالفاظ مختلفه

(مرقات جلد ۳ ص ۲۴۲)

۴...... قال الدمیری رجاله ثقات (فیض القدیر للمناوی ج ۲ ص ۸۷)

۵...... رواه ابن ماجه برجال ثقات۔ (زرقانی شرح مواہب ج ۵ ص ۲۳۶)

۶...... قال المنذری اسناده جید (ترجمان السنۃ ج ۳ ص ۲۹۷)

۷...... علامہ سمہودیؒ ——— رواه ابن ماجه باسناد جید (خلاصۃ الوفاء ص ۴۸)

۸...... قاضی شوکانی یمنیؒ ——— اخرج ابن ماجة باسناد جید (نیل الاوطار ج ۲۱۰)

۹...... مولانا شمس الحق عظیم آبادیؒ ——— باسناد جید (عون المعبود ج ۱ ص ۴۰۵)

۱۰...... تنقیح الرواة ص ۲۵۵ ——— باسناد جید (وتر کنا البقایا مخافۃ التطویل)

تلک عشرة کاملة

❖❖❖

[1] کما یظهر من صنیع صاحب السیرة المحمدیة فراجع له (ص ۵۴۰)

الفصل الاوّل... وفیہ ستۃ من المباحث

المبحث الاوّل: احوال رواۃ حدیث اوس بن اوس ؓ

پہلا راوی جس پر تمام ائمہ حدیث کا اشتراک ہو جاتا ہے، حسین بن علی الجعفی[1] ہے۔ اس کے بعد عبدالرحمن بن یزید بن جابر، پھر ابوالاشعث الصنعانی اور ان کے بعد حضرت اوس بن اوس ؓ آنحضرت ﷺ کے صحابی ہیں۔ اندریں صورت صرف حسین بن علی ؒ، عبدالرحمن اور ابوالاشعث کے مختصر تراجم پیش کئے جاتے ہیں۔

حسین بن علی ثقۃ عابد (تقریب ص ۱۱۳ کشف الاستار ص ۲۶)

عبدالرحمن بن یزید

عبدالرحمن بن یزید، دو ہیں: ایک عبدالرحمن بن یزید بن تمیم، دوسرے عبدالرحمن بن یزید بن جابر۔ ابن تمیم کو ضعیف کہا گیا ہے لیکن ابن جابر ثقہ اور قوی ہے اس حدیث کے سلسلہ اسناد میں عبدالرحمن بن یزید بن جابر ہے، ابن تمیم نہیں۔ بعض حضرات نے ان اسانید کو دیکھ کر جہاں صرف عبدالرحمن بن یزید تھا، اسے ابن تمیم سمجھ لیا اور حدیث کی تضعیف کر دی۔ حالانکہ ابوداؤد اور نسائی کے متن میں ابن جابر کی تصریح موجود ہے۔

نہایت افسوس کا مقام ہے کہ بعض لوگ ان دونوں کو خواہ مخواہ خلط ملط کر رہے ہیں۔ جن لوگوں کی رسائی اصل کتب حدیث تک نہیں ہوتی، ان کی ناواقفیت کا ناجائز فائدہ اٹھا کر انہیں مغالطہ میں ڈال دیا جاتا ہے۔ پھر یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ نچلے راوی حسین بن علی نے یوں ہی ابن جابر کہہ دیا ہے۔ (معاذ اللہ، استغفر اللہ) ضد اور تعصب نے یہاں تک پہنچا دیا ہے کہ انہیں ہر صداقت مشتبہ نظر آتی ہے ؎

و قد ترکتنی لا اعی لمحدث حدیثا وان ناجیتہ ونجانی

سنئے! حافظ ابن قیم فرماتے ہیں: ''وقولھم ان ظن انہ ابن جابر وانما ھو ابن تمیم وغلط فی اسم جدہ بعید فانہ لم یکن یشتبہ علی بن حسین ھذا بھذا نقدہ و علمہ بھما و سماعہ منھما'' (جلاء الافہام ص ۲۵، ۲۶)

ترجمہ: بعض لوگوں کا یہ گمان کہ یہ راوی ابن تمیم ہے، اسے ابن جابر کہنے میں غلطی ہوگئی ہے، صحیح نہیں۔ حسین بن علی جیسے راوی حدیث پر ایسا شک بہت بعید ہے۔ حسین بن علی کا معیار تنقید اور دونوں عبدالرحمن نامی راویوں کو ذاتی طور پر جاننا اور ان سے سننا ہرگز اشتباہ کی گنجائش نہیں رکھتا۔

''رایت الدار قطنی قد ذکر ذلک نصا'' (ایضاً ص ۴۸)

ترجمہ: میں نے دیکھا ہے کہ دارقطنی نے اسے بطور نص ذکر کیا ہے۔

---

[1] قال ابوداؤد حدثنا ہارون بن عبداللہ اخبرنا حسین ابن علی (ج ۱ ص ۱۵۰) قال النسائی اخبرنا اسحٰق بن منصور قال حدثنا حسین ابن علی (ج ۱ ص ۱۵۴) قال احمد حدثنا حسین بن علی (ابن کثیر ج ۳ ص ۵۱۴) قال ابن ماجہ حدثنا ابوبکر بن ابی شیبۃ حدثنا حسین بن علی (ص ۷۷، ۱۱۹) قال ابن خزیمۃ حدثنا ابوکریب حدثنا حسین بن علی حدثنا عبدالرحمن (جلاء الافہام لابن القیم ص ۲۶)

عبدالرحمن بن یزید بن جابر نے مکحول، زہری، عطیہ بن قیس، عمیر بن ہانی، ابوالاشعث صنعانی اور عطاء خراسانی سے احادیث سنیں اور ان سے اُن کے بیٹے عبداللہ، حسین بن علی الجعفی اور دوسرے کئی لوگوں نے روایات لیں، آپ امیر المؤمنین فی الحدیث حضرت عبداللہ بن مبارک کے بھی شیخ حدیث تھے۔ (جلاء الافہام ص ۴۷)

امام یحییٰ بن معین، ابن سعد، امام نسائی اور دوسرے کئی محدثین نے عبدالرحمن بن یزید بن جابر کو ثقہ قرار دیا ہے۔ (تہذیب ج ۶ ص ۲۹۸)

ابن المدینی کہتے ہیں کہ یہ صحابہؓ کے بعد فقہائے شام کے دوسرے طبقہ میں سے تھے یعقوب بن سفیان کہتے ہیں کہ جابر کے بیٹے عبدالرحمن اور یزید دونوں ثقہ ہیں۔

ابوداؤد کہتے ہیں "ھو من ثقات الناس" اُن کے بیٹے ابوبکر نے کہا ہے "ثقۃ مامون" ابوحاتم کہتے ہیں "صدوق لا باس بہ ثقۃ" (ایضاً ج ۶ ص ۲۹۸)

وفات ۱۵۳ھ، عمر تقریباً ۸۴ سال۔ ابن جابر کے اساتذہ میں ابواللیث الصنعانی کا اسم گرامی ذکر ہو چکا۔ یہی استاد اس حدیث حفظ اجسادِ انبیاء کو روایت کر رہے ہیں۔ ابن تمیم کے اساتذہ میں کہیں ابوالاشعث کا نام نہیں ملتا۔ (دیکھئے تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۲۱۵)

پیش نظر رہے کہ وہ شخص جسے عبدالرحمن بن یزید کے دادا کے نام پر اشتباہ ہوا اور ابن تمیم کے بجائے ابن جابر کہہ گیا تھا، درحقیقت ابواسامہ ہے، حسین بن علی نہیں۔ اس پر علل رجال کے ماہر فن دارقطنیؒ نے نص فرمائی ہے۔

خلاصہ کلام یہی ہے کہ یہ عبدالرحمن بن یزید بن جابر ہے اور ثقہ صدوق راوی حدیث ہے۔ مقام افسوس ہے کہ وہ لوگ، جو طبقات رواۃ اور علل رواۃ پر نظر نہیں رکھتے، از خود جرح و تعدیل میں امام بن بیٹھے ہیں۔

ابولاشعث الصنعانی شراحبیل بن آدہ

"ثقۃ من الثانیۃ شھد فتح دمشق" (تقریب التہذیب ص ۲۲۱)

ثقہ راوی ہیں۔ (کشف الاستار عن رجال معانی الآثار ص ۱۱۹)

امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے ان سے احتجاج کیا ہے، عجلی انہیں ثقہ کہتے ہیں، ابن حبان نے بھی آپ کو ثقات میں لکھا ہے۔ (دیکھئے تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۳۱۹)

المبحث الثانی

صرف راویوں کی ہی توثیق اور ان کا باہمی اتصال نہیں، ائمہ فن جس حدیث کو صحیح قرار دے دیں، ہم راویوں کی بحث میں گئے بغیر بھی ان پر اعتماد کر سکتے ہیں۔ ہر فن میں اس فن کے ائمہ کی پیروی کی جاتی ہے۔ یہاں بھی آپ دیکھیں کن کن ائمہ کبار اور محدثین کرام نے اس حدیث کی تصحیح کی ہے اور اسے قبول کیا ہے۔ ہم صرف ۳۲ ناموں پر اکتفاء کرتے ہیں۔ ورنہ اسے قبول کرنے والے ائمہ علم کی تعداد سو سے متجاوز ہے۔

(۱) امام احمد (۲۴۱ھ)　　(۲) امام ابوداؤد (۲۷۵ھ)

(۳) امام نسائی (۳۰۳ھ)	(۴) امام ابن خزیمہ (۳۱۱ھ)
(۵) ابن حبان (۳۵۴ھ)	(۶) دارقطنی (۳۸۵ھ)
(۷) امام بیہقی (۴۵۸ھ)	(۸) حاکم (۴۰۵ھ)
(۹) ابونعیم الاصفہانی (۴۳۰ھ)	(۱۰) بغوی (۵۱۶ھ)
(۱۱) نووی (۶۷۶ھ)	(۱۲) ابن وحیہ (ھ)
(۱۳) علامہ منذری (۶۵۶ھ)	(۱۴) حافظ عبدالغنی النابلسی (۶۲۲ھ)
(۱۵) حافظ ابن کثیر (۷۷۴ھ)	(۱۶) حافظ ابن تیمیہ (۷۲۸ھ)
(۱۷) حافظ ابن القیم (۷۵۱ھ)	(۱۸) خطیب تبریزی (۷۴۳ھ)
(۱۹) حافظ ذہبی (۸۴۸ھ)	(۲۰) حافظ ابن حجر عسقلانی (۸۵۲ھ)
(۲۱) حافظ عینی (۸۵۵ھ)	(۲۲) حافظ سخاوی (۹۰۲ھ)
(۲۳) علامہ سبکی (۷۷۱ھ)	(۲۴) علامہ ابن عبدالہادی (۷۴۴ھ)
(۲۵) علامہ طیبی (۷۴۳ھ)	(۲۶) علامہ سمہودی (۹۱۱ھ)
(۲۷) امام ملا علی قاری (۱۰۱۴ھ)	(۲۸) شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۱۰۵۱ھ)
(۲۹) قاضی شوکانی (۱۲۵۰ھ)	(۳۰) شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱۱۷۶ھ)
(۳۱) شاہ اسمٰعیل شہید (۱۲۴۷ھ)	(۳۲) حجۃ الاسلام علامہ انور شاہ کشمیری (۱۳۵۱ھ)

وغیرہم من الاکابرؒ

ان سب حضرات کی عبارات پیش کرنے کی گنجائش نہیں۔ تاہم بعض عبارات پیش خدمت ہیں:

بعض عبارات

۱...... شیخ الاسلام حافظ ذہبیؒ: تلخیص المستدرک للعلامۃ الذہبی "علی شرط البخاری"

(تلخیص المستدرک ج ۱ ص ۲۷۸، ج ۴ ص ۵۶۰)

۲...... حضرت امام نوویؒ: "روینا فی سنن ابی داؤد والنسائی و ابن ماجہ بالاسانید الصحیحۃ عن اوس بن اوس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ۔ الحدیث" (کتاب الاذکار کتاب الصلوٰۃ علی رسول اللہ ص ۷۸)

علامہ منذری نے اسے حسن الاسناد قرار دیا ہے۔ (القول البدیع للسخاوی ص ۱۱۹)

اس حدیث کے کئی طریق ہیں جنہیں علامہ منذری نے جمع کیا ہے جن سے حدیث بہت قوی ہو جاتی ہے:

"وللحدیث طرق جمعها المنذری فی جزء فتعدد الطرق یشد بعضها بعضا" (تنقیح الرواۃ ج ۱ ص ۲۵۵)

علامہ نابلسی فرماتے ہیں: "حسن صحیح" (ترجمان السنۃ ج ص ۲۹۷)

۳...... خاتمۃ الحفاظ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ: الف: "ورد الامر باکثار الصلوۃ علیہ یوم الجمعۃ من حدیث اوس بن اوس رضی اللہ عنہ وهو عند احمد وابی داؤد صحیحۃ و صححہ ابن حبان"

(فتح الباری ج ۱۲، ص ۴۵۹ مصر پ ۲۶ کتاب الدعوات ص ۵۷ دہلی)

ب: ''وردالامر باکثار منہایوم الجمعۃ فی حدیث صحیح کماتقدم'' (فتح الباری پ۲۶ ص۸۷)

ج: ''عندابی داؤد والنسائی صحیحۃ وصححہ ابن خزیمۃ وغیرہ عن اوس بن اوس رفعہ''

(کتاب الانبیاء ص۷۹)

۴...... شیخ الاسلام علامہ عینیؒ: الف: ''صح عنہ ﷺ ان الارض لاتاکل اجساد الانبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام'' (عینی علی البخاری ج۶ ص۶۹)

ب: ''وھو الیوم (ای والحال انہ الیوم) کما وضع لان الارض لاتا کل اجساد الانبیاء علیہم السلام'' (بنایہ شرح ہدایہ ج۱ ص۱۰۹۶)

۵...... حافظ ابن کثیرؒ: ''قدصح ھذاالحدیث ابن خزیمۃ وابن حبان والدارقطنی والنووی فی الاذکار''

(تفسیر لابن کثیر ج۳ ص۵۱۴)

ان پانچوں حوالوں کا خلاصہ یہی ہے کہ حضرت اوس بن اوسؓ کی یہ روایت کہ انبیائے کرام کے جسموں کو اللہ تعالیٰ نے مٹی پر حرام کر دیا ہے اور یہ کہ ان پر صلوٰۃ وسلام پیش ہوتا رہتا ہے، بالکل صحیح الاسناد ہے اور یقیناً آنحضرت ﷺ ہی کا ارشاد ہے۔

۶...... حافظ ابن قیمؒ: ''ومن تأمل ھذا الاسناد لم یشک فی صحتہ لثقۃ رواتہ وشھرتھم وقبول الائمۃ حدیثھم'' (جلاء الافہام ص۴۴)

ترجمہ: اور جس نے بھی اس حدیث کی سند میں غور کیا، اسے اس حدیث کی صحت میں کوئی شک نہ رہا۔ کیونکہ اس کے سب راوی ثقہ اور مشہور ہیں اور ائمہ حدیث نے ان سب کی روایات قبول کی ہیں۔

''قدصح عن النبی ﷺ ان الارض لاتاکل اجساد الانبیاء الی غیر ذلک مما یحصل من جملتہ القطع بان موت الانبیاء انما ھو راجع الی ان غیبوا عنا بحیث لاندرکھم وان کانوا موجودین احیاء''

(کتاب الروح ص۴۳)

ترجمہ: آنحضرت ﷺ سے صحیح طور پر ثابت ہو چکا ہے کہ زمین انبیائے کرام کے جسموں کو نہیں کھاتی۔ ایسے دلائل سے یہ بات قطعی طور پر ثابت ہو جاتی ہے کہ انبیائے کرام کی موت کا معنی یہ ہے کہ وہ ہم سے اس طرح غائب کر لئے گئے ہیں کہ ہم ان کا ادراک نہیں کرتے، ورنہ وہ تو موجود اور زندہ ہیں۔

۷...... علامہ ابن عبدالہادیؒ (۷۴۴ھ): ''حدیث صحیح لان رواتہ کلھم مشھورون بالصدق والامانۃ والثقۃ والعدالۃ ولذلک صححہ جماعۃ من الحفاظ کابی حاتم بن حبان والحافظ عبد الغنی النابلسی وابن دحیہ وغیرہ ولم یات من تکلم فیہ وعللہ بحجۃ بینۃ'' (الصارم المنکی ص۱۷۴)

ترجمہ: یہ حدیث صحیح ہے کیونکہ اس کے سب راوی صدق وامانت اور عدالت میں مشہور ہیں۔ حفاظ حدیث کی ایک جماعت نے اسے صحیح قرار دیا ہے اور کسی شخص نے اس حدیث پر کوئی مدلل اعتراض نہیں کیا۔

۸...... امام الحدیث والفقہ ملا علی قاری ﷫: ''قال میرک ورواہ ابن حبان فی صحیحہ والحاکم فی صحیحہ وزاد ابن حجر بقولہ وقال صحیح علی شرط البخاری ورواہ ابن خزیمۃ فی صحیحہ قال النووی

اسنادہ صحیح وقال المنذری لہ علۃ دقیقۃ[1] اشار الیھا البخاری نقلہ میرک قال ابن وحیۃ انہ صحیح بنقل العدل عن العدل ومن قال انہ منکر او غریب بعلۃ خفیۃ فقد استروح لان الدار قطنی ردھا‘‘

(مرقات ج ۲ ص ۲۱۰ مصر)

یعنی جس شخص نے اس حدیث کو ’’منکر‘‘ یا ’’غریب ومعلل‘‘ کہا ہے، اس نے نہایت لچر بات کہی، کیونکہ امام دارقطنی جیسے ماہر فن نے اس علت کو مردود قرار دیا ہے۔

۹ ...... شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ: ’’در حدیث صحیح آمدہ است کہ بسیار گوئید در روز جمعہ درود بر من زیرا کہ صلوٰۃ شما معروض مے گردد بر من۔ ازیں جا معلوم مے شود کہ حیات انبیاء حیات جسمی دنیاوی است نہ مجرد بقائے ارواح۔‘‘

(مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۹۲۰)

ترجمہ: صحیح حدیث میں آیا ہے کہ جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء کی حیات اس دنیا والے جسم سے ہے نہ کہ فقط ارواح کے زندہ رہنے سے۔

۱۰ ...... حافظ عبدالغنی النابلسیؒ: ’’قال الحافظ عبدالغنی النابلسی انہ حسن صحیح‘‘

(ترجمان السنۃ ج ۳ ص ۲۹۷)

۱۱ ...... خاتم المحدثین حضرت العلامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ: ’’ومما کفر بہ الفقہاء الحجاج‘‘ (وراجع لہ الکامل للمبرد ج ۱ ص ۱۹۰ بحاشیۃ الدکتور زکی مبارک ج ۱ ص ۱۵۳، ص ۱۵۴ بحاشیۃ ابراہیم) ’’لان فی ھذا الکلام تکذیبا لرسول اللہ ﷺ نعوذ باللہ من اعتقاد ذلک فانہ صح عنہ ﷺ انہ قال ان اللہ عزوجل حرم علی الارض ان تأکل اجساد الانبیاء رواہ ابو داؤد‘‘ (خزائن الاسرار ص ۱۹)

ترجمہ: فقہائے کرام نے جن وجوہ کی بناء پر حجاج کی تکفیر کی تھی۔ ایک ان میں سے اس ارشاد پیغمبر کی تکذیب بھی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ انبیاء کرام کے جسموں کو کھائے۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ سے صحیح طور پر ثابت ہو چکی ہے اور اسے ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔

ایک سوال اور اس کا جواب

ابن عربی (۵۴۳ھ) کہتے ہیں یہ حدیث ثابت نہیں۔ ان کے ذہن میں غالباً یہ بات ہو گی کہ اس حدیث کا مرکزی راوی عبدالرحمن بن یزید بن تمیم ہے جو منکر الحدیث ہے۔ امام بخاری اسے عبدالرحمن بن یزید بن جابر نہیں مانتے؟

جواب: آپ یہ بھی تو دیکھیں کہ اس روایت میں عبدالرحمن بن یزید کس سے روایت کر رہا ہے؟ ابوالاشعث الصنعانی سے اب آپ دیکھیں کہ ابوالاشعث عبدالرحمن بن یزید بن جابر کے اساتذہ میں مذکور ہے یا عبدالرحمن بن یزید بن تمیم کے اساتذہ میں۔ ہم پہلے کہہ آئے ہیں کہ ابن تمیم کے اساتذہ میں کہیں ابوالاشعث کا نام نہیں ملتا۔

[1] یہ علت غالباً عبدالرحمن بن یزید کے ابن تمیم یا ابن جابر ہونے کی وجہ سے ہے حق یہ ہے کہ یہ عبدالرحمن بن یزید بن جابر ہے، ابن تمیم نہیں جو محل جرح تھا پس سند بالکل بے غبار رہی۔ واجاب الحافظ عما ذکر فیہ من العلۃ وراجع لہ جلاء الافہام ص ۳۵، ص ۳۶۔

دار قطنی نے امام بخاری پر کئی تعقبات کئے ہیں اور ان کی بعض آراء کی سختی سے تردید کی ہے۔ امام بخاری کا جو معیار صحیح بخاری میں ہے وہ ان کی دوسری کتابوں میں نہیں۔ یہ بات کہ یہ راوی ابن تمیم ہے ابن جابر نہیں، صحیح بخاری میں نہیں۔ ابن عربی نے غالباً اسے ان کی تاریخ کبیر سے لیا ہوگا۔

حسین بن علی جیسے ناقد سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی، کہ ان پر ان کا استاد ہی مشتبہ رہے کہ وہ ابن جابر ہے یا بن تمیم امام دار قطنی نے امام بخاری کی اس رائے کی تردید کی ہے۔

شارح صحیح بخاری حافظ ابن حجر نے فتح الباری کتاب الانبیاء میں امام بخاری کی غلط فہمی کا پورا تعاقب کیا ہے۔ خطیب بغدادی (۴۶۳ھ) بھی اس بحث میں دار قطنی کے ساتھ ہیں حافظ سخاوی (۹۰۲ھ) لکھتے ہیں: "لکن قدر دهذه العلة الدار قطني و قال ان سماع حسين عن ابن جابر ثابت و الى هذا جنح الخطيب"

ترجمہ: لیکن اس علت کو دار قطنی نے تسلیم نہیں کیا وہ کہتے ہیں حسین کا سماع ابن جابر سے ثابت ہے اور خطیب بغدادی بھی اسی طرف مائل معلوم ہوتے ہیں۔ (القول البدیع ص ۱۱۹)

المبحث الثالث

ان بزرگوں کی عبارات، جنہوں نے اس حدیث کا مطلب روضہ منورہ کی حیات یقین کیا ہے۔

نہ من تنہا دریں بے خانہ مستم　جنید و شبلی و عطار ہم مست

(۱) شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ　(۲) حافظ ابن القیمؒ
(۳) علامہ طیبیؒ　(۴) علامہ سید جمال الدین
(۵) علامہ سندھیؒ　(۶) امام ملا علی قاریؒ
(۷) شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ　(۸) قاضی شوکانیؒ
(۹) شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسنؒ دیوبندی (۱۰) حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوریؒ وغیرہم من الاکابرؒ۔

پیش نظر رہے کہ ان حوالجات سے ان ائمہ و اکابر کے اپنے مذہب بیان کرنا مقصود نہیں بلکہ ارشاد نبوت کا صحیح مفہوم متعین کرنے کے لئے یہ اہل فن کی وہ بے لاگ شہادتیں ہیں جن کے مقابلے میں کسی دوسرے احتمال کی گنجائش نہیں۔

۱...... آنحضرت ﷺ کے ارشاد پر کہ "تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے" صحابہ کرامؓ کا یہ سوال کہ "بعد الوفات یہ کیسے پیش ہوگا" اور اس پر آپ کا یہ جواب کہ وفات کے بعد پیغمبروں کے جسموں کے ساتھ عام دوسرے انسانوں جیسا معاملہ نہیں ہوتا۔ یعنی وہ اس طرح محفوظ رہتے ہیں کہ ان پر صلوٰۃ وسلام پیش ہوتا رہتا ہے۔ ان تمام امور کا تذکرہ کرتے اور سوال و جواب کے باہمی ربط کو حل کرتے ہوئے علامہ طیبیؒ اس حدیث کا نتیجہ یوں بیان کرتے ہیں: "ويؤيده ما يسر دفي الحديث الثالث قوله فنبي الله حي يرزق" (طیبی شرح مشکوٰۃ ص ۸۶)

ترجمہ: حدیث حفظ اجساد انبیاء کے اس مطلب کی تائید میں دوسری حدیث میں صریح الفاظ بھی مل جاتے ہیں کہ اللہ کا پیغمبر زندہ ہوتا ہے اور اسے رزق بھی ملتا ہے۔

۲...... عمدۃ المحققین حضرت علامہ سندھیؒ حاشیہ نسائی میں اس حدیث حفظ اجساد انبیاء پر رقمطراز ہیں:
"والجواب بقولہ ﷺ ان اللہ حرم علی الارض اجساد الانبیاء کنایۃ عن کون الانبیاء احیاء فی قبورھم"
(حاشیہ نسائی ج ا ص ۱۵۵ دہلی)

ترجمہ: آنحضرت کا یہ ارشاد فرمانا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ پیغمبروں کے جسموں کو کھائے، یہ اس کا کنایہ ہے کہ انبیائے کرام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں۔

۳...... شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ: "قال اکثروا علیّ من الصلوٰۃ یوم الجمعۃ فان صلوٰتکم معروضۃ علیّ فقالوا کیف تعرض صلوٰتنا علیک وقد ارمت (ای بلیت) قال ان اللہ حرم علی الارض ان تأکل اجساد الانبیاء فاخبر انہ یسمع الصلوٰۃ من القریب ویبلغ ذلک من البعید"

ترجمہ: حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے دُرود پڑھا کرو، کیونکہ تمہارا دُرود مجھ پر پیش ہوگا۔ آپ نے فرمایا کہ پیغمبروں کے جسموں کو مٹی بنانا زمین پر حرام ہے اور اس حدیث میں حضور ﷺ نے یہی بات جتلائی ہے کہ آپ قبر کے قریب پڑھے جانے والے دُرود کو خود سُنتے ہیں اور دُور کا پڑھا ہوا دُرود (بتوسط ملائکہ) پہنچایا جاتا ہے۔ (رسائل ابن تیمیہ الکلام فی مناسک الحج ص ۱۶، ص ۳۹۱)

تنبیہ: یہاں "فاخبر انہ یسمع الصلوٰۃ من القریب" میں دو احتمال ہیں:

اولاً: یہ کہ یہ پہلی حدیث حفظِ اجسادِ انبیاء کا مفہوم اور نتیجہ ہے، یعنی جسدِ اطہر اس طرح محفوظ ہے کہ اس پر صلوٰۃ وسلام پیش ہوتا رہتا ہے اور آپ ﷺ قبر مبارک میں اس طرح زندہ ہیں کہ قریب کے دُرود کو خود سُنتے ہیں۔ مطلب یہ کہ وہاں آپ کو حیاتِ جسدی حاصل ہے۔

ثانیاً: ہوسکتا ہے کہ شیخ الاسلام کی مراد ان الفاظ سے وہ دوسری حدیث ہو جو حضرت ابوہریرہؓ سے بالفاظ اختلاف اصبہانی، ابن حبان اور بیہقیؒ نے روایت کی ہے۔ اس میں من صلی علیّ عند قبری... الحدیث کے الفاظ میں قریب و بعید دُرود پڑھنے کے احکام صراحت سے منقول ہیں۔ اس صُورت میں امام ابن تیمیہؒ کا دونوں حدیثوں کو فَاَخْبَرَ سے جوڑنا اس بات کا اشارہ ہے کہ حفظِ اجسادِ انبیاء والی روایت اور روضۂ اطہر کے قریب سے دُرود شریف خود سُننے کی روایت مآل کار ایک ہیں اور مضمون دونوں کا روضۂ منورہ کی حیات جسمانی ہے۔

۴...... شیخ الاسلام حافظ ابن قیمؒ: "ومعلوم بالضرورۃ ان جسدہ ﷺ فی الارض طری مطرا وقد سألہ الصحابۃ کیف تعرض صلوٰتنا علیک وقد ارمت فقال ان اللہ حرم علی الارض ان تأکل اجساد الانبیاء ولو لم یکن جسدہ فی ضریحہ لما اجاب بھذا الجواب وقد صح عنہ ان اللہ تعالیٰ وکل بقبرہ الملٰئکۃ یبلغون عن امتہ السلام وصح عنہ انہ خرج بین ابی بکر وعمر وقال ھکذا نبعث ھذا مع القطع بان روحہ الکریمۃ فی الرفیق الاعلیٰ فی اعلیٰ علیین مع ارواح الانبیاء... فالروح ھنالک ولھا اتصال بالبدن فی القبر واشراف علیہ وتعلق بحیث یصلی فی قبرہ ویرد سلام من سلم علیہ وھی فی الرفیق الاعلیٰ"

(کتاب الروح ص ۵۴ حیدرآباد)

ترجمہ: یہ یقینی طور پر معلوم ہے کہ آنحضرت ﷺ کا جسدِ اطہر بالکل تروتازہ روضہ منورہ میں تشریف فرما ہے۔ آپ ﷺ سے صحابہؓ نے پوچھا تھا کہ وفات کے بعد آپ ﷺ پر صلوٰۃ وسلام کیسے پیش ہوتا رہے گا، اس پر آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے حرام کر دیا ہے کہ پیغمبروں کے جسموں کو کھائے۔ اگر آپ ﷺ کا جسد اطہر قبر شریف میں نہ ہوتا تو ہرگز یہ جواب ارشاد نہ فرماتے۔[1] اسی طرح آنحضرت ﷺ سے یہ بھی صحیح طور پر ثابت ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے روضہ منورہ کے ساتھ فرشتے مقرر کر رکھے ہیں[2] جو آپ کو آپ کی امت کا سلام پہنچاتے رہتے ہیں اور یہ بھی آپ سے صحیح طور پر ثابت ہے کہ آپ حضرت ابوبکر اور حضرت عمرؓ کے مابین تشریف لائے اور فرمایا کہ ہم اسی طرح اٹھائے جائیں گے۔ ان سارے حقائق کے ساتھ یہ بات قطعی ہے کہ آپ کی روح مبارک اعلیٰ علیین میں رفیق اعلیٰ میں ہے۔ جہاں کہ دوسرے انبیاء کرام کی ارواح مقدسہ ہیں پس روح تو وہاں ہے اور وہیں سے اسے روضہ منورہ میں رکھے جسد اطہر کے ساتھ اتصال ہو رہا ہے روح و بدن کا ایسا قوی تعلق قائم ہو چکا ہے کہ آپ اپنی قبر شریف میں نمازیں بھی پڑھتے ہیں اور ہر سلام کرنے والے کے سلام کا جواب بھی دیتے ہیں۔

"وبهذا التعلق رای موسیٰ قائما یصلی فی قبره" (زاد المعاد ص ۴۹)

ترجمہ: روح و بدن کے اسی تعلق کی بناء پر آپ نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنی قبر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھتے دیکھا تھا۔

حافظ ابن قیمؒ کے کلام کا خلاصہ یہی ہے کہ انتقال بہ برزخ کے بعد روح کو اس قدر وسعت حاصل ہو جاتی ہے کہ رفیق اعلیٰ میں استقرار کے باوجود قبور شریفہ کے اجسام مطہرہ اس کے اتصال سے زندہ ہوتے ہیں اور اپنی اپنی قبروں میں نمازیں بھی پڑھتے ہیں۔ وہاں روح اور حیات میں تلازم نہیں۔ تقوم حیات کے لئے فقط اتنی تاثیر اور اتنا اتصال ہی کافی ہے۔ واللہ اعلم!

ترجمہ: اس میں علامہ قونوی کا مقصود وہ نہیں جو اس دور میں مماتی لئے پھرتے ہیں۔ یہاں انتقال جسد کا بیان ہے ظاہر ہے کہ اس میں حیاتِ جسدی کا انکار نہیں۔

---

[1] یہ غالباً اس نظریے کی تردید ہے جو علامہ قونوی کا ہے کہ انبیاء کرام کے اجساد مطہرہ دفن کے کچھ دنوں بعد اپنی قبروں میں باقی نہیں رہنے دیئے جاتے، وہاں سے انہیں اعلیٰ علیین یا حظیرۂ قدسیہ میں پہنچا دیا جاتا ہے۔ گویا انبیاء کرام کی حیات جسمانی انہی قبور میں نہیں ہوتی۔ بلکہ اعلیٰ علیین میں وہ اسی جسد عنصری سے زندہ ہوتے ہیں۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی اس اختلاف کا ماحصل یوں بیان کرتے ہیں "پس محصل اختلاف در دوام و استمرار است در قول بحیاتیکہ پیش از وفات بود۔" (جذب القلوب ص ۱۸۷) امام بیہقی نے ایک احتمال کے درجے میں اس طرف اشارہ کیا ہے وقد یحتمل ان یکون المراد به رفع اجسادهم مع ارواحهم (حیات انبیاء امام بیہقی ص ۴ مصر) حافظ ابن قیم اس نظریے کی احادیث کی روشنی میں تردید فرما رہے ہیں اور ثابت کر رہے ہیں کہ انبیاء کرام کو ان کی قبور ہی میں حیات جسدی حاصل ہوتی ہے، ہاں یہ روح کی وسعت اور کمال ہے کہ اس کا استقرار علیین میں بھی ہو اور اتصال جسد اطہر کے ساتھ بھی ہو۔ یہاں تک کہ وہ قبور شریفہ میں نمازیں بھی پڑھتے ہوں۔

[2] اس حدیث سے واضح ہوا کہ عرض صلوٰۃ وسلام روضے پر ہی ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ جسد عنصری وہیں ہے اگر اس پر فیضان حیات نہ ہو تو فرشتے مقرر کرنے کا کیا فائدہ؟

۵...... شیخ الاسلام حضرت علامہ عینیؒ: ''صح عنه ﷺ ان الارض لاتأكل اجساد الانبياء ... فتحصل من جملة هذا القطع بانهم غيبوا عنا بحيث لاندركهم و ان كانوا موجودين احياء و ذلك كالحال في الملئكة عليهم الصلوة و السلام فانهم موجودون احياء لايراهم احد من نوعنا الا من خصه الله تعالىٰ بكرامته و اذا تقرر انهم احياء......'' (عینی علی البخاری ج ۶، ص ۲۹)

ترجمہ: آنحضرت ﷺ نے جو یہ ارشاد فرمایا کہ زمین انبیائے کرام کے جسموں کو نہیں کھاتی۔ ایسے ارشادات سے یہ نتیجہ قطعی طور پر حاصل ہوتا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام زندہ ہیں، صرف وہ ہم سے غائب کر لئے گئے ہیں کہ ہم ان کا ادراک نہیں کر سکتے جیسا کہ فرشتوں کا معاملہ ہے کہ وہ زندہ بھی ہیں اور موجود بھی، لیکن ہم ان کو پا نہیں سکتے۔ ہاں جن پر اللہ تعالیٰ کرامت فرمادے، وہ انہیں دیکھ بھی سکتے ہیں یہ بات طے شدہ ہے کہ انبیائے کرام زندہ ہیں۔

یہ مٹی انبیاء علیہم السلام کے جسموں کو نہیں کھاتی۔ اس سے صرف یہی نہ سمجھیں کہ ان کے ابدان محفوظ ہیں۔ سوال صرف حفاظت کا نہیں، اس احساس کا تھا کہ درود و سلام کس وجود اقدس پر پیش ہوا کرے گا۔ سو بدن اطہر صرف اس طرح محفوظ نہیں کہ صرف مٹی نہ ہو۔ اس میں تازگی اور نرمی آج بھی اسی طرح ہے جو وفات کے وقت تھی۔ وقت گزرنے سے بدن طیب میں کسی قسم کا اکڑاؤ پیدا نہیں ہوا صاحب ہدایہ لکھتے ہیں کہ وہ آج بھی اسی طرح ہے جیسے قبر مبارک میں رکھا گیا تھا۔

اس پر علامہ عینیؒ لکھتے ہیں: ''وهو اليوم (اى والحال انه اليوم) كما وضع لان الارض لا تاكل اجساد الانبياء عليهم السلام'' (بنایہ شرح ہدایہ ج ۱ ص ۱۰۹۶)

ترجمہ: اور آنحضرت ﷺ آج بھی اسی طرح ہیں جیسے اس وقت تھے جب آپ کو قبر مبارک میں اتارا گیا تھا کیونکہ یہ مٹی پیغمبروں کے اجساد کو ریزہ ریزہ نہیں کرتی۔

۶...... حضرت امام ملا علی قاری رحمہ اللہ: ''قال اى رسول الله ﷺ ان الله حرم على الارض اى منعها و فيه مبالغة لطيفة اجساد الانبياء اى من ان تأكلها فان الانبياء في قبورهم احياء ... فمحصل الجواب ان الانبياء احياء في قبورهم فيمكن لهم سماع صلوٰة من صلى عليهم تأمل'' (مرقات ج ۳ ص ۲۳۸)

ترجمہ: آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ پیغمبروں کے جسموں کو کھائے، یہ اسی لئے تھا کہ انبیائے کرام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں (صحابہؓ کے اس سوال کے کہ بعد الوفات یہ صلوٰۃ و سلام کیسے پیش ہوگا) جواب میں یہ ارشاد فرمانا، اس کا ماحصل ہی یہ ہے کہ انبیاء اپنی قبور شریفہ میں اس طرح زندہ ہوتے ہیں کہ جو ان پر صلوٰۃ و سلام پڑھے، اسے وہ خود سن سکتے ہیں۔

آگے جا کر لکھتے ہیں: ''ان الصحابة رضى الله عنهم سألوا بيان كيفية العرض بعد اعتقاد جواز ان العرض كائن لا محالة للقول الصادق فان صلوتكم معروضة على لكن حصل لهم الاشتباه ان العرض هل هو على الروح المجرد او على المتصل بالجسد و حسبوا ان جسد النبى كجسد كل احد فكفى الجواب ما قاله على وجه الصواب!'' (مرقات ج ۲ ص ۲۰۹)

ترجمہ: صحابہؓ نے آنحضرت ﷺ سے (بعد وفات) آپ پر درود وسلام پیش ہونے کی کیفیت پوچھی۔ یہ ان کا اعتقاد پہلے سے تھا کہ درود وسلام نے تو ہر حال میں پیش ہونا ہے۔آپ فرما چکے تھے تمہارا درود مجھ پر پیش ہوتا ہے انہیں اشتباہ اس میں تھا کہ یہ پیش ہونا درود کا صرف روح مجرد پر ہے، یا اس روح پر بھی جو متصل بالجسد ہو اور وہ (صحابہ کرامؓ یہ سمجھے تھے کہ پیغمبر کا جسد ہر ایک کے جسد کی طرح ہے سو آپ نے جو جواب دیا وہ درستگی (عقیدہ کی اصلاح) میں کافی ہے۔

''لاشک ان حفظ اجسادھم من ان ترم خرق للعادة المستمرة فکما ان اللہ تعالیٰ یحفظھا منه فکذلک یمکن من العرض علیھم ومن الاستماع منھم صلوٰت الامة'' (مرقات ج ۳ ص ۲۳۸)

ترجمہ: اس میں کوئی شک نہیں کہ انبیاء کے اجساد کا بکھرنے سے محفوظ رہنا عام عادت زمانہ کے خلاف ہے پس جیسے اللہ تعالیٰ ان اجساد کی ریزہ ریزہ ہونے سے حفاظت فرما رہا ہے اس طرح یہ بھی ناممکن نہیں کہ ان (اجساد کریمہ) پر درود پیش بھی ہو اور وہ امت کا درود بھی امت سے سن پائیں۔

علامہ عینیؒ کی طرح ملا علی قاریؒ بھی حضور ﷺ کے اس جواب سے یہ قطعی عقیدہ اختیار کرتے ہیں کہ حیات انبیاء میں اب کسی قسم کا کوئی شک نہیں ہو سکتا۔حافظ ابن حجرؒ بھی یہی کہتے ہیں: ''قال ابن حجر وما افادہ من ثبوت حیاة الانبیاء حیاة بھا یتعبدون ویصلون فی قبورھم مع استغنائھم عن الطعام والشراب کالملٰئکة امر لا مریة فیه'' (ایضاً)

ترجمہ: حافظ ابن حجر کہتے ہیں انبیاء کی (بعد وفات) ایسی حیات جس سے وہ تعبدی امور بجا لاتے ہوں اور اپنی قبور شریفہ میں نمازیں بھی پڑھیں اور فرشتوں کی طرح اس جہان کے سے کھانے پینے سے مستغنی رہیں۔(حاجت مند نہ ہوں) یہ ایسا امر ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں کیا جا سکتا۔

امر لا مریة فیه (یہ ایسی بات ہے جس میں کسی قسم کا کوئی شک نہیں کیا جا سکتا) کے الفاظ پر غور کریں اور دیکھیں کہ دسویں صدی کے اس مجدد کی نظر میں اس مسئلے کی اساس کتنی مضبوط ہے۔

۷...... حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ

اس حدیث حفظ اجساد انبیاء کا مفہوم یوں بیان فرماتے ہیں: (۱) ازیں جا معلوم مے شود کہ حیات انبیاء حیات جسمی و دنیاوی است نہ مجرد بقائے ارواح۔ (مدارج النبوت ج ۲ ص ۹۲۰ طبع قدیم)

(۲) کنایہ است از حیات ...... وحیات انبیاء متفق علیہ است ہیچ کس را در وے خلافے نیست حیات جسمانی دنیاوی حقیقی ...... و دریں حدیث کہ فرمودہ، ان اللہ حرم علی الارض اجساد الانبیاء اشارت است باں۔

(اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۶۱۳)

(۳) ''کنایة عن حیاتھم کما یأتی من حدیث ابی الدرداء ؓ والمذھب ان الانبیاء احیاء حیوة حقیقیة'' (لمعات التنقیح ص ۳۳۱)

(۴) ''بدانکہ در حیات انبیاء علیہم السلام، وثبوت ایں صفت مر ایشاں را وترتب آثار واحکام آں ہیچ کس را از علماء خلافے نیست'' (جذب القلوب ص ۱۸۶ لکھنؤ)

(۵) "انبیاء علیہم کو موت نہیں، وہ زندہ اور باقی ہیں، ان کے واسطے وہی ایک موت ہے، ایک دفعہ آ چکی اس کے بعد ان کی روحیں بدن میں لوٹا دی جاتی ہیں اور جو حیات ان کو دنیا میں تھی، وہی عطا فرماتے ہیں۔"
(تکمیل الایمان مترجم ص ۵۸)

۸...... مقتدائے فرقہ اہل حدیث فاضل جلیل قاضی شوکانیؒ لکھتے ہیں: "والاحادیث فیها مشروعیة الاکثار من الصلوٰة علی النبی ﷺ یوم الجمعة وانها تعرض علیه وانه حی فی قبره... قال ان الله حرم علی الارض ان تأکل اجساد الانبیاء وقد ذهب جماعة من المحققین الی ان رسول الله ﷺ حی بعد وفاته"
(نیل الاوطار ج ۳ ص ۲۱۰، ص ۲۱۱)

ترجمہ: احادیث سے ان امور کی شرعی حیثیت ثابت ہے۔ ۱، جمعہ کے دن آپ پر درود کثرت سے پڑھا جائے۔ ۲، درود شریف آپ ﷺ پر پیش ہوتا ہے۔ ۳، آپ اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں۔ چنانچہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ رب العزت نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ انبیائے کرام کے جسموں کو مٹی بنائے اور محققین کی ایک پوری جماعت اس تحقیق پر پہنچی ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنی وفات شریفہ کے بعد پھر زندہ ہیں۔

۹...... پیشوائے اہل حدیث محقق عظیم آبادیؒ بھی فرماتے ہیں: "اجساد الانبیاء (ای من ان تأکلها) فان الانبیاء فی قبورهم احیاء۔ (عون المعبود ج ۱ ص ۴۰۵) فان الانبیاء فی قبورهم احیاء" (بذل المجہود ج ۲ ص ۱۹۰)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ انبیاء کے جسموں کو کھائے۔ اس ارشاد نبوت کی بناء یہ ہے کہ انبیائے کرام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور اسی طرح بذل میں ہے۔

کیا یہاں بھی کسی مخالف کا منہ بند کرنے کے لئے انبیاء کی حیات قبریہ کا بیان ہو رہا ہے یا محدث سہارنپوری ارشاد نبوت کا منشا واضح کرنے کے لئے حدیث کی شرح فرما رہے ہیں اور ان سے پہلے بھی اس حدیث کی شرح میں یہی کچھ کہا جاتا رہا ہے۔ فتفکروا یا اولی الابصار!

حنفیہ، شافعیہ، حنابلہ اور فرقہ اہل حدیث نے اس ارشاد نبوت کا مطلب کیا سمجھا اور کس وضاحت سے اس کا مدلول روضہ اطہر کی حیات عنصری قرار دیا۔ یہ سب آپ کے سامنے ہے اب آیئے حنفیہ کرام کے طبقہ دیوبند سے بھی استفادہ کیجئے۔

۱۰...... صدر المحققین رئیس المحدثین شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسنؒ حاشیہ ابی داؤد میں صحیح فرماتے ہیں: "ان الصحابة سألوا بیان کیفیة العرض بعد اعتقادهم بانه کائن لا محالة لقول الصادق دفعا لاشتباه ان العرض هل هو علی الروح المجرد او علی المتصل بالجسد حسبوا ان جسد النبی ﷺ کجسد کل احد فکفی فی الجواب ما قاله علی وجه الصواب" (حاشیہ ابی داؤد ص ۱۵۷)

ترجمہ: صحابہ کرامؓ کا یہ اعتقاد تو یقینی تھا کہ درود آپ پر پیش کیا جاتا رہے گا کیونکہ آپ ﷺ یہ ارشاد فرما چکے تھے پس ان کا سوال صرف پیش ہونے کی کیفیت سے متعلق تھا کہ وفات شریفہ کے بعد یہ درود صرف روح مجرد پر یا روح متصل بہ جسد پر اس کا عروض ہوگا۔ حضور اکرم ﷺ کا جواب کہ انبیائے کرام کے اجساد مطہرہ مٹی نہیں ہوتے، اس سوال کیفیت کا کافی جواب تھا۔

خلاصہ یہ کہ جسد اطہر اس طرح محفوظ ہے کہ اس پر صلوٰۃ وسلام برابر پیش ہوتا رہتا ہے اور روح مبارک کا

اس جسد سے اتصال ہے یہ کہنا کہ قبر مبارک میں جسد اطہر بالکل بے جان اور بے شعور پڑا ہے یہ عقیدہ اہل بدعت کے سوا اور کسی کا نہیں ہوسکتا وہ معتزلہ ہوں یا کرامیہ۔ اہل السنۃ والجماعۃ میں سے کوئی حیات انبیاء کا منکر نہیں رہا۔

حضرت شیخ الہندؒ نے یہاں اپنی بات نہیں کہی صحابہ کرامؓ کا عقیدہ پیش کیا ہے وہ حضرات قدسی صفات عرض صلوٰۃ وسلام میں کیا عقیدہ رکھتے تھے یہ آپ دیکھ چکے ہیں۔ ان کا یہ اعتقاد محض ایک ظنی درجے کا تھا یا وہ اس عقیدے کو یقینی درجے میں اپنائے ہوئے تھے اس کے لئے آپ ان الفاظ کو بار بار پڑھیں۔

جو لوگ قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کے اس بیان کو کہ انبیاء کے سماع عند القبر میں کسی کو اختلاف نہیں۔ طنز واستہزاء سے پڑھتے ہوں ان کے لئے حضرت شیخ الہندؒ کی شرح حدیث کو ٹھکرانا بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ واصحاب الشمال مااصحاب الشمال!

”والی اللہ المشتکی وھو المستعان وعلیہ التکلان“

المبحث الرابع: حدیث أبی الدرداء وأحوال رواته

”حدثنا عمرو بن سعد المصری[1] ثنا عبداللہ بن وھب[2] عن عمرو بن الحارث[3] عن سعید بن ابی ھلال[4] عن زید بن ایمن[5] عن عبادۃ بن نسئی عن ابی الدرداء ﷜ قال قال رسول اللہ ﷺ اکثروا الصلوٰۃ علیّ یوم الجمعۃ فانہ مشھود تشھدہ الملٰئکۃ وان احدا لن یصلی علیّ الا عرضت علیّ صلوٰتہ حتی یفرغ منھا قال قلت وبعد الموت قال وبعد الموت ان اللہ حرم علی الارض ان تأکل اجساد الانبیاء فنبیّ اللہ حیّ یرزق“

ترجمہ: عبادہ بن نسئی حضرت ابو الدرداءؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو۔ کیونکہ اس دن فرشتے حاضر ہوتے ہیں اور کوئی مجھ پر درود نہیں پڑھتا۔ مگر یہ کہ اس کے فارغ ہوتے ہی وہ مجھ پر پیش کر دیا جاتا ہے۔ ابو الدرداءؓ کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا کہ کیا وفات کے بعد بھی آپ ﷺ پر درود پیش ہوتا رہے گا؟ آپ نے فرمایا کہ وفات کے بعد بھی اسی طرح پیش ہوتا رہے گا۔ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ انبیاء کے جسموں کو کھائے پس اللہ کا پیغمبر زندہ ہوتا ہے اور اسے رزق بھی دیا جاتا ہے۔

---

[1] عمرو بن سعد المصری ابو محمد المصری ثقۃ من الحادیۃ عشرۃ۔ ثقہ راوی حدیث ہیں۔ (تقریب ص ۳۹۲)

[2] عبداللہ بن وھب بن مسلم مولاھم ابو محمد المصری الفقیہ ثقۃ حافظ عابد من التاسعۃ (تقریب ص ۲۹۵)

[3] عمرو بن حارث ثقۃ فقیہ حافظ من السابعۃ (تقریب ص ۳۹۸)

[4] سعید بن ابی ہلال اللیثی مولاھم ابو العلاء المصری قیل مدنی الاصل قال ابن یونس بل نشاء بھا صدوق (تقریب ص ۱۹۵) صدوق راوی حدیث ہیں۔ ابن حزم سے پہلے کسی نے ان پر جرح نہیں کی اور ابن حزم کی جرح کا منشاء ان کا اپنا اعتقاد تھا وہ عذاب قبر کے قائل نہ تھے اور اجساد قبر کی کسی قسم کی حیات کا انہیں اقرار نہ تھا۔ ابوداؤد کی روایت جس میں قبر میں عود روح کا بیان ہے۔ اس کی سند میں ایک راوی منہال بن عمرو تھے، ان پر بھی ابن حزم نے جرح کر دی تھی، تنقیح الرواۃ ص ۳۱۴ میں ہے: ولما رای ابن حزم حدیث المنھال رادا علی معتقدہ فی انکار عذاب الاجساد فی قبورھا طعن فیہ وطعنہ مردود والحدیث صحیح (ج ۱ ص ۳۱۴)

[5] زید بن ایمن روی عن عبادۃ بن نسی وعنہ سعید بن ابی ھلال ذکرہ ابن حبان فی الثقات روی لہ ابن ماجہ حدیثا واحدا فی فضل الصلوٰۃ علی النبی ﷺ قلت رجالہ ثقات (تہذیب ج ۳ ص ۳۹۸) (ابن ماجہ ص ۱۱۹)

عبادہ بن نسیئ

مشہور تابعی ہیں۔ وفات ۱۱۸ھ میں ہوئی۔ حضرت اوس، عبادہ بن صامت، ابوالدرداء اور دوسرے کئی صحابہؓ سے احادیث سنیں۔ زید بن ایمن اور سعید بن ابی ہلال وغیرہما نے ان سے روایات لیں۔ امام احمد، یحییٰ بن معین، امام نسائی اور ابن سعدؒ انہیں ثقہ قرار دیتے ہیں۔ امام بخاریؒ نے بھی ان کی تعریف کی ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں: ''ثلثة نفر ينزل بهم الغيث وينصر بهم على الاعداء عبادة بن نسئي رجاء بن حياة وعدی بن عدی'' (تہذیب ج ۵ ص ۱۱۴)

ترجمہ: تین ایسی عظیم شخصیتیں ہیں کہ ان کے وسیلے سے بارشیں برستی ہیں اور ان کی برکتوں سے دشمنوں پر فتح حاصل ہوتی رہی ہے۔ ان میں سے پہلے عبادہ بن نسئی ہیں۔ (توسل بالذوات)

''تہذیب الکمال'' میں بھی حضرت ابوالدرداءؓ سے ان کی حفظ اجساد انبیاء والی روایت منقول ہے اس کے آخر میں بھی فنبی اللہ حی یرزق کے الفاظ موجود ہیں۔ (حاشیہ تہذیب لابی الحسن ج ۳ ص ۲۹۸)

عبادہ بن نسئی سے اگلے راوی حضرت ابوالدرداءؓ ہیں۔ ان کا ترجمہ نقل کرنے اور ان کی تعدیل بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس لئے کہ وہ ایک نہایت جلیل القدر صحابی رسول ﷺ ہیں۔ عبادہ بن نسئی سے نچلے سب راوی ثقہ ہیں اور ان کے تراجم پیش ہو چکے ہیں اور اس پوری سند پر ماہرین حدیث کی ایک پوری جماعت ''اسنادہ جید'' کا حکم لگا چکی ہے۔ کما تقدم قبیل البحث الاول قال الحافظ المنذری اسنادہ جید۔ (ترجمان السنۃ ج ۳، ص ۲۹۷)

عراقی شرح ترمذی میں لکھتے ہیں کہ زید بن ایمن اور عبادہ بن نسئی کے مابین انقطاع ہے۔ جواباً عرض ہے کہ اصل انقطاع اس حدیث کی طبرانی کی سند میں ہے جو سعید بن ابی ہلال عن ابی الدرداءؓ کے طور پر منقول ہے، وہاں رجال بھی محل کلام ہیں۔ چنانچہ حافظ ابن قیمؒ نے جلاء الافہام میں تصریح کی ہے۔

زید بن ایمن اور عبادہ کے مابین دعویٰ انقطاع ثابت نہیں۔ اس پر دلیل مطلوب ہے۔ محض نقل دعویٰ ہی کافی نہیں، پھر بتایا جائے کہ یہ کون سی قسم کا انقطاع ہے، معتبر ہے یا غیر معتبر پھر بصورت معتبر کن کن محدثین نے اس روایت کو رد کیا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں، زید بن ایمن کا عبادہ بن نسئی سے روایت کرنا ثابت ہے اسی طرح سعید بن ابی ہلال عبادہ سے روایت کرتے ہیں۔ (دیکھئے تہذیب ج ۳ ص ۳۹۸)

رہا یہ سوال کہ عبادہ بن نسئی کی روایت حضرت ابوالدرداءؓ سے ثابت ہے یا نہیں؟ سو اس کا جواب بھی اثبات میں ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے تصریح کی ہے کہ عبادہ کی روایت حضرت ابوالدرداءؓ سے ثابت ہے۔

محدثین نے اس حدیث کو قبول کیا ہے اور اس کی سند کو جید کہا ہے۔ سند جید تبھی ہوتی ہے کہ ضعف رواۃ اور انقطاع سے پاک ہو۔ سو اس عام قبولیت کے مقابل ان شاذ اقوال میں وہ قوت نہیں رہ جاتی کہ روایت کو رد کیا جاسکے۔

اگر یہ روایت مرسل ہے تو پیش نظر رہے کہ ہم اس سے بالاستقلال استدلال نہیں کر رہے بلکہ اسے حضرت اوس بن اوسؓ کی مذکورہ سابقہ روایت کی تفسیر میں پیش کیا جارہا ہے اور یہاں اس کا قبول کسی کے ہاں محل اعتراض نہیں۔ جن محدثین کو احتجاج بالمرسل میں کلام ہے۔ وہ بھی تفسیر المتصل بالمرسل میں مرسل کا اعتبار کرتے ہیں۔ ترمذی

کی متصل روایت (بالفاظ تدریب) ''خیر نسائہا فاطمۃ کی تفسیر مسند حارث بن ابی اسامہ کی روایت مریم خیر نسائہا عالمہا و فاطمۃ خیر نسائہا عالمہا'' کے ساتھ اسی اصول پر کی گئی ہے۔ حالانکہ ثانی الذکر صحیح سند کے باوجود مرسل ہے اور سند میں انقطاع ہے۔ مگر چونکہ تفسیر و توضیح میں پیش کی جارہی ہے اس لئے محدثین شافعیہ بھی جو احتجاج بالمرسل کے قائل نہیں، اسے قبول کر رہے ہیں۔ تعجب ہے کہ تفسیر المتصل بالمرسل کے باب میں بھی اس ابن ماجہ کی جید الاسناد حدیث کا اعتبار نہ کیا جائے۔

''و کل من تامل فیہ علم و تیقن ان العلم بالارسال من الدقیق الذی لا یستدرکہ الا الموفق او الطالب المتحقق''

المبحث الخامس: تدقیق الکلام فی عرض الصلوٰۃ والسلام

آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''ان صلوتکم معروضۃ علیَّ'' (تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے) یہ آپ نے کب فرمایا؟

یہ آپ کی حیات طیبہ کی بات ہے...... اس وقت آپ پر درود وسلام کس طرح پیش ہوتا تھا؟ جواب ظاہر ہے کہ جو قریب آ کر آپ پر سلام کہے، آپ خود سنتے تھے اور جو دور سے پڑھا جائے یا دوسرے بلاد وممالک میں ہو وہ آپ کو فرشتے پہنچاتے ہیں۔ یہ بات اتنی ظاہر ہے کہ اس کے کسی پہلو میں کوئی علمی تشنگی نہیں ہے۔

فرشتے آپ پر امت کا درود وسلام کیسے پہنچاتے ہوں گے۔ یہ اللہ تعالیٰ جانیں، وہ فرشتے جانیں یا حضور ﷺ جن پر وہ درود وسلام پیش ہوتا تھا اور آپ نے اس کی اپنی امت کو بایں الفاظ (ان صلوتکم معروضۃ علیَّ) اطلاع دی، تاہم یہ صحیح ہے کہ یہ ایک برزخی کیفیت تھی۔ جسے دوسرے لوگ نہ دیکھ پاتے تھے اور نہ سنتے تھے حضور ﷺ اپنی اس دنیوی حیات میں ان برزخی کیفیات سے بالکل مانوس تھے۔ معراج کی رات آپ اس دنیوی جسد سے ہی اس برزخی سیرگاہ میں لے جائے گئے تھے۔ یہاں حضور ﷺ کے دنیوی جسد اور برزخی نظاروں کا اجتماع تھا۔ قرآن پاک کی رو سے اسراء کے جلوؤں میں لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا (تاکہ ہم اپنے بندے کو نشان دکھائیں) کی شان ہی تو جلوہ گر تھی۔

آنحضرت ﷺ کے امتی ہر طرف ہزاروں کی تعداد میں پھیلے تھے اور پھر ہر ایک امتی آپ پر سینکڑوں بار درود بھیجتا تھا اور یہ سارا درود وسلام حضور ﷺ پر ہر ایک ایسے لطیف پیرایہ میں پیش ہوتا تھا کہ ہم اسی وادی کے ناآشنا اس باب میں کچھ نہیں کہہ سکتے۔

درود وسلام آپ پر کسی مرئی شکل میں پیش ہوتا تھا یا آپ صرف اس پر اطلاع پاتے تھے آپ نے اس کی تفصیل نہیں بتائی تاہم یہ صحیح ہے کہ آپ نے اپنی اس دنیوی حیات میں اعمال امت کے بہت سے برزخی جلوے دیکھے ہیں۔

ایک دفعہ اللہ رب العزت نے حضور ﷺ کے سینہ مبارکہ پر اپنی قدرت کا ہاتھ رکھا تو آنحضرت ﷺ مدینہ منورہ میں بیٹھے ملاء اعلیٰ (اوپر کے جہان) کی باتیں سننے لگے، فرشتے کفارات کی باتیں کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ سے پوچھا: ''فیما یختصم الملأ الاعلی'' کس بات میں اوپر والے جھگڑا کر رہے ہیں؟

(جامع ترمذی ج ۲، ص ۱۵۹)

پھر حضور ﷺ نے یہ بھی بتایا: ''عرضت علیّ اجور امتی... وعرضت علیّ ذنوب امتی فلم ار ذنبا اعظم من سورۃ من القران او اٰیۃ أوتیھا رجل ثم نسیھا'' (ایضاح ۲ ص ۱۱۵ عن انس بن مالک مرفوعا)

ترجمہ: مجھ پر میری امت کے انعامات اعمال پیش کئے گئے ...... اور مجھ پر میری امت کے گناہ بھی پیش کئے گئے۔ سب سے بڑا گناہ میں نے یہ دیکھا کہ کوئی شخص قرآن کریم کی کوئی سورۃ یا آیت یاد کر کے بھلا دے۔

اجور و ذنوب کن امور کی صدائے بازگشت ہے۔ یہ کس چیز پر مرتب ہوئے؟ اعمال پر...... سو اگر اجور و ذنوب حضور ﷺ پر پیش ہو سکتے ہیں تو امت کے اعمال آپ پر کیوں پیش نہیں ہو سکتے؟ اس کا ثبوت بھی حدیث میں مل جاتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں حضور ﷺ نے فرمایا: ''حیاتی خیر لکم ومماتی خیر لکم تعرض علیّ اعمالکم فما کان من حسن حمدت اللہ علیہ وما کان من سیئ استغفرت اللہ لکم''

(رواہ البزار باسناد جید فتح الملہم ج ۱ ص ۴۱۳)

ترجمہ: میری زندگی بھی تمہارے لئے خیر اور میری وفات بھی تمہارے لئے خیر اس ممات میں تمہارے اعمال مجھ پیش کئے جائیں گے جو اچھے ہوں گے اس پر میں اللہ کی حمد کہوں گا اور جو برے ہوں گے ان پر میں تمہارے لئے اللہ سے استغفار مانگوں گا۔

آپ اپنی امت کے نیک اعمال سے خوش ہوتے ہیں اور یہ اس کے بغیر نہیں ہو سکتا کہ آپ پر امت کے اعمال پیش کئے جاتے ہوں۔ قاضی شوکانی (۱۲۵۰ھ) کہتے ہیں: ''انہ یسر بطاعات امتہ وان الانبیاء لا یبلون''

(نیل الاوطار ج ۳ ص ۳۰۵)

ترجمہ: آپ اپنی امت کی نیکیوں سے خوش ہوتے ہیں اور یہ حقیقت ہے کہ انبیاء کے اجساد پرانے نہیں ہوتے۔

درود وسلام کا آپ پر پیش ہونا احادیث میں اس کثرت سے وارد ہے کہ اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا کیفیت اس کی اللہ کو ہی معلوم ہے۔ لیکن بعض روایات میں اس کے اوقات بھی دیئے گئے ہیں۔ حضرت امام شافعی روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ''اذا کان یوم الجمعۃ ولیلۃ الجمعۃ فاکثروا الصلوٰۃ علیّ''

(مسند امام شافعی ص منتقی الاخبار ج ۳ ص ۳۰۴)

ترجمہ: جب جمعہ کا دن ہو یا جمعہ کی رات تو مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو۔

یہ تو کثرت سے درود پڑھنے کی ترغیب ہے، اب پیش کئے جانے کا موقعہ بھی معلوم کر لیں سعید بن منصور اپنی سنن میں یہ روایت لائے ہیں۔

''اکثروا الصلوٰۃ علیّ فی کل یوم جمعۃ فان صلوٰۃ امتی تعرض علیّ فی کل یوم جمعۃ''

(منتقی الاخبار لابن تیمیہ ج ۳ ص ۳۰۴)

ترجمہ: مجھ پر جمعہ کے روز درود کثرت سے پڑھو۔ کیونکہ میری امت کا درود مجھ پر ہر جمعہ کے دن پیش ہوتا ہے۔

حضور ﷺ کی حیات طیبہ میں آپ پر کس پیرائے میں صلوٰۃ وسلام پیش ہوتا تھا صحابہؓ نے اس کی آپ سے کبھی کیفیت نہ پوچھی۔ البتہ انہیں یہ اشکال پیش آیا کہ آپ کی وفات کے بعد یہ عرض صلوٰۃ وسلام جسد اطہر پر کیسے ہوگا۔ جب کہ آپ مٹی میں مکمل چکے ہوں گے۔ آپ نے جواب میں فرمایا کہ انبیاء کے اجساد کبھی مٹی کے ساتھ مٹی نہیں ہوتے، محفوظ رہتے ہیں۔

اس جواب سے یہ بات واضح ہو گئی کہ وفات کے بعد آپ پر عرض صلوٰۃ وسلام نئے سرے سے شروع نہ ہوگا۔ بلکہ اسی عرض کا تسلسل ہے جو آپ کو اس دنیا میں حاصل تھا۔ جب یہاں یہ عرض روح وجسد کے مجموع پر تھا تو وہاں بھی یہ عرض صلوٰۃ وسلام اس جسد اطہر پر ہوتا ہے جس کے محفوظ رکھنے کی اللہ تعالیٰ نے ضمانت دی ہے، اللہ تعالیٰ آپ کی روح اقدس کو اس طرف متوجہ کر دیتا ہے عرض صلوٰۃ وسلام پہلے ہے اور رد اللہ علیّ روحی (روح اقدس کا اس طرف متوجہ ہونا) اس کے بعد ہے حدیث کی ترتیب یہی ہے: ''حیوۃ الانبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام متفق علیہا لاخلاف لاحد فیہ فقال الحافظ معناہ رد اللہ علیّ نطقی'' (انوار المحمود ج۱ ص۶۱۰)

ترجمہ: انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حیات اہل اسلام میں متفق علیہ ہے کسی شخص کا اس میں اختلاف نہیں ہے، حافظ ابن حجر کہتے ہیں روح لوٹانے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ مجھ پر میرے نطق کو لوٹا دیتا ہے جس سے میں اس کو جواب دیتا ہوں۔

حضور ﷺ کے فرمان رد اللہ علیّ روحی کا مطلب یہ نہیں کہ حضور ﷺ کو اس وقت زندہ کیا جاتا ہے۔ آپ کی حیات تو اپنی جگہ متفق علیہ ہے۔ یہاں مراد رد اللہ علیّ نطقی ہے۔

چوتھی توجیہ جو حافظ ابن حجر نے کی ہے یہ ہے: ''المراد بالروح النطق فتجوز فیہ من جہۃ خطابنا بما نفہمہ'' (فتح الباری ج۶ ص۳۵۲)

ترجمہ: یہاں روح سے مراد نطق ہے یہ ہمارے خطاب کی جہت سے کہ ہم اسے سمجھ پائیں درست ہے۔ (ایسے معنی ہو سکتے ہیں)

طبرانی میں ہے، آپ ﷺ فرماتے ہیں: ''لیس من عبد یصلی علیّ الا بلغنی صلاتہ... قلنا وبعد وفاتک قال وبعد وفاتی۔ ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء'' (نیل الاوطار ج۳ ص۳۰۵)

ترجمہ: کوئی ایسا بندہ نہیں کہ وہ مجھ پر درود نہ بھیجے مگر یہ کہ اس کا درود مجھے پہنچتا ہے (ہم نے پوچھا) اور وفات کے بعد بھی؟ آپ نے فرمایا اور میری وفات کے بعد بھی...... بیشک اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء کے جسموں کو کھائے۔

آپ کو صلوٰۃ وسلام پہنچتا ہے یہ دونوں صورتوں کو شامل ہے۔ قریب سے ہو تو براہ راست اور دور سے ہو تو بتوسط ملائکہ...... یہ بات یقینی ہے کہ آپ کو صلوٰۃ وسلام پہنچتا ہے۔

اس حدیث میں پہلے روح کا لوٹنا ذکر نہیں کیا گیا۔ معلوم ہوا حیات آپ کو پہلے سے حاصل ہے جب کوئی شخص آپ پر سلام عرض کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ آپ کی روح اقدس کو جو ہمہ وقت اللہ تعالیٰ کی ذات وتجلیات میں حالت استغراق میں ہے کچھ ادھر بھی متوجہ فرما دیتے ہیں اور آپ کو اس کا درود وسلام پہنچا دیا جاتا ہے اور ہمیں معلوم نہیں اسی روح اقدس کی جہات توجہ کتنی کروڑوں ہیں جو ہر امتی کا صلوٰۃ وسلام لے لیتی ہیں بلکہ سلام کرنے والوں کو آپ جواب بھی دیتے ہیں۔ احادیث میں اس سلسلے میں رد اللہ علیّ روحی کے الفاظ ہیں رد اللہ الی روحی کے الفاظ نہیں۔ پہلے جملہ کا ترجمہ ہے مجھ پر روح لوٹائی جاتی ہے۔ دوسرے جملہ کا ترجمہ ہے، روح میری طرف لوٹائی جاتی ہے۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ ایک خط کے جواب میں لکھتے ہیں: ''اگر لفظ الی روحی فرمایا گیا

ہوتا تو آپ کا شبہ وارد ہوسکتا ہے اس اور علی کے فرق سے آپ نے ذھول فرمایا علی استعلاء کے لئے ہے اور الی نہایت طرف کے لئے ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صلوٰۃ وسلام سے پہلے روح کا (اس جہت میں) استعلاء نہ تھا یہ کہ وہ جسم اطہر سے بالکل خارج تھی اور اب اس کو جسم اطہر کی طرف لوٹا یا گیا ہے۔"　　(مکتوبات شیخ الاسلام ج ا ص ۲۲۸)

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی لکھتے ہیں: "اکثر شارحین نے رد روح کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ قبر مبارک میں آپ کی روح پاک کی تمام تر توجہ دوسرے عالم کی طرف اور اللہ تعالیٰ کی جمالی اور جلالی تجلیات کے مشاہدہ میں مصروف رہتی ہے...... پھر جب کوئی امتی سلام کرتا ہے اور وہ فرشتہ کے ذریعہ یا براہ راست آپ تک پہنچتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے اذن سے آپ کی روح (ایک جہت سے) اس طرف بھی متوجہ ہوتی ہے اور آپ سلام کا جواب دیتے ہیں بس اس روحانی توجہ والتفات کو روح سے تعبیر فرمایا گیا۔"　　(معارف الحدیث ج ۵ ص ۳۷۶)

سلام پیش کرنے والوں کی طرف روح اقدس کی ہزاروں جہات متوجہ، مجیب اور متبدن (کبھی کسی طرف اور کبھی طرف) ہیں۔مگر اس سے روح اقدس کا ذات وتجلیات الٰہی میں استغراق متاثر نہیں ہوتا۔اس میں فرق نہیں ہوتا۔آپ ہمہ وقت جمال وجلال کے مشاہدہ میں مستغرق ہیں آٹھویں صدی کے مشہور محدث حافظ ابن الملقن (۸۰۴ھ) فرماتے ہیں: "المراد برد الروح النطق لانه ﷺ حی فی قبره وروحه لاتفارقه لما صح ان الانبیاء احیاء فی قبورهم"　　(نقلہ الشوکانی فی شرح حصن حصین ص ۲۸)

ترجمہ: رد روح (روح کے بدن کی طرف لوٹنے) سے مراد نطق ہے (کہ آپ جواب دے سکیں) کیونکہ حضور ﷺ تو اپنی قبر میں زندہ ہیں اور آپ کی روح اقدس تو کبھی بھی آپ سے جدا نہیں ہوتی یہ بات صحیح سند سے ثابت ہوچکی ہے کہ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (۸۵۲ھ) نے رد روح سے پیدا ہونے والے اشکال کے متعدد جواب دیئے ہیں۔

"الخامس انه یستغرق فی امور الملاء الاعلیٰ فاذاسلم الیه رجع الیه فهمه لیجیب من سلم علیه"　　(فتح الباری ج ۶ ص ۳۵۲)

ترجمہ: پانچویں بات یہ ہے کہ آپ ملاء اعلیٰ کے جلوؤں میں مستغرق رہتے ہیں پس جب کوئی شخص آپ پر سلام بھیجتا ہے تو آپ کا فہم آپ کی طرف واپس لوٹتا ہے تاکہ آپ اس کے سلام کا جواب دیں۔

پھر اس پر ایک اور اشکال وارد کرتے ہیں اور پھر اس جواب پر یہ بحث ختم کردیتے ہیں: "ان امور الآخرة لاتدرک بالعقل واحوال البرزخ اشبه باحوال الآخرة والله اعلم"　　(ایضا)

ترجمہ: آخرت کے حالات عقل سے جانے نہیں جاسکتے اور عالم برزخ کے حالات آخرت کے حالات سے بہت ملتے جلتے ہیں۔

حافظ ابن حجر کے شاگرد محدث سخاوی (۹۰۲ھ) علامہ تقی الدین سبکی سے رد روح کا معنی نقل کرتے ہیں:

"یحتمل ان یکون ردا معنویا وان تکون روحه الشریفة مشتغلة بشهود الحضرة الإلٰهية والملأ الاعلیٰ عن هذا العالم فاذاسلم علیه اقبلت روحه الشریفة علیٰ هذا العالم لیدرک سلام من یسلم علیه ویرد علیه"

(القول البدیع ص ۱۲۷)

ترجمہ: یہاں رد روح سے مراد روح کا حسا لوٹنا نہیں معنوی طور پر لوٹنا ہے وہ اس طرح کہ آپ کی روح شریفہ اس عالم سے ہٹ کر دربار الٰہی اور ملاء اعلیٰ کے شہود میں مشتغل رہے۔ پھر جب کوئی شخص آپ پر سلام کہے تو آپ کی روح شریفہ اس عالم پر ظہور کرے تاکہ سلام کرنے والے کے سلام کا ادراک کرے اور اسے جواب بھی دے۔

علامہ جلال الدین سیوطی (۹۱۱ھ) جملہ رد اللہ علی روحی کو جملہ حالیہ قرار دیتے ہیں اور فرماتے عربی قاعدہ ہے کہ جملہ حالیہ جب ماضی کے طور میں ہو تو اس میں قد مقدر نکالنا پڑتا ہے۔ جیسے قرآن کریم میں ہے: ''اَوْ جَآءُوْكُمْ حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ اَنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ اَوْ يُقَاتِلُوْا قَوْمَهُمْ'' (پ۵ النساء ۹۰)

ترجمہ: یا وہ آئے تمہارے پاس دراں حالیکہ تنگ آ چکے ہیں ان کے دل تمہاری لڑائی سے یا اپنی قوم کی لڑائی۔

حصرت فعل ماضی ہے جیسے رد فعل ماضی ہے۔ اس صورت میں حدیث معنی اس طرح واضح ہوگی: ''مامن احد یسلم علیّ الا وقد رد اللہ علیّ روحی قبل ذلک و أرد علیہ'' (انباء الاذکیاء ص۱۰)

ترجمہ: کوئی ایسا شخص نہیں کہ وہ مجھ پر سلام بھیجے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اس سے پہلے مجھ پر میری روح لوٹا دیں اور یہ کہ میں اس کا جواب دوں۔

آپ آیئے گیارہویں صدی کے مصر کے نامور عالم علامہ احمد بن محمد الخفاجی (۱۰۶۹ھ) کا جواب بھی ملاحظہ کیجئے: ''لان الکون لا یخلو من مسلم یسلم علیہ فی کل لحظۃ'' (شرح شفاء ج ۳ ص ۳۹۹)

ترجمہ: کیونکہ جہان کسی ایسے وقت سے خالی نہیں کہ مسلمان وہاں ہر لحظہ عرض سلام نہ کر رہے ہوں۔

اب بارہویں صدی میں چلئے۔ حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ بھی مرکز سلام اسی روضہ قدسیہ کو ہی سمجھتے ہیں جس میں حضور اکرم ﷺ دفن ہیں اور جہاں زائرین لاکھوں کی تعداد میں حاضری دیتے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں: ''وارواح الکمل اذا فارقت اجسادھا صارت کالموج المکفوف لا یھزھا ارادۃ متجددۃ وداعیہ سانحۃ ولکن النفوس التی ھی دونھا تلتصق بالھمۃ فتجلب منھا نورا وھیئۃ مناسبۃ للارواح وھی المکنی عنہ بقولہ ﷺ مامن احد یسلم علیّ الا رد اللہ علیّ روحی حتی ارد علیہ ﷺ وقد شاھدت ذلک مالا احصی فی مجاورتی المدینۃ سنۃ الف وماۃ واربع واربعون''

ترجمہ: اور کاملین کی ارواح جب اپنے اجساد سے جدا ہوتی ہیں تو وہ ایک رکی ہوئی موج کی صورت میں ہو جاتی ہیں۔ اب انہیں کوئی نیا ارادہ اور پیش آنے والا داعیہ حرکت نہیں دے سکتا۔ ہاں وہ نفوس جو درجہ میں ان سے کم ہوتے ہیں وہ (اپنی روح کی) ہمت سے ان سے جا چمٹتے ہیں اور ان سے نور اور ہیئت جو اپنی ارواح کے مناسب ہو جلب کرتے ہیں (اپنی طرف کھینچتے ہیں) حضور ﷺ کے اس ارشاد میں کہ جب کوئی شخص مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح کو مجھ پر لوٹا دیتا ہے (متوجہ کر دیتا ہے) حتیٰ کہ میں اس پر سلام لوٹا دیتا ہوں اسی طرف اشارہ ہے اور میں نے ۱۱۴۴ھ میں جب میں مدینہ کی مجاورت میں تھا، میں نے اس سلام و جواب کا اتنی دفعہ مشاہدہ کیا کہ میں شمار نہیں کر سکتا۔

اس سے پتہ چلا کہ روح اقدس عالم بالا میں ہو کر جسد اطہر پر اس طرح تجلی ریز ہے کہ آپ زائرین کا سلام سنتے ہیں اور جواب بھی دیتے ہیں اور جو لوگ آرام گاہ نبوت اور مزار پر انوار پر مجاورت اختیار کئے بیٹھے ہیں وہ دن رات ان جلوؤں سے متمتع اور فیضیاب ہوتے ہیں۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی (۱۲۹۷ھ) تفرد اختیار نہیں کرتے آپ لکھتے ہیں: ''جب کوئی رسول اللہ ﷺ پر سلام بھیجتا ہے تو خداوند کریم آپ کی روح پر فتوح کو اس حالت استغراق فی ذات اللہ وتجلیات اللہ سے بوجہ محبوبیت وخصوصیت تامہ جو آپ کو حاصل رہتی ہے اپنے ہوش (ادھر دھیان کرنا) عطاء فرمادیتا ہے۔''

(آب حیات ص ۱۷۵)

اب چودھویں صدی میں بھی یہی معنی حدیث سنیں اور یقین کریں الا رد اللہ علی روحی کے الفاظ ہرگز یہ نہیں کہتے کہ سلام سے پہلے بدن اطہر روح سے بالکل بے تعلق تھا۔ حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوری (۱۳۴۶ھ) لکھتے ہیں: ''قال القاضی لعل معناه الی روحه المقدسة فی شان مالی حضرة الالهیة فاذا بلغه سلام احد من الامة رد الله تعالی روحه المطهرة من تلک الحالة الی رد من سلم علیه'' (بذل المجہود ج ۳ ص ۲۰)

ترجمہ: قاضی عیاض کہتے ہیں یہ معنی ہوسکتا ہے کہ آپ کی روح اقدس اللہ تعالیٰ کے حضور ہو اور جب بھی آپ کو امت میں سے کسی کا سلام پہنچے تو اللہ تعالیٰ آپ کی روح اطہر کو اس حالت سے اس کی طرف لوٹا دیتے ہیں جس نے آپ پر سلام عرض کیا۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے فتح الملہم کی پہلی ج میں اس پر پوری بحث کی ہے۔ (دیکھئے فتح الملہم ج ۱ ص ۳۳۰) یہ چودہ سو سال کا علمی سرمایہ ہے جو ہم نے آپ کے سامنے لاکر رکھ دیا ہے۔ چودہ سو سال کے اعیان امت میں ایک ایسا عالم نہیں ملتا جس نے الا رد اللہ علی روحی سے یہ استدلال کیا ہوا ہے کہ حضور اکرم ﷺ قبر میں زندہ نہیں ہیں اور روح اسی وقت لوٹتی ہے جب کوئی آکر آپ پر سلام کرے۔

اب ہم اس بحث کو شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا دامت برکاتہم کے بیان پر ختم کرتے ہیں آپ فرماتے ہیں حضور ﷺ پر عرض صلوٰۃ وسلام جسد اطہر اور روح اقدس دونوں پر ہوتا ہے۔ یہ نہیں کہ اس کا تعلق صرف روح سے ہو اور جسد اطہر کسی شعور اور ادراک کے بغیر قبر مبارک میں بے جان پڑا ہو۔ آپ حدیث ان صلوٰتکم معروضة پر لکھتے ہیں: ''اور حدیث پاک میں اس طرف اشارہ ہے کہ درود روح مبارک اور بدن مبارک (دونوں) پر پیش ہوتا ہے۔'' (فضائل درود شریف ص ۳۷)

اس بات سے کہ حضور اکرم ﷺ پر اس دنیا میں بھی صلوٰۃ وسلام پیش ہوتا تھا اور آپ کو یہاں کئی برزخی مناظر دکھادیے جاتے تھے اور یہ کہ آپ کبھی عذاب قبر کی آوازیں بھی سن لیتے اور کبھی بغیر کھائے پئے روزوں میں وصال فرماتے اور دل آپ کا کبھی نہ سوتا تھا۔ ہمیشہ بیدار رہتا تھا یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ!

آپ کی دیکھنے کی قوت اوروں جیسی نہ تھی آپ کی سننے کی روحانی قوت اور لوگوں کی طرح نہ تھی۔ آپ کا مادی غذا کا احتیاج اور لوگوں کی طرح کا نہ تھا آپ کا قلب مبارک نرالی شان کا حامل تھا اور آپ کا بدن اطہر عام ابدان سے مختلف تھا۔

''حسبوا ان جسد النبی ﷺ کجسد کل احد فکفی فی الجواب ماقاله علی وجه الصواب''

(مرقات ج ۳ ص ۲۳۸ حاشیہ ابی داؤد شیخ الہند ج ۱ ص ۱۵۷)

ترجمہ: انہوں نے گمان کیا تھا کہ نبی پاک کا جسد اطہر بھی دوسرے لوگوں کے جسد کی طرح ہوگا۔ سو حضور ﷺ نے جو جواب دیا وہ صحیح صورت بتلانے کے لئے کافی تھا۔

ہم یہ بات صرف اپنی عقیدت سے بیان نہیں کر رہے صحابہ کرام ﷡ بھی عقیدہ رکھتے تھے کہ حضور اکرم ﷺ پر درود پیش ہوتا ہے اسود بن یزید کہتے ہیں سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعود ﷜ (۳۲ھ) فرمایا کرتے تھے: ''اذا صلیتم علیٰ رسول اللہ ﷺ فاحسنوا الصلوۃ علیہ فانکم لاتدرون لعل ذلک یعرض علیہ''

(سنن ابن ماجہ ص ۶۵)

ترجمہ: جب تم حضور ﷺ پر درود پڑھو تو بڑے اچھے پیرایہ میں پڑھو تم نہیں جانتے ہو سکتا ہے وہ (قبولیت کے ساتھ) آپ پر پیش کیا جارہا ہو۔

شاگردوں نے کہا پھر آپ ہمیں سکھائیں ہم کیسے اپنے درود کو اچھا بنائیں تو آپ ؓ نے فرمایا یوں کہو: ''اللّٰھم اجعل صلوتک ورحمتک وبرکاتک علیٰ سید المرسلین و امام المتقین و خاتم النبیین محمد عبدک ورسولک امام الخیر وقائد الخیر ورسول الرحمۃ اللّٰھم ابعثہ مقاما محمودا یغبط بہ الاولون و الآخرون اللّٰھم صل علیٰ محمد وعلیٰ ال محمد کما صلیت علیٰ ابراھیم وعلیٰ ال ابراھیم انک حمید مجید اللّٰھم بارک علیٰ محمد وعلیٰ ال محمد کما بارکت علیٰ ابراھیم وعلیٰ ال ابراھیم انک حمید مجید''

نوٹ: قارئین سے درخواست ہے کہ آپ بھی ایک دفعہ پوری توجہ کے ساتھ اس پیرایہ میں حضور ﷺ پر درود بھیجیں گر قبول افتد زہے عزوشرف جمعہ کے دن یہ عمل کریں تو انشاءاللہ زیادہ فائدہ مند رہے گا۔

درود پہنچانے والے کارکنان الٰہی

حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ ہی بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ''ان للہ ملئکۃ سیاحین فی الارض یبلغونی من امتی السلام'' (سنن نسائی ج ۱ ص ۱۴۳ سنن داری ص ۳۷۲)

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ کے فرشتے سیاحت ارض پر مقرر ہیں وہ میری امت کا سلام مجھے پہنچاتے رہتے ہیں۔

درود پڑھنے والے تو بے شک زمین پر ہیں۔اب درود جسے پہنچانا ہے وہ اگر آسمانوں پر ہو یا اعلیٰ علیین میں تو وہ فرشتے جو اس کام پر کارکنان الٰہی لگے ہوئے ہیں سیاحین فی الارض (زمین پر پھرنے والے) کیسے تصور ہوں گے۔اگر وہ درود شریف حضور ﷺ کو قبر انور پر پہنچاتے ہوں تو بات صاف سمجھ میں آتی ہے کہ یہیں سے لیتے ہیں اور یہیں پہنچاتے ہیں اور اسی سبب سے وہ سیاحین فی الارض ٹھہرتے ہیں اور وہ زمین وآسمان میں چکر لگانے والے نہ ہوئے لیکن اگر درود روضہ انور پر پیش نہیں ہوتا تو سیاحین فی الارض میں خطرناک تاویل کرنی پڑے گی حضور ﷺ جب اس دنیوی زندگی میں تھے تو اس وقت حضور ﷺ کو جو فرشتے درود پہنچاتے تھے وہ بھی تو یہی سیاحین فی الارض تھے۔آپ کی وفات سے اس نظام میں تو کوئی تبدیلی نہیں آئی۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ سب سیاحین فی الارض حضور ﷺ کے امتیوں کا سلام اپنے طور پر حضور ﷺ پر عرض کرتے ہوں گے یا وہاں ان کا سردار کوئی اور فرشتہ ہوگا جو ساری دنیا میں دور رہنے والے امتیوں کے سلام ان سے لے گا اور ان امتیوں کی طرف سے حضور ﷺ کو پہنچائے گا حضور ﷺ پر صلوٰۃ وسلام پیش ہونے کی روایات اس قدر ہیں کہ ان پر تواتر معنوی کا دعوے کیا جاسکتا ہے۔کوئی مسلمان نہیں جو حضور ﷺ پر خلوص دل سے صلوٰۃ وسلام

کیے اور وہ حضور ﷺ پر پیش نہ ہوتا ہو۔ آپ نے فرمایا: " عن ابی الدرداء رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ اکثروا الصلوۃ علیَ یوم الجمعۃ فانہ مشھود تشھدہ الملئکۃ وان احدا لن یصلی علیَ الا عرضت علیَ صلوتہ حتی یفرغ منھا" (رواہ ابن ماجہ کمافی منتقی الاخبار ج ۳ ص ۳۰۴)

ترجمہ: جمعہ کے دن مجھ پر درود کثرت سے پڑھا کرو۔ یہ یوم مشہود (حاضری کا دن) ہے اس دن فرشتے حاضری دیتے ہیں کوئی شخص مجھ پر درود نہیں پڑھتا مگر یہ کہ وہ مجھ پر پیش ہوتا ہے یہاں تک کہ وہ اس سے فارغ ہو جائے۔

یعنی جمعہ کے دن تو وہ پڑھتے پڑھتے ہی پیش ہو رہا ہے۔ کیونکہ جمعہ کے دن فرشتے آپ پر حاضری دیتے ہیں کہ امت کا صلوۃ وسلام آپ کو پہنچا دیں۔ دوسرے دنوں میں پڑھا جانے والا بھی جمعہ کے دن ہی پیش ہوتا ہے۔

سیاحین فی الارض کا دائرہ کار

درود و سلام پہنچانے والے فرشتوں کا دائرہ کار دور سے درود پڑھنے والوں اور حضور ﷺ کے روضہ پاک کے مابین ہے جو خود آکر سلام عرض کریں اس میں فرشتے واسطہ نہیں بنتے۔ ملا علی قاری ﷫ (۱۰۱۴ھ) لکھتے ہیں:

" درود و سلام پہنچانے کے لئے فرشتوں کا تقرر اس شخص کے ساتھ مخصوص ہے جو روضہ اطہر سے دور ہو۔"

(مرقات ج ۲ ص ۶)

شیخ عبدالحق دہلوی ﷫ ۱۰۵۲ھ) سیدنا حضرت عبداللہ بن عمر ﷜ سے نقل کرتے ہیں: "نیز از ابن عمر ﷜ آمدہ ومن صلی علی عند قبری رددت علیہ ومن صلی علی فی مکان آخر بلغونیہ"

(جذب القلوب الی دیار المحبوب ص ۱۸۲)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر ﷜ سے بھی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو میری قبر کے پاس آکر مجھ پر درود پڑھے گا میں اس پر اور سلام کہوں گا اور جو کسی اور جگہ سے مجھ پر درود پڑھے گا وہ (سمجھو) مجھے فرشتوں نے پہنچایا ہے (اس میں میری طرف سے جواب ملازم نہیں)

قاضی شوکانی (۱۲۵۵ھ) اس قسم کی احادیث پر جن میں حضور ﷺ پر صلوۃ وسلام پیش ہونے کا بیان ہے بحث کرتے ہوئے اپنا حاصل مطالعہ ان الفاظ میں لکھتے ہیں: "والاحادیث فیھا مشروعیۃ الاکثار من الصلوۃ علی النبی ﷺ یوم الجمعۃ وانھا تعرض علیہ ﷺ وانہ حیّ فی قبرہ وورد النص فی کتاب اللہ فی حق الشھداء انھم احیاء یرزقون وان الحیاۃ فیھم متعلقۃ بالجسد فکیف بالانبیاء والمرسلین"

(نیل الاوطار ج ۳ ص ۳۰۵)

ترجمہ: اور احادیث میں جمعہ کے دن نبی کریم ﷺ پر کثرت سے درود پڑھنے کی مشروعیت ہے اور اس بات کا ثبوت ہے، کہ وہ نبی اکرم ﷺ پر پیش کیا جاتا ہے اور یہ بات بھی صحیح ہے کہ آپ اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور قرآن کریم میں شہداء کے حق میں یہ نص موجود ہے کہ وہ زندہ ہیں اور انہیں (اگلے جہان کے حسب حال) رزق بھی ملتا ہے اور ان کی حیات صرف روح کی نہیں جسد کے ساتھ ہے جب شہداء کا یہ حال ہے تو انبیاء و مرسلین کی حیات (فی القبر) کتنی قوی ہوگی۔

ایک سوال: درود پڑھنے والوں کا درود اگر اس زندگی میں بھی حضور ﷺ پر پیش ہوتا تھا تو حضور ﷺ جب مقام حدیبیہ میں تھے اور کسی نے خبر دی کی حضرت عثمانؓ مکہ میں شہید کردیئے گئے ہیں اور آپ نے ان کے خون کے بدلہ میں پندرہ سو صحابہؓ سے بیعت لی اور حضرت عثمانؓ کی طرف سے بھی اپنے بائیں ہاتھ سے بیعت لی تو آپ کو ان کا درود پیش ہونے سے کیوں پتہ نہ چلا کہ آپ مکہ میں زندہ ہیں شہید نہیں کئے گئے۔ آپ کو پتہ چل جانا چاہیئے تھا کہ قتل عثمانؓ کی اطلاع غلط ہے؟

جواب: (۱) جب آپ نے حضرت عثمانؓ کی طرف سے بھی بیعت لی تو کیا یہ اس بات کا اشارہ نہیں کہ آپ کا گمان یہی تھا کہ یہ خبر غلط ہے۔

(۲) اگر حضرت عثمانؓ شہید بھی ہوگئے ہوتے اور یہ بات اپنی جگہ مسلم ہے کہ شہداء زندہ ہیں اور یہ بات بھی اپنی جگہ ثابت ہے اونچے درجے کے مقربین برزخ اور جنت میں بھی اعمال طاعت میں لگے رہتے ہیں۔ گو یہ ان پر فرض اور واجب نہ ہو تو اگر حضرت عثمانؓ کی طرف سے درود برابر آرہا تھا۔ تو کیا یہ اس کا محمل نہیں ہوسکتا تھا کہ آپ عالم برزخ میں حضور ﷺ پر درود و سلام بھیج رہے ہوں اس احتمال کے ہوتے ہوئے حدیبیہ میں اس خبر شہادت سے آپ پر درود پیش ہونے کی روایات رد نہیں کی جاسکتیں۔

(۳) کیا یہ نہیں ہوسکتا کہ آپ پر پوری امت کا درود اجمالاً پیش کیا جاتا ہو تفصیلاً نہیں یا یہ کہ صرف جمعہ کو پیش ہوتا ہو۔ ہر روز نہیں۔

(۴) آپ پر اعمال امت پیش ہونے کی روایات تو ملتی ہیں۔ آپ پر حالات امت پیش ہوتے ہوں، یہ بات کسی روایت میں نہیں ملتی۔ امت کے مجموعی حالات کی آپ کو اطلاع ملتی ہو۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ فرداً فرداً ہر ایک کی آپ کو اطلاع دی جائے ان امور میں غور کرنے سے آپ کے شبہات کا انشاء اللہ العزیز ازالہ ہو جائے گا۔

یہ فصل درود و سلام کے پیش ہونے کے بارے میں تھی یہ حدیث ان صلوٰتکم معروضۃ علیّ کا مختلف پہلوؤں سے بیان تھا۔ رہا حضور ﷺ کے روضہ پاک پر حاضر ہو کر خود براہ راست درود و سلام پڑھنا تو یہ پیش ہونے کا موضوع نہیں۔ اس پر ایک مستقل باب آگے آرہا ہے۔

المبحث السادس: التحقیق المفید فی الذب عن الشیخ الشہید

بعض مبتدعین حضرت مولانا شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ کے ذمہ یہ لگاتے ہیں کہ وہ انبیائے کرام علیہم السلام کے (وفات شریفہ کے بعد) مٹی کے ساتھ مٹی ہو جانے کے قائل تھے۔ ان کے نزدیک یہ حدیث کہ اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام علیہم السلام کے اجساد مطہرہ مٹی پر حرام فرمادیئے، ثابت نہیں اور اگر ثابت تھی تو پھر ان کی تحقیق میں ضعیف ہوگی۔ اس الزام کے لئے حضرت شہیدؒ کی جو عبارت پیش کی جاتی ہے وہ یہ ہے:

یعنی میں بھی ایک دن مرکر مٹی میں ملنے والا ہوں، تو کب سجدے کے لائق ہوں۔

یہاں لفظ ''ملنا'' محل اعتراض ہے اور اسی پر الزام کی ساری عمارت تعمیر کی جاتی ہے حالانکہ مٹی کے ساتھ ملنا اور بات ہے اور مٹی ہونا اور بات ہے۔

اردو زبان میں لفظ "ملنا" کے یہ معنی ملتے ہیں: "پیوستہ ہونا، ملحق ہونا، چسپاں ہونا، ایک ذات ہونا"

(نور اللغات ج ۴ ص ۶۳۲)

معترضین خواہ مخواہ اس لفظ کو چوتھا معنی پہناتے ہیں۔ تاکہ پھر کفر کی مشین کو حرکت دے سکیں حق یہ ہے کہ حضرت شیخ شہیدؒ کی عبارت میں یہ پہلے معنی مراد ہیں۔ اس تشریح میں حضور ﷺ کی طرف سے یہ کہا جارہا ہے کہ مجھے بھی ایک دن پردہ قبر میں جانا ہے مٹی میں ملنے والا ہوں۔ اس سے مراد یہی ہے کہ ایک دن مجھے قبر کی مٹی سے ملحق ہونا ہے، نہ یہ کہ مجھے مٹی ہو جانا ہے۔ (معاذ اللہ) اردو زبان کا جامع ترین لغت "جامع اللغات" ج ۲ ص ۵۶۵ میں خاک میں ملنا کے معنی دفن ہونا اور مٹی میں پڑنا بھی لکھے ہیں ج ۴ ص ۴۶۰ میں لکھا ہے: "مٹی سے مٹی مل جانا، دفن ہونا"

منیر اللغات ص ۹۰ میں ہے: "خاک میں ملنا، دفن ہونا"

اسی طرح سعید اللغات مرتبہ منیر لکھنوی میں ہے: "مٹی میں مل جانا، دفن ہو جانا"

ان تصریحات کی موجودگی میں ظاہر ہے کہ مٹی میں ملنے والا ہوں کا معنی یہی ہے کہ ایک دن مجھے قبر میں دفن ہونا ہے۔ اب اسے ضد و عناد سے ان معنوں پر محمول کرنا جو مصنف کے حاشیہ خیال میں بھی نہ گزرے ہوں کس قدر فریب اور ظلم ہے۔ والی اللہ المشتکی!

پیش نظر رہے کہ جب کوئی چیز دوسری چیز کے ساتھ کسی ایک جہت سے چسپاں ہو تو اس ملنے کو اس طرح تعبیر کرتے ہیں کہ "یہ چیز اس چیز سے ملی ہوئی ہے۔" لیکن اگر اول الذکر کو اس ثانی لذکر چیز نے چاروں طرف سے احاطہ کر رکھا ہو اور اس کی ہر جہت اس سے ملحق ہو رہی ہو تو پھر پہلی چیز کے متعلق یہ نہیں کہا جائے گا کہ "یہ چیز اس سے ملی ہوئی ہے" بلکہ زیادہ بلیغ انداز یہی ہوگا کہ "سے" کی بجائے "میں" کا لفظ اختیار کیا جائے۔ حضور اکرم ﷺ کے جسد اطہر پر روضہ منورہ ہر جہت سے چسپاں ہو رہا ہے۔ اس لئے حضور ﷺ کی طرف سے یہ مضمون ان لفظوں میں ادا کیا گیا۔ مٹی میں ملنے والا ہوں تو کب سجدے کے لائق ہوں۔

ویسے نور اللغات ج ۴ ص ۷۴۸ پر لکھا ہے کہ "میں" کبھی "سے" کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ جیسے کہتے ہیں درخت میں باندھ دو یعنی درخت سے باندھ دو۔

مبتدعین محض بغض و عناد اور اپنی کور باطنی کی وجہ سے اس عبارت کے معنی بگاڑتے ہیں اور اس مضمون کو حدیث حفظ اجساد انبیاء سے خواہ مخواہ ٹکراتے ہیں حالانکہ حضرت شیخ شہیدؒ اور ان کے حلقہ اعتقاد میں اس عبارت کا مفہوم ہمیشہ یہی سمجھا گیا کہ حضور اکرم ﷺ ایک دن ضرور پردہ قبر میں تشریف لے جائیں گے اور اس کے لئے آپ کو اس دروازے سے بھی گزرنا ہوگا جس کے بغیر کوئی اس عالم سے اس عالم میں منتقل نہیں ہو سکتا۔ اور اسی دروازے کو موت کہتے ہیں جس کی لذت آشنائی انبیاء کے لئے بھی ضرور ہے۔ كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ"

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ لکھتے ہیں: "مٹی میں ملنے کے دو معنی ہیں، ایک یہ کہ مٹی ہو کر زمین کے ساتھ خلط ہو جائے جیسا سب اشیاء زمین پر پڑ کر خاک ہو کر زمین ہی بن جاتی ہیں، دوسرے مٹی سے متصل ہونا، یہاں (یعنی مولانا اسماعیل شہیدؒ کے کلام میں) مراد دوسرے معنی ہیں اور جسد انبیاء علیہم کے خاک نہ ہونے کے مولانا اسماعیل شہید بھی قائل ہیں۔"　　(فتاوی رشیدیہ ص ۹)

محدثین حنفیہ اور شافعیہ نے بھی اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے (جس کی تشریح کے ضمن میں مولانا اسماعیل شہیدؒ نے عبارت زیر بحث لکھی تھی) آنحضرت ﷺ کی طرف سے ایک ایسے ہی مضمون کو ادا کیا ہے:

"اسجدوا للحیّ الذی لایموت لمن ملکه لایزول فانک الما تسجد لی الان مهابة واجلالا فاذا صرت رهین رمس امتنعت عنه" (مرقات ج ا ص ۴۶۹)

ترجمہ: سجدے تم اس ذات کو کرو جو زندہ ہے اور اس پر فنا کبھی نہ آئے گی اور جس کی بادشاہی لازوال ہے بے شک تو اس وقت تو میرے رعب اور میری تعظیم کے لئے سجدہ کرنے کو تیار ہو رہا ہے۔ لیکن جب میں مٹی کے قبضے میں چلا جاؤں گا تو اس وقت تو سجدے سے رک جائے گا۔

علامہ طیبیؒ شافعیہ میں اور ملا علی قاریؒ حنفیہ میں بہت بلند پایہ ائمہ فقہ و حدیث ہیں۔ انہوں نے ارشاد نبوت کے اس مضمون کو آنحضرت ﷺ کی طرف سے اسی طرح ادا فرمایا ہے جس طرح کہ مولانا اسماعیل شہیدؒ نے اس مضمون حدیث کو بیان کیا ہے۔ ہاں ان بزرگوں کے الفاظ فاذا صرت رھین رمس۔ جب میں قبر کی مٹی میں گرفتار ہو جاؤں مولانا شہید کے مقابلے میں ذرا زیادہ سخت ہیں۔

بعض مبتدعین مٹی کی پوری بحث ہی کو ہدف طعن بنا لیتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ حضور انور ﷺ کا جسد اطہر ہی خاکی نہ تھا۔ نہ مٹی سے بنا اور نہ مٹی میں رہنے کا سوال پیدا ہوتا ہے۔ یاد رہے کہ مولوی احمد رضا خاں صاحب حضور انور ﷺ کی حدیث نقل فرما رہے ہیں کہ حضور انور ﷺ نے اپنے مٹی سے پیدا ہونے اور مٹی میں دفن ہونے کا اس طرح اظہار فرمایا: "انا وابوبکر وعمر خلقنا من تربة واحدة وفیها ندفن" (فتاوی افریقہ ص ۸۵)

ترجمہ: میں اور ابوبکر و عمرؓ ایک ہی مٹی سے بنے ہیں اور اسی میں دفن ہوں گے۔

معلوم ہوا کہ جسد اطہر خاکی ہی تھا اور ذات اقدس کو مٹی سے گریز نہ تھا۔ ہاں آپ اپنی صفات میں شمع نور و عرفان اور مرکز ہدایت و ایمان تھے اور اس سے کس بدبخت کو انکار ہو سکتا ہے۔

مولانا شہیدؒ کا حفظ جسدِ اطہر کا عقیدہ

مولانا شہیدؒ کا عقیدہ تھا کہ آپ ﷺ کا جسد اطہر روضہ میں مختفی اور محفوظ ہے ریزہ ریزہ نہیں آپ مثنوی سلک نور میں لکھتے ہیں:

ان آنکھوں سے ہر چند وہ جسم پاک ۔۔۔ بظاہر ہوا مختفی زیر خاک
کہ ہر پاک دل میں ہے ان کا مقام ۔۔۔ ولے نور ان کا ہے قائم مقام

جو زیر پردہ ہے وہ آپ کا جسم ہے، جو ہر جگہ پھیلا ہے وہ آپ کا نور ہے۔

الفصل الثاني ... وفيه ستة من المباحث

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: "ما من احد یسلم علی الا رد الله علی روحی حتی ارد علیه" (سنن ابی داؤد ج ا ص ۲۷۹ مسند امام احمد ج ۲ ص ۵۲۷)

ترجمہ: کوئی شخص ایسا نہیں کہ مجھ پر سلام بھیجے مگر یہ کہ اللہ میری روح مجھ پر لوٹا دیتا ہے یہاں تک کہ میں اس کا جواب دوں۔ (وعلیک السلام کہوں)

المبحث الاوّل: فی معنی الحدیث

اس حدیث پر یہ چند سوال ابھرتے ہیں ان پر غور فرمالیجئے:

(۱) سلام کرنے والا سلام کہنے کے لئے کہاں آئے؟ مدینہ منورہ کے روضہ اطہر پر یا اپنے تصور میں اعلیٰ علیین پہنچے۔ پھر یہ کہ کیا دور سے بھی آپ کو وہاں سلام کیا جاسکتا ہے جس طرح درود بعید سے بھی بھیجا جاسکتا ہے؟

(۲) سلام کرنے والا روح اقدس پر سلام عرض کررہا ہے یا جسد اطہر پر؟ اللہ مجھ پر روح لوٹاتا ہے۔ یہاں مجھ سے مراد جسد اطہر نہیں تو اور کیا چیز ہے جس پر روح اقدس لوٹتی ہے؟

(۳) اگر جسد پر روح لوٹتی ہے تو کیا وہ بے جان محض ہے جس پر درود وسلام پیش ہوتا ہے یا وہ جسد اطہر زندہ ہے اور اس پر روح لوٹنے کا مطلب روح اقدس کا اس زائر کی طرف متوجہ ہونا ہے؟

(۴) جب ہر وقت روضہ منورہ پر زائرین کا ایک تانتا بندھا ہے تو روح اقدس کا اشراف یا اس کی توجہ بدن اطہر پر دائما ہے یا انقطاعا اس دوسری صورت میں اس کی صورت عمل کیا ہوگی؟

الجوابات: سلام تو ہم یہاں سے بھی گزارش کرتے ہیں اور ہر نماز میں ''السلام علیک ایھا النبیؐ ورحمۃ اللہ'' کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے فرشتے بھی روئے زمین پر گھومتے ہیں۔ جہاں کسی نے آپ پر سلام کہا انہوں نے حاضری پر وہ سلام حضور ﷺ کے گزارش کردیا۔ مگر حدیث زیر بحث پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سلام جسد اطہر پر ہی عرض کیا جائے گا۔ روح کے آنے جانے یا توجہ کرنے کا محل روضہ پاک ہی ہے۔ اور روح اقدس اس جسد اطہر پر ہی متوجہ ہوتی ہے جو روضہ پاک میں مدفون ہے سو زائرین سلام کے لئے یہیں حاضری دیتے ہیں۔ روح کا قرینہ بتلا رہا ہے کہ جہاں بدن اطہر ہے وہیں سلام پیش ہوتا ہے۔

حافظ ابن قدامہ حنبلیؒ (۶۲۰ھ) نے اس روایت میں عند قبری کے الفاظ بھی نقل کئے ہیں اب ظاہر ہے کہ قبر سے مراد وہی جگہ ہوگی جسے لوگ قبر جانتے ہوں نہ کہ اعلیٰ علیین کی کوئی اور جگہ: ''مامن احد یسلم علیّ عند قبری ... الحدیث'' (المغنی ج ۳ ص ۵۵۸ روایۃ عن احمد اسے ہم تائید انقل کرتے ہیں)

حضور ﷺ کی قبر یہی ہے جس پر زائرین حاضری دیتے ہیں۔ روح اقدس اعلیٰ علیین میں ہو تو بھی قبر مبارک یہی ہے اور اسی دنیوی جسد اقدس میں برزخی حیات ہے جو دیکھنے والوں کو نظر نہ آئے لیکن آپ اسی میں نمازیں بھی پڑھتے ہیں اور سلام زائرین کا جواب بھی دیتے ہیں بلکہ دور سے پڑھنے والوں کا سلام بھی فرشتے آپ کو یہیں پہنچاتے ہیں[۱] اور روح اقدس کی کچھ جہات ان کی طرف متوجہ ہوتی ہوں آفتاب کی کروڑوں کرنیں زمین پر جلوہ ریز ہوں اسے تو آسانی سے تسلیم کرلیا جاتا ہے۔ کیونکہ مشاہدہ ہے اور اس لئے کہ یہ عام ہے لیکن روح اقدس کی کروڑوں روحانی کرنوں کا تسلیم کرلینا ہمارے دوستوں کے لئے سوہان روح بنا ہوا ہے کیونکہ یہ جلوے برزخی ہیں اور ان کی آنکھوں سے اوجھل ہیں اور معتزلہ ان چیزوں کو ماننے کے لئے تیار نہیں جو ان کے حواس میں نہ آئیں۔

---

[۱] قال ابن عبد الھادی ھو ﷺ یسمع السلام من القبر وتبلغہ الملئکۃ الصلوٰۃ والسلام من البعد (الصارم المنکی ص ۲۸۲)

حدیث میں سلام کا ذکر پہلے ہے اور رد روح کا بعد میں اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ سلام زائرین جسد اطہر پر ہی پیش ہوتا ہے۔ علامہ زین الدین ابوبکر المراغی (۸۱۶ھ) لکھتے ہیں: ''اعلم ان کتب السنة متضمنة للاحادیث الدالة علی ان روح النبی ﷺ ترد علیه وانه یسمع ویرد علیه السلام'' (تحقیق النصرة ص ۱۱۶ المطبوع بمصر)

ترجمہ: جان لو اہل سنت کی کتابوں میں کتنی احادیث ہیں جو اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ حضور ﷺ کی روح اطہر آپ کی طرف لوٹائی جاتی ہے اور آپ سلام سنتے بھی ہیں اور جواب بھی دیتے ہیں۔

علامہ عزیزی جامع صغیر میں لکھتے ہیں: ''الا رد الله علیّ روحی ای رد علی نطقی لانه حی دائما وروحه لاتفارقه'' (السراج المنیر ج ۳ ص ۲۷۸)

ترجمہ: مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھ پر میری روح لوٹا دیتا ہے یعنی میرا نطق اور تکلم مجھے دیا جاتا ہے (یہ تشریح اس لئے ضروری ہے) کہ آپ زندہ ہیں اور آپ کی روح مقدسہ آپ سے جدا نہیں ہوتی۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی بھی اس حدیث سے حیات انبیاء پر استدلال کرتے ہیں: ''بدانکہ حیات انبیاء صلوٰت اللہ وسلام علیہم اجمعین متفق علیہ است میان علماء ملت و ہیچ کس را خلاف نیست دراں ...... ایں حدیث صحیح است مامن مسلم یسلم علیّ الا رد الله علیّ روحی''

ترجمہ: جان لو کہ اللہ کے نبیوں کی حیات، اللہ کے صلوٰت اور تسلیمات ان پر ہوں، تمام علمائے امت کے ہاں متفق علیہ ہے کسی عالم کا اس سے اختلاف نہیں یہ حدیث صحیح ہے کہ کوئی مسلمان ایسا نہیں کہ وہ جب مجھ پر سلام بھیجے تو اللہ تعالیٰ مجھ پر میری روح متوجہ نہ کردے۔

ہمارے یہ کرم فرما کبھی کہتے ہیں کہ شیخ عبدالحق کا اسے متفق علیہ کہنا درست نہیں۔ شیخ تصحیح میں متساہل تھے۔ ہم عرض کرتے ہیں امام ابن تیمیہؒ تو متساہل نہ تھے، ان سے کون متشدد زیادہ ہوگا۔ آپ بھی یہی بات کہتے ہیں جو حضرت شیخ نے کہی ہے: ''واتفق الائمة علی انه یسلم علیه عند زیارته وعلی صاحبیه لما فی السنن عن ابی هریرة عن النبی ﷺ انه قال مامن مسلم یسلم علیّ الا رد الله علیّ روحی'' (فتاویٰ امام ابن تیمیہ ج ۴ ص ۳۶۱)

ترجمہ: اور اس پر تمام ائمہ کا اتفاق ہو چکا ہے کہ حضور کی (قبر کی) زیارت کے وقت آپ پر اور حضرت ابوبکر و عمرؓ پر سلام عرض کیا جائے سنن میں حضرت ابوہریرہؓ سے یہ حدیث مروی ہے، وہ اسے حضور ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ کوئی مسلمان ایسا نہیں کہ جب وہ مجھ پر صلوٰۃ و سلام بھیجے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھ پر میری روح لوٹا دیتے ہیں۔

امام طبرانی اور بیہقی نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔

المبحث الثانی: اس حدیث کی سند کی تحقیق

صحاح ستہ میں یہ حدیث ابوداؤد کی روایت سے ہے۔ اس کے راوی یہ ہیں:

(۱) ابوداؤد صاحب سنن، (۲) ابوحاتم محمد بن عوف، (۳) عبدالرحمن بن یزید المقری،
(۴) حیوۃ بن شریح، (۵) ابوصخر حمید بن زیاد، (۶) یزید بن عبداللہ بن قسیط،
(۷) حضرت ابوہریرہؓ صحابی رسول۔

ابوحاتم محمد بن عوف کو امام نسائی نے ثقہ کہا ہے۔ (تہذیب التہذیب ج ۹، ص ۳۸۴)

عبدالرحمن بن یزید المعری کو بھی امام نسائی نے ثقہ کہا ہے۔ (ایضاج ۶،ص ۸۴)
حیوۃ بن شریح کو امام یحییٰ بن معین ثقہ کہتے ہیں۔ (ایضاج ۳،ص ۷۱)
علماء مصر کے استاد تھے۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۷۴)
ابو صخر حمید بن زیاد کو دار قطنی جیسے متشدد نے بھی ثقہ کہا ہے۔ (تہذیب ج ۳ ص ۳۴۲)
یزید بن عبداللہ بن قسیط کو امام نسائی ثقہ اور محمد بن معین لیس بہ باس کہتے ہیں۔
(تہذیب ج ۱۱،ص ۳۴۲ قال ابن عبدالبر ثقہ من الثقات)
ان رواۃ میں کوئی کذاب نہیں جو واعظین ان رواۃ حدیث کو کذاب کہتے ہیں وہ خود بڑے کذاب ہیں۔

تصحیح محدثین

(۱) حافظ ابن کثیر (۷۷۴ھ) امام نووی (۶۷۶ھ) سے اس کی تصحیح نقل کرتے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۵۱۴) امام نووی کتاب الاذکار میں لکھتے ہیں: بالاسناد الصحیح (ص ۱۰۶) اور ریاض الصالحین (ص ۴۹۲) میں بھی اس کی تصحیح کرتے ہیں۔

یہ ساتویں آٹھویں صدی کی شہادت ہے۔ علامہ سبکی (۷۷۱ھ) لکھتے ہیں امام احمد (۲۴۱ھ) اور ابوداؤد (۲۷۵ھ) نے اس روایت پر اعتماد کیا ہے۔ یہ تیسری صدی کی شہادت ہے۔

(۲) حافظ ابن حجر عسقلانی (۸۵۲ھ) لکھتے ہیں: رواتہ ثقات (اس کے سب راوی ثقہ ہیں)
(فتح الباری ج ۶، ص ۴۸۸)

(۳) علی شیخ احمد العزیزی (۱۰۵۰ھ) شارح جامع الصغیر لکھتے ہیں: "اسنادہ حسن"
(السراج المنیر ج ۳ ص ۲۷۹)

(۴) علامہ سمہودی (۹۱۱ھ) لکھتے ہیں: "روی ابوداؤد بسند صحیح" (وفاء الوفاء ص ۴۰۳ ج دوم)

(۵) علامہ زرقانی (۱۱۲۲ھ) لکھتے ہیں: "باسناد صحیح" (زرقانی شرح مواہب ج ۸ ص ۳۰۸)

(۶) شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۱۰۵۲ھ) لکھتے ہیں: "ایں حدیث صحیح است"
(مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۴۴۷)

(۷) نواب صدیق حسن خاں (۱۳۰۷ھ) لکھتے ہیں: "قال النووی فی الاذکار اسنادہ صحیح وقال ابن حجر رواتہ ثقات۔" (دلیل الطالب ص ۸۴۳)

(۸) امام العصر علامہ انور شاہ کشمیری (۱۳۵۳ھ) لکھتے ہیں: "رواتہ ثقات" (عقیدۃ الاسلام ص ۵۲)

(۹) شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی (۱۳۶۹ھ) لکھتے ہیں: "عن ابی ہریرۃ رفعہ ما من احد یسلم علیّ الا رد اللہ علیّ روحی حتی ارد علیہ السلام ورواتہ ثقات ... انہ یستغرق فی امور الملاء الاعلی فاذا اسلمہ الیہ رجع الیہ فہمہ لیجیب من سلم علیہ" (فتح الملہم ج ۱ ص ۳۳۰)

(۱۰) محدث العصر علامہ ظفر احمد عثانی دامت برکاتہم لکھتے ہیں: "رواہ ابو داؤد بسند صحیح واعتمد علیہ جماعۃ قال السبکی وھو اعتماد صحیح" (اعلاء السنن طبع قدیم ج ۱۰ ص ۳۳۴)

ایک اعتراض: وہ یہ کہ حضرت ابو ہریرہؓ اور یزید بن عبداللہ کے درمیان انقطاع ہے۔ امام مالک نے یزید بن عبداللہ بن قسیط پر جرح کی ہے اور یہ کہ یزید بن عبداللہ نے حضرت ابو ہریرہؓ کا زمانہ نہیں پایا۔

الجواب وھو الصدق والصواب

یہ صحیح نہیں کہ امام مالک یزید بن عبداللہ بن قسیط کو لائق اعتماد نہیں سمجھتے۔ ابو حاتم کی رائے صحیح نہیں۔ امام ابن عبدالبر مالکی ہیں انہوں نے ابو حاتم کا رد کیا ہے حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: "ویزید قد احتج بہ مالک فی مواضع من المؤطا ھو ثقۃ من الثقات"

حافظ ابن حجر یہ بھی لکھتے ہیں: "روی عن ابن عمر و ابی ھریرۃ"

اب کیسے مان لیا جائے کہ یزید بن عبداللہ نے حضرت ابو ہریرہؓ کو نہیں پایا۔ یزید بن عبداللہ کی عمر حضرت ابو ہریرہؓ (۵۸ھ) کی دفات کے وقت ۲۶ سال کے قریب تھی۔ تحمل روایت میں سب سے زیادہ سختی کوفیوں کے ہاں تھی وہ بھی بیس سال کی عمر پر کسی سماع سے نہیں روکتے تھے اب ہم یہ کیسے تسلیم کرلیں کہ یزید بن عبداللہ اس عمر تک حضرت ابو ہریرہؓ جیسی عظیم شخصیت سے بیگانہ رہے ہوں۔

حدیث مذکور آپ ﷺ کی روضہ مبارکہ کی حیات پر نص ہے۔ رد اللہ علی روحی سے جو ابہام پیدا ہوتا تھا وہ امت کے دائمی صلوٰۃ وسلام اور وہاں ہر وقت کی حاضری خاص وعام کے باعث کسی درجہ میں درخور اعتناء نہیں۔ افسوس صد افسوس کہ ہمارے بعض کرم فرما ان روایات سے کھلا تصادم کہہ رہے ہیں۔ جن میں جمعہ کے دن آپ پر صلوٰۃ وسلام کے پیش ہونے کا بیان ہے سو مناسب ہوگا کہ اس اضطراب کو بھی رفع کرلیا جائے۔ معلوم رہے کہ یہ اضطراب سند کا نہیں مضمون کے ظاہر کا ہے اور اس میں تطبیق ممکن ہے۔

المبحث الثالث: کشف الحجاب عن وجہ الاضطراب

حضرت ابوالدرداءؓ کی روایت ابن ماجہ کے حوالے سے آپ کے سامنے آچکی ہے۔ اس میں درود پڑھتے ہی اس کے پیش ہونے کا بیان ہے۔

"ان احد الن یصلی علیّ الا عرضت علی صلوتہ حتی یفرغ منھا"

ترجمہ: کوئی مجھ پر درود نہیں پڑھتا مگر یہ اس کے فارغ ہوتے ہی مجھ پر پیش کردیا جاتا ہے۔

اس میں جو پہلے یوم جمعہ کی فضیلت اور صلوٰۃ وسلام پیش ہونے کا بیان ہے۔ اس میں فضیلت کے اوقات میں درود جیسے اعمال صالحہ کی ترغیب ہے۔ صلوٰۃ وسلام پیش ہونے کے لئے جمعہ کی تخصیص نہیں، یہ حقیقت ہے کہ اوقات فاضلہ میں اعمال صالحہ کا درجہ اور زیادہ بلند ہوجاتا ہے[1]۔ حضرت اوس بن اوسؓ کی روایت کا مفاد بھی یہی ہے حصن حصین کے الفاظ: "لیس یصلی علیّ احد یوم الجمعۃ الا عرضت علیّ" میں بھی جمعہ کے دن پیش ہونے کی

[1] ان العمل الصالح زید فضلا بواسطۃ فضل الوقت وعلی ھذا لاحاجۃ الی تقیید العرض بیوم الجمعۃ قالہ السندھی

تخصیص نہیں جمعہ کے دن درود پڑھنے پر اس کے پیش ہونے کی یہ بشارت ہے اور جو یوم جمعہ کی فضیلت میں فرمایا:
''فانہ مشھود تشھدہ الملئکۃ''

ترجمہ: اس دن فرشتے حاضر رہتے ہیں۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ جمعہ کے ماسوا باقی دنوں میں فرشتے بالکل حاضر نہیں ہوتے، بلکہ یہاں مراد کثرت شہود ہے، نہ یہ مطلب ہے کہ روضہ منورہ پر صلوٰۃ وسلام عرض کرنے والے فرشتے ہی اس دن حاضر ہوتے ہیں۔ اس مقصد کے لئے تو اللہ تعالیٰ نے سیاح فرشتوں کی ایک مستقل جماعت مقرر کر رکھی ہے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی یہ روایت آپ پڑھ آئے ہیں حضور ﷺ نے فرمایا: ''ان للہ ملئکۃ سیاحین فی الارض یبلغونی من امتی السلام[1]''
(نسائی ج ۱ ص ۱۴۳، داری ص ۳۷۲)

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ کے فرشتے سیاحت ارض پر مقرر ہیں جو میری امت کا سلام مجھے پہنچاتے رہتے ہیں۔

یہاں اس سیاحت کے لئے یوم جمعہ کی کوئی تخصیص نہیں۔ اگر اوقات فضیلت میں اعمال فضیلت کی ترغیب دلائی جائے، تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہ اعمال یا ان کی شان ان اوقات ہی میں منحصر ہو کر رہ گئی ہے۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ ان اوقات فضیلت میں عرض صلوٰۃ وسلام بھی بعض خصوصیات کا حامل ہو۔

پیش نظر رہے کہ ان روایات میں عرض صلوٰۃ وسلام کے لئے اگر جمعہ کی تخصیص نہیں تو ہر روز کی بھی تصریح نہیں۔ یہاں عرض صلوٰۃ وسلام کا محض اجمالی بیان ہے جن روایات سے درود پڑھتے ہی اس کا پیش ہونا متبادر ہوتا ہے، اسے بھی ہم ہر روز پیش ہونے کے لئے تصریح نہیں کہہ سکتے۔ ہو سکتا ہے وہ جمعہ کے دن ہی پیش ہونے کا بیان ہو۔ اس لئے کہ وہ روایات بھی تو فضیلت جمعہ کے ضمن ہی میں وارد ہوئی ہیں۔

بعض روایات میں عرض صلوٰۃ وسلام کے لئے یوم جمعہ کی تصریح بھی موجود ہے لیکن ان کی سندیں ضرور محل کلام ہیں۔ سنن سعید بن منصور میں یہ مرسل روایت مروی ہے: ''ان صلوٰۃ امتی تعرض علی فی کل یوم جمعۃ''
(منتقی الاخبار ج ۳ ص ۲۱۰ مصر)

ترجمہ: بے شک میری امت کا درود مجھ پر ہر جمعہ کے دن پیش ہوتا ہے۔

ان روایات کی روشنی میں اگر پہلی سب روایات کے اجمال کو اٹھالیں تو غایت مافی الباب یہ ہوگا کہ ہر جمعہ امت کے صلوٰۃ وسلام فرشتوں کے توسط سے روضہ اطہر پر پیش ہوتے ہیں۔

اب اس کے مقابلہ میں ان روایات کو لیجئے جن میں یوم الجمعہ کی نہ تخصیص ہے نہ ذکر، بلکہ عمومی طور پر صلوٰۃ وسلام

[1] علامہ عزیزی لکھتے ہیں یہ حدیث صحیح ہے۔ (السراج المنیر ج ۱ ص ۵۱۴) اس کی سند میں زاذان راوی حدیث ہے۔ امام ابن معین انہیں ثقہ قرار دیتے ہیں۔ ابن سعد ثقہ اور کثیر الحدیث قرار دیتے ہیں خطیب اور عجلی نے بھی ثقہ کہا ہے۔ ابن عدی اور حاکم نے بھی اس کی توثیق کی ہے۔ (تہذیب ج ۳ ص ۳۰۳) حافظ ابن القیم لکھتے ہیں: ''وزاذان من الثقات روی عن اکابر الصحابۃ کعمر وغیرہ وروی لہ مسلم فی صحیحہ قال یحیی بن معین ثقۃ وقال حمید بن ھلال وقد سئل عنہ ھو ثقۃ لا تسأل عن مثل ھؤلاء
(کتاب الروح ص ۵۹)

پیش ہوتے رہنے کا بیان ہے۔ ابوداؤد میں ہے: "مامن احد یسلم علیّ الا رد اللہ علیّ روحی فارد علیہ السلام[1]"

ترجمہ: جب بھی کوئی مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح کو میری طرف متوجہ فرما دیتے ہیں پس میں اس کا جواب دیتا ہوں۔

اس میں صلوٰۃ وسلام پڑھتے ہی اس کے پیش ہوتے رہنے کا بیان ہے۔ نہ جمعہ کی کوئی تخصیص نہ اس کا کوئی پہلے ذکر ہے۔ غنیۃ الطالبین کی روایت میں بھی یہ الفاظ ملتے ہیں۔ یہ مفہوم یقیناً ان روایات سے متعارض ہے جن میں عرض صلوٰۃ وسلام کے لئے یوم جمعہ کی تخصیص تصریحاً یا تفسیراً تسلیم کر لی گئی ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا ان دو متعارض مضامین میں کوئی صورت مطابقت ہے ایک طرف کی روایات میں ہر جمعہ کے دن عرض صلوٰۃ وسلام متبادر ہوتا ہے اور توسط ملائکہ کا تذکرہ ملتا ہے اور دوسری طرف کی روایات ہر روز بلکہ ہر آن عرض صلوٰۃ وسلام کا پتہ دے رہی ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ ان روایات کو متصادم قرار دے کر کیا اضطراب فی الروایۃ کا دعوے کر دیا جائے گا یا اس تعارض کو اٹھانے کی کوشش کی جائے؟ کیا کسی محدث یا شارح حدیث نے محض اس بنا پر اس روایت کو مضطرب قرار دیا ہے؟ ہرگز نہیں۔ من ادعی فعلیہ ان یأتی بالنقل!

لیجئے مزید بحث کی ضرورت نہیں خود ارشاد نبوت ہی اس اضطراب کو رفع کر دیتا ہے حضور ﷺ نے فرمایا:

"من صلی علیّ عند قبری سمعتہ و من صلی علیّ نائیا بلغتہ" (رواہ ابوالشیخ بسند جید کما فی الفتح ج ۱ ص ۳۳۰)

ترجمہ: جو میرے روضہ پر آ کر مجھ پر درود پڑھے اسے میں خود سنتا ہوں اور جو دور سے پڑھے وہ مجھے پہنچایا جاتا ہے۔

---

[1] رواتہ ثقات (فتح الباری ج ۶، ص ۳۸۸۔ پ ۱۳ ص ۲۷۹) رواتہ ثقات (فتح الملہم ج ۱، ص ۳۳۰) اسنادہ ھکذا حدثنا محمد بن عوف اخبرنا المقری اخبرنا حیوۃ عن ابی صخر حمید بن زیاد عن یزید بن عبداللہ بن قسیط من اواخر کتاب المناسک و تقدیر الکلام مامن احد یسلم علیّ الا رد علیہ ﷺ لانی حیّ اقدر علیہ (کذا فی الشرح ج ۲ ص ۱۶۹) قال المحدث السخاوی یؤخذہ من ھذہ الاحادیث انہ ﷺ حی علی الدوام و ذلک انہ محال عادۃ ان یخلو الوجود کلہا من واحد یسلم علیہ فی لیل و نہار و نحن نؤمن و نصدق بانہ ﷺ حی یرزق فی قبرہ و ان جسد الشریف لاتاکلہ الارض و الاجماع علی ھذا۔ (القول البدیع ص ۱۲۵) رد اللہ علیہ روحہ لاجل سلام من یسلم علیہ و استمرت فی جسدہ ﷺ لا انہا تعاد ثم تنزع ثم تعاد (القول البدیع ص ۱۲۷) قال المحدث انور شاہ کشمیری الظاہر منہ انہ لم یوجد ھنالک نقل من موطن الی موطن وانما ھو نقل من حالۃ الی حالۃ و تبدیلہا و لعل المراد بحدیث الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون انہم ابقوا علی ھذہ الحالۃ و لم تسلب عنہم (تحیۃ الاسلام ۳۶)

اس صورت میں معنی حدیث شریف یہ ہوں گے کہ جب کوئی سلام بھیجتا ہے تو خداوند کریم آپ کی روح پر فتوح کو اس حالت استغراق فی ذات اللہ و تجلیات اللہ سے...... ہوش فرما دیتا ہے جو نسا امتی آپ پر سلام عرض کرے گا اس کی طرف کا شعبہ لوٹے گا ارتداد جملہ شعب لازم نہیں اور ظاہر ہے۔ اس شعبہ کا ارتداد باعث اطلاع سلام معلوم تو ہوگا پر موجب زوال استغراق مطلق نہ ہوگا۔

(مکتوبات شیخ الاسلام مولانا مدنی ج ۱ ص ۲۴۵)

والمعنی ان اللہ سبحانہ یرد روحہ الشریف عن استغراقہ المنیف لیرد علی مسلمہ

(شرح الشفا للملا علی القاری ج ۲ ص ۱۴۲ مصر، والتفصیل فی نسیم الریاض للخفاجی ج ۳ ص ۴۹۹)

بات صاف ہوگئی کہ درود پڑھنے اور پہنچنے کی دو صورتیں ہے۔ مذکورہ بالا دونوں قسم کی روایات کو ان پر منطبق کرلو۔ روضہ منورہ کے پاس حاضر ہوکر درود پڑھنا ہر وقت پہنچتا ہے اور دور سے پڑھنا جمعہ کے دن فرشتوں کے توسط سے پہنچایا جاتا ہے جب اس تقسیم پر غور کیا تو امام احمد کی ایک روایت ''مامن احد یسلم علی'' کے مضمون کی اور وضاحت ہوگئی حضور ﷺ نے فرمایا: ''مامن احد یسلم علی قبری الا رد اللہ علیّ روحی''

لیجئے! رفع تعارض اور تطبیق بین القولین کے لئے ''عرض سلام بوقت تسلیم'' کا جو مطلب ہم نے بتایا تھا کہ یہ قریب روضہ کے لئے ہے۔ وہی مضمون ''علی قبری'' کی عبارت میں خود الفاظ نبوت ہوکر سامنے آگیا ہے۔

وکم من عائب قولا صحیحا وآفته من الفهم السقیم

سیدنا ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''درود وسلام پہنچانے کے فرشتوں کا تقرر اس شخص کے ساتھ مخصوص ہے جو روضہ اطہر سے دور ہو۔'' (مرقات ج ۲ ص ۶)

نیز از ابن عمرؓ آمدہ من صلی علیّ عند قبری ردت علیہ و من صلی علیّ فی مکان آخر بلغونیہ

(جذب القلوب ص ۱۸۲ مصنفہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی)

ترجمہ: جو مجھ پر میری قبر کے پاس آکر درود پڑھے میں اسے اس پر لوٹاتا ہوں اور جو اس کے سوا کسی اور جگہ سے پڑھے تو وہ مجھے فرشتے پہنچاتے ہیں۔

باقی رہا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت میں فانکم لا تدرون لعل ذلک یعرض علیہ (ابن ماجہ ص ۶۵) کے الفاظ، سو اس لفظ ''لعلّ'' میں درود پہنچنے کی کسی تیسری صورت کا ذکر نہیں بلکہ اس کی قبولیت اور عدم قبولیت کے احتمالات کا بیان ہے[1] یعنی درود شریف اچھی طرح پوری توجہ ہی سے پڑھا جائے، تبھی حضور ﷺ کی خدمت میں پہنچتا ہے۔

مبتدعین کا یہ کہنا کہ براہ راست سننے اور بتوسط ملائکہ پہنچنے کا فرق قرب و بعد کے لئے نہیں بلکہ محبت اور عدم محبت کے لئے ہے جو محبت سے درود پڑھے، وہ خود سنتے ہیں اور دوسرا فرشتوں کی وساطت سے پہنچایا جاتا ہے، یہ سب وسوسے اور توہمات ہیں تحقیق میں ان کا کوئی مقام نہیں، درود شریف تو پڑھا ہی محبت سے جاتا ہے۔ خواہ روضے کے پاس حاضر ہو خواہ دور سے پڑھ رہا ہو وہ کون سا بدبخت ہوگا جو محبت کے بغیر درود پڑھتا ہو۔ کامل ترین محبت کے بغیر تو ایمان ہی مکمل نہیں ہوتا۔ یاد رکھیے حضور ﷺ پر وہی درود پیش ہوتا ہے جو پوری توجہ اور محبت سے پڑھا جائے، روضہ پر حاضری ہو تو خود سماعت فرماتے ہیں، دور سے پڑھا جائے تو فرشتوں کے توسط سے پہنچتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ عرض صلوٰۃ وسلام کی روایات میں کوئی تعارض نہیں۔ اگر پہلی روایات کی بعض مرسل اور کمزور روایات کی روشنی میں یوم جمعہ کے ساتھ تخصیص نہ کریں تو پھر تو تعارض کا سوال بالکل پیدا نہیں ہوتا۔ قرب و بعد کا صلوٰۃ وسلام ہر روز بلکہ ہر ساعت پہنچتا ہے اور اگر ان روایات کے اجمال کی بعض کمزور اور مرسل قسم کی روایات کے ساتھ تفصیل کردی جائے اور تبلیغ صلوٰۃ وسلام کو یوم جمعہ سے خاص سمجھا جائے، تو پھر اس کی تطبیق دوسری روایات سے یوں ہوگی کہ قریب کے صلوٰۃ وسلام کے لئے تو کسی وقت کی تخصیص نہیں اور دور کا مجموعی طور پر جمعہ کے دن پیش ہوتا ہے۔

[1] ان الترجی فی قبولیۃ الصلوٰۃ فان عرضۃ لا یکون الا بشرط القبول لعدم اختلاطہ بالریاء

نوٹ: طبرانی کی ایک روایت میں لیس من عبد یصلی علی الابلغنی صلوٰتہ کے الفاظ ہیں حافظ ابن قیم کی جلاء الافہام میں یہ حدیث نقل کی گئی ہے لیکن تصحیف کاتب سے بلغنی صلوٰتہ کے بجائے بلغنی صوتہ لکھا گیا ہے۔ ناظرین طبرانی کے حوالے سے جلاء الافہام کے حوالے میں تصحیح فرمالیں طبرانی کی روایت میں سعید بن ابی ہلال اور حضرت ابوالدرداءؓ کے مابین انقطاع ہے۔

المبحث الرابع: فی تصحیح المتقدمین

بحث ثانی میں ہم اس حدیث کی صحیح سند سے فارغ ہو چکے ہیں۔ ہم نے وہاں ابتداء امام نووی کی تصحیح سے، کی اس پر ہم سے یہ مطالبہ کیا گیا کہ ہم اس کی صحت متقدین سے کریں۔ اصولا یہ مطالبہ صحیح نہیں قرون وسطی کے ائمہ فن پر اعتماد نہ کرنا سلف سے ایک کھلا خروج ہے۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ (۲۴۱ھ) امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ کے جلیل القدر استاد اور خود امام مجتہد ہیں۔ آپ سے پوچھا گیا اگر کوئی حضور ﷺ کے روضہ پر سلام عرض کرے تو کیا آپ ﷺ سنتے ہیں؟ اس وقت آپ کے پاس یہی روایت مستحضر تھی کہ جب کوئی شخص مجھ پر سلام پڑھتا ہے تو اللہ تعالی میری روح کو مجھ پر متوجہ کر دیتے ہیں حافظ ابن تیمیہؒ (۷۲۸ھ) لکھتے ہیں: ''والامام احمد اعلم الناس فی زمانہ لما سئل عن ذلک لم یکن عندہ بما یعتمد علیہ فی ذلک من الحدیث الاحدیث مامن رجل یسلم علی الا رد اللہ علی روحی حتی ارد علیہ''

(فتاوی ابن تیمیہ ج ۲۷ ص ۲۲۶)

ترجمہ: امام احمد نے اپنے زمانے کے سب سے بڑے عالم تھے جب آپ سے یہ بات پوچھی گئی تو آپ کے پاس اس وقت سوائے اس حدیث کے اور کوئی روایت نہ تھی جس پر کہ اعتماد کیا جا سکے۔ وہ یہ کہ جب کوئی شخص مجھ پر سلام پڑھتا ہے اللہ تعالی میری روح کو مجھ پر لوٹا دیتا ہے یہاں تک کہ میں اس کا جواب دوں۔

حضرت امام احمد نے خود بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ (مسند امام احمد ج ۲ ص ۵۲۷)

پھر امام ابوداؤد (۲۷۵ھ) خود بھی تو متقدمین میں سے ہیں اور امام احمد کے شاگرد ہیں۔ آپ اپنی سنن میں جس حدیث پر سکوت فرمائیں وہ آپ کے نزدیک صالح للاحتجاج ہوتی ہے اگر وہ آپ کے ہاں کسی جہت سے مجروح ہوتی تو آپ اس پر جرح کر دیتے۔ آپ نے حضرت ابوہریرہؓ کی اس حدیث پر سکوت فرمایا ہے اور یہ آپ کے نزدیک صالح للاحتجاج ہے۔

''مالم یذکر فیہ شیاء فھو صالح'' (تدریب الراوی ص ۵۵)

امام ابوداؤد نے لکھا ہے: ''میں نے اس کتاب میں کوئی ایسی حدیث نہیں لی جس کے ترک پر سب کا اتفاق ہو۔'' (مرقات ج ۱ ص ۲۴)

محدث کبیر مولانا ظفر احمد عثانی لکھتے ہیں: ''ابوداؤد نے اسے سند صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے اور اس پر ایک جماعت نے اعتماد کا اظہار کیا ہے۔ امام سبکی کہتے ہیں یہ اعتماد بالکل صحیح ہے۔''

(اعلاء السنن ج ۱۰ ص ۳۳۴)

حضرت مولانا عبدالجبار غزنوی

ابوداؤد اور بیہقی روایت کرتے ہیں: "مامن احد یسلم علی الا رد اللہ علی روحی فارد علیہ"
(اثبات الالہام والبیعۃ ص ۲۳۶)

سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز

سنن ابی داؤد میں ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح مجھ پر لوٹا دیتا ہے یہانتک کہ میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔ (الحج والعمرۃ والزیارۃ ص ۱۵۱)

المبحث الخامس: فی معنی رد الروح

فصل اوّل میں ہم اس بحث سے فارغ ہو چکے ہیں کہ آنحضرت ﷺ پر جس طرح دنیا میں صلوٰۃ وسلام "روح انور اور جسد اطہر" کے مجموع پر آپ کی ذات مبارک پر پڑھا جاتا تھا وفات سید کائنات کے بعد بھی درود وسلام اسی جسد اطہر پر پیش ہوتا ہے جو بہ تعلق روح فائز الحیات ہے گو وہ حیات کلی طور پر اس دنیا کی سی نہ ہو۔ اس پر شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ نے جو عملی شرح فرمائی ہے وہ بھی آپ کے سامنے آچکی اور یہ بات بھی کھل کر سامنے آگئی کہ یہ سارا معاملہ اس صورت میں ہے کہ درود پڑھنے والا خود روضہ انور پر حاضر ہو۔ وہاں آپ ہر ایک کا درود وسلام خود سنتے ہیں۔

رئیس المحدثین حضرت مولانا سید انور شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: "رواہ ابو داؤد فی رد روحہ حین یسلم علیہ لیس معناہ انہ یرد روحہ انہ یحیی فی قبرہ بل توجہ من ذلک الی ھذا الجانب فھو حی فی کلتا الحالتین" (فیض الباری ج ۲ ص ۶۵)

ترجمہ: ابوداؤد کی روایت میں سلام کے وقت آپ کی روح لوٹنے کا جو ذکر ہے اس کا یہ معنی نہیں کہ آپ کی روح اس طرح لوٹائی جاتی ہے کہ آپ کو آپ کی قبر میں زندہ کیا جائے بلکہ اس سے مراد آپ کو اس طرف متوجہ کرنا ہے زندہ تو آپ دونوں حالتوں میں ہیں۔ (اب درود شریف پیش ہونے کے وقت بھی اور اس سے پہلے بھی)

حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوریؒ لکھتے ہیں: "فاذا ابلغہ سلام احد من الامۃ رد اللہ روحہ المطھرۃ من تلک الحالۃ الی رد من سلم علیہ" (بذل المجہود ج ۳ ص ۲۰۷)

ترجمہ: جب آپ کو امت میں سے کسی کا سلام پہنچتا ہے تو اللہ تعالیٰ آپ کی روح اطہر کو اس حالت سے ادھر لوٹاتا ہے کہ آپ سلام کہنے والے پر جواب لوٹا سکیں۔

"فھی دائما تعرض علیہ بواسطۃ الملئکۃ الا عند روضتہ فیسمعھا بحضرتہ" (ایضاً ج ۱ ص ۱۶۰)

ترجمہ: درود شریف آپ پر فرشتوں کے واسطہ سے پیش ہوتا رہتا ہے دائما مگر آپ کے روضہ انور کے پاس وہاں آپ اسے خود سنتے ہیں۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کا یہ حوالہ یاد رکھنے کے لائق ہے۔ آنحضرت ﷺ کا زائر کے سلام کا جواب دینا یقینی اور متفق علیہ ہے اور غیر زائر کو جواب دینا علماء کے نزدیک مختلف فیہ ہے بعض روایات کی

بنا پر علماء نے جمع کی یہ صورت بیان فرمائی ہے کہ سلام غائب کی صرف بذریعہ ملائکہ تبلیغ ہوتی ہے اور سلام حاضر کی تبلیغ بھی ہوتی ہے اور سماع بھی لہٰذا قریب سے صلوٰۃ وسلام کو ترجیح اور فضیلت حاصل ہوتی ہے کیونکہ زائر کی آواز کا آنحضرت ﷺ کے گوش مبارک تک پہنچنا بڑے شرف اور مجد کی بات ہے۔ (مکتوبات شیخ الاسلام ج ۱ ص ۲۴۳)

حضرت مولانا عبدالجبار غزنوی لکھتے ہیں: ''بیشک حقیقۃ رسول اللہ ﷺ اس جہان میں حاضر اور زندہ نہیں مگر حکماً ہیں'' (کیونکہ یہاں سے وہاں ہمارا سلام سنتے ہیں)

ابوداؤد اور بیہقی روایت کرتے ہیں: ''مامن احد یسلم علی الارد اللہ علی روحی فارد علیہ''

ترجمہ: جب کوئی شخص مجھ کو سلام کہتا ہے اس وقت اللہ جل شانہ میری روح مجھ پر لوٹاتا ہے اور میں اس کو جواب سلام دیتا ہوں۔

پس جب کہ ہمارا سلام آپ کو پہنچ جاتا ہے اور آپ ہم کو جواب دیتے ہیں تو یہ خطاب غیر محل نہ ٹھہرا۔

دوسری روایت میں ہے: ''ان للہ ملئکۃ سیاحین فی الارض یبلغون من امتی السلام رواہ النسائی و ابن حبان فی صحیحہ والحاکم وصححہ'' (اثبات الالہام والبیعہ ص ۲۳۶)

الفصل الخامس میں وہ حدیث بھی آرہی ہے جس میں قبر مبارک کے قریب درود پڑھنے اور دور سے پڑھنے کا فرق بتلایا گیا ہے۔ قریب سے پڑھا جانے والا درود پاک آپ خود سنتے ہیں اور دور سے پڑھا جانے والا آپ کی خدمت میں فرشتے پہنچاتے ہیں اس کی دو سندوں میں سے ایک کمزور اور دوسری عمدہ ہے اس کی پوری بحث آگے آئے گی۔ یہاں صرف یہ بتلانا مقصود ہے کہ اس حدیث کا مضمون حضرت ابوہریرہؓ کی اس حدیث سے بھی پوری وضاحت سے ثابت ہے اور عجیب اتفاق یہ کہ وہ حدیث بھی حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے اور یہ بھی۔

اس حدیث میں ہے قریب سے پڑھا گیا درود شریف آپ خود سنتے ہیں۔ اس حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ جواب بھی دیتے ہیں۔ اس میں ہر ایک کا صلوٰۃ وسلام سنے جانے کی صراحت نہیں۔ اس میں ہر ایک کے صلوٰۃ وسلام پر حضور کی روح مقدسہ کا متوجہ ہونا مذکور ہے۔ اس حدیث میں دور سے پڑھنے والے کے درود وسلام کا بواسطہ ملائکہ پہنچنا مذکور ہے اور اس حدیث میں دور سے صلوٰۃ وسلام پڑھنے والے کا سرے سے کوئی ذکر نہیں۔ ہاں اس حدیث کا یہ مضمون ایک اور حدیث میں اس صراحت سے موجود ہے جیسا کہ وہ حضرت ابوہریرہؓ کی اس حدیث میں مذکور ہے مولانا عبدالجبار غزنویؒ نے بھی اسے نقل کیا ہے اور صحیح ابن حبان کا حوالہ بھی دیا ہے۔

المبحث السادس: فی سیاحۃ الملئکۃ

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''ان للہ ملئکۃ سیاحین فی الارض یبلغونی من امتی السلام'' (سنن نسائی ج ۱ ص ۱۴۳)

ترجمہ: بے شک خدا تعالیٰ کے فرشتے زمین میں سیاحت پر مقرر ہیں وہ میری امت کا سلام مجھے پہنچاتے ہیں۔

یہ فرشتے پورے صفحۂ زمین پر سیاحت کرتے ہیں اور جہاں کسی امتی نے حضور ﷺ پر درود پڑھا وہ زمین پر سیاحت کرتے روضہ انور پر حاضری دیتے ہیں اور مسلمانوں کا پڑھا درود آنحضرت کے حضور ﷺ پیش کرتے ہیں۔

یہ سارا کام زمین پر ہوتا ہے۔ درود پڑھنے والے اور جس ذات اقدس پر درود پڑھا جارہا ہے سب اسی

زمین پر ہیں تبھی تو وہ فرشتے زمین کے سیاح ہیں۔ اگر آپ کی حقیقی قبر زمین پر مدینہ میں نہ ہوتی اعلیٰ علیین میں ہوتی تو وہ فرشتے سیاحین فی الارض نہ ہوتے بلکہ سیاحین بین الارض والسماء ہوتے۔

یہ حدیث دور سے صلوٰۃ وسلام پڑھنے والوں کے بارے میں ہے ان کا سلام فرشتے پہنچاتے ہیں قریب سے سلام پڑھنے والوں کے بارے میں حضرت ابوہریرہؓ کی یہ حدیث ہے کہ جب کوئی مسلمان مجھ پر (میری قبر کے پاس) درود پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح کو اس پر متوجہ کردیتا ہے جس سے اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔

ان دونوں حدیثوں کو جمع کریں تو یہ بات نکھر کر سامنے آتی ہے کہ آنحضرت ﷺ قریب سے پڑھے گئے درود وسلام کو خود سنتے ہیں اور دور سے پڑھا آپ کو فرشتوں کے توسط سے پہنچایا جاتا ہے ہمارے پاس اگر ابوالشیخ کی حضرت ابوہریرہؓ والی حدیث نہ بھی ہوتی اور نہ ہی حضرت ابن عمرؓ والی حدیث جسے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے اپنی کتاب جذب القلوب میں نقل فرمایا ہے تو بھی ہمارا یہ مسئلہ ان دو احادیث سے عبارۃ النص سے ثابت ہے اور یہ دونوں حدیثیں صحیح ہیں۔

حضرت مدنیؒ نے اسے یقینی اور متفق علیہ مسئلہ قرار دیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اس میں اہل حق میں سے کسی کا اختلاف نہیں شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی کے صاحبزادے شیخ عبداللہ نے اپنے عقائد پر جو رسالہ لکھا ہے (جسے مولانا محمد اسماعیل غزنوی نے اردو میں ترجمہ کیا ہے) اس کے ص ۶۵ پر علمائے نجد کا عقیدہ اس باب میں اس طرح لکھا ہے: ''اور حضور ﷺ کی زندگی قبر میں برزخی زندگی ہے جو شہداء کی زندگی سے بہت اعلیٰ ہے قرآن شریف کی آیات اس پر نصوص ہیں کیونکہ حضور ﷺ شہداء سے بلاشک وریب افضل ہیں ہمارا عقیدہ ہے کہ جب کوئی مسلمان آنحضرت ﷺ پر سلام کہے تو آپ اس کا سلام سنتے ہیں۔''

پھر آگے ص ۱۲۰ پر آں شیخ علامہ مجدد شیخ محمد بن عبداللطیف کا عقیدہ بھی بایں طور مرقوم ہے: ''اور آپ کی قبر پر جو آپ کو سلام کہتا ہے آپ سنتے ہیں۔''

مسئلہ مذکورہ میں اگر کسی قسم کے اختلاف کی گنجائش ہوتی تو علمائے نجد کبھی اس طرح کھل کر آپ ﷺ کے سماع عندالقبر کے قائل نہ ہوتے سو بات اسی طرح ہے جیسا کہ حضرت گنگوہیؒ اور حضرت مدنیؒ نے تصریح فرمائی ہے کہ انبیاء کرام کے سماع عندالقبر میں کسی عالم کا کوئی اختلاف نہیں۔ اہل حق کے ہاں یہ ایک یقینی اور متفق علیہ مسئلہ ہے۔

الفصل الثالث... وفیہ ستة من المباحث

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔۔۔ اَمَّا بَعْدُ!

''حدثنا هداب بن خالد وشيبان بن فروخ قال اخبرنا حماد بن سلمة عن ثابت البناني وسليمان التيمي عن انس بن مالک ان رسول اللہ ﷺ قال اتيت وفي رواية هداب مررت على موسى ليلة اسري بي عند الكثيب الاحمر وهو قائم يصلي في قبره'' (مسلم ج ۲ ص ۲۶۸، نسائی ج ۱ ص ۱۸۵)

ترجمہ: حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا معراج کی رات میں سرخ ٹیلے کے قریب موسیٰ ﷤ کے پاس سے گزرا کیا دیکھتا ہوں کہ وہ اپنی قبر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے ہیں۔

اس حدیث میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قبر شریف میں زندہ ہونا اور نماز پڑھنا بصراحت مذکور ہے قرآن عزیز فرماتا ہے: ''وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ فَلَا تَکُنْ فِیْ مِرْیَۃٍ مِّنْ لِّقَآئِہٖ'' (پ ۲۱، السجدہ ۲۳)

ترجمہ: اور ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب دی پس ان کی ملاقات میں کسی قسم کا شک نہ کریں۔

یعنی آپ جو شب معراج میں موسیٰ علیہ السلام کو ملے تھے، وہ امر واقع اور سچی حقیقت تھی یہ کوئی خواب یا کسی مثالی وجود اور روح کی ملاقات نہ تھی اور نہ ہی کوئی دھوکہ یا نظر بندی تھی آپ یقیناً اسی شخصیت کو ملے تھے جسے ہم نے تورات دی تھی ظاہر ہے کہ یہ تورات دینا کسی مثالی وجود کو نہ تھا اور نہ ہی وہاں روح متمثل ہو رہی تھی بلکہ تورات لینے والے خود موسے علیہ السلام تھے جن کا جسم عنصری تھا۔ انہی کو آنحضرت ﷺ نے شب معراج میں دیکھا تھا۔ قرآن کہتا ہے کہ آپ اس موسے کی ملاقات میں ہرگز شک نہ کریں۔ اور اگر یہ آئندہ ملاقات کی خبر ہے تو بھی اس میں شک نہ کریں، ملاقات ہو کر رہے گی۔ اس کی مفصل بحث ہم پہلے کر آئے ہیں۔ (دیکھیے ص.........از کتاب ہذا)

المبحث الاوّل

یہ سوال پیدا کیا جاتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قبر منور میں زندہ موجود تھے تو پھر بیت المقدس میں ان کا حاضر ہونا اور باقی انبیاء کے ساتھ حضور ﷺ کی اقتداء میں نماز پڑھنا اور پھر آسمانوں پر حضور ﷺ کو ملنا اور پھر آپ کی واپسی پر نمازوں کی تخفیف کے لئے آپ سے مذاکرہ کرنا، آخر ان تمام ملاقاتوں کا محل کیا ہوگا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ قبر میں بھی زندہ موجود ہوں بیت المقدس میں بھی حاضر ہوں اور ملاء اعلیٰ میں بھی تشریف فرما ہوں یہاں بھی ہوں اور وہاں بھی۔ کیا وہ ہر جگہ موجود اور حاضر و ناظر ہیں؟

افسوس ہے کہ یہاں وہ امور زیر بحث لائے جا رہے ہیں، جن کی مدارس عربیہ کے متوسط طالب علموں سے بھی توقع نہیں ہو سکتی تھی۔ وہ بھی جانتے ہیں کہ تعارض کے لئے وحدت زمان شرط ہے۔

در تعارض ہشت وحدت شرط داں

جو یہاں مفقود ہے حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں: ''وصلوتهم فی اوقات مختلفة وفی اماکن مختلفة لایردہ العقل وقد ثبت به النقل فدل ذلک علی حیاتهم'' (فتح الباری کتاب الانبیاء ج ۱۳ ص مصر)

ترجمہ: اور انبیائے کرام کا مختلف اوقات میں مختلف مقامات پر نمازیں پڑھنا یہ ایک ایسی حقیقت ہے کہ عقل سلیم اس سے متصادم نہیں اور نقل صحیح اسے ثابت کر رہی ہے۔ پس یہ ان کے زندہ ہونے پر کافی شہادت ہے۔

یعنی قبر میں نماز پڑھنا پھر بیت المقدس میں نماز پڑھنا اور پھر ملاء اعلیٰ میں ملنا ان سب کے اوقات مختلف ہیں یہاں تعارض لازم نہیں آ رہا۔ فتفکروا یا اولی الابصار!

محدث کبیر امام بیہقیؒ (۴۵۸ھ) فرماتے ہیں: ''فی قصة المعراج انه لقیهم فی جماعة الانبیاء فی السموات وکلمهم وکلموہ وکل ذلک صحیح لایخالف بعضه بعضا فقد یری موسیٰ علیہ السلام قائما یصلی فی قبرہ ثم یسری بموسی وغیرہ الی بیت المقدس کما اسری بنبینا فیراهم فیه ثم یعرج بهم الی السموات کما عرج نبینا ﷺ فیراهم فیه کما اخبرہ وصلوتهم فی اوقات بمواضع مختلفات جائز فی العقل کما ورد بها خبر الصادق وفی کل ذلک دلالة علی حیاتهم'' (حیات الانبیاء للامام البیہقی ص ۸ مصر)

ترجمہ: واقعہ معراج میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ انبیائے کرام کی ایک پوری جماعت کو آسمانوں میں ملے تھے۔ ان سے کلام فرمایا اور انہوں نے آپ سے باتیں کیں یہ سب مضامین صحیح ہیں اور ایک دوسرے سے متعارض نہیں۔ ایک وقت ہے کہ آپ حضرت موسیٰ ﷤ کو ان کی قبر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھتے دیکھ رہے ہیں۔ پھر حضرت موسیٰ ﷤ کو بھی بیت المقدس تک سفر اسراء کرایا گیا۔ جیسا کہ حضور اکرم کو سفر اسراء پیش آیا پس آپ نے وہاں بھی حضرت موسیٰ ﷤ کو دیکھا۔ پھر سب پیغمبروں کو بھی آسمانوں تک (اپنے اپنے مقام میں) معراج کرایا جیسا کہ حضور اکرم ﷺ کو معراج ہوا۔ پس آپ نے وہاں بھی انبیائے کرام کو دیکھا پس انبیائے کرام کا مختلف اوقات میں مختلف جگہوں پر نماز پڑھنا اس پر عقلاً کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا اور نقلاً اس پر قول صادق موجود ہے۔ ان تمام واقعات سے انبیائے کرام کی حیات پر دلالت ہو رہی ہے۔

المبحث الثانی

بعض اوقات کہہ دیا جاتا ہے کہ یہ حیات حضرت موسیٰ ﷤ کی خصوصیت تھی اور اسے واقعہ حال لاعموم لھا کہہ کر نظر انداز کر دیا جاتا ہے جواباً عرض ہے کہ محدثین نے اسے حضرت موسیٰ ﷤ کے ساتھ خاص نہیں کیا۔ بلکہ اس کے برعکس اسے حیات انبیاء کے کلیہ کے ماتحت ذکر کرتے ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی (۸۵۲ھ) اور علامہ شبیر احمد عثمانی (۱۳۶۹ھ) نے یہی موقف اختیار کیا ہے: "فان قیل ھذا خاص بموسی قلنا قدو جد نالہ شاھدا من حدیث ابی ھریرۃ (راجع لہ ص ۳۲۴ مع الفتح) اخرجہ مسلم ایضا من طریق عبد اللہ بن الفضل عن ابی سلمۃ عن ابی ھریرہ رفعہ لقد رایتنی فی الحجر و قریش تسألنی عن مسرای... الحدیث"

ترجمہ: پس اگر یہ کہا جائے کہ یہ حیات موسیٰ ﷤ کی خصوصیت ہے تو ہم کہیں گے کہ ہمیں صحیح مسلم کی روایت سے حضرت ابو ہریرہ ؓ کی حدیث اس کے شاہد کے طور پر مل گئی ہے جس میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا، میں مقام حجر میں تھا اور قریش مجھ سے میرے سفر اسراء کے متعلق سوال کر رہے تھے۔ پھر اسی حدیث میں ہے کہ میں نے اپنے آپ کو انبیاء کی پوری جماعت میں دیکھا موسیٰ، عیسیٰ، ابراہیم ﷩ سب حضرات وہاں جمع تھے۔

محدثین کرام میں سے یہ کسی کا موقف نہیں کہ یہ حیات صرف حضرت موسیٰ کے ساتھ خاص تھی۔ یہ ہمارے نادان دوستوں کی سینہ زوری ہے۔ من ادعی فعلیہ البیان۔

آنحضرت ﷺ نے ایک دفعہ بالکل عالم بیداری میں بحالت سفر حضرت موسیٰ ﷤ اور حضرت یونس ﷤ کو وادی ازرق اور ثنیہ ہرشی میں لبیک پڑھتے ہوئے خاص ہیئت ولباس میں دیکھا۔

(مسلم ج ۱ ص ۸۰۔۸۱ بخاری کتاب المناسک ج ۱ ص ۲۱۰)

آپ نے ایک دفعہ یہ بھی فرمایا کہ میں نے وادی عسفان میں حضرت نوح ﷤ حضرت ہود ﷤ اور حضرت ابراہیم ﷤ کو دیکھا، وہ سرخ اونٹوں پر سوار تھے جن کی مہاریں کھجور کی چھال کی تھیں۔

(رواہ ابو یعلی والطبرانی، قال الحافظ ابن کثیر فیہ غرابۃ، البدایۃ والنہایۃ ج ۱ ص ۱۱۹)

حضرت ابن عباس ؓ کہتے ہیں کہ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ میں نے حضرت ہود اور حضرت صالح ﷩ کو بھی دیکھا ہے۔ (اخرجہ احمد۔ قال ابن کثیر ہذا اسناد حسن، البدایۃ ج ۱ ص ۱۳۸)

یہ واقعات لیلۃ المعراج کے نہیں، بلکہ دوسرے مواقع سے متعلق ہیں پس ایسے انکشافات نہ تو لیلۃ الاسراء سے خاص ہیں اور نہ ہی یہ حیات صرف موسیٰ علیہ السلام کی خصوصیت ہے۔ واللہ اعلم بالصواب و علمہ اتم و احکم فی کل باب!

المبحث الثالث

بعض اوقات یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ قبر کی حیات عنصری اگر تسلیم بھی کر لی جائے تو تمام انبیاء کا اس رات بیت المقدس میں اجساد عنصریہ سے حاضر ہونا اور پھر ملاء اعلیٰ میں اجسام عنصریہ سے پہنچنا ہرگز قرین قیاس نہیں۔ جواباً عرض ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اسی جسد عنصری کے ساتھ دوسرے آسمان سے بیت المقدس میں آنا اگر قرین قیاس ہے تو دوسرے انبیاء کرام کا اپنی اپنی قبور سے وہاں پہنچنا کیوں قرین قیاس نہیں۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اسی جسد عنصری سے ملاء اعلیٰ میں پہنچنا اگر محال نہیں، تو باقی انبیائے کرام کے اجساد مطہرہ کے ساتھ وہاں پہنچنے میں کون سا استبعاد ہے؟ اگر مدار عقل پر ہے تو وجہ استبعاد بتائی جائے اور اگر نقل پر ہے تو پھر اسے استبعاد عقلی کے طور پر پیش نہ کیا جائے۔ آخر نقول تو یہاں بھی موجود ہیں۔

اگر کہا جائے کہ اس رات انبیائے کرام کا اصل اجساد عنصریہ کے ساتھ حاضر ہونا اسے لازم ہے کہ ان کی قبریں کھلیں اور ایسا ہونا اِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ کے خلاف ہے (یعنی قیامت کو قبریں اکھاڑ دی جائیں گی) اس سے پہلے ایسا کبھی وقوع میں نہیں آ سکتا۔ جواباً عرض ہے کہ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معراج کی رات بیت المقدس میں آنا کتاب وسنت کی ان نصوص کے کیوں خلاف نہیں، جن میں ان کا آنا قیامت کے قریب مذکور ہے اگر یہ کہو کہ کتاب وسنت میں ان کی جس آمد کی خبر دی گئی ہے، وہ آمد اصلاح احوال سے اس زمین پر زندگی گزارنے کے لئے ہوگی اور یہ آمد قطعاً اس رات واقع نہیں ہوئی ہم کہیں گے کہ اِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ وغیرہ آیات میں قبروں کی جس اکھاڑ کی خبر دی گئی ہے، وہ وہ ہے جو حساب وکتاب اور حشر کے لئے ہوگی اور ظاہر ہے کہ لیلۃ المعراج میں انبیائے کرام کا اپنی اپنی قبور سے نکل کر بیت المقدس پہنچنا ان مقاصد کے لئے نہ تھا۔ علاوہ ازیں اس کا کیا ثبوت ہے کہ اس رات وہ قبور منورہ نہیں کھلی تھیں۔ رات کا وقت تھا کون وہاں دیکھ رہا تھا۔ جو بیان کرے کہ وہ ہرگز نہ کھلی تھیں، نیز یہاں کوئی حصر نہیں، خوب سمجھ لیا جائے۔

اگر کہا جائے کہ انبیائے کرام اپنی اپنی قبور سے اصل اجسام عنصریہ کے ساتھ تشریف لے گئے تھے تو کیا اتنا عرصہ وہ اپنی اپنی قبور سے علیحدہ رہے تھے جواباً عرض ہے کہ اگر رات کے نہایت مختصر لمحوں میں آنحضرت ﷺ سدرۃ المنتہیٰ سے ہو کر واپس آ سکتے ہیں اور اس کا پتہ کسی کو نہیں چلتا، بستر بھی گرم رہتا ہے۔ تو باقی انبیائے کرام کے اپنی اپنی قبور سے ایک نہایت مختصر لمحے کے لئے چلے جانے میں اور اس طرح چلے آنے میں کسی کو اس کا پتہ نہ چلے اس میں کون سا استحالہ لازم آتا ہے اور کون سا شرعی اصول پامال ہوتا ہے۔ انبیائے کرام اس رات اگر اپنے اجسام عنصریہ کے ساتھ حاضر تھے۔ تو یہ ضروری نہیں کہ اس حاضری کے تحقق کے لئے جو اسباب کارفرما ہوں وہ بھی سب مادی ہوں، جہات مختلفہ یہاں ناممکن نہیں۔ ان نفوس قدسیہ کی مذکورہ حاضری کے لئے جو اسباب عمل میں آئے وہ روحانی تھے پس روحانی طریق سے قبروں کا کھلنا اور پھر بند ہونا یہ کوئی ایسی بات نہیں، جو امر محال ہو اور ایسے موقعوں پر بسا اوقات زمان ومکان کی وسعتیں لپیٹ دی جاتی ہیں اور وہاں تزاحم و تضاد کا وسوسہ بھی باقی نہیں رہتا۔

بایں ہمہ اگر یہ سب انکشافات حقیقت نہ ہوں، وادی ازرق، ثنیہ ہرشی اور وادی عسفان کی یہ ملاقاتیں یا لیلۃ المعراج میں انبیائے کرام کا بیت المقدس میں اجتماع اور ملاء اعلیٰ کے مذاکرات، یہ سب امور ابدان مثالیہ سے متعلق ہوں اور یہ سب مشاہدات عالم مثال کے قرار دیئے جائیں، تو بھی اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قبر شریف میں نماز پڑھنا یہ بھی ایک عالم مثال ہی کا واقعہ تھا۔ امور مذکورہ بالا کو اگر ان تاویلات پر بھی محمول کر دیا جائے، جو ان کے تذکروں میں بطور احتمال ذکر کی گئی ہیں۔ تو بھی یہ مقصود کلام قطعاً متاثر نہیں ہوتا کہ انبیائے کرام کو اپنی اپنی قبور میں جو حیات حاصل ہے، وہ عنصری اور جسمانی ہے نیز یہ کہ وہ تلذذاً معروف عبادت ہیں، یہ عبادت ان کے لئے تکلیفی نہیں۔

ہاں اگر کہا جائے کہ مذکورہ انکشافات میں اور معراج کی ملاقاتوں میں نہ ابدان مثالیہ تھے اور نہ اجسام عنصریہ بلکہ ان انبیائے کرام کی ارواح قدسیہ ہی متمثل ہو رہی تھیں[1] تو پھر یہ وہم ہو سکتا ہے کہ پھر ان کے اجسام عنصریہ قبور شریفہ میں زندہ نہ ہوں گے اس صورت میں ہم عرض کریں گے کہ اگر ارواح مقدسہ رفیق اعلیٰ یا خطیرہ قدسیہ کو اپنا مستقر بنا کر وہاں سے اجسام قبریہ پر اپنی تاثیر دکھا سکتی ہیں اور انہیں فائز الحیات کر سکتی ہیں کہ وہ اجسام عنصریہ بھی اپنی اپنی قبور میں زندہ ہوں تو جہاں وہ ارواح متمثل بصورت جسمیہ ہو رہی ہوں وہاں سے اجسام قبریہ پر وہ کیوں پرتو نہیں ڈال سکتیں اور وہاں اتصال روح کے نتیجے میں حیات کا تحقق کیوں نہیں ہو سکتا۔[2]

نوٹ: اس مبحث میں ہمارا مقصود ان انکشافات کی تحقیق، اس کے ضمن میں مختلف احتمالات کی تطبیق یا کسی ایک توجیہ کا اثبات یا ابطال نہیں، بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اپنی قبر شریف میں زندہ ہونے کے بیان میں جو جو مغالطات عوام کے سامنے لائے گئے ہیں، ان کے الزامی جوابات اور ایراد استبعاد میں دلائل امکانات ہیں نہ ہر صورت ممکنہ کے وقوع کا دعوے ہے اور نہ اس کی ضرورت ہے، کہنا یہ ہے کہ اصل مدعا کسی بھی صورت واقعہ سے متاثر نہیں ہوتا۔

المبحث الرابع

یہ بھی سننے میں آیا ہے[3] کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اپنی قبر شریف میں نماز پڑھنے کی روایت اگرچہ صحیح مسلم میں موجود ہے لیکن قرآن پاک کے خلاف ہونے کی وجہ سے لائق اعتماد نہیں قرآن پاک میں ہے: ''وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ '' (پ ۱۴، الحجر آیت ۹۹)

ترجمہ: اور بندگی کئے جا اپنے رب کی، یہاں تک کہ تجھے وفات آجائے۔

پس جب عبادت موت تک کے لئے ہی ہے تو قبر میں عبادت کرنے اور نمازیں پڑھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ وہ ہرگز دار العمل نہیں پس یہ حدیث جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قبر منور میں نماز پڑھنا مذکور ہے قرآن کے خلاف ہے۔ (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ)

---

[1] قال الشیخ الاکبر فی الفصوص ''الروح یتشکل باشکال مختلفۃ'' (العرف الشذی ص ۱۰)

[2] کما ذھب الیہ ابن القیم ورجع لہ (کتاب الروح ص ۵۴ وزاد المعاد ج ۲ ص ۴۹)

[3] یہ روئیداد ملتان کے ایک درس کی ہے، جو ہمارے محترم دوست ڈاکٹر فیروز الدین صاحب (اندرون بوہڑ گیٹ) نے ہمیں سنائی تھی۔

جواباً عرض ہے کہ دارالعمل کے بعد "وجوبِ عمل" کا انقطاع ہے "نفسِ عمل" کا نہیں قرآن عزیز نے جس عبادت کا حکم دیا ہے۔ اس کی "انتہائے مدت" واقعی موت ہے۔ اس کے بعد عبادت کا نہ حکم ہے اور نہ کسی پر یہ اس عالم میں واجب ہے۔ انبیائے کرام جو عالم برزخ میں (اپنی اپنی قبور میں) نمازیں پڑھتے ہیں، وہ تلذذاً پڑھتے ہیں، وجوباً نہیں۔

"قال القرطبی حببت الیھم العبادۃ فھم یتعبدون بما یجدونہ من دواعی انفسھم لا بما یلزمون بہ" (راجع لہ الفتح ج ا ص ۳۳۰)

خاتم المحدثین حضرت مولانا السید انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں: "ان کثیرا من الاعمال قد ثبتت فی القبور کالاذان والاقامۃ عند الدارمی وقراءۃ القران عند الترمذی" (فیض الباری ج ۲، ص ۱۸۳ مصر)

ترجمہ: بہت سے اعمال قبور شریفہ میں بھی ثابت ہوتے ہیں سنن دارمی کی روایت سے قبر میں اذان واقامت اور ترمذی شریف کی روایت سے قبر میں تلاوت قرآن کا ثبوت ملتا ہے۔

پس جس طرح صَلُّوا خَمْسَكُمْ (تم اپنی پانچ نمازیں پڑھ لیا کرو) میں تہجد کی نفی نہیں، اسی طرح درود موت کے بعد قبر کی زندگی میں نمازیں پڑھنا، تلاوت کرنا وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَأْتِيَكَ الْيَقِيْنُ کے خلاف نہیں۔ مقربین ایزدی کو عبادت میں اس قدر لذت ملتی ہے کہ وجوب ہو نہ ہو، وہ عبادت کو اپنی طبیعت بنا چکے ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن عزیز جنت میں بھی دعا وذکر کی خبر دیتا ہے: "دَعْوٰىهُمْ فِيْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ" (پ ۱۱ یونس ۱۰)

ترجمہ: ان کی دعا اس جگہ یہ ہے کہ اے اللہ! تیری ذات پاک ہے اور ان کا تحفہ ایک دوسرے کو سلام کا ہوگا اور خاتمہ ان کی دعا کا اس پر ہے کہ سب تعریفیں سب جہانوں کے پروردگار کے لئے ہی ہیں۔

پس جب دعا جو مخ العبادۃ ہے یعنی ساری عبادت کا مغز ہے، وہ مرنے کے بعد ثابت ہے، تو پھر یہ کہنا کہ قرآن عزیز اس دارالعمل کے بعد کسی قسم کی عبادت یا ذکر وحمد کی خبر نہیں دیتا۔ قرآن پاک پر اور خود اسلام کے نظریہ مابعد الموت پر کس قدر ظلم ہے۔

فریب کش کش عقل و ذوق راہزنی دارد		کہ میر قافلہ و دیدنی دارد

قال اللہ تعالیٰ! "وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ ... وَقِيْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ" (پ ۲۴ زمر)

ترجمہ: اور جنتی کہیں گے الحمد للہ، جس نے اپنا وعدہ سچا کیا اور وارث کیا ہمیں اس زمین کا...... اور ہر طرف سے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کی آوازیں آئیں گی۔

"وَلَهُ الْحَمْدُ فِي الْاٰخِرَةِ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ" (پ ۲۲ سبا)

ترجمہ: اور آخرت میں بھی اسی کی ہی حمد ہوگی اور وہی ہے حکیم وخبیر۔

"وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰىنَا لِهٰذَا" (پ ۸، اعراف ۴۳)

ترجمہ: اور جنتی کہیں گے الحمد للہ، سب تعریفیں اسی ذات کے لئے ہیں جس نے ہمیں یہاں تک پہنچا دیا۔

حضرت جابرؓ کہتے ہیں، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: "یلھمون التسبیح والتحمید" (مسلم شریف)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور حمد ان کے دلوں میں ڈال دی جائے گی۔

پھر حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: "یسبحون اللہ بکرۃ وعشیا متفق علیہ"

ترجمہ: وہ صبح وشام اللہ تعالیٰ کی تسبیح کہیں گے۔

"فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ" میں تسبیح وتحمید اور استغفار کا حکم تھا۔ اس عالم میں وجوباً اس پر عمل ہوتا رہا بعد ازاں تلذذاً تسبیح وتحمید اور دعاء استغفار کا سلسلہ جاری ہے تسبیح وتحمید کا بیان ہو چکا اب استغفار بھی لیجئے آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

"حیاتی خیر لکم ومماتی خیر لکم تعرض علی اعمالکم فما کان من حسن حمدت اللہ علیہ وما کان من سیئی استغفرت اللہ لکم رواہ البزار باسناد جید" (فتح الملہم ج۱ ص ۴۱۳)

"وکذا عندالبزار بسند جید عن ابن مسعود" (عقیدۃ الاسلام ص ۱۱ مولانا انور شاہؒ)

"بزار برجال صحیح از عبداللہ بن مسعودؓ می آرد۔" (جذب القلوب ص ۱۸۴)

ترجمہ: میری یہ زندگی بھی تمہارے لئے خیر ہے اور بعد الوفات بھی میری حالت تمہارے لئے خیر ہے۔ تمہارے اعمال مجھ پر پیش ہوتے رہیں گے۔ پس جو اچھے ہوں گے، تو یہ میرے لئے سامان تحمید ہوگا اور جو اعمال اچھے نہ ہوں گے اس پر میں دعائے استغفار کرتا رہوں گا۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں: "مجموع روایات سے علاوہ فضیلت حیات واکرام ملائکہ کے برزخ میں آپ (ﷺ) کے یہ مشاغل ثابت ہیں۔ (۱) اعمال امت کا ملاحظہ فرمانا۔ (۲) نماز پڑھنا۔ (۳) غذا مناسب اس عالم کے نوش فرمانا۔ (۴) سلام کا سننا، نزدیک سے خود اور دور سے بذریعہ ملائکہ۔ (۵) سلام کا جواب دینا۔ یہ تو دائما ثابت ہیں، اور احیاناً بعض خواص امت سے یقظہ میں آپ ﷺ کا کلام اور ہدایت فرمانا بھی آثار واخبار میں مذکور ہے اور حالت رؤیا اور کشف میں تو ایسے واقعات حصر واحصاء سے متجاوز ہیں اور ان مشاغل کے ایک وقت میں اجتماع سے تزاحم کا وسوسہ نہ کیا جائے، کیونکہ برزخ میں روح کو پھر خصوصاً روح مبارک کو بہت وسعت ہے امور غیر ثابتہ بالدلیل الصحیح یعنی منفیہ یا مسکوت عنہا کو ثابت یا ثابتہ احیاناً کو ثابت بالدوام ماننا جائز نہ ہوگا، خوب سمجھ لیا جائے۔" (نشر الطیب ص ۳۰۱)

خلاصہ بحث یہی ہے کہ یہ حدیث صلوٰۃ موسیٰ فی القبر بالکل صحیح ہے اور ہرگز قرآن پاک کے خلاف نہیں۔ اسی طرح لیلۃ الاسراء میں انبیائے کرام کا نمازیں پڑھنا اور پھر آن حضرت ﷺ کا ان کی امامت کرانا یہ بھی احادیث صحیحہ سے روز روشن کی طرح ثابت ہے۔ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب!

المبحث الخامس

یہ اعتراض بھی سننے میں آیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قبر میں نماز پڑھنے کی حدیث حضرت انسؓ نے آنحضرت ﷺ سے براہ راست نہیں سنی۔ اس لئے کہ بعض سندوں میں عن انسؓ عن بعض اصحاب النبی ﷺ قال ...... الحدیث کے الفاظ ملتے ہیں۔ پس جب تک اس صحابی کے نام کا پتہ نہ ملے، جس سے حضرت انسؓ نے یہ حدیث سنی تھی، اس وقت تک اسے حجت نہیں سمجھا جا سکتا۔

جواباً عرض ہے کہ صحیح مسلم کی روایت میں حضرت انسؓ براہ راست آنحضرت ﷺ سے اس حدیث کو نقل کر رہے ہیں۔ پس جو سند اس عالی سند سے ٹکرائے گی، نا قابل اعتماد ہوگی، ثانیاً امام نسائی جنہوں نے دونوں طریق اسناد پیش کئے ہیں، خود اسی روایت کو ترجیح دے رہے ہیں۔ جس میں حضرت انسؓ براہ راست حضور اکرم ﷺ سے اس حدیث کو روایت کرتے ہیں۔

"قال ابو عبدالرحمن النسائی ھذا اولیٰ بالصواب عندنا" (سنن نسائی ج ۱ ص ۱۸۵)

ثالثاً اگر ان دونوں حقیقتوں کو نظر انداز کر دیں، تو غایت مافی الباب لازم آتا ہے کہ یہ حدیث مرسلات صحابہؓ میں شمار ہو اور ظاہر ہے کہ مرسلات صحابہؓ بالاتفاق موصولات کے حکم میں ہیں اور ان لوگوں کے نزدیک بھی معتبر ہیں جو مرسل کے قبول کرنے میں کلام کرتے ہیں الفیہ عراقی میں ہے۔

اما الذی ارسله الصحابی فحكمه الوصل علی الصواب

الفیہ سیوطی میں ہے: "ومرسل الصاحب وصل فی الاصح"

تحریر میں ہے: "فلا یضر اذلا یرسل الاعن صحابی" (التحریر لابن الہمام ص ۳۲۷ مصر)

شیخ الاسلام فرماتے ہیں: "اما مراسیل الصحابة فحکمها حکم الموصول علی المشهور الذی ذهب الیه الجمهور" (مقدمہ فتح الملہم ص ۳۴)

خلاصہ سب دلائل کا یہی ہے کہ: صحابہ کرامؓ کی مرسلات (یعنی وہ روایات جو روایت کرنے والے صحابیؓ نے خود حضور ﷺ سے نہ سنی ہوں۔ بلکہ کسی اور صحابی سے سنا ہو کہ حضور ﷺ نے ایسا ایسا فرمایا تھا اور اب وہ اس دوسرے صحابی کی نشاندہی ضروری نہ سمجھتے ہوئے ان احادیث کو براہ راست حضور ﷺ سے ہی روایت کر رہے ہوں تو ان) کا حکم یہی ہے کہ انہیں متصل روایات قرار دیا جائے اور یہی جمہور محدثین کا فیصلہ ہے۔

المبحث السادس

وادی ازرق، اور لیلۃ الاسراء کے مشاہدات اگر حقیقت نہ ہوں، تو بھی مقصود کلام متاثر نہیں ہوتا۔

مذکورہ سابقہ انکشافات برزخیہ میں یہ اختلاف درپیش ہے کہ اجسام مرئیہ واقعی حضرات انبیاء علیہم السلام ہی تھے یا یہ فقط ان کے مثالی اجسام تھے؟ اس میں کئی موقف اختیار کئے جاتے ہیں۔

حضور ﷺ نے جب فرمادیا کہ میں نے انہیں دیکھا ہے، تو واقعی آپ نے انہیں دیکھا ہے، اس کا ادراک وشعور اگر ہمیں نہ بھی ہو سکے، تو بھی یقین کامل ہے کہ آپ نے جنہیں دیکھنے کا دعویٰ فرمایا، آپ نے واقعی انہیں دیکھا تھا اور وہ واقعۃً وہی حضرات تھے، جن کا آپ نے ذکر فرمایا۔ اس عالم برزخ میں انبیائے کرام جسمانی طور پر زندہ ہیں اور جس کے لئے بھی کبھی یہ پردے اٹھائے گئے، اس نے ان نفوس قدسیہ کو اس دنیا کی جسمانیات قبر یا کعبہ وغیرہما سے متعلق ہی پایا۔

یہ موقف کہ ان انکشافات میں اشخاص مرئیہ صرف مثالی وجود تھے یا ان کی ارواح (تعلق بالبدن المدفون کے باوجود) یہاں متمثل ہو رہی تھیں، یقیناً صرف عن الظاہر ہے اور یہ طے شدہ تحقیق ہے کہ شے اپنی اصل پر قائم ہے، جب تک کہ اس کا حقیقت پر محمول ہونا شرعاً یا عقلاً متعسر نہ ہوں، صرف عن الظاہر کے لئے اصل شرعی

مطلوب ہے اور وہ بھی کم از کم اسی پایہ کی ہونی چاہئے جس پائے کا آپ کا یہ دعوے شریفہ ہے کہ میں نے ان ان انبیاء کو فلاں فلاں موقع پر دیکھا تھا اگر اس درجہ کی اصل اس مقام پر موجود نہیں تو ظاہر ہے کہ اصل دعوے کو اپنے اصل ہی پر رہنے دیا جائے گا۔

اس مؤقف کے قائلین پر ایک الزام

جو اہل علم حضرات ان انکشافات کے حقیقت پر محمول ہونے کا مسلک رکھتے ہیں ان کی تردید میں یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ سلف صالحین میں سے یہ کسی کا مسلک نہ تھا۔ ان اجسام مدفونہ سے متعلق سماع وعدم سماع یا شعور وعدم شعور کے مباحث تو تھے لیکن ان کے متحرک ہونے یا ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کا دعوے سلف میں سے کسی نے نہیں کیا۔

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ اس الزام میں قلب موضوع، حقائق کو برعکس بیان کرنے، موجود کو غیر موجود کہنے سے کام لیا گیا ہے، حقیقت یہ ہے کہ انبیائے کرام کے اجسام مدفونہ سے متعلق سماع یا عدم سماع اور شعور یا عدم شعور کے مباحث تو حضرات اہل سنت میں کہیں نہیں ملتے اور اس کے برعکس ان اجسام مدفونہ کے متحرک ہونے اور ایک جگہ سے دوسری جگہ آنے جانے کا قول سلف صالحین میں موجود ہے۔

شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فتح الباری باب المعراج میں لکھتے ہیں: ''واستشكل رؤية الانبياء في السموات مع ان اجسادهم مستقرة في قبورهم بالارض واجيب بان ارواحهم تشكلت بصور اجسادهم او احضرت اجسادهم لملاقات النبي ﷺ تلك الليلة تشريفا وتكريما ويؤيده حديث عبد الرحمن بن هاشم عن انس ﷺ ففيه وبعث له ادم ومن دونه من الانبياء'' (فتح الباری ج ۷ ص ۱۶۶ مصر)

ترجمہ: یہ اشکال پیش کیا گیا ہے کہ انبیائے کرام کے اجساد کریمہ تو اپنی اپنی قبروں میں استقرار پذیر ہیں۔ پھر حضور ﷺ کا انہیں معراج کی رات آسمانوں پر دیکھنا یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ان کی ارواح قدسیہ اس رات مجسد کر دی گئی تھیں یا ان کے اجساد کریمہ ہی (ان کی قبور سے) آنحضرت ﷺ کی تشریف وتکریم کے لئے لا حاضر کر دیئے گئے تھے اور اس دوسری صورت کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جو حضرت انسؓ سے منقول ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی کا انداز بیان بتلا رہا ہے کہ وہ اس دوسری صورت کو ہی ترجیح دے رہے ہیں خاتمہ الحفاظ کے علاوہ اور بھی کئی محدثین سے یہ مؤقف منقول ہے حیرت در حیرت ہے کہ جو مباحث موجود ہیں، ان کے وجود ہی سے انکار ہوا اور جن کا حضرات اہل سنت میں نام ونشان بھی نہیں ملتا، ان کے امر واقع ہونے کا دعویٰ کر دیا جائے۔

خرد کا نام جنوں رکھ دیا، جنوں کا خرد　　جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

بعض دوسرے حضرات کا مؤقف یہ ہے: حضور ﷺ نے جن انبیائے کرام کے متعلق فرمایا کہ میں نے انہیں دیکھا ہے، حضور ﷺ نے انہیں واقعی نہ دیکھا تھا، بلکہ یا: (۱) ان انبیاء علیہم کی ارواح قدسیہ صورت جسم میں متمثل ہو رہی تھیں یا: (۲) ان انبیائے کرام علیہم کے ان اجسام کا مشاہدہ ہو رہا تھا، جو عالم مثال میں قائم تھے اور یا: (۳) انہیں اس عالم سے انتقال فرمانے کے بعد کوئی اور جسم ملا ہوا ہے اور ان انبیائے کرام علیہم کی یہ حاضریاں انہی جسم کے ساتھ تھیں۔

ہمیں ان احتمالات کے مابین محاکمہ کرنا نہیں امر واقع خواہ کوئی صورت ہو، اس عقیدے کے لئے قطعاً کوئی گنجائش نہیں کہ انبیائے کرام کے اجساد عنصریہ اپنی قبور شریفہ میں بالکل بے حس و بے شعور ہیں۔

اگر یہ نفوس قدسیہ اپنی وفات شریفہ کے بعد بھی کہیں کہیں اپنے اصل جسد عنصری سے چلتے پھرتے دکھائی دیں اور یہ رفت و آمد فوق الاسباب بغیر انشقاق قبور کے ہو اور اس اعتبار سے روحانی ہو کہ زمان و مکان کی وسعتیں، جیسا کہ معراج کی رات واقع ہوا، سمٹ گئی ہوں، یعنی اپنی قبور سے جدائی بھی کسی خاص محسوس درجے میں نہ ہو تو سوال یہ ہے کہ: "رب العزت کے لئے ایسے حالات پیدا کرنا اور پھر روحانی اور جسمانی اعتبارات کو مختلف جہات سے اس عالم برزخ میں جمع کر دینا کیا امر ناممکن ہے؟ یا ان جزئیات میں سے کوئی جزئیہ کتاب و سنت کی کسی تصریح سے متصادم ہوتا ہے؟ یا یہاں کوئی پہلو ایسا بھی اختیار کیا گیا، جس کی نظیر پہلے کے کسی واقعہ میں نہ ہو؟ جواب یقیناً نفی میں ہوگا۔"

پیش نظر رہے کہ ان تفصیلات کو ہم مدعی ہو کر اپنے دلائل میں پیش نہیں کر رہے بلکہ بات یہ چلی کہ آنحضرت ﷺ کا یہ فرمانا کہ میں نے فلاں فلاں پیغمبر کو فلاں فلاں جگہ دیکھا تھا، آیا حقیقت پر محمول ہیں یا اسے حقیقت پر محمول کرنا شرعاً اور عقلاً محال ہے۔ بصورت دیگر ہم مجبور ہوں گے کہ آپ کے اس ارشاد کو اس کے ظاہر سے پھیر کر تمثیل و مجاز وغیرہ پر محمول کریں ہم نے یہ تفصیل اس لئے کی ہے کہ آنحضرت ﷺ کے ان ارشادات کو ان امکانات، احتمالات اور نظائر کے ہوتے ہوئے ان کے ظاہر پر محمول کرنا شرعاً اور عقلاً ہرگز ناممکن نہیں اور واضح ہے کہ امکان ثابت کرنے کے لئے یا امتناع توڑنے کے لئے صرف صورت ممکنہ کافی ہوتی ہے۔ صورت واقعہ کا مطالبہ نہیں کیا جاتا۔

اگر ان برزخی مشاہدات میں اجسام مرئیہ اصل اجسام عنصریہ نہ ہوں، بلکہ عالم مثال کے مثالی اجسام ہوں، تو بھی اس سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ اصل اجسام عنصریہ اپنی اپنی قبور میں بالکل بے حس و بے شعور ہوں اور انبیائے کرام اپنے روضات میں فائز الحیات نہ ہوں، اس لئے کہ ان دونوں معاملات میں کوئی تصادم نہیں، ہر معاملہ اپنے اپنے مقام پر اپنے اپنے حالات کے مطابق ہو رہا ہے۔

ہاں اگر یہ تشکل عالم مثال کا نہ ہو، بلکہ اصل ارواح قدسیہ ہی متمثل بصورت جسمیہ ہو رہی ہوں جیسا کہ علامہ قرطبی وغیرہ کی رائے ہے، تو ہمیں وہ موقف اختیار کرنا پڑتا ہے کہ عالم برزخ میں ان ارواح طیبہ کو عظیم وسعت حاصل ہوتی ہے۔ ہرگز بعید نہیں کہ یہ ارواح قدسیہ اجسام عنصریہ سے بھی بالکل بے تعلق نہ ہوں اور ان کا پرتو یہاں بھی صورت جسمیہ میں متمثل ہو رہا ہو۔ یا وہ ارواح اصلیہ ان مقامات پر متمثل بصورت جسمیہ ہو رہی ہوں اور ان کا اجسام قبریہ پر بھی پرتو پڑ رہا ہو جس سے وہ صفت حیات سے متصف ہوں۔ اگر روح پاک رفیق اعلیٰ یا خطیرہ قدسیہ کو اپنا مستقر بنا کر قبور شریفہ میں رکھے اجسام پر پرتو حیات ڈال سکتی ہے جیسا کہ حافظ ابن قیم کی رائے ہے، تو ارواح متمثلہ یہاں قریب کے مقامات سے اجسام قبریہ پر یہ تاثیر کیوں نہیں کر سکتیں؟

حق یہ ہے کہ احوال برزخ پر اس عالم کی نظر و فکر کے پہرے نہیں بٹھائے جا سکتے جن حضرات کا یہ موقف ہے کہ ان انکشافات میں ارواح قدسیہ ہی متمثل بصورت جسمیہ ہو رہی تھیں۔ آخر وہ بھی تو رفیق اعلیٰ یا خطیرہ قدسیہ ہی کو روح کا محل استقرار قرار دیتے ہیں جو جواب ان کا ان احوال میں ارواح قدسیہ کے علیین سے جدا ہونے کا ہوگا۔ وہی جواب ان کا سمجھ لیجئے جو ارواح قدسیہ کو قبر کے اجسام عنصریہ سے متعلق مان کر پھر ان مشاہدات میں تمثل ارواح کا دعویٰ کر رہے ہیں۔

حافظ ابو یعلیٰ کا سلسلہ اسناد یہ ہے: ''حدثنا (۱) ابو الجهم الازرق بن علی حدثنا (۲) يحيى بن ابی بكير حدثنا (۳) المستلم بن سعيد عن (۴) الحجاج عن (۵) ثابت عن (۶) انس قال قال رسول الله ﷺ ... الحديث''

یہ سلسلہ اسناد امام بیہقی[1] کو اس طریق سے پہنچا ہے: ''اخبرنا (۱) الثقة من اهل العلم قال انبأنا (۲) ابو عمرو بن حمدان قال انبأنا (۳) ابو يعلى الموصلى حدثنا (۴) ابو الجهم الازرق''

حافظ ابو یعلی کے سلسلہ اسناد میں سب راوی معروف، قابل اعتماد اور متصل ہیں۔ اب حافظ بیہقی کی سند ابو یعلی تک جن دو راویوں سے پہنچتی ہے اگر وہ نہ بھی ہوتے اور امام بیہقی تک یہ حدیث نہ بھی پہنچی ہوتی، تو بھی یہ حدیث صحیح اور صالح الاحتجاج تھی اور حافظ ابو یعلی کا اسے سند صحیح سے لے آنا اس کی حجیت کے لئے کافی تھا۔ کس قدر افسوس ہے کہ امام بیہقی کے اس کہنے پر کہ ''اخبرنا الثقة من اهل العلم'' اس حدیث کے پورے اسناد پر مجہول ہونے کا حکم لگا دیا جاتا ہے۔ حالانکہ اس سند میں امام بیہقی کے شیخ روایت بھی حکماً مجہول نہیں کیونکہ مجہول وہ ہوتا ہے، جسے کسی امام حدیث نے ثقہ نہ کہا ہو اور یہاں خود امام بیہقی اسے اسی سند میں ثقہ قرار دے رہے ہیں۔ راوی کا تعین اور اس کے حالات کی تفصیل اسی لئے مطلوب ہوتی ہے کہ اس کی ثقاہت کا پتہ چلے اور اس مقام پر نہ صرف اس کی توثیق ہے بلکہ امام حدیث حافظ بیہقی اس کے اہل العلم ہونے کا بھی اعلان کر رہے ہیں۔

خیر، اسے بھی جانے دیجئے حافظ ابو یعلی کے سلسلہ اسناد کو لیجیے، نچلے رواۃ میں اگر کوئی اختلاف بھی ہو، تو بھی اوپر کے رواۃ کی توثیق بالکل متاثر نہیں ہوتی اور یہاں اوپر کے سب ثقہ ہیں۔

المبحث الاوّل: فی معنی الحدیث

اس حدیث میں انبیاء کے لئے وہی عنوان قائم کیا گیا ہے جو شہداء کے لئے قرآن کریم میں ملتا ہے نادان دوست بے فائدہ اس حدیث کی تضعیف میں لگے ہوئے ہیں اور جو سند ابن عدی یا ابن بزار کی ہے، اس پر جرح کر کے اس حدیث سے جان سے چھڑانا چاہتے ہیں۔ حالانکہ یہ وہ عنوان ہے جو خود قرآن مجید میں موجود ہے پس جو تاویل اور توجیہ تم قرآن پاک میں کرتے ہو، کیا وہی تاویل اس حدیث میں نہ ہو سکے گی کیوں خواہ مخواہ اس صحیح حدیث کو ضعیف قرار دینے میں اپنی توتیں ضائع کر رہے ہو۔ اور تمام علماء حق سے ٹکر لے رہے ہو۔

رہا یہ فرق کہ قرآن کریم میں فی قبورھم نہیں اور حدیث میں فی قبورھم کے الفاظ ہیں تو اس کی فکر وہ کرے جسے قبر کا معنی بدلنا نہ آتا ہو اور جسے پتہ ہو مجاز کا دروازہ کھلا ہے تو کون اس میں گھسنے کی راہ نہیں جانتا، پھر ان الفاظ کے انکار کے درپے ہونا اس میں معلوم نہیں انہیں کون سی ذہنی راحت ملتی ہے۔

باقی یہ فرق کہ قرآن کریم میں یرزقون کی تصریح ہے اور حدیث میں یصلون کے الفاظ ہیں تو اس جہت سے بھی تضعیف حدیث کی کوشش کوئی خاص فائدہ مند دکھائی نہیں دیتی یصلون کی نسبت یرزقون کا پیرایہ دنیوی زندگی

---

[1] پیش رہے کہ توثیق رجال میں حافظ بیہقی کا مسلک دارقطنی اور ابن حبان والا نہیں کہ فقط دو راویوں کی روایت اس کے لیے کافی ہو۔ بلکہ امام بیہقی اس باب میں جمہور محدثین کے ساتھ ہیں پس ان کی توثیق کچھ کم وزن نہیں رکھتی بالخصوص جب کہ اس روایت سے انہیں کسی خاص فقہی موقف کی کوئی تائید مقصود نہ ہو۔

کے اور زیادہ قریب ہے معلوم نہیں یہ لوگ اس حدیث کی تضعیف کے کیوں در پے ہیں۔

اس حدیث میں حیات انبیاء کو یصلون سے جوڑا گیا ہے۔ نماز ذکر اور چند جسمانی حرکات چاہتی ہے سو نماز جسد چاہتی ہے معلوم ہوا یہاں انبیاء کی کسی روحانی حیات کا ذکر نہیں۔ ان کی جسمانی زندگی کا ذکر ہے جس کا قوی قرینہ ان کا نمازیں پڑھنا ہے معلوم ہوا وہ بایں معنی حیات ہیں کہ ان کے اعمال طاعت جاری ہیں اور یہ افعال ان سے سلب نہیں کی گئی۔

الانبیاء احیاء (نبی زندہ ہیں) میں ''الانبیاء'' (پہلے جزو) کے معنی سمجھ لیجئے کہ یہاں روح اور جسد دونوں مراد ہیں اور یہی نفس انسانی ہے حضرت علامہ انور شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں: ''یرید بقولہ الانبیاء احیاء مجموع الاشخاص لاالاواح فقط'' (تحیۃ الاسلام ص ۳۶)

ترجمہ: الانبیاء کے لفظ سے جسد اور روح کا مجموع اشخاص مراد ہے صرف روحیں نہیں اور دوسرے جزء ''احیاء'' کے بارے میں لکھتے ہیں: ''اراد بالحیوۃ فعل الاعمال واکثر من فی القبور فی العطلۃ بخلاف المقربین'' (فیض الباری ج ۱ ص ۱۸۳)

ترجمہ: حیات سے آپ کی مراد اعمال کا جاری رہنا ہے (جو بدوں جسد تقوم نہیں پاتے) اور اکثر اہل قبور بے کار پڑے ہیں لیکن مقربین کی یہ حالت نہیں (ان کے اعمال قائم ہیں)

ان کے اعمال ہمیں نظر نہ آئیں تو بھی ان کے اعمال سے انکار نہیں کیا جا سکتا کیونکہ وہ زندگی پردے میں ہے اور ہم اس جہان میں ہیں یہاں رہتے ہوئے ہم اس جہان کے حالات کو دیکھ نہیں پاتے، نہ اس جہاں کی آوازیں سن سکتے ہیں بایں ہمہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ انبیاء اور صدیق اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور باعتبار عالم ان کی زندگی برزخی ہے پردے میں ہے اور جس طرح یومنون بالغیب کے تحت ہم اور بہت سی حقیقتوں کو بن دیکھے تسلیم کرتے ہیں ان احوال قبر پر بھی ہم یومنون بالغیب کے سائے میں ایمان لاتے ہیں۔ حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں: ''ان کثیرا من الاعمال قد ثبتت فی القبور کالاذان والاقامۃ عند الدارمی و قراۃ القران عند الترمذی''

(فیض الباری ج ۱ ص ۱۸۵)

ترجمہ: قبروں میں (احادیث کی رو سے) بہت سے اعمال ثابت ہیں اذان اور اقامت کا ذکر سنن دارمی میں ملتا ہے اور قبر میں کسی کے قرآن پڑھنے کا ثبوت ترمذی شریف میں موجود ہے۔

صرف نماز ہی نہیں جو ایک جگہ ادا ہوتی ہیں انبیاء عالم برزخ میں حج تک کرتے ہیں اور دیکھنے والا انہیں کہیں چلتے پھرتے نہیں دیکھتا۔ وہ یہی محسوس کرتا ہے کہ وہ اپنی قبروں میں استراحت فرما رہے ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں: ''ان الانبیاء افضل من الشہداء والشہداء احیاء عند ربھم فکذلک الانبیاء فلا یبعد ان یصلوا ویحجوا و یتقربوا الی اللہ بما استطاعوا مادامت الدنیا وھی دار تکلیف باقیۃ'' (فتح الباری ج ۱۳ ص ۲۴۵)

ترجمہ: انبیاء کرام شہداء سے افضل ہیں اور شہداء اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں۔ سو انبیاء کرام بھی اس طرح زندہ ہیں یہ کوئی امر بعید نہیں کہ وہ نماز بھی پڑھتے ہوں اور حج بھی کریں اور جہاں تک ہو سکے اللہ رب العزت کے قرب میں اور بڑھتے رہیں جب تک یہ دنیا جو عمل کی دنیا ہے باقی ہے۔

آنحضرت ﷺ نے موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں نماز پڑھتے دیکھا اور وادی میں تلبیہ پکارتے بھی دیکھا۔ یہ عالم غیب میں نماز اور حج کی واردات ہیں جو یقیناً اپنی جگہ صحیح ہیں۔ گو ہم انہیں دیکھ نہ پائیں۔

''اما موسیٰ کانی انظر الیہ اذا انحدر فی الوادی یلبی'' (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۱۰)

ترجمہ: اور موسیٰ علیہ السلام اس طرح ہیں کہ میں انہیں وادی میں اترتے دیکھ رہا ہوں وہ تلبیہ پڑھ رہے ہیں (لبیک پکار رہے ہیں)

عالم برزخ میں قبر کی زندگی میں اعمال طاعات کا جاری رہنا اور انبیاء و مقربین سے وہاں اذکار و ادعیہ کا صدور یہ ہرگز کوئی غیر شرعی بات نہیں ہے۔

علامہ سمہودیؒ (۹۱۱ھ) آنحضرت ﷺ کے بارے میں لکھتے ہیں: ''ھو فی البرزخ ودعانہ لربہ فی ھذہ الحالۃ غیر ممتنع'' (وفاء الوفاء ج ۲ ص ۱۳۲۱ مصر)

ترجمہ: حضور اکرم ﷺ اس وقت عالم برزخ میں ہیں۔ اور آپ کا اس حالت میں اپنے پروردگار سے دعا کرنا کوئی ناممکن بات نہیں ہے۔

ایک اور جہت سے معنی پر غور

اس حدیث میں یہ بات غور طلب ہے کہ اس کا منشاء انبیاء کی صرف حیات طبعی کا بیان نہیں جس قسم کی حیات انبیائے کرام کے لئے ثابت کی جارہی ہے، وہ اس حیات طبعی پر ایک امر زائد ہے اس کے لئے اس حقیقت کو پیش نظر رکھئے۔

عام طور پر روح اور جسم کے تعلق یا روح کے بدن میں ہونے کو زندگی سے تعبیر کیا جاتا ہے لیکن یہ حیات کا صرف طبعی مفہوم ہے۔ اس حیات طبعی کی پھر دو حالتیں ہیں۔ ایک یہ کہ حیات ان تمام کاموں سے جو مقصد حیات ہیں، خالی اور بے کار ہو اور دوسرے یہ کہ یہ حیات بے کار نہ ہو اور ان جیسے کاموں سے جو مقصد حیات ہیں، اس کا تعطل نہ ہو۔

اول الذکر حیات طبعی تو ہے، لیکن حقیقتہً یہ بھی موت ہے یا ایک ایسی زندگی ہے کہ اس میں اور موت میں کوئی فرق نہیں قرآن عزیز ان لوگوں کو جن کی حیات طبعی تو تھی، لیکن ان کا دامن حیات مقصد حیات سے بالکل خالی تھا۔ قلوب ان کے مردہ تھے اور دل کے کانوں سے وہ بہرے تھے، قرآن انہیں صریح الفاظ میں مردے قرار دیتا ہے۔

''اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَاءَ'' (پ ۲۰ نمل، پ ۲۱ روم)

ترجمہ: بے شک آپ ان مردوں کو نہیں سنا سکتے اور نہ ان بہروں تک اپنی پکار پہنچا سکتے ہیں۔

پھر یہی نہیں کہ انہیں ''مردے'' فرمایا بلکہ ان کے لئے مردوں کے لوازمات بھی ذکر کر دیئے۔

''وَمَا اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ'' (پ ۲۲ فاطر آیت ۲۲)

ترجمہ: اور آپ ان کو سنا نہیں سکتے، جو قبروں میں پڑے ہوئے ہیں۔

یہ لوگ طبعی طور پر تو زندہ اور موجود تھے، لیکن حکمی طور پر مردہ...... بظاہر حیات تھی، لیکن حقیقتہً نہیں۔

کریں گے مرکے بقائے دوام کیا حاصل جو زندہ رہ کے مقام حیات پا نہ سکے

قرآن عزیز احکام طبعی کو اپنا موضوع قرار نہیں دیتا، بلکہ حقائق کا ادراک کرتا ہے، اس کی نظر میں اندھا پن ظاہری آنکھوں سے محرومی نہیں، باطن کی سیاہی اور دل کی آنکھوں پر پردے کا نام ہے۔ قال اللہ تعالیٰ۔

"لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ" (پ ۱۷ اج آیت ۴۶)

ترجمہ: یہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں، بلکہ حقیقت میں اندھے دل ہوتے ہیں جو سینوں میں پڑے ہوئے ہیں۔

اور اسی وجہ سے فرمایا: "وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى" (پ ۱۵ بنی اسرائیل آیت ۷۲)

ترجمہ: جو کوئی اس جہان میں اندھا رہا۔ سو وہ دوسرے جہان میں بھی اندھا ہی ہوگا۔

ان حقائق سے واضح ہے کہ روح و جسم کا تعلق یا روح کا بدن میں ہونا ایک حیات طبعی ہے جب تک اس کا اشتغال ان کاموں میں نہ ہو، جو مقصد حیات اور راز تخلیق کائنات ہیں اسے حقیقی حیات نہیں کہا جا سکتا۔ ارباب خبرت اس طبعی زندگی کی اول الذکر کیفیت کو موت ہی قرار دیتے ہیں اور صرف ثانی الذکر زندگی ہی کو حیات کہتے ہیں۔

یہاں تین کیفیتیں اور ان کے احکام پیش نظر رہنے چاہئیں۔

(۱) روح اور جسم کا کوئی تعلق نہ ہو۔ اسے عامۃ الناس اور ارباب خبرت دونوں موت قرار دیتے ہیں۔ یہ حیات کسی معنی میں نہیں۔

(۲) روح اور جسم کا تعلق تو ہو، لیکن دامن حیات مقصد حیات سے خالی ہو۔ اسے عوام حیات اور ارباب خبرت موت سے تعبیر کرتے ہیں۔

(۳) روح اور جسم کا تعلق بھی ہو اور زندگی بھی مقصد حیات سے خالی نہ ہو ارباب خبرت اسے ہی حیات قرار دیتے ہیں اور حقیقت میں زندگی یہی ہے۔

آنحضرت ﷺ نے جب ارشاد فرمایا کہ الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون (انبیائے کرام علیہم السلام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں) تو آپ کا منشاء صرف حیات طبعی کا بیان نہیں، بلکہ اس حیات کی کیفیت کا اظہار تھا۔ اگر حیات انبیاء کا یہی مفہوم ہو کہ انہیں قبور شریفہ یا ریاض منورہ میں ایسی زندگی حاصل ہے۔ جس میں محض روح و بدن کا تعلق قائم ہے، تو یہ کوئی خاص مقام نہیں اس لئے کہ قرآن عزیز تعطل عن الافعال کی حیات طبعی کو بے کار ہونے کی وجہ سے موت کے برابر قرار دیتا ہے۔ پس حدیث شریف کا منشاء اسی قسم کی حیات طبعی نہیں۔ بلکہ ایسی حقیقی حیات ہے، جس میں محض روح و بدن کا تعلق نہیں، بلکہ اعمال سے بھی ہرگز تعطل نہیں اور یہی حقیقت میں قرآن کا مفہوم حیات ہے۔

الغرض یہ مذکورہ بالا تین صورتوں میں سے دوسری قسم کی حیات نہیں، بلکہ تیسری قسم کی حقیقی حیات ہے اور اسے ہی ارباب دانش حقیقت حیات قرار دیتے ہیں۔

آنحضرت ﷺ اگر یہی ارشاد فرماتے کہ الانبیاء احیاء فی قبورھم تو یوں متبادر ہو سکتا تھا کہ روضہ شریفہ میں انبیاء صرف روح و بدن کے تعلق کے ساتھ زندہ ہیں اور انبیاء کی حیات جسمانی فقط اس تعلق کا نام ہے۔ لیکن حضور ﷺ نے لفظ یصلون ارشاد فرما کر احیاء کی کیفیت حیات پر بھی متنبہ کر دیا یعنی انبیاء جسد عنصری سے اس طرح فائز الحیات ہیں کہ زندوں کے سے جیسے کاموں سے ہرگز تعطل نہیں ہوا اور وہ بدستور اعمال طیبات میں مشغول ہیں نہ دنیا میں ان کے اشغال طیبہ میں تعطل ہوا، نہ قبور شریفہ میں۔

خلاصہ کلام یہ کہ انبیائے کرام کی اس حیات قبریہ کے دو جزو ہیں:

(١) وہاں کی حیات محض روحانی نہیں کہ صرف ارواح زندہ ہوں، بلکہ یہ زندگی جسم وروح کے مجموعہ کی ہے۔

(٢) یہ حیات صرف حیات طبعی کی حدود تک نہیں، بلکہ ان اشخاص کریمہ کا زندوں جیسے کاموں میں اشتغال بھی موجود ہے۔

آپ پہلے پڑھ آئے ہیں کہ رئیس المحدثین حضرت علامہ انور شاہ صاحبؒ نے ان دونوں جزوں کو اس طرح بیان فرمایا ہے جزاول کے متعلق لکھتے ہیں: ''یرید بقوله "الانبیاء احیاء" مجموع الاشخاص لا الارواح فقط'' (تحیۃ الاسلام فی حیات عیسیٰ مصنفہ مولانا سید انور شاہ ص ٣٦)

ترجمہ: آنحضرت کی مراد اس حدیث سے کہ ''انبیائے کرام زندہ ہوتے ہیں'' یہی ہے کہ مجموعہ اشخاص فائز الحیات ہیں نہ کہ فقط ان کی ارواح زندہ ہیں۔

اور دوسرے جزو کے متعلق لکھتے ہیں: ''اراد بالحیوة فعل الاعمال واکثر من فی القبور فی العطلة بخلاف المقربین ومعانی الحیات فی النهایة وان المیت لا فعل له فی خلق افعال العباد والاحادیث ارادت افعال الحیوة واعمالها لا بقاء الروح وهو قوله فنبی الله حیٌ یرزق واحیاء فی قبورهم یصلون تسرد فی ذکر الحیوة افعالها لا اصلها او اراد مع الاجساد فان اجسادهم حرمت علی الارض'' (ایضا)

خلاصہ: آنحضرت کی مراد انبیاء کے زندہ ہونے سے اعمال کی زندگی ہے اور اکثر لوگوں کی قبریں ایسے اعمال سے تعطل میں ہیں۔ ان احادیث کا منشاء اعمال حیات کا بیان ہے نہ کہ فقط روح کی زندگی حضور کا یہ ارشاد فنبیٔ اللہ حیٌ یرزق (اللہ کا نبی زندہ ہوتا ہے اور اسے رزق بھی ملتا ہے) اور یہ ارشاد کہ انبیائے کرام اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور نمازیں بھی پڑھتے ہیں یہ سب اصل حیات کے بیان میں نہیں۔ بلکہ (اس سے بھی زائد) اعمال حیات کے ثابت ہونے کے لئے ارشاد فرمائے گئے تھے یا یوں کہہ لیجئے کہ اس زندگی سے مراد حیات جسدی کا بیان ہے کیونکہ انبیاء کے اجساد کریمہ مٹی پر حرام کر دیئے گئے ہیں اور وہ اعمال انہی اجساد کریمہ کے ساتھ وجود میں آرہے ہیں۔

شاہ صاحبؒ نے اس دوسرے جزو کو ''دروس بخاری'' میں بھی تفصیلاً ارشاد فرمایا ہے۔ چونکہ وہاں پہلے جزو کی اس طرح تفصیل نہیں۔ اس لئے عبارت سے ابتدائی سطح میں مغالطہ لگ سکتا ہے۔ انصاف یہ ہے کہ پہلا جزو محققین سلف کے نزدیک اتنا بدیہی تھا کہ اس کے لئے کسی تفصیل کی ضرورت محسوس نہ فرماتے تھے۔ ان لوگوں کے علم وفہم پر حیرت ہوتی ہے، جو اس جزو اول کے عدم ذکر کو ذکر عدم بنا کر دوسرے جزو کا مفہوم مطلب بھی اپنی تدلیس کی نذر کر دیتے ہیں۔ اعاذنا اللہ منها ومن تحریف المبطلین!

(١) مولانا السید انور شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: ''المراد بحدیث الانبیاء احیاء فی قبورهم یصلون انهم ابقوا علی هذه الحالة ولم تسلب عنهم'' (تحیۃ الاسلام ص ٣٦)

ترجمہ: اس حدیث حیات انبیاء کا مطلب یہی ہے کہ انبیائے کرام (بدن میں روح لوٹ آنے کی) اسی حالت میں باقی رکھے گئے ہیں اور پھر روح ان سے جدا نہیں کی گئی۔

(٢) قاضی شوکانیؒ شرح حصن حصین میں فرماتے ہیں: ''انه ﷺ حیٌ فی قبره وروحه لا تفارقه لما صح ان الانبیاء احیاء فی قبورهم'' (تحفۃ الذاکرین للشوکانی ص ٢٨ مصر)

ترجمہ: حضور اکرم ﷺ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں اور آپ کی روح اقدس آپ کے جسد اطہر سے کبھی جدا نہیں ہوتی۔ کیونکہ یہ حدیث صحیح سند سے ثابت ہو چکی ہے کہ انبیاء اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں۔

البیان المسدد من حضرۃ المجدد

(۳) حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ نے اس حدیث کو اس سیاق و سباق میں نقل فرمایا ہے: ''برزخ صغریٰ چوں از یک وجہ از مواطن دنیوی است، گنجائش ترقی دارد و احوال ایں وطن نظر باشخاص متفاوتہ تفاوت فاحش دارد۔ الانبیاء یصلون فی القبور شنیدہ باشند و حضرت پیغمبر ما علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام شب معراج چون بہ قبر حضرت کلیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام گزشتند دیدند کہ در قبر نمازی گزارد۔'' (مکتوبات ج ۲ ص ۲۹، ۳۰ نمبر ۱۶ مطبوعہ لکھنؤ)

اس کلام ہدایت نظام میں جہاں اس طرف اشارہ ہے کہ حیات برزخی کسی ایک جہت سے حیات دنیوی بھی ہے، وہاں اس امر کی تصریح بھی موجود ہے کہ برزخ صغریٰ میں بھی ترقی مقامات کی بھی گنجائش ہے۔

سوال یہ ہے کہ اس ترقی سے مراد کیا ہے؟ جواباً عرض ہے کہ اس سے مراد ''قرب الٰہی'' میں آگے بڑھتے چلے جانا ہے۔

اس ارتقاء کا تحقق کیسے ہوتا ہے اور ترقی کی کیا صورت ہوتی ہے اسے سمجھنے کے لئے حضرت مجدد الف ثانیؒ کے یہ اصول و ضوابط پیش نظر رہیں۔

حضرت کے نزدیک ''عالم خلق''، ''عالم امر'' سے افضل ہے اور وہ ''قرب عالم خلق'' کو ''قرب اصلی'' اور ''قرب عالم امر'' کو ''قرب ظلی'' قرار دیتے ہیں۔

پس ان کے کلام میں ترقی کی صورت اور ارتقاء کا انداز یہی ہے کہ یا ''قرب ظلی'' سے ہی ''قرب اصلی'' میں انتقال ہو اور یا ''قرب اصلی'' ہی میں قوت و زیادت ہوتی چلی آئے۔

اسلام میں ایمان کے بعد نماز کا درجہ ہے اور اس کے کمالات ایمان کی طرح ذاتی کمالات ہیں۔ اس عبادت کو اسلام میں جو درجہ حاصل ہے، اس کے پیش نظر اس میں کوئی شک کی گنجائش نہیں کہ وہ قرب جو نماز میں تحقق پذیر ہوگا اس قرب سے بہر حال اعلیٰ و افضل ہے جو کسی اور حالت میں حاصل ہوگا پس نماز کے ساتھ ''قرب الٰہی'' میں بڑھتے چلے جانا ''قرب اصلی'' پر فائز المرام ہونا ہے اسی لئے فرمایا: ''الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون''

ترجمہ: انبیاء اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور نمازیں بھی پڑھتے ہیں۔

پس جب یہ نمازیں جو انبیائے کرام اپنے اپنے روضات میں تلذذ اً عمل میں لا رہے ہیں قرب الٰہی میں سامان ارتقاء ہیں جیسا کہ حضرت مجدد صاحبؒ نے تصریح فرمائی ہے اور یہ بھی حقیقت مسلمہ ہے کہ قرب کے باب میں عالم خلق عالم امر سے افضل ہے، تو اس بنیاد یقین سے چارہ نہیں کہ انبیائے کرام کا اپنی اپنی قبروں میں نمازیں پڑھنا جب قرب الٰہی میں ترقی پانے کی گنجائش رکھتا ہے، تو ان کا یہ عمل ضرور عالم خلق ہی سے متعلق ہے۔ اس لئے کہ حضرت مجدد قرب عالم خلق ہی کو قرب اصلی قرار دیتے ہیں اور ظاہر ہے کہ ان کے عمل صلوٰۃ کا عالم خلق سے متعلق ہونا اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے اجساد کریمہ کے ساتھ فائز الحیات ہوں اور یہ ادائے نماز انہی اجسام عنصریہ سے عمل میں آرہا ہو اگر یہ عمل صلوٰۃ صرف روح ہی کا عمل ہو تو پھر یہ عالم امر سے متعلق ہوگا اور واضح ہے کہ حضرت مجدد کے کلام میں اسے قرب اصلی کہنے کی کوئی گنجائش نہیں۔

پس خلاصہ کلام یہی ہے کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے نزدیک اس حیات انبیاء کا مفہوم و مطلب یہی ہے کہ انبیائے کرام اپنی اپنی قبروں میں اجساد عنصریہ سے فائز الحیات ہیں۔

(۴) علامہ سندھیؒ فرماتے ہیں: ''الصلوٰۃ تستدعی جسداحیا'' (حاشیہ سنن نسائی)

ترجمہ: نماز پڑھنا ایک زندہ جسم سے ہی ہوسکتا ہے۔

(۵) حضرت علامہ شعرانیؒ فرماتے ہیں: ''قد صحت الاحادیث انہ ﷺ حی فی قبرہ ویصلی باذان واقامۃ'' (منح المنہ ص ۹۲)

ترجمہ: صحیح حدیثوں سے ثابت ہو چکا ہے کہ حضور انور ﷺ اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور اذان واقامت سے نماز پڑھتے ہیں۔

(۶) حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں آپ استمرار حیات سے زندہ ہیں: ''ان حیاتہ ﷺ فی القبر لا یعقبھا موت بل یستمر حیا والانبیاء احیاء فی قبورھم'' (فتح الباری ج ۷ ص ۲۲)

ترجمہ: آنحضرت ﷺ اپنی قبر شریف میں اس طرح زندہ ہیں کہ اس زندگی پر موت کبھی نہ آئے گی۔ آپ ہمیشہ کے لئے زندہ رہیں گے اور انبیائے کرام اپنی قبروں میں زندہ ہی ہوتے ہیں۔

نماز کسی ایک وقت کی نہیں ہر روز پانچ وقت ہوتی ہے مسئلہ فی القبر (قبر کا سوال و جواب) ایک ہی دفعہ ہوتا ہے لیکن نماز روزانہ کا ایک عمل ہے نماز نہ بدوں جسد عمل میں آسکتی ہے نہ بدوں جگہ۔ دنیا والوں کے لئے اس کی جگہ مسجد ہے اور برزخ والوں کے لئے قبر۔ وہ وہیں پردے کی زندگی میں محو نیاز ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کی ارواح قدسیہ کہیں ملاء اعلیٰ میں ہوں یا اور کہیں نماز کے لئے انہیں ایک بدن اور جگہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ حدیث الانبیاء احیاء میں کونسی حیات مراد ہے؟ یہاں ان کے نماز پڑھنے کا بیان ہے تو لازمی طور پر احیاء سے مراد روح اور جسد کی زندگی ہے اور اس کے لئے جگہ انبیاء کرام کی اپنی اپنی قبور شریفہ ہیں۔

آنحضرت ﷺ نے حضرت موسیٰ کو اپنی قبر میں نماز پڑھتے دیکھا۔ علامہ بدر الدینؒ لکھتے ہیں: ''ھذا صریح فی اثبات الحیوۃ لموسیٰ علیہ السلام فی قبرہ فانہ وصفہ بالصلوٰۃ وانہ قائم ومثل ھذا لا یوصف بہ الروح وانما یوصف بہ الجسد وفی تخصیصہ بالقبر دلیل علی ھذا فانہ لو کان من اوصاف الروح لم یحتج لتخصیصہ بالقبر'' (زہر الربیٰ علی سنن النسائی)

ابو یعلیٰ کے سب راوی ثقہ ہیں اور سب میں اتصال موجود ہے محدث کبیر حافظ الہیثمیؒ فرماتے ہیں: ''رجال ابی یعلیٰ ثقات'' (مجمع الزوائد)

سواب ہم ان ہی راویوں کی تعدیل بیان کریں گے جو اوپر کے ہیں اور جن پر حدیث کا دارومدار ہے۔

المبحث الثانی: فی احوال الرواۃ لابی یعلیٰ

(۱) ابو الجہم الازرق: ''بن علی الحنفی ابو الجہم صدوق یغرب من الحادیۃ عشرۃ'' (تقریب ص ۳۱)

ابن حبان نے ثقہ کہا ہے صدوق اور سچے روای حدیث ہیں۔

(۲) یحیٰ ابن ابی بکیر: ''واسمہ نسر الکرمانی کوفی الاصل نزل بغداد۔ ثقہ من التاسعۃ مات سنہ ۲۹۸ھ'' (تقریب ص ۵۲۵)

ثقہ راوی حدیث ہیں رجال صحیح میں سے ہیں۔ (فتح الباری پ ۱۳ ص ۲۷۸)

(۳) مستلم بن سعید: امام احمد اور ابن حبان انہیں ثقہ قرار دیتے ہیں (فتح) صَدُوْق۔ (تقریب ص ۳۸۸)

یعنی ثقہ اور سچے راوی حدیث ہیں۔

(۴) حجاج بن الاسود الاسود: یہ ابن ابی زیاد بصری ہے۔ اس نے ثابت بنانی، جابر بن یزید، ابی نضرہ اور کئی دوسرے بزرگوں سے احادیث روایت کی ہیں اور اس سے جریر بن حازم، حماد بن سلمہ، روح بن عبادہ اور کئی اور لوگوں نے روایات لیں۔ حافظ حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں۔ امام احمد اور یحیٰ بن معین نے اسے ثقہ کہا ہے۔

آپ کی یہ توثیق لسان المیزان میں موجود ہے اور یہ سب روات اعلیٰ درجے کے قابل اعتماد اور ثقہ رواۃ حدیث ہیں اور حدیث بالکل صحیح حدیث ہے۔

کسی راوی پر جرح ہو تو علماء کا کام وجہ جرح کو تلاش کرنا اور اس کا سبب معلوم کرنا ہوتا ہے۔ جو جرح مبین السبب نہ ہو اور اس کے مقابل ائمہ فن کی تعدیل موجود ہو تو محدثین اس جرح کو وزن نہیں دیتے۔ ایسی ہی ایک جرح اس کے پانچویں راوی حجاج بن اسود پر ہے۔ ذہبی نے میزان الاعتدال میں اس پر نکرہ ہونے کی جرح کی ہے اور اس کی روایت کو خبر منکر کہا ہے حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے لسان المیزان (جو خاص اسی کتاب میزان الاعتدال پر لکھی گئی ہے) میں اس جرح کو رد کر دیا ہے۔ اب آپ خود غور فرمائیں کہ ذہبی کی جرح کو میزان سے نقل کرنا اور لسان المیزان کے جواب کا ذکر تک نہ کرنا کون سی شان دیانت اور حق طلبی ہے؟ ہاں عوام کی آنکھوں میں خاک جھونکنے کے لئے (کہ دیکھو یہ جرح موجود ہے فلاں نے یہ کہہ دیا ہے) یہ ایک بہانہ ضرور ہے آیئے اب اس پر کچھ غور بھی کر لیں۔

حجاج بن الاسود

ذہبی (۷۴۸ھ) کہتے ہیں ''ماروی عنه فيما اعلم سوى مستلم بن سعيد'' کہ مستلم بن سعید کے سوا اس سے کسی نے روایت نہیں لی۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں جریر بن حازم، حماد بن مسلمہ روح بن عبادہ اور کچھ اور لوگوں نے بھی روایت لی ہے سوا سے کسی درجے میں مجہول نہیں کہا جا سکتا۔

رہی توثیق تو یاد رہے کہ امام یحیٰی بن معین اور امام احمد دونوں اسے ثقہ راوی حدیث کہتے ہیں اور ابو حاتم نے اسے صالح الحدیث کہا ہے۔

حجاج بن الاسود بصری الاصل ہے۔ یہ ابن زیاد بصری ہے، اس نے ثابت بنانی، جابر بن یزید، ابی نضرہ اور دوسرے کئی بزرگوں سے احادیث سنی ہیں اور اس سے جریر بن حازم، حمادم بن سلمہ، روح بن عبادہ عیسیٰ بن یونس، مستلم بن سعید اور دیگر کئی حضرات نے روایات لی ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں: ''قال احمد ثقة ورجل صالح وقال ابن معين ثقة وقال ابو حاتم صالح الحديث وذكره ابن حبان في الثقات''

(لسان المیزان ج ۲ ص ۱۷۵ فتح الباری ج ۱۳ ص ۲۴۶)

ترجمہ: امام احمد نے فرمایا حجاج ثقہ راوی ہے اور مرد صالح ہے۔ امام یحیٰی بن معین لکھتے ہیں وہ ثقہ راوی ہے۔ ابو حاتم کہتے ہیں وہ صالح الحدیث ہے اور ابن حبان نے اسے ثقہ راویوں میں شمار کیا ہے۔

کشف الستارۃ عن وجہ النکارۃ

حافظ ذہبیؒ کا خیال ہے کہ حجاج نکارت کا مرتکب ہے۔ یعنی ثابت بنانی سے روایت کرتے میں وہ ثابت کے دوسرے شاگردوں کی مخالفت کر رہا ہے پس ''منکر الروایۃ'' ہے ذہبی لکھتا ہے: ''فأتي بخبر منكر عنه عن انس رضی اللہ عنہ في ان الانبياء احياء في قبورهم يصلون رواه البيهقي'' (میزان الاعتدال ج ۱ ص ۴۶۰)

ترجمہ: حجاج اسود، ثابت سے حضرت انسؓ کی روایت لایا ہے، جو ''منکر'' ہے کہ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور نمازیں بھی پڑھتے ہیں۔

یعنی حجاج ثابت کے دوسرے شاگردوں کی مخالفت کر رہا ہے۔

ہم نے بہت تلاش کی کہ ثابت بنانی کے دوسرے شاگردوں سے اس روایت کی کہیں مخالفت مل جائے، یعنی انہوں نے اسے اس طرح روایت کیا کہ ہو حیات انبیاء کا مضمون اس سے ٹکرا رہا ہو اور کسی طرح اس پر ثقہ کی زیادتی بھی بن سکے۔ لیکن افسوس کہ حافظ ذہبی کے اس گمان کی ہمیں کہیں سے تصدیق میسر نہیں آسکی۔ ومن ادعی فعليه البيان!

غایت تامل سے ذہن اس طرف منتقل ہوا کہ ممکن ہے حافظ ذہبی کے پیش نظر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قبر میں نماز پڑھنے کی وہ روایت ہو جسے کہ ہم صحیح مسلم کے حوالہ سے نقل کر چکے ہیں۔

اس لئے کہ اس روایت کا سلسلہ اسناد بھی عن ثابت البنانی عن انس رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ ﷺ قال ...... پر ختم ہوتا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ صلوٰۃ موسیٰ فی القبر والی روایت کا سلسلہ اسناد یہ ہے: ''حماد بن سلمه عن ثابت عن انس رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ''

اور صلوٰۃ جمیع الانبیاء فی القبور والی روایت کا سلسلہ اسناد یہ ہے: ''حجاج بن الاسود عن ثابت عن انس رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ''

حافظ ذہبیؒ کے اعتراض سے ایسا متبادر ہوتا ہے کہ وہ ان دونوں روایتوں کو اصلاً ایک سمجھ رہے ہیں اور اس لئے کہ حماد بن سلمہ حضرت ثابت سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قبر میں نماز پڑھنا روایت کر رہے ہیں اور حجاج بن اسود اس کی بجائے تمام انبیائے کرام کا اپنی قبروں میں نماز پڑھنا نقل کر رہے ہیں انہوں نے اسے ثابت کے دوسرے شاگردوں کی مخالفت سمجھ کر حجاج اسود کو نکارت کا مرتکب قرار دے دیا اور حدیث کو منکر کہہ دیا۔

حالانکہ یہ دونوں حدیثیں علیحدہ علیحدہ تھیں پس نکارت کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ نہ یہ ایک روایت ہے اور نہ حجاج اپنے شیخ روایت کے دوسرے شاگردوں سے ٹکرا رہا ہے۔ یہ دو حدیثیں ہیں، اور مستقل طور پر علیحدہ علیحدہ ہیں۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ خاتمۃ الحفاظ حافظ ابن حجر عسقلانی نے ''لسان المیزان'' میں حافظ ذہبی کی مذکورہ جرح بالکل قبول نہیں کی اور اسے نقل کر کے اس کا رد فرمایا ہے حضرت امام احمد اور امام یحیٰی بن معین جیسے ائمہ جرح و تعدیل جس کے ثقہ ہونے پر نص فرما رہے ہوں۔ اس کی روایت کیسے نشانہ ضعف بن سکتی ہے۔ فتفکروا یا اولی الابصار!

الغرض حجاج بن اسود نہایت ثقہ اور صالح الحدیث ہے اور ائمہ کبار نے اس کے ثقہ ہونے پر نص فرمائی ہے۔ حافظ ذہبی کا منشائے اعتراض یہ تھا کہ دونوں روایتیں ایک ہوں، حالانکہ ایسا ہرگز نہیں۔ دونوں حدیثیں جدا جدا ہیں اور اپنے اپنے مقام پر دونوں صحیح ہیں رجال دونوں کے ثقہ ہیں اور سب میں اتصال موجود ہے۔

علامہ ذہبی کے وہم کا ازالہ

علامہ ذہبیؒ کے ذہن میں حجاج بن اسود کوئی غیر معروف راوی ہے جس سے مستلم بن سعید کے سوا کوئی اور روایت کرنے والا نہیں۔ ان کے خیال میں یہ وہ حجاج بن اسود نہیں جس سے جریرین حازم حماد بن سلمہ روح بن عبادہ وغیرہ بھی روایت کرتے ہیں علامہ ذہبی نے اسی وہم کی وجہ سے میزان الاعتدال میں حجاج بن اسود کی اس صحیح روایت کو خبر منکر کہا ہے جسے پیر طریقت اٹھائے پھرتے ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے لسان المیزان میں حافظ ذہبیؒ کی پوری تردید کردی ہے اور حضرت امام احمد یحییٰ بن معین اور ابن حبان سے حجاج بن اسود کی توثیق نقل کی ہے اب نہ حجاج مجہول راوی رہا نہ اسکی روایت کسی قاعدہ حدیث سے منکر ٹھہری۔

عراق کے اکابر علماء حدیث میں شیخ علی السویدی البغدادی (۱۲۳۷ھ) علامہ محمود آلوسی (۱۲۷۰ھ) کے اساتذہ میں سے ہیں انہوں نے العقد الثمین فی بیان مسائل الدین لکھی ہے اس میں ہے: ''اخرج ابو یعلی والبیھقی وصححه عن انس ﷺ ان النبی ﷺ قال الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون''

علامہ آلوسیؒ کے بیٹے علامہ نعمان آلوسی (۱۳۱۷ھ) نے عدم سماع موتی پر ایک کتاب الایات البینات فی عدم سماع الاموات علی مذھب الحنفیة السادات لکھی ہے اس میں آپ حیاۃ انبیاء کے بارے میں لکھتے ہیں: ''فامر ثابت بالاحادیث الصحیحة''

آپ نے اس میں پہلے حدیث الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون پیش کی ہے اور اسے صحیح کہا ہے علامہ محمد ناصرالدین البانی نے الاحادیث الصحیحہ میں اس حدیث کی تصحیح کی ہے۔ علامہ البانی نے الآیات البینات کی احادیث کی تخریج کی ہے اس میں آپ لکھتے ہیں: حققته فی الاحادیث الصحیحة (۶۲۱ھ) وبینت فیه صحة الحدیث وھم من طعن فی احد رواته فراجعه فانه بحث مفید عزیز قلما تراہ فی کتاب'' (ص ۴۰)

ترجمہ: میں نے احادیث صحیحہ میں اس کی تحقیق کی ہے اور صحت مذکور کو واضح کیا ہے اور جس نے اس کے کسی راوی میں کوئی جرح کی وہ وہم کا شکار ہے اس کی مراجعت فرمائیں بہت مفید بحث ہے۔ بہت کم اس کو آپ کسی کتاب میں دیکھیں گے۔

حدیث صلوٰۃ موسیٰ فی القبر کو محدثین نے اس حدیث ''الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون'' کا شاہد اور مؤید قرار دیا ہے پس دونوں کو ایک حدیث کیسے سمجھا جا سکتا ہے شیخ الاسلام حضرت عثمانیؒ نقل فرماتے ہیں: ''وشاھد ھذا الحدیث ما ثبت فی صحیح مسلم من روایة حماد بن سلمة'' (حلیۃ الاولیاء لابی نعیم ج ۲ ص ۲۱۹ مصر)

ترجمہ: صحیح مسلم میں حماد بن سلمہ سے جو روایت منقول ہے، وہ اس حدیث (الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون) کی شاہد ہے۔

''ھذا ما ظھر لی واللہ اعلم وعلمه اتم واحکم''

المبحث الثالث

حضرت ثابت بنانیؒ سے یہ حدیث حیات انبیاء صرف حجاج بن اسود روایت کر رہے ہیں راوی ثقہ ہونے کے باعث یہ حدیث بالکل صحیح ہے اور اس کی سند بالکل بے غبار ہے تاہم تائید مزید ملاحظہ کیجئے۔

حضرت ثابت بنانیؒ یہ روایت کرتے تھے: ''اللّٰهم ان کنت اعطیت احدا من خلقک ان یصلی لک فی قبره فاعطنی ذلک'' (حلیۃ الاولیاء نعیم ج ۲ ص ۳۱۹ مصر)

ترجمہ: اے اللہ! اگر تو نے (انبیاء کے سوا) کسی کو اپنی مخلوق میں سے یہ مرتبہ دیا ہے کہ وہ اپنی قبر میں تیرے لئے نماز پڑھے تو وہ مرتبہ مجھے عطا فرما۔

دوسری سند میں یوسف بن عطیہ متابعت کرتے ہوئے کہتے ہیں: ''سمعت ثابتا یقول لحمید الطویل هل بلغک یا ابا عبید ان احدا یصلی فی قبره الا الانبیاء قال ''لا'' قال ثابت ''اللّٰهم ان اذنت لاحد ان یصلی فی قبره فاذن الثابت ان یصلی فی قبره'' (حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۳۱۹ مصر)

ان روایات سے پتہ چلتا ہے کہ انبیائے کرام کے اپنی اپنی قبور شریفہ میں نماز پڑھنے کا مضمون حضرت ثابت بنانیؒ کے نزدیک یقینی طور پر ثابت تھا۔ تبھی تو وہ اپنے لئے بھی اس کی دعائیں کر رہے تھے۔ پھر ان کا ابو عبیدہؓ سے یہ کہنا کہ کیا تمہیں کوئی روایت پہنچی ہے کہ انبیائے کرام کے سوا کچھ اور لوگ بھی اپنی قبروں میں نمازیں پڑھیں گے اور انبیائے کرام سے متعلق اس دعوے پر ابو عبیدؓ کا نکیر نہ کرنا اس حقیقت حال کا پتہ دیتا ہے کہ حضرت عبیدہؓ کو بھی یہ مضمون حدیث پہنچ چکا تھا کہ انبیائے کرام اپنی اپنی قبور شریفہ میں نمازیں پڑھتے ہیں۔ ورنہ غیر انبیاء کے اس مقام پر آنے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ اب حجاج اسودؒ حضرت ثابتؒ سے یہ مضمون نقل کرنے میں متفرد نہ رہے اور اس کے ایک اور طریق کا پتہ چل گیا۔ اگرچہ اس میں ابو عبیدہ عن ثابت عن انسؓ کی تصریح نہیں تاہم اس کا مجموعی مفاد اس روایت کی تائید ضرور کر رہا ہے اور حضرت ثابتؒ کے نزدیک تو اس مضمون کے ثابت ہونے میں کوئی شبہ ہی نہ رہا۔

حضرت جسرؒ کہتے ہیں کہ میں نے ثابت بنانیؒ کو خود قبر میں اتارا تھا۔ حمید طویل بھی اس وقت میرے ساتھ تھے۔ جب ہم نے ان پر اینٹیں برابر کر دیں تو ایک اینٹ گر پڑی ثابت کو دیکھا کہ قبر میں نماز پڑھ رہے ہیں۔ (والتفصیل فی تنویر الملک فی رویۃ النبی والملک ص ۶۳ مصر) اللہ تعالیٰ کسی سے کبھی برزخ کا پردہ اٹھا دیں تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔

''فلما سوینا علیه اللبن سقطت لبنة فاذا رایته یصلی فی قبره فقلت للذی معی الاتری قال اسکت فلما سوینا علیه و فرغنا اتینا ابنته فقلنا لها ما کان عمل ابیک ثابت ﷺ... قال فی دعائه اللّٰهم ان کنت اعطیت احدا من خلقک الصلوٰة فی القبر فاعطنیها'' (حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۳۱۹ مصر)

''وقال ابن سعد فی الطبقات و ابن ابی شیبة فی المصنف و الامام احمد فی الزهد اخبرنا عفان بن مسلم قال حدثنا حماد بن سلمة عن ثابت النبانی هکذا'' واللہ اعلم بالصواب!

المبحث الرابع

کن کن اکابر محدثینؒ اور علماء اعلام نے اس حدیث کے صحیح ہونے پر نص فرمائی ہے یا اسے قبول کیا ہے یا اسے استدلالاً ذکر کیا ہے۔

(۱) ابن بزار (۲۹۸ھ)	(۲) حافظ ابو یعلی الموصلی (۳۰۷ھ)
(۳) ابن عدی (۳۶۵ھ)	(۴) حافظ ابو نعیم (۴۳۰ھ)
(۵) حافظ بیہقی (۴۵۸ھ)	(۶) حافظ ابن عساکر الدمشقی (۵۷۱ھ)

(۷) حافظ تور بشتی (۶۶۲ھ) (۸) حافظ ابن تیمیہ (۷۲۸ھ)
(۹) حافظ ابن قیم (۷۵۱ھ) (۱۰) حافظ تاج الدین سبکی (۷۷۴ھ)
(۱۱) حافظ ابن کثیر (۷۷۴ھ) (۱۲) حافظ ہیثمی (۸۰۷ھ)
(۱۳) حافظ ابن حجر عسقلانی (۸۵۲ھ) (۱۴) حافظ بدر الدین العینی (۸۵۵ھ)
(۱۵) علامہ سخاوی (۹۰۲ھ) (۱۶) حافظ سیوطی (۹۱۱ھ)
(۱۷) علامہ سمہودی (۹۱۱) (۱۸) علامہ شعرانی (۹۷۳ھ)
(۱۹) حافظ منذری (۱۰۰۳ھ) (۲۰) ملا علی قاری (۱۰۱۴ھ)
(۲۱) امام ربانی مجدد الف ثانی (۱۰۳۴ھ) (۲۲) علامہ علی بن شیخ احمد عزیزی (۱۰۵۰ھ)
(۲۳) شیخ عبد الحق محدث دہلوی (۱۰۵۲ھ) (۲۴) علامہ احمد بن محمد الخفاجی المصری (۱۰۶۹ھ)
(۲۵) علامہ زرقانی (۱۱۲۲ھ) (۲۶) امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱۱۷۶ھ)
(۲۷) قاضی ثناء اللہ پانی پتی (۱۲۲۵ھ) (۲۸) شاہ عبد العزیز محدث دہلوی (۱۲۳۹ھ)
(۲۹) علامہ شامی (۱۲۵۲ھ) (۳۰) قاضی شوکانی (۱۲۵۵ھ)
(۳۱) علامہ محمود آلوسی صاحب روح المعانی (۱۲۷۰ھ) (۳۲) نواب قطب الدین شارح مشکوٰۃ (۱۲۷۹ھ)
(۳۳) نواب صدیق حسن خاں (۱۳۰۷ھ) (۳۴) مولانا نذیر حسین دہلوی (۱۳۲۰ھ)
(۳۵) مولانا شمس الحق عظیم آبادی (۱۳۲۹ھ) (۳۶) مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوری (۱۳۴۶ھ)
(۳۷) حضرت انور شاہ کشمیری (۱۳۵۳ھ) (۳۸) حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی (۱۳۶۳ھ)
(۳۹) شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی (۱۳۶۹ھ) (۴۰) محدث العصر مولانا ظفر احمد عثمانی (ھ)

حدیث پر تواتر کا دعویٰ

"حیاۃ النبی ﷺ فی قبرہ وسائر الانبیاء معلومۃ عندنا علما قطعیا لما قام عندنا من الادلۃ فی ذلک وتواترت بہ الاخبار" (فتاوی حافظ جلال الدین السیوطی ج ۳ ص ۱۴۷ طبع مصر و نحوہ فی مرقاۃ الصعود)

"ان من جملۃ ما تواتر عن النبی ﷺ حیاۃ الانبیاء فی قبورھم" (نظم المتناثر من الحدیث المتواتر ص ۳)

حوالجات از بعض عبارات

۱...... حافظ بیہقی (۴۵۸ھ)

حافظ ابن بزار اور حافظ ابو یعلی الموصلی ابن عدی اسے اپنی اپنی سندوں سے لائے ہیں ان میں حافظ ابو یعلی کی سند نہایت پختہ اور ثقہ راویوں پر مشتمل ہے چوتھی صدی میں یہ روایت اسی طرح چلی پانچویں صدی میں امام بیہقی (۴۵۸ھ) نے اسے خود بھی اور ابو یعلی کی سند سے بھی روایت کیا ہے اور اس کی تصحیح بھی کی ہے۔

"اخبرنا الثقۃ من اھل العلم قال انبانا ابو عمرو بن حمدان قال انبانا ابو یعلی الموصلی حدثنا ابو الجھم الازرق... الحدیث"

امام بیہقی کا محض روایت کر دینا اور درجہ رکھتا ہے اور آپ کا اسے صحیح قرار دینا اور عقائد کی بحث میں اسے استدلال لانا اور مخالفین کے سامنے اسے بطور حجت کے پیش کرنا یہ اور درجہ رکھتا ہے یہ دوسری بات نہایت اعلیٰ درجہ کی تصحیح ہے اور نہایت پختہ روایات کو ہی میسر آسکتی ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے اسے اسی وضاحت سے نقل کیا ہے:

''واخرجه البزار ولكن وقع عنده الحجاج الصواف وهو وهم والصواب الحجاج الاسود كما وقع التصريح فى رواية البيهقى وصححه البيهقى'' (فتح الباری ج ۱۳ ص ۲۴۶ کتاب الانبیاء)

ترجمہ: اسے محدث بزار نے بھی روایت کیا ہے لیکن اس کے ہاں یہ حجاج صواف کے نام سے مذکور ہے اور یہ وہم ہے صحیح راوی حجاج اسود ہے جیسا کہ بیہقی کی روایت میں اس پورے نام کی تصریح موجود ہے اور امام بیہقی نے تو اسے صحیح بھی کہا ہے۔

۲...... حافظ شہاب الدین فضل اللہ توربشتی (۶۶۲ھ)

''حدیث درست است کہ: ان الله حرم على الارض اجساد الانبياء الى ان قال هم احياء فى قبورهم يصلون واول ہمہ پیغمبر ما برخیزد'' (کتاب المعتمد فی المعتقد باب ۲ فصل ۴)

ترجمہ: یہ حدیث بھی صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کے اجساد زمین پر حرام کر دیئے ہیں (وہ انہیں ریزہ ریزہ نہیں کر سکتی) اور یہ بھی آپ نے فرمایا ہے کہ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور وہ وہاں نمازیں بھی پڑھتے ہیں اور سب سے پہلے قبر سے آنحضرت ﷺ ہی اٹھیں گے۔

۳...... شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ (۷۲۸ھ)

علامہ بدرالدین بعلی الحنبلی نے فتاویٰ ابن تیمیہ کا نہایت نفیس اختصار کیا ہے اس میں ہے: ''والانبياء احياء فى قبورهم وقد يصلون'' (مختصر الفتاوی المصریہ ص ۱۷۰)

ترجمہ: اور انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور کبھی کبھی نماز بھی پڑھتے ہیں۔

یہ ''وقد'' کے الفاظ کمپوزر کا سہو ہیں یا بطور سہو لکھے گئے ہیں۔ یہ حدیث کے الفاظ نہیں ہیں مراد یہ ہے انبیاء کرام اپنی قبور میں ہمیشہ نماز میں ہی نہیں رہتے کئی دوسری طاعات میں بھی کبھی اشتغال رکھتے ہیں۔ اس کی تشریح کچھ بھی ہو حدیث اپنی اصل میں ان کے ہاں مسلم ہے اور صحیح ہے۔

۴...... علامہ تاج الدین السبکیؒ (۷۷۴ھ)

''عن انس ؓ قال قال رسول الله ﷺ الانبياء احياء فى قبورهم يصلون فاذا ثبت ان نبينا ﷺ حیٌ فالحی لابد من ان يكون اما عالما او جاهلا ولا يجوز ان يكون النبى ﷺ جاهلا'' (طبقات شافعیہ ج ۲ ص ۲۸۱ مصر)

ترجمہ: حضرت انسؓ کہتے ہیں حضور اکرم ﷺ نے فرمایا۔ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور وہ نمازیں بھی پڑھتے ہیں۔ پس جب یہ ثابت ہو گیا کہ ہمارے نبی پاک ﷺ زندہ ہیں تو جو بھی زندہ ہو وہ یا باشعور ہو گا یا بے شعور اور یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ نبی (اپنی قبر میں) بے شعور ہو۔ یہ نہیں ہو سکتا۔

اور آگے جا کر لکھتے ہیں: ''لان عندنا رسول اللہ ﷺ حی یحس ویعلم وتعرض علیہ اعمال الامۃ ویبلغ الصلوۃ والسلام علیٰ مابینا'' (ایضا ۲۸۲)

ترجمہ: یہ اس لئے کہ ہم (اہل سنت) کے عقیدہ میں نبی پاک ﷺ زندہ ہیں، بدن مبارک میں حس موجود ہے علم کی شان آپ میں باقی ہے اور آپ پر امت کے اعمال بھی پیش کئے جاتے ہیں اور آپ کو (امت کا) صلوٰۃ وسلام بھی جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں پہنچایا جاتا ہے۔

اور اس سے پہلے آپ یہ لکھ آئے ہیں: ''ومن عقائدنا ان الانبیاء ﷩ احیاء فی قبورھم فاین الموت''
(طبقات شافعیہ ج ۲ ص ۲۶۶)

ترجمہ: اور ہم (اہل سنت) کے عقائد میں سے ہے کہ انبیاء ﷩ اپنی قبروں میں زندہ ہیں (اس وقت ان پر) موت کہاں؟

۵...... علامہ نورالدین ہیثمیؒ (۸۰۷ھ)

''رجال ابی یعلی ثقات'' (مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۱۱)

ترجمہ: ابو یعلی کی اس روایت کے تمام راوی ثقہ (لائق اعتماد اور پختہ) ہیں۔

۶...... خاتمۃ الحفاظ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (۸۵۲ھ)

''اخرجہ من طریق یحی بن ابی بکیر وھو من رجال الصحیح عن المستلم بن سعید وقد وثقہ احمد وابن حبان عن الحجاج الاسود وھو ابن ابی زیاد البصری وقد وثقہ احمد وابن معین عن ثابت عن انس واخرجہ ایضا ابو یعلی فی مسندہ من ھذا الوجہ واخرجہ البزار لکن وقع عندہ عن الحجاج الصواف وھو وھم والصواب الحجاج الاسود کما وقع التصریح فی روایۃ البیھقی وصححہ البیھقی''
(فتح الباری ج ۱۳ ص ۲۴۶ کتاب الانبیاء)

ترجمہ: یہ حدیث یحی بن ابی بکیر کے طریق سے مروی ہے اور وہ صحیحین کے راویوں میں سے ہے۔ اس نے مستلم بن سعید سے روایت کی ہے جسے کہ امام احمدؒ اور ابن حبان نے ثقہ قرار دیا ہے اس نے یہ روایت حضرت ثابتؓ سے لی ہے اور انہوں نے اسے حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے۔ ابو یعلی نے بھی اپنی مسند میں اسے اسی طریق سے روایت کیا ہے۔ بزار کی تخریج میں وہم سے حجاج صواف آ گیا ہے۔ صحیح حجاج اسودؓ ہی ہے جیسا کہ امام بیہقی نے تصریح کی ہے اور امام بیہقی نے اسے صحیح بھی کہا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ امام بیہقی کے اس فیصلے سے کہ یہ حدیث صحیح ہے پوری طرح متفق ہیں۔ مولانا انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں: ''وفی البیھقی عن انس ﷛ وصححہ ووافقہ الحافظ فی الفتح السادس ان الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون'' (فیض الباری ج ۲ ص ۹۴ مصر)

''الانبیاء احیاء فی قبورھم'' (فتح الباری ج ص ۲۲)

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے امام بیہقی کی تصحیح کو جو اہمیت دی ہے حضرت شاہ صاحبؒ بھی امام بیہقی کی اس تصحیح کو خاصا وزن دے رہے ہیں۔ فتفکر!

۷...... حافظ بدرالدین العینیؒ (۸۵۵ھ)

''الانبیاء ... فانهم لایموتون فی قبورهم بل هم احیاء واما سائر الخلق فانهم یموتون فی القبور ثم یحیون یوم القیمه'' (عینی ج ۷ ص ۲۰۰)

۸...... حافظ شمس الدین السخاویؒ (۹۰۲ھ)

''نحن نؤمن ونصدق بانه ﷺ حیٌ یرزق فی قبره وان جسده الشریف لاتأکله الارض''

(القول البدیع ص ۱۲۵ طبع ہند)

ترجمہ: ہم ایمان لاتے ہیں اور تصدیق کرتے ہیں کہ نبی ﷺ اپنی قبر میں زندہ ہیں آپ کو (وہاں کے مناسب) رزق بھی دیا جاتا ہے اور آپ کے جسد اطہر پر زمین کا کوئی اثر وارد نہیں ہوتا۔

۹...... حافظ جلال الدین السیوطیؒ (۹۱۱ھ)

''حیاة النبی فی قبره وسائر الانبیاء معلومة عندنا علما قطعیا لما قام عندنا من الادلة فی ذلک وتواترت به الاخبار'' (فتاوی حافظ سیوطی ج ۲ ص ۱۴۷)

ترجمہ: آنحضرت ﷺ کی اپنی قبر میں حیات اور (اسی طرح) تمام انبیاء کرام کی (اپنی قبروں میں) زندگی ہمارے نزدیک علماً قطعی درجے میں ہے ہمارے ہاں اس پر دلائل قائم ہو چکے ہیں اور احادیث اس باب میں تواتر (قدر مشترک) تک پہنچ چکی ہیں۔

''ان من جملة ماتواتر عن النبی ﷺ حیاة الانبیاء فی قبورهم'' (النظم المتناثر من الحدیث المتواتر)

ترجمہ: جو روایات نبی کریم ﷺ سے تواتر کے ساتھ منقول ہیں۔ ان میں یہ حدیث بھی ہے کہ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں۔

۱۰...... علامہ سمہودیؒ (۹۱۱ھ)

''لاشک فی حیاته ﷺ بعد وفاته وکذا سائر الانبیاء علیهم الصلوٰة والسلام احیاء فی قبورهم حیاة اکمل من حیاة الشهداء التی اخبر الله بها فی کتابه العزیز'' (وفاء الوفاج ۲ ص ۴۰۵)

ترجمہ: آنحضرت ﷺ کی حیات بعد الوفات میں کسی شک کو راہ نہیں دی جا سکتی۔ اسی طرح تمام انبیاء کرام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور ان کی یہ حیات شہداء کرام کی حیات جس کی اللہ تعالیٰ نے قرآن میں خبر دی ہے سے بھی زیادہ کامل ہے۔

۱۱...... علامہ عبدالوہاب الشعرانی رحمۃ اللہ علیہ (۹۷۳ھ)

''قد صحت الاحادیث انه ﷺ حیٌ فی قبره یصلی باذان واقامة'' (منح المنة ص ۹۲ مصر)

ترجمہ: یہ حدیثیں پوری صحت کو پہنچ چکی ہیں کہ حضور ﷺ اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور آپ وہاں اذان واقامت کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں۔

۱۲...... علامہ عبد الرؤف المناوی ﷫ (۱۰۰۳ھ)

"الانبیاء احیاء فی قبورھم ھذا حدیث صحیح" (فیض القدیر ج ۳ ص ۱۸۴)

ترجمہ: یہ حدیث کہ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ صحیح درجے کی حدیث ہے۔

۱۳...... مجدد مائۃ دہم ملا علی قاری ﷫ (۱۰۰۴ھ)

"صح خبر الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون" (مرقات ج ۲ ص ۲۱۲ قدیم ج ۳ ص ۲۴۱ طبع جدید)

ترجمہ: یہ حدیث کہ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں صحیح سند سے ثابت ہو چکی ہے۔

"ان الانبیاء احیاء فی قبورھم فیمکن لھم سماع صلوٰۃ من صلی علیھم"

(مرقات ج ۳ ص ۲۳۸ طبع جدید)

ترجمہ: انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ سو یہ بات عالم امکان میں ہے کہ آپ اس شخص کا صلوٰۃ وسلام سنیں جو آپ پر درود وسلام پڑھے۔

"ای یوصلون من امتی السلام اذا سلموا علیّ قلیلا او کثیرا وھذا مخصوص بمن بعد عن حضرۃ مرقدہ المنور ومضجعہ المطھر وفیہ اشارۃ الی حیاتہ الدائمۃ وفرحہ ببلوغ سلام امتہ الکاملۃ وایماء الی قبول السلام حیث قبلتہ الملٰئکۃ" (مرقات ج ۲ ص ۳۴۱)

ترجمہ: فرشتے میری امت کا سلام قلیل ہو یا کثیر مجھے پہنچاتے ہیں اور یہ اس کے لئے ہے جو دور ہو آپ کی قبر منور سے اور آپ کی آرامگاہ پاک سے۔ اس میں آپ کی حیات دائمی اور خوشی کی طرف اشارہ ہے جو آپ کو آپ کی امت کے سلام ملنے سے حاصل ہوتی ہے اور اس میں اس سلام کے قبول ہونے کا بھی اشارہ ہے کہ فرشتوں نے اس سلام کو آگے پہنچانے کے لئے قبول کر لیا ہوا ہے۔

وہ سلام کسی وجہ سے لائق رد ہوتا تو فرشتے اسے کبھی اٹھا کر نہ لے جاتے۔ فرشتوں کا اسے لے لینا ہی اس بات کا نشان ہے کہ اب سلام قبول ہو چکا۔

"وما افادہ من ثبوت حیاۃ الانبیاء حیاۃ بھا یتعبدون ویصلون فی قبورھم مع استغنائھم عن الطعام والشراب کالملٰئکۃ امر لا مریۃ فیہ" (ایضاً ج ۳ ص ۲۳۸)

ترجمہ: یہ بات کہ انبیاء کرام کے لئے وہاں ایسی حیات ثابت ہے کہ اس سے وہ اپنی قبروں میں مشغول عبادت اور مصروف نماز ہیں اور فرشتوں کی طرح یہاں کے مادی کھانے پینے سے مستغنی ہیں یہ ایسی پختہ بات ہے کہ اس میں شک نہیں۔

"وقد ورد بہ الاحادیث والانباء وانھم احیاء فی قبورھم فانھم افضل من الشھداء واحیاء عند ربھم" (ایضاً ج ۱۱ ص ۱۴۳)

ترجمہ: اور اس موضوع پر بہت سی احادیث واخبار وارد ہیں اور بے شک وہ اپنی قبروں میں زندہ ہیں کیونکہ وہ (بالیقین) شہداء سے جو اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں ہر حال میں افضل ہیں۔

''انه علیه السلام فی قبره حی و قال قال تعالی لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی''

(مرقات ج ۲ ص ۲۲۳)

ترجمہ: بے شک حضور ﷺ اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ تم اپنی آوازیں حضور ﷺ کی آواز سے اونچی نہ کرو۔

''و فیه دلیل علی ان الانبیاء احیاء حقیقة'' (ایضاً ج ۱۱ ص ۱۴۲)

ترجمہ: اور اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ انبیاء کرام حقیقی طور پر زندہ ہیں۔

''المعتقد المعتمد انه ﷺ حیٌ فی قبره کسائر الانبیاء فی قبورهم وهم احیاء عند ربهم وان لارواحهم تعلقا بالعالم العلوی و السفلی'' (شرح الشفاء ج ۲ ص ۱۴۲)

ترجمہ: وہ عقیدہ جس پر اعتماد کیا جا سکتا ہے یہ ہے کہ حضور ﷺ جس طرح دوسرے انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں آپ بھی زندہ ہیں اور وہ (انبیاء کرام اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں۔ اور بایں طور کہ ان کی ارواح کا تعلق عالم علوی اور اس جہان ارضی دونوں سے ہے۔

۱۴...... مجدد مائۃ یازدہم حضرت امام ربانی سیدنا الشیخ سرہندیؒ (۱۰۳۴ھ)

''برزخ صغریٰ چوں از یک وجہ از مواطن دنیوی است گنجائش ترقی دارد احوال ایں وطن نظر باشخاص متفاوتہ تفاوت فاحش دارد ''الانبیاء یصلون فی القبور'' شنیدہ باشند'' (مکتوبات دفتر ۲ نمبر ۱۶، ص ۲۹)

ترجمہ: یہ پہلا برزخ چونکہ ایک پہلو سے موطن دنیوی بھی ہے اس میں ترقی اعمال کی گنجائش ہے اور برزخ کے اس موطن دنیوی کے حالات مختلف درجوں کے افراد کے لحاظ سے مختلف ہیں۔ آپ نے یہ حدیث تو سنی ہوگی کہ انبیائے کرام اپنی قبروں میں نمازیں پڑھتے ہیں۔

۱۵...... علامہ علی بن شیخ احمد عزیزیؒ (۱۰۵۰ھ) شارح جامع صغیر

''لانه حیٌ دائما و روحه لا تفارقه لان الانبیاء احیاء فی قبورهم'' (السراج المنیر ج ۳ ص ۲۷۸)

ترجمہ: یہ اس لئے کہ (آپ) دائمی حیات سے زندہ ہیں اور آپ کی روح مقدسہ کبھی آپ سے جدا نہیں ہوتی۔ کیونکہ سب انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

۱۶...... حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ (۱۰۵۲ھ)

''ابو یعلی ﷫ بنقل ثقات از روایت انس بن مالک ﷜ آورده قال قال رسول الله ﷺ الانبیاء احیاء فی قبورهم یصلون'' (مدارج النبوة ج ۲ ص ۵۱۹ عمدة المطالع ۱۷۱۲ھ جذب القلوب ص ۱۸۰)

ترجمہ: ابو یعلی نے ثقہ راویوں کی روایت سے حضرت انس بن مالکؓ سے نقل کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا۔ انبیائے کرام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور وہ وہاں نمازیں بھی پڑھتے ہیں۔

۱۷...... علامہ احمد بن محمد الخفاجیؒ (۱۰۶۹ھ) شارح شفاء

''و قد ثبت بالاحادیث الصحیحة ان النبی ﷺ و سائر الانبیاء احیاء حیاة حقیقیة کالشهداء''

(نسیم الریاض ج ۳، ص ۲۹۹)

ترجمہ: اور یہ بات احادیث صحیحہ سے ثابت ہو چکی ہے کہ آنحضرت ﷺ اور تمام انبیائے کرام حیات حقیقی سے جیسا کہ وہ شہداء کے لئے حاصل ہے زندہ ہیں۔

۱۸...... علامہ محمد بن عبدالوہاب الزرقانیؒ (۱۱۲۲ھ) شارح مواہب اللدنیہ

"وحیاة النبی فی قبره هو وسائر الانبیاء معلومه عندنا علما قطعیا لماقام عندنا من الادلة فی ذلک وتواتر الاخبار به" (شرح المواہب ج ۵ ص ۳۳۴)

ترجمہ: حیات النبی ﷺ اپنی قبر مبارک میں اور تمام انبیاء کرام کی حیات (ان کی قبروں میں) ہمارے ہاں علم قطعی سے ثابت ہو چکی ہے کیونکہ ہمارے ہاں اس پر دلائل قائم ہو چکے اور یہ احادیث تواتر کے درجے کو پہنچی ہیں۔

۱۹...... علامہ یوسف الشافعی الاردبیلی (......ھ)

"ویخاطب بعد الموت بقول السلام علیک ایها النبی ورحمة الله وبرکاته لان الانبیاء احیاء فی قبورهم یصلون ویحجون کما ورد" (کتاب الانوار فی فقہ الامام الشافعی ج ۲ ص ۱۴ طبع ۱۳۶۲ھ مصر)

ترجمہ: اور حضور ﷺ کی خصوصیات میں سے ہے کہ آپ کو موت کے بعد بھی السلام علیک ایها النبی سے خطاب کیا جا سکے۔ کیونکہ انبیاء کرام اپنی قبروں میں زندہ ہیں وہ وہاں نمازیں بھی پڑھتے ہیں اور حج بھی کرتے ہیں جیسا کہ روایات میں وارد ہو چکا۔

۲۰...... مجدد ملت دوازدہم حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (۱۱۷۶ھ)

آپ کی کتاب فیوض الحرمین میں ان مقامات کا مطالعہ فرمائیں۔ جب آپ مدینہ منورہ میں روضہ انور پر حاضری دیتے تھے: "لما دخلت المدینة المنورة وزرت الروضة المقدسة... رایت روحه ﷺ ظاهرة بارزة لا فی عالم الارواح فقط... ثم توجهت الی القبر الشامخ المقدسة مرة بعد اخری... وانه الذی اشار الیه بقوله ان الانبیاء لایموتون وانهم یصلون ویحجون فی قبورهم وانهم احیاء الی غیر ذلک ولم اسلم علیه قط الاوقد انبسط الی وانشرح" (فیوض الحرمین ص ۲۸ مطبوعہ دیوبند)

اس کی تائید میں ایک دوسری حدیث بھی لیجئے: "وهی المکنی عنه بقوله ﷺ مامن احد یسلم علی الارد الله علی روحی حتی ارد علیه وقد شاهدت ذلک ما لا احصی فی مجاورتی المدینة سنة الف ومائة واربع واربعون" (حجۃ اللہ البالغہ ج ۲ ص مترجم ص ۶۴۹)

ترجمہ: اور یہ اشارہ ہے آنحضرت ﷺ کی اس حدیث کی طرف کہ جب کوئی شخص مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ مجھ پر میری روح لوٹا دیتا ہے (اسے مجھ پر متوجہ کر دیتا ہے) یہاں تک کہ میں اس پر سلام لوٹاؤں اور میں نے ۱۱۴۴ھ میں جب میں مدینہ منورہ میں حضور ﷺ کے پاس ٹھہرا ہوا تھا تو میں نے اس حقیقت کو وہاں (روضہ انور پر) اتنی بار مشاہدہ کیا کہ میں شمار نہیں کر سکتا۔

۲۱...... محدث کبیر قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ (۱۲۲۵ھ) صاحب التفسیر المظہری

"انه ﷺ قال من صلی علی عند قبری سمعته ومن صلی علی غائبا بلغته"

(تفسیر مظہری ج ۱۰ ص ۲۲۴)

۲۲...... حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (۱۲۳۹ھ) صاحب تفسیر فتح العزیز

ارواح کے لئے موت کے بعد فنا نہیں بلکہ صرف بدن سے اس کا تعلق منقطع ہو جاتا ہے لیکن عوام کے حق میں روح کی حیات سے مراد صرف یہ ہے کہ روح باقی رہتی ہے اور شہداء کو اس بقا کے علاوہ دو امر زائد دیئے جاتے ہیں۔ دنیا میں روح کا بدن کے ساتھ جو تعلق ہے اس کا حاصل بھی وہی دو امر ہیں۔ اول یہ کہ شہداء کے اجر میں ترقی ہوتی ہے اور دوسرا امر یہ ہے کہ بتوسط بدن شہداء کو روزی دی جاتی رہے...... انبیاء علیہم السلام کو اس سے بھی زیادہ درجہ حاصل ہے کہ امت کے احوال ان کے حضور میں پیش کئے جاتے ہیں...... چنانچہ عوام کی دنیوی حیات کے اثر سے کہیں زیادہ ہے۔ (فتاوے عزیزی ج۱ ص ۱۶۰)

۲۳...... علامہ ابن عابدین الشامیؒ (۱۲۵۲ھ) شارح الدر المختار

"ان الانبیاء احیاء فی قبورهم کما ورد فی الحدیث" (رسائل ابن عابدین ج ۲ ص ۲۰۳ مصر)

"ان الانبیاء علیهم الصلوٰة والسلام احیاء فی قبورهم" (رد المختار الشامی ج ۳ ص ۳۶۶ باب المغنم)

ترجمہ: حدیث میں وارد ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

۲۴...... قاضی شوکانیؒ (۱۲۵۵ھ) صاحب تفسیر فتح القدیر و شارح منتقی الاخبار

"انه ﷺ حی فی قبره وروحه لاتفارقه لما صح ان الانبیاء احیاء فی قبورهم"

(تحفۃ الذاکرین شرح الحصن الحصین ص ۲۸)

ترجمہ: بے شک حضور ﷺ اپنی قبر میں زندہ ہیں اور آپ کی روح اقدس آپ سے جدا نہیں ہوتی کیونکہ یہ بات صحیح طریق سے ثابت ہو چکی ہے کہ انبیاء کرام اپنی قبور میں زندہ ہیں۔

"ورد النص فی کتاب الله فی حق الشهداء انهم احیاء یرزقون وان الحیوة فیهم متعلقة بالجسد فکیف بالانبیاء والمرسلین وقد ثبت فی الحدیث ان الانبیاء احیاء فی قبورهم"

(نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار ج ۳ ص ۳۰۵)

"رواه المنذری وصححه البیهقی"

ترجمہ: قرآن کریم میں شہداء کے حق میں نص وارد ہے کہ وہ زندہ ہیں اور اپنے رب کے ہاں رزق بھی دیئے جاتے ہیں اور یہ کہ حیات ان کی ان کے جسد سے تعلق رکھتی ہے یہ شہداء کی حیات ہے تو انبیاء مرسلین کی حیات کس درجہ قوی ہوگی اور یہ بات تو حدیث میں ثابت ہو چکی ہے کہ انبیائے کرام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں۔

"انه ﷺ حی فی قبره بعد موته کما فی حدیث الانبیاء احیاء فی قبورهم وقد صححه البیهقی والف فی ذلک جزءا" (ایضاً ج ۵ ص ۱۷۸)

ترجمہ: بے شک حضور ﷺ اپنی قبر میں بعد الوفات زندہ ہیں جیسا کہ حدیث میں وارد ہوا اور بیہقی نے اس کی تصحیح کی ہے۔

''انہ ﷺ حی فی قبرہ بعد موتہ کما فی حدیث الانبیاء احیاء فی قبورھم... و یؤید ذلک ماثبت ان الشھداء احیاء یرزقون فی قبورھم والنبی ﷺ منھم واذا ثبت انہ حی فی قبرہ کان المجیء الیہ بعد الموت کالمجیء الیہ قبلہ'' (ایضاح ۵ ص ۱۷۸)

ترجمہ: آنحضرت ﷺ اپنی قبر میں اپنی وفات کے بعد سے پھر زندہ ہیں جیسا کہ حدیث الانبیاء احیاء فی قبورھم سے ثابت ہے اور اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ شھداء زندہ ہیں اور انہیں ان کی قبروں میں رزق بھی دیا جاتا ہے اور نبی اکرم ﷺ بھی تو شہیدوں میں سے ہیں اور جب حضور ﷺ کے لئے قبر میں حیات ثابت ہو چکی تو آپ کی قبر مبارک پر آنا اسی طرح ہے جس طرح وفات سے پہلے آپ کے پاس حاضری دینا تھا۔ (نیل الاوطار ج ۵ ص ۱۷۸)

۲۵...... علامہ محمود آلوسیؒ (۱۲۷۰ھ)

''والمراد بتلک الحیوۃ نوع من الحیوۃ غیر معقول لنا وھی فوق حیاۃ الشھداء بکثیر وحیوۃ نبینا ﷺ اکمل واتم من حیاۃ سائرھم علیھم السلام الی ان قال تلک الحیوۃ فی القبر وان کانت یترتب علیھا بعض ما یترتب علی الحیوۃ فی الدنیا المعروفۃ لنا من الصلوۃ والاذان والاقامۃ ورد السلام المسموع ونحو ذلک الا انھا لایترتب علیھا کل مایمکن ان یترتب علی تلک الحیوۃ المعروفہ''

(روح المعانی ج ۲۲، ص ۳۶)

''والحیوۃ فی القبر لاتستلزم الخروج وانا اقول بھا فی حق الانبیاء علیھم السلام'' (ایضا)

حاصل ایں کہ آنحضرت ﷺ کی حیات شہداء سے بہت اعلیٰ اور اتم ہے اس حیات فی القبر پر اگرچہ بعض دنیوی امور مرتب ہیں جیسے نماز اذان اقامت اور سلام کرنے والوں کا جواب دینا۔ لیکن اس دنیا کی حیات معروفہ کی ہر ممکن چیز اس حیات پر مرتب نہیں ہے۔

۲۶...... نواب قطب الدین خانؒ (۱۲۷۹ھ) شارح مشکوٰۃ صاحب مظاہر حق

زندہ ہیں انبیاء علیہم السلام قبروں میں یہ مسئلہ متفق علیہ ہے کسی کو اس میں اختلاف نہیں کہ حیات ان کو وہاں حقیقی جسمانی دنیا کی سی ہے۔ (مظاہر حق ج ۱ ص ۴۴۵)

نوٹ: دنیا کی سی ہے سے مراد یہ ہے کہ دنیوی نہیں کیونکہ مشبہ بہ میں اور مشبہ میں تغائر ضروری ہے باعتبار عالم وہ حیاۃ برزخی ہے اور انبیاء اسے اسی طرح جسمانی محسوس کرتے ہیں جیسے وہ اس دنیا میں ایک جسمانی زندگی رکھتے تھے اور وہی جسد فائز حیاۃ ہے جو ریزہ ریزہ ہونے سے محفوظ کیا گیا۔ گو یہاں والوں کو محسوس نہ ہو۔

۲۷......نواب صدیق حسن خاں صاحبؒ (۱۳۰۷ھ)

نواب صاحب اس حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں اس کی سند جید ہے: ''من صلی علی عند قبری سمعتہ ومن صلی علی نائیا بلغتہ رواہ ابو الشیخ'' (دلیل الطالب ص ۸۴۴)

قریب سے درود وسلام خود سنتے ہیں اور دور سے فرشتے پہنچاتے ہیں۔ جیسا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا معمول تھا۔ (رحلہ ص ۸۰)

۲۸......میاں نذیر حسین صاحب دہلویؒ (۱۳۲۰ھ)

حضرات انبیاء ﷩ اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ خصوصاً آنحضرت ﷺ کہ فرماتے ہیں کہ جو کوئی عند القبر درود بھیجتا ہے میں سنتا ہوں اور دور سے پہنچایا جاتا ہوں۔ (فتاویٰ نذیریہ ج ۳ ص ۵۵)

۲۹...... مولانا شمس الحق عظیم آبادیؒ (۱۳۲۹ھ) صاحب عون المعبود شرح سنن ابی داؤد

''اجساد الانبیاء ای من تاکلھا فی قبورھم احیاء'' (عون المعبود ج ۱ ص ۴۰۵)

ترجمہ: انبیاء کرام کے اجساد مٹی پر حرام ہے کہ ان کو کھائے وہ اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

۳۰......مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوریؒ (۱۳۴۷ھ)

''المراد بالسلام عند القبر وقت حضورہ للزیارۃ... ان روح المقدسۃ فی شان مافی الحضرۃ الالٰھیۃ فاذا بلغہ سلام احد من الامۃ رد اللہ تعالیٰ روحہ المطہرۃ من تلک الحالۃ الیٰ رد من سلم علیہ''

(بذل ج ۳ ص ۳۰۷)

آنحضرت ﷺ حیات ہیں لہٰذا پست آواز سے سلام عرض کرنا چاہیے مسجد نبوی کی حد میں کتنی ہی پست آواز سے سلام عرض کیا جائے اس کو حضرت ﷺ خود سنتے ہیں۔ (تذکرۃ الخلیل ص ۳۶)

۳۱...... امام العصر علامہ انور شاہ کشمیریؒ (۱۳۵۳ھ)

''فی البیھقی عن انس وصححہ ووافقہ الحافظ فی الفتح السادس ان الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون'' (فیض الباری ج ۲ ص ۹۴)

ترجمہ: بیہقی میں حضرت انسؓ سے روایت ہے اور بیہقی نے اس کی تصحیح کی ہے اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری کی چھٹی ج میں بیہقی سے اس حدیث کی صحت پر موافقت کی ہے حدیث یہ ہے، کہ انبیاء کرام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور وہ وہاں نمازیں بھی پڑھتے ہیں۔

۳۲......حکیم الامۃ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ (۱۳۶۲ھ)

حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ انبیاء ﷩ اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں۔ (نشر الطیب ص ۱۸۳ طبع دیوبند)

۳۳......شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ (۱۳۶۹ھ)

''اما بعد وفاتہ فروحہ المقدسۃ قد استقرت فی الرفیق الاعلیٰ مع ارواح الانبیاء علیھم الصلوٰۃ والسلام ولا یتوھم من ھذا انکار حیات فی قبرہ الشریف فان لروحہ ﷺ اشرافا علی البدن المبارک المطیب واشراقا وتعلقا بہ وبدنہ فی ضریحہ غیر مفقود واذا سلم علیہ المسلم رد اللہ روحہ حتی یرد ﷺ کما ورد فی الحدیث لم یفارق الملاء الاعلیٰ ومن کثف ادراکہ وغلظت طباعہ عن ھذا الادراک فلینظر الی الشمس فی علو محلھا وتعلقھا وتاثیرھا فی الارض وحیاۃ النبات والحیوان بھا'' (فتح الملہم ج ۳ ص ۳۲۰)

المبحث الخامس: الکلام علی عالم المثال

قبر عالم برزخ کی ایک قرارگاہ ہے اگلی قرارگاہ عالم آخرت ہے جس کے دو بڑے حصے ہیں:

(۱) جنت (۲) جہنم

مقام اعراف بھی عالم آخرت کا ہی ایک حصہ ہے۔

یہ دنیا جس میں اب ہم ہیں ہماری یہ قرارگاہ بھی کچھ وقت کے لیے ہے دائمی قرارگاہ عالم آخرت ہے:

(۱) عالم ارواح (۲) عالم دنیا (۳) عالم برزخ (۴) عالم آخرت

یہ چاروں عالم بالترتیب چلے ہیں پہلے تینوں اپنے اپنے وقت کے لیے بنی نوع انسان کی قرارگاہ ہیں اور چوتھا جہاں مستقل طور پر ہماری قرارگاہ ہے یہ چاروں جہاں حقائق کے جہاں ہیں یوں سمجھئے چاروں جہاں عالم شہادت کے مختلف پیرائے ہیں علماء نے ان کے متوازی ایک اور جہان کا پتہ دیا ہے یہ جہاں عالم مثال ہے جو عالم شہادت کے ساتھ ساتھ چلتا ہے یہ حقائق کی دنیا نہیں یہاں حقائق کی ان کے اپنے مناسب حال تصویریں اترتی ہیں عالم مثال گویا ایک آئینہ ہے جس میں حقائق منعکس ہوتے ہیں۔

خود آنحضرت ﷺ کے سامنے جنت ایک دفعہ مثالی شکل میں لائی گئی "رأیت الجنۃ والنار ممثلتین"
(صحیح البخاری ج ۱ ص ۱۰۳ ج ۲ ص ۱۴۲ ص ۱۰۵۰)

حضرت شیخ محی الدین ابن العربیؒ فتوحات مکیہ میں لکھتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام سے پہلے کئی اور آدم گزرے ہیں اور اس پر انہوں نے عالم مثال کے کچھ مشاہدات ذکر کئے ہیں۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ یہ سب آدم عالم مثال کے ہیں۔ عالم شہادت میں صرف وہی ایک آدم گزرے ہیں جنہوں نے صفت جامعیت پر خلقت پائی۔ ان کے آنے سے پہلے ان کے لطائف یا صفات میں سے کوئی صفت یا لطیفہ اللہ رب العزت کی ایجاد سے عالم مثال میں وجود پاتا رہا اور صورت آدم میں اس کا ظہور ہوتا رہا۔ (مکتوبات دفتر دوم ۵۸ ص ۱۱۳)

حضرت امام ربانی شیخ سرہندی کے اس ارشاد سے بعض حضرات یہ مطلب نکال رہے ہیں کہ جس طرح اوادم مختلفہ عالم مثال میں موجود رہے۔ اسی طرح انبیائے کرام وفات کے بعد عالم مثال میں چلے جاتے ہیں اور ان کی ارواح قدسیہ عالم مثال ہی میں مختلف اطوار میں ظہور فرماتی ہیں۔ یہ انبیاء کرام کا اپنے قبور میں نمازیں پڑھنا سب مثالی وجود ہی سے عمل میں آتا ہے نہ کہ جسد عنصری سے نعیم قبر اور عذاب قبر اسی عالم مثال میں ہوتے ہیں۔

جواباً عرض ہے کہ پہلے حضرت مجدد کے کلام میں عالم مثال کا معنی سمجھ لیجئے۔ آپ کے ہاں عالم مثال ایک آئینہ کے درجہ میں ہے جس میں حقائق اور معانی منعکس ہوتے ہیں اس کی اپنی کوئی صورت وہیئت نہیں جتنی صورتیں اور شکلیں اس میں نظر آتی ہیں، وہ دوسرے عوامل سے اس آئینہ مثال میں عکس دے رہی ہوتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ پھر یہ عالم مثال کوئی رہنے کا محل نہیں، اسے عالم ارواح اور عالم اجساد کے درمیان فقط ایک برزخ کا درجہ حاصل ہے، جو فی حد ذاتہ کسی صورت وشکل کو متضمن نہیں۔

عالم مثال کی اس تفصیل سے یہ واضح ہو گیا کہ روح آدم خلقت آدم سے پیشتر بھی ہرگز عالم مثال میں اقامت گزیں نہ تھی قرون متطاولہ سابقہ میں فقط اس کے لطائف منعکس ہو کر آدم کا نام پاتے رہے۔ روح بہرحال عالم ارواح میں تھی نہ کہ عالم مثال ہیں۔ اس لیے کہ عالم مثال رہنے کی جگہ نہیں۔ فقط دیکھا جانے کا ایک آئینہ ہے جس میں حقائق و معانی اترتے ہیں۔

پس یہ کہنا کہ جس طرح ادوام مختلفہ عالم مثال میں موجود رہے ہیں، اسی طرح انبیائے کرام بعد وفات اس عالم مثال میں چلے جاتے ہیں، بنائے فاسد علی الفاسد ہے۔ اعاذنا اللہ منہا!

ارشاد حضرت مجدد الف ثانیؒ

''نوشتہ بودند کہ روح پیش از تعلق بہ بدن در عالم مثال بودہ است و بعد از مفارقت از بدن باز بعالم مثال خواہد رفت، پس عذاب قبر در عالم مثال خواہد بود۔ بدانند کہ ایں قسم خیالات از صدق قلیل النصیب است...... بعالم مثال کار ندارد نہ پیش از تعلق و نہ بعد از تعلق۔ بیش ازیں نیست کہ در بعضے اوقات بتوفیق اللہ سبحانہ، بعضے از احوال خود را در مراۃ عالم مطالعہ می نماید...... عالم مثال از برائے دیدن است نہ برائے بودن، جائے بودن عالم ارواح است یا عالم اجساد، عالم مثال بیش از مراۃ ایں دو عالم نیست...... عذاب قبر ازیں قبیل نیست کہ حقیقت عقوبت است نہ صورت و شبہ عقوبت۔'' (مکتوبات دفتر سوم مکتوب نمبر ۱۳، ص ۵۷، ۵۸)

ترجمہ: آپ نے لکھا تھا کہ روح بدن کے ساتھ وابستہ ہونے سے پہلے عالم مثال میں رہی ہے اور بدن سے جدا ہونے کے بعد پھر عالم مثال میں چلی جاتی ہے پس عذاب قبر اس عالم مثال میں ہوتا ہے۔ جوابا آپ کو جاننا چاہیے کہ اس قسم کے خیالات انہی لوگوں کے ہیں، جنہیں صداقت بہت کم نصیب ہوئی ہے اور وہ اس باب میں قلیل النصیب ہیں روح کا عالم مثال سے کوئی سروکار نہیں، نہ بدن کے ساتھ وابستہ ہونے سے پہلے اور نہ اس کے بعد، زیادہ سے زیادہ یہی ہو سکتا ہے کہ اللہ رب العزت کی قدرت سے روح کے بعض احوال اس عالم کے آئینے میں منعکس ہوتے ہوں۔ لیکن عالم مثال روح کے رہنے کی جگہ نہیں (وہ تو محض دیکھنے کا ایک پردہ ہے جس پر صورتیں ظاہر ہوتی ہیں) رہنے کی جگہ یا عالم ارواح ہے یا عالم اجساد، عالم مثال ان دونوں جہانوں کے آئینہ ہونے کے سوا اور کچھ نہیں عذاب قبر اس مثالی صورت پر وارد نہیں ہوتا۔ کیونکہ عذاب قبر خود ایک حقیقت ہے کسی عذاب اور سزا کی محض کوئی تصویر نہیں۔

اس مکتوب پر حضرت امام ربانی نے جو تصریحات فرمائیں، ان کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

(۱) معاملات قبر اپنا حقیقی وجود رکھتے ہیں، فقط صورت و انعکاس نہیں۔

(۲) وجود عالم مثال فقط شبہ و صورت ہے، کسی شئے کی حقیقت نہیں۔

(۳) روح کا تعلق عالم مثال میں کبھی رہنے کا نہیں ہوا نہ بدن سے متعلق ہونے سے پہلے نہ بعد ازاں۔

(۴) مفارقت بدن کے بعد روح اور اطوار روح کو عالم مثال میں ٹھہرانا روح کی نفی کرنے کے مترادف ہے۔

اب غور فرمایئے کہ انبیائے کرام علیہم السلام کی ارواح قدسیہ ان کے برزخی احوال اور ان کے معاملات قبر کو عالم مثال کے امور بتلانا اور پھر اسے فیصلہ کن ٹھہرانا، کس قدر شان علم و دیانت ہے۔

المبحث السادس: فی معنی القبر

قبر اپنی وسعت اور کشادگی کے اعتبار سے فقط اس زمینی نشان کا نام نہیں، بلکہ یہ ایک عالم برزخ کی منزل ہے جس کا ایک پہلو یہ زمینی نشان ہے اور اس کی دوسری حدود و اطراف کو اللہ رب العزت ہی جانتے ہیں۔

آپ کسی میت کے لیے کوئی گڑھا کتنا ہی فراخ کیوں نہ بنادیں۔ اللہ تعالیٰ اس سے اس کے خلاف معاملہ کرنا چاہیں، تو اسے تنگی کی آخری انتہا تک پہنچا دیتے ہیں۔ اگرچہ وہ اتنا ہی فراخ دکھائی دے۔ اسی طرح کسی بندہ خدا کے لیے کوئی قبر کتنی ہی تنگ کیوں نہ بنادی جائے، وہ رحیم مطلق جب چاہے اسے حد نظر سے بھی زیادہ فراخ کر دیتا ہے۔ اگرچہ بظاہر اس زمینی نظام میں کوئی خاص تبدیلی ظہور پذیر نہ ہو۔ اس سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ یہ ظاہری قبر عالم برزخ کا صرف ایک پہلو ہے، جس کی اگلی وسعت وفسحت کو اللہ رب العزت ہی جانتے ہیں یا وہ بندگان خدا اس پر اطلاع پاتے ہیں، جنہیں اللہ تعالیٰ اس کا انکشاف کرامت فرما دیتے ہیں۔ اس کی بحث ہم تفصیل سے پیچھے کر آئے ہیں۔

ایک غلطی کا ازالہ

بعض لوگ صوفیائے کرام کے ان ارشادات سے کہ "قبر حقیقت میں اس ظاہری زمینی نشان کا نام نہیں، بلکہ وہ ایک عالم برزخ کی منزل ہے...... اس غلط فہمی کا شکار ہو جاتے ہیں کہ عالم برزخ اس ظاہری قبر سے ایک بالکل جدا مکان کا نام ہے، حالانکہ ایسا نہیں، امر واقع یہ ہے کہ عالم برزخ کو اس ظاہری قبر سے کچھ نہ کچھ تعلق ضرور ہوتا ہے۔ البتہ قبر اپنی وسعت وفسحت کے اعتبار سے اس زمینی نشان تک محدود نہیں۔ بلکہ یہ ایک برزخی منزل ہے[1] جس کا ایک پہلو یہ ظاہری قبر اور اس کی باقی حدود اس پردے میں ہیں جسے کہ برزخ کہا جاتا ہے یعنی یہ ظاہری قبر حقیقت قبر سے کلیۃً جدا نہیں، صرف بعض اعتبارات سے اس سے مختلف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ برزخی مشاہدات میں بھی اس ظاہری نشان پر قبر کا اطلاق بکثرت وارد ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے عالم برزخ کا ایک پہلو یقیناً یہ ظاہری قبر ہے۔ اسے حقیقت قبر سے کنایہ قرار دینا، تو خیر سمجھ میں آتا تھا، لیکن مجاز ہی مجاز[2] کہے چلے جانا یہ بالکل خلاف واقع ہے۔ واللہ اعلم بالصواب!

پیچھے اس پر پوری بحث ہو چکی ہے اور آپ یہ حدیث پڑھ آئے ہیں کہ: "آنحضرت ﷺ ایک قبرستان سے گزرے۔ آپ ﷺ نے دو شخصوں کو عذاب ہوتے دیکھا۔ ایک ان میں سے پیشاب کے چھینٹوں سے نہ بچتا تھا اور دوسرا چغلی کھانے کا عادی تھا۔" (راجع صحیح البخاری ج ۱ ص ۱۸۴)

---

[1] ان القبر اول منازل الاخرة (مستدرک ج ۱ ص ۳۷۱)

واحوال البرزخ اشبه باحوال الآخرة (فتح الباری ج ۱۳، ص ۲۷۹)

[2] "عن ابن فورک انه ﷺ حی فی قبره رسولا الی الابد حقیقة لا مجازا قال ابن عقیل من الحنابلة هو ﷺ حی فی قبره يصلی (الروضة البهية فيما بين الاشاعرة والماتريدية ص ۱۴ مطبوعہ حیدرآباد دکن)

یہ تو ظاہر ہے کہ ان دونوں کو عالم برزخ میں عذاب ہو رہا تھا۔ اب اس کا ان ظاہری قبروں سے انکشاف اس حقیقت کا پتہ دے رہا ہے کہ حقیقت قبر اس ظاہری زمینی نشان سے کلیۃ علیحدہ نہیں بلکہ یہ علیحدگی صرف وسعت وفسحت وغیرہ کے اعتبار سے ہے۔

اسی طرح آنحضرت ﷺ کا اس عورت کے متعلق جو مسجد میں جھاڑو دیا کرتی تھی، فرمانا کہ مجھے اس کی قبر کا پتہ بتاؤ یقیناً اس ظاہری زمینی نشان سے ہی متعلق تھا۔ آپ نے ارشاد فرمایا: ''دلونی علی قبرھا''
(صحیح بخاری ج ۱ ص ۶۵)

ترجمہ: مجھے اس کی قبر کا پتہ بتاؤ۔

اور پھر آپ کا یہ اعلان بھی اسی ظاہری زمینی نشان ہی سے متعلق تھا: ''ان ھذہ القبور مملوءۃ ظلمۃ علی اھلھا وان اللہ ینورھا لھم بصلوتی'' (صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۱۰)

ترجمہ: بے شک یہ قبور اپنے مدفونین کے لیے تاریکی سے اٹی پڑی ہیں اور اللہ تعالیٰ میرے جنازہ پڑھنے سے انہیں نورانی بنا دیتے ہیں۔

یہ ارشاد بھی بتا رہا ہے کہ ظلمت ونور کا محل یقیناً وہی ظاہری قبور ہیں جو ھذہ کا مشار الیہ ہیں۔ ہاں اس کے باقی برزخی پہلو اور وسعت وفسحت کو اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں وہ اس ظاہری نشانات کی ظاہری حدود میں منحصر نہیں۔

آنحضرت ﷺ نے موسیٰ علیہ السلام کو ان کی جس برزخی زندگی میں نماز پڑھتے دیکھا تھا، اس کا انکشاف اس ظاہری قبر سے ہی ہوا تھا، جو سرخ ٹیلے کے پاس آپ نے دیکھی تھی۔

ان حقائق کی روشنی میں یہ کہنا کہ عالم برزخ کو اس ظاہری قبر سے کوئی تعلق نہیں، یقیناً غلط ہے۔ مقام افسوس ہے اور محل حیرت در حیرت ہے اور مولانا نیلوی کا اس پر اصرار صرف ضد اور ایک تقاضائے غیرت کہ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ آپ کچھ بھی نہ کہہ سکے۔

آنحضرت ﷺ نے اس حدیث حیات انبیاء میں صرف یہ نہ فرمایا ''الانبیاء احیاء'' (انبیاء زندہ ہوتے ہیں) بلکہ اس کے ساتھ ''فی قبورھم'' (اپنی اپنی قبروں میں) کی وضاحت فرمادی تاکہ کوئی یہ گمان نہ کر سکے کہ انبیائے کرام علیہم السلام کی برزخی حیات صرف روحانی ہوتی ہے ''فی قبورھم'' کے الفاظ سے اس پر متنبہ کر دیا کہ یہاں محل حیات وہی ہے جسے قبروں میں رکھا جاتا ہے اور وہ جسد میت ہی ہے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ انبیائے کرام کے اجسام عنصریہ ہی بعد الوفات قبور میں اتارے جاتے ہیں پس ان کی حیات کا بیان ان قبور کے ذکر کے ساتھ اس حقیقت کو بے نقاب کر رہا ہے کہ انبیائے کرام کی برزخی حیات صرف روحانی نہیں، بلکہ عنصری اور جسمانی بھی ہے۔

پھر یہی نہیں کہ آنحضرت نے حیات انبیاء کی وضاحت ''فی قبورھم'' کے الفاظ سے کی بلکہ آپ نے یصلون (کہ وہ نمازیں بھی پڑھ رہے ہیں) کی تصریح فرما کر حیات جسمانی کو اور روشن کر دیا۔ اس لیے نماز کسی وجود جسدی کو چاہتی ہے اور ظاہر ہے کہ وہ تو قبر میں ہے۔

''الصلوۃ تستدعی جسدا حیا'' (حاشیہ نسائی)

افصح العرب والعجم، صاحب جوامع الکلم نے کس جامع اور بلیغ انداز میں ارشاد فرمایا ہے: ''الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون''

ترجمہ: انبیائے کرام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں۔

(۱) احیاء میں حیات کا بیان جملہ اسمیہ سے کر کے استمرار کی وضاحت کی۔

(۲) فی قبورھم میں حیات کے عنصری جسمانی ہونے کی وضاحت ہوگئی۔

(۳) یصلون میں حیات حقیقی کا، جس میں اعمال طیبہ سے تعطل نہ ہو، بیان ہوا۔

پس بفحوائے حدیث شریف آنحضرت اپنے روضہ شریفہ میں (تاثیر روح یا دخول روح سے) اپنے جسد عنصری کے ساتھ فائز الحیات ہیں اور بدستور اشغال طیبہ میں استغراق ہے یہ عمل تلذذاً ہے نہ کہ وجوباً۔ علامہ علی بن شیخ احمد عزیزی لکھتے ہیں: ''تلذذاً لان التکلیف انقطع بالموت'' (عزیزی شرح جامع صغیر ص ۱۳۴)

ترجمہ: یہ عبادت تلذذاً ہے کیونکہ مکلف ہونا وہ موت سے ختم ہو چکا ہے۔

تاہم قبر سے مراد یہی قبر ہے جس کی برزخی وسعت کو اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں۔ مقدمہ میں ہم معنی قبر پر حضور ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے متعدد مثالیں پیش کر چکے ہیں، یہاں ایک اور حوالہ نوٹ کر لیجئے۔ اس سے واضح ہو گا کہ اللہ رب العزت کے ہاں بھی یہ دنیا کا گڑھا مفہوم قبر سے بالکل بے تعلق نہیں، مومنین پر اللہ رب العزت کی رحمتیں انہی گڑھوں پر اترتی ہیں اور بسا اوقات نور کے شعلے بھی انہی سے اٹھتے ہیں۔

حضرت ابوایوب انصاریؓ کی قبر سے نور کا مینار اٹھا

حضرت ابوایوب انصاریؓ (۵۱ھ) اس لشکر میں شامل تھے جو قسطنطنیہ پر حملہ آور ہوا۔ یہ حضرت معاویہؓ کا دور خلافت تھا۔ حضرت ابوایوبؓ بیمار ہوئے اور وہیں وفات پائی۔ آپ رات کے وقت قلعہ کے دامن میں دفن کیے گئے۔ امام محمد بن احمد السرخسی (۴۸۳ھ) بیان کرتے ہیں: ''فدفنوہ لیلا فصعد نور من قبرہ الی السماء ورای ذلک من کان بالقرب من ذلک الموضع من المشرکین فجاء رسولھم من الغد فقال من کان ھذا المیت فیکم فقالوا اصاحب لنبینا فاسلموا ابمارأوا'' (شرح سیر کبیر ج ۱ ص ۱۵۷)

ترجمہ: انہیں ساتھیوں نے رات کے وقت قبر میں اتارا آپ کی قبر سے نور کا ایک شعلہ آسمان کی طرف بلند ہوا اور اس منظر کو دوسری طرف کفار نے بھی جو سرحد کے قریب تھے دیکھ لیا۔ صبح ہوئی تو ان کا ایک قاصد آیا اور اس نے پوچھا کہ یہ مرنے والا کون تھا (جسے رات تم نے دفن کیا) انہوں نے کہا کہ یہ ہمارے نبی اکرم ﷺ کے صحابی تھے۔ جنہوں نے اسے دیکھا وہ سب ایمان لے آئے۔

انہوں نے سوچا کہ جس نبی کے صحابی کی یہ شان ہے کہ ان کی قبر سے روشنی اٹھتی ہے اس نبی کی اپنی شان کیا ہوگی کس طرح آپ کے لیے آسمان رحمتیں برساتا ہوگا اور زمین بھی اپنی برکتیں اگلتی ہوگی۔ اور یہ حقیقت ہے کہ آپ کی قبر مبارک حضرت ابوایوب انصاریؓ کی قبر سے کئی گنا زیادہ منبع نور ہوگی۔

الفصل الخامس... وفیہ ستۃ من المباحث

"قال ابو الشیخ فی کتاب الصلوۃ حدثنا عبد الرحمن بن احمد الاعرج حدثنا الحسین بن الصباح حدثنا ابو معاویۃ حدثنا الاعمش عن ابی صالح عن ابی ہریرۃ ﷺ قال قال رسول اللہ ﷺ"

حضرت ابوہریرۃؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: "من صلی علیّ عند قبری سمعتہ ومن صلی علیّ من بعید اعلمتہ... وفی روایۃ من صلی علی نائیا ابلغتہ"

(رواہ ابوالشیخ الاصبہانی وابن حبان بسند جید، مرقات ج ۲ ص ۷۴۳ طبع قدیم ج ۲ ص ۱۰)

ترجمہ: جو پڑھے درود میری قبر کے پاس اسے میں خود سنوں گا اور جس نے دور سے پڑھا وہ مجھے پہنچا دیا جائے گا۔

المبحث الاوّل: فی معنی الحدیث

اس حدیث میں من صلی عام ہے۔ جس نے بھی حضور ﷺ پر درود بھیجا، وہ انسان ہو یا فرشتہ یا جن، ہر ایک کا درود آپ کو پہنچتا ہے۔ ہاں جو قبر مبارک کے پاس درود پڑھے اسے حضور اکرم ﷺ خود سنتے ہیں۔

سوال: یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کی قوت سامعہ کیا اتنی تیز ہے کہ منوں مٹی کا فاصلہ اسے روک نہیں سکتا؟

جواب: ہاں جب حضور ﷺ خود دنیا میں تشریف فرما تھے تو کیا آپ نے منوں مٹی کے فاصلے سے ان مردوں کی آوازیں نہ سنیں جن کو عذاب ہو رہا تھا اور کیا یہ احادیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں موجود نہیں ہیں؟

سوال: کیا کسی اور حدیث سے بھی ثابت ہے کہ حضور ﷺ قریب سے کہے گئے سلام کو سنتے ہیں؟

جواب: ہاں حضور ﷺ نے فرمایا: "مامن احد یسلم علیّ الا رد اللہ علیّ روحی حتیٰ ارد علیہ"

(سنن ابی داؤد ج ۱ ص ۲۷۹، مسند امام احمد ج ۲ ص ۵۲۷)

جو مجھ پر سلام پڑھے اللہ تعالیٰ میری روح کو میری طرف متوجہ کرتا ہے اور میں اس کا جواب دیتا ہوں۔ رد اللہ علی روحی کی بحث پہلے آچکی ہے۔ اس حدیث میں حضور ﷺ کا قریب سے صلوٰۃ وسلام سننا خود ثابت ہے۔

ثانیاً: حضور ﷺ نے حضرت عیسیٰ کے بارے میں بھی فرمایا: "لئن قام علی قبری فقال یا محمد لاجیبنہ" (رواہ ابو یعلی ورجالہ رجال الصحیح، مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۱۱، الجامع الصغیر ج ۲ ص ۱۴۰، رواہ ابو یعلی کمافی الحاوی للفتاویٰ ج ۲ ص ۲۹۰، روح المعانی پ ۲۲ ص ۳۵، مسند امام احمد ج ۲ ص ۲۹۰، مستدرک حاکم ج ۲ ص ۵۹۵)

ترجمہ: اگر وہ میری قبر پر آئیں اور مجھے بلائیں، میں ان کا جواب دوں گا۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ قبر مبارک پر آپ خود سنتے ہیں اور سلام کا جواب بھی دیتے ہیں۔

"وروی محمد بن یحی بن ابی عمر برجال ثقات عن ابی ہریرۃ ﷺ رسول اللہ ﷺ قال ان عیسیٰ بن مریم یکون مازا بالمدینۃ المنورۃ حاجا أو معتمرا ولئن سلم علیّ لأردن علیہ"

ترجمہ: حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام مدینہ کے قریب حج یا عمرہ کا احرام باندھے گزریں گے آپ نے اگر مجھے (میری قبر پر) سلام کہا تو میں جواب میں انہیں وعلیک السلام کہوں گا۔

صحیح مسلم کی روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ فج روحاء سے حج یا عمرہ یا دونوں کا احرام باندھیں گے۔
(صحیح مسلم ج ۱، ص ۴۰۸)

"وروى ابن النجار عن إبراهيم بن يسار قال حججت في بعض السنين فجئت المدينة فتقدمت الى قبر رسول الله ﷺ فسلمت عليه فسمعت من داخل الحجرة وعليك السلام"

اس کی توثیق مازری کی اس روایت سے: "ان سليمان بن شحم قال رأيت النبی ﷺ فی النوم فقلت يارسول الله هؤلاء الذين يأتونك فيسلمون عليك أتفقه سلامهم؟ قال نعم!"

ترجمہ: سلیمان بن شحم نے بتایا کہ میں نے حضور اکرم ﷺ کو خواب میں دیکھا، میں نے آپ ﷺ سے پوچھا: یہ لوگ جو آپ پر سلام پڑھتے ہیں کیا آپ ان کے سلام کو سمجھتے ہیں؟ آپ نے کہا ہاں!

"وروى ابو نعيم عن سعيد بن المسيب قال لقد رأيتني ليالي الحرة وما في المسجد غيری وما يأتي وقت أذان الا سمعت الاذان من القبر"

ترجمہ: حافظ ابو نعیم نے حضرت سعید بن المسیب سے روایت کیا ہے کہ میں ایام حرہ کی راتوں میں اپنے آپ کو اکیلا ہی پایا میرے سوا ان میں کوئی نہ ہوتا تھا جب بھی نماز کا وقت ہوتا تو حضور ﷺ کی قبر سے اذان کی آواز سنائی دیتی۔

"عن سعيد بن عبد العزيز قال لما كان ايام الحرة لم يؤذن في مسجد النبی ﷺ ثلثا۔ ولم يقم ولم يبرح سعيد من المسجد وكان لا يعرف وقت الصلوٰة الا بهمهمة يسمعها من قبر النبی ﷺ فذكر معناه"
(سنن دارمی ص ۴۴)

ترجمہ: حضرت سعید بن عبد العزیز سے بھی روایت ہے کہ ایام حرہ میں اجالے کی تینوں نمازوں کے وقت نہ اذان ہوتی رہی نہ اقامت نہ آپ مسجد سے باہر جاتے اور نہ وقتِ نماز جان پاتے مگر آپ نبی اکرم ﷺ کی قبر مبارک سے کچھ گنگناہٹ کی آوز سنتے (یہ قبر سے اذان آنے کی آواز تھی)

حضرت کعب احبار ؓ (جو اہل کتاب کے بڑے عالم تھے) نے حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ ؓ کے ہاں پہلی کتابوں سے یہ روایت سنائی۔ آپ نے کہا: "فقال كعب: ما من يوم يطلع الا نزل سبعون ألفا من الملٰئكة حتى يحفوا بقبر النبی ﷺ يضربون بأجنحتهم ويصلون على رسول الله ﷺ حتى اذا امسوا عرجوا وهبط مثلهم فصنعوا مثل ذلك حتى اذا انشقت عنه الأرض خرج في سبعين ألفا من الملٰئكة يزفونه"
(سنن دارمی ج ۱، ص ۴۴)

ترجمہ: ہر روز ستر ہزار فرشتے اترتے ہیں اور حضور ﷺ کی قبر کو گھیر لیتے ہیں اور اپنے پر پھیلا دیتے ہیں اور حضور ﷺ پر درود پڑھتے ہیں جب شام ہوتی ہے وہ اوپر (آسمان کی طرف) چلے جاتے ہیں اور اتنے ہی اوپر سے نیچے آتے ہیں وہ ایسا ہی کرتے رہیں گے یہاں تک کہ حشر پر زمین پھٹے اور ستر ہزار فرشتے آپ کا استقبال کریں۔

یہ "اول من تنشق عنه الأرض" کا کیسا ایمان افروز نظارہ ہوگا کتنے خوش قسمت وہ اہل سنت ہیں جو اس وقت کرامیہ اور مماتیوں کے اس غلط عقیدے سے بچے اپنی قبروں میں اترتے ہیں جو بدنصیب اب تک یہ انعام باری نہیں پا سکے۔ اللہ رب العزت انہیں توبہ کی توفیق عطا فرمائے اور وہ اپنے بھائیوں سے پھر آملیں۔

یہ روایات قاطبۃ حضور ﷺ کے روضہ پر پڑھے گئے صلوٰۃ وسلام اور آپ کے خود سننے کی خبر دے رہی ہیں اور دور سے پڑھا بھی آپ کو پہنچایا جاتا ہے۔ اللھم زد فزد!

ثانیا: حضور ﷺ نے فرمایا: ''لیس من عبد یصلی علیّ الا بلغنی صلوٰتہ رواہ الطبرانی''

(نیل الاوطار ج ۳ ص ۲۱۱)

ترجمہ: جو بندۂ خدا مجھ پر درود پڑھتا ہے وہ مجھے پہنچتا ہے۔

یہاں پہنچایا جاتا نہیں کہا، پہنچتا کہا ہے معلوم ہوتا ہے یہ اس شخص کے متعلق ہے جو قریب سے پڑھے، دور والے کا پہنچایا جاتا ہے نہ یہ کہ خود پہنچتا ہے۔ بعض حوالوں میں یہ روایت تصحیف کاتب سے بلغنی صوتہ کے لفظوں میں لکھی ہے۔ اس سے بھی اس بات کی تائید ملتی ہے کہ یہ قبر مبارک کے قریب درود پڑھنے والے سے متعلق ہے۔

حدیث کا دوسرا حصہ یہ ہے کہ جو درود دور سے پڑھا جائے وہ مجھے پہنچایا جاتا ہے۔ یہ مضمون ان روایات سے بھی ثابت ہوتا ہے: (۱) ''ان للہ ملٰئکۃ سیاحین فی الارض یبلغونی من امتی السلام''

(رواہ النسائی ج ۱ ص ۱۸۹، مسند امام احمد ج ص ۴۴۱، سنن دارمی ص ۳۷۲،
المصنف لابن ابی شیبہ ج ص، البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۱۵۴، الجامع الصغیر ج ۱ ص ۹۳، مشکوٰۃ ص ۸۶ تحریرات حدیث مولانا حسین علی ص ۲۱۱)

ترجمہ: بے شک اللہ کے فرشتے زمین میں سیاحت کرتے ہیں جہاں کوئی میرا امتی مجھ پر سلام پڑھے وہ مجھے پہنچا دیتے ہیں۔

(۲) ''یبلغونی صلوٰۃ من صلی علیّ من امتی'' (رواہ الدارقطنی، القول البدیع ص ۱۱۵)

ترجمہ: وہ مجھے پہنچاتے ہیں جو کوئی میرا امتی مجھ پر درود پڑھے۔

(۳) ''ان صلوٰتکم معروضۃ علیّ''

ترجمہ: بے شک تمہارا درود مجھ پر پیش ہوتا ہے۔

فرشتوں کے پہنچانے کے ذیل میں درود اور سلام دونوں کا ذکر ملتا ہے بعض روایات میں صرف صلوٰۃ کا بیان ہے، بعض میں صرف سلام کا...... اور فیصلہ کن بات یہ ہے کہ فرشتے درود بھی پہنچاتے ہیں اور سلام بھی...... دونوں میں افراد ہو تو بھی احناف کے ہاں جائز ہے اور صلوٰۃ وسلام جمعاً پڑھے جائیں تو بھی جائز ہے اور دونوں آپ تک پہنچتے ہیں۔ صلوٰۃ وسلام حضور ﷺ کو دور سے خطاب کر کے بھی عرض کیا جا سکتا ہے بایں اعتقاد کہ فرشتے اسے اسی طرح روضہ پاک پر عرض کر دیں گے جیسے کہ میں پیش کر رہا ہوں اور قریب سے بھی عرض کیا جا سکتا ہے۔ بایں اعتقاد کہ آپ خود سنتے ہیں۔

سماع عند القبر کے موضوع پر عام لوگوں کے بارے میں تو اختلاف ہے کہ سنتے ہیں یا نہیں۔ لیکن حضور ﷺ کا سماع عند القبر مجمع علیہ ہے، اس میں کسی کو اختلاف نہیں۔ قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی (۱۳۲۳ھ) لکھتے ہیں: ''انبیاء ﷨ کے سماع میں کسی کو اختلاف نہیں۔'' (فتاویٰ رشیدیہ ج ۱ ص ۱۰۰)

مجدد صدی دہم سیدنا ملا علی قاریؒ فرشتوں کے درود پہنچانے کے بارے میں لکھتے ہیں: ''ھذا مخصوص بمن بعد عن حضرۃ مرقدہ المنور ومضجعہ المطہر وفیہ اشارۃ الی حیاتہ الدائمۃ وفرحہ ببلوغ سلام امتہ الکاملۃ وایماء الی قبول السلام حیث قبلتہ الملٰئکۃ وحملتہ الیہ ﷺ'' (مرقات ج ۲ ص ۳۲۱)

ترجمہ: فرشتوں کا یہ درود پہنچانا اس شخص سے مخصوص ہے جو حضور کے مرقد منور اور آپ کی استراحت گاہ مطہر سے دور ہو اور اس میں آپ کی حیات دائمہ کا اشارہ بھی ہے اور آپ کی اس خوشی کا بھی جو آپ کو اپنی امت کا ملہ کا سلام پہنچنے سے ہوتی ہے اور اس میں سلام کرنے والے کے سلام کے قبول ہونے کا اشارہ بھی ہے بایں طور کہ فرشتوں نے اسے قبول کر لیا ہے اور اسے آنحضرت ﷺ کے پاس لے آئے ہیں۔

اس سے بھی پتہ چلا کہ روضہ پر پڑھے گئے درود و سلام کو حضور ﷺ خود سنتے ہیں۔ حضرت ملا علی قاریؒ اس حدیث کی شرح میں ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں: ''من صلی علیّ عند قبری سمعته ای سمعا حقیقیا بلا واسطة'' (ایضاً ص ۳۴۷)

ترجمہ: حدیث ''جو مجھ پر میری قبر پر آ کر درود پڑھتا ہے اسے میں سنتا ہوں'' کا مطلب سماع حقیقی ہے جو بلا واسطہ ہوتا ہے۔

یہ دونوں مضمون کہ روضہ پر پڑھے گئے صلوٰۃ و سلام کو حضور ﷺ خود سنتے ہیں اور دور سے پڑھا گیا آپ کو فرشتوں کے واسطہ سے پہنچایا جاتا ہے ہم متعدد دوسری روایتوں سے جزءاً جزءاً پیش کر آئے ہیں۔ ابوالشیخ کی اس روایت میں صرف یہ خصوصیت ہے کہ اس میں دونوں مضمون یک جا جمع ہیں سو جن حضرات نے اس حدیث کو صرف اس لیے ہدف طعن بنا رکھا ہے کہ اسے ابو عبدالرحمن محمد بن مروان السدی نے روایت کیا ہے اور وہ ضعیف ہے۔ وہ یہ نہیں سوچتے کہ اس روایت کے دونوں مضامین اپنی اپنی جگہ علیحدہ علیحدہ بھی ثابت ہیں اور ان روایات سے ثابت ہیں جنہیں اکابر محدثین نے تسلیم کیا ہے۔

نوٹ: سماع عند القبر کی یہ حدیث حضرت ابوہریرہؓ کے علاوہ حضرت ابن عمرؓ سے بھی مروی ہے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں: ''نیز ابن عمرؓ آمدہ من صلی علیّ عند قبری رددت علیه و من صلی علیّ فی مکان آخر بلغونیه'' (جذب القلوب ص ۱۸۲)

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے، حضور نے فرمایا جو شخص مجھ پر میری قبر پر آ کر درود پڑھتا ہے میں اس کا جواب دیتا ہوں اور جو کوئی کسی دوسری جگہ سے پڑھتا ہے وہ فرشتے مجھے پہنچا دیتے ہیں۔

حضرت مولانا تھانویؒ اسے حضرت انسؓ سے مروی بھی بتلاتے ہیں: ''بروایت حضرت انسؓ خود حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص میری قبر کے پاس درود پڑھتا ہے اس کو میں خود سن لیتا ہوں اور جو شخص دور سے درود بھیجتا ہے وہ مجھ کو پہنچایا جاتا ہے یعنی بذریعہ فرشتوں کے۔'' (نشر الطیب ص ۲۱۱)

سو یہ روایت حضرت ابوہریرہ، حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت انسؓ تین صحابہ سے مروی ہے۔

ہمارے مخالفین اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد اسے مطلقہ عامہ ٹھہراتے ہیں یہ بھی نہ ماننے کی ایک ادا ہے۔ یہ کہتے ہیں کہ درود پڑھنے کے ساتھ آپ کا اسے متصلاً سننا ضروری نہیں یہ تحقق سمع آئندہ کسی وقت ہو جائے تو بھی مطلقہ عامہ کا تقاضا پورا ہو جاتا ہے ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ آئندہ کسی وقت سنا دے یہ ساتھ ہی سننا کہاں سے لازم آ گیا۔

حدیث میں کوئی لفظ ایسا نہیں جو اس تاویل کو راہ دے اور حال یہ ہے کہ دن رات کے اوقات میں کوئی لمحہ ایسا نہیں گزرتا کہ ہزاروں زائرین روضہ اطہر پر صلوٰۃ و سلام عرض نہ کر رہے ہوں اگر قبر مبارک کی حاضری اور وہاں درود و سلام دائماً نہ پڑھا جا رہا ہوتا تو بات اور تھی۔

سو اس موجودہ صورت میں یہ قضیہ مطلقہ عامہ نہ ہوگا دائمہ مطلقہ ٹھہرے گا۔ جب درود و سلام ہر وقت پڑھا جا رہا ہے تو آپ کا اسے سننا بھی دائمی ہے۔ یہ قضیہ دائمہ مطلقہ ہے، مطلقہ عامہ نہیں، دائمہ مطلقہ وہ ہوتا ہے جس میں ثبوت محمول کا جو یہاں سمعتہ ہے موضوع کے لیے جو من صلی علی عند قبری ہے دائما ہو۔

ہم نے ضرور یہ مطلقہ نہیں کہا، جیسے کل انسان حیوان بالضرورۃ، دائمہ مطلقہ کہا ہے جیسے کل نبی صادق بالدوام، سو جس طرح صدق نبوت سے شرعاً ممتنع السلب ہے کوئی مومن روضہ اطہر پر درود پڑھے اور حضور ﷺ نہ سنیں یہ شرعاً ممتنع ہے۔

قاضی صاحب اس حدیث میں کوئی قید لگا کر تو اسے مطلقہ عامہ بنا سکتے ہیں حدیث کے اپنے الفاظ میں یہ قضیہ مطلقہ عامہ نہیں ہے۔

''فالقضية دائمة اذ من المحال العادی ان يخلو الوجود كله عن واحد يسلم عليه فی ليل او نهار فنحن نؤمن ونصدق بانه ﷺ يسمع ما دام المصلون يصلون عليه علی قبره الشريف ولا تذهب ساعة من الساعات ولا وقت من الاوقات الا ويصلی عليه فی مسجده الشريف ﷺ بالدوام بالضرورة''

المبحث الثانی: فی بيان الشاهد من الحديث

حضرت ابوہریرہؓ کی اس روایت کے ضمن میں ہم حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی یہ روایت پیش کر آئے ہیں۔ امام نسائی اسے دو سندوں سے روایت کرتے ہیں اور وہ دونوں حضرت سفیان الثوریؒ پر مل جاتی ہیں: ''اخبرنا عبد الوهاب بن عبد الحكم الوراق قال اخبرنا معاذ بن معاذ عن سفيان بن سعيد واخبرنا محمود بن غيلان قال حدثنا وكيع وعبد الرزاق (كلاهما) عن سفيان''

سند حضرت سفیان بن سعید الثوری: ''عن عبد الله بن السائب عن زاذان عن عبد الله بن مسعود ﷛ قال قال رسول الله ﷺ ان لله ملئكة سياحين فی الارض يبلغونی من امتی السلام'' (سنن نسائی ج ۱ ص ۱۸۹)

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ کے فرشتے مقرر ہیں جو زمین پر ہر وقت مصروف سیاحت ہیں وہ امت کا سلام مجھے پہنچاتے رہتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ پہنچانا دور والوں سے ہی متعلق ہے قریب والے تو خود سامنے سلام عرض کر رہے ہیں۔

فرشتے کیسے پہنچاتے ہیں؟ قبر مبارک پر پہنچ کر...... قبر کہاں ہے؟ زمین پر...... حدیث میں ان فرشتوں کو سیاحین فی الارض کہا ہے سو جس طرح درود و سلام بھیجنے والے زمین پر ہیں، قبر اطہر بھی مدینہ منورہ میں زمین پر ہے۔ فرشتے درود بھیجنے والوں اور روضہ اطہر کے مابین مصروف سیاحت رہتے ہیں وہ درود بھیجتے ہیں اور یہ پہنچاتے ہیں اور اس لیے پہنچاتے ہیں کہ آن کی آن میں درود لے کر وہاں پہنچ جاتے ہیں۔ اس سے یہ بات از خود واضح ہے کہ قریب سے آپ خود سن رہے ہیں، تبھی تو فرشتوں سے آپ خود سنتے ہیں جو روضہ اطہر پر حاضر ہو کر دور والوں کا سلام عرض کرتے ہیں اور یہ مضمون اس حدیث میں عبارۃ النص سے مذکور ہے کہ دور والوں کا سلام حضور ﷺ کو پہنچایا جاتا ہے۔

سو جو بات حدیث ابوہریرہؓ میں بیان کی گئی ہے وہ بعینہ اس حدیث میں بھی موجود ہے فرق ہے تو صرف یہ کہ حدیث عبداللہ بن مسعودؓ میں اس حدیث کا پہلا جزو دلالۃ النص اور دوسرا عبارۃ النص سے ثابت ہے اور حدیث

ابوہریرہ میں دونوں باتیں عبارۃ النص میں مذکور ہیں۔ دور سے درود کا اس طرح پہنچنا بتلاتا ہے کہ قریب سے آپ خود سنتے ہیں ورنہ تبلیغ صلوٰۃ وسلام کے لیے سیاحین فی الارض کے بیان کی کیا ضرورت تھی؟

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی سند کا حال

عبدالوہاب بن عبدالحکم ثقہ ہیں، معاذ بن معاذ ثقہ ہیں، سفیان ثوری ثقہ ہیں، عبداللہ بن السائب ثقہ ہیں اور ان سب کی توثیق تقریب التہذیب میں ص ۱۵۱، ص ۲۰۰، ص ۲۴۹، ص ۲۵۷ پر علی الترتیب موجود ہے ابوعبداللہ زاذان کندی کو ابن حبان نے ثقات میں شمار کیا ہے مگر کثیر الخطاء کہا ہے۔ جمہور علماء نے ان کی یہ جرح قبول نہیں کی اور جرح جب تک مفسر نہ ہو اس کا اعتبار نہیں کیا جاتا ابن سعد، عجلی اور خطیب تینوں اسے ثقہ کہتے ہیں، بعض نے ان کی کنیت ابوعمرو بھی لکھی ہے۔ امام فن یحیٰی بن معین کہتے ہیں ثقہ لایسئل عن مثلہ۔ یہ ایسے ثقہ ہیں کہ ایسے حضرات کے متعلق مزید تحقیق کے لئے کہیں پوچھا نہیں جاتا۔

دوسری سند کے راوی

محمود بن غیلان سے اوپر کے راوی جرح وتعدیل کے امام وکیع بن الجراح ۱۹۷ھ ہیں۔ یہ اور عبدالرزاق (۲۱۱ھ) صاحب المصنف امام اعظم ابوحنیفہؒ کے شاگرد ہیں۔ حضرت سفیان ثوریؒ سے روایت کرتے ہیں علامہ ہیثمی فرماتے ہیں: "رواہ البزار ورجالہ رجال الصحیح" (مجمع الزوائد ج ۲ ص ۲۸)

یہ حدیث اور کن کن کتابوں میں ہے

مسند امام احمد ج ۱ ص ۴۴۱، المصنف لابن ابی شیبہ ج ص، سنن دارمی ص ۲۷۳، سنن دارقطنی (القول البدیع ۱۱۵) البیہقی ص، مستدرک حاکم ج ۲ ص ۴۲۱، البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۱۵۴، حلیہ ابی نعیم ص، الجامع الصغیر ج ۱ ص ۹۳، مشکوٰۃ ص ۸۶، وفاء الوفاء ج ۲ ص ۴۰۴ دیگر کئی کتابوں میں بھی موجود ہے۔

کن کن محدثین نے اسے صحیح کہا ہے

(۱) علامہ ذہبی صاحب میزان الاعتدال (۸۴۸ھ) تلخیص المستدرک میں لکھتے ہیں: "صحیح" (مستدرک ج ۲ ص ۴۲۱)

(۲) علامہ سمہودیؒ (۹۰۱ھ) لکھتے ہیں امام نسائی اور اسماعیل قاضی نے اسے صحیح سند سے روایت کیا ہے۔ (وفاء الوفاء ج ۲ ص ۴۰۴)

(۳) علامہ عزیزی (ھ) شرح جامع صغیر میں لکھتے ہیں: "حدیث صحیح" (السراج المنیر ج ۱ ص ۵۱۸)

(۴) علامہ ہیثمی (۸۰۷ھ) لکھتے ہیں: "ورجالہ رجال الصحیح" (مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۴)

(۵) علامہ سخاوی (۹۰۲ھ) رواہ احمد والنسائی والدارمی وابونعیم والبیہقی والخلعی وابن حبان والحاکم فی صحیحہما وقال صحیح الاسناد۔ (القول البدیع ص ۱۱۵)

(۶) علامہ ابن عبدالہادی (۷۴۴ھ) نے مختلف طرق سے صحیح اسانید کے ساتھ یہ روایت نقل کی ہے۔ (الصارم المنکی ص ۱۶۸)

محدثین میں یہ حدیث اس درجہ مشہور اور مقبول ہے کہ اس کے تواتر معنوی کا دعویٰ کیا گیا ہے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ لکھتے ہیں: "ہر آئینہ خدائے را فرشتگان اند سیر کنندگاں در زمین مے رسانند مرا از امت من سلام را و بتواتر رسید ایں معنی۔" (فتاوی عزیزی ج ۲ ص ۶۹)

ترجمہ: بے شک خدا تعالیٰ کے فرشتے ہیں زمین میں سیر کرتے پھرتے۔ مجھے میری امت کا سلام پہنچاتے ہیں اور یہ بات تواتر کے درجے میں پہنچ چکی ہے۔

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی دامت برکاتہم جن کا مضمون اس مسئلہ پر ماہنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی میں چھپا ہے اور اس سے محدث جلیل حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب سابق صدر مدرس مظاہر العلوم سہارنپور (بھودی تحصیل و ضلع کیمبل پور) نے پورے اتفاق کا اظہار کیا ہے اور فریقین کو اس پر جمع ہونے کی دعوت دی ہے وہ اس حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں: "فرشتوں کے ذریعے آپ کو صرف وہی درود و سلام پہنچتا ہے جو کوئی دور سے بھیجے لیکن اللہ تعالیٰ جن کو قبر مبارک کے پاس پہنچادے اور وہ وہاں حاضر ہو کر صلوٰۃ و سلام عرض کریں تو آپ اس کو بنفسِ نفیس سنتے ہیں۔" (معارف الحدیث ج ۵ ص ۸۰)

کاش! کہ ہمارے کرم فرما اسی نقطہ اتحاد پر جمع ہو جائیں اور روضہ انور کا یہ سماع تسلیم کرلیں۔

المبحث الثالث: الجوهر النقي في تحقيق اسانيد ابي الشيخ والبيهقي

حضرت ابو ہریرہؓ کی یہ حدیث کہ جو مجھ پر میری قبر کے پاس درود پڑھے میں سنتا ہوں جو دور سے پڑھے وہ مجھے پہنچایا جاتا ہے گو حضرت ابن عمرؓ سے بھی مروی ہے اور حضرت انس بن مالکؓ سے بھی اسے روایت کیا جاتا ہے لیکن اس وقت ہم صرف حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت پر بحث کریں گے۔ اس حدیث کو حافظ ابوالشیخ الاصبہانی جو بقول ذہبی امام ثقہ اور احد الاعلام ہیں (تذکرۃ الحفاظ ج ۳، ص ۱۴۷) کتاب الثواب کے کتاب الصلوٰۃ میں روایت کرتے ہیں اور امام بیہقی اسے شعب الایمان اور حیاۃ الانبیاء میں روایت کرتے ہیں۔ اصبہانی اور بیہقی کی سندیں اپنی اپنی ہیں۔ اصبہانی کی سند جید ہے اور یہ حدیث صحیح ہے اور بیہقی کی سند کا ایک راوی ابو عبد الرحمن محمد بن مروان السدی ضعیف ہے۔ ایک سند کا ضعف جب دوسری صحیح سند سے اٹھ جاتا ہے تو کیا یہ دیانت کے خلاف نہیں کہ جید سند کو بالائے طاق رکھ کر عوام میں صرف ضعیف سند کو متعارف کرایا جائے اور دیدہ و دانستہ قول رسول ﷺ کی تضحیک کی جائے، یہ اتنی بڑی جسارت ہے کہ اب پوری قوم اس عذاب کی زد میں ہے۔ اعاذنا اللہ منہ اور انہیں حق قبول کرنے کی توفیق نہیں۔

مشکوٰۃ شریف میں یہ حدیث صرف بیہقی کے حوالے سے نقل کی گئی ہے۔ عوام میں مشکوٰۃ بڑی عام اور متداول کتاب ہے۔ ہمارے کرم فرما اسے مشکوٰۃ کے حوالے سے ہر جگہ لیے پھرتے ہیں۔ اور ان کے بائیں ہاتھ میں ابو عبدالرحمن محمد بن مروان پر جرح ہوتی ہے اور جب لوگوں کو بتایا جائے کہ ابوالشیخ نے اس حدیث کی دوسری سند بھی پیش کی ہے جو صحیح ہے تو پھر یہ دوسرا پینترہ بدلتے ہیں کہ یہ حدیث قرآن کے خلاف ہے قرآن تو کہتا ہے مردے نہیں سنتے اور یہ حدیث کہتی ہے حضور سنتے ہیں ہم قرآن کو مانیں یا اس حدیث کو؟

اوّلاً تو یہ بات بھی صحیح نہیں کہ قرآن کہتا ہے مردے نہیں سنتے۔قرآن کریم میں تو یہ ہے اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى "آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے" اللہ تعالیٰ جسے چاہے سنا دیتا ہے۔قرآن کریم میں اسماع کی نفی ہے سماع کی نہیں۔ پھر یہ تو عام دعویٰ ہے اسے شہیدوں اور پیغمبروں پر منطبق کرنا اور ان کی حیات کے خصوصی دلائل کو دبا جانا کیا یہ قادیانیوں کا طریقہ نہیں جو اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَاءٍ سے اور قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ثابت کرتے ہیں دعویٰ خاص اور دلیل عام کا ایسا کریہہ منظر شاید ہی کسی نے دیکھا ہو۔

اس وقت ہمیں اس استدلال سے بحث نہیں، نہ ہم یہاں سماع موتی کی بحث لانا چاہتے ہیں ہمیں صرف یہ بتلانا ہے کہ ہمارے مہربانوں نے جب نیت ہی کرلی ہو کہ اس حدیث کو نہیں ماننا تو جب ان کا پہلا وار (کہ یہ حدیث ضعیف ہے) خالی جاتا ہے تو پھر کس جرأت سے قادیانی طرز استدلال پر آجاتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح بھی ہو تو ہم اسے قبول نہیں کریں گے کیونکہ قرآن کے خلاف ہے۔اگر ان سے پوچھا جائے کہ ائمہ اعلام میں سے کسی نے کہا ہے کہ یہ حدیث قرآن سے مطابقت نہیں رکھتی یہ اس کے خلاف ہے تو اس پر ایک حوالہ بھی پیش نہ کرسکیں گے۔"وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا"

مغالطے کا ایک اور انداز

بیہقی کی سند کا راوی ابو عبدالرحمن محمد بن مروان ہے اور ابوالشیخ کی روایت کا ایک راوی عبدالرحمن احمد الاعرج (۳۰۰ھ) ہے جو ضعیف نہیں عبدالرحمن کا نام چونکہ دونوں میں آتا ہے اس لیے ہمارے مخالفین اس کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں اور ابو عبدالرحمن کی جرح عبدالرحمن بن احمد[۱] پر بھی لگا دیتے ہیں اور کہتے ہیں ابوالشیخ کی سند میں بھی وہ ضعیف راوی موجود ہے۔ان ھذا الا بھتان عظیم!

المبحث الرابع: تحقیق رواۃ سند ابی الشیخ

(۱) ابوالشیخ الاصبہانی (۲) ابوصالح عبدالرحمن بن احمد الاعرج

(۳) الامام الحافظ حسن بن الصباح (۴) ابو معاویہ محمد بن حازم

(۵) سلیمان بن مہران الاعمش (۶) ابوصالح ذکوان (اسمان الزیات)

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ

(۱) ابوالشیخ الاصبہانی: علامہ ذہبی ان کو حافظ، امام اور مسند زمان کہتے ہیں ان کے تقویٰ و تدین کو تسلیم کرتے ہیں۔ابن مردویہ ان کو ثقہ اور مامون کہتے ہیں اور حافظ ابونعیم ان کو احد الاعلام اور ثقہ کہتے ہیں۔

(دیکھئے تذکرۃ للذہبی ج ۳ ص ۱۴۷)

---

[۱] عبدالرحمن بن الاعرج سے قاضی ابو احمد بن احمد بن ابراہیم بھی روایت کرتے ہیں (دیکھئے تاریخ اصفہان ج ۲ ص ۱۱۳) اور ابوالشیخ اصبہانی بھی (دیکھئے جلاء الافہام للحافظ ابن القیم ص ۱۹) امام دارقطنی لکھتے ہیں جس شخص سے دو راوی روایت کریں وہ مجہول نہیں رہ سکتا (دیکھئے سنن دارقطنی ج ۲ ص ۳۲۱) تو جب اس پر مشتمل سند کو علماء محدثین نے جید تسلیم کیا ہے۔من روی عنہ عن ثقتان فقد ارتفعت جھالتہ وثبتت عدالتہ۔تو کیا اب بھی عبدالرحمن کی تعدیل نہ ہوگی؟ اس اصول کے لیے دیکھئے فتح المغیث ص ۱۴۷۔

"ابو محمد عبداللہ بن محمد بن جعفر ابو الشیخ ... فهو الحافظ الكبير ... ثقة"

(لسان المیزان ج ۶ ص ۳۹۵)

(۲) ابو صالح عبدالرحمن بن احمد الاعرج: والد کا نام ابو یحییٰ (ھ)۔ ابو نعیم اصفہانی (۴۳۰ھ) نے تاریخ اصبہان ج ۲ ص ۱۱۳ میں اس کا تذکرہ کیا ہے اس سے قاضی ابو احمد محمد بن احمد اور ابو الشیخ جیسے ثقات نے روایتیں لی ہیں اور اس نے سلمہ بن شبیب اور الامام الحافظ حسن بن الصباح جیسے حضرات سے روایات لی ہیں حافظ ابن حجر عسقلانی مسلمہ بن شبیب کے بارے میں لکھتے ہیں: "احد الثقات حدث عنه الائمة والقدماء"

سلمہ بن شبیب سے روایت کرنے والوں میں یہ ابو صالح عبدالرحمن بن احمد بھی ہیں البتہ عبدالرحمن بن احمد الاعرج کا بھائی محمد بن احمد ضعیف ہے۔

"قال ابو الشيخ لم يكن بالقوى فى الحديث" (لسان المیزان ج ۵ ص ۴۱)

(۳) الحسن بن الصباح: "صحیح بخاری کے معروف راوی ہیں۔ ذہبی انہیں امام اور حافظ جیسے پر عظمت الفاظ سے ذکر کرتے ہیں جن لوگوں نے اسے حسن بن صباح جو اسماعیلی فرقے کا بانی تھا مشہور کر رکھا ہے وہ خدا کا خوف کریں۔" (تذکرہ ج ۲ ص ۵۵)

(۴) ابو معاویہ محمد بن خازم: "کوفہ کے مشہور محدث تھے، حافظ ذہبی انہیں حافظ اور ثبت کہتے ہیں صحاح ستہ کے راوی ہیں۔ اعمش سے روایت کرنے میں ثقہ ہیں۔ کسی اور سے روایت کریں تو ہو سکتا ہے اس میں کچھ اضطراب ہو۔" (دیکھو تذکرہ ج ۱ ص ۲۷۱)

"یحییٰ بن معین کہتے ہیں اعمش سے روایت کرنے میں اثبت ہیں۔" (حاشیہ تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۱۳۸)

(۵) سلیمان بن مہران الاعمش: صحاح ستہ کے مرکزی راوی ہیں عظیم المرتبت اور جلیل القدر محدث ہیں۔ ان پر شیعیت کا الزام ہے مگر ان دنوں شیعیت رفض کے معنوں میں نہ تھی یہ ایک سیاسی گروہ تھا۔ تحریف قرآن عقیدہ امامت اور انکار خلافت راشدہ روافض کا مذہب ہے اثنا عشریہ کا، نہ کہ مطلق شیعوں کا۔

(۶) ابو صالح ذکوان: صحاح ستہ کے مرکزی راوی ہیں امام احمد فرماتے ہیں: "ثقة ثقة من اجل الناس واوثقهم" (تذکرہ ج ۱ ص ۸۳)

ترجمہ: ثقہ ثقہ ہے بڑے اونچے لوگوں میں سے زیادہ لائق وثوق لوگوں میں سے ہے۔

اور اس زمانے میں تو راویوں کی پڑتال اور غیر مبین السبب جرح سامنے لانے کی بجائے یہ دیکھنا چاہیے کہ یہ حدیث متلقی بالقبول ہے یا نہیں یہی راہ سلامتی کے زیادہ قریب ہے اب دیکھئے کن کن ائمہ فن نے اس حدیث پر اعتماد کیا ہے۔

جن علمائے اعلام نے اس حدیث کو صحیح تسلیم کیا ہے

کن کن ائمہ کبار اور علمائے فن نے اس حدیث کی تصحیح کی ہے اور کن کن اعیان امت نے اس کے مضمون کو صحیح تسلیم کیا ہے؟ کچھ نام ملاحظہ فرمائیں:

(۱) شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ (۷۲۸ھ) (۲) حافظ ابن قیمؒ (۷۵۱ھ)

(۳) خاتمۃ الحفاظ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (۸۵۲ھ) (۴) امام سخاویؒ (۹۰۲ھ)
(۵) علامہ ابن حجر مکیؒ (۹۷۳ھ) (۶) علامہ عبدالرؤف المناویؒ (۱۰۰۴ھ)
(۷) ملا علی قاریؒ (۱۰۱۴ھ) (۸) قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ (۱۲۲۵ھ)
(۹) علامہ سید احمد طحطاویؒ (۱۲۳۳ھ) (۱۰) نواب صدیق حسن خانؒ (۱۳۰۷ھ)
(۱۱) حضرت مولانا عبدالحی لکھنویؒ (۱۳۰۴ھ) (۱۲) علامہ شبیر احمد عثمانیؒ (۱۳۶۹ھ)

حوالجات از بعض عبارات

۱...... حافظ ابن تیمیہؒ کی شہادت

"صلوا علیّ حیثما کنتم فان صلوتکم تبلغنی قال فاخبر انہ یسمع الصلوٰۃ من قریب ویبلغ ذلک من بعید" (رسائل ابن تیمیہ ص ۲۹۱ رسالہ ۱۶)

ترجمہ: حضور ﷺ نے فرمایا، مجھ پر درود پڑھا کرو جہاں بھی تم ہو، کیونکہ تمہارا درود مجھے پہنچتا ہے۔ حضور ﷺ نے بتایا ہے کہ آپ قریب سے پڑھے گئے درود کو خود سنتے ہیں اور دور سے پڑھا آپ کو پہنچایا جاتا ہے۔

یہ دو حدیثیں ہیں۔ پہلی ابوداؤد کی ہے اور اس کی سند صحیح ہے اور دوسری وہی امام بیہقی والی...... امام ابن تیمیہؒ اس دوسری حدیث کی سند سے بے خبر نہیں ہیں۔ اس کی کمزوری آپ کو معلوم ہے مگر آپ اسے اس کے شواہد کے باعث قبول کر رہے ہیں۔

"وقد روی ابن ابی شیبۃ والدار قطنی عنہ من صلی علیّ عند قبری سمعتہ ومن صلی علیّ نائیا ابلغتہ وفی اسنادہ لین لکن لہ شواھد ثابتۃ فان ابلاغ الصلوٰۃ والسلام علیہ من البعد قد رواہ اھل السنن من غیر وجہ" (فتاوی ابن تیمیہ ج ۲۷ ص ۱۱۶)

ترجمہ: اور ابن ابی شیبہ دارقطنی نے حضور سے روایت کی آپ نے فرمایا جو مجھ پر میری قبر پر آکر درود پڑھے وہ میں خود سنتا ہوں اور جو مجھ پر دور سے پڑھا جائے وہ مجھے پہنچایا جاتا ہے اس کی سند میں کچھ کمزوری ہے لیکن اس حدیث کے بہت سے شواہد ہیں۔ آپ کو دور سے صلوٰۃ وسلام کا پہنچایا جانا ائمہ حدیث نے کئی طریقوں سے روایت کیا ہے۔

۲...... حافظ ابن القیمؒ کی شہادت

یہ جو کہا ہے کہ اس کی سند میں کچھ کمزوری ہے یہ ابوالشیخ کی سند کے بارے میں نہیں ابن ابی شیبہ اور دار قطنی کی سند کے بارے میں ہے، اور ممکن ہے یہ وہی کمزوری ہو جو بیہقی کی سند میں تھی۔ مگر چونکہ بقول ابن تیمیہؒ اس کے شواہد موجود ہیں اس لیے یہ روایت بھی قبول کر لی جائے گی اور یہ محدثین کا اصول ہے کہ روایت اپنے شواہد سے قوی ہو جاتی ہے[1]۔

---

[1] تعدد الطریق یفید القوۃ۔ اعلاء السنن ج ۱۰ ص ۳۳۵ طبع قدیم۔

ان شواہد میں وہ حدیث بھی ہے جسے اہل سنن (نسائی وغیرہ) نے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ کو دور سے پڑھا گیا صلوٰۃ وسلام (فرشتوں کے توسط سے) پہنچایا جاتا ہے۔ امام سیوطیؒ بھی اس کے شواہد کا ذکر کرتے ہیں:

''قلت هذا الحديث اخرجه الطبراني وابو نعيم في الحلية وله شواهد يرتقي بها الى درجة الحسن''

(اللآلی المصنوعہ ج ۱ ص ۲۸۵)

یہ سب تائید اسی روایت کی ہے جو امام بیہقی نے لکھی ہے یہ ائمہ فن بتاتے ہیں کہ اس کا ضعف ان شواہد سے کلیۃً اٹھ جاتا ہے۔

حافظ ابن قیم (۷۵۱ھ) نے جلاء الافہام میں ابوالشیخ کی پوری سند دے کر حضرت ابوہریرہؓ سے یہ حدیث نقل کی ہے: ''من صلى عند قبري سمعته ومن صلى علي من بعيد اعلمته'' (جلاء الافہام ص ۲۵)

سند یہ ہے: ''قال ابو الشيخ في كتاب الصلوة حدثنا عبد الرحمن بن احمد الاعرج حدثنا حسين بن الصباح حدثنا ابو معاوية حدثنا الاعمش عن ابی صالح عن ابی هريرة ﷺ قال قال رسول الله ﷺ''

اور کتاب الروح میں لکھا ہے: ''وقد صح عنه ان الله تعالىٰ وكل بقبره الملٰئكة يبلغون عن امته السلام''

ترجمہ: اور حضور سے سند صحیح سے ثابت ہو چکا کہ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کی قبر پر فرشتے مقرر کر رکھے ہیں جو حضور ﷺ کو امت کا صلوٰۃ وسلام پہنچاتے ہیں۔

فرشتے یہاں (روضہ اقدس پر) حاضر ہو کر صلوٰۃ وسلام تبھی پہنچاتے ہیں کہ حضور ﷺ یہاں خود سنتے ہیں ورنہ فرشتوں کے یہاں آنے کا کیا مطلب...... اور جو درود وسلام دور سے پڑھا جائے یہاں پہنچایا جاتا ہے۔

یہ حافظ ابن قیم کی طرف سے اس حدیث کی اور اس کے معنی کی پوری تصدیق ہے...... پھر لکھتے ہیں:

''فالروح هناك ولها اتصال بالبدن في القبر واشراف عليه وتعلق به بحيث يصلي في قبره ويرد سلام من سلم عليه'' (کتاب الروح ص ۵۴ طبع حیدرآباد)

ترجمہ: سو روح اقدس اپنے مقر میں ہے اور اس کا قبر میں پڑے بدن سے ایک اتصال و اشراف اور ایک تعلق ہے بایں طور کہ آپ اپنی قبر میں نماز پڑھتے ہیں اور سلام عرض کرنے والے کو جواب بھی لوٹاتے ہیں۔

اس حدیث کے بارے میں کوئی شک نہیں ہے کہ حضور ﷺ اپنے روضہ اقدس پر عرض کیے گئے صلوٰۃ وسلام کو خود سنتے ہیں اور اس سماع عند القبر کا اہل حق میں سے کسی نے انکار نہیں کیا۔ اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔

۳...... حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کی شہادت

''اخرج ابو الشيخ في كتاب الثواب بسند جيد بلفظ من صلى عليّ عند قبري سمعته ومن صلى عليّ نائيا بلغته'' (فتح الباری ج ۶، ص ۴۸۸)

ترجمہ: ابوالشیخ نے کتاب ثواب اعمال میں بڑی عمدہ سند سے یہ الفاظ روایت کیے ہیں کہ جو میری قبر کے پاس آ کر مجھ پر درود پڑھے وہ میں خود سنوں گا اور دور سے پڑھا مجھے پہنچایا جاتا ہے۔

حافظ ابن حجر یہاں اس حدیث پر بحث کر رہے ہیں جو صلوا عليّ فان صلوتكم تبلغني ہے۔ اس کے بعد آپ اس کے شواہد ذکر کرتے ہیں: (۱) پہلا ابوداؤد کی روایت سے، (۲) دوسرا ابوالشیخ کی روایت سے، (۳) تیسرا ابوداؤد اور نسائی کی روایت فان صلوتكم معروضة عليّ سے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ حافظ ابن حجرؒ اسی روایت کو لائق قبول بتا رہے ہیں جو امام بیہقی سے منقول تھی اور اس پر شواہد پیش کر رہے ہیں جنہوں نے اس کی سند کی کمزوری اٹھادی ہے۔ ابوالشیخ کی روایت پیش کرتے ہوئے وہ ضمناً یہ بات بھی کہہ گئے کہ اس کی سند عمدہ ہے ہم نے اس کی سند حافظ ابن قیم کی کتاب جلاء الافہام سے نقل کی ہے۔
حافظ کی پوری عبارت یہ ہے: ''ومن شواهد الحديث ما اخرجه ابو داؤد من حديث ابي هريرة رفعه وقال فيه صلوا علىّ فان صلوٰتكم تبلغني حيث كنتم سنده صحيح واخرجه ابو الشيخ في كتاب الثواب بسند جيد بلفظ من صلى علىّ عند قبري سمعته ومن صلى نائيا ابلغته وعند ابي داؤد والنسائي وصححه ابن خزيمة وغيره عن اوس الى ان قال فان صلوٰتكم معروضة علىّ فقالوا كيف تعرض وقد ارمت''
(فتح الباری ج ٦، ص ۴۸۸)

۴...... حافظ شمس الدین سخاویؒ کی شہادت

''من صلى علىّ عند قبري سمعته ومن صلى علىّ من بعيد اعلمته رواه ابو الشيخ وسنده جيد''
(القول البدیع ص ١١٦)

ترجمہ: حضور ﷺ نے فرمایا ہے جو میری قبر پر آ کر مجھ پر درود پڑھے میں خود سنتا ہوں اور دور سے پڑھا مجھے پہنچایا جاتا ہے اسے ابوالشیخ نے روایت کیا ہے اور اس کی سند جید ہے (عمدہ ہے)۔

۵...... علامہ ابن حجر مکیؒ کی شہادت

''اذا صلى وسلم عند قبره سمعه سماعا حقيقيا ويرد عليه من غير واسطة وان صلى وسلم من بعيد لا يسمعه الا لو اسطة يدل عليه احاديث كثيرة'' (شرح ہمزیہ ص)

ترجمہ: جب کسی نے درود وسلام آپ کی قبر کے پاس پڑھا تو آپ اسے حقیقی طور پر سنتے ہیں اور سلام کا جواب براہ راست دیتے ہیں اور اگر درود وسلام دور سے پڑھا تو آپ اسے نہیں سنتے مگر (فرشتوں کے) واسطہ سے اس پر بہت سی احادیث دلالت کرتی ہیں۔

اور الجوہر المنظم میں لکھتے ہیں: ''انه ﷺ يبلغه الصلوٰة والسلام اذا صدر من بعيد ويسمعها اذا كان عند قبره الشريف بلا واسطة'' (الجوہر المنظم ص ۲۳)

ترجمہ: بے شک حضور اکرم ﷺ کو درود وسلام پہنچایا جاتا ہے جب وہ دور سے آئے اور آپ اسے خود بلاواسطہ سنتے ہیں جب پڑھنے والا آپ کی قبر شریف کے پاس ہو۔

''وفي رواية اخرىٰ للطبراني ليس من عبد يصلي علىّ الا بلغني صوته قلنا يا رسول الله وبعد وفاتك قال وبعد وفاتي ان الله حرم على الارض ان تاكل اجساد الانبياء اى فسمعهم الحسي كيفيته كحواسهم الظاهرية''

ترجمہ: اور طبرانی کی ایک دوسری روایت میں ہے کوئی مسلمان مجھ پر درود نہیں پڑھتا مگر یہ کہ اس کی آواز مجھے پہنچتی ہے ہم نے کہا اور آپ کی وفات کے بعد کیا ہوگا؟ حضور نے فرمایا وفات کے بعد بھی ایسا ہی ہوگا بے

شک اللہ تعالٰی نے انبیاء کے اجساد زمین پر حرام کر دیئے ہیں کہ انہیں ریزہ ریزہ کرے۔ انبیاء کا سننا ایسا ہے کہ اس کی کیفیت حسی ہے جیسا کہ ان کے دوسرے حواس (قائم ہوتے ہیں)

اجساد انبیاء کہاں محفوظ رہتے ہیں؟ انہی قبور میں ...... حضور ﷺ نے جب خبر دی کہ درود پڑھنے والے کی آواز مجھے پہنچتی ہے تو صحابہؓ کا ذہن فوراً آپ کی قبر مبارک کی طرف متوجہ ہوا کہ وہاں آپ کیسے سنیں گے۔ آپ نے اپنے جسد اطہر کے محفوظ رہنے کی خبر دی ...... ابن حجر اس سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ کہ انبیاء علیہم کے دوسرے ظاہری حواس کی طرح ان کی قوت سامعہ حسی طور پر محفوظ ہے۔

حضور ﷺ جب دنیا میں تھے تو بھی عام حالت یہ تھی کہ قریب والے کی بات سنیں اور دور کی بات سے اطلاع پائیں۔ وفات کے بعد جب قوت سامعہ اسی ظاہری انداز پر ہے تو ظاہر ہے کہ قبر مبارک میں بھی آپ قریب سے سنیں گے اور دور والے کا درود و سلام آپ کو پہنچایا جائے گا۔

سو حدیث الا بلغنی صوتہ حافظ ابن حجر مکی کے ہاں عند قبری سے خاص ہوگی اور اس سے اس کی ان احادیث صحیحہ سے بھی تطبیق ہو جائے گی جن میں دور کے سلام کا بتوسطِ ملائکہ پہنچنا صریح لفظوں میں پایا جاتا ہے۔ ابن حجر نے اسے اسی شخص کے متعلق قرار دیا ہے جو قبر مبارک کے پاس آ کر درود پڑھے ...... یہ تفصیل ہم نے اس لیے کی ہے کہ بعض دوسرے علماء نے جب طبرانی کی اس حدیث کو نقل کیا ہے تو الفاظ بلغنی صلوٰتہ (اس کا درود مجھے پہنچتا ہے) روایت کیے ہیں معلوم ہوتا ہے بلغنی صوتہ میں تصحیف ہوئی ہے، اسے اسی شکل میں لیا جائے تو اسے عند قبری کے ساتھ خاص کرنا ہوگا اس صورت میں یہ روایت بھی امام بیہقی کے شواہد میں ذکر کی جا سکتی ہے۔

۶ ...... حافظ ابن کثیرؒ (۷۷۴ھ)

باوجودیکہ آپ اس کی بیہقی والی سند پر جرح کرتے ہیں اس کے راوی محمد بن مروان السدی الصغیر کو متروک قرار دیتے ہیں مگر حدیث کو مقبول قرار دیتے ہیں یہ تلقی بالقبول ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۳، ص ۵۱۵)

۷ ...... علامہ شہاب الدین الخفاجیؒ (۸۹۹ھ)

"وبما تقرر فی هذه الاحادیث علم انه ﷺ تبلغه الصلوٰة والسلام اذا صدر من بعید ويسمعها اذا كان عند قبره الشريف بلا واسطة" (نسیم الریاض ج ۳ ص ۳۹۸)

"لانه ﷺ حی فی قبره یسمع دعاء زائره" (ایضاً ص ۵۰۳)

ترجمہ: اور ان احادیث میں جو بات قرار پائی اس سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ کو درود و سلام پہنچایا جاتا ہے جب وہ دور سے آئے۔ اور آپ اسے خود بلا واسطہ سنتے ہیں جب آپ کی قبر شریف کے پاس پڑھا جائے ...... یہ اس لیے کہ آپ اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور زیارت کے لیے آنے والے کی آواز سنتے ہیں۔

۸ ...... حضرت علامہ عبدالرؤف المناویؒ (۱۰۰۳ھ)

"من صلی علیّ عند قبری سمعته ومن صلی علیّ نائيا ای بعيدا (ابلغته) ای اخبرت به من احد من الملئكة"

ترجمہ: جو مجھ پر میری قبر کے پاس درود پڑھے میں اسے سنتا ہوں اور جس نے دور سے پڑھا وہ مجھے پہنچایا جاتا ہے فرشتوں میں سے کوئی مجھے اس کی اطلاع دے دیتا ہے۔

یہ تو حدیث کے الفاظ ہیں۔ اب ان پر علامہ مناوی کا تبصرہ بھی سن لیں: ''وذلک لان لروحہ تعلقا بمقر بدنہ الشریف وحرام علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء'' (فیض القدیر ج ۶ ص ۱۷۰)

اور یہ اس لیے کہ آپ کی روح اقدس کا آپ کے مقر بدن (قبر مبارک) سے ایک تعلق ہے اور زمین پر حرام ہے کہ وہ اجساد انبیاء کو کھائے۔

۹...... ملا علی القاری ﷫ (۱۰۱۴ھ)

(۱) ''ورواہ ابو الشیخ وابن حبان فی کتاب ثواب الاعمال بسند جید'' (مرقات ج ۲ ص ۱۰)

ترجمہ: اس حدیث کو ابو الشیخ اور ابن حبان نے ثواب الاعمال میں سند جید سے روایت کیا ہے۔

(۲) ''من صلی علیّ عند قبری سمعتہ ای سماعا حقیقیا بلا واسطۃ'' (شرح الشفاء ج ۳ ص ۵۰۰)

ترجمہ: جو مجھ پر میری قبر کے پاس آ کر درود پڑھتا ہے میں اسے حقیقی طور پر سنتا ہوں۔ بلا واسطہ۔

(۳) ''انہ قد ثبت من صلی علیہ نائیا بلغہ ومن صلی علیہ عند قبرہ سمعہ'' (مرقات ج ۳ ص ۵۲۵)

ترجمہ: یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ جو شخص آپ ﷺ پر دور سے درود پڑھے وہ آپ کو پہنچایا جاتا ہے اور جس نے آپ کی قبر مبارک کے پاس درود پڑھا اسے آپ خود سنتے ہیں۔

(۴) ''ان الزائر اذا صلی وسلم علیہ عند قبرہ سمعہ سماعا حقیقیا ورد علیہ من غیر واسطۃ لما جاء عنہ بسند جید من صلی علیّ عند قبری سمعتہ ومن صلی علی من بعید اعلمتہ''

(الدرۃ المضیۃ فی زیارۃ المصطفیٰ بہ رسائل ملا علی قاری۔ منقول از تعلیم القرآن راولپنڈی)

ترجمہ: زائر جب آپ کی قبر کے پاس آ کر آپ پر درود وسلام پڑھے تو آپ اسے حقیقۃً سنتے ہیں اور سلام کا جواب دیتے ہیں بلا واسطہ...... کیونکہ آنحضرت ﷺ سے سند جید کے ساتھ یہ بات پہنچی ہے کہ جو شخص میری قبر پر آ کر مجھ پر درود پڑھتا ہے وہ میں خود سنتا ہوں اور جس نے دور سے پڑھا وہ مجھے پہنچایا جاتا ہے۔

۱۰...... علامہ سید احمد طحطاویؒ (۱۲۳۳)

''فانہ یسمعھا ای اذا کانت بالقرب منہ ﷺ وتبلغ الیہ ای یبلغھا الملک الیہ اذا کان المصلی بعیدا'' (طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۴۰۵ مصر)

۱۱...... قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ (۱۲۲۵ھ) صاحب تفسیر المظہری

''انہ ﷺ قال من صلی علیّ عند قبری سمعتہ ومن صلی علیّ غائبا بلغتہ'' (مظہری ج ۱۰ ص ۲۲۴)

۱۲...... شیخ عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب نجدیؒ

''انہ یسمع من یسلم علیہ'' (اتحاف النبلاء ص ۴۰۵)

ترجمہ: آپ اس درود کو جو آپ پر (قبر کے پاس) پڑھا جائے خود سنتے ہیں۔

مولانا اسمٰعیل غزنوی نے آپ کے اس رسالہ کا اردو میں ترجمہ کیا ہے اسے ان کے الفاظ میں پڑھیے:

ہمارا عقیدہ ہے کہ جب کوئی مسلمان آنحضرت ﷺ پر سلام کہے تو آپ اس کا سلام سنتے ہیں ص ۶۵۔

آل شیخ کے مقتدر عالم علامہ مجد شیخ محمد بن عبداللطیف رقمطراز ہیں: ''ہمارا عقیدہ ہے کہ آپ کا رتبہ تمام مخلوق سے بہتر ہے اور آپ اپنی قبر میں زندہ ہیں لیکن برزخی زندگی کے ساتھ، اور شہداء کی زندگی سے کہیں بہتر آپ کی زندگی ہے، اور آپ کی قبر پر جو آپ کو سلام کہتا ہے آپ سنتے ہیں۔'' (ترجمہ رسالہ از مولانا اسماعیل غزنوی ۱۹۲۷ء امرتسر)

۱۳...... حضرت مولانا عبدالحی لکھنویؒ (۱۳۰۴ھ)

جو خود روضہ پر حاضر ہوں اور صلوٰۃ وسلام بالکل سامنے عرض کر رہے ہوں وہ صلوٰۃ وسلام آپ ﷺ خود سنتے ہیں۔ (دیکھیے السعی المشکور ص ۴۵۵)

روضہ اطہر پر حاضر ہو کر صلوٰۃ وسلام پڑھا جائے تو نبی کریم ﷺ خود سن کر جواب دیتے ہیں یہ مسئلہ سنت رسول اور اجماع امت سے ثابت ہے۔ (ایضاً ص ۴۵۲)

۱۴...... نواب صدیق حسن خانؒ (۱۳۰۷ھ)

اسنادہ جید...... اس حدیث کی سند جید ہے۔ (الدلیل الطالب ص ۸۴۴)

۱۵...... حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوریؒ (۱۳۴۶ھ)

''مسجد نبوی کی حد میں کتنی ہی پست آواز سے سلام عرض کیا جائے اس کو حضرت ﷺ خود سنتے ہیں۔''

(تذکرۃ الخلیل ۳۶)

ان تصریحات کی روشنی میں یہ بات واضح ہے کہ حضور ﷺ کے اپنی قبر مبارک پر سلام سننے کو تلقی بالقبول کا درجہ حاصل ہے اور محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ تلقی بالقبول سے حدیث بلاشبہ لائق اعتماد ہو جاتی ہے۔ اس حدیث پر ابوالشیخ کی سند جید نہ بھی موجود ہوتی تو بھی بیہقی کی روایت تلقی بالقبول کے باعث لائق اعتماد ہے۔

محدث سہارنپوریؒ نے بذل المجہود ج ۳، ص ۱۱۷، اور ص ۱۲۰ پر اور المہند علی المفند میں اپنے اس عقیدہ کو بڑی وضاحت کے ساتھ لکھا ہے۔ ہمارے کرم فرماؤں نے المہند کے خلاف القول المستند فی رد المہند لکھ کر قوم کے سامنے بڑی بے کار بات پیش کی ہے۔ قرآن مجید میں ہے کَأَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ (پ ۲۸، المنافقون ۴) مماتیوں کی باتیں بھی اسی طرح خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ ہیں۔

۱۶...... حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ (۱۳۶۲ھ)

خود حضور ﷺ کا ارشاد مروی ہے کہ جو شخص میری قبر کے پاس درود پڑھتا ہے اس کو میں خود سنتا ہوں اور جو شخص دور سے درود بھیجتا ہے وہ مجھے پہنچایا جاتا ہے یعنی بذریعہ فرشتوں کے...... جیسا کہ مشکوٰۃ میں نسائی اور دارمی سے بروایت عبداللہ بن مسعودؓ آپ کا ارشاد مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ ملائکہ زمین میں سیاحت کرنے والے

مقرر ہیں کہ میری امت کی طرف سے مجھ کو سلام پہنچاتے ہیں۔

۱۷...... شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ (۱۳۶۹ھ)

"اخرجه ابو الشيخ فى كتاب الثواب بسند جيد من صلى علىّ عند قبرى سمعته ومن صلى علىّ نائيا بلغته" (فتح الملہم ج ۱ ص ۳۳۰)

۱۸...... مولانا عبد الغفور غزنوی امرتسریؒ (......ھ) مترجم مشکوٰۃ

"آنحضرت ﷺ مع جسم صحیح و سالم ہیں اور قبر شریف میں زندہ ہیں اور جو کوئی قبر کے پاس درود یا سلام بھیجے تو آپ خود سن لیتے ہیں اور اگر دور سے درود بھیجے تو فرشتے آپ تک پہنچا دیتے ہیں۔ اہلحدیث کا بھی اعتقاد ہے۔" (حاشیہ مشکوٰۃ باب الجمعہ ص ۴۰۱)

۱۹...... مولانا محمد عطاء اللہ حنیف صاحب التعلیقات السلفیہ

"انها احياء فى قبورهم يصلون وقد قال النبى ﷺ من صلى علىّ عند قبرى سمعته ومن صلى على نائيا بلغته" (التعلیقات ج ۱ ص ۲۳۷)

ترجمہ: انبیاء ﷩ اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور وہ وہاں نمازیں بھی پڑھتے ہیں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص میری قبر پر آکر مجھ پر درود پڑھے میں خود سنتا ہوں اور جو دور سے پڑھے وہ مجھے پہنچایا جاتا ہے۔

"واضح ہوا کہ عند القبر آنحضرت ﷺ صلوٰۃ وسلام کا سماع فرماتے ہیں اور بلوغ صلوٰۃ وسلام صحیح ہے اور اس بلوغ درود اور سلام کی کیفیت اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔" (تسکین القلوب ص ۱۰۵)

المبحث الخامس: علامہ ابن عبد الہادی کا اسے قبول کرنا

علامہ ابن عبد الہادی کی نظر ابو الشیخ کی سند پر نہیں گئی۔ ان کے پیش نظر امام بیہقی والی سند ہی تھی آپ نے محمد بن مروان سدی صغیر پر بڑی سخت جرح کی ہے۔ لیکن یہ بات تسلیم کیے بغیر انہیں بھی چارہ نہیں رہا کہ حضور ﷺ قریب سے عرض کیے گئے صلوٰۃ وسلام کو خود سنتے ہیں اور دور سے آپ کو پہنچایا جاتا ہے۔ یوں سمجھئے کہ اگر ابو الشیخ والی سند نہ بھی ہوتی تو بیہقی کی روایت ان کے ہاں دوسرے شواہد کی روشنی میں تلقی بالقبول کا درجہ پا چکی تھی۔ کیا محدثین اور کیا فقہاء، کیا احناف اور کیا شوافع، کیا موالک اور کیا حنابلہ، پوری امت میں کوئی مقتدر عالم ایسا نہیں ملے گا جو حضور ﷺ کے عند القبر سماع بلا واسطہ کا قائل نہ ہو۔ فرشتے کا توسط صرف دور کے سماع کے لیے ہے اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔ علامہ طحاوی لکھتے ہیں: "يبلغها الملك اذا كان المصلى بعيدا"

(طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۴۰۵)

ترجمہ: فرشتہ اس صورت میں درود وسلام پہنچاتا ہے جب کہ درود بھیجنے والا قبر مبارک سے دور ہو

علامہ ابن عبد الہادی لکھتے ہیں اور تسلیم کرتے ہیں: "وهو ﷺ يسمع السلام من القبر وتبلغه الملٰئكة الصلوٰة والسلام من البعد" (الصارم المنکی ص ۲۰۵)

ترجمہ: اور آنحضرت ﷺ قبر مبارک سے سلام خود سنتے ہیں اور فرشتے وہ صلوٰۃ وسلام پہنچاتے ہیں جو دور سے پڑھا جائے۔

اس سے معلوم ہوا کہ علامہ ابن عبد الہادی سماع عند القبر کے ہرگز منکر نہیں۔ آپ کو امت کی چودہ صدیوں میں ایک عالم ربانی ایسا نہیں ملے گا جو اہل سنت کہلائے اور حضور ﷺ کے سماع عند القبر بلا واسطہ کا منکر ہو۔

علامہ ابن عبد الہادی ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں: ''فاما ذلک الحدیث وان کان معناہ صحیحا فاسنادہ لا یحتج بہ وانما یثبت معناہ باحادیث اخر فانہ لا یعرف الا من حدیث محمد بن مروان السدی صغیر عن الاعمش کما ظنہ البیھقی وما ظنہ فی ھذا ھو متفق علیہ'' (الصارم المنکی ص ۱۳۱)

ترجمہ: اور یہ حدیث اگرچہ اس کا معنی بالکل صحیح ہے لیکن اس کی سند ایسی نہیں جس سے احتجاج کیا جا سکے یہ معنی کہ حضور ﷺ اپنی قبر کے پاس سے سنتے ہیں دوسری احادیث سے ثابت ہوتا ہے کیونکہ یہ حدیث محمد بن مروان سدی صغیر عن الاعمش کے سوا اور کسی طریق سے معروف نہیں ہوئی جیسا کہ بیہقی کا خیال ہے اور اس کا جو خیال ہے وہ متفق علیہ ہے۔

امام بیہقی کی نظر میں اعمش سے صرف ابو عبد الرحمن محمد بن مروان یہ روایت لے رہا ہے انہیں معلوم نہیں کہ اعمش سے یہ حدیث ابو معاویہ نے بھی سنی تھی۔ اب اگر امام بیہقی کو اپنے اساتذہ سے اس ابو معاویہ کی روایت کا علم نہ ہوا ہو تو بیچ کہیے اس میں ابو معاویہ جو صحاح ستہ کے مرکزی راوی ہیں اور وہ کوفہ جیسے مرکز علم کے نہایت ممتاز محدث تھے ان کا کیا قصور ہے؟ کیا علم رکھنے والا شخص اس شخص پر حجت نہیں جسے علم نہ ہو؟

بیہقی کے طریق میں واقعی محمد بن مروان منفرد ہے اس کا کوئی متابع نہیں لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ الحسن بن الصباح کے طریق میں بھی اس حدیث کو اعمش سے روایت کرنے والا اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ ہاں بیہقی کا یہ گمان کہ محمد بن مروان منفرد ہے ان کے اپنے طریق اور علم کے مطابق درست ہے۔

اب کوئی شخص بیہقی کے طریق میں ابو معاویہ کو داخل کرے تو کیا یہ واقعی موضوع روایت نہ ہوگی، بیہقی کی سند میں علاء بن عمرو الحنفی محمد بن مروان اور وہ اعمش سے اس حدیث کا راوی ہے یہ سند محمد بن مروان کی وجہ سے واقعی ضعیف ہے گو یہ ضعف دوسرے شواہد سے دور ہو جاتا ہے لیکن اگر کوئی شخص یوں بیان کرے۔ علاء بن عمرو الحنفی عن ابی معاویہ عن الاعمش تو اسی سند کو موضوع کہنے سے چارہ نہیں رہے گا لیکن اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ امام بیہقی کی محمد بن مروان بن الاعمش والی سند موضوع ہے۔ وہ موضوع نہیں ضعیف ہے اگر یہ روایت موضوع ہوتی تو امام بیہقی اسے روایت کرنے کے بعد یہ نہ فرماتے: ''ابو عبد الرحمن ھذا ھو محمد بن مروان السدی فیما اری وفیہ نظر وقد مضی ما یؤکدہ'' (حیات الانبیاء للبیہقی ص ۱۲)

ترجمہ: یہ ابو عبد الرحمن جیسا کہ میں سمجھا ہوں محمد بن مروان سدی صغیر ہے اور اس کے لائق حجت ہونے میں کلام ہے اور وہ روایات پہلے بیان ہو چکیں جو اس روایت کی تائید کرتے ہیں۔

معلوم ہوا امام بیہقی کو پوری طرح معلوم ہے کہ محمد بن مروان پر کس طرح کی جرح ہے بایں ہمہ وہ اسے کلیتہ ترک نہیں کرتے۔ دوسرے شواہد سے اسے مؤکد کرتے ہیں اور یہی محدثین کا طریقہ ہے کہ وہ ایک سند کی کمزوری کو دوسرے قرائن سے منجبر کر لیتے ہیں پھر جب اس حدیث کے ظاہر معنی سے خود ابن عبد الہادی کو بھی انکار

نہیں تو اب کسی عالم کو اس سے انکار کی کیسے جرأت ہو سکتی ہے۔

سو یاد رکھیے! امام بیہقیؒ کی روایت فنی نقطہ نظر سے متروک نہیں، مؤکد ہے۔ علمائے حق کی خدمت میں گزارش ہے کہ وہ بیہقی کے الفاظ وقد مضیٰ ما یؤکدہ کو کبھی نہ بھولیں اور بیہقی کی اس روایت کو ہرگز نہ چھوڑیں۔

امام بیہقی نے یہ حدیث اپنی کسی حدیث کی کتاب میں نہیں رسالہ "حیات الانبیاء" میں لکھی ہے اور اس وقت ان کا مقصد اس رسالہ سے کرامیہ کا رد تھا۔ آپ کا اس رسالے میں اس حدیث کو لانا بتلاتا ہے کہ آپ کے ہاں اس حدیث میں مخالفین کے سامنے حجت بننے کی صلاحیت موجود تھی۔ آپ نے اسناداً خود اس پر جرح کی اور معنیً خود اسے قبول کیا ہے اور کون ہے جو اس کا انکار کرے۔[1]

اہل سنت کے مختلف مسالک میں جو اختلاف ہے وہ فروع کا ہے اصول کا نہیں۔ کرامیہ اور معتزلہ شیعہ اور خوارج سے ہمارا اختلاف اصولی درجے کا ہے فروعی اختلاف خطاء اور صواب کے درمیان دائر ہوتا ہے مگر اصولی اختلاف میں ہمیشہ حق اور باطل کے فاصلے ہوتے ہیں۔

امام بیہقی سے اگر ہم نے فروع میں کبھی اختلاف کیا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اصولی مسائل میں بھی ہم ان سے اختلاف کرنے لگیں اصول اسلام میں سب صحابہؓ، سب ائمہ اور سب علماءؒ ایک ہیں اور ہمارے یہ سب اسلاف اکابر اہل السنۃ والجماعۃ ہیں۔

ابوالشیخ کی سند تو امام بیہقی کی سند کے علاوہ ہے اور اس کے سب راوی سچے اور قابل اعتماد ہیں۔ محدثین نے اسے بالاتفاق جید مانا ہے مگر افسوس کہ اس پر ہمارے کرم فرما یہ بحث لے اڑے: جید ہی تو کہا ہے صحیح نہیں کہا بھلا یہ بھی کوئی بات ہے۔

جید اور صحیح میں فرق

امام ابن الصلاح (۶۴۳ھ) اصول حدیث کے مسلم امام ہیں مقدمہ ابن الصلاح اس فن میں آپ کا شاہکار ہے وہ لکھتے ہیں کہ صحیح اور جید ایک ہی درجے میں ہیں۔ علامہ بلقینی اسے نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: "من ذلک یعلم ان الجودۃ یعبر بھا عن الصحۃ" (تدریب الراوی ج۱ ص۱۷۸)

ترجمہ: اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حدیث کے صحیح ہونے کو جید ہونے سے بھی تعبیر کر دیا جاتا ہے۔

امام ترمذیؒ جس طرح مختلف احادیث پر حسن صحیح کا حکم لگاتے ہیں آپ نے اپنی سنن کے ابواب الطب میں ایک جگہ یہ تعبیر بھی اختیار کی ہے: "ھذا حدیث جید غریب" (جامع ترمذی ج۱ ص۵۹)

دعویٰ غرابت اور اس کی وضاحت

حافظ ابن قیمؒ نے ابوالشیخ کی روایت کو غریب کہا ہے۔ اس سے بھی یہ ہمارے کرم فرما اس حدیث کو اس نظر

---

[1] محدث ابن عبدالبر (۴۶۳ھ) ایسے موقع پر حدیث پر صحت کا حکم لگاتے ہیں قاضی شوکانی ان سے ایک بحث نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "ثم حکم ابن عبد البر مع ذلک بصحته لتلقی العلماء له بالقبول فردہ من حیث الاسناد و قبله من حیث المعنی" (نیل الاوطار ج۱ ص۱۷)

سے دیکھتے ہیں جس سے ہمارے دور کا استعمار پرست غریبوں کو دیکھتا ہے اور اس کی نظر میں غریب ہونا واقعی ایک عجیب ہے۔ پھر غرابت کبھی سند میں ہوتی ہے کبھی متن میں ہمارے یہ مہربان اس کی بھی کچھ وضاحت نہیں کرتے۔

اس حدیث کی اکثر روایات میں ابلغتہ یا بلغتہ کے الفاظ ہیں متن مشکوۃ اور اس کے حاشیہ میں بیہقی کی روایت میں نسخہ کے اختلاف کا نشان موجود ہے لیکن ابوالشیخ کی روایت میں اعلمتہ (مجھے اس کا علم دیا جاتا ہے) کے الفاظ ہیں۔ ابلغتہ میں ملائکہ واسطہ بنتے ہیں اور اعلمتہ میں یہ ضروری نہیں۔

ہم عرض کرتے ہیں جب دوسری روایات میں ابلغتہ کے الفاظ موجود ہیں تو یہاں اعلمتہ کے الفاظ کو بھی اسی معنی میں لیا جائے گا اور یہ غرابت کوئی معنز نہیں۔ حدیث صحیح اور غریب میں تباین نہیں۔ مشکوۃ تو ہر طالب علم کے پاس موجود ہوتی ہے اس کا مقدمہ جو حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کا لکھا ہے، اسے ہی اٹھا کر دیکھ لیں: "ان الغرابة لاتنافي الصحة" حدیث کا غریب ہونا اس کے صحیح ہونے کے منافی نہیں۔ کیا صحیح بخاری میں آپ نے یہ الفاظ نہیں دیکھے: "فرفع النبی ﷺ یدیه وقال الله اکبر خربت خیبر ... قال ابو عبد الله دع فرفع یدیه فانی اخشی ان لاتکون محفوظا وان کان فیه فرفع یدیه فانه غریب جدا" (صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۱۴)

حاصل کلام یہ ہے کہ محمد بن مروان سدی صغیر جو امام بیہقی کی سند کا راوی ہے اس پر مشتمل سند کو کمزور تو کہا جا سکتا ہے موضوع نہیں اور ابوالشیخ کی سند تو بالاتفاق جید ہے۔ ماہنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی ۱۹۶۷ء کی اکتوبر کی اشاعت میں ہے: "اس حدیث کی جو سند سدی صغیر پر مشتمل ہے اس کو بوجہ راوی مذکور کے کمزور کہا جائے گا اور جس سند میں یہ راوی نہیں وہ کمزور نہیں ہے...... ملا علی قاری الحنفیؒ شرح مشکوۃ میں فرماتے ہیں۔ قال میرک نقلا عن الشیخ ورواہ ابوالشیخ...... باسناد جید۔" (ماہنامہ تعلیم القرآن ص ۲۸)

اہل سنت کا موقف تو ہم آپ کے سامنے پیش کر چکے ہیں آپ کو کوئی جلیل القدر عالم اس کا مخالف نظر نہ آئے گا۔ ہاں کسی خطیب اور واعظ کی آواز اس کے خلاف سنائی دے تو ہمارے عوام کی بھی تو کچھ ذمہ داری ہے کہ وہ آواز اور خطابت کے دام میں نہ آئیں۔ محدث جلیل ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں راہ سنت کی مخالفت درست نہیں: "وفیه اشعار بان من خالف السنة وان کان فی الظاهر مزینا خطیبا مکرما عند الناس فهو فی الحقیقة نجس اخس من الکلب" (مرقات شرح مشکوۃ ج ۲ ص ۷۴۔ ماخوذ از حیات الانبیاء ص ۱۴۲)

ترجمہ: اور اس میں اس طرف راہنمائی ہے کہ جو شخص طریق اہل سنت کی مخالفت کرے گو ظاہرا وہ بڑا بنا ٹھنا اور کتنا بڑا خطیب کیوں نہ ہو اور اپنے لوگوں میں اس کا مقام بھی ہو، حقیقت میں وہ نجس ہے اور وہ کتے سے بھی زیادہ خسیس ہے۔

یہ ابوالشیخ کی سند جید نہ بھی ہوتی تو اصولا بیہقی کی کمزور سند بھی لائق اعتماد تھی اس لیے کہ اونچے درجے کے علماء (فقہاء کرام) جس بات کو بالاتفاق قبول کر لیں وہ دوسروں کے لیے حجت ہو جاتی ہے اور فقہا کی قبولیت سے اس کا ضعف اٹھ جاتا ہے۔

(۱) حافظ ابوبکر الجصاص الرازی (۳۷۰ھ) ایسی ہی ایک روایت پر لکھتے ہیں: "ان الفقهاء قد تلقت هذا الحدیث بالقبول وعملوا به فثبت حجته بقبولهم له کقوله ﷺ لا وصیة لوارث"

(احکام القرآن ج ۲ ص ۴۲۵)

(۲) حافظ ابن عبد البر المالکی (۴۶۳ھ) بھی اس اصول پر ایک ضعیف حدیث کو معتمد ٹھہراتے ہیں۔ قاضی شوکانی ایک بحث میں لکھتے ہیں: "ثم حکم ابن عبد البر مع ذلک بصحته لتلقی العلماء له بالقبول"

(نیل الاوطار ج ۱ ص ۲۴)

ترجمہ: اس ضعف کے باوجود علامہ ابن عبد البر نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ کیونکہ علماء کی ایک جماعت اسے قبول کر چکی ہے۔

(۳) علامہ ابن عبد الہادی (۷۴۴ھ) حدیث من صلی علی عند قبری کو ضعیف کہتے ہیں (گو ہم ان سے اس بات پر متفق نہیں) لیکن وہ اس کے معنی سے بوجہ تلقی بالقبول پوری طرح متفق ہیں۔ (دیکھئے الصارم المنکی ص ۱۰۳) حدیث کی سند کا متکلم فیہ ہونا اور بات ہے اور خود حدیث کا غلط ہونا اور بات ہے اگر ان دونوں میں تلازم ہوتا تو محدثین کے ہاں تلقی بالقبول سے کبھی کوئی حدیث اعتماد کا درجہ نہ پاتی...... تاہم یہاں ہمیں اس اصول کو سامنے لانے کی چنداں ضرورت نہیں کیونکہ یہ حدیث ایک دوسرے طریق میں (ابوالشیخ کے طریق سے) جید سند کے ساتھ موجود ہے اور اس کے جید السند ہونے کا علمائے کبار کی ایک بڑی جماعت نے اقرار کیا ہے۔

المبحث السادس: ارشاد العوام لعرض الصلوٰۃ والسلام

آنحضرت ﷺ کی خدمت میں صلوٰۃ وسلام علی خیر الانام عرض کرنے کے لیے حاضری ہو اور مومن یہ سعادت پالے کہ اس کی آواز حضور ﷺ کی سماعت کے شرف سے مشرف ہو جائے تو وہ اسے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضری سمجھے۔ یہ تصور لے کر نہ آئے کہ وہ ایک میت کے لیے دعا کرنے آیا ہے۔ یہ صحیح ہے حضور ﷺ پر وفات آئی، آپ پر اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ کا وعدہ پورا ہوا۔ لیکن اب آپ میت نہیں ہیں، بعد الوفات زندہ ہیں۔ اب اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں نے حضور ﷺ کی قبر کی زیارت کی اور یہ سمجھے کہ حضور ﷺ اس قبر میں میت ہیں تو امام مالکؒ کے نزدیک ایسا کہنا مکروہ تحریمی ہے کیونکہ صورت حال یہ نہیں، حضور اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور صلوٰۃ وسلام عرض کرنے والے کا صلوٰۃ وسلام خود سنتے ہیں۔

ائمہ اربعہ میں فروع واحکام کے اختلافات تو ہیں، اصول وعقائد میں چاروں امام اہل السنۃ والجماعت میں سے ہیں اور ان میں کوئی اختلاف نہیں اور ان مجتہدین کا عقیدہ ہم مقلدین پر حجت ہے۔ علامہ سمہودیؒ حضرت امام مالکؒ کا فتوے نقل کرتے ہیں: "نقل عن الامام مالک انه کان یکره ان یقول رجل زرت قبر النبی ﷺ قال ابن رشد من اتباعه ان الکراهة لغلبة الزیارة فی الموتی وهو ﷺ احیاه الله تعالی بعد موته حیاة تامة"

(وفاء الوفاء ج ۲ ص ۱۳۴۳ مصر)

ترجمہ: حضرت امام مالک (۱۷۹ھ) سے منقول ہے آپ اسے مکروہ جانتے تھے کہ کوئی شخص کہے میں نے نبی پاک ﷺ کی قبر کی زیارت کی ہے۔

ابن رشد مالکی کہتے ہیں یہ کراہت اس لیے ہے کہ زیارت کا لفظ عام طور پر موتی کے لیے استعمال ہوتا ہے اور نبی پاک ﷺ کو تو اللہ تعالیٰ نے وفات کے بعد ایک کامل زندگی سے نواز رکھا ہے (ان کے لیے زیارت کا لفظ کیوں؟)

فقہا احناف احتیاطاً اس مقام پر زیارہ النبی ﷺ یا زیارۃ الرسول کا عنوان اختیار فرماتے ہیں یہ حاضری قبر پر حاضری نہیں، آپ کی خدمت میں حاضری ہے۔ اور نہیں تو نور الایضاح جو عام دینی مدارس میں داخل نصاب ہے۔ اسی میں دیکھ لیجئے: ''یبغی لمن قصد زیارۃ النبی ﷺ ان یکثر من الصلوٰۃ علیہ فانہ یسمعھا''

(نور الایضاح ص ۱۸۸ الطحاوی ص ۴۰۵)

ترجمہ: جو شخص نبی ﷺ کی زیارت چاہے اسے چاہیے کہ حضور ﷺ پر کثرت سے درود پڑھے کیونکہ حضور ﷺ اسے سنتے ہیں۔

پھر جب آپ میت نہیں تو آپ کے روضے اطہر پر حاضری آپ کی خدمت میں حاضری ہے۔ حضور ﷺ کی خدمت میں بایں تصور جانا کہ حضور ﷺ میرے لیے اللہ رب العزت سے مغفرت کی دعا کریں بالکل جائز ہے حضور ﷺ کی اس دنیا کی زندگی میں آپ کی خدمت میں حاضری کا ایک موضوع یہ بھی تھا: ''وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَاۗءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَھُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِـيْمًا'' (پ ۵، النساء ۶۴)

ترجمہ: اور جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو یہ آپ کے پاس آئیں اور اللہ سے استغفار کریں اور اللہ کے رسول بھی ان کے لیے استغفار چاہیں تو وہ اللہ تعالیٰ کو بہت توبہ قبول کرنے والا بہت مہربان پائیں گے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں: ''جو رسول اللہ ﷺ کی زیارت کے لیے آیا وہ اس وقت حضور ﷺ کی ہمسائیگی میں ہے یہ اسی صورت میں متصور ہے کہ وہ حضور ﷺ کو روضہ انور میں حیات سمجھے۔''

(جذب القلوب ص ۱۸۰ فارسی)

محدث کبیر حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں: ''فثبت ان حکم الآیۃ باق بعد وفاتہ ﷺ''

(اعلاء السنن ج ۱۰ ص ۳۳۰ قدیم)

ترجمہ: ثابت ہوا کہ اس آیت کا حکم حضور ﷺ کی وفات کے بعد بھی باقی ہے۔

حضور ﷺ کی قبر مبارک پر حاضری کی تمنا کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔ بحر العلوم عبدالعلی یہ دعا بایں الفاظ لکھتے ہیں: ''وارزقنی من زیارۃ رسولک ﷺ'' (رسائل الارکان ص ۲۸۰)

ترجمہ: اور مجھے اپنے رسول پاک ﷺ کی زیارت نصیب فرما۔

سو جب یہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضری ہے تو وہاں صلوٰۃ وسلام عرض کرنے کے ساتھ حسب آیت کریمہ واستغفر لھم الرسول استغفار کی گزارش بھی بلاتردد جائز ہوگی اور شفاعت کے لیے عرض کسی طرح بے جا نہ ہوگی۔

قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ لکھتے ہیں: ''فقہاء نے بعد سلام کے وقت زیارت قبر مبارک کے شفاعت پیغمبر کا عرض کرنا لکھا ہے پس یہ جواز کے لیے کافی ہے۔'' (فتاوی رشیدیہ ج ۱ ص ۱۰۰)

محقق علی الاطلاق حافظ ابن ہمام (۸۶۱ھ) نے قبر اطہر پر حاضری کے ایسے آداب بتائے ہیں کہ یہ قبر پر حاضری نہ رہے اس میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضری کی جھلک آجائے۔ اس صورت میں قبر کی زیارت کے الفاظ موجب کراہت نہ رہیں گے کیونکہ حکم کی علت جاتی رہی۔ آپ لکھتے ہیں کہ تیرا چہرہ قبر کی طرف رہے اور تو کہہ السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ...... اور یہ اس تصور کے ساتھ کہ حضور ﷺ قبر شریف میں اپنی دائیں کروٹ پر لیٹے ہوئے ہیں...... اور آپ پر کثرت سے درود شریف پڑھے اور یہاں تک کہ توبہ کرے اور آنسو نکل آئیں:

"ویجتهد فی خروج الدمع فانه من امارات القبول وینبغی ان یتصدق بشئی علیٰ جیران النبی ﷺ ثم ینصرف متباکیا متحسرا علی الفراق الحضرة النبویة والقرب منها ثم یسئل النبی ﷺ الشفاعة یقول یا رسول اللہ! اسئلک الشفاعة یا رسول اللہ! اسئلک الشفاعة والتوسل بک الی اللہ ان اموت مسلما علی ملتک وسنتک ویذکر کل ما کان من قبیل استعطاف" (فتح القدیر ج۲، ص ۳۳۷)

ترجمہ: اور وہ آنسو لانے میں جہد کرے یہ آنسو دعا کی قبولیت کے آثار ہیں اور یہ بھی چاہیے کہ وہ نبی کریم ﷺ کے ہمسایوں پر کچھ صدقہ کرے...... پھر وہ روتا ہوا وہاں سے رخصت ہو۔ دربار نبوت کی جدائی اس پر گراں اور اس کا قرب اس کا تقاضا ہو، پھر وہ نبی کریم ﷺ سے یوں شفاعت کی درخواست کرے: اے اللہ کے رسول! میں آپ سے شفاعت کا طلب گار ہوں اور میں آپ کا وسیلہ اللہ تعالیٰ کے حضور لاتا ہوں کہ میں آپ کے دین پر اور آپ کی سنت پر مسلمان رہتے مروں اور ہر وہ بات یاد کرے جس سے نرمی اور نیازمندی میں اضافہ ہوتا ہو۔

امام ابن ہمامؒ نے اس سے پہلے سیدنا عبداللہ بن عمرؓ (۷۳ھ) کی یہ حدیث نقل کی ہے: "روی ابو حنیفة ﷺ فی مسنده عن ابن عمر ﷺ قال من السنة ان تأتی قبر النبی ﷺ من قبل القبلة وتجعل ظهرک الی القبلة وتستقبل القبر بوجهک ثم تقول السلام علیک ایها النبی ورحمة اللہ وبرکاته" (ایضاً ص ۳۳۶)

ترجمہ: امام ابوحنیفہؒ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں سنت یہی چلی آرہی ہے کہ تم حضور ﷺ کی قبر مبارک پر قبلہ کی طرف سے آؤ تمہاری پشت قبلہ کی طرف رہے، اور قبر مبارک سامنے ہو اور پھر وہاں سلام عرض کرو۔

سو امام ابن ہمامؒ کا مذکور فتویٰ بلا اصل نہیں ہے اسے ایک جلیل القدر صحابیؓ کی سند حاصل ہے۔

قبر مبارک پر حاضری کے بعد اور اس طلب شفاعت کے وقت یہ نہ سمجھے کہ یہ غائبانہ پکار ہے اسے غائبانہ پکار کہا جائے تو یہ شرک ہوگا۔ یہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضری ہے۔ یہ اس لیے ہے کہ روضہ انور پر عرض کی گئی بات حضور ﷺ خود سنتے ہیں۔ ماہنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی کی ستمبر ۱۹۵۹ء کی اشاعت میں ہے۔

عند القبر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا سماع بلا شبہ ثابت ہے خصوصاً سید الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مقام بہت بلند ہے اور آپ کے سماع میں تو کچھ شبہ ہی نہیں۔

اللّٰھم صل وسلم علیہ الصلوٰۃ والسلام دائمین

ھذا واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم!

(مولانا) عبدالرشید مفتی دار العلوم تعلیم القرآن راولپنڈی "الجواب الصحیح"

۲۷/صفر ۱۳۷۹ھ لاشئی (مولانا) غلام اللہ خاں

مہر دار الافتاء

حضور ﷺ کی خدمت میں سلام عرض کرنے کے کلمات

امتی جس ادا سے اور جن الفاظ عقیدت سے سلام عرض کرے جائز ہے بشرطیکہ اس میں کوئی بات پیرایہ شریعت کے خلاف نہ ہو، لیکن جو کلمات علمائے محققین نے لکھ دیئے ان سے سلام کہے تو بہتر ہے:

حافظ ابن ہمام الاسکندری نے یہ چھ سلام لکھے ہیں:

(۱) السلام علیک یارسول اللہ　　(۲) السلام علیک یا خیر خلق اللہ

(۳) السلام علیک یا خیرۃ اللہ من جمیع خلقہ (۴) السلام علیک یا حبیب اللہ

(۵) السلام علیک یا سید ولد ادم　　(۶) السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

پھر امتی اپنے عقیدہ توحید و رسالت کا اقرار، حضور ﷺ کی عبدیت کا اقرار اور حضور ﷺ کے احسانات کا بایں طور اعتراف کرے اور پھر اللہ تعالیٰ سے آپ کے حق میں دعا کرے: ''یارسول اللہ انی اشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ... وانک عبدہ ورسولہ... واشھد انک یارسول اللہ قد بلغت الرسالۃ وادیت الامانۃ ونصحت الامۃ وکشفت الضمۃ فجزاک اللہ عنا خیرا جازاک اللہ عنا افضل ما جازی نبیا عن امتہ۔ اَللّٰھُمَّ اعط سیدنا عبدک ورسولک محمدنِ الوسیلۃ والفضیلۃ والدرجۃ العالیۃ الرفیعۃ وابعثہ المقام المحمود الذی وعدتہ وانزلہ المنزل المقرب عندک انک سبحانک ذو الفضل العظیم!

اس کے بعد اپنے لیے رقت کے پیرایہ میں اور چھلکتے آنسوؤں سے شفاعت کی درخواست کرے اور اپنے اندر ایسی کیفیت پیدا کرے کہ حضور! یہ امتی اب آپ کے بغیر کس منہ سے اللہ کے حضور حاضر ہو۔ آپ اس دن میری شفاعت فرمائیں جس دن شفاعت کبریٰ کے مقام پر آپ کے سوا کوئی نہ آسکے گا۔

امتی پھر ان دوستوں کی طرف سے بھی سلام عرض کرے جنہوں نے قبر اطہر میں سلام عرض کرنے کے لیے کہا تھا اور خالی جگہ میں اس کا نام مع ولدیت کے ذکر کرے۔

السلام علیک یارسول اللہ من............. بن...........

گنبدِ خضریٰ کے سب مکینوں پر سلام ہو؟

حافظ ابن ہمام (۸۶۱ھ) لکھتے ہیں کہ اب شیخین کریمین سیدنا ابوبکر اور سیدنا حضرت عمرؓ پر بھی سلام عرض کرے یہ حضرات گو انبیاء میں سے نہیں کہ ان کا قبر پر سننا قطعی ہو لیکن بایں سبب کہ حضور ﷺ حضرت ابوبکر اور حضرت عمرؓ کا خمیر ایک مٹی سے ہوا۔ کما رواہ الخطیب اس لیے یہ بات یقین سے کہی جا سکتی ہے کہ یہ حضرات بھی گنبد خضریٰ پر عرض گئے سلام کو سنتے ہیں اور مسلمانوں کو چاہیے کہ وہاں حاضری پر ان بزرگوں پر بھی سلام عرض کریں ابن ہمامؒ لکھتے ہیں: ''یہاں تک کہ ان دونوں حضرات کو نبی اکرم ﷺ کے حضور واسطہ بنانا بھی درست ہے۔''

(اقسام حج ج۱ ص ۲۸۲)

اوروں کا سلام بھی عرض کر سکتا ہے۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے: ''ویبلغہ سلام من اوصاہ فیقول السلام علیک یارسول اللہ من فلان ابن فلان یستشفع بک الی ربک فاشفع لہ ولجیمع المسلمین'' (فتاویٰ عالمگیری ج۱، ص ۲۸۲)

ترجمہ: اور زائر حضور ﷺ کو اس کا سلام پہنچائے جس نے اس زائر کو اس کے لیے کہا ہو اور اسے اس طرح عرض کرے: حضور! فلاں بیٹا فلاں کا سلام عرض کرتا ہے اور آپ سے شفاعت کے لیے عرض کرتا ہے۔

انبیاء تو بالاتفاق سنتے ہیں لیکن اوروں کے بعد الوفات اپنی قبروں پر سننے کی بات اس طرح قطعی نہیں ہے۔ اس اختلاف میں ہم ان حضرات کے ساتھ ہیں جو کاملین اور شہداء و صالحین کو نبوت کے سائے میں جگہ دیتے ہیں

اور جو دوست اس سے متفق نہیں، انہیں یہ کہنے کا حق نہیں کہ ان کے عدم سماع کا قول اسلام میں قطعی اور یقینی درجہ رکھتا ہے اگر یہ بات اس طرح ہوتی تو یہ مسئلہ کبھی اختلافی نہ ہوتا۔ حالانکہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ لکھتے ہیں: ’’قبر کے پاس جا کر کہے کہ اے فلاں تم میرے واسطے دعا کرو کہ حق تعالیٰ میرا کام کر دے اس میں اختلاف علماء کا ہے مجوز سماع موتی اس کے مقر ہیں اور مانعین سماع منع کرتے ہیں سو اس کا فیصلہ اب کرنا محال ہے مگر انبیاء علیہم السلام کے سماع میں کسی کو اختلاف نہیں اسی وجہ سے ان کو مستثنیٰ کیا ہے اور دلیل جواز یہ ہے کہ فقہاء نے بعد سلام کے وقت زیارتِ قبر کے شفاعتِ مغفرت کا لکھا ہے پس یہ جواز کے لیے کافی ہے۔‘‘ (فتاویٰ رشیدیہ ج۱ ص۱۰۰)

ہمارے دور کے کرّامی حضرات نے اپنے اس موقف کو قطعیت دینے کے لیے اس پر قرآن کریم کی اس آیت کا معارضہ ڈالا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ مرحومین نہیں سنتے اور قبر پر صلوٰۃ وسلام سنے جانے کی روایات قطعی طور پر قرآن کے خلاف ہیں، نامناسب نہ ہوگا کہ چلتے ہوئے ہم اس معارضے کو بھی اٹھاتے جائیں۔

’’اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا یَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ وَیَوْمَ الْقِیٰمَةِ یَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ وَلَا یُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِیْرٍ‘‘ (پ۲۲، فاطر ۱۴)

ترجمہ: اگر تم ان کو پکارو، نہیں سنیں گے تمہاری پکار اور اگر سن بھی لیں تو نہ پہنچیں تمہارے کام پر اور قیامت کے دن وہ منکر ہوں گے تمہارے شریک ٹھہرانے سے اور کوئی نہ بتلائے تجھے جیسے ذات خبیر تجھے بتلا رہی ہے۔

’’وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ یَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا یَسْتَجِیْبُ لَهٗۤ اِلٰى یَوْمِ الْقِیٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ‘‘ (پ۲۶، الاحقاف ۴)

ترجمہ: اور اس سے زیادہ گمراہ کون ہے جو پکارے اللہ کے سوا کسی ایسے کو جو نہ پہنچ سکے اس کی پکار کو قیامت کے دن تک اور انہیں ان کے پکارنے کی بھی خبر نہیں۔

(۱) ان دونوں آیتوں میں کہیں پاس سے سننے کی نفی نہیں ...... دونوں جگہ پکار سننے کی نفی ہے، پکار کسے کہتے ہیں دور سے بلانے کو...... دور سے تو پیغمبروں پر بھی صلوٰۃ وسلام عرض کریں تو اسے فرشتے پہنچاتے ہیں وہ خود نہیں سنتے ......سو ان آیتوں سے حضور ﷺ کی قبر مبارک پر عرض کیے گئے صلوٰۃ وسلام کو نہ سنے جانے کے معرض میں لانا اور ان سے ان کے اسے سننے کی نفی کرنا کس قدر درست ہو سکتا ہے، یہ بات کسی پڑھے لکھے سے مخفی نہیں رہ سکتی۔ اہل علم کے ہاں اس کا کچھ وزن نہیں۔ جاہلوں میں بیٹھ کر کسی خطیب کا ان آیتوں کو جھوم جھوم کر پڑھنا اور اسے حضور ﷺ کے سماع عند القبر کی نفی پر دلیل لانا کتنی بڑی جرأت ہے۔

ولیبت باول قارورۃ کسرت فی الاسلام　　فلیبک علی الاسلام من کان باکیا

(۲) پھر ان تدعوھم سے براہ راست انبیاء شہداء مراد لینا اور یہ کہ وہ کہیں بھی سنتے نہیں کیا یہی ان آیات کا موضوع ہے یا مفسرین حضرات نے ان میں جمادات کو بھی داخل کیا ہے جن میں روح کبھی آئی ہی نہیں اگر ایسا ہے تو ان کا مصداق صرف انبیاء و اولیاء اور شہداء کو ٹھہرانا سلف صالحین کا کیا یہی طریق تھا۔ اس پر بھی کچھ غور فرمالیں۔

کیا تفسیر مدارک ج ۴ ص ۱۴۰ پر ان میں بتوں کا ذکر نہیں؟ کیا تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۱۵۵ میں یہ نہیں لکھا۔ لانھا جمادات لا ارواح لھا۔ کیا روح المعانی میں ان آیات کے تحت اصنام کا تذکرہ نہیں؟

قاضی شوکانی کو لیجئے لکونھا جمادات تفسیر فتح القدیر ج ۴ ص ۳۴۳ کیا آپ کے سامنے نہیں؟

مفسر حقانی نے لکھا ہے: ''اگر تم ان کو پکارو، وہ تمہارا پکارنا نہیں سنتے کس لیے کہ جمادات بے حس و حرکت ہیں۔'' (تفسیر حقانی ج ۶، ص ۱۲۸)

کرامی ان آیات میں یہ معنی اس لیے بیان نہیں کرتے کہ اس سے لایسمعوا دعآئکم کی بتوں پر دلالت انہیں اس مغالطہ دہی میں کامیاب نہ ہونے دے گی کہ حضور ﷺ اپنے روضہ پر عرض کیے گئے صلوٰۃ وسلام کو نہیں سنتے۔

(۳) پھر غافلون کا یہ معنی کرنا کہ ''انہیں پتہ ہی نہیں ان کی پکار کا'' کیا صحیح ترجمہ ہے یا مراد یہ ہے کہ انہیں دھیان نہیں، خبر نہیں۔ قرآن کریم کی اس آیت میں غفلت کے معنی کیا ہیں؟

''لَقَدْ كُنتَ فِي غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا فَكَشَفْنَا عَنكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيدٌ'' (پ ۲۶ ق، ع ۲)

ترجمہ: تو بے خبر رہا اس دن سے سو ہم نے اٹھا دیا تیرا پردہ سو آج تیری نگاہ بہت تیز ہے۔

حضرت شیخ الاسلامؒ لکھتے ہیں: ''تیری آنکھوں کے سامنے شہوات و خواہشات کا اندھیر چھایا ہوا تھا پیغمبر جو سمجھاتے تھے تجھے کچھ دکھائی نہ دیتا تھا آج ہم نے تیری آنکھ سے وہ پردے ہٹا دیئے۔'' (تفسیر عثمانی ص ۶۷۳)

سو اس آیت میں غفلت کا معنی یہ نہیں کہ پتہ ہی نہ ہو، یہاں نفی دھیان اور توجہ کی ہے۔ دھیان کی نفی اور شعور کی نفی اس سے ہوتی ہے جو فی الواقع زندہ ہو مگر ادھر دھیان نہ ہو۔

اللہ کے سوا تم جن کو پکارتے رہے ہو وہ مورد موت ہیں یا اصلاً بے جان ہیں، جن میں حیات کبھی آئی ہی نہیں اور انہیں خبر تک نہیں کہ کب اٹھائے جائیں گے ''وَمَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يُبْعَثُونَ'' (پ ۱۴، النحل ۲۱)

''وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُونَ'' سے کیا یہ نہیں سمجھا جا سکتا کہ انہیں کوئی اس طرف دھیان نہیں۔ اسے نہ سننے کی دلیل بنانا اور اسے اس پر قطعی الدلالۃ ٹھہرانا معلوم نہیں کون سی شان علم ہے؟ کفار سنتے تو تھے، دھیان نہیں دیتے تھے۔ اسی پر انہیں کہا گیا ''لَقَدْ كُنتَ فِي غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا''

افسوس! کرامی حضرات وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُونَ کا ترجمہ کرتے اس آیت لَقَدْ كُنتَ فِي غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا کو یکسر بھول جاتے ہیں۔

یاد رکھیے! آیات کے عمومات سے دعویٰ ابطالِ احادیث کا یہ طریقہ کبھی بھی اہل حق کا طریق نہیں رہا، سب سے پہلے معتزلہ آئے جنہوں نے یہ ہتھیار اٹھایا اور آج انہی کی شاخ کرامیہ اسی راہ سے حدیث کا مذاق اڑا رہی ہے۔

ہم بصمیم قلب یقین رکھتے ہیں کہ حضور ﷺ روضہ پر عرض کیے گئے صلوٰۃ وسلام کو خود سنتے ہیں اور دور سے پڑھا آپ کو پہنچایا جاتا ہے اور کرامی حضرات آپ کے نفی سماع پر جو آیات پیش کرتے ہیں ان آیات میں انبیاء کرام علیہم السلام کے عند القبر سماع کی ہرگز نفی نہیں ہے۔ ہاں یہ بات اپنی جگہ صحیح ہے کہ وہ وہی کچھ سنتے ہیں جو اللہ چاہے اور وہی کچھ کر سکتے ہیں جو اللہ چاہے اور آپ پر صلوٰۃ وسلام عرض کرنے والے اسی عقیدے سے آپ پر صلوٰۃ وسلام عرض کرتے ہیں، ہماری آواز آپ کی سماعت سے مشرف ہو اس سے بڑھ کر ہم کس سعادت کی تلاش میں ہیں؟

حضرت مولانا حسین علی مرحوم حضور ﷺ کے سماع عند القبر کے ہرگز منکر نہ تھے، وہ کرامی نہ تھے۔ آپ کے خلیفہ اعظم حضرت مولانا نصیر الدین غور غشتوی اپنے ایک خط میں جو ماہنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی ستمبر ۱۹۶۰ء میں چھپا ہے لکھتے ہیں: ''میں اور مولانا غلام اللہ خان عقیدہ میں متفق ہیں۔ میں بھی نبی علیہ السلام کی وفات کے بعد برزخی

حیات کا قائل ہوں اور وہ بھی برزخی حیات کے قائل ہیں میں یہ کہتا ہوں کہ روضہ پاک کے قرب میں جب درود جہرا پڑھا جائے تو نبی سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں اور جناب مولانا غلام اللہ خاں صاحب نے بھی اپنے ماہنامہ تعلیم القرآن میں یہ لکھا ہے میرا بھی یہ اعتقاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی چیز ذات اور صفات میں شریک نہیں اور ان کا بھی یہی عقیدہ ہے کہ ہر شخص کی ندا کو ہر وقت سننا اور ہر جگہ سے سننا۔ الخ''

مولانا عبدالرحمن جامی حضور ﷺ کے روضہ پر حاضری دیتے تو درود وسلام کے علاوہ بھی کئی باتیں رقت میں کہہ گزرتے اور جواب بھی سنتے۔ بوقت واپسی عرض کرتے: ''خواجہ! بسفرے روم چہ فرمائی'' (آقا! میں اب چلتا ہوں، کیا اجازت ہے)

جواب ملتا ہے: ''بسلامت روے وباز آئی'' (سلامتی سے جائیں اور پھر یہاں آئیں)

ایک سال صرف یہ جواب ملا ''بسلامت روی'' پھر آنے کی بات نہ کہی اور واقعات نے بتایا کہ یہ آخری حاضری تھی۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ صرف درود وسلام ہی نہیں سنتے نعت بھی سن لیتے ہیں اور عرضداشت بھی، اور یہ سب سننا اور سنوانا اللہ رب العزت کے دست قدرت میں ہے اور آپ کی دعا سے سنا جا رہا ہے۔

مولانا عبدالرحمن جامیؒ کی بات اگر آپ کو پسند نہیں تو صحابی رسول حضرت بلال بن الحارثؓ (۶۰ھ) کا واقعہ تو آپ سے مخفی نہ ہوگا۔ آپ نے حضور ﷺ کی قبر مبارک پر حاضری دیتے ہوئے آپ سے بارش ہونے کے لیے دعا کرنے کو کہا۔ انہوں نے بھی روضہ اطہر پر حضور اکرم کو یارسول اللہ کہہ کر خطاب کیا: ''یارسول اللہ! استسق لامتک فانھم ھلکوا'' (تحریرات حدیث حضرت مولانا حسین علی مرحوم ص ۲۵۵)

ترجمہ: یارسول اللہ! آپ اپنی امت کے لیے بارش کی دعا فرمائیں وہ ہلاک ہو رہے ہیں۔

پھر حضور اکرم ﷺ اس صحابی کو خواب میں ملے اور بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں بارش کی دعا قبول کر لی ہے۔ یہ واقعہ حضرت عمرؓ کے عہد خلافت کا ہے۔ ابن خلدون کہتے ہیں ۱۸ھ کا ہے۔ آپ نے حضرت بلال بن الحارثؓ کو یہ بھی فرمایا: ''ائت عمر فاقرأہ السلام واخبرہ انھم مسقون'' (وفاء الوفاء للسمہودی ج ۲ ص ۱۴۲۱)

ترجمہ: آپ عمر کے پاس جائیں اور اسے میرا سلام کہیں اور بتائیں کہ لوگ بارش سے سیراب ہوں گے۔

معلوم ہوا صحابہؓ روضہ انور پر صرف صلوٰۃ وسلام ہی نہیں کہتے تھے کوئی اور عرضداشت (بارش طلبی ہو یا شفاعت طلبی) پیش کرنا ممنوع نہیں جانتے تھے اور خطاب کے پیرایہ میں آپ پر سلام پڑھتے تھے۔

تحقیق حدیث حضرت بلال بن الحارثؓ

یہ حدیث جو حضرت مولانا حسین علی مرحوم نے پیش کی ہے حضرت امام بیہقی (۴۵۸ھ) نے دلائل النبوت میں نقل کی ہے اور اسے ابن ابی شیبہ (۲۳۵ھ) نے بھی روایت کیا ہے۔

ابن ابی شیبہ نے یہ روایت ابو معاویہ محمد بن خازم سے لی ہے اور یہ وہی سند ہے جو حدیث من صلی علی عند قبری سمعتہ کی بطریق ابی الشیخ ہم پیش کر آئے ہیں۔

ابو معاویہ محمد بن الخازم (۱۹۸ھ) اعمش (۱۴۸ھ) ابو صالح ذکوان السمان

اس حدیث کو ابو صالح حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کرتا ہے اور وہ اس حدیث کو حضرت ملک الدار سے نقل کرتا ہے حضرت ملک الدار کو علامہ ذہبی صحابہ میں شمار کرتے ہیں اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آپ نے حضرت ابو بکر اور حضرت عمر اور حضرت بلال بن الحارثؓ کا دور پایا ہے سو یہ سند متصل ہے اور اس کے جملہ راوی ثقہ اور قابل اعتماد ہیں۔

ابن جریر الطبری (۳۱۰ھ) نے تاریخ الملوک والامم ج ۴ ص ۹۸ میں اسے نقل کیا ہے۔ پھر امام بیہقی (۴۵۸ھ) نے اسے سند صحیح سے روایت کیا ہے۔ پھر علامہ ابن اثیر جزری (۶۳۰ھ) نے اپنی تاریخ الکامل ج ۲ ص ۵۵۶ میں اس کی تصدیق کی ہے۔ آیئے! اب آپ کو آٹھویں صدی میں لے چلیں۔ علامہ سبکی نے شفاء السقام ص ۱۳۰ میں اس کی شہادت دی ہے۔ پھر حافظ ابن کثیر (۷۷۴ھ) نے امام بیہقی کی روایت البدایہ میں پوری سند سے نقل کی ہے اور لکھا ہے۔ ''ھذا اسناد صحیح'' (البدایہ والنہایہ ج ۷، ص ۹۲)

ابن ابی شیبہ کی سند کی حافظ ابن حجر عسقلانی (۸۵۲ھ) پوری تصدیق کرتے ہیں: ''رواہ ابن ابی شیبۃ باسناد صحیح من روایۃ ابی صالح السمان'' (فتح الباری ج ۳ ص ۱۴۸)

پھر علامہ سمہودی (۹۱۱ھ) نے وفاء الوفاء میں اس واقعہ کی تصدیق کی ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے۔ (ج ۲ ص ۴۱۰)

روضہ انور پر سلام بہ پیرایہ خطاب

سیدنا عبداللہ بن عمرؓ جب حضور اکرم ﷺ کے روضہ پر حاضری دیتے تو یوں سلام عرض کرتے: ''السلام علیک یارسول اللہ'' (المصنف لعبدالرزاق ج ۳، ص ۵۷۶، المصنف لابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۱۳۸)

اور شیخین کریمینؓ پر بھی یوں سلام پڑھتے: ''السلام علیک یا ابابکر... السلام علیک یا ابتاہ''

***

الباب الثانی وفیہ خمسۃ فصول

الفصل الاوّل: مسلک خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم

شان ورود خطبہ حضرت ابوبکر صدیق

حضور پیغمبر خاتم کی احادیث شریفہ روضۂ منورہ کی حیات جسمانی کے بیان میں یکے بعد دیگرے آپ کے سامنے آچکیں اب اس باب میں افضل البشر بعد الانبیاء سیدنا حضرت صدیق اکبرؓ کا عقیدہ بھی ملاحظہ ہو۔ وفات النبی ﷺ کا سب سے پہلا اعلان بھی حضرت صدیق اکبرؓ ہی کی زبان فیض ترجمان سے صادر ہوا تھا۔ اب اس کے بعد کی حیات النبی ﷺ کا فیصلہ بھی اسی خطبہ صدیقی میں ملاحظہ کیجئے۔ ان سے بڑھ کر اور کون فطرت نبوت کا نبض شناس تھا یا ہو سکتا ہے پہلے شان ورود دیکھئے۔

نزول وحی کے وقت آنحضرت ﷺ پر کچھ ایسی کیفیات وارد ہوتی تھیں کہ اس دنیا کے احساسات کچھ وقت کے لیے منقطع ہو جاتے تھے اور قلب منور پوری طرح عالم بالا کی طرف متوجہ ہو جاتا تھا۔ ان انکشافات میں بظاہر غشی

وغیرہ کا گمان ہونے لگتا اور اتمام وحی کے بعد آپ پھر اس کیفیت ملکی سے کیفیت بشری کی طرف منتقل ہوجاتے۔ جب روح الامین آپ کے قلب مبارک پر نزول فرماتے تو ایسی کیفیات اکثر وارد ہوتی تھیں۔

آنحضرت ﷺ پر جب اذاقۃ موت کا وعدہ الٰہیہ پورا ہوا تو بعض صحابہؓ نے اس ورودِ وفات کو مذکورہ سابقہ غشی خیال کیا اور گمان کیا کہ ابھی کارِ نبوت کے کچھ اہم امور باقی ہیں۔

آپ انہیں سرانجام دینے کے بعد ہی اس دنیا سے انتقال فرمائیں گے۔ بنابریں انہوں نے نہایت سختی سے کہا کہ کوئی آپ پر وفات شریفہ کے وارد ہونے کی بات نہ کرے۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ:

(۱) کیا وہ لوگ انتہائے غم میں جذبات سے مغلوب ہو کر ایسے خیالات قائم کر رہے تھے؟ یا

(۲) ان کا اعتقاد ہی یہ تھا کہ حضور پر ورودِ موت کبھی نہ ہوگا؟ اور یا

(۳) انہیں ورودِ موت کی پہچان نہ تھی، کیفیت ورودِ موت اور آثار موت کا کوئی تجربہ نہ رکھتے تھے؟ یا

(۴) اس انکار موت کا منشاء و مبنیٰ کچھ اور تھا؟

جب ہم حضرت فاروق اعظمؓ جیسے ذکی الطبع سلیم الحس اور بیدار مغز انسان کو بھی اسی صف میں کھڑا دیکھتے ہیں، تو پھر ہمیں اور زیادہ غور و فکر سے سوچنا پڑتا ہے کہ آخر اس انکار موت کا سبب کیا تھا؟

جہاں تک پہلے احتمال کا تعلق ہے کہ شاید وہ لوگ انتہائے غم میں جذبات سے مغلوب ہو کر ایسے خیالات قائم کر رہے تھے۔ یہ ہرگز صحیح نہیں! اگر غلبہ محبت ہی اس کا باعث تھا تو حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا اور ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سب سے پہلے ان جذبات کی رو میں بہ جاتیں پھر حضرت فاروق اعظمؓ جیسے مدبر اور نزاکت شناس سے بالکل مغلوب الحال ہوجانے کی توقع بھی کیسے ہوسکتی ہے۔ نیز ان کا استدلالی پہلو کہ ابھی کارِ نبوت کے کچھ اہم امور باقی ہیں خود اس بات کا پتہ دے رہا ہے کہ ان کے حواس میں اختلال ہرگز نہ تھا ورنہ یہاں وہ کوئی اجتہاد کرتے نظر نہ آتے۔ خود فرماتے ہیں: ''واللہ ان کنت اظن انہ ﷺ سیبقی فی امتہ حتی یشھد علیہ باخر اعمالھا وانہ ھو الذی حملنی علی ان قلت ماقلت'' (رواہ البیہقی وراجع لہ تفسیر ''وکذلک جعلنا کم امۃ وسطا'')

اگر دوسرے احتمال کو جگہ دیجئے کہ شاید ان کے اعتقاد میں حضور ﷺ پر ورودِ موت کبھی ہونا ہی نہ تھا، یعنی وہ حیات بلا وفات کے قائل تھے تو یہ بھی صحیح نہیں۔ اس لیے کہ اس انکار وفات کی جو وجہ حضرت فاروق اعظمؓ سے منقول ہے وہ خود اس کی تردید کرتی ہے۔ ثانیاً حضرت فاروق اعظم خود حافظ قرآن تھے۔ ''اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ... اَفَاۡئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ'' وغیرھما من الایات ان سے مخفی نہ تھیں، پورے قرآن کی تلاوت ان کے شب و روز کا وظیفہ تھا۔ ان کا علم و فہم بھی کچھ مشتبہ نہ تھا۔ ان کا اعتقاد یہ تھا کہ آپ پر یقیناً لذت موت کا وعدہ الٰہیہ پورا ہوگا۔

حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ارشاد فرماتے ہیں: ''باید دانست کہ قصہ دلالت می کند برآں کہ فاروقؓ می دانست کہ موت برآں حضرت شدنی است پس مخالف آیت اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ اعتقاد نہ کردہ بود، لیکن گمان می کرد کہ آنچہ واقع شدہ است موت نیست بلکہ تعطیل حواس ظاہر است۔'' (قرۃ العینین ص ۲۷۰ مطبوعہ دہلی)

ل ''مامات رسول اللہ ﷺ ولا یموت حتی یقتل المنافقین (ابن ابی شیبۃ کما فی القسطلانی) فلیقطعن ایدی رجال وارجلھم'' (بخاری ج ۱ ص ۵۱۷)

ترجمہ: معلوم ہونا چاہیے کہ حضرت فاروق اعظمؓ یہ جانتے تھے کہ ورودِ موت آنحضرت پر ہونا ہی ہے۔ پس ان کا اعتقاد آیت اِنَّكَ مَيِّتٌ الخ کے خلاف ہرگز نہ تھا، لیکن وہ خیال کر رہے تھے کہ یہ صورت پیش افتادہ موت نہیں، بلکہ صرف آثارِ حیات رُک لیے گئے ہیں۔ یعنی جو کچھ واقع ہوا تھا اسے وہ موت قرار نہیں دیتے تھے۔

اگر تیسرا احتمال سامنے رکھئے کہ انہیں ورودِ موت کی پہچان نہ تھی، تو یہ بھی قرین قیاس نہیں...... ماحول عرب سے کچھ کم آشنا نہ تھے۔ ہزاروں انسانوں کو انہوں نے مرتے دیکھا تھا موت کی کیفیات بھی کچھ ان سے مخفی نہ تھیں اور ایسے مواقع کی نزاکت کا بھی انہیں کوئی کم تجربہ نہ تھا۔

پھر آخر ان کا وقوعِ موت سے انکار کیوں تھا؟ اس کا سبب اور منشاء کیا ہے؟

حقیقت الامر

بات دراصل یہ تھی کہ جس طرح نزولِ وحی کی بعض کیفیات میں اس دنیا کے احساسات سے تعطل ہو جاتا تھا، مگر حیات کی نفی نہ ہوتی تھی۔ اسی طرح آنحضرت ﷺ پر ورودِ وفات کچھ ایسے طریق سے ہوا کہ حیات کلیۃً منفی نہ ہوئی تھی، صرف آثارِ حیات سلب ہو گئے تھے (اور یہ بھی اس لیے تھا کہ عالم برزخ میں انتقال ہو سکے اور پردہ قبر میں تشریف لے جا سکیں) حضرت فاروق اعظمؓ کی نگاہیں اس حیات قلب تک پہنچ رہی تھیں، جو زیر پردہ مستور تھی (آخر محدثیت کا مقام کچھ کم منبع عرفان نہ تھا) اور اس کے ہوتے ہوئے وہ وقوعِ موت کا ادراک نہ کر سکے تھے۔ اس وجود حیات کو اس ورودِ وفات سے تطبیق دینا ان کے لیے مشکل ہو رہا تھا۔

آنحضرت ﷺ کی وفات کے متعلق ان کا اعتقاد یہی تھا کہ آپ پر بھی اسی طرح موت آئے گی، جس طرح کہ عام دوسرے انسانوں پر وارد ہوتی ہے اور چونکہ صورت پیش افتادہ اور حالت واقعہ ایسی نہ تھی، اس لیے وہ آپ پر ورودِ وفات کا یقین نہ کر سکے اور خیال کیا کہ یہ مرحلہ ابھی باقی ہے پیشتر ازیں وہ آیت شریفہ اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ کے پیش نظر آپ ﷺ پر قرائن موت کا تتبع نہ کر سکے تھے۔

پھر جب حضرت صدیق اکبرؓ نے اس صورت پیش افتادہ اور کیفیت واقعہ ہی کو وفات النبی ﷺ کہا اور آیاتِ قرآنیہ، جن میں آپ ﷺ پر ورودِ وفات کی پیشگوئیوں یا امکان کا بیان تھا۔ ان کا منشاء اسی قسم کی حالت کو قرار دیا تو اب حضرت عمر فاروقؓ سمجھے کہ آیاتِ مذکورہ اپنے عمومی مفہوم میں نہ تھیں اور انہیں شرح صدر ہو گیا کہ ان آیات شریفہ کا منشاء وفات النبی ﷺ کے متعلق کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ ان آیات کا مفہوم مجھ پر یوں منکشف ہوا؟

''گویا کہ میں نے پہلے وہ آیات پڑھی ہی نہ تھیں۔''

مقام غور ہے کہ اگر یہ آیات شریفہ اپنے اسی عام مفہوم میں ہوتیں، جیسا کہ ابتدائی سطح میں متبادر ہوتا ہے، تو صحابہ کرامؓ بالخصوص حضرت فاروق اعظمؓ ان آیات کے متعلق اتنا اہم اعلان نہ فرماتے۔ حضور ﷺ کے متعلق وعدۂ موت اگر انہی معنوں میں ہوتا جن میں کہ موت عام ماحول عرب میں متعارف تھی تو حضرت فاروق اعظمؓ حافظ قرآن اور نہایت ذکی الطبع ہوتے ہوئے یہ ہرگز ارشاد نہ فرماتے: ''كانی لم اقرأها الا يومئذ'' (بخاری شریف ج ۲، ص ۶۴۰)

ترجمہ: گویا کہ وہ آیات میں نے اس دن کے سوا کبھی پڑھی ہی نہ تھیں۔

بات صاف ہے کہ آنحضرت ﷺ پر وفات شریفہ کا ورود کچھ ایسے طریق سے ہوا، جو عام دوسرے انسانوں سے مختلف تھا۔ آپ کے جسد میت سے قرائن موت کچھ ایسے جلی نہ تھے کہ کسی کو شک کی گنجائش نہ مل سکے۔

آپ پر کچھ ایسی کیفیات تھیں کہ موت کا یقین نہ ہوتا تھا اسی کیفیت نے جو زیر پردہ مستور تھی، اشتباہ پیدا کر رکھا تھا، جن کے خیال میں اس کیفیت کی قرائن موت سے تطبیق محال تھی وہ ان قرائن کو غشی سمجھتے رہے کہ کیونکہ ان کے حاشیہ فکر میں موت کے صرف وہی معنی تھے جو عام طور پر معروف ہیں اور جس مقدس ہستی کو راز دار نبوت ہونے کا شرف حاصل تھا اس نے اس کیفیت باطنہ کو جو زیر پردہ مستور تھی، ورودِ وفات سے متصادم وہم نہ کیا تھا۔ اس وجود حیات اور وقوع وفات میں کوئی تعارض خیال نہ کیا، اعلان فرمایا: ''فان محمدا اقدمات'' (بخاری شریف ج ۲، ص ۶۴۰)

ترجمہ: حضور ﷺ موت کا ذائقہ چکھ چکے ہیں۔

جب حضرت صدیق اکبرؓ نے اس صورت پیش افتادہ ہی کو وفات پیغمبر قرار دے دیا، تو پھر حضرت فاروق اعظمؓ نے آپ پر قرائن موت کا تتبع شروع کیا اور بالآخر ورودِ وفات کے قائل ہو گئے۔ باقی سب صحابہؓ نے بھی اسے تسلیم کر لیا۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ فرماتے ہیں: ''معنی قول او کانی لم اسمعها ایں ست کہ استماع ایں آیت مائل گردانید او را بہ تتبع قرائن و پیش از یں میلان بآں نداشت'' (قرۃ العینین ص ۲۷۰)

ترجمہ: آپ کے اس ارشاد ''گویا کہ یہ آیت میں نے پہلے سنی نہ تھی'' کا مطلب یہی ہے کہ اس آیت کے استماع نے انہیں تتبع قرائن کی طرف متوجہ کر دیا (کہ یہ صورت پیش افتادہ ہی اس آیت شریفہ کا مورد ہے) اور پیش تر از یں آپ کا (اس آیت کے) اس معنی کی طرف دھیان نہ تھا۔

حجۃ الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے حضرت عمرؓ کے انکارِ وفات کو عام جذبات محبت پر محمول نہیں کیا بلکہ اس میں ایک نہایت دقیق گہرائی معلوم کی ہے۔ صورت پیش افتادہ میں ان حضرات کریمین کا یہ اختلاف کہ یہ موت ہے یا غشی اور پھر حضرت عمرؓ کا تتبع قرائن سے اسے آیت اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ سے منطبق کرنا بتلاتا ہے کہ یہ موت کوئی عام اموات کی طرح نہ تھی، کچھ مختلف تھی ورنہ اول وہلہ میں یہ اختلاف کسی طرح نہ ہوتا۔

حضرت عمرؓ سمجھتے تھے کہ آپ پر موت اسی طرح آئے گی جس طرح عام دوسرے انسانوں پر آتی ہے اس لیے ہنوز وہ نہیں آئی۔ جو کچھ پیش آیا ہے وہ کچھ اور ہے حضرت ابوبکر صدیقؓ سمجھتے تھے کہ وفات پر بھی آپ کی خوشبو کا اسی طرح پھیلے رہنا جس طرح کہ آپ کی دنیا کے حین حیات تھی آپ کی ایک جدا قسم کی موت کا پتہ دیتا ہے اور بالآخر اسی پر آپ کے اِس عالم سے اُس عالم میں منتقل ہونے کا اقرار کرنا ہوگا جو حضرت عمرؓ نے بھی بالآخر کر لیا اور اسی پر سب صحابہؓ کا اجماع ہو گیا۔

سو جس طرح ورودِ وفات پر تمام صحابہؓ کا اجماع ہو گیا اسی طرح یہ بھی ایک اجماعی حقیقت قرار پائی کہ آپ کی وفات سے وہ معاملہ ہرگز نہ کیا گیا جو عام ایسے دوسرے موقعوں پر کیا جاتا ہے صحابہ کرامؓ نے اس موت کی نوعیت عام انسانوں سے کچھ مختلف سمجھی اور آپ کو جی دفن کرنا ضروری نہ سمجھا۔

آپ کی وفاتِ لطیفہ کے مختلف ہونے کی روشن شہادتیں

اختصاصات لوفات سید الکائنات

۱...... تنوع موت پر پہلی شہادت

کہ صحابہ کرامؓ نے اجماعاً آپ کی وفات سے دوسری اموات والا معاملہ نہ کیا۔

(۱) آپ کو آخری غسل پہلے پہنے ہوئے کپڑوں ہی میں دیا گیا کرتہ تک جسد اطہر سے نہ اتارا گیا۔

(۲) نماز جنازہ بھی عام اموات مسلمین کی طرح نہیں پڑھی گئی بلکہ اسے کسی دوسرے طریق سے ادا کیا گیا، بلکہ بعض روایات سے تو معلوم ہوتا ہے کہ معروف نماز جنازہ کی بجائے صرف صلوٰۃ وسلام عرض کیا گیا اور آپ کے احسانات کے اعتراف کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے آپ کے لیے دعا کی گئی۔

(۳) اور اس سے بڑھ کر یہ کہ مُردوں کے دفن کرنے کے بارے میں تاخیر نہ کرنے کا جو عام تاکیدی حکم شریعت میں ہے، اس کے خلاف قریباً پونے دودن گزر جانے کے بعد آپ ﷺ کو دفن کیا گیا اور اس غیر معمولی تاخیر میں کوئی حرج نہ سمجھا گیا اور کوئی اندیشہ محسوس نہیں کیا گیا اور کسی ایک صحابیؓ نے بھی اس معاملہ میں جی کرنے کا تقاضا نہ کیا۔

(۴) پھر آپ کی ایک خاص ہدایت کے مطابق آپ کی پہلی زندگی کے عزیز مسکن، یعنی حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حجرہ ہی کو آپ کا مدفن اور آپ کی دائمی آرام گاہ بنادیا گیا اور آپ اسی میں دفن کیے گئے۔

(۵) اسی طرح آپ کی ایک ہدایت کے مطابق آپ ﷺ کی املاک میں ترکہ اور وراثت کا عام قانون جاری نہیں کیا گیا بلکہ آپ کی حیات طیبہ میں ان کا جو مصرف اور نظام تھا وہی بدستور قائم رکھا گیا اور وہ خلافت کی تولیت میں رہیں اور وہ نظام باقی رکھا گیا جو پہلے سے چلا آرہا تھا۔

(۶) اسی طرح آپ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کا یہ حق سمجھا گیا کہ وہ اپنے مسکونہ حجروں کو تازیست اپنے استعمال میں رکھیں اور رسول اللہ ﷺ کے املاک سے اپنا نفقہ تاحیات حاصل کرتی رہیں جیسا کہ حضور ﷺ کے سامنے ان کو یہ دونوں حق حاصل تھے۔ حالانکہ کسی مسلمان کے مرنے کے بعد اس کی بیوہ کے یہ حقوق صرف عدت کی مختصر مدت تک رہتے ہیں۔

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی دامت برکاتہم ان واقعات کی روشنی ارشاد فرماتے ہیں: ''ان سب استثنائی اور اختصاصی احکام ومعاملات سے یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ حضور ﷺ کی وفات کی نوعیت دوسرے تمام لوگوں کی موت سے بہت کچھ مختلف ہے اور ہمیں نہیں سمجھ آتا کہ اتنی بات سے ہمارے حلقے کے کسی صاحب علم کو اختلاف ہوگا''

۲...... تنوعِ موت پر دوسری شہادت

سوال: کیا موت کے علاوہ اور کوئی کیفیت بھی ہے جو اس کی طرح تمام زندہ انسانوں پر وارد ہوتی ہے؟ اس کے متعلق پتہ کیجئے کہ کیا شریعت مطہرہ نے اس کے معنوں میں بھی تنوع پیدا کیا ہے اور انبیاء کو غیر انبیاء سے اس باب میں بھی ممتاز فرمایا ہے؟

جواب: ہاں نیند بھی موت کی طرح تمام زندہ انسانوں کی فطرت ہے اور تمام زندہ انسانوں پر وارد ہوتی ہے چنانچہ کہا گیا ہے: ''النوم اخو الموت[۱]''

ترجمہ: نیند موت کی بہن ہے۔

---

[۱] جاء فی الحدیث النوم اخو الموت (فیض الباری ج ا ص ۱۸۳ مصر) یراجع حدیث النوم اخو الموت ولا یموت اهل الجنة من الجامع الصغیر (تحیۃ الاسلام للشیخ الانور ص ۳۳) وکذلک فی کتاب الروح (ص ۵۳، والتعلیقات علی النبراس ص ۳۲۲)

اگر انبیاء اور غیر میں ''تنوع نیند'' ثابت ہے تو ہر دو طبقوں میں ''تنوع موت'' کیسے ثابت نہ ہوگا۔
آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''ان عینی تنامان ولا ینام قلبی'' (رواہ الشیخان)

ترجمہ: میری صرف آنکھیں سوتی ہیں، دل نہیں سوتا، وہ بیدار رہتا ہے۔

ایک مرسل روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا: ''انا معاشر الانبیاء تنام اعیننا ولا تنام قلوبنا''

(اخرجہ ابن السعد کما فی الخصائص)

ترجمہ: ہم لوگ جو انبیاء ہیں ہماری صرف آنکھیں سوتی ہیں، دل نہیں سویا کرتے۔

''وکذلک الانبیاء تنام عیناھم ولا تنام قلوبھم'' (بخاری)

ترجمہ: انبیاء کرام کی صرف آنکھیں سویا کرتی ہیں دل نہیں سوتے۔

خاتم المحدثین مولانا السید انور شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: ''عدم نقض الوضوء بالنوم من خصائص الانبیاء'' (العرف الشذی ص ۵۰)

ترجمہ: سونے سے وضوء نہ ٹوٹنا یہ انبیاء کرام کی خصوصیت ہے۔

انبیاء کرام علیہم السلام کی یہ شان ہے کہ اس نیند کی حالت میں بھی ان کے ادراکات جاری رہتے ہیں۔ ان کے ادراکات کی نوعیت بھی ہمارے ادراک کی نوعیت سے مختلف ہے۔ نیند کی طرح ادراک میں بھی تنوع ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام کی نیند کے ادراکات بھی ایک قسم کی وحی سمجھے جاتے ہیں رؤیا الانبیاء وحی (ترمذی) میں اس کی تصدیق ہے۔ انبیاء کی نیند اور دوسروں کی نیند میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ ان کے منامی ادراکات بھی وحی کا مقام رکھتے ہیں۔ حضرت عمران بن حصینؓ کہتے ہیں: ''کنا لا نوقظ نبی اللہ ﷺ من منامه اذا نام حتی یستیقظ'' (صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۴۰)

ترجمہ: ہم آنحضرت ﷺ کو نیند سے کبھی نہ جگاتے تھے جب تک کہ خود نہ بیدار ہو جاتے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب حضرت خضر علیہ السلام کی تلاش میں نکلے تو حضرت یوشع بن نون ان کے ساتھ تھے جب عین منزل مقصود پر پہنچے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی آنکھ لگ گئی، حضرت یوشع علیہ السلام نے فرمایا: ''لا أوقظه'' (بخاری ج ۲ ص ۶۸۹)

ترجمہ: میں آپ کو بیدار نہیں کروں گا۔

انبیاء کو خواب استراحت سے اس لیے نہیں اٹھایا جاتا کہ معلوم نہیں ان پر کیا اسرار منکشف ہو رہے ہوں کیوں ان کے لیے سبب حرج بنا جائے۔ شیخ الاسلام مولانا بدر عالم میرٹھی ثم المدنیؒ لکھتے ہیں: ''پھر جب ان کی نیند صرف آنکھوں تک محدود ہوتی ہے تو اس سے ان کی موت کا بھی کچھ اندازہ کر لینا چاہیے۔ کیونکہ النوم اخو الموت مشہور ہے، وہ بھی نیند کی طرح ان پر طاری ضرور ہوتی ہے، مگر عام بشر کی موت کی طرح نہیں یہاں بھی ان کو بڑا امتیاز حاصل ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ ان کی وفات کے بعد بھی ان پر زندہ کا اطلاق آیا ہے۔'' (ترجمان السنۃ ج ۳، ص ۲۵۸)

سیرت کی کتابوں میں اک باب ہے رحلت کا کم فہم سمجھتے ہیں، ہے موت یہ ہم جیسی

ان حقائق کی روشنی میں غور فرمایئے کہ تنوع موت کا انکار اور پھر اسے شرعی مدارک چھوڑ کر احداث فی اللغۃ کے الزام سے رد کرنا کون سی شان تحقیق ہے۔ تنوع موت کا پتہ چلانے کے لیے تنوع حیات کر لیجئے۔ موت اگر حیات کی ضد ہے تو تنوع حیات سے تنوع موت کیسے لازم نہ آئے گا۔ علامہ راغب فرماتے ہیں: ''الحیاة تستعمل علی اوجه'' (المفردات ص ۱۳۸)

لفظ حیات، کلام عرب میں کئی معنوں میں آتا ہے اسے تسلیم نہ کرنا یہ کوئی علم کی خدمت نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب وعِلمہ اتم واحکم فی کل باب!

اعتقاد الصدیق لحیات الرفیق ﷺ

آنحضرت ﷺ پر جب وفات شریف وارد ہوئی تو حضرت ابوبکرؓ مقام سخ میں تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے کہا: ''ما مات رسول اللہ ﷺ''

ترجمہ: آنحضرت ﷺ پر جو حالت وارد ہے وہ ہرگز موت نہیں۔

بعد میں حضرت عمرؓ خود فرماتے تھے: ''واللہ ما کان یقع فی نفسی الا ذاک''

ترجمہ: خدا کی قسم! میرے دل میں یہی بات اتری تھی۔

حضرت ابوبکرؓ تشریف لائے تو آپ نے حضور انور ﷺ کے چہرہ مبارک سے چادر اٹھائی آپ کی پیشانی پر بوسہ دیا اور بے اختیار رو پڑے اور حضور ﷺ کو مخاطب کر کے کہا: ''بأبي أنت وأمي طب حيا وميتا والذي نفسي بيده لا يذيقك الله الموتتين ابداً'' (بخاری ج ۱ ص ۵۱۷)

ترجمہ: میرے ماں باپ آپ پر قربان آپ حیات و موت دونوں کیفیتوں میں کیسے خوشبو دے رہے ہیں، کیسے پاکیزہ ہیں۔ اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، اللہ تعالیٰ آپ کو دو موتوں کا ذائقہ کبھی نہ چکھائے گا (یعنی آپ پر اب موت نہیں آئے گی)

یہ کب کہا جاتا ہے؟ جب اس میں پہلی موت کے بعد پھر حیات آ چکی ہو کہ اب اس پر موت کبھی نہ آئے گی۔ حضور پر اگر اس وقت حیات نہ اتری تھی تو آئندہ موت نہ آنے کا موقف کیسے قائم ہو گیا۔ کاش کہ ہمارے کرم فرما کرامی اسے سمجھ پاتے۔

''اما الموتة التی کتب اللہ علیک فقد متها'' (بخاری کتاب الجنائز ج ۱، ص ۱۶۶)

ترجمہ: جو موت اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے لکھی تھی وہ آپ پر وارد ہو چکی۔

ابن ابی شیبہ کی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے آتے ہوئے حضرت عمرؓ کی یہ بات سن لی تھی کہ آنحضرت ﷺ پر جو صورت حال پیش ہے، وہ موت نہیں ہے: ''فکشف عن وجهه ثم اکب علیه فقبله وبکی ثم قال بابی انت وامی واللہ لا یجمع اللہ علیک موتتین اما الموتة التی کتبت علیها فقد متها''

(صحیح بخاری کتاب المغازی ج ۲، ص ۶۴۰)

ترجمہ: پس آپ نے حضور ﷺ کے چہرہ سے کپڑا اٹھایا، آپ پر جھک پڑے، بوسہ دیا، اور رو پڑے۔ پھر فرمایا میرے ماں باپ آپ پر قربان، خدا کی قسم اللہ تعالیٰ آپ پر دو موتیں کبھی نہ جمع کرے گا۔ جو موت کہ آپ کے لیے لکھی گئی تھی آپ اس کا ذائقہ چکھ چکے۔

یہاں تین امور پیش نظر رہیں:

اولاً: کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے کسی خاص قسم کی موت لکھی تھی کہ اس کا اس خصوصیت سے تذکرہ کیا جا رہا ہے؟

ثانیاً: میرے ماں باپ آپ پر قربان، عربوں کے محاورات میں یہ جملہ کیا اموات محضہ کے لیے آتا ہے یا اس دعا و تصدیق کے لیے من وجہ حیات لازم ہے؟

ثالثاً: یہاں جمع موتتین میں دو موتوں سے کیا مراد ہے؟ ہم یہاں صرف تیسرے بحث کی تفصیل کرتے ہیں۔

مفہوم موتتین کی تعیین

''لا یجمع اللہ علیک موتتین'' (اللہ تعالیٰ آپ پر دو موتیں کبھی جمع نہ کریں گے) اس کی شرح میں مختلف باتیں کہی جاتیں ہیں۔ فکر و نظر سے ان کا جائزہ لینا چاہیے۔

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ ارشاد صدیقی ؓ حضرت عمرؓ کی تردید کے لیے تھا کیونکہ اگر اس صورت پیش کو موت نہ کہا جائے تو لازم آتا ہے کہ آپ پر موت کبھی آئے گی اور اس طرح گویا کہ آپ پر دو موتیں وارد ہوئیں۔ اس کے نفی کرتے ہوئے حضرت ابو بکرؓ نے آنحضرت ﷺ پر ورودِ وفات ثابت فرمایا۔

جواباً عرض ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ کے اس ارشاد و لا یجمع اللہ علیک موتتین کا یہ مفہوم ہرگز نہیں۔ حضرت عمرؓ کے پہلے خیال کے مطابق اگر اس صورت پیش افتادہ کو موت نہ کہا جائے اور اس لزوم کو بھی مان لیا جائے کہ اس صورت میں آنحضرت ﷺ پر پھر کبھی ورودِ وفات ہوگا تو اس سے یہ کیسے لازم آیا کہ حضرت عمرؓ کے خیال کے مطابق حضور ﷺ پر دو موتیں جمع ہو رہی ہیں، جس کی تردید کی ضرورت حضرت صدیق اکبرؓ کو پیش آئی تھی؟ اس لیے کہ جب پہلی صورت ان کے خیال میں موت ہی نہیں، تو پھر آئندہ کے ورودِ موت سے دو موتوں کا اجتماع کیسے لازم آیا؟ اور اگر پہلے ورودِ موت ہو چکا ہے تو اس پر یہ لزوم کیسے لا جاسکتا ہے کہ اس صورت میں آپ پر موت پھر کبھی آئے گی۔

لا یجمع علیک موتتین تو اسی ذہن پر کچھ اثر ڈال سکتا ہے جو پہلے ورودِ موت کا قائل ہوا اور صورت پیش افتادہ کو موت یقین کر رہا ہو۔ اور ظاہر ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ اس پہلی ہی وفات کے قائل نہ تھے۔ پس ان کے خیال کے مطابق پھر کبھی موت واقع ہونے سے دو موتوں کا اجتماع ہرگز لازم نہیں آتا کہ حضرت صدیق اکبرؓ اس کی تردید فرما رہے ہوں۔ جب حضرت عمرؓ پہلی موت ہی کے قائل نہیں تو ان کی تردید کے لیے یہ جملہ مذکورہ کیسے کار فرما ہو سکتا ہے[1]۔ اس جملہ بلیغہ کا مطلب یقیناً وہی ہے جو شیخ الاسلام علامہ عینیؒ بیان فرما رہے ہیں: ''اراد بالموتتین الموت فی الدنیا والموت فی القبر وھما موتتان المعروفتان المشھورتان فلذلک ذکرھما بالتعریف وھما موتتان الواقعتان لکل احد غیر الانبیاء علیھم السلام فانھم لا یموتون فی قبورھم بل ھم احیاء واما سائر الخلق فانھم یموتون فی القبور ثم یحیون یوم القیمۃ ومذھب اھل السنۃ والجماعۃ ان فی القبر حیوۃ وموتا فلا بد من ذوق الموتتین لکل احد غیر الانبیاء'' (عینی شرح بخاری ج ۷، ص ۶۰۰ مصر)

---

[1] بخاری کے حاشیہ پر علامہ کرمانیؒ کا یہ قول بے شک لکھا ہے: قالہ ابو بکر ردا لما قالہ عمر (ج ۱ ص ۱۶۶) لیکن ج ۲، ص ۶۴۰ کے حاشیہ میں کچھ اور اقوال بھی لکھے ہیں اور اس قول اول کو واضح کہنے کے باوجود اسے قیل کے ساتھ لکھا ہے۔ ہمیں بہت تعجب تھا کہ علامہ کرمانیؒ جیسے فاضل یہ کیا کہہ رہے ہیں۔ غور کرنے سے پتہ چلا کہ حضرت عمرؓ کے خیال کی تردید میں چونکہ اگلا خطبہ تھا اور یہ جملہ تمہید میں آ گیا تھا اس لیے علامہ کرمانیؒ نے اگلے خطبہ کے پیش نظر اس کو بھی تردید ہی میں ذکر کر دیا ہے چنانچہ علامہ کرمانیؒ ایک اور مقام پر فرماتے ہیں۔ فیہ تمہید لردمقالۃ عمر (حاشیہ بخاری ص ۵۱۷) محدث سہارنپوریؒ کا اصل فیصلہ اسی جگہ پر ہے۔

ترجمہ: دو موتوں سے مراد ایک اس دنیا کی موت اور دوسری قبر کی موت ہے، اور یہ دونوں موتیں تعلیماتِ اسلام میں معروف ہیں اور اسی لیے انہیں معرفہ ذکر کیا گیا ہے۔ یہ دونوں موتیں انبیاء کے سوا باقی ہر ایک انسان کو پیش آتی ہیں۔ انبیاء کو اپنی قبور میں پھر دوسری موت نہیں آتی بلکہ وہ وہاں زندہ رہتے ہیں ان کے علاوہ باقی عام لوگوں پر (سوال و جواب کے بعد) پھر قبر میں ورودِ موت ہوتا ہے۔ اس کے بعد انہیں زندگی قیامت کو ملتی ہے۔ اہل السنۃ والجماعۃ کا مذہب یہی ہے کہ ماسوائے انبیاء کے باقی سب کے لیے قبر میں موت و حیات دونوں ہیں۔ پس ہر کسی نے دو موتوں کا ذائقہ چکھنا ہے۔

خاتمۃ الحفاظ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ منکرین حیات کا جواب دیتے ہوئے ایک جواب کے بعد ارشاد فرماتے ہیں: ''واحسن من هذا الجواب ان يقال ان حياته في القبر لا يعقبها موت بل يستمر حيا والانبياء احياء في قبورهم ولعل هذا هو الحكمة في تعريف الموتتين حيث قال لا يذيقك الله الموتتين اى المعروفتين المشهورتين الواقعتين لكل احد غير الانبياء'' (فتح الباری ج ۷، ص ۲۲ مصر۔ پ ۱۴ ص ۳۶۴ دہلی)

ترجمہ: احسن ترین جواب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کو اپنی قبر شریف میں پھر ایسی حیات دائمہ حاصل ہو چکی ہے کہ اب اس کے بعد پھر کبھی ورودِ موت نہ ہوگا اور انبیائے کرام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ ارشادِ نبوت میں موتتین کو الف لام سے لایا گیا ہے پس یہ دونوں موتیں (ایک اسی دنیا میں دوسری قبر میں) انبیاء کے سوا باقی ہر انسان پر وارد ہوتی ہیں۔

شیخ الاسلام علامہ نور الحق محدث دہلویؒ شارح بخاری لکھتے ہیں: ''لا یذیقک اللہ الموتتین ابدا، یعنی بعد از موت بحیات ابدی زندہ خواہی بود از آں کہ وے رضی اللہ عنہ، دانستہ بود کہ انبیاء در عالم برزخ زندہ اند بخلاف سائر مسلماناں کہ در وقت سوال منکر و نکیر زندہ می کنند، آں ہا را باز می میرانند، چنانکہ در تفسیر اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَاَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ گفتہ اند'' (تیسیر القاری شرح صحیح بخاری ج ۳، ص ۴۲۵)

ترجمہ: ارشادِ نبوت کہ اللہ تعالیٰ آپ کو دو موتوں کا ذائقہ کبھی نہ چکھائے گا۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ وفات شریفہ وارد ہو چکنے کے بعد پھر آپ ہمیشہ کی زندگی پائیں گے۔ حضرت ابوبکرؓ کا عقیدہ تھا کہ انبیائے کرام عالم برزخ میں زندہ ہوتے ہیں باقی عام مسلمان منکر و نکیر کے سوالات کے لیے اپنی اپنی قبروں میں زندہ کیے جاتے ہیں اور پھر ان پر قبر میں دوبارہ ورودِ موت ہوتا ہے۔

پھر ایک اور مقام پر رقمطراز ہیں: ''قولِ مختار و مقرر جمہور ہمیں است کہ انبیاء بعد اذاقۃ موت زندہ اند بحیات دنیوی۔'' (ایضاً ص ۲۶۲)

پھر ایک مقام پر آپ یہ بھی لکھتے ہیں: ''موت دوم آنست کہ سائر الناس را در قبر بعد از سوال منکر و نکیر خواہد بود و ایں جواب موافق جمہور علماء است کہ قائل اند بحیات سائر انبیاء در عالم برزخ و بایں معنی ناطق است آثار و احادیث چنانکہ بر متتبعاں پوشیدہ نیست و ایں قول نزد ما احسن اقوال است۔'' (تیسیر القاری پ ۱۸ ج ۴، کتاب المغازی ص ۲۱۷)

ترجمہ: دوسری موت وہ ہے جو عامۃ الناس کو قبر میں منکر و نکیر کے سوالات کے بعد پھر دوبارہ آئے گی۔ یہ جواب جمہور علماء کے فیصلے کے مطابق ہے، وہ عالم برزخ میں تمام انبیاء کی حیات کے قائل ہیں۔ اس معنی کی تائید

میں کئی آثار واحادیث وارد ہیں چنانچہ تتبع کرنے والے اہل حق پر یہ مخفی نہیں اور ارشاد صدیقی کا یہ معنی ان تمام اقوال سے بہتر ہے، جو اس کی تشریح میں کہے گئے ہیں۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی بھی اس حدیث کی شرح اسی طرح فرماتے ہیں: ''مراد آنست کہ نمی میرد بموت دیگر در قبر ہمچو دیگراں کہ زندہ گردانیدہ می شود برائے سوال باز میرانیدہ می شود وظاہر آنست کہ موت دیگر نیست بروئے وبعد از جریان سنت الٰہی براذاقتہ موت وزندہ گردانیدن بعد ازاں حیات باقی ومستمر خواہد بود ومَمات برآں طاری نخواہد شد پس ایں سخن اشارہ است بحیات آں حضرت'' (مدارج النبوۃ ج ۲، ص ۸۹۰)

ترجمہ: حضرت ابوبکر صدیقؓ کی مراد اس کلمہ سے یہ تھی کہ دوسرے لوگوں کی طرح آپ ﷺ قبر منور میں دوسری موت کا ذائقہ بالکل نہ چکھیں گے۔ دوسرے عام لوگوں کو قبر میں سوال وجواب کے لیے زندہ کیا جاتا ہے اور پھر ان پر دوبارہ ورودِ موت ہوتا ہے آنحضرت ﷺ پر یہ دوسری موت کبھی نہ آئے گی۔ ایک دفعہ لذتِ وفات چکھنے اور پھر زندہ ہونے کے بعد آپ حیاتِ دائمہ سے زندہ ہیں۔ آپ ﷺ پر پھر کبھی طریانِ موت نہ ہوگا۔ اس ارشادِ عالی میں حضرت ابوبکرؓ کا ارشاد مسئلہ حیات النبی ﷺ کا ہی تھا۔

خلاصہ کلام یہ کہ صحیح بخاری کے شارحین علامہ عینیؒ، حافظ ابن حجر عسقلانی، شیخ الاسلام نور الحق اور دوسرے اکابر محدثین نے موت ثانیہ سے قبر کی موت ہی مراد لی ہے۔ دوسرے احتمالات عقلا اور نقلا صورت حال پر قطعا چسپاں نہیں ہوتے۔ لایجمع اللہ علیک موتتین کا صحیح مفہوم یہی ہے کہ موت ثانیہ جس سے مراد قبر کی موت ہے، انبیاء پر ہرگز طاری نہ ہوگی۔ وہ موت کی لذت شناسی کے بعد پھر ہمیشہ کے لیے زندہ کردیئے جاتے ہیں۔

حضرت صدیق اکبرؓ کی بصیرت اور فراست پر قربان! وفات النبی ﷺ کا اعلان بعد میں فرمایا پہلے حیات بعد الوفات پر اشارہ فرمادیا تاکہ وقوعِ موت کی صراحت سے کہیں حیات ثانیہ کی نفی لازم نہ کرلی جائے۔ حضرت مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوریؒ بھی صحیح بخاری کے حاشیہ پر اہل سنت کی طرف سے منکرین حیات قبریہ کا اسی طرح جواب دیتے ہیں: ''والاحسن ان یقال ان حیاتہ ﷺ لا یعقبہا موت بل یستمر حیا والانبیاء احیاء فی قبورھم''

ترجمہ: بہترین جواب یہی ہے کہ ایک دفعہ موت چکھنے کے بعد حضور انور ﷺ کی حیات ایسی ہے کہ پھر آپ پر کبھی موت نہ آئے گی اور پھر دائمی طور پر انبیاء کی طرح اپنے روضہ میں فائز الحیات رہیں گے۔

غور فرمایئے! حضرت ابوبکرؓ کی بصیرت اور فطرت نبوت کی مزاج شناسی کہاں تک پرواز کررہی ہے۔ کتنی دور کی بات آپ نے ایک جملے میں بیان فرمادی اور کس شان سے آپ کے لیے حیات بعد الوفات کا اثبات فرمایا۔ آپ کی جامعیت شان اور بلاغت بیان نے جس طرح یہاں سمندر کو کوزے میں بھر دیا ہے اس کی نظیر کلام عرب میں شاید ہی کہیں اور جگہ مل سکے۔

ورودِ وفات کا پہلا اعلان بھی حضرت صدیق اکبرؓ ہی نے کیا تھا۔ احساسِ نزاکت پر قربان جایئے کہ وفات کا اس وقت تک اعلان نہیں فرمایا جب تک کہ اس کے ساتھ ہی بعد الوفات کی حیات کا اشارہ نہیں فرمایا۔

تنبیہ: پیش نظر رہے کہ ''لایذیقک اللہ الموتتین ابدا'' کی شرح میں شیخ الاسلام علامہ عینیؒ اور دوسرے اجلہ محدثین نے حیات فی القبر کے جس مسئلے کو بیان فرمایا ہے اسے صرف اپنی رائے یا اپنا نظریہ یا صرف اپنی ہی توجیہ قرار نہیں دیا، بلکہ اسے پورے اہل سنت کا مذہب قرار دیا ہے جس کا انکار خروج عن اہل السنۃ ہے: ''ومذھب اھل السنۃ

والجماعة ان فی القبر حیوة و موتا فلا بد من ذوق الموتتین لکل احد غیر الانبیاء'' (عینی ج ۷ ص ۶۰۰ مصر)

ترجمہ: پورے اہل سنت کا مذہب یہی ہے کہ قبر میں زندگی اور موت دونوں ہیں پس ہر ایک کو دو موتوں کا ذائقہ چکھنے سے چارہ نہیں۔ ہاں انبیائے کرام علیہم السلام پر یہ دوسری موت کبھی نہ آئے گی۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے بھی اسی انداز بیان کو اختیار فرمایا ہے کہ ''حیاۃ فی القبر'' کے منکرین اہل سنت میں سے نہیں اور انہیں جواب دینا اہل سنت کے ذمہ ہی آتا ہے: ''قد تمسک به من انکر الحیوة فی القبر واجیب عن اهل السنة ان حیوته ﷺ فی القبر لا یعقبها موت بل یستمر حیا'' (فتح الباری ج ۷ ص ۲۲)

حیاۃ فی القبر کے منکرین کبھی کبھی اس خطبہ صدیقیؓ ہی کو اپنا استدلال بنا کر پیش کر دیتے ہیں۔ ان کے لیے اہل سنت کی طرف سے یہی جواب ہے کہ حضور ﷺ اپنے روضہ میں دائمی طور پر زندہ ہیں انہیں وہاں پھر موت کبھی نہیں آئے گی۔

اعتقاد الفاروق الاعظمؓ لحیات النبی الخاتم ﷺ

حضرت صدیق اکبرؓ کا عقیدہ تو آپ کے سامنے واضح ہو چکا، اب حضرت فاروق اعظمؓ کا اعتقاد بھی ملاحظہ کیجئے، اس اصولی مسئلے کو پیش نظر رکھیے: ''یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ کَجَهْرِ بَعْضِکُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُکُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ'' (پ ۲۶ حجرات)

ترجمہ: اے ایمان والو! بلند نہ کرو اپنی آوازیں نبی ﷺ کی آواز سے اور آپ کے سامنے بھی اس قدر آواز بلند نہ کیا کرو۔ جیسے کہ ایک دوسرے کے سامنے کرتے ہو۔ ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال اکارت ہو جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔

یعنی حضور ﷺ کی مجلس میں یا آپ کے سامنے اس طرح آواز نہ نکالو جیسے کہ آپس میں ایک دوسرے سے چہک کر یا تڑخ کر بات کرتے ہو۔ آپ ﷺ کے سامنے دبی آواز سے بات کرنا چاہیے۔ مبادا بے ادبی ہو جائے اور تمام اعمال ضائع ہو جائیں۔

''اِنَّ الَّذِیْنَ یَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰی'' (حجرات)

ترجمہ: جو لوگ آنحضرت ﷺ کے پاس دبی آواز سے بولتے ہیں، وہی لوگ ہیں، جن کے دلوں کا اللہ تعالیٰ نے ادب کے لیے امتحان کر لیا ہے۔

اکابر اہل سنت اور جمہور مفسرین کا اجماع ہے کہ ورودِ وفات کے بعد بھی حکم قرآنی روضہ اطہر کے پاس کامل ادب و احترام ملحوظ رکھنے کا متقاضی ہے۔ مسجد نبوی ﷺ کی حدود میں شرعی ضروریات کے علاوہ آواز ہمیشہ پست رہے۔

شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں: ''قبر شریف کے پاس حاضر ہو، وہاں بھی ان آداب کو ملحوظ رکھے۔'' (فوائد القرآن ص ۶۶۹)

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوریؒ فرماتے ہیں: ''آنحضرت ﷺ حیات ہیں لہٰذا پست آواز سے سلام عرض کرنا چاہیے۔ مسجد نبوی ﷺ کی حدود میں کتنی ہی پست آواز سے سلام عرض کیا جائے اس کو حضرت ﷺ خود سنتے ہیں۔'' (تذکرۃ الخلیل ص ۲۰۶)

قطب الاقطاب حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی ارشاد فرماتے ہیں: "بہت پکار کر نہ بولے، بلکہ آہستہ خضوع اور ادب سے بہ نرمی عرض کرے اور جس کا سلام کہنا ہو، عرض کرے۔ یا رسول اللہ! من فلان بن فلان یستشفع بک الی ربک۔" (زبدۃ المناسک ص ۹۱، ادارہ اشرفیہ لاہور)

"عن السائب بن یزید قال کنت قائما فی المسجد فحصبنی رجل فنظرت الیہ فاذا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فقال اذھب فاتنی بھذین فجئتہ بھما فقال ممن انتما او من این انتما قالا من اھل الطائف قال لو کنتما من اھل البلد لاوجعتکما ترفعان اصواتکما فی مسجد رسول اللہ ﷺ" (صحیح بخاری ج ۱، ص ۶۷)

ترجمہ: سائب بن یزیدؓ کہتے ہیں، میں مسجد میں کھڑا تھا کہ کسی شخص نے میرے کنکری ماری کیا دیکھتا ہوں کہ وہ حضرت عمرؓ ہیں۔ آپ نے فرمایا "جاؤ اور ان دونوں شخصوں کو میرے پاس لے آؤ" میں انہیں آپ کے پاس لے آیا۔ آپؓ نے ان سے پوچھا "تم کن لوگوں میں سے ہو یا تم کہاں کے ہو؟" انہوں نے کہا "ہم اہل طائف میں سے ہیں" اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا اگر تم اہل مدینہ میں سے ہوتے تو میں تمہیں سزا دیتا، اس لیے کہ تم مسجد رسول اللہ ﷺ میں (جس کے سامنے آپ کا روضہ منورہ ہے) اپنی آوازیں بلند کر رہے ہو۔"

آواز بلند کرنے پر مسجد رسول اللہ کی نسبت سے نکیر کرنا اسی لیے تھا کہ وہاں آپ کا روضہ اطہر ہے جس طرح آپ کی اس دنیوی زندگی میں آپ کے پاس آواز بلند کرنا جرم تھا اسی طرح آپ کے روضہ منورہ کے پاس آواز بلند کرنا بھی جائز نہیں۔ اس لیے کہ آپ وہاں تشریف فرما ہیں اور جسد عنصری سے زندہ ہیں۔ حدودِ مسجد کی آواز کو بلا کسی واسطہ کے خود سنتے ہیں۔

یہ گمان نہ کیا جائے کہ اس نکیر کا منشاء یہ "اصل" ہے کہ مسجد میں آوازیں بلند کرنا جائز نہیں پھر جس شان اور مقام کی یہ مسجد ہوگی، اسی درجے کا یہ حکم ہوگا کہ اس میں آواز بلند نہ کی جائے اور اس کی خلاف ورزی اسی درجہ کا جرم قرار پائے گی۔ اس لیے کہ سلف و خلف میں سے کسی نے اس اصل کو منشائے نکیر نہیں فرمایا۔

ثانیاً: علمائے ثقات اور ائمہ سلف ہمیشہ اس روایت کو ان آداب میں ذکر کرتے آئے ہیں جو حضور ﷺ کی مجلس میں حاضری سے متعلق ہیں۔ کما نقل عن الامام مالک وغیرہ من الائمۃ الاعلام!

ثالثاً: اس صورت میں مسجد کی رسول اللہ ﷺ کی طرف نسبت محض تشریفِ مسجد کے لیے ہوگی۔ حکم نکیر براہ راست اس اضافت سے متعلق نہ ہوگا۔ حالانکہ حضرت فاروق اعظمؓ نکیر ہی ان الفاظ سے فرما رہے ہیں پس اس میں تاویل مذکور یقیناً صرف عن الظاہر ہوگی اور ظاہر ہے کہ جب کلام اپنے اصل پر محمول ہو سکے تو وہاں صرف عن الظاہر، درست نہیں ہوتا۔

رابعاً: حضرت فاروق اعظمؓ نے اس نکیر پر دلیل پیش نہیں فرمائی بلکہ اس اضافت ہی کو دلیل کے انداز میں پیش فرمایا ہے۔ اگر محض احترام مسجد ہی مقصود ہوتا تو اس پر دلیل بھی بیان فرما دی ہوتی۔ اس لیے کہ یہ مسئلہ اس سطح پر بھی نظری ہی تھا۔ ہاں احترام دربارِ رسالت ﷺ نص قرآن اور واضح تعامل کے پیش نظر ضرور یہ درجہ اختیار کر چکا تھا کہ اسے معرض دلیل میں لائے بغیر ہی منشائے نکیر کے طور پر بیان کیا جا سکے۔

خامساً: محض احترام مسجد کو نظر انداز کرنا قابل اخراج عن المسجد تو ہو سکتا ہے (کما فعلہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ رواہ الدارمی فی سننہ) لیکن اسے قابل سزا قرار دینے کا قول سلف میں سے کسی نے نہیں کیا، ہاں

آدابِ رسالت کو نظر انداز کرنا اسلامی تاریخ کے ہر دور میں ضرور قابلِ سزا رہا ہے یہاں بھی اجماع کا ذکر ہے، اخراج کا نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب وعلمہ اتم واحکم فی کل باب!

اگر حضرت عمر فاروق﵁ کے اعتقاد میں حضور ﷺ اپنی قبر مبارک میں زندہ نہ ہوتے اور قریب کی آواز دوں کو خود نہ سن رہے ہوتے تو حضرت فاروقِ اعظم﵁ حضور اکرم ﷺ کے پاس دبی آواز سے بات کرنے کے قرآنی حکم کو اس انداز میں کبھی نہ بیان فرماتے۔ حدودِ مسجد تک بلند آواز نکالنے کو قابلِ سزا قرار دینا اس حقیقت کا پتہ دیتا ہے کہ حضرت عمر فاروق﵁ آنحضرت ﷺ کو اپنے روضہ اطہر میں فائز الحیات، زندہ اور مدرک الاصوات سمجھتے تھے۔ پیشِ نظر رہے کہ یہ حدیث صحیح بخاری میں ہے اور اس کی صحت اور تقریب ہر لحاظ سے قابلِ اعتماد ہے۔

مزید تائید

"قد روی عن ابی بکر الصدیق﵁ قال لا ینبغی رفع الصوت علی نبی حیا ولا میتا وروی عن عائشہ انہا کانت تسمع صوت الوتد یوتد والمسمار یضرب فی بعض الدور المطنبة بمسجد رسول اللہ ﷺ فترسل الیہم لاتؤذوا رسول اللہ ﷺ قالوا وما عمل علی بن ابی طالب﵁ مصراعی دارہ الا بالمناصع[1] توقیا لذلک ھکذا رواہ الحسینی فی اخبار المدینة وھذا مما یدل علی انہم کانوا یرون انہ حیٌّ"

ترجمہ: حضرت ابوبکر صدیق﵁ نے فرمایا کہ آنحضرت ﷺ کے سامنے آواز بلند کرنا جائز نہیں، نہ وفات سے پہلے نہ وفات کے بعد اور حضرت عائشہ صدیقہ﵂ جب کبھی ان گھروں میں جو مسجد نبوی سے متصل تھے، کسی میخ لگنے یا کیل لگانے کی آواز سنتی تھیں تو یہ حکم بھیجتی تھیں کہ (خبردار) حضور ﷺ کو (اس آواز سے) اذیت نہ دو اور حضرت علی﵁ نے اسی سے بچنے کے لیے اپنے گھر کے کواڑ باہر جا کر بنوائے تھے (تاکہ ان کے بننے کا شور حضور ﷺ کو اذیت نہ دے) (شفاء السقام ص ۱۷۳ مصر)

ان تمام روایات سے پتہ چلتا ہے کہ وہ آنحضرت ﷺ کو اپنے روضہ انور میں زندہ یقین کرتے تھے۔ حضرت عمر فاروق﵁ جب کسی مہم سے فارغ ہو کر واپس مدینہ آتے تو سب سے پہلے جو کام آپ کرتے وہ آنحضرت ﷺ کے حضور میں سلام عرض کرنا ہوتا تھا اور اسی کی آپ دوسروں کو تلقین فرماتے تھے۔

"اوّل کارے کہ عمر﵁ ابتداء کرد سلام پیغمبر ﷺ بود۔" (جذب القلوب ص ۲۰۰)

اعتقادِ عثمان ذوالنورین﵁ لحیات النبی الثقلین ﷺ

امیر المؤمنین سیدنا حضرت عثمان﵁ کا جب باغیوں نے محاصرہ کر لیا تو بعض صحابہ﵃ نے عرض کی کہ بہتر یہ ہے کہ آپ شام چلے جائیں، وہاں کی افواج مضبوط ہیں۔ اس پر حضرت عثمان﵁ نے ارشاد فرمایا: "روا ندارم کہ از دار الہجرت خود مفارقت کنم و مجاورت رسول خدا ﷺ بگذارم۔" (ایضاً ۱۸۸)

ترجمہ: میں اسے جائز نہیں سمجھتا کہ اپنے دار الہجرت کو چھوڑ جاؤں اور (یہ بھی مناسب نہیں سمجھتا کہ) حضور ﷺ کی ہمسائیگی چھوڑ دوں۔

---

[1] المناصع التی یتحلی فیہا للبول او قضاء الحاجة والواحد مصنع۔ ظفر۔ محل بالمدینة کان متبرز للنساء لیلا قبل اتخاذ الکنف وھی ناحیة بئر ابی ایوب (زرقانی ج ۸ ص ۳۰۴)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ حضور اکرم ﷺ کو اپنے روضہ اطہر میں زندہ یقین کرتے تھے اگر وہاں جسد اطہر محض بے حس و بے شعور پڑا ہوتا اور روح اس سے بالکل جدا ہوتی تو پھر اس قرب کا آخر کیا فائدہ تھا۔ ظاہر ہے کہ ایسا قرب کسی لذت کا سامان نہیں ہو سکتا۔ چہ جائے کہ اس پر جان قربان کردی جائے۔ حضرت عثمانؓ شام نہ گئے اور مجاورت رسول ﷺ میں وہ لذت اٹھائی کہ اس پر جان قربان کر دی۔

حافظ ابن کثیرؒ (۷۷۴ھ) ۳۴ھ کے واقعات میں لکھتے ہیں: ''ان معاویة لما ودعه عثمان حين عزم على الخروج الى الشام عرض عليه ان يرحل معه الى الشام فانهم قوم كثيرة طاعتهم لامراء فقال لا اختار بجوار رسول الله سواه'' (البدایہ والنہایہ ج ۷، ص ۱۶۹۔ تاریخ ابن خلدون ج ۲، ص ۱۰۴۰)

ترجمہ: حضرت معاویہؓ نے جب شام واپسی کا ارادہ فرمایا اور حضرت عثمانؓ نے انہیں الوداع کہی تو انہوں نے آپ کے سامنے تجویز رکھی کہ آپ بھی ان کے ساتھ شام چلے آئیں وہاں کے لوگ اپنے امراء کے بہت تابع فرمان چلتے ہیں آپ نے فرمایا میں حضور ﷺ کے جوار (ہمسائیگی) پر اور کسی چیز کو ترجیح نہیں دیتا۔

یہاں آپ نے اس مجوزہ دوری کو قبر رسول سے دوری نہیں کہا خود ذات رسالت سے دوری قرار دیا ہے کہ میں آنحضرت ﷺ کے اس قرب کو کسی قیمت پر چھوڑنے کے لیے تیار نہیں۔ یہ صرف پیغمبروں کی شان ہے کہ وہ جہاں ہجرت کر جائیں پھر اس جگہ کو نہیں چھوڑتے۔ حضور ﷺ نے فتح مکہ کے باوجود اپنے دارالہجرت کو نہیں چھوڑا۔ حضرت عثمانؓ آپ کے خلیفہ راشد تھے، آپ اپنے آقا کے نقش قدم پر چلے اور اپنی جان کو خطرے میں سمجھنے کے باوجود آپ نے اپنے دارالہجرت کو نہ چھوڑا۔ دوسری وجہ آپ نے یہ بتائی کہ میں حضور ﷺ سے جدا نہیں ہونا چاہتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر آپ شام چلے جاتے تو پھر جوار رسول میں نہ رہتے۔ اس سے پتہ چلا کہ جوار رسول یہیں ہے ہر جگہ نہیں اور عاشقان رسول ﷺ وہیں ڈیرے ڈالتے ہیں جہاں جمال جہاں آراء ہر وقت ان کے سامنے رہے۔

حدیث میں آتا ہے جس حالت میں کوئی فوت ہو وہ اسی پیرایہ میں اٹھایا جاتا ہے حضرت عثمانؓ نے جوار رسول سامنے رکھتے ہوئے جان جان آفرین کے سپرد کی اب اگلے جہان میں (عالم برزخ میں) آپ بدستور جوار رسول ﷺ میں ہیں۔ گو جنت البقیع میں آپ کی قبر گنبد خضراء سے کچھ فاصلہ پر ہی کیوں نہ ہو، حکماً آپ بھی اپنے پیشرووں حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروقؓ کے ساتھ جوار رسول میں ہیں۔

اعتقاد علی المرتضیٰؓ لحیات النبی المصطفیٰ ﷺ

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''من زار قبر رسول الله كان في جوار رسول الله'' (جذب القلوب ص ۱۸۰)

ترجمہ: جو حضور ﷺ کے روضہ اطہر کے پاس حاضر ہو، وہ اس وقت حضور ﷺ کی ہمسائیگی میں ہوتا ہے۔

اگر حضور انور ﷺ کی روح اقدس آپ کے جسد اطہر سے مفارق اور بالکل بے تعلق ہوتی تو سیدنا حضرت علیؓ اس خصوصیت کے ساتھ قرب روضہ مطہرہ کو ہمسائیگی رسول ﷺ ہرگز قرار نہ دیتے۔ آپؓ کے اس ارشاد سے پتہ چلتا ہے کہ آپ بھی حضرت عثمانؓ کی طرح حضور اکرم ﷺ کو اپنے روضہ اطہر میں زندہ یقین کرتے تھے۔

حضرت تھانویؒ نے فرمایا: ''مدینہ منورہ جانے والا یہ نہ کہے کہ میں نے حضور انور ﷺ کی قبر کی زیارت کی، بلکہ یوں کہے کہ میں حضور ﷺ کی زیارت کی، کیونکہ حضور ﷺ زندہ ہیں۔'' (وعظ التبلیغ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۷ھ)

علماء کرام نے حضرت علیؓ کے اس عمل کی علت اسی حقیقت کو قرار دیا ہے: ''اذ هو حیّ فی قبره یصلی فیه'' (زرقانی ج ۸ ص ۳۰۴)

حضرت علیؓ کے اس عمل کی بناء یہی تھی کہ حضور اکرم ﷺ اپنے روضہ اطہر میں زندہ ہیں: ''وما عمل علی ابن ابی طالب مصراعی داره الا بالمناصع[1] توقیا لذلک'' (شفاء السقام ص ۱۷۳ مصر)

ترجمہ: حضرت علی مرتضیٰؓ نے اپنے گھر کے دروازے مدینہ میں ایک باہر کی جگہ میں بنوائے تا کہ کواڑ بننے کا کہیں شور پیدا نہ ہو اور حضور ﷺ کو اذیت نہ ہو۔

علاوہ ازیں حافظ عبداللہؒ مصباح الظلام میں حضرت علی المرتضیٰؓ سے روایت کرتے ہیں ایک اعرابی حضور انور ﷺ کے روضہ اطہر پر حاضر ہوا اور عرض کی: یارسول اللہ! آپ نے جو پروردگار سے سنا ہم نے آپ سے سن لیا اور جو کچھ آپ نے خدا سے یاد کیا ہم نے آپ سے یاد کر لیا آپ پر جو آیات نازل ہوئیں، ان میں یہ آیت شریفہ بھی ہے: ''وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا''

(پ ۵، النساء ۶۴)

ترجمہ: اور ان لوگوں نے جب اپنے آپ پر ظلم کیا، تو اگر آتے آپ کے پاس اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت چاہتے اور یہ رسول بھی ان کے لیے دعائے معافی کرتے تو یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا پاتے۔

روضہ منورہ سے آواز آئی: ''اللہ تعالیٰ نے تجھے بخش دیا۔'' (جذب القلوب فارسی ص ۱۹۶)

حضرت علیؓ کی یہی روایت علامہ ابوحیان اندلسیؒ البحر المحیط (ج ۱ ص ۲۸۳ مصر) میں، علامہ سمہودیؒ وفاء الوفاء میں (خلاصۃ الوفاء ص ۵۱ مصر) اور علامہ قرطبیؒ اپنی تفسیر (ج ۵ ص ۲۶۵) میں نقل فرماتے ہیں حضرت علیؓ کا یہ مشاہدہ اور پھر اس پر کسی قسم کی نکیر نہ کرنا اور نہ اس کی کوئی توجیہہ کرنا، ان کے اس عقیدے کی تائید کرتا ہے کہ: ''جو رسول اللہ ﷺ کے روضہ اطہر کی زیارت کے لیے آیا، وہ اس وقت حضور اکرم ﷺ کی ہمسائیگی میں ہے۔'' (ایضاً ص ۱۸۰)

یاد رہے کہ اعرابی کا مذکورہ بالا واقعہ ہم نے صرف تائیداً نقل کیا ہے پس اسناد کا متصل نہ ہوتا اور روایت میں کلام ہونا مضر نہ سمجھا جائے، اس لیے کہ استدلال مقصود نہیں، صرف استشہاد پیش نظر ہے۔

تنبیہ: اعرابی کی یہ روایت اپنی جگہ تسلیم ہو یا نہ، لیکن یہ بالکل صحیح ہے کہ آیت مذکورہ میں جَآءُوْكَ (اگر وہ گنہگار آپ کے پاس حاضر ہوتے) کا مطلب آنحضرت ﷺ کی یہاں کی دنیوی زندگی تک بالکل محدود نہیں سمجھا گیا بلکہ آنحضرت ﷺ کو وفات شریفہ کے بعد پھر حیات حقیقی اور سماع حقیقی حاصل ہے اور آپ کے حضور میں پھر دعائے استغفار کے لیے بھی عرض کیا جا سکتا ہے۔ محدثین اور مفسرین کا اس آیت شریفہ کے تحت ایسے واقعات نقل کرنا اس حقیقت کا پتہ دیتا ہے کہ ''جَآءُوْكَ '' کا مطلب ہرگز اس دنیا کی زندگی تک محدود نہیں بلکہ اب بھی آپ کے روضہ اقدس پر حاضر ہو کر دعائے مغفرت کے لیے عرض کیا جا سکتا ہے۔

وراجع له شرح المسلک المقسط للملا علی القاری ص ۲۸۱ مصر۔ وشرح الشفاء للعلامة الخفاجی المصری ج ۳ ص ۳۹۸ والزرقانی ج ۸ ص ۲۹۹، ص ۳۰۶ مصر

---

[1] المناصع محل بالمدینة کان متبرز اللنساء لیلا قبل اتخاذ الکنف وهی ناحیة بئر ابی ایوب (زرقانی ج ۸ ص ۳۰۴)

حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ ارشاد فرماتے ہیں: ''فقہاء[1] نے بعد سلام کے وقت زیارت قبر مبارک کے شفاعت مغفرت کا عرض کرنا لکھا ہے پس یہ جواز کے واسطے کافی ہے۔'' (فتاویٰ رشیدیہ ج ۱ ص ۱۰۰)

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے بھی اس آیت شریفہ میں جاءُوْكَ (اگر گنہگار آپ کے پاس حاضر ہو) کو عام رکھا ہے فرماتے ہیں: ''وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَاءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا'' (پ ۵، النساء ۶۴)

کیونکہ اس میں کسی کی تخصیص ہو تو کیونکر ہو، آپ کا وجود باوجود ترتیب تمام امت کے لیے یکساں رحمت ہے کہ پچھلے امتیوں کا آپ کی خدمت میں آنا اور استغفار کرنا اور کرانا، جب ہی متصور ہے کہ آپ قبر میں زندہ ہوں۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں: ''مواہب میں بسند امام ابوالمنصور صباغ اور ابن النجار اور ابن عساکر اور ابن الجوزی نے محمد بن حرب ہلال سے روایت کیا ہے کہ میں قبر مبارک کی زیارت کر کے سامنے بیٹھا تھا کہ ایک اعرابی آیا اور زیارت کر کے عرض کیا کہ یا خیر الرسل! اللہ تعالیٰ نے آپ پر ایک سچی کتاب نازل فرمائی جس میں ارشاد فرمایا: ''وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَاءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا: النساء ۶۴'' میں آپ کے پاس اپنے گناہوں سے استغفار کرتا ہوا اور اپنے رب کے حضور میں آپ کے وسیلے سے شفاعت چاہتا ہوا آیا ہوں۔ اور پھر دو شعر پڑھے...... ان (محمد بن حرب) کی وفات ۲۲۸ھ میں ہوئی ہے۔ اھ غرض زمانہ خیر القرون کا تھا اور کسی سے اس وقت نکیر منقول نہیں، پس حجت ہو گیا۔'' (نشر الطیب ص ۲۱۹)

''فثبت ان حکم الایة باق بعد وفاته ﷺ'' (اعلاء السنن ج ۱۰، ص ۳۲۹، ص ۳۳۰)

ترجمہ: ثابت ہو چکا ہے کہ اس آیت کا حکم حضور ﷺ کی وفات شریفہ کے بعد بھی باقی ہے۔

یہ تحقیق اپنے مقام پر ثابت ہو چکی ہے کہ اس آیت کا حکم حضور ﷺ کی وفات شریفہ کے بعد بھی باقی ہے۔

اعرابی کی حکایت مذکورہ حافظ ابن کثیرؒ اپنی تفسیر (ج ۳ ص ۱۳۲ مصر) میں شیخ المنصور صباغ کی روایت سے نقل فرماتے ہیں اور یہی واقعہ تفسیر مدارک (ج ۱ ص ۳۹۹ مصر) میں بھی موجود ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں: ''جمیع ارباب مذاہب اربعہ کہ تصنیف مناسک حج کردہ اند، ایں حکایت را آوردہ واستحسان نمودہ وبسیارے از ائمہ اعلام باسانیدے کہ دارند روایت آں کردہ۔'' (جذب القلوب ص ۱۹۵)

ترجمہ: چاروں مذہبوں کے علماء نے جنھوں نے مناسک حج پر تصنیفات کی ہیں اس حکایت کو بیان کیا ہے، اس کی تحسین کی ہے اور بڑے بڑے ائمہ نے اسے اپنی اپنی سندوں سے روایت کیا ہے۔

ممکن ہے محمد بن حرب کی یہی روایت دراصل حضرت علی المرتضیٰؓ سے منقول ہو، اختصار کے باعث محمد بن حرب سے اوپر کی سند حذف ہو گئی ہو اور ''اعتماد علی محمد بن حرب'' کے سبب اس کا ذکر ضروری نہ سمجھا گیا ہو۔ ہم نے اس روایت کو صرف تائید مفہوم اور آیت شریفہ کے بیان عمومی کے لیے بیان کیا ہے مستقل استدلال مقصود نظر نہیں۔

---

[1] فتح القدیر (ج ۲ ص ۳۳۷ مصر) میں ہے: ''ثم یسئل النبی ﷺ الشفاعة فیقول یا رسول اللہ! اسئلک الشفاعة یا رسول اللہ! اسئلک الشفاعة واتوسل بک الی اللہ فی ان اموت مسلما علی ملتک وسنتک ویذکر کل ما کان من قبیل الاستعطاف والرفق... انتهی قلت وکذلک فی الطحطاوی علی مراقی الفلاح فراجع له تجده کافیا فی کل باب شافیا من کل ارتیاب واللہ اعلم بالصواب والیه المرجع والمآب''

تتمة الفصل

بیان عقیدہ از عائشہ صدیقہؓ

علامہ سبکی نقل فرماتے ہیں: ''روی عن عائشة انها كانت تسمع صوت الوتد يوتد و المسمار يضرب في بعض الدور المطنبة بمسجد رسول الله فترسل اليهم لا تو ذوا رسول الله ﷺ'' (شفاء السقام ص ۱۷۳)

''و كذلك في شرح العلامة الزرقاني ج ۸ ص ۳۰۴ مصر''

ترجمہ: حضرت عائشہؓ جب کبھی ان گھروں سے جو مسجد نبوی سے متصل تھے، کسی میخ یا کیل لگائے جانے کی آواز سنتی تھیں تو یہ حکم بھیجتی تھیں کہ (خبردار) حضور ﷺ کو (اس آواز سے) اذیت نہ دو۔

''عن عائشة قالت كنت ادخل بيتي الذي فيه رسول الله ﷺ واني واضع ثوبي واقول انما هو زوجي وابي فلما دفن عمر معهم فوالله ما دخلت الا وانا مشدودة على ثيابي حياء من عمر رضی اللہ عنہ رواه احمد''

''رجال اسناد احمد رجال صحيح'' (تنقیح الرواۃ ج ۱ ص ۳۴۴ مطبع انصاری)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ میں اپنے حجرے میں، جس میں کہ رسول اللہ ﷺ تھے، چادر کھلے داخل ہو جایا کرتی تھی۔ مجھے یہی خیال ہوتا تھا کہ میرے خاوند اور میری والد ہی تو یہاں ہیں۔ جب حضرت عمرؓ وہاں دفن ہوئے، تو خدا کی قسم، میں وہاں پردے ہی سے جاتی تھی اور یہ حضرت عمرؓ سے حیا کے باعث تھا۔

دیکھئے! حضرت عائشہؓ یوں نہیں کہہ رہی ہیں کہ میں اس حجرے میں داخل ہوتی تھی جس میں کہ رسول اللہ ﷺ کا بدن میت مدفون تھا۔ بلکہ یوں فرما رہی ہیں: ''جس میں کہ رسول اللہ ﷺ تھے۔''

نبوت و رسالت کے لیے ادراک و شعور لازم ہے۔ اگر ذاتِ مدفون محض بے حس و بے شعور ہو، تو پھر اسے رسول اللہ (ﷺ) بھی نہیں کہا جا سکتا۔ اور اگر کہنا ہی ہو، تو حکمی طور پر کہنے سے چارہ نہیں، حقیقی اعتبار سے بے حس و بے شعور ذات مدفون کو ہرگز رسول اللہ (ﷺ) کہنے کی گنجائش نہیں، فقط روح اقدس کے لیے تو فقط ''رسول اللہ'' کے اطلاق کے لیے تاویل ہو سکتی ہے، روح اقدس اور جسم اطہر کے مجموعہ پر بھی یہ اطلاق بلا ریب صحیح ہے۔ لیکن فقط بدن، جس میں ادراک و شعور دونوں منتفی ہوں، اس پر حقیقی اعتبار سے اطلاق رسول قطعاً نہ ہو سکے گا۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت ام المومنینؓ حضور انور ﷺ کو آپ کے روضہ اقدس میں زندہ یقین کرتی تھیں۔ حضرت عائشہؓ کا سماع موتی سے انکار مشہور ہے۔ مگر یہاں نہ صرف اس کا استثناء ہے بلکہ رؤیت بصری بھی ثابت کی جا رہی ہے۔ ہاں پردے کی چادر کا چونکہ مقصود وجود ہی ستر و حیاء اور پردے کا اہتمام ہوتا ہے۔ اس لیے اس کی کثافت باقی رہنے دی جاتی تھی۔ تاکہ جس طرح قبور شریفہ کی پاک مٹی سے یہ انکشاف جاری ہیں، پردے کی چادر سے ایسا نہ ہو اور اس کا مقصودِ وجود باطل ہو کر نہ رہ جائے۔

بات دراصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جب تک کسی چیز کو قائم رکھتے ہیں، اس کا مقصودِ وجود ضائع نہیں فرماتے ہاں ضمنی حالات میں تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں۔ قبر کا مقصود وجود ذات مدفون کو عامۃ الناس سے پردے میں کرنا ہوتا ہے، عامۃ الناس کو ذات مدفون سے پردے میں لانا نہیں ہوتا۔ اگر ایسا ہو تو ضمناً ہوتا ہے پس اگر ذات مدفون کو پردہ قبر میں سے باہر کا انکشاف ہو رہا ہو اور باہر والے اسے عادۃً نہ دیکھ سکیں تو اس سے مقصود وجود باطل نہیں ہوتا اور پردہ

چادر کا چونکہ مقصود وجود ہی اوڑھنے والے کو پردے میں لاتا ہے۔ اس لیے انکشاف کی حدود اگر اس کے پار نہ ہو سکیں تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔

حاشیہ مشکوٰۃ میں اس حدیث عائشہؓ پر یوں لکھا ہے: ''اوضح دلیل علی حیات المیت وعلی انہ ینبغی احترام القبور عند زیارۃ مھما امکن لاسیما الصالحون بان یکون فی غایۃ الحیاء والتأدب بظاھرہ و باطنہ''

(مشکوٰۃ ص ۱۵۴)

ترجمہ: یہ حدیث حیات میت پر بہت واضح دلیل ہے اور اس پر کہ قبور شریفہ کا احترام جہاں تک ممکن ہو سکے کیا جائے، خاص طور پر صالحین کی قبور کے سامنے بہت ادب و حیاء ملحوظ رہے۔

حضرت صدیقہؓ کے اس تعامل سے نہ صرف آنحضرت ﷺ کی حیات طیبہ اور آپ کے حواس روشن ہونے کا پتہ چلتا ہے بلکہ حضرت صدیق اکبر اور حضرت فاروق اعظمؓ کی حیات اقدس اور ان کے حواس کے روشن ہونے کا بھی ثبوت ملتا ہے۔

ولید بن عبد الملک کے زمانہ خلافت میں جب کہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ والی مدینہ تھے تو ایک دفعہ آنحضرت ﷺ کے روضہ اقدس کی دیوار خستگی کی وجہ سے کچھ کھل گئی، تو ایک قدم نظر آیا، لوگ بہت گھبرائے یہاں تک کہ: ''جاء سالم بن عبد اللہ بن عمر بن الخطاب وعرف الناس انھا قدم جدہ عمر بن الخطاب''

(مختصر تذکرہ قرطبی ص ۴۰)

ترجمہ: حضرت عمر کے پوتے سالمؒ آئے اور انہوں نے پہچان کی کہ یہ ان کے دادا سیدنا حضرت عمرؓ کا قدم مبارک ہے۔

قبر کے انکشاف کی ایک اور مثال

گنبد خضری کے مکین مٹی کی دبیز تہ سے گزر کر زائر کو دیکھ پائیں یا زائر کی روحانی نظر اس دبیز تہ کو چیر کر مدفون افراد قدسیہ تک جا پہنچے۔ قبر کا یہ انکشاف اونچی روحانی اڑان اڑنے والوں کو نصیب ہو ہی جاتا ہے۔ یہ کرامت بطور خرق عادت ہوتی ہے کیونکہ عادت یہی ہے کہ مٹی حائل ہونے سے ادھر نگاہ نہ کی جا سکے اور دنیا کی آنکھ احوال برزخ کو نہ دیکھ سکے۔

ہاں برزخ والے دنیا والوں کو دیکھ لیں اس کے مواقع اس سے کہیں زیادہ ہیں کہ کوئی دنیا کی آنکھ برزخی حالات کا کچھ مشاہدہ کرے۔ دسویں صدی کے مجدد محدث شہیر ملا علی قاریؒ (۱۰۱۴ھ) شرح اللباب میں لکھتے ہیں: ''ثم من آداب الزیارۃ ما قالوا من انہ یأتی الزائر من قبل رجل المتوفی لا من قبل راسہ لانہ اتعب لبصر المیت بخلاف الاول لانہ یکون مقابل بصرہ'' (رد المحتار ج ۲ ص ۲۴۲ طبع جدید)

ترجمہ: قبروں کے آداب زیارت میں سے ہے کہ زائر میت کے پاؤں کی طرف سے آئے سر کی طرف سے نہ آئے کیونکہ اس طرح کرنا (یعنی سر کی طرف سے آنا) میت کی آنکھ کے لیے زیادہ تکلیف دہ ہوگا بخلاف پہلی صورت کے کیونکہ اس صورت میں زائر اس کی آنکھوں کے سامنے ہوتا ہے۔

میت زائر کو دیکھے یہ صرف اس صورت میں ہوگا کہ مٹی کے دبیز پردے میت کی آنکھوں کے آگے حائل نہ ہوں اور وہ برابر زائر کو دیکھ سکے سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اس کی آنکھ زائر کے کپڑوں کی تہ کو بھی پار کرے گی یا نہ؟

جواب یہ ہے کہ نظر کا مٹی کے دبیز پردے کے پار ہونا خرق عادت اور خلاف قیاس ہے اللہ تعالیٰ کسی کو یہ منظر دکھا دیں تو یہ اس کی کرامت ہے نہ دکھا دیں تو یہ مٹی کی عادت ہے کہ جب یہ حائل ہو تو کچھ نظر نہیں آتا۔

اصول فقہ میں یہ بات طے ہے کہ جو بات خلاف قیاس اور خرق عادت کے طور پر ہو وہ اپنے مورد پر مقتصر ہوتی ہے۔ ہم اس پر قیاس کر کے آگے یہ بات نہیں کہہ سکتے کہ پھر وہ نگاہ زائر کے کپڑوں کے اندر بھی پہنچتی ہو گی اور زائر میت کو بالکل ننگا دکھائی دیتا ہوگا اگر اس کا ذرا بھی احتمال ہوتا تو آنحضرت ﷺ کبھی بقیع کے باسیوں کے لیے وہاں دعائے مغفرت کرنے نہ جاتے۔

یہ بات مانی جاسکتی ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ اور گنبد خضریٰ کے مکینوں کے مابین مٹی کی دبیز تہ حائل نہ رہے۔ لیکن اس پر قیاس کر کے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ پھر ان مکینوں کی نگاہ اس چادر سے بھی گزر جانی چاہیے جس سے حضرت ام المومنینؓ نے روضہ اطہر پر حاضری کے وقت حضرت عمرؓ سے پردہ کیا ہوتا تھا۔

حضرت ام المومنینؓ کا روضہ انور میں حضرت عمرؓ سے پردہ کرنا بتلاتا ہے کہ وہ نہ صرف حضور ﷺ کی حیات فی القبر کی قائل تھیں بلکہ وہ حضرات شیخین کریمینؓ کی بھی حیات فی القبر کا عقیدہ رکھتی تھیں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں: ''فیہ اوضح دلیل علی حیاۃ المیت وعلیٰ انہ ینبغی احترام المیت عند زیارۃ مھما امکن لاسیما الصالحون بان یکون فی غایۃ الحیاء والتادب بظاھرہ وباطنہ'' (تنقیح اللمعات ج ۴ ص ۳۸۴)

ترجمہ: اس میں حیات میت کی کھلی دلیل ہے اور یہ کہ زیارت قبر کے وقت میت کا خود احترام کیا جائے، جتنا بھی ہوسکے خاص کر نیک لوگوں کا ظاہر اور باطن ہر دو پہلوؤں سے پورے ادب اور حیاء سے وہاں آئے۔

بتایئے! یہ احترام میت کس قبر کے کنارے کیا جارہا ہے اور اسے میت سمجھ کر کیا جارہا ہے یا زندہ اور کیا حضرت شیخ نے اسے حیات میت کی روشن دلیل نہیں کہا؟

سیدنا حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا تعامل

''حدثنا ابو معاویۃ عن عبید اللہ عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنھما انہ کان اراد ان یخرج دخل المسجد فصلی ثم اتی قبر النبی ﷺ فقال السلام علیک یا رسول اللہ السلام علیک یا ابابکر، السلام علیک یا ابتاہ ثم یاخذ وجھہ وکان اذا قدم من سفر یفعل ذلک قبل ان یدخل منزلہ''

(المصنف لابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۱۳۸ ہند)

''أخرجہ عبدالرزاق ایضا بسند صحیح'' (وفاء الوفاء للسمہودی ج ۲، ص ۴۱۰)

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ جب کبھی سفر پر روانہ ہوتے تو مسجد نبوی ﷺ میں آتے، نماز پڑھتے اور پھر روضہ انور پر حاضر ہوتے اور السلام علیک یا رسول اللہ! یا ابا بکر! اور السلام علیک اے ابا جان! پڑھتے اور پھر اپنے منہ کو تھام لیتے اور جب سفر سے واپس ہوتے، تو اپنے گھر جانے سے پہلے پھر اسی طرح صلوٰۃ وسلام عرض کرتے۔

''عبدالرحمن باسناد صحیح می آرد کہ ابن عمرؓ چوں از سفر قدوم ے آرود، اول بقبر شریف می رسید ومی گفت السلام علیک یا رسول اللہ'' (جذب القلوب ص ۲۰۰)

''وراجع لہ المؤطا للامام محمد ص ۳۹۶''

روایات سابقہ میں صرف سلام عرض کرنے کا صیغہ ملتا ہے۔

''السلام علیک یا رسول اللہ و غیر ذلک''

البتہ شرح شرعۃ الاسلام میں جو تر کی احناف کے ہاں ایک بڑا علمی اور تحقیقی فقہی ذخیرہ ہے اس میں یوں بھی مرقوم ہے: ''یقول الصلوٰۃ و السلام علیک یا رسول اللہ''

''عن نافع کان ابن عمر ﷛ یسلم علی القبر رأیتہ فی الیوم مأۃ مرۃ و اکثر یجیئ الی القبر فیقول السلام علیک'' (منتہی المقال ص ۴۳ لمفتی صدر الدین)

ترجمہ: حضرت نافع کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ کو میں نے دیکھا وہ روضہ اطہر پر سلام عرض کرتے تھے میں نے ایک ایک دن میں انہیں سو سو دفعہ بلکہ اس سے بھی زائد بار قبر شریف پر آتے اور السلام علیک یا رسول اللہ ﷺ پڑھتے دیکھا۔

حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ نے یہ صیغے سلام کے لکھے ہیں: ''السلام علیک یا رسول اللہ . . . السلام علیک یا خیر خلق اللہ السلام علیک یا حبیب اللہ!'' (زبدۃ المناسک ص ۹۰ لاہور)

سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی نزول فرمانے کے بعد حضور ﷺ کے روضہ اطہر پر حاضری دیں گے۔ حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ''ولیأتین قبری حتی یسلم علیّ ولاردنّ علیہ رواہ الحاکم وصححہ'' (درمنثور ج ۲ ص ۲۴۵)

ترجمہ: حضرت عیسیٰ ضرور میری قبر پر بھی آئیں گے اور سلام کہیں گے اور میں بھی ان کا جواب دوں گا۔

مسند ابی یعلی ج ۶ ص ۱۰۱ میں یہ حدیث بایں الفاظ مروی ہے: ''والذی نفس ابی القاسم بیدہ لینزلن عیسی ابن مریم اماما مقسطا حکما عدلا . . . ثم لئن قام علی قبر فقال یا محمد لا جبتہ''

یہاں کون سی قبر مراد ہے جس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام آئیں گے؟ یہی مدینہ منورہ والی یا کوئی اعلیٰ علیین کی...... یہ آپ سوچیں یا محمد ﷺ کے الفاظ روایت بالمعنی ہوں گے کیونکہ حضور ﷺ اسے روایت کر رہے ہیں۔ محمد کا لفظ علمی طور پر نہیں ومغی پیرایہ میں ہے۔

روضہ اطہر کے پاس ان صیغوں سے صلوٰۃ و سلام عرض کرنا اسی لیے ہے کہ حضور ﷺ حدود مسجد کے قرب میں خود سماعت کرتے ہیں پس اس طرز ادا سے کسی غلط عقیدے کا ایہام نہیں ہوتا۔ اگر حضور روضہ مطہرہ پر بھی خود نہیں سنتے، تو پھر ان صیغوں سے صلوٰۃ و سلام عرض کرنا غلط عقائد کا ایہام پیدا کرنا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اس باب میں ہمارے ائمہ کرام الفاظ موہمہ سے احتراز کرنے کا حکم دیتے ہیں صلوٰۃ و سلام کی مختلف کیفیات صرف اسی صورت میں لائق قبول ہیں کہ کسی طرح کے غلط عقیدے کا ایہام پیدا نہ ہوتا ہو۔

علامہ شامیؒ لکھتے ہیں: ''قد اختار جماعۃ من العلماء کیفیات فی الصلوٰۃ و مقتضی کلام ائمتنا المنع من ذلک الا فیما ورد عنہ ﷺ علی ما اختارہ الفقیہ'' (ردالمختار ج ۵ ص ۳۴۹)

ترجمہ: علماء کے ایک طبقے نے صلوٰۃ و سلام پڑھنے کے باب میں مختلف کیفیات جائز قرار دی ہیں۔ ہمارے ائمہ احناف کے کلام کا حاصل ہے، کہ ماسوائے ماثورہ صیغوں کے باقی تمام الفاظ موہمہ سے پرہیز کیا جائے جیسا کہ فقیہ نے فیصلہ فرمایا ہے۔

پس اگر حضور ﷺ اپنے روضہ اقدس کے قریب عرض کیے گئے صلوٰۃ و سلام کو خود نہ سنتے ہوتے تو پھر ان

صیغوں سے صلوٰۃ وسلام عرض کرنا غلط عقائد کا ایہام پیدا کرنے کی وجہ سے ہرگز جائز نہ ہوتا اور اگر جائز ہوتا تو پھر قریب و بعید ہر جگہ سے جائز ہوتا اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا یہ عمل ہر جگہ پر تواراث تعامل کے طور پر موجود ہوتا۔

یہ گمان نہ کیا جائے کہ پھر عامۃ المسلمین کی قبروں کے پاس صیغہ خطاب سے سلام کہنے کی کیا توجیہ ہوگی اس لیے کہ وہاں خطاب جمع اور جنس مومنین کو ہے، کسی معین کو نہیں۔ اور یہاں ایک ذات معین کو اس صیغہ خطاب سے مخاطب کیا جا رہا ہے اور ظاہر ہے کہ غیر معین مخاطبین سے خطاب مجاز کے جتنے پہلو اپنی لپیٹ میں لیے ہوتا ہے معین، فردِ واحد کو خطاب کرنے میں اس کی اتنی گنجائش نہیں ہوتی۔ فافہم وتفکر!

حضرت ابوایوب انصاریؓ

''عن داؤد بن صالح قال اقبل مروان یوما فوجد رجلا واضعا وجهه علی القبر فاخذ برقبته وقال اتدری ما تصنع قال نعم فاقبل علیه فاذا هو ابو ایوب الانصاری ﷺ فقال جئت رسول الله ﷺ ولم ات الحجر سمعت رسول الله ﷺ یقول لاتبکوا علی الدین اذا ولیه اهله ولکن ابکوا علیه اذا ولیه غیر اهله''

اخرجه الحاکم وقال صحیح الاسناد ج ۴ ص ۵۱۵ واقر علیه الذهبی فقال صحیح[۱]

ترجمہ: ایک دن مروان آیا اور اس نے ایک شخص کو روضہ انور پر منہ رکھے ہوئے دیکھا، اس نے اسے گردن سے پکڑ کر ہٹایا اور کہا ''جانتا ہے کہ تو کیا کر رہا ہے؟'' اس نے کہا ہاں...... وہ اس کی طرف متوجہ ہوا۔ کیا دیکھتا ہے کہ وہ حضرت ابوایوب انصاریؓ ہیں۔ آپ نے فرمایا ''میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا ہوں، پتھروں کے پاس نہیں آیا، میں نے حضور ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اس وقت دین پر نہ رونا جب اس کے والی اس کے اہل ہوں بلکہ اس وقت رونا جب کہ دین کی ولایت غیر اہل ہاتھوں میں آجائے۔

پیش نظر رہے کہ یہ مقام فقط انہی حضرات کا ہے جنہیں انکشاف ہو رہا ہو، روہ قبر سے نہیں، صاحب قبر سے مصروف نیاز ہوں پس ان لوگوں کے لیے جو اس مقام انکشاف کے بغیر روضات عالیہ یا قبور شریفہ سے لپٹتے ہوں یا انہیں بوسہ دیتے ہوں۔ اس حدیث میں کوئی دلیل اور حجت نہیں۔ ان کے لیے ایسے امور کا ارتکاب جیسا کہ فقہائے کرام نے فرمایا ہے قطعاً ناجائز ہے۔

حضرت ابوایوب انصاریؓ کی حضور ﷺ کی خدمت میں یہ حاضری بتاتی ہے کہ ان کاملین کے لیے کس طرح برزخی پردے اٹھے ہوئے تھے۔ حضرت ابوایوب انصاریؓ جب خود قسطنطنیہ میں دفن ہوئے تو دنیا نے دیکھا کہ آپ کے برزخی مقام کا شعلۂ نور کس پرشکوہ پیرائے میں پورے فوجی کیمپ کو منور کر گیا تھا۔

علامہ سرخسیؒ (۴۸۳ھ) لکھتے ہیں: ''ودفنوہ لیلا فصعد من قبرہ نور الی السماء ورای ذلک من کان بالقرب من ذلک الموضع''

---

[۱] رواہ احمد ایضا بسند حسن قال حدثنا عبد الملک بن عمرو حدثنا کثیر بن زید عن داؤد بن ابی صالح قال... قال الهیثمی رواہ احمد والطبرانی فی الکبیر والاوسط وفیه کثیر بن زید وثقه جماعة وضعفه النسائی (کمافی کتاب الضعفاء والمتروکین للامام النسائی) وغیرہ ورواہ یحی بن الحسین بن جعفر الحسینی فی اخبار المدینة حدثنی عمر بن خالد ثنا ابو نباتة عن کثیر بن زید عن المطلب بن عبد الله قال السبکی وابو نباتة ومن فوقه ثقات وعمر بن خالد لم اعرفه قلت لاضیر فان احمد رواہ عن عبد الملک بن عمرو وهو ثقة عن کثیر بن زید وقد حکم السبکی بتوثیقه
(کذا فی وفاء الوفاء ج ۴ ص ۱۴۰۴)

ترجمہ: مسلمانوں نے آپ کو رات کو دفن کیا معاً آپ کی قبر سے ایک شعلہ نور اٹھا اور وہ اوپر بلند ہوا جو لوگ بھی اس مقام کے قریب تھے سب نے یہ منظر دیکھا۔

حضرت ابوایوب انصاری ؓ کی حیات برزخی اس وقت ہی ہر وارد و صادر پر کھل گئی تھی۔

خلاصۃ البیان

یہ کہ آنحضرت ﷺ کے ارشادات عالیہ، خلفائے راشدین ؓ کے عقائد قدسیہ، ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ ؓ کے عملی فیصلے اور صحابہ کرام ؓ کے نظریات یکے بعد دیگرے آپ کے سامنے آچکے ہیں۔ ان سب میں قدر مشترک یہ ہے کہ حضور انور ﷺ اپنے روضہ اطہر میں فائز الحیات ہیں اور قریب عرض کیے گئے صلوٰۃ وسلام کو خود سنتے ہیں۔ احادیث خمسہ اور خلفائے اربعہ کے فیصلوں کے بعد اب مسالک اربعہ ملاحظہ کیجئے۔

مذاہب اربعہ قرآن کے خلاف نہیں چلے

مذاہب اربعہ میں آپس میں کتنے بڑے چھوٹے اختلافات ہیں مگر حضور ﷺ کی حیات بعد الوفات پر چاروں متفق ہیں کیوں کہ اہل السنۃ والجماعۃ عقیدہ میں سب ایک ہیں مسئلہ حیات النبی میں کچھ بھی اختلاف کی گنجائش ہوتی تو یہ موقع تھا جس میں کوئی ایک فریق اس مسئلہ میں دوسرا پلیٹ فارم ترتیب دے سکتا تھا لیکن مسئلہ حیات النبی کی نوعیت کچھ ایسی یقینی ہے کہ یہ چاروں طبقے اپنے دوسرے بیسیوں اختلافات کے باوجود اس میں سرمو بھی ایک دوسرے سے مختلف نہیں۔

الفصل الثانی: مذاہب اربعہ در حیات نبویہ

مالکیہ: سیدنا حضرت امام مالک ؒ مدنی ہونے کے اعتبار سے اس باب میں خاص طور پر ممتاز ہیں۔ آپ روضہ اطہر کے قریب ہی مسجد نبوی میں درس حدیث دیتے تھے۔

امیر المومنین ابوجعفر نے امام مالک سے کسی مسئلے میں مسجد نبوی میں گفتگو کی تو امام مالک ؒ نے فرمایا، اے امیر المومنین! تم کو کیا ہوا؟ اس مسجد میں آواز مت بلند کرو کہ حضور نبوی کا احترام وفات کے بعد وہی ہے جو حالت حیات میں تھا۔ سو ابوجعفر دب گیا۔ (نشر الطیب از حضرت تھانوی ص ۲۱۰ مطبوعہ دیوبند۔ وکذلک فی وفاء الوفاء ج ۲ ص ۲۲۳ طبع مصر)

"نقل عن الامام مالک انه کان یکره ان یقول رجل زرت قبر النبی ﷺ قال ابن رشد من اتباعه ان الکراهة لغلبة الزیارة فی الموتٰی وهو ﷺ احیاه الله تعالٰی بعد موته حیاة تامة واستمرت تلک الحیٰوة وهی مستمرة فی المستقبل ولیس هذا خاصة به ﷺ بل یشارکه الانبیاء فهو حی بالحیاة الکاملة مع الاستغناء عن الغذاء الحسی الدنیوی" (وفاء الوفاء ج ۲ ص ۱۳۴۳۔ نور الایمان بزیارۃ حبیب الرحمن ص ۱۴ مولانا عبدالحلیم فرنگی محل)

علمائے مالکیہ میں سے امام قرطبی ؒ (ج ۵ ص ۲۶۵)، امام ابوحیان اندلسی (بحر المحیط ج ۱ ص ۲۸۳)، علامہ ابن الحاج، علامہ ابن رشد اندلسی اور ابن ابی حمزہ وغیرہم من الکبائر نے ان مسائل کا پوری عقیدت سے تذکرہ کیا ہے۔

شوافع: شوافع میں سے امام بیہقی اور امام سیوطی ؒ نے حیات انبیاء کے عنوان پر مستقل تالیف سپرد قلم کی ہیں۔ علامہ طیبی اور حافظ ابن حجر عسقلانی ؒ کے متعدد حوالے مباحث حدیثیہ کے ضمن میں آپ کے سامنے آچکے ہیں۔ امام غزالی اور علامہ سبکی نے بھی انہی حقائق کی تصدیق فرمائی ہے۔

لطف یہ ہے کہ یہ اکابر، خواہ مالکی ہوں، خواہ شافعی، کسی مقام پر بھی اس تحقیق کو اپنے فقہی مسلک کے تحت ذکر نہیں کرتے بلکہ جہاں کہیں اس عقیدے کا ذکر آتا ہے، وہاں اسے مسلک اہل سنت ہی کے طور پر ذکر کرتے ہیں۔ معلوم ہوا یہ کسی ایک فقہی مسلک کا نہیں سب اہل سنت کا اجماعی عقیدہ ہے۔

جمیع اکابر شافعیہ یہی مسلک رکھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کو اپنے روضہ اطہر میں جو حیات حاصل ہے وہ حیات جسمانی ہے اور وہی جسد اطہر فائز الحیات ہے جو اس دنیا میں تھا۔

علامہ قونویؒ (شافعی المسلک) کا تفرد اس میں تو ہے کہ وہ انبیائے کرام علیہم السلام کے استقرار قبر میں استمرار کے قائل نہیں، بلکہ یہ سمجھتے ہیں کہ انبیائے کرام دفن کے کچھ دن بعد اپنی قبور شریفہ سے اٹھا لیے جاتے ہیں اور ملاءِ اعلیٰ میں استقرار پذیر ہوتے ہیں۔ لیکن اس حقیقت سے انہیں بھی انکار نہیں کہ انبیاء کرام کی روحیں ان کے اجساد کریمہ سے ہرگز جدا نہیں ہوتیں اور جہاں بھی انبیائے کرام کے یہ دنیا والے جسم ہوں، وہیں انہیں حیات جسمانی حاصل ہوتی ہے۔ حیات جسمانی پر بہرصورت اجماع قائم ہے اور علمائے شافعیہ کا ''حیات فی القبر'' پر جو اجماع ہے، وہ بھی ایک تفرد سے قطعاً متاثر نہیں ہوتا۔ علامہ سبکی الشافعی طبقات شافعیہ میں لکھتے ہیں: ''عندنا رسول اللہ ﷺ حی یحس ویعلم وتعرض علیہ اعمال الامۃ ویبلغ الصلوٰۃ والسلام'' (طبقات شافعیہ ج ۲ ص ۲۸۲)

ترجمہ: ہم شافعیہ کے نزدیک حضور ﷺ زندہ ہیں اور آپ میں احساس و شعور موجود ہے آپ پر اعمال امت بھی پیش ہوتے ہیں اور دور سے پڑھا صلوٰۃ وسلام بھی آپ کو پہنچایا جاتا ہے۔

علامہ یوسف اردبیلی الشافعی کتاب الانوار لاعمال الابرار میں لکھتے ہیں: ''ویخاطب بعد الموت بقول السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ لان الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون ویحجون کما ورد''

ترجمہ: حضور ﷺ کو وفات کے بعد السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کے الفاظ سے خطاب کیا جائے (کیونکہ وفات کے بعد پھر وہ حیات مستمرہ پا چکے) اور سب انبیاء کرام اپنی قبروں میں زندہ ہیں، وہ ان میں نمازیں پڑھتے ہیں اور باہر حج کرتے بھی دیکھے گئے ہیں۔ (کتاب الانوار ج ۲ ص ۴۱ مصر)

حنابلہ: حنابلہ میں سے حافظ ابن تیمیہؒ کی یہ تحقیق ہے کہ حضور ﷺ اپنے روضہ اطہر کے قریب عرض کیے گئے صلوٰۃ وسلام کو خود بلا واسطہ سنتے ہیں۔ ان کی اپنی تحریر باحوالہ بقید صفحہ و مطبع آپ کے سامنے آ چکی ہے۔ حافظ ابن قیم کی تصریحات بھی یکے بعد دیگرے آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں: ''قال ابن عقیل من الحنابلۃ ھو ﷺ حی فی قبرہ یصلی'' (الروضۃ البہیہ ص ۱۴)

ترجمہ: حنابلہ کے مشہور بزرگ ابن عقیل فرماتے ہیں کہ حضور انور ﷺ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں اور نمازیں بھی پڑھتے ہیں۔

حنفیہ کرام[1]: (۱) علامہ شرنبلالیؒ نور الایضاح میں فرماتے ہیں (یہ کتاب دار العلوم دیوبند کے نصاب تعلیم میں داخل ہے)

---

[1] مسالک اربعہ میں سے اس مسلک کو باوجودیکہ یہ رتبۃ تحقیقاً اور قبولاً باقی سب مسالک پر فائق و مقدم ہے، آخر میں اس لیے بیان کیا گیا ہے کہ اس کی کچھ تفصیل مطلوب تھی اور پہلے تین مسالک چونکہ ہمارے بلاد میں کم پائے جاتے ہیں۔ اس لیے ان کے متعلق اجمال سے کام لیا گیا ہے۔

"ولما هو مقرر عند المحققين انه ﷺ حیّ یرزق متمتع بجمیع الملاذ و العبادات غیر انه احجب عن ابصار القاصرین عن شریف المقامات"

ترجمہ: محققین کے نزدیک یہ طے شدہ ہے کہ حضور انور ﷺ زندہ ہیں اور آپ کو رزق بھی ملتا ہے اور عبادات سے آپ لذت بھی اٹھاتے ہیں، ہاں اتنی بات ہے کہ وہ ان نگاہوں سے پردے میں ہیں جو ان مقامات تک پہنچنے سے قاصر رہتی ہیں۔

(۲) مراقی الفلاح میں ہے: "ینبغی لمن قصد زیارة النبی ﷺ ان یکثر الصلوٰة علیه فانه یسمعها وتبلغ الیه" (ج۱، ص۲۹۸)

ترجمہ: جو شخص حضور اکرام ﷺ کی زیارت کرنے کے لیے آئے اسے چاہیے کہ کثرت سے درود عرض کرے۔ کیونکہ آپ اسے خود سن رہے ہوتے ہیں اور (دور سے) آپ کو پہنچایا بھی جاتا ہے۔

(۳) طحطاوی میں ہے: "(فانه یسمعها) ای اذا کانت بالقرب منه ﷺ (وتبلغ الیه) ای یبلغها الملک اذا کان المصلی بعیدا"

ترجمہ: آپ صلوٰۃ وسلام کو اس وقت خود سنتے ہیں جب قریب سے عرض کیا جارہا ہو اور فرشتے اس وقت پہنچاتے ہیں جب یہ دور سے پڑھا جارہا ہو۔

تنبیہ: علامہ شرنبلالیؒ کا مذکورہ سابقہ فیصلہ اور پھر اسے مختار محققین قرار دینا اگر کچھ بھی محل نظر ہوتا تو اس کے شارح اور پھر شارح کے شارح ہر ایک مرحلے پر اس کی تصدیق وتوثیق نہ کرتے چلے جاتے آخر کسی مقام پر تو اسے موضوع اختلاف کیا جاتا جب ہر مرحلے پر اس کی تصدیق ہی تصدیق ہے تو اس یقین سے چارہ نہیں کہ فقہ حنفی کا متفقہ نظریہ یہی ہے کہ حضور انور ﷺ اپنے روضہ اطہر میں جسمانی طور پر فائز الحیات ہیں اور قریب عرض کیے گئے صلوٰۃ وسلام کو خود بلا واسطہ سنتے ہیں، واللہ اعلم!

(۴) محقق علی الاطلاق امام ابن الہمام (التوفی ۸۶۱ھ) فرماتے ہیں: "تستقبل القبر بوجهک ثم تقول السلام علیک ایها النبی ورحمة الله وبرکاته... وذلک انه ﷺ فی القبر الشریف المکرم علی شقه الایمن مستقبل القبلة فلیکثر دعائه بذلک فی الروضة الشریفة عقیب الصلوٰة وعند القبر ویجتهد فی خروج الدمع فانه من امارات القبول وینبعی ان یتصدق بشیئ علی جیران النبی ثم ینصرف متباکیا متحسرا علی الفراق الحضرة النبویة والقرب منها... ثم یسئل النبی الشفاعة فیقول یارسول الله اسئلک الشفاعة یارسول الله" (فتح القدیر ج۲ ص۳۳۷، ادارۃ الحج مصر)

ترجمہ: تم حضور انور ﷺ کی قبر شریف کے سامنے ہو کر السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ عرض کرو...... اور یہ اس لیے کہ حضور علیہ السلام اپنی قبر شریف میں دائیں کروٹ قبلہ کی طرف رخ کیے ہوئے ہیں، روضہ شریفہ میں درود شریف کے بعد اور قبر کے پاس پھر کثرت سے دعا کرے اور آنسو آجانے کی حد تک زاری کرے۔ کیونکہ یہ قبولیت کی علامات میں سے ہے اور چاہیے کہ روضہ اطہر کے مجاورین پر کچھ صدقہ بھی کرے پھر روتا ہوا آپ ﷺ کے قرب اقدس سے جدا ہونے کا غم ساتھ لیتے ہوئے واپس ہو۔...... پھر حضور انور ﷺ سے شفاعت کرنے کی التجا بھی کرے اور کہے کہ یارسول اللہ میں شفاعت کے لیے سوال عرض کرتا ہوں۔

(۵) علامہ ابن عابدین شامیؒ: امام شافعی کے نزدیک مال غنیمت میں سے رسول اللہ ﷺ کا حصہ آپ کی وفات شریفہ کے بعد خلیفہ کو پہنچتا ہے۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ کو یہ حق قیادت اور قیام بامور العامہ کی بناء پر پہنچتا تھا اوراب آپ کے بعد یہ انتظامیہ قیادت بصورت خلافت موجود ہے۔ احناف کے نزدیک آپ کا یہ حق امامت پر مبنی نہیں، بلکہ رسالت پر مبنی تھا۔ آپ کی وفات شریفہ کے بعد کسی نئے رسول کی آمد نہیں پس حنفیہ کے نزدیک سہم رسول وفات پیغمبر سے ساقط ہوجاتا ہے۔ اس سے آگے یہ بحث چلتی ہے کہ کیا رسول کی رسالت اس کی وفات پر ختم ہوجاتی ہے یا نہیں؟ بعض کہتے ہیں صرف حکماً باقی ہوتی ہے، حقیقۃً نہیں۔ لیکن حق یہ ہے کہ وہ حقیقۃً باقی ہے۔ یعنی حضور ﷺ اب بھی حقیقی طور پر رسول ہیں۔ رسالت کو صرف حکماً باقی کہنا، صحیح نہیں علامہ شامی فرماتے ہیں: ''افاد فی الدر المنتقی انه خلاف الاجماع قلت و ما نسب الی الامام الاشعری ﷫ امام اهل السنة والجماعة من انکار ثبوتها بعد الموت فهو افتراء وبهتان والمصرح فی کتبه وکتب اصحابه خلاف ما نسبه الیه بعض اعدائه لان الانبیاء علیهم الصلوٰة والسلام احیاء فی قبورهم وقد اقام النکیر علی افتراء ذلک ابو القاسم القشیری ﷫'' (شامی باب المغنم وقسمۃ بعد قسمۃ الخمس ص ۲۶۶)

ترجمہ: در منتقی میں ہے کہ حضور ﷺ کی رسالت آپ ﷺ کی وفات شریفہ کے بعد اب بھی حقیقۃً باقی ہے اور اسے صرف حکماً باقی کہنا خلاف اجماع ہے اور امام اہل سنت امام اشعری کی طرف جو اس کا انکار منسوب ہے وہ افتراء اور بہتان ہے۔ اشاعرہ کی کتابوں میں اس کے خلاف تصریح موجود ہے آپ کی وفات شریفہ کے بعد رسالت کا حقیقۃً باقی نہ رہنا اہل سنت کے بعض دشمنوں نے ان کی طرف منسوب کردیا ہے کیونکہ انبیاء علیہم السلام تو اپنی قبور شریفہ میں زندہ موجود ہوتے ہیں۔

''ان المنع هنا لانتقام الشرط وهو اما عدم وجود الوراث بصفة الوارثية کما اقتضاه الحدیث واما عدم موت الوارث بناء علی ان الانبیاء احیاء فی قبورهم کما ورد فی الحدیث''

(رسائل ابن عابدین ج ۲ ص ۲۰۳ مصر، الرحیق المختوم شرح قلائد المنظوم)

(۶) علامہ عینیؒ: ''انهم لا یموتون فی قبورهم بل هم احیاء'' (عینی شرح بخاری ج ۷ ص ۲۰۰)

ترجمہ: یقیناً انبیائے کرام علیہم السلام اپنی قبور شریفہ میں مردہ نہیں ہوتے، بلکہ وہ وہاں زندہ ہیں۔

(۷) امام ملا علی قاریؒ: ''ان الانبیاء احیاء فی قبورهم فیمکن لهم سماع صلوٰة من صلی علیهم''

(مرقات ج ۲ ص ۲۰۹)

ترجمہ: بے شک انبیائے کرام علیہم السلام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں یہاں تک کہ وہ سن سکتے ہیں اس شخص کو جو ان پر درود پڑھے۔

''المعتقد المعتمد انه ﷺ حیٌ فی قبره کسائر الانبیاء فی قبورهم وهم احیاء عند ربهم وان لارواحهم تعلقا بالعالم العلوی والسفلی کما کانوا فی الحال الدنیوی'' (شرح الشفاء لعلی القاری ج ۲ ص ۱۴۲)

ترجمہ: عقیدہ جس پر پورا اعتماد ہے وہ یہی ہے کہ حضور ﷺ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں اور اسی طرح تمام انبیاء اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور ان کی ارواح قدسیہ کو عالم علوی اور عالم سفلی کے ساتھ ایک ایسا تعلق ہوتا ہے جیسا تعلق انہیں اس دنیا میں حاصل تھا۔

الفصل الثالث: اکابر فرقہ اھل حدیث

اہل سنت کی کشتی کے پانچویں سوار حضرات فرقہ اہل حدیث ہیں۔ ان کے اکابر کی تصریحات بھی دیکھئے:

(۱) قاضی شوکانی یمنیؒ: ''روحہ ﷺ لاتفارقہ لما صح ان الانبیاء احیاء فی قبورھم''

(تحفۃ الذاکرین ص ۲۸ مصر)

ترجمہ: حضور انور ﷺ کی روح مبارک اپنے جسد اطہر سے جدا نہیں ہوتی۔ کیونکہ صحیح حدیث سے ثابت ہو چکا ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام اپنی قبور شریفہ میں زندہ ہوتے ہیں۔

''انہ حی فی قبرہ...... وقد ذھب جماعۃ من المحققین الی ان رسول اللہ ﷺ حیٌ بعد وفاتہ''

ترجمہ: حضور اکرم ﷺ اپنی قبر میں زندہ ہیں اور محققین کی ایک جماعت کا یہی فیصلہ ہے کہ حضور ﷺ اپنی وفات شریفہ کے بعد زندہ ہیں۔ (نیل الاوطار ج ۳ ص ۲۱۰، ۲۱۱)

(۲) شیخ کبیر عبد اللہ بن محمد بن عبد الوہاب مجدیؒ[1]: ''والذی نعتقد ان رتبۃ نبینا ﷺ اعلی مراتب المخلوقین علی الاطلاق وانہ حی فی قبرہ حیوۃ مستقرۃ ابلغ من حیاۃ الشھداء المنصوص علیھا فی التنزیل اذاھو افضل منھم بلاریب وانہ یسمع من یسلم علیہ'' (اتحاف النبلاء ص ۴۱۵ مطبوعہ کانپور)

ترجمہ: ہمارا یہی اعتقاد ہے کہ حضور اکرم ﷺ کا مرتبہ تمام مخلوقات سے علی الاطلاق اعلیٰ ہے اور یہ کہ آپ اپنی قبر شریف میں دائمی طور پر زندہ ہیں اور آپ کی یہ حیات شہداء کی حیات سے، جو قرآن پاک میں منصوص ہے، بہت بالا ہے، کیونکہ آپ ان سے بلاریب افضل ہیں اور آپ اپنے روضہ اطہر میں سلام عرض کرنے والوں کے سلام کو خود سنتے ہیں۔

(۳) نواب صدیق حسن خانؒ حیدر آبادی: ''حدیث ''من صلی علی عند قبری سمعتہ'' (جو میری قبر کے پاس آ کر درود پڑھتا ہے، اسے میں خود سنتا ہوں) کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں۔ اسنادہ جید۔'' (الدلیل الطالب ص ۸۴۴)

حج الکرامۃ ص ۲۸۵ میں واقعہ حرہ نقل فرمایا ہے (وسیاتی تفصیلہ وراجع لہ ص ۵۹۶ من ہذا الکتاب) کہ امام التابعین حضرت سعید بن المسیبؒ فرماتے ہیں کہ: ''میں ان دنوں حجرہ شریفہ سے اذان اور اقامت سنتا تھا۔'' روضہ اطہر سے آواز آنے کی اس روایت کے متعلق نواب صاحبؒ لکھتے ہیں: ''ابن جوزی بسند متصل تا سعید بن المسیب لایا ہے کہ سعیدؒ نے ایسا فرمایا۔'' (حج الکرامۃ ص ۲۸۵)

(۴) حضرت مولانا میاں نذیر حسین صاحب دہلویؒ (۱۳۲۰ھ): ''اور حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی قبر میں زندہ ہیں خصوصاً آنحضرت ﷺ کہ فرماتے ہیں کہ جو کوئی عند القبر درود بھیجتا ہے میں سنتا ہوں اور دور سے پہنچایا جاتا ہوں۔'' (فتاوے نذیریہ ج ۲ ص ۵۵ ضمیمہ)

(۵) مولانا وحید الزماں حیدر آبادی (۱۳۳۸ھ) تلمیذ حضرت میاں صاحب: ''اور پیغمبروں کے اجسام مردہ نہیں وہ جسم سمیت اپنی قبروں میں زندہ رہتے ہیں۔ جیسے دوسری حدیث سے ثابت ہے...... وہ مرنے کے بعد بھی

---

[1] آپ نے اپنے عقائد پر ایک مستقل رسالہ لکھا ہے جس کا بیشتر حصہ نواب صدیق حسن خاں صاحب نے اپنی کتاب اتحاف النبلاء مقصد دوم میں حرف المیم کے ماتحت نقل فرمایا ہے۔ شیخ عبد اللہ نے اس میں ان تمام الزامات کی تردید کی ہے جو اس طبقہ سے منسوب کیے جاتے ہیں آپ مقلد تھے، غیر مقلد نہ تھے۔

جب حکم الٰہی ہوتا ہے تو اپنے زائر پر توجہ فرماتے ہیں اوران کی روح سے زائر کو بہت سے فیوض پہنچتے ہیں اگر مردوں میں عموماً احساس اور سمع نہ ہوتا تو اہل قبور پر سلام کیوں مشروع ہوتا؟ کیا لکڑی، پتھر کو آنحضرت ﷺ نے سلام کرنے کا حکم دیا؟ اس کا وہی قائل نہ ہوگا جو نادان ہے۔'' (تیسیر الباری کتاب الدعوات ج ۶ ص ۹۸)

(۶) مولانا شمس الحق عظیم آبادی (۱۳۲۹ھ) شارح سنن ابی داؤد: ''ان الانبیاء فی قبورھم احیاء (ص ۱۰۵) انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور حدیث ما من احد یسلم علیَ الا رد اللہ علیَ روحی کے تحت لکھتے ہیں: والقول الصحیح ان ھذا لمن زارہ ومن بعد عنہ تبلغہ الملٰئکۃ سلامہ'' (عون المعبود ص ۷)

(۷) التعلیقات السلفیہ علی سنن النسائی میں منقول ہے: ''انھم احیاء فی قبورھم یصلون وقد قال النبی ﷺ من صلی علیَ عند قبری سمعتہ ومن صلی علیَ نائیا بلغتہ'' (التعلیقات السلفیہ علی سنن النسائی ص ۲۴۷)

ترجمہ: انبیائے کرام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نمازیں بھی پڑھتے ہیں اور حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو مجھ پر میری قبر کے پاس درود پڑھے، اسے میں خود سنتا ہوں اور جو دور سے پڑھے وہ مجھے پہنچایا جاتا ہے۔

التعلیقات السلفیہ ج ۱ ص ۱۹۵ پر سنن نسائی مطبوعہ دہلی ج ۱، ص ۱۸۵ کا پورا حاشیہ (جو حیات قبریہ کے حیات جسمانی عنصری اور غیر معطل عن الاشتغال الطیبہ ہونے پر نہایت واضح بیان اور مکمل برہان ہے) منقول ہے اور مؤلف نے اپنی عادت کے مطابق یہاں کوئی اختلافی نوٹ نہیں لکھا۔

(۸) مولانا فضل الرحمن ہری پوری: ''کل پیغمبروں کے اجسام زمین کے اندر صحیح وسالم ہیں قبر شریف میں اوراہلحدیث کا یہی اعتقاد ہے۔'' (رسالہ درود شریف از مولانا فضل الرحمن)

(۹) مولانا شمس الحق ملتانی از دارالحدیث رحمانیہ ملتان: ''عالم برزخ میں خصوصیت نبوی سے ایک خاصہ یہ بھی ہے کہ آپ درود وسلام زائر کا سنتے ہیں اور دور سے صلوٰۃ وسلام پہنچایا جاتا ہے۔'' (فتوی ۱۲، جمادی الثانیہ ۱۴۰۷ھ)

(۱۰) مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ: ''آپ میت کی حیات فی القبر اور اعادہ روح دونوں کے قائل تھے۔ آپ لکھتے ہیں فرشتے میت کو بٹھاتے ہیں۔'' (فتاوی ثنائیہ ج ۱ ص ۲۹۲ ص ۳۱۵)

یہ ان دس حضرات کا بیان ہے جو جماعت اہلحدیث میں لائق تقلید سمجھے جاتے ہیں۔ اب سعودی عرب کے حنبلی علماء جو گو مقلد ہیں مگر اہلحدیث حضرات کے ہاں ان کا بڑا احترام پایا جاتا ہے گو کسی وجہ سے ہو۔ ان کا مؤقف بھی اس باب میں ملاحظہ کر لیجئے۔

علمائے نجد کا عقیدہ

(۱) شیخ کبیر عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب نجدی کا بیان آپ اس کتاب میں صفحہ ۵۹۳ پر اتحاف النبلا المتقین کے حوالے سے پڑھ آئے ہیں۔

(۲) علامہ مجد شیخ محمد بن عبداللطیف من آل الشیخ کا عقیدہ آپ اس کتاب کے صفحہ ۲۹۸ پر ملاحظہ کر چکے ہیں کہ: ''آپ ﷺ اپنی قبر میں زندہ ہیں برزخی زندگی کے ساتھ''

(۳) ہم اعتقاد رکھتے ہیں کہ رتبہ حضور انور ﷺ کا تمام مخلوق کے مراتب سے اعلیٰ ہے۔ وہ اپنی قبر میں حیات برزخیہ سے زندہ ہیں جو کہ حیات شہداء سے اکمل وافضل ہے اور سلام کہنے والے کا سلام آپ سنتے ہیں۔

(الھدیۃ السنیہ والتحفۃ الوہابیہ النجدیہ ص ۴۷)

(۴) پاکستان میں سعودی عرب کے سابق سفیر علامہ عبدالحمید الخطیب فرماتے ہیں: ''کیا واقعی علمائے نجد اور علمائے وہابیہ کا یہ عقیدہ ہے کہ ان کے ہاں الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ کہنا حرام ہے؟ تو میں نے اس کا جواب دیا کہ تمام اسلاف وہابیہ اس سلام کو جائز قرار دیتے ہیں بعض لوگ خواہ مخواہ اپنے غلط عقائد وہابیہ کے ساتھ غلط ملط کر کے وہابیہ کو بدنام کر رہے ہیں۔ جیسا کہ انڈونیشیا کی ایک جماعت ''اورنغ وہابی'' کے نام سے مشہور ہے۔ مگر ان کے عقائد سراسر وہابیہ کے خلاف ہیں اس سے متاثر ہو کر میں نے یہ قصیدہ لکھا اور اس کو اجلہ علمائے نجد کے سامنے پیش کیا، سب نے تصویب فرمائی۔'' (دیباچہ رسالہ اسمی الرسالات)

اس قصیدہ میمیہ کا پہلا شعر یہ ہے:

علیک سلام اللہ یا سید الوری ومن قدرہ عند الالہ عظیم

یہ پورا قصیدہ ''تحیۃ للحبیب'' علامہ مذکور نے روضہ اطہر کے سامنے کھڑے ہو کر پڑھا۔

الفصل الرابع: عقائد متکلمین در حیات النبیین علیہم السلام

علمائے علم کلام بھی محدثین کے خلاف نہیں چلے۔

۱...... علم کلام کے مشہور امام علامہ تورپشتیؒ آپ ﷺ کا ذکر اس گہری عقیدت میں فرماتے ہیں: ''صلوٰت وبرکات چنداں کہ فہم از و پرشود واندیشہ دروگم گردد از سراپردہ کبریائے او نثار رواں پاک وکالبد زندہ ساکن مدینہ''

ترجمہ: صلوات وبرکات اتنی کہ ذہن ان سے بھر جائے اور فکر ان میں گم ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کی روح پاک اور زندہ جسد ساکن مدینہ پر قربان۔

پھر اہل سنت کے عقائد شمار کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''وازاں جملہ آں ست کہ بدانند کہ کالبد وے را زمین نخورد و بوسیدہ نشود و چوں زمین از وے شگافتہ شود کالبد وے بحال خود باشد وحشر وے وجملہ انبیاء چنیں باشد و حدیثی درست است کہ ان اللہ حرم علی الارض اجساد الانبیاء..... ھم احیاء فی قبورھم یصلون...... واول ہمہ پیغمبر ما برخیز واز گور...... دانستن ایں ہمہ کہ یاد کردیم مہم است۔'' (کتاب المعتمد فی المعتقد باب دوم فصل ۴ للعلامہ تورپشتیؒ)

۲...... اشاعرہ اور ماتریدیہ کا فیصلہ: (۱) ''ان النبی ﷺ فی القبر حیّ یحس ویعلم وتعرض علیہ اعمال الامۃ واللہ تعالیٰ خلق ملٰئکۃ سیاحین یبلغون الیہ الصلوٰۃ من امتہ''

ترجمہ: حضور اکرم ﷺ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں، علم واحساس آپ میں برابر موجود ہیں۔ امت کے اعمال آپ پر پیش ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ایسے فرشتے پیدا کر رکھے ہیں جو زمین میں سیاحت کرتے رہتے ہیں اور امت کا صلوٰۃ وسلام پہنچاتے رہتے ہیں۔

(۲) ''عندھم محمد ﷺ حیّ فی قبرہ'' (الروضۃ البہیۃ ص ۱۵)

ترجمہ: اشاعرہ کے نزدیک حضور ﷺ اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں۔

امام ابومنصور الشافعی البغدادی اکابر ائمہ اہل سنت میں سے ہیں۔ آپ کی کتاب اصول الدین عقائد میں سند کا درجہ رکھتی ہے۔ ملا علی قاریؒ نے شرح اکبر میں آپ کا مرتبہ امامت تسلیم کیا ہے۔ (شرح فقہ اکبر ص ۱۴۴ کانپور) آپ کا عقیدہ کیا تھا؟ محدث کبیر مولانا ظفر احمد عثمانی لکھتے ہیں: (۳) ''قال الاستاذ ابو منصور البغدادی قال المتکلمون المحققون من اصحابنا ان نبینا ﷺ حیّ بعد وفاتہ'' (اعلاء السنن ج ۱۰ ص ۳۳)

ترجمہ: امام ابو المنصور بغدادیؒ نے فرمایا ہے ہمارے اصحاب محققین متکلمین کا یہی فیصلہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ اپنی وفات شریفہ کے بعد پھر زندہ ہیں۔

خلفائے راشدینؓ مذاہب اربعہ اور متکلمین اسلام کے ان اجماعی عقائد کے خلاف جو بھی کوئی نئی راہ چلے ہر چند وہ اپنے موقف کو بطور مجتہد براہ راست قرآن کریم سے نسبت کرے وہ حق پر نہیں، اہل السنۃ والجماعۃ ایک دین مسلسل پر ایمان رکھتے ہیں۔ جو بات امت کے اس اجماعی موقف کے خلاف ہو وہ کبھی حق نہیں ہو سکتی۔

(تتمۃ الفصل) عقائد علمائے دیو بند اور المہند

علمائے دیو بند بھی عالمی سطح پر اہل السنۃ والجماعۃ کا ایک عظیم مرکز ہیں۔ مسلمانوں پر جب بھی غیر اسلامی افکار نے ہجوم کیا مسلمانوں نے انہی کے ہتھیاروں سے ان کو پسپا کیا۔ ما انا علیہ واصحابی سے عہد وفا باندھنے والوں کے خلاف معتزلہ وغیرہ اٹھے تو یہ متکلمین اسلام ہیں جنہوں نے انہیں ہر محاذ پر شکست دی۔

چودہویں صدی کے اوائل میں اہل بدعت پھر اہل سنت سے صف آراء ہوئے۔ اس تحریک کا آغاز بدایوں سے ہوا۔ پھر بریلی اس کا مرکز بنا اور مولانا احمد رضا خاں ۱۳۲۳ھ میں ایک تکفیری دستاویز لے کر حجاز پہنچے اب ضرورت تھی کہ ہندوستان میں اہل السنۃ والجماعۃ (علمائے دیو بند) پھر سے اپنے عقائد کا ایک خاکہ مرتب کریں۔ المہند ان کے انہی عقائد کی ایک تاریخی دستاویز ہے جس میں عقیدہ حیات النبی ﷺ پوری صراحت سے موجود ہے۔

اب آگے ذرا تاریخ کا رخ کریں اور واقعات کا تجزیہ کریں۔

الفصل الخامس: شواهد الحيات من بيان الوقعات

۱......واقعہ حرہ

اسلامی تاریخ کا یہ سانحہ یزید کے عہد حکومت میں پیش آیا۔ مظالم کربلا کے بعد ۶۳ھ میں مسلمانوں کی تاریخ اس خونی المیہ سے رنگی گئی۔ یزید نے اہل مدینہ پر جن میں بہت سے صحابہ کرامؓ اور اکثر تابعین کرامؒ تھے، فوج کشی کا حکم دیا۔ مسلم بن عقبہ شامی فوج کا سردار تھا۔ اس لشکر نے اپنے ڈیرے حرہ کے مقام پر ڈالے۔

"وحرة هذا ارض بظاهر المدينة لها حجارة سود كثيرة" (مجمع البحار ص ۲۵۶)

ترجمہ: حرہ مدینہ منورہ کے باہر وہ زمین ہے جہاں بہت سے سیاہ پتھر پائے جاتے ہیں۔

جب قتل عام اور لوٹ مار کا بازار گرم ہوا تو سب لوگ اپنے اپنے گھروں میں پناہ گزیں ہو گئے۔ اس وقت مسجد نبوی ﷺ میں حضرت سعید بن مسیبؒ کے سوا اور کوئی نہ تھا۔

حضرت سعید بن المسیب بڑے جلیل القدر تابعی تھے، ان کے عظمت شان کے باعث انہیں افضل التابعین کہتے ہیں۔ آپ نے سینکڑوں ان ہستیوں کو دیکھا جن کی آنکھیں آنحضرت ﷺ کی دولت دیدار سے بار ہا شرف یاب ہو چکی تھیں۔

امام دارمی، ابن سعد، ابو نعیم، زبیر بن بکار، اور علامہ ابن الجوزیؒ روایت کرتے ہیں کہ حضرت سعید بن المسیبؒ نے ارشاد فرمایا: "اذا حانت الصلوٰة اسمع اذانا يخرج من قبل القبر الشريف ... لا يأتي وقت الصلوٰة الا وسمعت الاذان من القبر ثم اقيمت الصلوٰة فتقدمت فصليت وما في المسجد احد غيري"

(خلاصۃ الوفا للسمہودی ص ۳۸)

ترجمہ: جب نماز کا وقت ہوتا تھا، میں قبر شریف سے اذان کی آواز سنتا تھا پھر اقامت بھی ہوتی اور میں اسی اقامت سے نماز پڑھتا، ان دنوں مسجد نبوی میں میرے سوا اور کوئی نہ ہوتا تھا۔

اسی واقعہ کو محدث شہیر علامہ سخاویؒ نے بھی القول البدیع میں نقل کیا ہے نواب صدیق حسن خاں صاحبؒ فرماتے ہیں: "ابن جوزی بسند متصل تا سعید بن المسیب لایا ہے۔" (جذب القلوب ص ۱۸۸ مدارج النبوت ج ۲ ص ۹۰۵)

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں: "وقضیہ سماع سعید بن المسیب ایام واقعہ حرہ اذان از حجرہ شریفہ تا سہ روز کہ مردم مفارقت مسجد نبوی کردہ بودند مشہور است"

ترجمہ: ایام حرہ میں سعید بن المسیبؒ، حجرہ شریفہ سے تین دن تک اذان سننے کا واقعہ بہت مشہور ہے۔ ان دنوں لوگ مسجد نبوی میں نہ آتے تھے۔

۲...... قبر سے آواز آنے کی ایک اور مثال

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ کے بعض صحابہؓ نے بے خبری میں ایک قبر پر خیمہ گاڑ دیا۔ اس سے سورہ تبارک الذی بیدہ الملک کی آواز آرہی تھی۔ حتیٰ کہ اس نے تمام سورۃ ختم کی صحابہ نے آکر یہ واقعہ حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں پیش کیا، تو آپ نے فرمایا: "هي المانعة المنجية وتنجيه من عذاب القبر"

ترجمہ: یہ سورت عذاب سے نجات دینے والی ہے۔

ا۔ سے امام بیہقی اور امام حاکمؒ نے بھی روایت کیا ہے حکیم الامت حضرت تھانویؒ نے بھی التکشف ص ۴۴۳ پر نقل فرمایا ہے، واللہ اعلم بالصواب وعلمہ اتم واحکم فی کل باب!

اسے اور مذکورہ سابقہ واقعہ حرہ کو "واقعہ حال" کہہ کر نظر انداز نہ کیا جائے۔ اکابر علمائے ثقات اسے ایک اصول ضابطے کے ماتحت ذکر کرتے ہیں۔ خاتم المحدثین حضرت مولانا السید انور شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: "ان كثيرا من الاعمال ثبت في القبور كالاذان والاقامة عند الدارمي وقرأة القران عند الترمذي" (فیض الباری ج ا ص ۱۸۵)

ترجمہ: بے شک بہت سے اعمال قبروں میں بھی ظہور پذیر ہوئے ہیں جیسے کہ دارمی کی روایت میں اذان اور اقامت کا وجود (واقعہ حرہ میں) اور ترمذی کی روایت سے قبر میں قرأت قرآن کا ثبوت ملتا ہے۔

۳...... واقعہ سلطان نور الدین شہید محمد بن زنگیؒ (۵۵۷ھ)

سلطان نور الدین شہیدؒ (شاہ مصر) نے ایک رات سردار انبیاء حضور نبی کریم ﷺ کو تین بار خواب میں دیکھا کہ وہ سامنے کھڑے دو شخصوں کی طرف اشارہ کر کے فرما رہے ہیں کہ "جی پہنچو اور مجھے ان دو شخصوں کے شر سے محفوظ کرو" سلطان نے اپنی فراست سے معلوم کر لیا کہ مدینہ منورہ میں کوئی بہت ناخوشگوار واقعہ پیش آرہا ہے۔ سلطان مذکور اسی وقت رات کے آخری حصے میں اپنے بیس خاص آدمیوں کے ساتھ بہت سامان ساتھ لے کر مدینہ منورہ کی طرف چل پڑا اور سولہ دنوں میں شام سے مدینہ منورہ پہنچا۔ (جذب القلوب ص ۱۱۱، مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۹۰۵)

آخر کار پتہ چلا کہ دو انگریز جو بظاہر بہت پرہیز گار اور عبادت گزار بنے ہوئے تھے، روضہ اطہر کے قریب ایک رباط میں مقیم ہو کر سرنگ کے ذریعے قبر منور تک پہنچنے کی کوشش کر رہے تھے۔ انہیں عیسائی بادشاہ نے اس ناپاک پروگرام کے ساتھ بھیجا ہوا تھا کہ جسد اطہر کو وہاں سے منتقل کر لیا جائے۔ یہ لوگ حاجی بن کر حرم شریف میں داخل ہوئے تھے۔ جس رات وہ روضہ اطہر کے قریب پہنچنے والے تھے، ابر وباراں اور رعد و برق کا ظہور ہوا زمین

کانپنے لگی اور صبح سلطان نور الدین مدینہ منورہ میں حاضر ہو گیا۔ سلطان کی آنکھیں اشکبار تھیں اور ایک عجیب کیفیت طاری تھی بالآخر ملعون فریب کار قتل کر دیئے گئے اور سلطان عادل نے حجرہ شریفہ کے گرد خندق کھدوا کر ایک سیسہ پلائی چار دیواری بنا دی تا کہ جسد اطہر تک پھر کسی کی رسائی نہ ہو سکے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں: ''ایں قصہ را جمیع مورخان مدینہ منورہ و مثل شیخ جمال الدین مطری و مجد الدین فیروز آبادی وغیر ایشاں از علمائے اعلام ذکر کردہ اند و تصحیح نمودہ'' (جذب القلوب ص ۱۹۰)

''قلت و کذلک فی خلاصة الوفاء باخبار دار المصطفی ص ۱۶۱ واتی الشیخ السمهودی بالاسناد و الاعتماد''

تتمة الفصل

۴......محب طبری ریاض النضرہ میں اس جیسا ایک اور عجیب واقعہ نقل کرتے ہیں

روافض حلب کی جماعت والی مدینہ کے پاس آئی اور اسے (مغالطہ یا) بہت سی رشوت اور لالچ دے کر اس پر آمادہ کر لیا کہ وہ انہیں رات کے وقت حجرہ شریفہ تک بازیابی دے (تا کہ وہ حضرت ابو بکر اور حضرت عمرؓ کے اجساد مطہرہ کو کسی اور جگہ منتقل کر سکیں) امیر نے دربان کو کہہ دیا کہ جب وہ آئیں، تو حرم کا دروازہ کھول دے اور انہیں کسی بات سے نہ روکے۔

دربان کہتا ہے کہ جب عشاء کی نماز ہو چکی اور تمام دروازے بند ہو گئے۔ چالیس رافضی کھودنے گرانے کے آلات اور شمع لے کر ''باب السلام'' پر آ گئے اور دروازہ کھٹکھٹایا میں نے امیر کے حکم کے مطابق دروازہ کھول دیا اور خود ایک گوشے میں بیٹھ کر رونے لگا۔ خدا کی قدرت کہ ابھی وہ منبر شریف کے برابر بھی نہ پہنچے تھے اور اس ستون کے قریب ہی تھے جو حضرت عثمانؓ کے ایزاد کردہ حصہ مسجد کے ساتھ ہے کہ تمام کے تمام اپنے سب آلات و سامان کے ساتھ نیچے دھنس گئے والی مدینہ جو بد مذہب اور منافق تھا، انجام کار کا منتظر تھا۔ اس نے مجھے بلایا اور ان لوگوں کا حال پوچھا میں نے جو کچھ دیکھا تھا پورے کا پورا سنا دیا۔

امیر نے کہا! کیا تو دیوانہ ہو گیا ہے، کیا کہہ رہا ہے؟

میں نے کہا! امیر خود جا کر دیکھ لیں۔ ان کے دھنسنے کے آثار[1] اور ان کے کپڑوں کے نشان ابھی باقی ہیں۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں: ''طبری نسبت ایں حکایت بہ ثقات مے کند کہ بہ صدق و دیانت مشہور اند و بعضی مورخان مدینہ نیز ذکر کردہ اند۔'' (جذب القلوب ص ۱۱۳)

(۱) ارشادات نبوت، (۲) خلفائے راشدینؓ کے نظریات قدسیہ، (۳) ام المؤمنینؓ اور (۴) صحابہ کرامؓ کے بیانات عالیہ، (۵) مذاہب اربعہ کی تصریحات، (۶) متکلمین کرام کے فیصلے اور شواہد، (۷) اور واقعات یکے بعد دیگرے آپ نے ملاحظہ فرما لیے۔ تاریخ اسلام کے ان مختلف ادوار میں حیات انبیاء علیہم السلام کا مسئلہ

---

[1] دھنسنے کے کچھ آثار اس لیے باقی رہ گئے تھے کہ وہ ملعونین کیفر کردار کو پہنچنے کے بعد وہاں سے اکھاڑ کر پھر کسی دوسری جگہ پھینکے جا سکیں۔ اس پاک سرزمین میں انہیں ہمیشہ کا استقرار کیسے مل سکتا تھا اگرچہ ''روضة من ریاض الجنة'' کی حدود آگے منبر شریف سے شروع ہوتی تھیں اور حجرہ شریفہ تک پہنچتی تھیں اور یہ جگہ جہاں یہ واقعہ پیش آیا تھا، اس قطعہ قدسیہ سے ذرا پہلے تھی تاہم اس کا بھی احترام قائم رکھا گیا۔ ان ملعونین کے جو حصے دھنسنے سے باقی رہ گئے۔ پھر ان پر حکم قتل جاری کیا گیا تھا۔ زیادہ تفصیل کے لیے تحفہ اثنا عشریہ فارسی ص ۱۰۶ مطبوعہ لکھنؤ دیکھئے......و راجع لہ کتاب الاستنصار للفاضل السمنانی القاضی

اس کثرت سے بیان ہوتا رہا کہ ان تمام نقول کا استقصاء اور دلائل کا احصار قریب قریب ناممکن ہے ہاں یہ حقیقت لطف سے خالی نہیں کہ جہاں تاریخ کے ہر دور میں یہ مسئلہ اتنے شد و مد سے سامنے آتا رہا، وہاں ایک مثال بھی نہیں ملتی کہ سواد اہل سنت کے کسی فقہی یا کلامی مسلک نے اس مرکزی نقطہ حیات سے سرمو بھی تجاویز کیا ہو۔ تاریخ کے ہر دور میں بعض ائمہ و اکابر اسے بیان کر دینا اور دوسرے اعیان امت میں سے کسی کا اس پر نکیر نہ کرنا، اس حقیقت کی واضح شہادت ہے کہ انبیائے کرام کی حیات برزخیہ کے جسمانی اور اسی دنیا والے جسم سے قائم ہونے پر اہل حق اہل سنت کا تاریخ ملت کے ہر دور میں اجماع رہا ہے۔

الفصل السادس: شهادات اجماع

(۱) محدث کبیر علامہ سخاویؒ تلمیذ خاتمۃ الحفاظ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ: ''نحن نؤمن و نصدق بانه ﷺ حی یرزق فی قبره ان جسده الشريف لا تأكله الارض والاجماع على هذه''

ترجمہ: ہمارا ایمان ہے اور ہم اس کی تصدیق کرتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں، آپ ﷺ کو وہاں رزق بھی ملتا ہے اور آپ ﷺ کے جسد اطہر کو مٹی نہیں کھاتی اور اس عقیدے پر اہل حق کا اجماع ہے۔

(۲) شیخ الاسلام محدث شہیر حضرت علامہ عینیؒ: ''ومذهب اهل السنة والجماعة ان في القبر حياة وموتا فلابد من ذوق الموتتين لكل احد غير الانبياء'' (عینی علی البخاری ج ۷ ص ۶۰۱)

ترجمہ: پورے اہل سنت والجماعت کا یہی مذہب ہے کہ قبر میں حیات اور پھر موت یہ دونوں سلسلے ہوتے ہیں پس ہر ایک کو دو موتوں کا ذائقہ چکھنے سے چارہ نہیں ماسوائے انبیاء کے (کہ وہ اپنی قبروں میں زندہ رہتے ہیں ان پر دوبارہ موت نہیں آتی)

(۳) علامہ محقق محمد عابد السندیؒ استاد حضرت شاہ عبد الغنی مجددیؒ: ''اما هم (ای الانبياء) فحياتهم لا شك فيها و خلاف لا احد من العلماء في ذلك... فهو ﷺ حي على الدوام'' (رسالہ مدنیہ ص ۴۱)

ترجمہ: انبیائے کرام کی حیات میں کوئی شک نہیں اور نہ علماء میں سے کسی کا اس سے اختلاف ہے۔ پس آپ ﷺ اب دائمی طور پر زندہ ہیں۔

(۴) حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ: ''حیات متفق علیہ است ہیچ کس را درو بے خلافے نیست۔''

ترجمہ: حضور انور ﷺ کی حیات ایک متفق علیہ اجماعی مسئلہ ہے، اس میں (اہل حق میں سے) کسی کا اختلاف نہیں۔ (اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۶۱۳)

(۵) شارح مشکوٰۃ نواب قطب الدین صاحب دہلویؒ: ''زندہ ہیں انبیاء علیہم السلام قبروں میں'' یہ مسئلہ متفق ہے۔ کسی کو اس میں خلاف نہیں کہ حیات ان کو وہاں حقیقی جسمانی دُنیا کی سی ہے۔ (مظاہر حق ج ۱ ص ۴۴۵)

(۶) قطب الاقطاب حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ: ''قبر کے پاس...... انبیاء کے سماع میں کوئی اختلاف نہیں'' (فتاوی رشیدیہ ص ۱۰۰)

ا۔ جن اعیان امت نے آنحضرت ﷺ کی اس حیات فی البرزخ کو دنیوی کہا ہے ان کی مراد صرف یہی ہے کہ آپ کا وہی بدن فائز الحیات ہے جو اس دنیا میں تھا نہ یہ کہ اس عالم دنیا کی حیات کے جمیع لوازم وہاں ثابت ہیں۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اس دنیوی حیات کا مفہوم ان لفظوں میں بیان فرماتے ہیں ''انبیاء کرام کو انہیں حیات دنیاوی کے تعلق کے اعتبار سے زندہ سمجھتا ہوں۔'' (لطائف قاسمیہ ص ۳)

تتمة الفصل

جمیع اہل سنت کا یہ متفقہ اور مجمع علیہ عقیدہ ہے تو پھر حیات جسمانی کا انکار کن کا مذہب ہے؟

(۱) شیخ الاسلام حضرت علامہ عینیؒ فرماتے ہیں: ''من انکر الحیوۃ فی القبر وھم المعتزلۃ ومن نحا نحوھم واجاب اھل السنۃ عن ذلک'' (عینی علی البخاری ج۷، ص۶۰۱)

ترجمہ: جن لوگوں نے آنحضرت ﷺ کی قبر کی زندگی کا انکار کیا ہے اور وہ معتزلہ اور ان کے ہم عقیدہ ہیں۔ اہل سنت نے ان کے دلائل کے جوابات دیئے ہیں۔

(۲) حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے بھی اسی انداز کو بیان فرمایا ہے کہ منکرین حیات اہل سنت میں سے نہیں ہیں۔

''قد تمسک بہ من انکر الحیوۃ فی القبر واجیب عن اھل السنۃ ... ان حیوتہ ﷺ فی القبر لا یعقبھا موت بل یستمر حیا'' (فتح الباری ج۷ ص۲۲ مصر)

ترجمہ: منکرین حیات فی القبر اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں اور اہل سنت کی طرف سے ان کا جواب دیا جاتا ہے کہ حضور ﷺ کی قبر کی زندگی ایسی ہے کہ دوبارہ اس پر موت نہیں اور آپ اب دائمی طور پر زندہ ہیں۔

(۳) حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوریؒ نے بھی اس عبارت کو حاشیہ بخاری ج۱ ص۵۱۷ پر نقل کیا اور تسلیم کیا ہے۔

مسئلہ کی حقیقت مختصر الفاظ میں

الفصل السابع: وفیہ اربعۃ من المباحث

المبحث الاوّل: حیات فی القبر

جمیع اہل السنۃ والجماعت اس بات پر متفق ہیں کہ مرنے کے بعد قبر میں (یا جہاں بدن میت پڑا ہو یا جہاں جہاں اجزائے بدن پھیلے ہوئے ہوں، سب میں) پھر روح سے تعلق قائم ہوتا ہے۔ یہ تعلق یا تو ''دخول روح در جسد'' سے قائم ہوتا ہے یا اس کا تحقق ''اتصال روح بجسد'' سے ہوتا ہے۔ جو صورت بھی ہو قبر میں زندگی ضرور ملتی ہے۔

سوال وجواب کی منزل گزرنے کے بعد پھر یہ تعلق کمزور ہو جاتا ہے اور اتنا کمزور کہ اسے ''موت فی القبر'' سے بھی تعبیر کر سکتے ہیں۔ اس منزل میں حیات صرف اس درجہ میں باقی ہوتی ہے کہ ثواب وعذاب کا ادراک ہوتا رہے اور ہو سکتا ہے کہ حیات کا یہ درجہ روح کے بغیر ہو۔ اس لیے کہ روح اور حیات میں تلازم محض ایک امر عادی ہے کہ عام عادت الٰہی اسی طرح جاری ہے عقلی یا شرعی نہیں۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ بہت سے اشاعرہ اور حنفیہ روح وحیات کے اس تلازم کے قائل نہیں۔

خیر! یہ تو سوال وجواب کی منزل کے بعد کی بات ہے کہ اس درجے کی حیات روح کے ساتھ قائم ہوتی ہے یا روح کے بغیر، لیکن اس پر سب اہل تحقیق متفق ہیں کہ اس منزل سے پہلے کی ''حیات فی القبر'' روح کے ساتھ ہی قائم ہوتی ہے خواہ ''اعادہ روح بجسد'' کے ساتھ خواہ ''اتصال روح بجسد'' کے ساتھ۔ بہر حال اس حیات کے تعلق بالروح سے چارہ نہیں۔ یہ امر مجمع علیہ اور یقینی ہے کہ دفن کے بعد قبر کی پہلی منزل میں ایک دفعہ پھر تعلق بالروح سے زندہ کیا جاتا

ہے اور اس منزل کے گزرنے کے بعد عامۃ الناس میں روح کا استقرار نہیں رہتا۔ اس زندگی پر پھر ایک دفعہ موت آتی ہے۔ ہاں یہ اماتت حقیقی نہیں ہوتی اور اس درجہ میں احساس باقی رہتا ہے کہ ثواب و عذاب کا ادراک ہوتا رہے۔

طریق حیات فی القبر

دفن ہونے کے بعد قبر کی پہلی منزل میں یہ حیات کیسے حاصل ہوتی ہے اس باب میں سواد اعظم کے دو طبقے ہیں۔ ایک اعادہ روح کا قائل ہے اور دوسرا اتصال روح کا مسلک رکھتا ہے۔ اس میں ترجیح کسے حاصل ہے، براہ راست یہ ہمارا موضوع نہیں، ہاں یہ امر یقینی اور متفق علیہ ہے کہ بدن مدفون ایک دفعہ پھر تعلق بالروح سے فائز الحیات ہوتا ہے اور اس کے بعد قبر کی دوسری منزل میں ایک دفعہ پھر حکمی موت وارد ہوتی ہے۔ اور یہ امر بھی اجماعی اور یقینی ہے کہ انبیاء علیہم السلام پر یہ دوسری موت قطعاً نہیں آتی۔ ان کے لیے ایک ہی دفعہ موت کی لذت شناسی ہے اور صحابہ کرام ؓ کا سب سے پہلا اجماع اسی مسئلے پر ہوا تھا۔ آنحضرت ﷺ کی ''حیات فی القبر'' کے متعلق بھی یہی دو نظریے بیان کیے جاتے ہیں بعض حضرات اعادہ روح کے قائل ہیں اور بعض اتصال روح یا تاثیر روح کا مسلک رکھتے ہیں۔

یہ دونوں مسلک اسی ایک پہلے اختلاف کا نتیجہ ہیں کہ قبر کی حیات ثانیہ اعادہ روح سے حاصل ہوتی ہے۔ پھر اول الذکر مسلک زیادہ صحیح ہے اور اگر اس حیات کا تحقق اتصال روح سے ہے تو پھر ثانی الذکر نظریہ زیادہ صحیح ہوگا۔

آیئے! چلتے ہوئے یہ بھی دیکھتے جائیں کہ حیات فی القبر اعادہ روح سے قائم ہوتی ہے یا اتصال روح۔

حضرت براء بن عازب ؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''فتعاد روحه فی جسده فیأتیه ملکان فیجلسانه فیقولان له من ربک... الحدیث رواه احمد'' (مشکوٰۃ ص ۱۴۲ سطر ۱۹)

ترجمہ: پس اس مرنے والے مومن کی روح پھر اس بدن میں لوٹائی جاتی ہے اور دو فرشتے اس کے سامنے آتے ہیں۔ پس اسے بٹھلاتے ہیں اور پھر سوال و جواب کا سلسلہ ہوتا ہے۔

''والحدیث صحیح'' (تنقیح الرواۃ ج ۱ ص ۳۱۷)

حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں: ''رواہ الامام احمد و ابو داؤد وروی النسائی و ابن ماجة اوله ورواہ ابو عوانة الاسفرائنی فی صحیحه وذهب الی القول بموجب هذا الحدیث جمیع اهل السنة والحدیث من سائر الطواف'' (کتاب الروح ص ۵۱)

''النص الصحیح الصریح وهو قوله ﷺ "فتعاد روحه فی جسده"'' (ایضاً ص ۵۲)

''فالحدیث صحیح لا شک فیه'' (ایضاً ص ۵۶)

''رواہ احمد محتج بهم فی الصحیح والحدیث حسنة المنذری ورواہ ایضا ابو داؤد والحاکم وابن ابی شیبة وابن منده ابو نعیم وابو عوانة الاسفرائنی فی صحیحه من طرق صحیحة والبیهقی وقال هذا حدیث صحیح الاسناد'' (تنقیح الرواۃ فی تخریج احادیث المشکوٰۃ ج ۱ ص ۳۱۴)

ابن مندہ کی پوری روایت حافظ ابن قیمؒ نے کتاب الروح ص ۵۶ تا ص ۵۸ نقل کی ہے اس میں ایسے الفاظ بھی ملتے ہیں کہ رب العزت ملائکہ سے فرماتے ہیں: ''ردوا روح عبدی الی الارض فانی وعدتهم ان اردهم فیها''

ترجمہ: میرے بندے کی روح پھر زمین کی طرف لوٹا دو، میرا وعدہ ہے کہ میں انہیں پھر زمین میں لوٹاؤں گا۔

اس کا حاصل یہی ہے کہ مرنے والوں کی روحیں علیین یا سجین سے تعلق قائم کرکے وہاں سے ہوکر پھر زمین

کی طرف لوٹائی جاتی ہیں۔ اعادہ روح کی اس حدیث کے متعلق حافظ ابن قیم ؒ فرماتے ہیں: ''هذا حديث ثابت مشهور مستفيض صححه جماعة من الحفاظ و لا نعلم احدا من ائمة الحديث طعن فيه بل ورد وه في كتبهم وتلقوه بالقول وجعلوه اصلامن اصول الدين'' (کتاب الروح ص ۵۹)

ترجمہ: یہ حدیث ثابت ہے۔ مشہور اور مستفیض ہے، حفاظ حدیث کی ایک پوری جماعت نے اس کی تصحیح کی ہے اور ائمہ حدیث میں سے کسی نے اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا، بلکہ اسے اپنی کتابوں میں جگہ دی ہے، اسے قبول کیا ہے اور اس کو اصول دین میں سے ایک اصل قرار دیا ہے۔

المبحث الثاني: رد الاشتباهات في تحقيق الروات

حافظ ابن تیمیہؒ کا ارشاد: ''قال الحافظ ابو نعيم الاصفهاني واما حديث البراء رواه المنهال بن عمرو عن زاذان عن البراء فحديث مشهور رواه عن المنهال الجم الغفير ورواه عن البراء عدى بن ثابت ومحمد بن عقبة وغيرهما ورواه عن زاذان عطاء بن السائب قال وهو حديث اجمع رواة الاثر على شهرته واستفاضته وقال الحافظ ابو عبدالله بن مندة هذا الحديث اسناده متصل مشهور رواه جماعة عن البراء''
(شرح حدیث النزول ص ۷۴ للحافظ ابن تیمیہ)

حافظ ابن قیمؒ کا ایک اور حوالہ: ''وهو حديث صححه جماعة من الحفاظ''
(اجتماع جيوش الاسلامية على غزو المعطلة الجهمية لابن القيم ص ۴۷)

امام احمد کی پہلی روایت کے متعلق بعض حضرات کہتے ہیں کہ: اس میں ایک راوی منہال بن عمرو ہے اور وہ ''فتعاد روحه في جسده'' کے قطعہ روایت میں منفرد ہے، ابن حزم نے اس کے متعلق کہا ہے: ''ليس بالقوى''

جواباً عرض ہے کہ منہال بن عمرو کو امام جرح وتعدیل امام یحییٰ بن معینؒ نے ثقہ کہا ہے۔ امام عجلیؒ بھی اس کے ثقہ ہونے پر نص فرماتے ہیں۔ ابن حزم چونکہ عذاب قبر کے قائل نہ تھے اور یہ حدیث ان کے اعتقاد کی تردید کرتی تھی اس لیے انہوں نے اس حدیث کی تضعیف کر دی۔ اور منہال بن عمرو کو ضعیف کہہ دیا۔ تنقیح الرواۃ میں ہے: ''وفي اسناد الحديث منهال بن عمرو وثقه ابن معين والعجلي وقد تكلم ابن حزم في المنهال ولا يلتفت لكلام بن حزم بعد احتجاج الشيخين به ولما رأى ابن حزم حديث المنهال راداً على معتقده في انكار عذاب الاجساد في قبورها طعن فيه وطعنه مردود والحديث صحيح'' (تنقیح الرواۃ ج ۱، ص ۳۱۴)

ترجمہ: اس حدیث کی سند میں منہال بن عمرو ہے، اسے امام یحییٰ بن معینؒ اور عجلیؒ ثقہ قرار دیتے ہیں۔ ابن حزمؒ نے اس پر کلام کیا ہے، لیکن اس کی کوئی پرواہ نہ کی جائے کیونکہ حدیث کے دو بڑے امام اسے حجت مان رہے ہیں۔ ابن حزمؒ چونکہ عذاب قبر کے جسمانی ہونے کے قائل نہ تھے اور یہ حدیث ان کے عقیدہ کی تردید کر رہی تھی اس لیے انہوں نے اس پر جرح کر دی۔ حالانکہ حدیث صحیح ہے اور اس پر طعن مردود ہے۔

حافظ ابن قیمؒ لکھتے ہیں: ''فالمنهال احد الثقات العدول قال ابن معين المنهال ثقة وقال العجلي كوفي ثقة واعظم ما قيل فيه انه سمع من بيته صوت غناء وهذا لا يوجب القدح في روايته واطراح حديثه وتضعيف ابن حزم له لاشئ فانه لم يذكر موجبا لتضعيفه غير تفرده بقوله فتعاد روحه في جسده وقد بينا انه لم يتفرد بها بل رواها غيره فقد روى ماهو ابلغ منها'' (کتاب الروح ص ۵۹)

ترجمہ: منہال عادل اور ثقہ لوگوں میں سے ہیں۔ ابن معین اور عجلی انہیں ثقہ کہتے ہیں زیادہ سے زیادہ ان پر جو اعتراض ہے، وہ یہی ہے کہ ایک دفعہ ان کے گھر سے گانے کی آواز سنی گئی تھی (یہ بھی قیل سے مذکور ہے معلوم نہیں صحیح ہے یا غلط نیز اس کا مرتکب کون تھا اور کون نہیں) اور یہ اس کی روایت میں موجب قدح نہیں اور ابن حزم کا اسے ضعیف کہنا بالکل لاشئے ہے۔ اس نے صرف اس کا تفرد ہی بیان کیا ہے اور ہم ثابت کر آئے ہیں کہ وہ متفرد نہیں۔

دوسرا اعتراض

حضرت براء بن عازب سے اس حدیث کو زاذان نقل کر رہا ہے اور اس کا سماع حضرت براء سے ثابت نہیں۔ علاوہ ازیں وہ بھی اس روایت میں متفرد ہے۔ نیز اس میں بھی ابن حزم کو کلام ہے۔

جواباً گزارش ہے کہ حافظ ابوعوانہ اسفرائنیؒ نے زاذان کندی کا حضرت براء سے صیغہ سماع نقل کیا ہے پس اس اعتراض کی بھی کوئی حقیقت باقی نہیں رہتی۔

حافظ ابن قیم لکھتے ہیں: ''ھذہ العلة باطلة فان اباعوانة الاسفرائنی رواہ فی صحیحہ باسنادہ قال عن ابن عمرو زاذان الکندی قال سمعت البراء'' (کتاب الروح ص ۵۹)

ترجمہ: یہ علت باطل ہے کیونکہ امام ابوعوانہ اسفرائنی نے اسے اپنی صحیح میں اپنی سند سے روایت کیا ہے اور اس میں اس کے سماع کی تصریح کی ہے۔

تفرد زاذان کے متعلق فرماتے ہیں: ''فالحدیث لاشک فیہ صحیح وقد رواہ عن البراء بن عازب جماعة غیر زاذان منھم عدی بن ثابت ومحمد بن عقبة ومجاھد'' (ایضا ۵۶)

ترجمہ: پس حدیث صحیح ہے اس میں کسی قسم کا کوئی شک نہیں۔ براء سے اسے زاذان کے علاوہ اور لوگوں نے بھی روایت کیا ہے انہیں میں عدی بن ثابت، محمد بن عقبہ اور مجاہد بھی ہیں۔

اور توثیق راذان کے متعلق ملاحظہ ہو: ''امام یحییٰ بن معینؒ انہیں ثقہ قرار دیتے ہیں، ابن سعدؒ ثقہ اور کثیر الحدیث کہتے ہیں، خطیب اور عجلی نے بھی ثقہ کہا ہے، ابن عدی اور حاکم نے بھی توثیق کی ہے۔''

(تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۳۰۳)

علامہ عزیزیؒ اس کی روایت کے متعلق لکھتے ہیں: ''حدیث صحیح'' (السراج المنیر ج ۱ ص ۵۱۴ مصر)

حافظ ابن قیم فرماتے ہیں: ''وزاذان من الثقات روی عن اکابر الصحابة کعمر وغیرہ وروی لہ مسلم فی صحیحہ قال یحییٰ بن معین ثقة قال حمید بن ھلال وقد سئل عنہ ھو ثقة لاتسئل عن مثل ھؤلا''

(ایضاً ص ۵۹)

ترجمہ: زاذان ثقہ راویوں میں سے ہے اس نے حضرت عمرؓ جیسے اکابر صحابہؓ سے روایات لیں ہیں۔ امام مسلمؒ نے صحیح مسلم میں اس کی روایت لی ہے۔ یحییٰ بن معینؒ اسے ثقہ کہتے ہیں، حمید بن ہلال سے زاذن کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا، ایسے قابل اعتماد لوگوں کے متعلق پوچھنے کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔

المبحث الثالث: اعادۂ روح کے متعلق متکلمین کا موقف

تفصیلات مذکورہ کے پیش نظر محدثین کا موقف تو بالکل بے غبار ہے کہ وہ طریق حیات فی القبر کے باب

میں ''اعادہ روح'' کے قائل ہیں لیکن متکلمین کے متعلق عام طور پر یہی رائے ہے کہ وہ اعادہ روح کے قائل نہیں، بلکہ اتصال روح سے بدن مدفون میں حیات تسلیم کرتے ہیں۔

حضرت مولانا عبدالحکیم سیالکوٹیؒ لکھتے ہیں: ''لیس المراد بالحیّ ھھنا ما یعاد فیہ الروح ویصدر عنہ الافعال الاختیاریۃ بل ما بہ یدرک الالم واللذۃ فاذا خلق اللہ فیہ ادراکا... یکون حیا لا جمادا''

(عبدالحکیم علی الخیالی ص ۱۱۸)

ترجمہ: اس جگہ سے ''حی'' سے مراد یہ نہیں کہ اس میں روح لوٹائی گئی ہو، اور اس سے افعال اختیاریہ صادر ہوتے ہیں بلکہ حیات سے مراد یہ ہے کہ وہ الم ولذت کا ادراک کر سکے۔ اس انداز حیات سے بھی وہ جماد ہونے سے نکل جاتے ہیں اور زندہ ہوتے ہیں۔

تحقیق المقام

اس مقام پر تین مسلک بیان کیے جاتے ہیں:

(۱) میت کو قبر میں زندگی ملتی ہے پس عذاب قبر برحق ہے۔ یہ مسلک اہل سنت والجماعۃ کا ہے۔

(۲) میت قبر میں جماد محض ہے پس عذاب قبر کچھ نہیں۔ یہ جمہور معتزلہ وروافض کا مسلک ہے۔

(۳) میت ہے تو قبر میں جماد اور بے جان، مگر اس پر عذاب پھر بھی ہوتا ہے یہ مسلک معتزلہ کی شاخ صالحیہ اور فرقہ کرامیہ کا ہے۔

خیالی کی عبارت ''جوز بعضھم تعذیب غیر الحی'' میں اس تیسرے مسلک کا بیان ہے۔ اس پر حضرت مولانا سیالکوٹیؒ انہیں الزام دیتے ہیں جسے ہم اپنے لفظوں میں بیان کرتے ہیں: کہ جب تم میت کے لیے قبر میں عذاب مانتے ہو تو پھر تمہارا اسے جماد کہنا کیسے درست ہوسکتا ہے؟ جماد تو اسے ہی کہتے ہیں جس میں کہ کوئی احساس نہ ہو، پس اسے عذاب ہونے کا تصور بھی نہیں ہوسکتا اور اگر اس میں اتنا احساس ہے کہ الم ولذت کا ادراک کر سکے، تو پھر اس کے لیے زندگی ثابت ہوگئی، جماد محض نہ رہا۔

اس مقام پر مولانا سیالکوٹیؒ حیات میت کی تشریح میں وہ عبارت لکھتے ہیں جو کہ پہلے لکھی گئی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہاں مولانا مرحوم صالحیہ اور کرامیہ کو الزام دے رہے ہیں کہ جو ''صورت عذاب قبر'' تم تجویز کر رہے ہو، اس سے بھی حیات قبر لازم آرہی ہے۔ ہاں اس صورت حیات میں اعادہ روح لازم نہیں۔ چنانچہ ''نبراس علی شرح العقائد'' میں ایسی جواب پر لکھا ہے: ''ھذا اجواب اشکال اوردہ المعتزلۃ مستدلین بقولہ تعالیٰ لا یذوقون فیھا الموت الا الموتۃ الاولیٰ'' (نبراس ص ۳۲۲)

ترجمہ: یہ تو ایک اشکال کا جواب تھا جو معتزلہ نے اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے پیش کیا تھا ''وہ نہیں چکھیں گے وہاں کوئی اور موت ان کے لیے تو وہی موت ہے جو آ چکی''

یہ صورتِ جواب کیوں اختیار کی گئی؟

اس لیے کہ اعادہ روح کا مضمون متکلمین کے نزدیک حدیث براء بن عازبؓ کی رو سے خبر واحد سے ثابت ہو رہا تھا اور معتزلہ خبر واحد کی حجیت کے قائل نہ تھے۔ پس انہیں اعادہ روح کی روایت سے قائل نہ کیا جاسکتا

تھا۔ ہاں عذاب قبر کی روایات چونکہ حد تواتر تک پہنچ رہی تھیں اور ان کی رو سے میت مدفون کے لیے لذت والم کا ادراک ثابت ہو رہا تھا اس لیے یہاں اسے ہی حیات میت ثابت کرنے کے لیے ایک زینہ بنایا گیا۔ معتزلہ اور کرامیہ یقیناً اس کے جواب باصواب سے عاجز تھے۔

اب سوال یہ ہے کہ متکلمین نے "میت میں پھر روح نہ لوٹنے کو" کیا تحقیق واقعی کے طور پر بیان کیا ہے یا یہ صرف ایک الزامی شکل جواب تھی اور متکلمین کا اصل مسلک وہی ہے جو محدثین کا تھا؟ شرح نبراس میں اس حقیقت سے اس طرح نقاب کشائی کی گئی ہے: "وعندی فی هذا الجواب بحث وهو ان الاحادیث الصحیحة ناطقة بان الروح تعاد فی الجسد عند السوال فالجواب بانکار الاعادة غیر موجه وقد اجاب المشائخ عن هذه الآیة بوجوه"

ترجمہ: میرے نزدیک یہ جواب محل نظر ہے اس لیے کہ احادیث صحیحہ پکار پکار کر کہہ رہی ہیں کہ روح پھر جسم میں لوٹائی جاتی ہے پس اعادہ روح کا انکار کر کے معتزلہ کو جواب دینا ٹھیک نہیں معتزلہ نے ان کی پیش کردہ آیت کے اور کئی جواب دیئے ہیں۔ (نبراس ص ۳۲۲)

"سائر الاحادیث الصحیحة المتواترة تدل علی عود الروح الی البدن اذ المسئلة للبدن بلا روح قول قاله طائفة من الناس وانکره الجمهور وکذلک السوال للروح بلا بدن قاله ابن میسرة وابن حزم ولو کان کذلک لم یکن للقبر بالروح اختصاص" (شرح حدیث النزول للحافظ تیمیہ ص ۵۱)

"هذا قول منکر عند عامة اهل السنة والجماعة[1]" (ایضاً ص ۸۸)

"واذا قبضت الروح عرج بها الی الله فی ادنی زمان لم تعاد الی البدن فتسأل وهی فی البدن" (ایضاً ص ۸۷)

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے بھی تحفہ اثناعشریہ میں "حیات فی القبر" کا حکمی ہونا روافض کے آیت مذکورہ سے استدلال کرنے کے جواب ہی میں تحریر فرمایا ہے۔ حق یہی ہے کہ محدثین کا مسلک اس باب میں بالکل بے غبار ہے اور متکلمین بھی تحقیقاً انہی کے ساتھ ہیں اس کے علاوہ جو کچھ بھی صورت جواب ہے وہ معتزلہ کے پیدا کردہ اشکالات کے پیش نظر ہے جب جملہ اموات کے لیے اعادہ روح ثابت ہے تو انبیاء علیہم کو کس دلیل کی بناء پر مستثنٰی کیا جاتا ہے؟ علامہ سبکی فرماتے ہیں: "وعود الروح الی البدن ... فی سائر الموتٰی فضلا عن الشهداء فضلا عن الانبیاء وانما النظر فی استمرارها فی البدن" (شفاء السقام ص ۱۵۹)

ترجمہ: روح کا بدن میں پھر دوبارہ لوٹنا یہ تو تمام اموات کے لیے ثابت ہے۔ شہدا اور انبیاء پر تو بدرجہ اولیٰ اس کا تحقق ہوگا بحث صرف اس میں ہے کہ روح پھر بدن میں دائما رہے گی یا یہ تعلق ٹوٹے گا۔

احادیث شریفہ میں "حیات فی القبر" کے لیے اعادۂ روح تو نہایت صحیح اور متواتر المعنی روایات سے ثابت ہے۔ لیکن قبر کی پہلی منزل گزرنے کے بعد بدن یا اجزائے بدن میں ادراک الم ولذت کا کچھ اثر چھوڑتے ہوئے یہ روح پھر نکل جاتی ہے یا وہیں استقرار پذیر رہتی ہے؟ یہ معاملہ غور طلب ہے۔

---

[1] اس عقیدہ کی تائید میں کہ قبر کے سوال وجواب روح اور بدن کے مجموعہ سے متعلق ہیں۔ علامہ صدرالدین الحنفی کی یہ تصریح بھی ملاحظہ کیجئے: "وکذلک عذاب القبر یکون للنفس والبدن جمیعا باتفاق اهل السنة والجماعة تنعم النفس وتعذب مفردة عن البدن ومتصلة به" (شرح العقیدہ الطحاویہ ص ۳۲۰)

حافظ ابن قیمؒ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ سے نقل کرتے ہیں: ''قال شیخ الاسلام الاحادیث الصحیحۃ المتواترۃ تدل علی عود الروح الی البدن وقت السوال'' (کتاب الروح ص ۶۲)

ترجمہ: احادیث صحیحہ متواترہ بتا رہی ہیں کہ سوال قبر کے وقت روح پھر بدن میں لوٹائی جاتی ہے۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ بھی لکھتے ہیں: ''قطع می کنم بعود حیات مر ہر میت را چنانکہ در احادیث ورود یافتہ'' (جذب القلوب ص ۱۸۵)

اس منزل کے بعد پھر روح رخصت ہو جاتی ہے۔ یہ ایسی حقیقت ہے جس سے کسی شخص کو اختلاف نہیں اور جملہ فرق اہل اسلام کا اس پر اجماع ہے کہ عامۃ الاموات کے لیے اعادہ روح کے ساتھ قبر کی زندگی ہمیشہ نہیں۔ عود روح تو احادیث صحیحہ صریحہ سے ثابت ہے۔ لیکن پھر اس کی مفارقت؟ یہ امر اجماع اور تواتر طبقاتی سے منقول ہے۔ ہاں انبیائے کرام علیہم السلام کے لیے یہ مفارقت قطعاً ثابت نہیں اور جس طرح عامۃ الاموات کے لیے اس مفارقت کا پتہ اجماع سے چلتا ہے، اسی طرح انبیاء علیہم السلام کے لیے اس عدم مفارقت پر بھی اجماع اور تواتر طبقاتی قائم ہے۔ فافہم و تدبر!

المبحث الرابع: اعادۂ روح اور اتصال روح میں موازنہ

حیات فی القبر کے لیے اعادۂ روح تو احادیث صحیحہ صریحہ سے ثابت ہے۔ اسی اصل کے مطابق انبیاء علیہم السلام کے اجساد مطہرہ میں ارواح قدسیہ دوبارہ لوٹائی جاتی ہیں۔ صورت زیر بحث صرف یہ رہ جاتی ہے کہ جس طرح جملہ اموات کے لیے پھر روح کی مفارقت ہوتی ہے کیا انبیاء علیہم السلام کی ارواح قدسیہ بھی پھر معرض مفارقت میں آجاتی ہیں؟ اہل سنت کے ہاں یہ مفارقت کہیں ثابت نہیں ہوتی۔

اتصال روح کا مؤقف اثبات حیات کے باب میں اگرچہ نہایت کافی ووافی ہے اور اس صورت کیفیت میں بھی انبیاء علیہم السلام کی اپنی اپنی قبروں میں حیات عنصری جسمانی کی قطعاً نفی نہیں ہوتی، تاہم دیکھنا یہ ہے کہ اس صورت کیفیت کی اصل کیا ہے؟

بات دراصل یہ ہے کہ اتصال روح کا موقف کسی نص صریح پر مبنی نہیں۔ بلکہ علمائے کبار نے مختلف نصوص میں تطبیق دینے کے لیے اسے اجتہادی طور پر اختیار کیا تھا بعض مقامات پر ارواح قدسیہ کے اعلیٰ علیین میں ہونے کی خبر دی گئی تھی اور دوسری طرف انبیاء کرام کے اپنی اپنی قبور شریفہ میں زندہ ہونے اور عند القبر خود سننے کا صحیح روایات سے ثبوت ملتا تھا اب بعض علماء کا ذہن بجائے اس کے کہ ابدان مطہرہ کو ارواح قدسیہ کا مستقر قرار دے کر اعلیٰ علیین سے ایک قوی تعلق پیدا کریں، ادھر منتقل ہوا کہ ارواح قدسیہ کو وہاں مان کر ابدان مدفونہ سے ایک قوی علاقہ حیات تسلیم کر لیا۔

خلاصہ یہ کہ اعادہ روح کا مؤقف من حیث الاصل احادیث صحیحہ صریحہ پر مبنی ہے اور اتصال روح کا مؤقف علمائے کبار نے محض تطبیق بین الروایات کی خاطر اجتہادی طور پر اختیار کیا تھا بیہقی وقت حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتیؒ لکھتے ہیں: ''انہ ﷺ قال من صلی علیّ عند قبری سمعتہ و من صلی علیّ نائیا بلغتہ فکیف التطبیق؟ قلنا وجہ التطبیق ان مقر ارواح المومنین فی علیین او فی السماء السابعۃ و نحو ذلک کما مر و مقر ارواح الکفار فی سجین ومع ذلک لکل روح منہا اتصال بجسدہ فی قبرہ لا یدرک کنہہ الا اللہ تعالٰی و بذلک الاتصال یصح ان یعرض علی الانسان المجموع المرکب من الجسد و الروح مقعدہ من الجنۃ او النار و یحس اللذۃ و الالم و یسمع سلام الزائر'' (مظہری ج ۱۰ ص ۲۲۴، ص ۲۲۵ ہند)

ترجمہ: حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص میری قبر کے پاس آ کر مجھ پر درود پڑھے اسے میں خود سنتا ہوں اور دور کا پڑھا مجھے پہنچایا جاتا ہے (اور یہ بھی سابقاً گزرا کہ ارواح طیبہ علیین میں ہوتی ہیں) پس دونوں مضمونوں میں تطبیق کیسے ہوگی؟ ہم کہتے ہیں ارواح مومنین کا مقر تو علیین یا ساتویں آسمان ہی میں ہے۔ اسی طرح ارواح کفار مقام سجین میں ہی رہتی ہیں، لیکن ان حقائق کے باوجود ہر روح کا تعلق قبر میں پڑے جسد (یا اجزائے جسد) سے بھی ضرور ہوتا ہے۔ اس تعلق کی پوری حقیقت کو اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں ہاں روح کے جسد کے ساتھ اس طرح متصل ہونے سے ایسی صورت پیدا ہو جاتی ہے کہ معاملات قبر روح و جسد کے مجموعہ سے ہوتے ہیں اور الم ولذت کا ادراک اسی طرح واقع ہوتا ہے۔

پس جب اعادہ روح کا موقف من حیث الاصل منصوص اور اتصال روح کا موقف من حیث الاستدلال اجتہادی ہے تو اگرچہ بہر صورت کیفیت قبر شریف کی حیات عنصری جسمانی نہایت واضح طور پر ثابت ہے۔ تاہم اتصال روح کا موقف اختیار کرنے سے نصوص پر اجتہاد کی ترجیح لازم آتی ہے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ جمہور محدثینؒ اور اکابر علمائے دیوبند اسی صورت کیفیت حیات کے قائل ہیں جس کی اصل احادیث صحیحہ صریحہ پر مبنی ہے۔

روح و بدن کے تعلق کے کھلے آثار

عالم برزخ میں روح و بدن کا تعلق برزخی ہے۔ ضروری نہیں کہ اسے عام لوگ بھی دیکھ پائیں لیکن اللہ رب العزت کبھی ان برزخی امور سے پردہ اٹھا بھی لیتے ہیں ایسے اٹھے پردے بھی دنیا نے بارہا دیکھے ہیں ہم پہلے بہت سے ایسے واقعات پیش کر آئے ہیں۔ حضرت حذیفہ اور حضرت جابر ﷜ کی قبریں چودھویں صدی میں کھلیں تو لوگوں نے ان کے ابدان مبارکہ کو بالکل محفوظ پایا۔

ایک صاحب سید الطاف حسین بیان کرتے ہیں: ''قبر سے نکلے ہوئے جنازوں کی موجودگی اور خلق کی آہ وبکا نے قیامت کا نمونہ برپا کر دیا تھا اکثر آدمی روتے روتے بیہوش ہو گئے۔ نعشیں تیرہ سو سال گزرنے کے بعد بھی بالکل سالم تھیں۔ کفن ہاتھ لگانے سے بوسیدہ تھا۔ ایک صاحب کی داڑھی سفید تھی اور ایک کی سیاہ۔''

(صدق لکھنؤ ۱۱، دسمبر ۱۹۴۴ء)

یہاں ہم صرف یہ بات کہنا چاہتے ہیں کہ بعد الوفات تحفظ اجساد کا وعدہ انبیائے کرام علیہم السلام سے ہے لیکن تاریخ بتاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام علیہم السلام کے علاوہ بعض دوسرے اجساد کریمہ کو بھی تحفظ سے مشرف فرمایا ہے اور یہ ان کے اہل حق میں سے ہونے کا ایک کھلا دنیوی نشان ہے۔

جن حضرات کے جسد قبر کھلنے پر اس طرح سلامت پائے گئے یہ ان کے اہل حق ہونے کا کھلا آسانی نشان ہے۔ مسئلہ خلافت اس راہ سے بہت آسانی سے حل ہو جاتا ہے، اگر یہ حضرات حضرت ابوبکر صدیقؓ کو حضور ﷺ کا خلیفہ بلافصل مانتے رہے تو یہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت کے حق ہونے کا کیوں آسانی نشان نہ ہوگا۔

انبیاء کرام علیہم السلام کے علاوہ بعض دوسرے مقربین کے اجساد کا بھی تحفظ

مدتوں بعد ان کا قبروں سے سلامت نکلنا

(۱) جب حضرت امیر معاویہؓ نے اپنے عہد حکومت میں مدینہ منورہ میں ایک نئی نہر کھدوانے کا حکم دیا تو اس کی

گزرگاہ میں اتفاق سے قبرستان احد آتا تھا۔ آپ نے حکم دیا کہ ان مدفونین کو یہاں سے اٹھا کر دوسری جگہ دفن کر دیا جائے۔ جب قبریں کھولی گئیں تو شہدائے احد اپنی اصل حالت پر بالکل تر و تازہ تھے کھودتے ہوئے اتفاق سے ایک کدال حضرت حمزہؓ کے پاؤں کے قریب جا لگی، اسی وقت خون جاری ہو گیا یہ واقعہ جنگ احد سے قریباً ۵۰ سال بعد کا ہے۔

(۲) بیہقی نے روایت کیا ہے کہ فاطمہ بنت خزاعیہ نے حضرت حمزہؓ کی قبر پر سلام کیا: "السلام علیک یا عم رسول اللہ ﷺ"

وہاں سے جواب آیا: "علینا و علیکم السلام و رحمۃ اللہ"

(۳) حضرت عمرو بن جموح انصاریؓ بھی شہدائے احد میں سے تھے جب سیلاب نے ان کی قبروں کو کھول ڈالا، تو یوں معلوم ہوتا تھا، گویا کہ کل دفن کیے گئے ہیں۔ جنگ احد اور اس واقعہ سیلاب کے مابین ۴۶ سال کا فرق تھا۔

"فوجدا لم یتغیرا کانھما ماتا بالامس و کان احدھما قد جرح فوضع یدہ علی جرحہ فدفن وھو کذلک فامیطت یدہ عن جرحہ ثم ارسلت فرجعت کما کانت" (مؤطا امام مالک، ص ۱۷۷)

ترجمہ: پس ان دونوں کو اس طرح پایا گیا گویا وہ ابھی فوت ہوئے ہیں۔ دونوں میں سے ایک کو ایسا زخم لگا تھا کہ انہوں نے اپنا ہاتھ اس پر رکھا تھا اور اسی طرح انہیں دفن کر دیا گیا تھا پس جب اطن کا ہاتھ اس زخم سے ہٹایا گیا اور پھر چھوڑ دیا گیا تو وہ وہیں آ گیا جہاں کہ تھا۔

(۴) حضرت حذیفہ اور حضرت عبداللہ بن جابرؓ کے مزارات دریائے دجلہ کے کنارے تھے۔ پندرہ بیس برس کا عرصہ گزرتا ہے کہ دریا زمین کاٹتا ہوا ان مزارات تک پہنچنے لگا حکومت عراق نے حکم دیا کہ ان مزارات شریفہ کو یہاں سے حضرت سلمان فارسیؓ کے احاطہ میں منتقل کر دو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا آٹھ دس ہزار آدمیوں کے قریب ان جنازوں میں شامل ہوئے قاضی شوکانی لکھتے ہیں: "ورد النص فی کتاب اللہ فی حق الشھداء انھم احیاء یرزقون وان الحیاۃ فیھم متعلقۃ بالجسد" (نیل الاوطار ج ۳ ص ۲۱۱)

ترجمہ: شہدائے کرام کے حق میں، نص قرآنی وارد ہے کہ وہ زندہ ہیں اور انہیں رزق بھی ملتا ہے اور یہ کہ ان کی حیات جسمانی ہے (خواہ ہمارے ادراک سے بالا ہی کیوں نہ ہو)

شہدائے کرام کی قبور کھلنے پر اگر ہمیں ان کے حرکت و عمل پر اطلاع نہیں ہوتی اور ہم انہیں عبادت کرتا ہوا محسوس نہیں کرتے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ہماری آنکھوں میں وہ قوت نہیں کہ ہمیں ان کے معروف عبادات ہونے کا ادراک ہو سکے۔ یہ نہیں کہ وہ ذوات مدفونہ ہی معطل عن الاعمال ہیں۔ پردہ برزخ اس ادراک لطیف میں حائل ہوتا ہے، ہاں! اللہ تعالیٰ کسی کے لیے اس عالم سے پردہ اٹھا دیں تو وہ اِس عالم میں ہوتے ہوئے بھی اُس عالم کے کسی حال کا مشاہدہ کر لے تو یہ اس کی ایک روحانی منزلت ہے اور ایسے اولیاء کرامؒ بھی کئی گزرے ہیں۔

حیات قبریہ اور اس کے کھلے ادراک کی یہ چند شہادتیں آپ ملاحظہ فرما چکے۔ اس پر ہم مقام حیات کی جلد اوّل کو ختم کرتے ہیں۔

ویتلوہ الجلد الثانی ان شاء اللہ۔ واللہ ھو الموفق لما یحبہ ویرضی بہ!

***

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ
بَلْ أَحْيَاءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ (القرآن)

اَلْاَنْبِيَاءُ أَحْيَاءٌ فِي قُبُوْرِهِمْ يُصَلُّوْنَ (الحديث)

مقامِ حیات

المسمٰی بہ

مَدَارِكُ الْاَذْكِيَاءِ فِي حَيَاةِ الْاَنْبِيَاءِ علیہم السلام

مکینِ گنبدِ خضراء کی حیاتِ برزخی کا بیان

(جلد دوم)

تالیف:
محقق العصر، جسٹس
حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود مدظلہ
ڈائریکٹر اسلامک اکیڈمی مانچسٹر

فَقُل لِلعُیُونِ الرُمدِ اِیَّاکِ اَن تَرَیٰ سَنَا الشَّمسِ فَاستَغشِی ظَلَامَ اللَّیَالِیَا

گرد آلود آنکھوں سے کہہ دو کہ اگر وہ آفتاب کی روشنی کو نہیں دیکھ سکتیں تو راتوں کی تاریکیاں اپنے ویرانوں میں دیکھیں

مقام حیات

یعنی

المسمّٰی بہ

جلد دوم

مدارک الاذکیاء فی حیاۃ الانبیاء علیہم السلام

مکین گنبد خضرا کی حیات برزخی کا بیان

تالیف

محقق العصر، جسٹس

حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود دامت برکاتہم العالیہ

ڈائریکٹر اسلامک اکیڈمی مانچسٹر

محمود پبلی کیشنز اسلامک ٹرسٹ لاہور

جامعہ ملیہ اسلامیہ محمود کالونی شاہدرہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تفصیلی فہرست

***

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی... أَمَّا بَعْدُ!

ہمارے جن دوستوں کو عقیدہ حیات النبی ﷺ تسلیم کرنا گراں محسوس ہوتا ہے تعجب ہے کہ وہ اس سے زیادہ گراں ایک دوسرے عقیدہ کو ہمیشہ سے تسلیم کرتے چلے آرہے ہیں وہ دوسرا عقیدہ یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی صرف آنکھیں سوتی تھیں دل جاگتا رہتا تھا۔ آنکھیں اور دل دونوں آپ کے جسد اطہر کا حصہ تھے اور آپ کے دل کا جاگتے رہنا بھی ایک برزخی کیفیت تھی جو اس جسد اطہر میں اتری ہوئی تھی اب اگر آپ کی وفات کے بعد اس جسد اطہر میں حیات برزخی مان لی جائے تو آپ خود سوچیں کہ ان دوستوں کو اس میں کیوں کوئی گرانی محسوس ہوتی ہے؟

اگر وہ عقیدہ حیات النبی ﷺ کو تسلیم نہیں کرتے تو وہ آپ کے نیند میں دل جاگنے کو بھی تسلیم نہ کریں اور ان دونوں عقیدوں کے انکار سے وہ کھلے طور پر معتزلہ کی لائن پر آجائیں۔

پھر اس پر تعجب اور بھی بڑھ جاتا ہے جب آنکھوں کا سونا اور دل کا جاگنا صرف آپ میں نہیں دجال میں بھی تسلیم کیا جائے حضور اکرم ﷺ نے خود اسے بیان فرمایا۔

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ حضور اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: ''یَمْکُثُ أَبُو الدَّجَّالِ ثَلَاثِیْنَ عَامًا لَا یُوْلَدُ لَھُمَا وَلَدٌ ثُمَّ یُوْلَدُ لَھُمَا غُلَامٌ أَعْوَرُ أَضْرَسُ وَأَقَلُّہٗ مَنْفَعَۃً تَنَامُ عَیْنَاہُ وَلَا یَنَامُ قَلْبُہٗ. ثُمَّ نَعَتَ لَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ أَبَوَیْہِ فَقَالَ: أَبُوْہُ طُوَالٌ ضَرْبُ اللَّحْمِ کَأَنَّ أَنْفَہٗ مِنْقَارٌ وَأُمُّہٗ امْرَأَۃٌ فِرْضَاخِیَّۃٌ طَوِیْلَۃُ الْیَدَیْنِ. فَقَالَ أَبُوْ بَکْرَۃَ: فَسَمِعْنَا بِمَوْلُوْدٍ فِی الْیَھُوْدِ. فَذَھَبْتُ أَنَا وَالزُّبَیْرُ بْنُ الْعَوَّامِ حَتّٰی دَخَلْنَا عَلٰی أَبَوَیْہِ فَإِذَا نَعْتُ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ فِیْھِمَا فَقُلْنَا ھَلْ لَکُمَا وَلَدٌ؟ فَقَالَا: مَکَثْنَا ثَلَاثِیْنَ عَامًا لَا یُوْلَدُ لَنَا وَلَدٌ ثُمَّ وُلِدَ لَنَا غُلَامٌ أَعْوَرُ أَضْرَسُ وَأَقَلُّہٗ مَنْفَعَۃً تَنَامُ عَیْنَاہُ وَلَا یَنَامُ قَلْبُہٗ قَالَ فَخَرَجْنَا مِنْ عِنْدِھِمَا فَإِذَا ھُوَ مُنْجَدِلٌ فِی الشَّمْسِ فِیْ قَطِیْفَۃٍ وَلَہٗ ھَمْھَمَۃٌ فَکَشَفَ عَنْ رَأْسِہٖ فَقَالَ: مَا قُلْتُمَا: وَھَلْ سَمِعْتَ مَا قُلْنَا؟ قَالَ: نَعَمْ تَنَامُ عَیْنَایَ وَلَا یَنَامُ قَلْبِیْ''

(رواہ الترمذی، جامع ترمذی ج ۲، ص ۴۹، مشکوۃ ص ۴۷۹)

ترجمہ وشرح از مظاہر حق جدید

حضرت ابوبکرۃ کہتے ہیں کہ (ایک دن) رسول کریم ﷺ نے فرمایا دجال کے والدین تیس سال اس حالت میں گزاریں گے کہ ان کے ہاں کوئی لڑکا نہیں ہوگا پھر ان کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوگا جو بڑے دانتوں والا یعنی کچلیوں والا ہوگا بعض حضرات نے کہا وہ دانتوں سمیت پیدا ہوگا وہ بہت کم فائدہ پہنچانے والا ہوگا اس کی دونوں آنکھیں سوئیں گی لیکن اس کا دل نہیں سوئے گا۔ اس کے بعد رسول کریم ﷺ نے ہمارے سامنے اس کے ماں باپ کا حال بیان کیا اور فرمایا اس کا باپ غیر معمولی لمبا اور کم گوشت والا یعنی دبلا ہوگا اس کی ناک مرغ جیسے جانور کی چونچ کی طرح لمبی اور پتلی ہوگی اور اس کی ماں موٹی چوڑی اور لمبے ہاتھوں والی ایک عورت ہوگی۔

ابو بکرۃ کہتے ہیں کہ ہم نے مدینہ کے یہودیوں میں ایک عجیب و غریب لڑکے کے بارے میں سنا تو میں اور زبیر بن العوام اس کو دیکھنے چلے گئے جب ہم اس لڑکے کے والدین کے پاس پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہ بالکل اسی طرح کے ہیں جیسا کہ رسول کریم ﷺ نے ہم سے ان کے بارے میں بیان کیا تھا ہم نے ان دونوں سے پوچھا کیا تمہارے کوئی لڑکا ہے؟ انہوں نے بتایا کہ ہم نے تیس سال اس حالت میں گزارے کہ ہمارے کوئی لڑکا نہیں تھا پھر ہمارے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا جو بڑے دانتوں والا اور بہت کم فائدہ پہنچانے والا ہے اس کی آنکھیں سوتی ہیں لیکن اس کا دل نہیں سوتا۔

ابو بکرۃ کہتے ہیں کہ ہم دونوں ان کی یہ بات سن کر وہاں سے چل دیے اور پھر اچانک ہماری نظر اس لڑکے پر پڑی جو دھوپ میں چادر اوڑھے پڑا تھا اور اس کی چادر میں سے گنگناہٹ کی سی ایسی آواز آرہی تھی جو سمجھ میں نہیں آتی تھی ہم نے وہاں کھڑے ہو کر آپس میں اس کے متعلق کوئی بات کہی ہوگی اس نے سر سے چادر ہٹا کر ہم سے پوچھا کہ تم نے کیا کیا کہا ہے؟ ہم نے اس سے کہا کہ ہم تو سمجھتے تھے کہ تو سو رہا ہے کیا تو نے ہماری بات سن لی ہے؟ اس نے کہا ہاں میری آنکھیں سوتی ہیں لیکن میرا دل نہیں سوتا۔

مظاہر حق میں آگے اس کی یہ شرح لکھی ہے: ''لیکن اس کا دل نہیں سوئے گا کا مطلب یہ ہے کہ وساوس و اوہام اور افکارِ فاسدہ کے مسلسل آتے رہنے کی وجہ سے سوتے وقت بھی وہ افکار فاسدہ اس سے منقطع نہیں ہوں گے بایں طور کہ شیطان اس کو القاء کرتا رہے گا جیسا کہ افکار صالحہ کی کثرت اور وحی والہامات کے مسلسل آتے رہنے کی وجہ سے آنحضرت ﷺ کا دل مبارک نیند کی حالت میں بھی نہیں سوتا تھا۔'' (مظاہر حق جدید ج ۵، ص ۹۵)

قارئین حیران ہوں گے کہ ''تَنَامُ عَيْنَاهُ وَلَا يَنَامُ قَلْبُهُ'' کی صفت اس میں بھی پائی جائے گی اور وہ ایک انسان ہوگا اور ماں باپ سے پیدا ہوا ہوگا اس وقت ہم دجال کے اپنے حالات سے بحث نہیں کر رہے اس کی صرف اس صفت پر حیرت ہو رہی ہے کہ اس کی صرف آنکھیں سوتی ہوں گی، دل جاگتا رہنے والا ہوگا۔

یہ وہ عمیق فکر ہے جسے حل کرنے کے لیے حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ نے آب حیات لکھی تھی اور اس میں اس کے باعث مسئلہ حیات النبی ﷺ زیر بحث آ گیا یہ اتنا مشکل معرکہ تھا کہ ان کے بریلی کے مولانا محمد احسن نانوتوی رحمہ اللہ مترجم احیاء العلوم اور درمختار بھی خود حل نہ کر سکتے تھے اور انھوں نے اسے حضرت حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ کی خدمت میں بغرض جواب بھیج دیا، ''آب حیات'' ان کے اسی سوال کا جواب ہے۔

نادان سمجھتے ہیں کہ حضرت حجۃ الاسلام رحمہ اللہ نے ''آب حیات'' ویسے ہی حسنِ عقیدت اور اظہار محبت میں لکھ ڈالی اور وہ نہیں سمجھتے کہ اس میں آپ کے سامنے کتنی مشکل گزار گھاٹی تھی جسے وہ معتزلہ کے خلاف عبور کرنا چاہتے تھے۔ نامناسب نہ ہوگا کہ ہم یہاں اسے اس جڑ سے شروع کریں جس سے اسے معتزلہ نے اللہ تعالیٰ کی شان تنزیہہ کے خلاف سمجھا۔

خیر اور شر دونوں کا خالق اللہ ہے

اہل سنت کے بنیادی عقیدے خیرہ وشرہ من اللہ تعالیٰ کو جب تک تسلیم نہ کیا جائے اور اسے اللہ کی شان تنزیہہ کے خلاف نہ جانا جائے اس وقت تک اس بات کو نہیں سمجھا جا سکتا کہ دجال کا یہ وصف کہ اس کی آنکھیں سوتی

ہوں گی مگر دل جاگتا ہوگا اس حقیقت تک حضرت حجۃ الاسلام ﷫ جیسے محققین کی دور رس نگاہ ہی پہنچ سکتی ہے یہ ہر کسی کا نصیب نہیں۔ ایمان اور کفر، حق اور باطل، خیر اور شر اپنی اپنی جگہ مستقل حقیقتیں ہیں ان میں عدم اور وجود کی نسبت نہیں ہر دو کی اپنی اپنی تخلیق ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے واقع ہوتی ہے اور اسی کا اقرار خیرہ وشرہ من اللہ تعالیٰ کے الفاظ سے کیا جاتا ہے شر اپنی ذات میں تو شر ہے لیکن اس کی تخلیق شر نہیں یہ فعل خداوندی ہے اور اللہ شر سے پاک ہے افسوس کہ معتزلہ اسے سمجھ نہیں پائے۔

اہل سنت کے اس عقیدے سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ ہر دو کے اپنے اپنے منابع ظہور اور معادن وجود ہوں۔ ایمان کا منبع حضور اکرم ﷺ کی ذات گرامی اور کفر کا معدن دجال اکبر ہو۔ جس کا دنیا کے آخری دور میں ظہور ہوگا اس تقابلی مطالعہ کے بغیر شاید ہمارے نادان دوستوں کو عقیدہ حیات النبی ﷺ سمجھ نہ آسکے۔

حضور ﷺ کے منبع ایمان ہونے کا قرآنی بیان

''اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗ اُمَّهٰتُهُمْ'' (پ۲۱، الاحزاب ۶)

ترجمہ: نبی تمام مؤمنین کے ساتھ خود اس کے اپنے نفس سے بھی زیادہ تعلق رکھتے ہیں اور آپ کی ازواج سب مومنین کی مائیں ہیں۔

یہاں لفظ مؤمنین حضور اکرم ﷺ کی وفات سے پہلے کے مؤمنین سے خاص نہیں کیا جاسکتا یہاں مؤمنین سے مراد تمام وہ مؤمنین ہیں جو حضور ﷺ کی وفات سے قبل اور اس کے بعد قیامت تک کہیں بھی پائے گئے اور آپ کی ازواج ان سب کی مائیں ہیں جس طرح یہ نہیں کہا جاسکتا کہ حضور ﷺ کی بیویاں صرف آپ کی وفات سے پہلے کے مؤمنین کی مائیں ہیں یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ آپ صرف انہی مؤمنوں کا منبع ایمان ہیں جو آپ کی وفات سے پہلے کے مؤمنین تھے۔ حضرت ابو ہریرۃ ﷜ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے خود اس آیت سے یہ استشہاد فرمایا، آپ ﷺ نے فرمایا: ''مَا مِنْ مُؤْمِنٍ اِلَّا وَاَنَا اَوْلٰی النَّاسِ بِهٖ فِي الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ، اقْرَءُوا اِنْ شِئْتُمْ: {اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ}'' (صحیح بخاری ج۲، ص۲۰۵)

یہ آیت موقع تبوک پر نازل ہوئی تھی لیکن وَاَزْوَاجُهٗ اُمَّهَاتُهُمْ کے ربط نے اسے پوری امت کے لئے عام کر دیا سو اس میں کوئی تردد نہیں رہ جاتا کہ آپ ﷺ تمام ارواح مؤمنین کے لئے جو قیامت تک کہیں بھی پائی جائیں منبع ایمان ہیں جس طرح آپ ﷺ کی ازواج مطہرات ان تمام مومنین کی مائیں ہیں کسی کی نانی نہیں کیونکہ نانی کا رشتہ ماں کے بعد ظہور میں آتا ہے اور یہاں ماں کی امومت کبھی ختم ہونے والی نہیں قیامت تک جو مؤمنین کہیں بھی پیدا ہوں امہات المؤمنین ان کی بھی مائیں ہیں نانی کسی کی نہیں۔

اب جبکہ ایمان کے مقابل کفر بھی ایک حقیقت ہے تو تمام ارواح کفار کا بھی کوئی معدن وجود ہوگا جس سے دنیا کے تمام کافروں کو کفر ملے یہ وہ دجال اکبر ہے جو حضرت عیسیٰ ﷤ بن مریم کے ہاتھوں قتل ہوگا، اس دجال اکبر کی روح سے تمام سلسلہ شیاطین چلا اور منبع ایمان سے شیاطین کے مقابل فرشتے اللہ تعالیٰ کے موکلین ہو کر چلے منبع ایمان اور منبع کفر کی یہ معرکہ آرائی قیامت تک چلے گی یہاں تک کہ منبع کفر دجال اکبر حضرت عیسیٰ بن مریم کے ہاتھوں قتل ہو اور دنیا کی صف لپیٹ دی جائے۔

ایمان سے موصوف بالذات صرف حضور اکرم ﷺ ہیں اور جن کو بھی ایمان ملا حضور ﷺ سے ہی ملا اور کفر سے موصوف بالذات دجال اکبر ہے اور وہ ہی تمام کافروں کے لئے کفر کا منبع ٹھہرا۔ اور اللہ رب العزت کی طرف سے موصوف بالذات کو یہ نشان دیا گیا کہ سونے کے وقت صرف اس کی آنکھیں سوئیں اور دل کا اس کا جاگتا رہے اس نشان کے بغیر دنیا میں ایمان وکفر کی ابدی معرکہ آرائی کسی طرح قائم نہ رہ سکتی تھی۔

یہ وہ ضرورت تھی جس کے لئے حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی ﷫ کو آب حیات لکھنی پڑی یہ کوئی فروعی موضوع نہیں جس کے لئے حضرت حجۃ الاسلام ﷫ نے تمام مؤمنین کے لئے عقیدہ حیات النبی ﷺ لازم بتلایا ہو۔ اس کے ساتھ ساتھ حضرت حجۃ الاسلام ﷫ کا دوسرا اصولی موضوع شیعہ کے پیدا کردہ وسوسوں کو دور کرنا رہا ہے اور آپ کی اس کتاب آب حیات میں یہ دونوں موضوع اصولی درجے میں لپٹے ہوئے ہیں انہیں کسی طرح فروعی نہیں کہا جا سکتا آپ نے اس میں جو حیات النبی ﷺ کا عقیدہ لکھا ہے وہ دراصل شیعوں کے رد میں تھا جسے خواہ مخواہ منکرین حیات نے اپنے سر لے لیا ہے اور اس کی تصریح حضرت حجۃ الاسلام ﷫ نے خود اپنی کتاب ''ہدیۃ الشیعہ'' کے آخر میں کر دی ہے۔

اس مسئلہ حیاۃ النبی ﷺ کو جاننے کے لئے پہلے اس مسئلے کو جاننے کی ضرورت ہے کہ انبیاء کرام کے اجسادِ کریمہ کا...... (خمیر) جنت کی مٹی سے اٹھایا جاتا ہے اس لیے انھیں اس زمین کی مٹی کھا نہیں سکتی۔ جب تک ہمارے قارئین اسے سمجھ نہ پائیں انہیں عقیدہ حیات النبی ﷺ اچھی طرح سمجھ میں نہیں آسکتا۔

گنبد خضریٰ کے سایہ تلے تین یکجاء مقدس وجود

اہل سنت کے حق پر ہونے کی یہ شہادت پندرہ سو سال سے سب کے سامنے چلی آرہی ہے کہ گنبدِ خضریٰ کے سایہ میں تین مقدس وجود اس طرح اکٹھے ہیں گویا یہ تینوں ایک ہی مٹی سے پیدا ہوئے اور ان میں صداقت اس صورت میں چمک سکتی ہے کہ عقیدہ حیات النبی ﷺ کو تسلیم کیا جائے اور یہ بھی تسلیم کیا جائے کہ حضور اکرم ﷺ اور شیخین کریمین ﷠ وہاں (اس روضہ پر) پیش کئے گئے صلوٰۃ وسلام کو خود سنتے ہیں۔

مولانا احمد رضا خان نے ''فتاویٰ افریقہ'' میں ایک روایت اس طرح نقل کی ہے: ''خُلِقْتُ أَنَا وَأَبُوْ بَكْرٍ وَعُمَرُ مِنْ تُرْبَةٍ وَاحِدَةٍ وَفِيْهَا نَعُوْدُ''

ترجمہ: میں اور ابوبکر اور عمر ایک ہی مٹی سے پیدا کیے گئے اور اسی میں ہم واپس کیے جائیں گے۔

تاریخ میں کئی ایسے واقعات ملتے ہیں کہ یہودیوں نے مختلف ادوار میں خفیہ سرنگ لگا کر اندر ہی اندر روضہ مبارکہ تک پہنچنے کی کوشش کی لیکن اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ سے کیا گیا وعدہ ہر موقع پر پورا کیا کہ اللہ تعالیٰ تجھے یہودیوں سے بچائے گا ان کے ہاتھ تجھ تک پہنچ نہ سکیں گے۔ ''وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ '' (پ ۶، المائدہ ۶۷)

یہودیوں کی ان تمام مراحل میں یہی کوشش رہی کہ جس طرح بھی ہو سکے حضور ﷺ کے جسد مبارک کو ان دو سے جدا کیا جائے اور ظاہر ہے کہ یہ خواہش اور تمنا شیعوں کے سوا اور کسی کی نہیں ہو سکتی۔

یہ ایک بات ضمنی طور پر سامنے آ گئی اصل بات یہ ہو رہی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح ایمان کا منبع اور معدن حضور ﷺ کو بنایا ہے کفر کا معدن اس نے دجال کو بنایا ہے ایمان اور کفر، حق اور باطل کی ابدی معرکہ آرائی

خدا کے اس نظام حکمت سے اب تک چلی آرہی ہے اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ دجال کی بھی صرف آنکھیں سوتی ہیں دل جاگتا ہے ایسا نہ ہوتا تو کفر کسی طرح دنیا میں قائم نہ رہ سکتا تھا۔ کفار سے دجال کے افکار فاسدہ اور کفری وسوسے ایک لمحے کے لیے بھی منقطع نہیں ہوتے اس سے لازم ٹھہرتا ہے کہ کفر کا منبع دائمی حیات سے متصف ہو یہاں تک کہ وہ سوئے بھی تو اس کا دل جاگتا رہے تا کہ کافروں پر ہر لحہ اس کا عمل جاری رہے۔

چھٹی صدی کے قاضی عیاض (۵۴۴ھ) دجال کے اس اتصاف ذاتی کو اسی طرح لازم سمجھتے ہیں جس طرح حضور ﷺ ایمان کے اتصاف ذاتی سے متصف بالذات ہیں کہ آپ جب نیند میں ہوتے تھے تو آپ کی صرف آنکھیں سوتی تھیں دل جاگتا رہتا تھا۔

حضرت مولانا محمد قاسم ؒ پہلے (شخص) نہیں ہیں جنھوں نے منبع ایمان (حضور پاک ﷺ) اور منبع کفر (دجال اکبر) دونوں کو ایمان اور کفر سے موصوف بالذات مانا ہے کہ نیند میں اس کی صرف آنکھیں سوئیں اور دل جاگتا رہے۔

قاضی عیاض ؒ کے دجال کے بارے میں اصل الفاظ محدث کبیر ملا علی قاری کی نقل سے ملاحظہ ہوں:

''قَالَ الْقَاضِي رَحِمَهُ اللهَ: أَيْ لَا تَنْقَطِعُ أَفْكَارُهُ الْفَاسِدَةُ عَنْهُ عِنْدَ النَّوْمِ لِكَثْرَةِ وَسَاوِسِهِ وَتَخَيُّلَاتِهِ وَتَوَاتُرِ مَا يُلْقِي الشَّيْطَانُ إِلَيْهِ كَمَا لَمْ يَكُنْ يَنَامُ قَلْبُ النَّبِيِّ ﷺ مِنْ أَفْكَارِهِ الصَّالِحَةِ بِسَبَبِ مَاتَوَاتَرَ عَلَيْهِ مِنَ الْوَحْيِ وَالْإِلْهَامِ''

(مرقات ج ۱۰، ص ۲۲۸ طبع ملتان)

ترجمہ: قاضی عیاض کہتے ہیں کہ دجال سے اس کے افکار فاسدہ نیند میں بھی اس سے جدا نہیں ہوتے، اس کے وسوسوں کی بھرمار اور کثرت تخیلات سے اور شیطان جو اس پر تواتر سے اپنی باتیں اتارتا رہتا ہے جیسا کہ حضور ﷺ کا قلب مبارک نہ سوتا تھا جب آپ نیند میں ہوتے آپ کا افکار صالحہ سے، جو تواتر سے آپ پر بصورت وحی اور الہام اترتے تھے، دل جاگتا رہتا ہے۔

اب کیا کوئی حضرت قاضی عیاض پر یا ملا علی قاری پر یہ الزام عائد کرسکتا ہے کہ انھوں نے دجال کو بھی اسی طرح کفر کے اتصاف ذاتی سے متصف مان لیا جس طرح آنحضرت ﷺ ایمان کے اتصاف ذاتی سے موصوف بالذات تھے اور نیند میں بھی صرف آپ کی آنکھیں سوتی تھیں دل جاگتا رہتا تھا؟

دسویں صدی کے پٹنہ کے مشہور محدث علامہ محمد طاہر (۹۸۶ھ) بھی یہی بات کہتے ہیں: ''لَا يَنَامُ قَلْبُهُ فِي حَقِّ النَّبِيِّ ﷺ وَفِي حَقِّ الدَّجَّالِ'' (مجمع البحار ج ۴، ص ۸۲۸)

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۱۰۵۲ھ) بھی اپنی فارسی شرح مشکوۃ میں دجال کے بارے میں یہی بات کہتے ہیں: ''خواب مے کند دو چشمان او و خواب نمے کند دل او بجہت کثرت وساوس و توالی افکار فاسدہ۔''

(اشعۃ اللمعات ص ۲۷۳ ج ۴)

ترجمہ: اس کی دو آنکھیں تو سوتی ہیں اور اس کا دل نہیں سوتا اپنے وسوسوں کی کثرت سے اور افکار فاسدہ کے پے در پے اس پر اترنے سے۔

اہل سنت کے سب اکابر یہی بات کہہ رہے ہیں کہ جو حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم ؒ نے کہی ہے ان سب میں منبع ایمان آنحضرت ﷺ اور منبع کفر دجال کی بات ایک دوسرے کے مقابل لائی گئی ہے لیکن ہم اس پر افسوس کیے بغیر نہیں رہ سکتے کہ ملتان کے مولانا احمد سعید کاظمی نے اپنے ایک مقالہ میں بڑی جرأت سے اس کا انکار کیا ہے

آپ لکھتے ہیں: ''اسی طرح آپ کی آنکھوں کا سونا اور دل کا نہ سونا بھی ایک ایسی صورت ہے جو انبیاء کے سواء اور کسی کے لئے کسی دلیل شرعی سے ثابت نہیں چہ جائے کہ دجال کو دلیل شرعی تسلیم کرتے ہوئے اس کے لئے یہ وصف نبوت ثابت کر دیا جائے۔ الحاصل حضور ﷺ کے خصوصی اوصاف دجال کے لیے ثابت کرنا معاذ اللہ تنقیصِ شانِ نبوت ہے۔'' (مقالات کاظمی ج ۲ ص ۳۰۵ تا ص ۳۰۶)

اسی طرح یہ بات بھی نہایت لائق توجہ ہے کہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی ﷫ نے آب حیات میں جو عقیدہ حیات النبی ﷺ لکھا وہ دراصل شیعہ کے رد میں تھا جسے خواہ مخواہ منکرین حیات نے اپنے سر لے لیا یقین نہ آئے تو براہ کرم حضرت حجۃ الاسلام ﷫ کی عالمی شہرت یافتہ کتاب ''ہدیۃ الشیعہ'' کے آخر میں لکھی یہ بات خود آپ ان کے اپنے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیں:

آپ اسے بعنوان ''خلاصہ جواب طعن فدک'' لکھتے ہیں: جو صاحب مذہب تشیع کی حمایت کریں اور بوجہ ہبہ فدک یا میراث فدک اول الخلفا کی شکایت کریں تو ان کو درصورت دعوی ہبہ ان تین مقدموں کا اثبات لازم ہے اور بصورت ادعاء اپنی تین باتوں کی تحقیق واجب ہے۔

ہبہ کی صورت میں تو اول مملوک نبوی ہونا فدک کا۔ دوسرے وقوعہ ہبہ۔ تیسرے حصول قبض۔ علیٰ ہٰذ القیاس درصورت میراث اول مملوک نبوی ہونا فدک کا دوسرے زوال حیات سرور کائنات ﷺ اور انقطاع تعلق روح پر فتوح حضرت محمد ﷺ جو جسم اطہر کو حاصل تھا تیسرے عموم خطاب ''یُوْصِیْکُمُ اللهُ فِیْٓ اَوْلَادِکُمْ لِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ'' یہاں تک کہ حضرت رسول اکرم ﷺ بھی داخل زمرۂ مخاطبین ہوں اور یہ خطاب مثل دیگر اشخاص مومنین امت آپ کو بھی شامل ہو۔ (ہدیۃ الشیعہ ۴۶۴ طبع ملتان)

اب یہاں دیکھئے کہ آپ مسئلہ حیات النبی ﷺ شیعہ کے خلاف لکھ رہے ہیں یا ان موجودہ منکرین حیات کے خلاف! یہ ان لوگوں کی نادانی کی انتہاء ہے کہ ابھی تک سمجھ نہیں پائے کہ عقیدۂ حیات النبی ﷺ میں اہل سنت کو کن کن سے اختلاف ہے؟ آپ ''ہدیۃ الشیعہ'' کے آخری صفحہ پر حضرت حجۃ الاسلام ﷫ کی یہ عبارت بھی پڑھ لیں: ''ناظران ہدیۃ الشیعہ پر مخفی نہ رہے گا کہ ہبہ تین مقدموں سے آخر کے دو مقدمے تاہنوز اہل تشیع سے ثابت نہ ہوئے بلکہ موافق اصول اہل سنت ان کی نقیض ثابت ہے اور میراث کے دعویٰ کے لئے جو تین مقدمے موقوف علیہ ہیں ان میں دوسرے مقدمہ کا ابطال اگرچہ بظاہر دشوار ہے پر اس ہیچمدان نے اس باب خاص میں ایک رسالہ مسمیٰ بآب حیات لکھا ہے جس کی ضخامت پانچ چھ جزء سے کم نہ ہوگی اور انشاء اللہ اگر منشی محمد حیات صاحب کی عنائت رہے تو وہ بھی قریب ہی مطبوع ہو کر مطبوع طبائع ہوتا ہے اس کے دیکھنے کے بعد امید خدا سے یوں ہے کہ شیعوں میں سے بھی جو صاحب انصاف پسند ہوں حق بول اٹھیں ورنہ اہل حق یعنی اہل سنت کا تو کام یہی ہے کہ حق کو حق مانیں اور باطل کو باطل جانیں۔''

حضرت حجۃ الاسلام ﷫ کے سامنے مولوی حامد حسن کا لاجواب ہونا

''ہدیۃ الشیعہ'' کی یہ آخری عبارت بھی پڑھ لیں۔ حضرت مولانا محمد قاسم ﷫ لکھتے ہیں: ''۱۲ ہجری میں جو مرکزہ دائرہ تشیع نصیر الدین طوسی ثانی نور اللہ شوستری مکانی مفتی محمد قلی کے قرۃ العین مولوی حامد حسین جو اثناء سفر لدھیانہ وارد میرٹھ ہوئے اور میر مہدی علی فرزند ارجمند عمر دراز علی خان کے مکان پر تشریف لائے اور یہ پریشان

روزگار جو بوجہ پابندی علاقہ مطبع مجتبائی وہاں ان دنوں شب و روز گزارتا تھا ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور کچھ اس قسم کا مذکور پیش آیا تو مولوی صاحب موصوف کو کچھ جواب نہ آیا۔ وَاللّٰہُ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ''

حضرت حجۃ الاسلام ؒ کے سامنے بڑے بڑے پادریوں اور پنڈتوں کی شکستیں تو پورے ہندوستان میں زبان زد عام و خاص تھیں اب یہاں شیعوں کے اس مرکزی عالم کا اس طرح لاجواب رہنا شیعوں کے مقابلہ میں بھی زبان زد خاص و عام ہو گیا۔

کیا اب بھی اس میں کوئی شبہ رہ جاتا ہے کہ حضرت حجۃ الاسلام ؒ کی کتاب ''آب حیات'' دراصل شیعہ کے خلاف لکھی ہوئی ایک کتاب ہے اور اس میں اہل سنت کا عقیدۂ حیات النبی ﷺ آپ کی شیعوں کے خلاف ایک حق کی صدا ہے اور حیات النبی ﷺ کے انکار کو کسی طرح اہل سنت کے گھر کا اختلاف نہیں کہا جا سکتا۔ اور نہ دیوبند کی چھتری تلے کہیں یہ غلط فہمی پیدا کی جا سکتی ہے کہ یہ ایک فروعی مسئلے کا اختلاف ہے حضرت حجۃ الاسلام ؒ نے پوری وضاحت سے شیعوں پر یہ الزام دھرا ہے کہ وہ حضور ﷺ کے جسد اطہر سے آپ کی روح کے تعلق کے مخالف ہیں۔

شیعہ آپ ﷺ کے جسدِ اطہر سے روح کے تعلق کے خلاف کیوں؟

یہ اس لئے کہ گنبد خضریٰ کے سایہ تلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی اسی روضہ مبارکہ میں آپ کے ساتھ دفن ہیں اگر حضور اکرم ﷺ اپنی اس حیات برزخی میں سلام عرض کرنے والوں کا سلام خود سماعت فرماتے ہیں تو ساتھ ہی گنبد خضریٰ کے دونوں مکین بھی حضور اکرم ﷺ کی اس حیات اور سماع کے نور سے فیضیاب ہو رہے ہیں جب تک اس روضہ اطہر میں حضور اکرم ﷺ کی حفاظت ہوتی رہے گی آپ کے یہ دونوں رفیق بھی اس حفاظت سے محفوظ ہیں جب بھی کسی دشمن نے حضور ﷺ کو ان دونوں سے علیحدہ کرنا چاہا ان کی ہر سازش ناکام ہوئی یہ وہ وجہ ہے جس کے باعث شیعہ عقیدہ حیات النبی ﷺ اور آپ کے خود وہاں سماع صلوٰۃ وسلام فرمانے کے خلاف ہیں۔

اب تو کسی نادان کے ذہن میں یہ شبہ نہ رہنا چاہئے کہ ''آب حیات'' اصل میں شیعوں کے خلاف لکھی ہوئی ایک علمی دستاویز ہے اور عقیدہ حیات النبی ﷺ ہرگز اہل سنت کے ہاں کا کوئی فروعی مسئلہ نہیں ہے۔

روضہ کے جسد اطہر سے روح کا تعلق ہو تو روح کا اپنا مقر کہاں مانا جائے؟

ہمارے بعض نادان دوست یہ کہتے سنے گئے کہ حضور ﷺ کی روح مبارک علیین میں ہے وہ یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ وہ کوئی رہنے کی جگہ ہے ایسا نہیں سجین اور علیین یہ دو دفتر ہیں جہاں دوزخیوں اور جنتیوں کے اعمال نامے رکھے جاتے ہیں سو یہ بات کسی طرح نہیں مانی جا سکتی کہ یہ دو کوئی رہنے کی جگہیں ہیں۔

قرآن کریم میں انہیں اعمال ناموں کا دفتر بتلایا گیا ہے:

''کَلَّآ اِنَّ کِتٰبَ الْاَبْرَارِ لَفِیْ عِلِّیِّیْنَ، وَمَآ اَدْرٰىکَ مَا عِلِّیُّوْنَ، کِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ، یَّشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُوْنَ، ''

(پ ۳۰، المطففین ۱۸ تا ۲۱)

ترجمہ: بیشک اعمال نامہ نیکوں کا ہے علیین میں اور تجھ کو کیا خبر ہے کیا ہے علیین؟ ایک دفتر ہے لکھا ہوا جس کو دیکھتے ہیں نزدیک والے۔

نزدیک والوں سے مراد فرشتے اور اللہ کے مقرب بندے ہیں جو خوش ہو کر مومنین کے اعمال نامے دیکھتے ہیں۔ اور علیین ایک دفتر ہے جس میں مومنین کے اعمال نامے رکھے جاتے ہیں یہ کوئی رہنے کی جگہ نہیں ہے ہر مومن کی روح وفات کے بعد وہاں نام لکھانے جاتی ہے شہداء کرام کو وہاں سبز رنگ کے پرندوں کی مسہریاں مہیا کر دی جاتی ہیں جس میں بیٹھے وہ عالم بالا کی سیر کرتے ہیں۔ حدیث میں انہیں حواصل طیر خضر سے ذکر کیا گیا ہے۔ سو یہ کہنا درست نہیں ہے کہ آنحضرت ﷺ کی روح مبارک بھی وہاں کہیں مقیم ہے اور اس کا ایک تعلق آپ کے روضہ اطہر میں رکھے جسد اطہر سے بھی ہے۔ آپ کے اس جسدِ اطہر سے بڑھ کر کوئی اور جگہ نہیں جہاں آپ ﷺ اپنی اس حیات برزخی سے رونق افروز ہوں اور روضہ اطہر پر حاضر ہونے والوں کا صلوٰۃ و سلام خود سنتے ہوں۔

اگر کچھ لوگ حضور اکرم ﷺ کی روح مبارک کو عالم بالا میں کھلے طور پر سیر کرتا سمجھیں اور اس کا ایک تعلق اس روضہ اطہر کے جسد مبارک سے بھی تسلیم کریں تو اس سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کیونکہ حضور ﷺ کی اس حیات برزخی کی ان دونوں صورتوں کا ذکر اسلاف میں ملتا ہے۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ خود تو اسی حیات کے معتقد ہوں جو روح مقدسہ کو اسی جسد اطہر میں مانے لیکن آپ نے اپنے اس بیان میں کہ شیعہ جسد اطہر سے روح کے تعلق کے خلاف کیوں ہیں؟ کچھ وسعت نظر سے کام لیا ہے کہ میں اپنے اس موقف پر اصرار نہیں کرتا اگر کوئی تعلق روح سے بھی آپ کی اس حیات برزخی کا قائل ہو میں اسے عقیدہ حیات النبی ﷺ سے باہر نہیں سمجھتا۔

حضرت حجۃ الاسلام رحمہ اللہ کا آبِ حیات میں اصل موضوع فکر شیعہ وسوسوں کی تردید رہا اور آپ نے آب حیات جیسا کہ آپ نے خود تصریح فرمادی شیعہ عقائد کے خلاف ہی لکھی تھی جسے ہمارے نادان دوستوں نے بلاوجہ اپنے سر لے لیا یہ لوگ حضرت حجۃ الاسلام رحمہ اللہ پر الزام لگاتے ہیں کہ آپ حضور ﷺ کی روح پر فتوح کے آپ کے جسد اطہر سے جدا ہونے کے قائل نہیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ پر دو موتوں کے جمع ہونے کی نفی کی ہے اور اس حدیث کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اب ہم جسے عقیدہ حیات النبی ﷺ کہتے ہیں اس کا مفہوم یہی ہے کہ جو حیات برزخی آپ کو اپنے روضہ میں بعد وفات حاصل ہوئی وہ حیات لازوال ہے اس میں آپ پر ورود موت ہرگز نہیں ہے۔

حضرت حجۃ الاسلام رحمہ اللہ پر ایک بہتان

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ پر ایک بہتان یہ باندھا گیا کہ آپ سرے سے حضور ﷺ پر موت آنے کے منکر ہیں۔ آپؒ کا (معاذ اللہ) یہ عقیدہ تھا کہ آپ اپنی دنیوی حیات سے ہی زندہ ہیں۔ چنانچہ اس نزاع پر گجرات کے سربراہ جب کہیں اپنے موقف کا اظہار کرتے تو آیت "اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ" پڑھتے اور اپنے حلقہ میں یہی تاثر دیتے کہ حضرت مولانا محمد قاسم رحمہ اللہ آپ ﷺ پر ورود موت کے ہی منکر ہیں۔

نامناسب نہ ہوگا کہ ہم اس مقدمہ میں آپ کا وہ بیان ہی ہدیہ قارئین کر دیں جو آپ نے اس آیت کے حوالہ سے اپنی کتاب "آب حیات" میں دیا ہے آپ فرماتے ہیں: "آپ کی وفات اور آپ کا انتقال ہزاروں آدمیوں نے آنکھوں سے دیکھا دوسرے جناب باری عزاسمہ خود رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں "اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ" جس کے یہ معنی ہیں کہ تم بھی مرنے والے ہو اور وہ بھی مرنے والے ہیں پھر جب جناب باری عزاسمہ رسول اللہ ﷺ کی موت کی خبر دیں۔ ادھر ہزاروں کے سامنے آپ کا انتقال

ہو چکا ہو متواتر قرنا بعد قرن یہ خبر چلی آتی ہو کہ آپ مدینہ منورہ میں مدفون ہیں تو پھر آپ کا زندہ ہونا کیوں کر مسلم ہوسکتا ہے؟ ہاں خدا کی خبر اور خبر متواتر سے زیادہ اگر کوئی دلیل قوی ہو اور اس سے آپ کی حیات ثابت کی جائے تو بحکم قواعد تعارض تسلیم بھی کیا جائے۔ اب اگر آپ کی حیات مسلم بھی ہو تو بعد اس کے کہ آپ کا انتقال حسب فرمودہ خداوندی ہزاروں نے آنکھوں سے دیکھ لیا اور ان کے واسطے سے ہم کو خبر پہنچ گئی اس حیات کو یا تو حیات ثانی کہا جائے گا یا مثل حیات شہداء سمجھا جائے گا مگر ظاہر ہے کہ یہ دونوں صورتیں مفید مطلب صاحب رسالہ نہیں اس کی غرض تو اس ردوکد سے یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی حیات دنیوی علی الاتصال اب تک برابر مستمر ہے اس میں انقطاع یا تبدیل وتغیر جیسے حیات دنیوی کا حیات برزخی ہو جانا واقع نہیں ہوا۔" (آب حیات طبع ملتان ص ۴۵)

اس میں آپ نے یہ صریح لفظوں میں حیات برزخی کے انکار کی تردید کی ہے یہ کسی طرح نہیں کہا جاسکتا کہ حضرت حجۃ الاسلام رحمہ اللہ حضور ﷺ کی مطلق حیات دنیوی کا عقیدہ رکھتے تھے، حیات برزخی کا نہیں۔ حیات دنیوی کے مقابل حیات اخروی کا لفظ ہے اور آپ نے اپنی اس عبارت میں وہی لفظ استعمال کیا ہے: "رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۲۰۱" (البقرہ)

ترجمہ: اے ہمارے رب ہم کو دنیا میں خوبی اور آخرت میں خوبی اور بچا ہم کو دوزخ کے عذاب سے۔

ہاں اس حیات برزخی کو کالدنیویہ تو کہہ سکتے ہیں جیسا کہ "المہند" میں ہے لیکن مطلق دنیویہ نہیں ہے۔ حضرت حجۃ الاسلام رحمہ اللہ کی اس عبارت سے یہ بات کھل کر سامنے آگئی ہے کہ حضرت والا رحمہ اللہ پر انکار وقوع موت کا الزام لگانا ایک بہت بڑا بہتان ہے۔

یہ بات اہل علم پر مخفی نہیں کہ انبیاء کرام علیہم السلام کو اپنی موت کا اختیار دیا جاتا ہے کہ وہ دنیا میں مزید رہنا چاہتے ہیں یا سفر آخرت چاہتے ہیں آنحضرت ﷺ کو بھی جب خبر دی گئی "اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ" تو آپ ﷺ کو یہ اختیار دیا گیا کہ آپ دنیا میں جتنا چاہیں اور رہ سکتے ہیں لیکن آخرکار یہ وعدہ پورا ہونا ہے آپ بھی اس پل کو عبور کریں گے۔

محدث کبیر حضرت علامہ ملا علی قاری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کو کہا گیا: "منها هذا الحديث وهو قوله ﷺ على ما رواه الطبراني في الاوسط عن سهل بن سعد رضی اللہ عنہ قال جاء جبريل الى النبي ﷺ فقال عش ما شئت فانك ميت واحبب ما شئت فانك مفارق"

(البرہان الجلی العلی علی من سمی من غیر مسمی بالولی رسالہ نمبر ۵۰، رسائل ملا علی قاری رحمہ اللہ ج ۴ ص ۱۵۵)

ترجمہ: حضرت جبرئیل علیہ السلام حضور ﷺ کے پاس آئے اور انہوں نے کہا آپ جتنا چاہیں یہاں زندہ رہ لیں تاہم آپ فَاِنَّكَ مَيِّتٌ اور آپ جتنا چاہیں اسے پسند کریں لیکن آخرکار آپ نے اس دنیا کو چھوڑنا ہی ہے۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ آپ کے لئے موت اختیار موت کے خلاف نہیں جو انبیاء کو دیا جاتا ہے اسی اختیار موت کی وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے جوان کو کہہ دیا تھا: "وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِفَتٰىهُ لَآ اَبْرَحُ حَتّٰٓى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ اَوْ اَمْضِيَ حُقُبًا" (پ ۱۵، الکھف ۶۰)

ترجمہ: اور جب کہا موسیٰ نے اپنے جوان کو میں نہ ہٹوں گا جب تک نہ پہنچ جاؤں جہاں ملتے ہیں دو دریا، یا چلتا ہی جاؤں قرنوں تک (صدیوں تک)

اس آیت پر حضرت شیخ الاسلام رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''اگر فرض کرو برس اور قرن بھی گزر جائیں بدوں مقصد حاصل کئے سفر سے نہ ہٹوں گا۔'' (ص ۴۰۱)

اس سے بھی پتہ چلا کہ انبیاء علیہم السلام کی موت باعتبارِ وقت ان کے اپنے اختیار میں ہوتی ہے جب تک وہ نہ چاہیں اپنے سفرِ آخرت پر نہیں چلتے وہ قرآن کی رو سے اپنی اس زندگی میں باختیار موت صدیوں تک رہ سکتے ہیں۔ (وَاللهُ أَعْلَمُ وَعِلْمُهٗ أَتَمُّ وَأَحْكَمُ)

اس سے پہلے حضرت حجۃ الاسلام رحمہ اللہ یہ بات آپ کے سامنے لا چکے ہیں کہ ان کی یہ سب کاوش شیعہ کے بارے میں ہی کی جاری ہے اور آپ کی کتاب آبِ حیات کا اصل موضوع شیعت کے بارے میں ہی ہے۔ آپ لکھتے ہیں: ''دوسرے یہ کہ امورِ ثلاثہ میں سے انبیاء کے اموال میں میراث کا نہ ہونا ہنوز محلِ نزاع ہے شیعہ اسکو تسلیم نہیں کرتے .... تیسرے یہ کہ سلامت اجسادِ انبیاء علی الاتصال استمرارِ حیات پر دلالت نہیں کرتا اگر لحہ دو لحہ بلکہ پہر دو پہر کے لئے روح کو بدن سے کچھ تعلق نہ رہے اور انقطاعِ کلی ہو جائے اور بعد ازاں پھر بدستور روح و بدن میں وہی علاقہ سابق عود کر آئے تب بھی بدن میں کچھ فساد نمایاں نہ ہوگا لیکن اس صورت میں نہ نکاح قائم رہے گا نہ ملک اموال باقی رہے گی بلکہ یہ تعلق ثانی از قبیل حیاتِ اخروی ہوگا غایت مافی الباب اوروں سے پہلے حیات حاصل ہونی سو اس میں کیا قباحت ہے آخر حصول حیاتِ اخروی میں بھی تقدم و تاخر مسلم الثبوت ہے خود رسول اللہ ﷺ کا سب سے پہلے قبر سے اٹھنا حدیثوں میں مصرح ہے۔ ان تین خدشوں کے سوا چوتھا خدشہ یہ ہے کہ علماء متقدمین نے حرمتِ نکاحِ ازواجِ مطہرات کو ان کے امہات ہونے پر مبنی اور متفرع کیا ہے حیاتِ نبی کا ثمرہ نہیں سمجھا۔ یہی وجہ ہوئی کہ منکوحہ نبوی غیر مدخولہ بہا کے نکاح کو سلف سے لے کر خلف تک سب نے جائز رکھا ہے۔ اگر علت ممانعت نکاح حیاتِ نبوی ہوتی تو مدخولہ بہا کی ہی کیا خصوصیت تھی مدخولہ بہا اور غیر مدخولہ بہا دونوں کا نکاح امتیوں کو حرام ہوتا۔''

(آبِ حیات طبع ملتان دوم ص ۴۴)

اس عبارت میں صریح لفظوں سے حجۃ الاسلام رحمہ اللہ نے حضور ﷺ کے لئے حیاتِ اخروی کا اقرار کیا ہے تو اب کیا یہ حضرت حجۃ الاسلام رحمہ اللہ پر بہتان نہیں کہ آپ حضور ﷺ کے لئے مسلسل حیاتِ دنیوی کے قائل ہیں، آپ کی حیاتِ برزخی کے قائل نہیں؟

قرآن کریم میں دنیا کے مقابل لفظ آخرۃ ہی وارد ہے: رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً .... اسی کو حیاتِ اخروی اور حیاتِ برزخی کہتے ہیں کتاب ''آبِ حیات'' طبع ملتان کے ٹائٹل پر برزخی کا لفظ بریکٹ میں موجود ہے اور راقم الحروف کی کتاب ''مقامِ حیات'' جاول کے ٹائٹل پر بھی لفظ برزخی پوری طرح روشن ہے۔ راقم کی یہ کتاب بھی حضور ﷺ کی حیاتِ برزخی پر ہی لکھی گئی ہے۔

حضرت حجۃ الاسلام رحمہ اللہ پھر آگے جا کر بھی لکھتے ہیں: ''اگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ شیعوں کے نزدیک برے ہیں تو ان کی برائی کی کیا دلیل؟ اگر برائی بھی فدک کا میراث میں نہ دینا ہے تب تو مصادرہ علی المطلوب ہے اور اگر غصبِ خلافت ہے تو اس کا حال مفصل تو کتب شیعہ مطولہ مثل ازالۃ الخفاء و تحفہ اثنا عشریہ سے بھی معلوم ہو جائے گا اور کچھ کچھ تو رسالہ ہدیۃ الشیعہ سے بھی واضح ہو جائے گا یہاں اس ردوکد کی گنجائش نہیں پر اس قدر معروض ہے کہ غصب کے لئے دو باتیں ضروری ہیں ایک مغصوب منہ دوسرے قہرِ غاصب۔ سو یہ دونوں مفقود۔ اول کے

مفقود ہونے کی تو یہ دلیل ہے کہ ابوبکر صدیق سے پہلے اہل حل عقد نے بلکہ سوا ان کے اوروں نے بھی کسی سے بیعت کی ہی نہ تھی جو غصب کی نوبت آتی۔ اور دوسرے کے مفقود ہونے کی وجہ یہ ہے کہ قبل استخلاف ابوبکر صدیق نے کسی پر جبر نہیں کیا بلکہ لوگوں نے درباب استخلاف ان پر جبر کیا۔ اور وہ جبر کرتے بھی تو کس بھروسہ پر زور وزر کچھ نہ تھا باقی تخیلات مجنونہ کو ایسے مقامات میں دستاویز بنانا دیوانوں کا کام ہے۔............ اس روایت کی تکذیب کیوجہ بزعم شیعہ مخالفت قرآن ہے سو اس کا حال رسالہ ہدیۃ الشیعہ میں بخوبی واضح ہوگیا اس رسالہ کے دیکھنے والے پر ان شاء اللہ پوشیدہ نہ رہے گا کہ اس روایت اور آیات قرآنی میں ہرگز مخالفت نہیں بلکہ اس درجہ کو وفاق ہے کہ باہم مؤید یک دیگر ہیں اور کلام اللہ کے مخالف ہی سہی مگر بزعم شیعہ کلام اللہ کی مخالفت کیا مضر ہے کلام اللہ جواب عالم میں موجود ہے وہ تو ان کے نزدیک کلام ربانی ہی نہیں بیاض عثمانی ہے۔'' (آب حیات طبع ملتان ص ۶۲)

اس عبارت سے یہ تین باتیں معلوم ہوئیں: (۱) فدک کا میراث میں نہ دینا ایسا بے محل ہے کہ کوئی سمجھ دار آدمی اسے کوئی وزن نہ دے گا اس کی بنیاد اس پر ہے کہ فدک اس سے پہلے حضور کی ذاتی ملکیت میں ہو اور اب وفات کے بعد آپ کی تمام ازواج بھی اپنے اپنے لیے اس کے ثمن کی وارث ہوں جب اس سے پہلے حضور نے کبھی فدک کے ذاتی طور پر مالک ہونے کا دعویٰ نہیں کیا تو اب صرف حضرت سیدہ کا اسے وراثت میں پانا کسی طرح سمجھ میں نہیں آتا۔ (۲) پھر غصب خلافت کا دعویٰ بھی تبھی کوئی وزن رکھتا ہے کہ پہلے کوئی خلافت پر قائم ہو اور پھر اس سے کوئی خلافت چھین لے جب یہ صورتحال تاریخ میں کہیں نہیں ملتی تو غصبِ خلافت بھی ایسا الزام ہے جس کی کوئی سمجھ دار شخص تصدیق نہ کر سکے گا۔ (۳) پھر حضرت سیدہ کے وراثت فدک کے دعویٰ کی تکذیب کا الزام اور یہ کہ اسے نہ مان کر قرآن کی تکذیب کی گئی اسے بھی کوئی وزن نہیں دیا جا سکتا جب تک کہ شیعہ کا موجود قرآن پر عقیدہ ثابت نہ کیا جائے اس پر حضرت حجۃ الاسلام نے اپنی یہ تحقیق بتائی ہے کہ شیعہ کے ہاں یہ کلام ربانی نہیں بلکہ یہ بیاض عثمانی ہے اور شیعہ سے مراد یہاں اثنا عشری شیعہ ہیں اس پس منظر میں حضرت حجۃ الاسلام کی تحقیق جو علماء دیوبند کے سب حلقے اپنے لیے ایک بڑی حجت اور دلیل سمجھتے ہیں اور ان کے ہاں اس مسئلے میں کوئی اختلاف نہیں کہ اثنا عشری موجود قرآن پر ایمان نہیں رکھتے۔ سو اس الزام میں بھی کوئی وزن نہ رہا کہ اس طلب وراثت فدک کو نہ ماننا قرآن کریم کا انکار ہے۔ جب ان کے ہاں یہ موجود قرآن، قرآن ہی نہیں تو اس کے انکار کا ان کے ہاں کیا وزن رہ گیا؟

عالم اسلام کے دردانگیز حالات میں ایمان بچانے کی ایک قومی آواز

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى... أَمَّا بَعْدُ!

قیامت برحق ہے جس طرح قرآن کریم کے بارے میں ہے ''لَا رَيْبَ فِيْهِ'' اسی طرح قیامت کے بارے میں ہے ''وَاَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ فِيْهَا'' (پ ۱۵، الکہف ۲۱)

اور جس چیز کو ہمیشہ کے لئے بچانا چاہیے وہ ایمان ہے اس وقت مسلمانوں میں اتنے نظریاتی اور اعتقادی اختلاف پیدا ہو چکے ہیں کہ اس ہیبت ناک حملے سے بچ نکلنے کی کوئی صورت آسان نظر نہیں آتی اسلام اتنے حلقوں میں تقسیم ہو چکا ہے کہ اب اپنے ایمان کو بچانے کے لئے اس کے سواء اور کوئی صورت نظر نہیں آتی کہ نئے نئے ناموں سے یکسر نکل کر اپنے اس پرانے نام پر پھر سے جمع ہو جائیں جس پر اہل حق صدیوں ممتاز رہے اور ہمارا وہ تاریخی نام

اہل السنۃ والجماعت ہے اس پر جمع ہونا ہی ان سب فتنوں کا عملی جواب ہے ہر مؤمن اور مؤمنہ کو اس دنیا میں رہتے ہوئے اپنی ان تین زندگیوں کی سلامتی برابر مطلوب رہنی چاہیے۔ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نے اپنی والدہ کی گود میں جب کلام فرمایا تو اس میں اپنی ان تینوں زندگیوں کی سلامتی چاہی تھی: ''وَالسَّلٰمُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَيَوْمَ اَمُوْتُ وَيَوْمَ اُبْعَثُ حَيًّا'' (پ ۱۶، مریم ۳۳)

ترجمہ: اور سلامتی ہو مجھ پر جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن مجھ پر موت آئے اور جس دن میں اٹھ کھڑا ہوں زندہ ہو کر۔

اس سے پہلے حضرت یحییٰ علیہ السلام کے بارے میں بھی ان تین زندگیوں کی نشاندہی کی گئی تھی: ''وَسَلٰمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوْتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا'' (پ ۱۶، مریم ۱۵)

ترجمہ: اور سلام ہو اس پر جس دن وہ پیدا ہوا اور جس دن وہ مرے اور جس دن اٹھ کھڑا ہو زندہ ہو کر۔

ان تینوں زندگیوں میں پہلی زندگی ہمارے سامنے روح وجسد سے ہے دوسری زندگی حیات فی القبر بھی اعادہ روح سے ہے اور تیسری زندگی (حشر کی زندگی) قرآن کی متعدد آیات سے جن میں ہڈیوں میں پھر سے زندگی آنا مذکور ہے، ثابت ہے۔ تعجب ہے کہ مماتی پہلی اور تیسری زندگی کو تو بالاتفاق روح اور جسد سے مانتے ہیں لیکن درمیانی زندگی میں انھیں اعادہ روح مانتے ہوئے دم گھٹتا ہے۔

ہم ذیل میں اس درمیانی زندگی (حیات فی القبر) میں سنن ابی داؤد کے حوالے سے اس زندگی میں روح کا اعادہ ہدیہ قارئین کرتے ہیں۔

''وَتُعَادُ رُوحُهُ فِي جَسَدِهِ، وَيَأْتِيهِ مَلَكَانِ فَيُجْلِسَانِهِ فَيَقُولَانِ: مَنْ رَبُّكَ؟ ''

(سنن ابی داؤد ج ۲، ص ۲۹۸)

ترجمہ: مرنے والے کی روح اس کے اس (دفن شدہ) جسد میں لوٹائی جاتی ہے اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور اسے بٹھا کر اس سے سوال کرتے ہیں۔

اہل سنت کے عقائد کے دو بڑے امام حضرت ابوحنیفہ (۱۵۰ھ) اور حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ (۲۴۱ھ) قبر میں اعادہ روح کو اہل سنت کا ایک متفقہ عقیدہ قرار دیتے ہیں۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو فقہ کا امام تو سب مانتے ہیں لیکن فقہ سے زیادہ آپ کی شان اور مرتبہ عقائد میں نمایاں رہا ہے کوفہ جس میں ہر عقیدے کے لوگ جمع تھے وہاں بیٹھ کر اہل سنت عقائد کے چراغ روشن کرنا آپ کی درس فقہ سے بھی زیادہ بڑی علمی خدمت ہے۔ فقہ اکبر ان کی عقائد پر لکھی ایک دستاویز ہے اس کی شرح محدث کبیر حضرت علامہ ملا علی قاری نے لکھی جس نے اس کتاب کو اہل سنت عقائد کی واقعی سب سے بڑی دستاویز بنا دیا ہے۔ اسی طرح حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی کتاب الصلوٰۃ بھی اہل سنت عقائد کی ایک بڑی قیمتی دستاویز ہے ہم یہاں ان دونوں کتابوں سے قبر کی زندگی کا روح مع الجسد سے ہونا ہدیہ قارئین کرتے ہیں۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے فقہ اکبر کے الفاظ

واعادۃ الروح الی العبد فی قبرہ حق پر حضرت ملا علی قاری رحمہ اللہ (۱۰۱۴ھ) لکھتے ہیں: ''اعادۃ الروح

ای ردھا و تعلقھا الی الجسد ای جسدہ بجمیع اجزائہ او بعضہ مجتمعۃ او متفرقۃ فی قبرہ حق" (ص ۱۲۰)

ترجمہ: روح کا جسد میت میں لوٹایا جانا اور اس کا جسد مدفون سے تعلق وہ جمیع اجزائے بدن سے ہو یا بعض اجزاء بدن سے ہو حق ہے۔

آگے ص ۱۲۱ پر لکھتے ہیں: "اعلم ان اھل الحق اتفقوا علی ان اللہ تعالیٰ یخلق فی المیت نوع حیاۃ فی القبر قدر ما یتالم و یتلذذ و لکن اختلفوا فی انہ ھل یعاد الروح الیہ" (ص ۱۲۱)

ترجمہ: تم جانو کہ اہل حق سب اس پر متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ قبر میں بدن میت میں ایسی حیات پیدا کر دیتے ہیں جس سے اسے تکلیف واذیت اور لذت و راحت پہنچ سکے لیکن اس میں کچھ اختلاف ہے کہ ایسا اعادہ روح سے ہوتا ہے یا فقط ایک تعلق سے۔

کوئی صورت عمل بھی ہو اس پر سب اہل حق کا اتفاق ہے کہ روح و جسد جمع ہیں۔

عذاب قبر میں اہل سنت سے اختلاف معتزلہ کا ہے وہ خبر واحد کو حجت نہیں مانتے اور اعادہ روح کی ابوداؤد کی روایت خبر واحد ہے۔ یہاں اس اختلاف کی طرف اشارہ ہوسکتا ہے لیکن حضرت علامہ ملا علی قاری رحمہ اللہ کی رائے ہے کہ اختلاف سے وہ اختلاف مراد ہے جو اس میں ہے کہ قبر میں حیات پورے بدن میں لوٹائی جاتی ہے یا بعض حصہ بدن میں؟ آپ مرقات میں لکھتے ہیں کہ حضرت ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا اس باب میں جو اختلاف بیان کیا جاتا ہے وہ اس میں ہے: "وَلَعَلَّ تَوَقُّفَ الْإِمَامِ فِي أَنَّ الْإِعَادَةَ تَتَعَلَّقُ بِجُزْءِ الْبَدَنِ أَوْ كُلِّهِ" (مرقاۃ ج ۱ صفحہ ۲۰۴)

ترجمہ: حضرت امام کا یہ توقف (اعادہ روح میں نہیں) اس میں ہے کہ روح پورے بدن میں لوٹائی جاتی ہے یا بعض حصہ بدن میں۔

امام محی الدین النووی (۶۷۶ھ) شرح صحیح مسلم میں لکھتے ہیں: "وَتَظَاهَرَتْ بِهِ الْأَحَادِيثُ الصَّحِيحَةُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ مِنْ رِوَايَةِ جَمَاعَةٍ مِنَ الصَّحَابَةِ فِي مَوَاطِنَ كَثِيرَةٍ ولا يمتنعُ فِي الْعَقْلِ أَنْ يُعِيدَ اللّٰهُ تَعَالَى الْحَيَاةَ فِي جُزْءٍ مِنَ الْجَسَدِ وَيُعَذِّبَهُ وَإِذَا لَمْ يَمْنَعْهُ الْعَقْلُ وَوَرَدَ الشَّرْعُ بِهِ وَجَبَ قَبُولُهُ وَاعْتِقَادُهُ" (شرح صحیح مسلم جلد دوم ص ۳۸۶)

ترجمہ: آنحضرت ﷺ سے صحیح احادیث جو ایک صحابی سے نہیں کئی صحابہ سے مختلف مواقع پر مروی ہوئیں بڑی قوت سے جمع ہو چکی ہیں اور یہ بات عقل کی رو سے ناممکن نہیں کہ اللہ تعالیٰ بدن میت کے کسی حصہ میں زندگی پھر سے لوٹا دے اور عذاب قبر اس پیرائے میں ہو اور شرع میں اس کا ثبوت موجود ہے سو اسے قبول کرنا اور اس کے مطابق عقیدہ رکھنا ضروری ہے۔

حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ بھی اعادہ روح کو ایمان کے درجے میں ضروری اور متواتر سمجھتے ہیں آپ فرماتے ہیں: "والایمان بالحوض والشفاعۃ والایمان بمنکر ونکیر والایمان بملک الموت بقبض الارواح ثم الرد فی الاجساد فی القبور فیسئلون عن الایمان والتوحید" (کتاب الصلوٰۃ ص ۲۱۵)

ترجمہ: حضور ﷺ کا حوض کوثر کا پانی پلانا اور اپنے امتیوں کی شفاعت کرنا اور قبر میں منکر اور نکیر کے آنے (اور سوال کرنے) پر ایمان لانا اور اس پر ایمان لانا کہ ملک الموت روحوں کو قبض کرتا ہے اور پھر اس پر ایمان لانا کہ قبروں میں پھر ان اجساد میں روح لوٹائی جاتی ہیں ایمانیات میں سے ہے۔

اموات اس ایمان کے بارے میں اسی طرح پوچھے جاتے ہیں جس طرح وہ عقیدہ توحید کے بارے میں

پوچھے جائیں گے۔

ان تصریحات سے یہ بات اور روشن کی طرح واضح ہے کہ اہل سنت کے عقائد کے یہ دو بڑے امام حضرت امام ابوحنیفہ ؒ اور حضرت امام احمد بن حنبل قبر کی اس درمیانی زندگی میں اعادہ روح پر متفق ہیں اور ان تینوں زندگیوں میں اللہ تعالیٰ سے سلامتی کے طالب ہیں۔

اسلام میں حق اور باطل کا معرکہ شروع سے چلا آرہا ہے

اسلام میں تین زمانے صحابہ ؓ کا دور، تابعین کا دور اور تبع تابعین ؒ کا دور، قرون مشہود لھا بالخیر مانے جاتے ہیں۔

امام محی الدین النووی (۶۷۶ھ) فرماتے ہیں: ''وَالصَّحِیحُ أَنَّ قَرْنَهُ ﷺ (۱) الصَّحَابَةُ (۲) وَالثَّانِي التَّابِعُونَ (۳) وَالثَّالِثُ تَابِعُوهُمْ'' (شرح صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۰۹)

ایک طریق میں یہ بھی وارد ہے کہ ان تین زمانوں کے بعد جھوٹ عام ہو جائے گا۔ (ثُمَّ يَفْشُو الْكِذْبُ) اس روایت سے یہاں ایک بہت بڑا سوال پیدا ہوتا ہے۔

ایک سوال

جب ان تین زمانوں کے بعد جھوٹ پھیلے گا تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا عبداللہ بن سبا ان تین قرنوں کے بعد امیر المؤمنین حضرت عثمان ؓ کے خلاف صف آراء ہوا یا یہ یہودی اسلام کی پہلی صدی میں ہی صحابہ کے خلاف آنکلا تھا؟

اسی طرح جو خوارج حضرت علی مرتضیٰ ؓ، حضرت معاویہ ؓ اور فاتح مصر حضرت عمرو بن العاص ؓ کے خلاف منظم ہوئے کیا یہ پہلی صدی کی ہی واردات نہیں؟

جب باطل اپنی صفوں میں حق کے خلاف اس طرح منظم ہوا تو ظاہر ہے کہ صحابہ ؓ کی پیروی میں چلنے والے تابعین بھی ضرور ان اہل باطل کے خلاف اٹھے ہوں گے اور اس طرح تبع تابعین کے دور میں جو علماء مجتہدین جیسے حضرت امام مالک، حضرت امام محمد، حضرت امام شافعی، حضرت امام احمد ؒ اس امت میں پیشوائے علم ٹھہرے، ان کے خلاف ظاہر حدیث کے پیرو جیسے ابن حزم ظاہری بھی اپنے عہد میں ان مجتہدین کی تقلید کے خلاف ضرور اٹھے ہوں گے اسی طرح اہل سنت اور معتزلہ کے اختلافات بھی تو ان قرون ثلاثہ کے اندر ہی اٹھے۔ یہاں تاریخی فراست یہ سوچنے پر مجبور کرتی ہے کہ آخر وہ کون سی کسوٹی ہے جس پر اس بات کی تصدیق حاصل ہوئی کہ حق اور باطل کی معرکہ آرائی ہمیشہ سے ہاتھوں ہاتھ چلی ہے یہ نہیں کہ ان کے دور علیحدہ علیحدہ چلے ہوں۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی

الجواب بالصواب

اللہ رب العزت کے ہاں وقت کا سب سے بڑا پیمانہ صدی (سو سال) ہے جیسا کہ سال کا پیمانہ ہے اور اس کے ہاں بارہ ماہ ہیں۔

آنحضرت ﷺ نے ایک دفعہ فرمایا کہ آج روئے زمین پر جو لوگ زندہ ہیں آج سے سو سال بعد ایک بھی ان میں سے زندہ نہ ہوگا۔ حضرت ابو سعید الخدری ﷛ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ جب تبوک سے واپس لوٹے اور آپ سے قیامت کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''لَا تَأْتِي مِائَةُ سَنَةٍ وَعَلَى الْأَرْضِ نَفْسٌ مَنْفُوسَةٌ الْيَوْمَ'' (صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۱۰)

اور حضور ﷺ نے یہ بھی بتلایا کہ اللہ تعالیٰ اس امت میں ہر صدی کے سر پر ایک مجدد یا کئی مجددین بھیجتا رہے گا جو اس امت میں ان سو سال میں پیدا کئے گئے ہر غلط عمل اور غلط نظریہ کی تردید کرتے رہیں گے۔

سو اس طرح اس امت میں کوئی غلطی بھی سو سال سے زیادہ آگے نہ چل سکے گی اگر کوئی شخص اس دور کی کسی غلط بات کو لے کر آگے چلے گا تو اس دور کے حق پرست امتی بھی ان مجددین حضرات کی کاوشوں کی روشنی میں اس دین متین سے ان تمام کاوشوں اور غلط فتنوں کو یکسر دور کردیں گے اور یہی مجدد کا کام ہوتا ہے۔

آیئے ہم پھر اصل موضوع کی طرف رجوع کریں بات یہ ہو رہی تھی کہ زندگیاں تین ہیں پہلی زندگی ولادت سے شروع ہوتی ہے دوسری موت سے اور تیسری قبروں سے اٹھنے سے اسے بعث بھی کہتے ہیں۔

حضور اکرم ﷺ فرما چکے ہیں: ''أَنَا أَوَّلُ النَّاسِ قِيَامًا إِذَا بُعِثُوا''

یہاں سے میدان حشر میں آتا ہے۔

حضرت یحیٰ ﷣ کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''وَسَلٰمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوْتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا'' (پ ۱۶، سورہ مریم ۱۵)

اور حضرت عیسیٰ ﷣ نے اپنے بارے میں سلامتی کی دعا کی: ''وَالسَّلٰمُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَيَوْمَ أَمُوْتُ وَيَوْمَ أُبْعَثُ حَيًّا'' (پ ۱۶، سورہ مریم ۳۳)

اہل سنت کے عقیدہ میں یہ تینوں زندگیاں روح مع الجسد کے ساتھ ہیں یہاں (اس زندگی میں) تو ہم دیکھ ہی رہے ہیں کہ یہ زندگی روح اور بدن سے چل رہی ہے۔

دوسری زندگی (قبر کی زندگی) کے لئے حضور ﷺ کی صحیح احادیث میں اعادہ روح کے الفاظ موجود ہیں اور تیسری زندگی میں پھر انہی ابدان کے ساتھ اٹھنا ہوگا اور اس پر قرآن کریم کی بہت سی شہادتیں موجود ہیں۔ ہم نے مماتیوں کے اس ذہن پر اس لئے حیرانی کا اظہار کیا تھا کہ وہ اس درمیانی زندگی میں روح و بدن کے اتصال کے قائل نہیں اور اہل سنت کے مقابلہ میں معتزلہ نے جو بے بنیاد باتیں کہی تھیں وہ اس پر آنے کی عوام کو تلقین کرتے ہیں معتزلہ نے قبر میں میت کو پتھر بے جان (جماد) قرار دیا ہے۔

حضرت مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی (جنہیں اس دور میں فاضل لاہوری بھی کہا جاتا تھا) نے حاشیہ خیالی میں اسے ایک سفسطہ کہا ہے وہ اسے ایک معتزلی عالم شیخ صالحی اور دوسرے کرامیہ کے عالم ابن جریر سے اس طرح نقل کرتے ہیں: ''وذهب الصالحي من المعتزلة وابن جرير طبري من الكرامية الى جواز تعذيب غير الحي وهو سفسطة ظاهرة لان الجماد لا حس له فكيف يتصور تعذيبه''

ترجمہ: معتزلہ میں صالحی اور کرامیہ میں ابن جریر طبری اس طرف گئے ہیں کہ جو جسم زندہ نہ ہو اس

پر بھی عذاب اتر سکتا ہے یہ ایک کھلا مغالطہ ہے کیونکہ جو وجود پتھر ہے اس میں حس پائی ہی نہیں جاسکتی اور اس کو عذاب دیا جانا اس طرح کیسے تصور کیا جاسکتا ہے۔

پیش نظر رہے کہ امام نووی شافعی (۶۷۶ھ) نے صحیح مسلم کی شرح میں جس محمد بن جریر کا قبر میں اعادہ روح سے انکار نقل کیا ہے وہ اہل سنت کے حافظ ابن جریر طبری (۳۱۰ھ) نہیں ہیں۔

ان کا اعادہ روح سے انکار شرح صحیح مسلم میں اہل سنت کے بالمقابل لایا گیا ہے: ''ثُمَّ الْمُعَذَّبُ عِنْدَ أَهْلِ السُّنَّةِ الْجَسَدُ بِعَيْنِهِ أَوْ بَعْضُهُ بَعْدَ إِعَادَةِ الرُّوحِ إِلَيْهِ أَوْ إِلَى جُزْءٍ مِنْهُ وَخَالَفَ فِيهِ مُحَمَّدُ بْنُ جَرِيرٍ وَعَبْدُ اللهِ بن كَرَّامٍ وطائفةٌ فَقَالُوا لَا يُشْتَرَطُ إِعَادَةُ الرُّوحِ وَقَالَ أَصْحَابُنَا هَذَا فَاسِدٌ لِأَنَّ الْأَلَمَ وَالْإِحْسَاسَ إِنَّمَا يَكُونُ فِي الْحَيِّ'' (شرح صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۸۶)

ترجمہ: اہل سنت کے عقیدے میں عذاب جسد پر ہی اترتا ہے جسد پورا ہو یا اس کا بعض یہ اعادہ روح سے ہی ہے اس پر محمد بن جریر اور عبداللہ بن کرام اور ایک پورے گروہ نے اہل سنت کی مخالفت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ اس کے لیے اعادہ روح لازم نہیں اور ہمارے اہل سنت بزرگ کہتے ہیں کہ یہ بات درست نہیں الم اور احساس ایک زندہ وجود میں ہی پائے جاسکتے ہیں۔

معتزلہ کے ایسے اقوال ساری کتابوں میں اگر ملتے ہیں تو تردید کے لئے، نہ کہ انکو اپنے ہاں قابل ترجیح اور اقوال مرضیہ سمجھا جائے۔

ہمیں نہایت افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اس دور میں بعض مماتی حضرات ان اقوال کو اپنے اقوال مرضیہ میں لائے ہیں گویا یہ اہل سنت کے ہاں پسندیدہ اور ترجیحی اقوال ہیں ان حالات میں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم اس باب ظلم سے بھی کچھ پردہ ہٹائیں۔

سرگودھا میں مولانا محمد حسین جو دہلی میں حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ محدث دہلوی کے ہاں کچھ عرصہ مدرس رہے اور پھر وہ سرگودھا میں مدرسہ ضیاء العلوم میں آرہے۔ انہوں نے مسئلہ حیاۃ النبی ﷺ میں سرگودھا کے علمائے دیوبند کے خلاف کتاب ندائے حق لکھی۔ عوام سمجھتے رہے کہ دہلی کے پرانے تعلق کی وجہ سے ان کی یہ کتاب بھی دیوبندی مسلک کی کتاب ہوگی اور اختلاف علماء میں یہ اقوال بھی جو مولانا عطاء اللہ بندیالی نے اپنے اقوال مرضیہ میں پیش کئے ہیں وہ دیوبند کی چھتری کے نیچے پڑھے اور مانے جاسکیں گے۔

بندیال کے مولانا محمد عطاء اللہ بندیالی نے اپنے رسالہ اقوال مرضیہ میں معتزلہ کا یہ قول اس طرح پیش کیا گویا یہ بھی اہل السنۃ کے مختلف اقوال میں سے ہی ایک قول ہے اور اپنے کو اس کے موافق کہنے کے لئے اپنے اس رسالے کا نام اقوال مرضیہ رکھا کہ ہم مماتی (معتزلہ کے) اس قول میں ہی اللہ کی رضا سمجھتے ہیں (استغفر اللہ)

''إِنَّ الْمَيِّتَ جَمَادٌ لَا حَيَاتَ لَهُ وَلَا إِدْرَاكَ فَتَعْذِيبُهُ مُحَالٌ'' (اقوال مرضیہ ص ۶۶)

ترجمہ: بیشک میت پتھر کی طرح ہے اس میں نہ کوئی زندگی ہے نہ قوت ادراک سو یہ نہیں ہوسکتا کہ اس پتھر کو عذاب دیا جائے یہ ناممکن ہے۔

اس سے پہلے بندیالی صاحب یہ بھی لکھ آئے ہیں:

ترجمہ: "جس عذاب وثواب کا ذکر نصوص یا احادیث وآثار میں آتا ہے دراصل اس کا محل روح ہی ہے ....اس جسم عنصری کی صورت نوعیہ بعد از موت ختم ہو جاتی ہے۔" (اقوال مرضیہ ص ۵۲)

اس سے زیادہ عقیدہ اہل سنت کی مخالفت اور معتزلہ کی موافقت اور کیا ہو سکتی ہے؟ ہم مماتیوں کے اس غلط موقف کے خلاف اس کے سوا کیا کر سکتے ہیں کہ کچھ اور اپنے اہل سنت اکابر کی تصریحات (ذکر کریں) کہ قبر میں عذاب اور ثواب روح مع الجسد کو ہوتا ہے صرف روح کو نہیں۔

حضرت امام غزالی رحمہ اللہ (۵۰۵ھ) کے استاذ امام الحرمین عبد الملک بن عبد اللہ علامہ جوینی رحمہ اللہ (۴۷۸ھ) فرماتے ہیں: "اتفق سلف الامة علی اثبات عذاب القبر واحیاء الموتی فی قبورھم ورد الارواح فی اجسادھم" (الشامل فی اصول الدین)

ترجمہ: امت کے سب اسلاف اس پر چلے آرہے ہیں کہ عذاب قبر اور مردوں کا اپنی قبروں میں پھر سے زندگی پانا اور ارواح کا اپنے جسموں میں لوٹایا جانا برحق ہے۔

شرح عقاید نسفی کی شرح نبراس میں مظفر گڑھ کے علامہ عبد العزیز پر ہاروی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: "ان الاحادیث الصحیحة ناطقة بان الروح یعاد فی الجسد عند السوال فالجواب بانکار الاعادة غیر موجه......وحاصل الجواب ان الحیات للمیت لیست کحیوة غیره...... باعادة الروح فی الجسد اعادة کاملة" (نبراس ص ۳۲۲)

ترجمہ: صحیح احادیث کھل کر بیان کر رہی ہیں کہ روح قبر کے سوال کے وقت جسد میں لوٹائی جاتی ہے سو (تفتازانی کا) معتزلہ کو اعادہ روح کے انکار سے جواب دینا بلا وجہ ہے۔......حاصل جواب یہ ہے کہ مردے کی زندگی اوروں کی زندگی کی طرح جسد میں روح کے لوٹائے جانے سے ہی نہیں۔ (یہ روح کے تعلق اور اشراق سے بھی ہو سکتی ہے)

علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ صاحب روح المعانی فرماتے ہیں: "اعلم ان اتصال الروح بالبدن لا یختص بجزئ دون جزئ بل هي متصلة مشرقة علی سائر أجزائه وإن تفرقت وكان جزء بالمشرق وجزء بالمغرب" (روح المعانی ج ۱۵، ص ۱۹۳)

ترجمہ: تم جان لو کہ روح کا بدن سے اتصال اس سے مختص نہیں کہ کسی جزو میں ہو اور کسی میں نہ ہو یہ پورے اجزاء میں اتصال واشراق سے بھی ہو سکتا ہے گو کوئی حصہ بدن مشرق میں ہو اور کوئی مغرب میں ہو۔

مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ کا بھی اعادہ روح پر اصرار نہیں

حجۃ الاسلام رحمہ اللہ حضرت مولانا محمد قاسم رحمہ اللہ نے آب حیات میں اپنا موقف اعادہ روح اور اتصال روح سے عام رکھا ہے آپ کی یہ کتاب شیعوں کی رد میں لکھی ہوئی ہے اس میں آپ نے انہیں اتصال روح کے انکار کا ملزم کہا تھا یہ نہیں کہ آپ خود مکین گنبد خضراء میں اعادہ روح کے قائل نہ ہوں ان دونوں امور پر ہم پہلے آپ کی عبارات ہدیہ قارئین کر آئے ہیں یہ بات ہم نے یہاں روح المعانی کے اس حوالہ کی وضاحت میں کہی ہے۔

بات یہ چلی آرہی تھی کہ قبر کا عذاب وثواب اگر بدن اور روح دونوں پر ہو تو ان افراد پر کیسے ہوگا جن کے بدن یکجا نہیں رہے کسی دھماکے سے اڑ گئے یا سمندر کے جانوروں کا لقمہ بنے ان کے لئے امام نووی شافعی رحمہ اللہ نے یا

محمود آلوسی ﷫ حنفی صاحب روح المعانی نے جو موقف اختیار کیا ہے اس سے صرف استبعاد کو رفع کرنا ہے پہلے دور میں معتزلہ اور اس دور میں مماتی یہ سوال برابر اٹھاتے رہے کہ اس صورت میں عذاب قبر روح وجسد دونوں کو کس طرح ہوتا ہے؟ اس کا جواب آپ بھی روح المعانی کے ان الفاظ میں پڑھ آئے ہیں کہ اس کی ایک یہ صورت بھی ہے۔:"هي متصلة مشرقة على سائر أجزائه وإن تفرقت و كان جزء بالمشرق و جزء بالمغرب"

یہاں آپ پھر ان تین زندگیوں کی طرف لوٹئے

(۱) حیات دنیا (۲) حیات قبر (۳) حیات حشر

جو آپ حضرت یحییٰ ﷤ اور حضرت عیسیٰ بن مریم کے بیان میں پڑھ آئے ہیں۔ آپ ان تینوں زندگیوں کی ایک جھلک اپنی اس محمدی نماز میں بھی ملاحظہ کریں۔

ہماری نماز میں ہر رکعت میں قیام ایک رکوع ایک قومہ ایک لیکن سجدے دو ہیں۔ یہ کیوں؟ پہلا سجدہ کرتے (وقت) ذہن ادھر جاتا ہے کہ ہم نے تمہیں اس مٹی سے پیدا کیا اور دوسرا بتلاتا ہے کہ پھر اسی مٹی میں جانا ہے اور ان دونوں میں ایک معمولی وقفہ ہے۔ یہ تمہاری اس دنیا کی زندگی ہے اور اس سے پھر تمہیں یوم الحساب کے لئے اٹھنا ہے۔

"مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى" (پ۱۶، طٰہٰ ۵۵)

ترجمہ: اس زمین سے ہم نے تم کو بنایا اور اسی میں ہم تمہیں پھر پہنچا دیتے ہیں اور اسی سے نکالیں گے ہم تم کو دوسری بار۔

اس پر حضرت شیخ الاسلام ﷫ لکھتے ہیں: "سب کے باپ آدم ﷤ مٹی سے پیدا کئے گئے پھر جن غذاؤں سے آدمی کا بدن پرورش پاتا ہے وہ بھی مٹی سے نکلتی ہیں مرنے کے بعد بھی عام آدمیوں کو جلد یا بدیر مٹی میں مل جانا ہے۔ اسی طرح حشر کے وقت بھی ان اجزاء کو جو مٹی میں مل گئے تھے دوبارہ جمع کر کے از سر نو پیدا کر دیا جائے گا جو قبروں میں ہی مدفون تھے وہ ان سے باہر نکالے جائیں گے۔" (تفسیر عثمانی ص ۴۲۰ طبع سعودی عرب)

انہی تین زندگیوں کا ذکر پھر پ ۷ سورۃ الاعراف ۲۵ میں ملتا ہے یہ اس وقت کہا گیا جب حضرت آدم ﷤ آسمان سے اترے۔

"قَالَ فِيْهَا تَحْيَوْنَ وَفِيْهَا تَمُوْتُوْنَ وَمِنْهَا تُخْرَجُوْنَ" (الاعراف)

ترجمہ: فرمایا تم اس میں زندہ رہو گے اور اسی میں تم مرو گے اور اسی سے تم نکالے جاؤ گے۔

افسوس کہ مماتی ان تین زندگیوں کا اقرار کرتے ہیں پہلی اور تیسری زندگی کو تو وہ روح وبدن کی زندگی مانتے ہیں مگر درمیانی (قبر کی زندگی) کو وہ روح وبدن سے ماننے کے لئے تیار نہیں اس میں جس طرح پہلے دور میں یہ معتزلی رہے اس دور میں یہ مماتی کے نام سے موسوم ہوئے اور قبر کی روح وبدن کی زندگی میں ان کو شرک کی بو آتی ہے۔

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

اس پر ہم اس مقدمہ کو ختم کرتے ہیں۔ اور مقام حیات کی دوسری جلد کا آغاز کرتے ہیں۔

وَهُوَ الْمُوَفِّقُ لِمَا يُحِبُّهُ وَيَرْضٰى بِهٖ وَهُوَ الْمُسْتَعَانُ وَعَلَيْهِ التُّكْلَانُ

آغازِ کتاب

مقامِ حیات

(جلد دوم)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی... اَمَّا بَعْدُ!

عقیدہ حیات النبی ﷺ کو سمجھنے کے لئے پہلے اس بات کو سمجھنے کی ضرورت ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے اجساد کا خمیر جنت کی مٹی سے اٹھایا جاتا ہے اس لئے اسے اس زمین کی مٹی نہیں کھا سکتی۔

(۱) انبیاء علیہم السلام میں سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کا نام آتا ہے اور اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ آپ کی تخلیق آسمانوں میں ہی ہوئی تھی گو ارادہ الٰہی یہ تھا کہ آپ اس زمین میں خلافت کریں گے لیکن آپ کا جسد آسمانوں میں جنت کی مٹی سے ہی بنایا گیا اور اسی سے ان کا خمیر اٹھایا گیا۔

(۲) حضرت آدم علیہ السلام کے بعد ہمارے دوسرے روحانی باپ جد الانبیاء علیہم السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں، انھیں اس دنیا کی آگ میں ڈالا گیا، تکوینا آگ کو حکم ہوا: "قُلْنَا یٰنَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓی اِبْرٰهِیْمَ" (الانبیاء ۶۹)

ترجمہ: ہم نے کہا اے آگ ٹھنڈک ہو جا اور آرام (سلامتی) ابراہیم پر۔

اس پہلو سے کہ اس سے آپ کے دشمن ذلت و خسارہ میں پڑیں یہ ابراہیم علیہ السلام کا ایک معجزہ رہا اور اس پہلو سے کہ وہ آگ آپ کے جسد خاکی پر اثر نہ کر پائے یہ ہے کہ وہ بدن جنت کی مٹی سے بنا تھا اور جس طرح حکمت الٰہی یوں جاری ہوئی کہ یہاں کی مٹی انبیاء کے جسد کو کھا نہ سکے اس طرح معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کی آگ بھی انبیاء کے جسد کو جلا نہ سکے سو اس کا معجزہ ہونا اس کے خلاف نہیں کہ آپ کے جسد خاکی کا (خمیر) جنت کی مٹی سے ہو۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں: آگ کا ابراہیم علیہ السلام پر ٹھنڈا ہونا ان کا معجزہ تھا معجزہ کی حقیقت یہ ہے کہ حق تعالیٰ اپنی عام عادت کے خلاف سبب عادی کو مسبب سے یا مسبب کو سبب سے جدا کر دے یہاں احراق کا سبب (آگ) موجود تھی مگر مسبب اس پر مرتب نہ ہوا۔ ابراہیم کا برا چاہتے تھے لیکن خود ناکامی، ذلت اور خسارہ میں پڑ گئے حق کی صداقت برملا ظاہر ہوئی اور اللہ کا کلمہ بلند ہوا۔

"قَالَ فِی الْبَحْرِ الْمُحِیْطِ: قَدْ اَکْثَرَ النَّاسُ فِیْ حِکَایَةِ مَا جَرٰی لِاِبْرَاهِیْمَ وَالَّذِیْ صَحَّ هُوَ مَا ذَکَرَهٗ تَعَالٰی مِنْ اَنَّهٗ اُلْقِیَ فِی النَّارِ فَجَعَلَهَا اللّٰهُ عَلَیْهِ بَرْدًا وَّسَلَامًا" (ص ۴۳۶ طبع سعودی عرب)

علامہ ابن حیان اندلسی صحیح صورت حال اس کو بتلا رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا حکم تکوینی یہ تھا کہ وہ آگ آپ کے جسد اطہر کو جلا نہ سکے اللہ تعالیٰ نے جس طرح یہاں کی مٹی پر حرام کیا کہ وہ انبیاء کے جسد کو کھائے اسی طرح یہاں کی آگ پر حرام کیا کہ وہ اس کو جلائے۔

(۳) حضرت ابرہیم علیہ السلام کی اولاد میں اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو جنات پر بھی حکومت دے رکھی تھی آپ کے حکم سے جنات بیت المقدس کی تعمیر میں لگے ہوئے تھے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو اپنے آخری وقت کا

پتہ چلا آپ نے بیت المقدس کے اس کام کو جاری رکھنے کی یہ تدبیر فرمائی۔ قرآن کریم میں ہے: ''وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ يَعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِإِذْنِ رَبِّهِ وَمَنْ يَزِغْ مِنْهُمْ عَنْ أَمْرِنَا نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِيرِ. يَعْمَلُونَ لَهُ مَا يَشَاءُ مِنْ مَحَارِيبَ وَتَمَاثِيلَ وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُورٍ رَّاسِيَاتٍ اعْمَلُوا آلَ دَاوُودَ شُكْرًا وَقَلِيلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُورُ. فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلَى مَوْتِهِ إِلَّا دَابَّةُ الْأَرْضِ تَأْكُلُ مِنْسَأَتَهُ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ أَنْ لَّوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوا فِي الْعَذَابِ الْمُهِينِ'' (پارہ ۲۲، سباء ۱۲ تا ۱۴)

ترجمہ: اور جنوں میں کتنے لوگ ہیں جو محنت کرتے تھے اس کے سامنے اس کے رب کے حکم سے۔ بناتے اس کے واسطے جو کچھ وہ چاہتا قلعے اور تصویریں اور لگن جیسے تالاب اور دیگیں چولہوں پر جمی ہوئیں۔ کام کرو اے داؤد کے گھر والو! احسان مان کر اور تھوڑے ہیں میرے بندوں میں احسان ماننے والے پھر جب مقرر کیا ہم نے اس پر موت کو نہ جتلایا ان کو اس کا مرنا مگر کیڑے نے گھن کے کھاتا رہا اس کا عصاء پھر جب وہ گر پڑا معلوم کیا جنوں نے کہ اگر وہ خبر رکھتے ہوتے غیب کی نہ رہتے ذلت کی تکلیف میں۔

اس پر حضرت شیخ الاسلام رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''حضرت سلیمان علیہ السلام جنوں کے ہاتھوں مسجد بیت المقدس کی تجدید کرا رہے تھے جب معلوم کیا کہ میری موت آ پہنچی، جنوں کو نقشہ بتا کر آپ ایک شیشہ کے مکان میں در بند ہو کے عبادتِ الٰہی میں مشغول ہو گئے جیسا کہ آپ کی عادت تھی کہ مہینوں خلوت میں رہ کر عبادت کیا کرتے تھے اسی حالت میں فرشتہ نے روح قبض کر لی اور آپ کی نعش مبارک لکڑی کے سہارے کھڑی رہے اور کسی کو آپ کی وفات کا احساس نہ ہو سکا وفات کے بعد مدت تک جن بدستور تعمیر کرتے رہے جب تعمیر پوری ہو گئی جس عصا پر ٹیک لگا رہے تھے گھن کے کھانے سے گرا تب سب کو وفات کا حال معلوم ہوا اس سے جنات کو خود اپنی غیب دانی کی حقیقت کھل گئی اور ان کے معتقد انسانوں کو بھی پتہ لگ گیا کہ اگر انہیں غیب کی خبر رہتی تو کیا اس ذلت آمیز تکلیف میں پڑے رہتے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات کو محسوس کرتے ہی یہ کام چھوڑ دیتے۔''

اس کے بعد آپ لکھتے ہیں: ''اس سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ شیطان وغیرہ کی تسخیر کچھ حضرت سلیمان علیہ السلام کا کسبی کمال نہ تھا محض فضل ایزدی تھا جو اللہ چاہے تو موت کے بعد ایک لاش کے حق میں بھی قائم رکھ سکتا ہے نیز سلیمان علیہ السلام پر زندگی میں جو انعامات ہوئے تھے ان کی تکمیل ہوئی کہ موت کے بعد بھی ایک ضروری حد تک انہیں جاری رکھا گیا اور انہیں بتلا دیا کہ پیغمبروں کے اٹھائے ہوئے کاموں کو اللہ تعالیٰ کس کس تدبیر سے پورا کرتا ہے۔'' (ص ۵۷۲)

قرآن کریم سے حفظِ اجسادِ انبیاء علیہم السلام کا روشن ثبوت

قرآن کریم کی یہ نہایت روشن شہادت ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے عصا کو سالہا سال کھڑا رہنے سے گھن لگ گیا لیکن حضرت سلیمان علیہ السلام کے اپنے جسد مبارک کو وہ نہ لگا اور آپ کی ٹانگیں پوری سلامتی سے زمین پر آ لگیں یہ تحفظ اجساد انبیاء کی کھلی آسمانی ضمانت ہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ عقیدہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جب صلوٰۃ وسلام پڑھا جائے تو وہ آپ کے جسد اطہر پر اترتا ہے تبھی تو انھوں نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ آپ کی وفات کے بعد آپ پر ہمارا عرض صلوٰۃ

وسلام کیسے ہوگا؟ اس پر آپ ﷺ نے انہیں تحفظ اجساد انبیاء کی خبر دی۔

ہم مقام حیات کی پہلی جلد ص ۳۹۷ طبع قدیم پر تحفظ اجساد انبیاء ﷩ کے جملہ پہلوؤں پر تفصیل سے بحث کر آئے ہیں اور اس حقیقت کے تسلیم کرنے سے چارہ نہیں کہ انبیاء کرام ﷩ کے اجساد محفوظ ہوتے ہیں اور انھیں مٹی نہیں کھا سکتی۔

(۴) قرآن کریم سے حفظِ اجساد انبیاء کا ایک اور ثبوت

حضرت یونس علیہ السلام کا مچھلی کے پیٹ میں جانا اور وہاں کئی دنوں تک زندہ رہنا کسے معلوم نہیں؟

آپ اس پر بھی توجہ دیں کہ جب کوئی جانور کسی دوسرے جانور کو پورا نگل لے تو اس کا دوسرا عمل کیا ہوتا ہے؟ اسے اندر ہی اندر چورا کرتا اور اسے کھا لیتا۔

یہاں یہ سوال ابھرتا ہے کہ اس مچھلی نے یہ کام کیوں نہ کیا؟ اس کا جواب اس کے سوا کیا ہو سکتا ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام نبی تھے اور نبیوں کے اجساد اس دنیا کے تمام ایسے معرکوں میں ایک آسمانی حفاظت سے محفوظ ہوتے ہیں انہیں کوئی دوسرا جانور کھا نہیں سکتا۔

اللہ تعالیٰ نے سورۃ انبیاء میں اس کا اس طرح ذکر کیا ہے: ''وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادٰي فِي الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ. فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ وَكَذٰلِكَ نُـــــــجِي الْمُؤْمِنِيْنَ '' (پ ۱۷، الانبیاء ۸۷، ۸۸)

ترجمہ: اور مچھلی والے کو جب چلا گیا غصہ ہو کر پھر سمجھا کہ ہم نہ پکڑ سکیں گے اس کو پھر پکارا ان اندھیروں میں کہ کوئی حاکم نہیں سوائے تیرے تو بے عیب ہے میں تھا گناہگاروں سے، پھر سن لی ہم نے اس کی فریاد اور بچا دیا اس کو اس گھٹن سے اور یونہی ہم بچا رہے ہیں ایمان والوں کو۔

حضرت شیخ الاسلام ﷫ نے اس واقعہ کا اس طرح نقشہ کھینچا ہے جس سے ہر پڑھنے والے کو یقین ہو جاتا ہے کہ انبیاء کرام کے اجساد طاہرہ کو اس زمین کی مٹی سے بنے ہرگز نہیں کھا سکتے آپ کے اس مچھلی کے پیٹ سے زندہ باہر آنے کو قرآن کریم نے پھر سورۃ صافات میں بیان کیا ہے پہلے آپ حضرات اس کے سورۃ انبیاء میں دیے ہوئے بیان کو حضرت شیخ الاسلام ﷫ کے الفاظ میں پڑھ لیں:

اللہ تعالیٰ نے ان کو شہر نینویٰ کی طرف جو موصل کے مضافات میں سے ہے مبعوث فرمایا تھا یونس علیہ السلام نے ان کو بت پرستی سے روکا اور حق کی طرف بلایا وہ ماننے والے کہاں تھے روز بروز ان کا عناد و تمرد ترقی کرتا رہا۔ آخر بددعا کی اور قوم کی حرکات سے خفا ہو کر غصہ میں بھرے ہوئے شہر سے نکل گئے حکم الٰہی کا انتظار نہ کیا اور وعدہ کر گئے کہ تین دن کے بعد تم پر عذاب آئے گا ان کے نکل جانے کے بعد قوم کو یقین ہوا کہ نبی کی بددعا خالی نہیں جائے گی کچھ آثار بھی عذاب کے دیکھے ہوں گے گھبرا کر سب لوگ بچوں اور جانوروں سمیت باہر جنگل میں چلے گئے اور ماؤں کو بچوں سے جدا کر دیا میدان میں پہنچ کر سب نے رونا چلانا شروع کر دیا بچے اور مائیں آدمی اور جانور سب شور مچا رہے تھے کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی تمام بستی نے سچے دل سے توبہ کی بت توڑ ڈالے خدا

تعالیٰ کی اطاعت کا عہد باندھا اور حضرت یونس علیہ السلام کو تلاش کرنے لگے کہ ملیں تو ان کے ارشاد پر کاربند ہوں حق تعالیٰ نے آنے والا عذاب ان پر سے اٹھالیا۔

اللہ تعالیٰ نے پھر آپ کے مچھلی کے پیٹ سے زندہ نکل آنے کا واقعہ پ ۲۳ سورۃ الصافات میں اس طرح بیان کیا ہے: ''وَاِنَّ یُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ، اِذْ اَبَقَ اِلَی الْفُلْکِ الْمَشْحُوْنِ، فَسَاھَمَ فَکَانَ مِنَ الْمُدْحَضِیْنَ، فَالْتَقَمَهُ الْحُوْتُ وَهُوَ مُلِیْمٌ، فَلَوْلَآ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِيْنَ، لَلَبِثَ فِیْ بَطْنِهٖۤ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ، فَنَبَذْنٰهُ بِالْعَرَاۗءِ وَهُوَ سَقِیْمٌ، وَاَنْۢبَتْنَا عَلَیْهِ شَجَرَةً مِّنْ یَّقْطِیْنٍ''

(الصافات ۱۳۹ تا ۱۴۶)

ترجمہ: اور تحقیق یونس ہے رسولوں میں سے جب بھاگ کر پہنچا اس بھری کشتی پر۔ پھر قرعہ ڈلوایا تو نکلا خطاوار، پھر لقمہ کیا اس کو مچھلی نے اور وہ الزام کھایا ہوا تھا۔ پھر اگر نہ ہوتی یہ بات کہ وہ یاد کرتا تھا پاک ذات کو تو رہتا اسی کے پیٹ میں جس دن تک کہ مردے زندہ ہوں پھر ڈال دیا ہم نے اس کو ایک چٹیل میدان میں اور وہ بیمار تھا اور اگایا ہم نے اس پر ایک درخت بیل والا۔

اس پر حضرت شیخ الاسلام ؒ لکھتے ہیں: ''الزام یہی تھا کہ خطا اجتہادی سے حکم الٰہی کا انتظار کیے بغیر بستی سے نکل پڑے عذاب کے دن کی تعیین کر دی یعنی چونکہ مچھلی کے پیٹ میں بھی اور پیٹ میں جانے سے پہلے بھی اللہ کو یاد کرتا تھا اس لیے ہم نے جلدی نجات دے دی ورنہ قیامت تک اس کے پیٹ سے نکلنا نصیب نہ ہوتا مچھلی کی غذا بن جاتے۔''

تنبیہ: ''لَلَبِثَ فِیْ بَطْنِهٖۤ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ...'' کنایہ ہے کبھی نہ نکلنے سے اور یہ واقعہ دریائے فرات کا ہے۔ علامہ محمود آلوسی بغدادی ؒ نے لکھا ہے کہ ہم نے خود اس دریا میں بڑی مچھلیاں مشاہدہ کی ہیں تعجب نہ کیا جائے۔

پہلے گزر چکا کہ شکم ماہی میں ان کی تسبیح یہ تھی: ''لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ'' مچھلی کو حکم ہوا اس نے یونس علیہ السلام کو اپنے پیٹ سے نکال کر ایک کھلے میدان میں ڈال دیا، غالباً کافی غذا وہوا وغیرہ نہ پہنچنے کی وجہ سے بیمار اور نحیف ہو گئے کہتے ہیں کہ دھوپ کی شعاع اور مکھی وغیرہ کا بدن پر بیٹھنا بھی ناگوار ہوتا تھا اللہ کی قدرت سے وہاں کدو کی بیل اُگ آئی اس کے پتوں نے اس کے جسم پر سایہ کر لیا اور اس طرح قدرت خداوندی سے غذا وغیرہ کا سامان بھی ہو گیا۔

اس وقت اس واقعہ کی تفصیلات ہمارا موضوع نہیں ہم اس سے صرف یہ استدلال کر رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح حفاظت کی حضرت یونس علیہ السلام کے بدن کی اور آپ کس طرح ایک مچھلی کے پیٹ سے زندہ باہر نکل آئے یہ تحفظ اجساد انبیاء پر قرآن کی چوتھی شہادت ہے۔

(۵) حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جسد کے تحفظ کی شہادت

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب مدین سے واپس مصر جارہے تھے تو رستے میں آپ نے ایک نہایت عجیب وغریب منظر دیکھا۔

اسے حضرت شیخ الاسلام ؒ کے اپنے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیں: ''ایک درخت میں زور وشور سے آگ

لگ رہی ہے اور آگ جس قدر زور سے بھڑکتی ہے درخت اسی قدر سرسبز ہو کر لہلہاتا ہے اور جوں جوں درخت کی سرسبزی وشادابی بڑھتی ہے آگ کا اشتعال تیز ہوتا جاتا ہے موسیٰ ﷤ نے آگ کے قریب جانے کا قصد کیا لیکن جتنا آگ سے نزدیک ہونا چاہتے آگ دور ہٹتی جاتی اور جب گھبرا کر ہٹنا چاہتے تو آگ تعاقب کرتی۔ اسی حیرت ودہشت کی حالت میں آواز آئی انی انا ربک میں جو ہوں اللہ ہوں کسی کی بندگی نہیں سوائے میرے۔ گویا وہ درخت بلاتشبیہ اس وقت غیبی ٹیلیفون کا کام کر رہا ہے۔'' (ص۱۷۱۴ طبع سعودی عرب)

اس وقت اس پر تعجب نہیں کہ وہ درخت آگ سے جلتا کیوں نہ تھا اس پر حیرت ہے کہ اس سے حضرت موسیٰ ﷤ کا جسد خاکی کیوں نہ جلا؟ اس پر ہم سوائے اس کے اور کیا کہہ سکتے ہیں کہ انبیاء ﷩ کے اجساد کریمہ کو تحفظ آسمانی کی ضمانت حاصل ہے۔

رہی یہ بات کہ اس وقت حضرت موسیٰ ﷤ گر کیوں پڑے؟

''فَلَمَّا تَجَلّٰی رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا'' (پ۹، الاعراف ۱۴۳)

تو یہ گرنا خود اس بات کی شہادت ہے کہ آپ کا بدن محفوظ رہا آگ اس کو جلا نہ سکی۔

یہ ''خَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا'' اس طرح ہے جیسے حضرت سلیمان ﷤، (جب ان کی لاٹھی کو گھن لگ گیا تو وہ) زمین پر گر پڑے تھے اور ان کا بدن مبارک گھن سے بالکل محفوظ رہا تھا آپ قرآن کریم کی یہ شہادت پہلے پڑھ آئے ہیں: ''فَلَمَّا خَرَّ تَبَیَّنَتِ الْجِنُّ اَنْ لَّوْ كَانُوْا یَعْلَمُوْنَ الْغَیْبَ مَا لَبِثُوْا فِی الْعَذَابِ الْمُهِیْنِ'' (پ۲۲، سبا ۱۴)

(۶) اصحاب کہف اپنے اجساد کریمہ سے بلا کھائے پیئے سالہا سال تک زندہ رہے

یہ انبیاء نہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے بلند پایہ اولیاء کرام ضرور تھے اللہ تعالیٰ نے سالہا سال ان کے عنصری ابدان کی حفاظت کس طرح کی اسے سورۃ الکہف میں ملاحظہ کیجئے:

''وَتَرَى الشَّمْسَ اِذَا طَلَعَتْ تَّزٰوَرُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْیَمِیْنِ وَاِذَا غَرَبَتْ تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ وَهُمْ فِیْ فَجْوَةٍ مِّنْهُ ذٰلِكَ مِنْ اٰیٰتِ اللّٰهِ مَنْ یَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ وَمَنْ یُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِیًّا مُّرْشِدًا، وَتَحْسَبُهُمْ اَیْقَاظًا وَّهُمْ رُقُوْدٌ وَّنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْیَمِیْنِ وَذَاتَ الشِّمَالِ وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَیْهِ بِالْوَصِیْدِ لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَیْهِمْ لَوَلَّیْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَّلَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا'' (پ۱۵، الکہف ۱۷، ۱۸)

ترجمہ: اور تو دیکھے دھوپ جب نکلتی ہے بچ کر نکل جاتی ہے ان کی کھوہ سے داہنے کو اور جب ڈوبتی ہے کترا جاتی ہے ان سے بائیں کو اور وہ میدان میں ہیں اس کے۔ یہ ہے اللہ کی قدرتوں سے جس کو راہ دیوے اللہ وہی آئے راہ پر اور جسکو وہ بچلائے پھر تو نہ پائے ان کا کوئی رفیق راہ پر لانے والا اور تو سمجھے وہ جاگتے ہیں اور وہ سو رہے ہیں اور کروٹیں دلاتے ہیں ہم ان کو داہنے اور بائیں اور کتا ان کا پسار رہتا ہے اپنی باہیں (بازو) چوکھٹ پر۔ اگر تو جھانک کر دیکھے ان کو تو پیٹھ دے کر بھاگے ان سے اور بھر جائے تجھ میں ان کی دہشت۔

ان کی یہ حیات انبیاء کی حیات سے بھی زیادہ عجیب تر ہے معلوم نہیں ان کے بارے میں یہ ہمارے دور کے منکرین حیات کیا کہتے ہوں گے جن کے لئے یہ ماننا مشکل ہو کہ حضور ﷺ اپنے روضہ میں ایک پردے کے پیچھے برزخی حیات سے زندہ ہیں معلوم نہیں وہ ان اصحاب کہف کی اس حیات کے بارے میں کیا کہتے ہوں گے ان کی

اس حیات میں جو رعب اور وحشت ہے ظاہر ہے کہ وہ انبیاء کرام کی اس حیات میں جس کا سمجھنا آج ان منکرین حیات کے لئے ایک مصیبت بنا ہوا ہے کہیں ہے۔

اصحاب کہف کے حالات کے بارے میں بہت کچھ کہا گیا اور لکھا گیا ہے لیکن ہم ان تمام بیانات سے قطع نظر ان کے بارے میں اسی نصیحت پر اکتفاء کرتے ہیں جو حضرت شیخ الاسلام نے کی ہے: "یہ پتہ نہیں کہ اس کے بعد اصحاب کہف زندہ رہے یا انتقال کر گئے انتقال ہوا تو کب ہوا زندہ رہے تو کب تک رہے یا کب تک رہیں گے؟ بہر حال اہل شہر نے ان کے عجیب وغریب احوال پر مطلع ہو کر فرط عقیدت سے چاہا کہ اس غار کے پاس کوئی مکان بطور یادگار تعمیر کریں جس سے زائرین کو سہولت ہو۔ اس میں اختلاف رائے ہوا ہوگا کہ کس قسم کا مکان بنایا جائے۔ تاہم جو بارسوخ یا ذی اقتدار لوگ تھے ان کی رائے یہ قرار پائی کہ غار کے پاس ایک عبادت گاہ تعمیر کر دی جائے اصحاب کہف نسبت بجز اس کے کہ پکے موحد اور متقی تھے یقینی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ کس نبی کی شریعت کے پیرو تھے۔ لیکن جن لوگوں نے معتقد ہو کر وہاں مکان بنایا وہ نصاریٰ تھے۔"　(ص ۳۹۵)

حضرت خضر علیہ السلام کی تلاش میں اس سے بھی زیادہ کا ایک منظر

قرآن کریم میں علم لدنی دیئے جانے والے ایک مرد غیبی کا اس طرح ذکر ملتا ہے: "فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا"　(پ ۱۵ الکہف ۶۵)

ترجمہ: پھر پایا (ان دونے) ایک بندہ ہمارے بندوں کا جس کو دی تھی ہم نے رحمت اپنے پاس سے اور سکھلایا تھا اپنے پاس سے (علم لدنی) ایک علم۔

اس پر حضرت شیخ الاسلام لکھتے ہیں: "وہ بندہ حضرت خضر علیہ السلام تھے جن کو حق تعالیٰ نے رحمت خصوصی سے نوازا اور اسرار کونیہ کے علم سے حصہ وافر عطا فرمایا تھا۔ اس میں اختلاف ہے کہ حضرت خضر کو رسول مانا جانے یا محض ولی کے درجہ میں رکھا جائے ایسے مباحث کا فیصلہ یہاں نہیں ہو سکتا تاہم احقر کا رجحان اس طرف ہے کہ انکو نبی تسلیم کیا جائے۔"　(ص ۴۰۲)

وہ دو کون تھے جن کا ذکر ہے؟

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے خادم خاص حضرت یوشع بن نون! حضرت یوشع نے آئندہ ایک بڑا مقام پانا تھا اس لیے یہاں انہیں ایک خادم کی بجائے "اپنے جوان" کا پر عزت عنوان دیا گیا حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے آپ کو وقت کا سب سے بڑا عالم سمجھتے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کی اصلاح کے لئے ان کی طرف توجہ دلائی کہ ہمارا ایک بندہ تم سے زیادہ علم رکھتا ہے، وہ تمہیں ملے گا کہاں؟ جہاں دو دریا ملتے دکھائی دیں۔

حضرت شیخ الاسلام لکھتے ہیں: "تب وحی آئی کہ جس جگہ دو دریا ملتے ہیں اس کے پاس ہمارا ایک بندہ ہے جو تم سے زیادہ علم رکھتا ہے۔"

دو دریا سے کون سے دریا مراد ہیں؟

بعض نے کہا بحر فارس اور بحر روم لیکن یہ دونوں ملتے نہیں شاید ملاپ سے مراد قرب ہوگا یعنی جہاں دونوں

کا فاصلہ کم سے کم رہ جائے بعض افریقہ کے دو دریا مراد لیتے ہیں بعض علماء کے نزدیک مجمع البحرین وہ مقام ہے جہاں پہنچ کر دجلہ اور فرات خلیج فارس میں گرتے ہیں۔ واللہ اعلم!

بہرحال موسیٰ علیہ السلام نے درخواست کی مجھے اس کا پورا پتہ نشان بتایا جائے تاکہ میں وہاں جا کر کچھ علمی استفادہ کروں حکم ہوا کہ اس کی تلاش میں نکلو تو ایک مچھلی تل کر ساتھ رکھ لو جہاں مچھلی گم ہو وہیں سمجھنا کہ وہ بندہ موجود ہے گویا مجمع البحرین سے جو ایک وسیع قطعہ مراد ہو سکتا تھا اس کی پوری تعیین کے لئے یہ علامت مقرر فرما دی۔ موسیٰ علیہ السلام نے اسی ہدایت کے موافق اپنے خادم خاص حضرت یوشع کو ہمراہ لے کر سفر شروع کر دیا اور یوشع کو کہہ دیا کہ مچھلی کا خیال رکھنا میں برابر سفر کرتا رہوں گا یہاں تک کہ منزل مقصود پر پہنچ جاؤں۔ (ص ۴۰۱)

آپ آگے جا کر لکھتے ہیں: ''وہاں پہنچ کر ایک بڑے پتھر کے قریب جس کے نیچے آب حیات کا چشمہ جاری تھا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا کہ بھنی ہوئی مچھلی باذن اللہ زندہ ہو کر زنبیل سے نکل پڑی اور عجیب طریقہ سے دریا میں سرنگ بناتی چلی گئی وہاں پانی میں خدا کی قدرت سے ایک طاق سا کھلا رہ گیا یوشع کو دیکھ کر تعجب آیا چاہا کہ موسیٰ بیدار ہوں تو ان سے کہوں وہ بیدار ہوئے تو دونوں آگے چل کھڑے ہوئے۔ یوشع نہ معلوم کن خیالات میں پڑ کر کہنا بھول گئے۔ روایات میں ہے کہ موسیٰ نے جب ان کو مچھلی کی خبر گیری کے لئے کہا تھا تو ان کی زبان سے نکلا کہ یہ کوئی بڑا کام نہیں لہٰذا متنبہ کیا گیا کہ چھوٹے سے چھوٹے کام بھی آدمی کو محض اپنے نفس پر بھروسہ نہیں چاہیے۔'' (ص ۴۰۱)

مچھلی کے گم ہونے کی کیا صورت عملاً سامنے آئی؟

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس مرد غیبی کے ملنے کے لئے صرف مچھلی کے گم ہونے کا نشان دیا گیا تھا اور اس کے گم ہونے کی کئی صورتیں ہو سکتی تھیں کوئی فرشتہ اسکو اٹھا لے یا کوئی شخص اسے کھا لے لیکن اللہ تعالیٰ کے اسرار تکوینی میں جو اس کے گم ہونے کی صورت تھی وہ بہت زیادہ حیرت افزا تھی۔ موسیٰ علیہ السلام بھی اسے دیکھ نہ پائے وہ عجیب وغریب نظارہ صرف حضرت یوشع نے دیکھا مٹی اور پہاڑوں میں سرنگیں بنتی تو لوگوں نے عام دیکھی ہوں گی لیکن پانی میں سرنگ کا بننا اب تک کہیں سنا یا دیکھا نہ گیا تھا۔

پھر مچھلی کے بارے میں یہ شک نہیں ہو سکتا کہ وہ مرنہ چکی تھی مرنے کے بعد وہ اچھی تلی اور بھنی ہوئی تھی اس کا زنبیل سے زندہ ہو کر نکلنا اور پھر سے دریا میں چلا جانا یہ عجیب وغریب واقعہ بھی صرف حضرت یوشع ہی دیکھ پائے۔ ایسے عجیب وغریب واقعہ کو قرآن میں پڑھ کر تو کسی مسلمان کو کوئی گرانی محسوس نہیں ہوتی لیکن یہ واقعہ جو کسی حدیث سے سامنے آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی قبر میں نماز پڑھتے دیکھا تو ہمارے نادان دوستوں کو عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا تحمل بہت گراں دکھائی دیتا ہے آیئے قرآن کریم میں دیکھیں کہ مچھلی کے گم ہونے کی کیا کیا عملی صورت سامنے آئی اور پھر جانیں کہ اللہ تعالیٰ جو چاہے کرے اس کی قدرت کا کوئی احاطہ نہیں کر سکتا اگر مچھلی میں اس کی روح دوبارہ آ سکتی ہے اور وہ زندہ ہو کر پھر دریا میں چھلانگ لگا سکتی ہے تو انبیاء کا وفات کے بعد تعلق روح سے زندہ ہونا اس میں ان منکرین حیات کو عقلاً یا نقلاً کونسی مشکل محسوس ہوتی ہے۔

''فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا نَسِيَا حُوتَهُمَا فَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا، فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتٰهُ اٰتِنَا غَدَاءَنَا لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا، قَالَ اَرَءَيْتَ اِذْ اَوَيْنَآ اِلَى الصَّخْرَةِ فَاِنِّيْ نَسِيْتُ الْحُوْتَ وَمَآ اَنْسٰنِيْهُ اِلَّا

الشَّيْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَهٗ وَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ عَجَبًا" (پ ۱۵ الکہف ۶۱ تا ۶۳)

ترجمہ: ...... پھر جب پہنچے دونوں دریا کے ملاپ تک بھول گئے اپنی مچھلی پھر اس نے اپنی راہ کر لی دریا میں سرنگ بنا کر۔ پھر جب آگے چلے کہا موسیٰ نے اپنے جوان کو لا ہمارے پاس ہمارا کھانا ہم نے پائی اپنے اس سفر میں تکلیف (تھکان) بولا وہ دیکھا تو نے جب ہم نے جگہ پکڑی اس پتھر کے پاس۔ سو میں بھول گیا مچھلی اور یہ مجھ کو بھلا دیا شیطان ہی نے کہ اس کا ذکر کروں اور اس نے (مچھلی نے) کر لیا اپنا راستہ دریا میں عجیب طرح۔

حضرت شیخ الاسلام ؒ کی یہ بات آپ پہلے پڑھ آئے ہیں: "یوشع علیہ السلام نے دیکھا کہ بھنی ہوئی مچھلی باذن اللہ زندہ ہو کر زنبیل سے نکل پڑی اور عجیب طریقہ سے دریا میں سرنگ سی بناتی چلی گئی وہاں پانی میں خدا کی قدرت سے ایک طاق سا کھلا رہ گیا۔" (ص ۴۰۱)

معلوم نہیں کہ اس دور کے منکرین حیات النبی ﷺ ان آیات کو پڑھتے اور ایک مچھلی کا پھر سے زندہ ہونا مانتے ہوئے حضور ﷺ کے بارے میں کیوں اتنے جری ہو گئے کہ آپ کے اپنی وفات کے بعد برزخی زندگی سے زندہ ہونے کا کھلے بندوں انکار کرتے ہیں۔

صحابہ کرام ؓ کا یہی عقیدہ تھا کہ حضور ﷺ پر پڑھا گیا صلوٰۃ وسلام آپ کے اسی جسدِ اطہر پر پیش ہوتا ہے جو ان کے سامنے ہے تبھی تو انھوں نے حضور ﷺ سے کہا ہمارا صلوٰۃ وسلام آپ پر کس طرح پیش ہوگا جب آپ اپنی قبر میں ہوں گے اس پر حضور ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ وہ تو صرف روح پر پیش ہوتا ہے بلکہ ارشاد فرمایا کہ پیغمبروں کے اجساد مٹی کے ساتھ مٹی نہیں ہوتے یعنی صلوٰۃ وسلام ان پر برابر اترتا رہے گا اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ انبیاء کرام کے اجساد ایک برزخی زندگی سے زندہ ہیں اور ان پر صلوٰۃ وسلام کے پیش ہونے سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

اگر حضور ﷺ کی روح مبارک کسی اور جگہ ہو اور جسد اطہر روضہ پاک میں اس زمین پر ہو تو جو فرشتے امتیوں کا درود وسلام حضور ﷺ تک لے جاتے ہیں ان کا دائرہ عمل بین السماء والارض ہوگا لیکن حدیث میں صریح طور پر ان فرشتوں کے لئے "سیاحین فی الارض" کے الفاظ وارد ہیں۔ درود پڑھنے والے بھی زمین پر اور حضور ﷺ کا جسدِ اطہر بھی اسی زمین پر تو اس پہلو سے ان کے لئے حدیث میں سیاحین فی الارض کے الفاظ وارد ہیں۔

امام ابو محمد عبداللہ بن عبدالرحمن الدارمی (م ۲۵۵ھ) اور امام ابوعبدالرحمن احمد بن شعیب النسائی (۳۰۳ھ) حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "إِنَّ لِلّٰهِ مَلَائِكَةً سَيَّاحِينَ فِي الْأَرْضِ يُبَلِّغُونِي مِنْ أُمَّتِي السَّلَامَ" (سنن دارمی ج ۲ ص ۲۵۰ وسنن نسائی ج ۱ ص ۱۸۹)

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ کے فرشتے ہیں جو اس زمین پر برابر سیاحت میں رہتے ہیں وہ مجھے میرے امتیوں کا درود وسلام پہنچاتے ہیں۔

ان کی زمین پر سیاحت اس طرح ہے کہ درود وسلام پڑھنے والے بھی اس زمین پر اور حضور ﷺ بھی اسی زمین پر اور اب بعد وفات روضہ مبارک بھی اس زمین پر اور آپ کی رفاقت میں حضرت ابوبکر ؓ اور حضرت عمر ؓ بھی اس گنبدِ خضریٰ کے مکین ہیں۔

اس صریح ارشاد نبوت کے ہوتے ہوئے پھر بھی اگر کوئی نادان عقیدہ حیات النبی ﷺ کو اپنے لیے ایک بوجھ سمجھتا ہے تو سوائے اس کے کیا سمجھا جا سکتا ہے کہ اسے اہل سنت کی لائن ہی نصیب نہیں۔

آئیے! اب ہم صرف قرآن کریم کی روشنی میں اس عقیدہ کا کچھ تجزیہ کریں پہلے تو ہم صرف تحفظ اجساد انبیاء کے موضوع میں لگے رہے کیونکہ اس کے بغیر مسئلہ حیات انبیاء کو سمجھنا کوئی آسان مرحلہ محسوس نہیں ہوتا۔

"وَاللّٰهُ هُوَ الْمُوَفِّقُ لِمَا يُحِبُّهُ وَيَرْضٰى بِهٖ"

شہادۃ القرآن باعلی النداء باعتقاد حیات نبینا فی الروضۃ الخضراء

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى... اَمَّا بَعْدُ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ، اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ (پ ۲۱، الاحزاب ۶)

ترجمہ: نبی کا مؤمنین سے لگاؤ ان کی جان سے زیادہ ہے اور اس کی بیویاں سب مؤمنین کی مائیں ہیں۔

اس آیت کریمہ نے (ہم) مؤمنین کو حضور اکرم ﷺ کی ازواج مطہرات کے امہات المؤمنین ہونے کا عقیدہ دیا ہے اور ظاہر ہے کہ یہاں مؤمنین سے مراد صرف حضرت خاتم النبیین ﷺ کی وفات سے پہلے ایمان لانے والے ہی نہیں آپ پر قیامت تک ایمان لانے والے سب اس صف مؤمنین میں داخل ہیں اس آیت میں امہات المؤمنین کے لئے ہمیشہ کے لئے ازواج کا لفظ نہایت غور طلب ہے پوری دنیا میں ہر فوت ہونے والے کی بیویاں اس کی وفات کے بعد اس کی بیوہ سمجھی جاتی ہیں۔ اب ان کے لئے اس کی بیویاں ہونے کا لفظ باقی نہیں رہتا یہ وہ عرف عام ہے جس سے دنیا کا کوئی تمدن انکار نہیں کرتا۔

دنیا سے انصاف اگر کلیۃً ختم نہیں ہو گیا اور اس میں کسی درجہ میں بھی علمی حیاء پائی جاتی ہے تو وہ قرآن پاک کی اس آیت کی روشنی میں سب امہات المؤمنین کے لئے حضور ﷺ کی ازواج ہونے کا پُر افتخار و اعزاز لقب کبھی نہ چھین سکے گا۔ دوسرے لفظوں میں یوں سمجھئے کہ وہ عقیدہ حیات النبی ﷺ کا کسی پہلو سے بھی انکار نہ کر سکے گا۔

بیوی اور بیوہ میں صرف موت کا فاصلہ ہے

بیوی صرف اس وقت تک بیوی ہوتی ہے جب تک خاوند زندہ ہے اس کی وفات کے متصلاً بعد وہ بیوہ ہو جاتی ہے عربی میں کہا جاتا ہے آم الرجل من زوجتہ اوالمرأۃ من زوجھا۔ آدمی رانڈ ہو گیا اپنی بیوی سے یا عورت بیوہ ہو گئی اپنے خاوند سے۔ اس لفظ کے ماضی مضارع ہیں: آم یئیم ایمۃ۔

اللہ تعالیٰ سورۃ النور میں بیواؤں کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں: "وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ"

(پارہ ۱۸، سورۃ النور ۳۲)

ترجمہ: اور اپنی قوم کی بیوہ عورتوں کے نکاح کر دیا کرو۔ (ترجمہ: مولانا فتح محمد جالندھری)

یہاں بیوہ ان عورتوں کو کہا گیا ہے جن کے خاوند فوت ہو چکے اور اب وہ بے نکاح ہیں اکثر مترجمین نے یہاں بے نکاح ہونے کا ترجمہ کیا ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ بیوی اور بیوہ میں صرف موت کا فاصلہ ہے۔

قرآن کریم کی اس آیت میں جس میں حضور اکرم ﷺ کی ازواج مطہرات ﷺ کو امہات المؤمنین کہا گیا ہے ان کے لئے ازواج کا لفظ ان کا ایک دائمی اعزاز ہے یہ لفظ ان کے لئے رہتی دنیا تک رہے گا ان کے لئے حضور ﷺ کی بیوہ ہونے کا لفظ کبھی نہ آئے گا یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو حیات تسلیم کیا جائے۔

جس طرح امہات المؤمنین ہمیشہ کے لئے امت کی مائیں ہیں آپ ﷺ اس ناطے ہمیشہ کے لئے امت کے باپ ہیں۔اس آیت نے ''وَاَزْوَاجُہٗ اُمَّہٰتُہُمْ'' کہہ کر انہیں ہمیشہ کے لئے امت کی مائیں قرار دیا ہے اس سے حضور ﷺ کے حیات النبی ﷺ کا اعزاز بھی آپ ﷺ سے جدا نہیں کیا جاسکے گا۔ہمیں ان دوستوں پر حیرت ہوتی ہے جو اس آیت کو پڑھ لینے کے بعد بھی عقیدہ حیات النبی ﷺ کو ماننا اپنے لئے گراں سمجھتے ہیں۔قرآن کریم کی اس آیت کی رو سے حضور ﷺ کے اس امت سے دولافانی رابطے قائم ہیں۔جنہیں ایک دوسرے سے جدا نہیں کیا جاسکتا۔

(۱) ایک یہ کہ آپ اپنے ہر امتی کا منبع ایمان ہیں آپ ﷺ ایمان سے موصوف بالذات ہیں اور جس کو بھی ایمان ملا حضور ﷺ کے طفیل ہی ملا۔

(۲) دوسرا یہ کہ حضور ﷺ کی ازواج مطہرات ﷢ رہتی دنیا تک اس امت کی مائیں ہیں، وہ کبھی کسی مؤمن کی نانی نہ بنیں گی۔

قرآن کریم میں حضور ﷺ سے اس امت کے ان دونوں رابطوں کو اس طرح یکجا کیا گیا ہے کہ جب تک ان دونوں کو ایک دوسرے سے لازم نہ سمجھا جائے عقیدہ حیات النبی ﷺ پوری وضاحت سے مومنین کے دل ودماغ میں نہیں اتر سکتا۔

حضرت شیخ الاسلام ﷫ حضور ﷺ کے منبع ایمان ہونے کو اس طرح بیان کرتے ہیں: ''مومن کا ایمان اگر غور سے دیکھا جائے تو ایک شعاع ہے اس نور اعظم کی جو آفتاب نبوت سے پھیلتا ہے۔آفتاب نبوت پیغمبر علیہ السلام ہیں بنابریں (مِنْ حَیْثُ ھُوَ مُؤْمِنٌ) اگر اپنی حقیقت سمجھنے کے لئے حرکت فکری شروع کرے تو اپنی ایمانی ہستی سے پیشتر اس کو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی معرفت حاصل کرنی پڑے گی اس اعتبار سے کہہ سکتے ہیں کہ نبی کا وجود مسعود خود ہماری ہستی سے بھی زیادہ ہم سے نزدیک ہے۔اور اگر اس روحانی تعلق کی بناء پر کہہ دیا جائے کہ مومنین کے حق میں نبی بمنزلہٗ باپ کے بلکہ اس سے بھی بمراتب بڑھ کر ہے تو بالکل بجا ہوگا۔چنانچہ سنن ابی داؤد میں ''اِنَّمَا اَنَا لَکُمْ بِمَنْزِلَۃِ الْوَالِدِ۔۔۔ الحدیث'' اور حضرت ابی بن کعب کی قرأت میں وَھُوَ اَبٌ لَّکُمْ کا جملہ اسی حقیقت کو ظاہر کرتا ہے۔ باپ بیٹے کے تعلق میں غور کرو تو اس کا حاصل یہی نکلے گا کہ بیٹے کا جسمانی وجود باپ کے جسم سے نکلا ہے اور باپ کی تربیت اور شفقت طبعی اوروں سے بڑھ کر ہے لیکن نبی اور امتی کا تعلق کیا اس سے کم ہے؟ یقیناً امتی کا ایمان اور روحانی وجود نبی کی روحانیت کبریٰ کا ایک پرتو اور ظل ہوتا ہے اور جو شفقت اور تربیت نبی کی طرف سے ظہور پذیر ہوتی ہے ماں باپ کو تو کیا تمام مخلوق میں اس کا نمونہ نہیں مل سکتا۔باپ کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے ہم کو دنیا کی عارضی حیات عطا فرمائی تھی لیکن نبی کے طفیل ابدی اور دائمی حیات ملتی ہے۔'' (تفسیر عثمانی ۵۵۶ طبع سعودی عرب)

قارئین غور کریں! جس سے امتی کو دائمی حیات ملے کیا وہ خود برزخی حیات سے حیات النبی ﷺ نہ ہوگا؟

حضور ﷺ کی ازواج مطہرات ﷢ کے امہات المومنین ہونے سے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ انہیں جو امتیاز ملا وہ صرف عام عورتوں کے بالمقابل نہیں وہ امت کی تمام مومنات کے بالمقابل ان کی ایک ممتاز پوزیشن ہے سو ان کے امت کی مائیں ہونے سے صرف ان کے مائیں ہونے کا عقیدہ نہیں ملتا بلکہ سب مومنین کی مائیں ہونے کا پتہ ملتا ہے۔اس سے شیعہ کے اس گمان کی تردید ہوتی ہے کہ وہ صرف امت کی مائیں ہیں ایسا نہیں وہ اعلیٰ درجہ کی مومنات ہیں۔

حضور ﷺ کی ازواج واولاد نے آپ ﷺ کی وراثت نہ پائی

اس تاریخی حقیقت سے اب تک کسی نے انکار نہیں کیا کہ حضور ﷺ کی وفات کے بعد آپ کی ازواج مطہرات ﷢ نے آپ کی مالی وراثت نہ پائی آپ کی اولاد میں سے صرف حضرت سیدہ فاطمہ ﷙ زندہ تھیں ان کو بھی اپنے باپ کی مالی وراثت سے کوئی حصہ نہیں ملا۔ وراثت کس کی نہیں چلتی؟ جو زندہ ہو سو آپ کی مالی وراثت آگے نہ چلنا حیات النبی ﷺ ہونے کی وجہ سے ہے۔

حضور ﷺ کی وفات دوسرے انسانوں کی وفات کی طرح نہ تھی

حضور اکرم ﷺ کی تعلیم عام تھی کہ جب کوئی فوت ہو جائے تو اس کی تدفین میں دیر نہ کی جائے لیکن آپ ﷺ کی وفات پر صحابہ کرام ﷡ اور اہل بیت عظام ﷡ میں سے کسی نے یہ نکتہ نہیں اٹھایا کہ آپ ﷺ کی تدفین میں دیر کیوں کی جارہی ہے؟

جلدی تدفین کی اس لئے تعلیم دی گئی کہ موت کے بعد میت پر آثار موت وارد ہوتے ہیں اس کا بدن اکڑنے لگتا ہے لیکن آپ ﷺ کی وفات کے بعد آپ کے بدن مبارک پر ان آثار موت کے وارد ہونے کا کوئی خطرہ نہ تھا۔ سوامت کا پہلا اجماع اسی عقیدہ حیات النبی ﷺ پر ہوا اور آپ ﷺ کی تدفین تین دن کی تاخیر سے ہوئی گو اس وقت اس تاخیر کو حیات النبی ﷺ کا عنوان نہ دیا گیا اس کی وجہ یہ ہوئی کہ بعض اوقات بداہت سے ثابت ہونے والے امور محتاج صراحت نہیں سمجھے جاتے وہ عیاں راچہ بیاں کی مد میں آتے ہیں۔

آپ ﷺ کی نماز جنازہ بھی اس دعا سے نہ پڑھی گئی نہ کوئی اس میں امام تھا: ”اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِحَیِّنَا وَمَیِّتِنَا، وَشَاھِدِنَا وَغَائِبِنَا، وَصَغِیْرِنَا وَکَبِیْرِنَا، وَذَکَرِنَا وَاُنْثَانَا“ حضرت علی المرتضیٰ ﷛ نے اعلان کر دیا تھا کہ حضور ﷺ اس دنیا کی زندگی میں بھی امام تھے اور اب آپ وفات پانے کے بعد بھی امام ہیں اس کا مطلب اس کے سوا کیا سمجھا جا سکتا ہے کہ آپ کی موت میں موت وحیات دونوں جمع ہیں۔ موت اس جسم پر آئی ہے اور حیات اس جسم اطہر میں برزخی ہے۔

حضرت علی المرتضیٰ ﷛ نے اس وقت حضور ﷺ کے بارے میں جو یہ فرمایا کہ آپ ﷺ امام ”حیاً ومیتاً“ تو اس کا مطلب یہی تھا کہ آپ کی موت میں موت اور حیات دونوں جمع ہیں جسم اطہر وہی دنیوی ہے اور اس میں حیات برزخی ہے۔

حضرت علی المرتضیٰ ﷛ کے اس عمل جنازہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اپنے اختیار سے بلا کسی سے مشورہ کئے یہ عمل کر رہے ہیں اور اس پر کسی دوسرے صحابی نے آپ کو ٹوکا نہیں اس صورت حال سے صاف پتہ چلتا ہے کہ اگر حضور ﷺ نے آپ کو خلیفہ نامزد کیا ہوتا تو آپ اس کا کھلم کھلا اظہار کر کے یہ خدمات بطور امیر المؤمنین ادا فرماتے یہ بات قطعاً صحیح نہیں کہ آپ پر دوسرے صحابہ کا رعب تھا اس وجہ سے آپ اپنی خلافت کا اعلان نہ کر سکے۔

آپ کے جنازے کا مسئلہ آج تک اہل سنت اور شیعہ میں زیر بحث چلا آرہا ہے اور اب بھی شیعہ ذہن ہی ہے کہ جس نے مسئلہ حیات النبی ﷺ کو ایک اختلافی مسئلہ بنا رکھا ہے ورنہ یہ تو اہل سنت کا اجماعی مسئلہ ہے۔

حضور ﷺ کی زوجیت ایک وہبی مرتبہ ہے جیسے صحابیت ایک وہبی مرتبہ ہے

جس طرح صحابیت ایک وہبی مرتبہ ہے خدا تعالیٰ کا اپنا انتخاب ہے کہ اللہ نے انہیں اس دور میں پیدا کر دیا اسی طرح حضور ﷺ کی ازواج ﷡ بھی خدا تعالیٰ کا اپنا انتخاب ہے ان کا مرتبہ عام عورتوں کا سا نہیں۔

حضرت شیخ الاسلام ﷫ قرآن کریم کی آیت "یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ کَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ" (پ۲۱، الاحزاب ۳۲) کے تحت لکھتے ہیں: "یعنی تمہاری حیثیت اور مرتبہ عام عورتوں کی طرح نہیں آخر اللہ تعالیٰ نے تم کو سید المرسلین کی زوجیت کے لئے انتخاب فرمایا ہے اور امہات المومنین بنایا لہٰذا اگر تقویٰ وطہارت کا بہترین نمونہ پیش کروگی جیسا کہ متوقع ہے اس کا وزن اللہ کے ہاں بہت زیادہ ہوگا اور بالفرض اگر کوئی بری حرکت سرزد ہو تو اس نسبت سے وہ بھی زیادہ بھاری اور قبیح سمجھی جائے گی۔ غرض بھلائی کی جانب ہو یا برائی کی عام مومنات سے تمہاری پوزیشن ممتاز رہے گی۔" (ص۵۶۱)

یہاں امہات المؤمنین کی پوزیشن عام عورتوں کے بالمقابل ممتاز بتائی جارہی ہے یہ امتیاز انہیں عام مومنات کے بالمقابل حاصل ہے اور اس کا حاصل یہی ہے کہ حضور ﷺ کی زوجیت بھی کسی کی اپنی محنت نہیں یہ ایک وہبی مرتبہ ہے جو خدا کا اپنا انتخاب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں خاص اس دور میں پیدا کیا کہ وہ حضور ﷺ کی زوجیت میں آسکیں۔

یہ اسی کا انتخاب ہے کہ امہات المومنین تمام مومنین وہ حضور ﷺ کی وفات سے پہلے ایمان لائے ہوں یا اس کے بعد کسی بھی دور میں اور دنیا کے کسی بھی کونے میں ایمان لائے ہوئے ہوں آپ کی ازواج مطہرات ان سب کی مائیں ہیں وہ نانی کسی فرد امت کی نہیں جس طرح وہ پوری امت کی مائیں ہیں حضور اکرم ﷺ بھی پوری امت کے روحانی باپ ہیں آپ ﷺ کا یہ منصب اور مرتبہ اور ازواج مطہرات کا پوری امت کی مائیں رہنے کا مرتبہ بدوں اس کے کسی طرح سمجھ نہیں آسکتا کہ آپ ﷺ کو حیات النبی ﷺ جانا اور مانا جائے اور آپ کا اپنی امت سے ایک وہ لافانی رشتہ ہو کہ اس کا کسی طرح انکار نہ کیا جاسکے۔

صفت رحمۃ للعالمین بھی آپ ﷺ کے حیات النبی ﷺ ہونے کی خبر ہے

جس طرح امہات المومنین ہمیشہ کے لئے مومنین کی مائیں ہیں اور حضور ﷺ سب مومنین کے روحانی باپ ہیں اسی طرح حضور ﷺ سب جہان کے لئے اور سب ادوار کے لئے بھی رحمت ہیں یہاں تک کہ آپ کی رحمت کے جھونکے کافروں تک فیض رساں ہیں۔

قرآن کریم میں ہے: "اِنَّ فِیْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِیْنَ، وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ" (پ۱۷، الانبیاء ۱۰۶، ۱۰۷)

ترجمہ: اس میں مطلب کو پہنچتے ہیں لوگ بندگی والے اور ہم نے آپ کو دنیا جہان پر (اپنی) رحمت ہی کے لئے بھیجا ہے۔

اس پر حضرت شیخ الاسلام ﷫ لکھتے ہیں: "یعنی آپ تو سارے جہان کے لئے رحمت بنا کر بھیجے گئے ہیں

اگر کوئی بدبخت اس رحمۃ عامہ سے خود ہی منتفع نہ ہو تو یہ اس کا قصور ہے آفتاب عالم تاب سے روشنی اور گرمی کا فیض ہر طرف پہنچتا ہے لیکن کوئی شخص اپنے اوپر تمام دروازے اور سوراخ بند کر لے تو یہ اس کی دیوانگی ہوگی آفتاب کے عموم فیض میں کوئی کلام نہیں ہو سکتا اور یہاں تو رحمۃ للعالمین کا حلقہ فیض اس قدر وسیع ہے کہ جو محروم القسمت مستفید ہونا نہ چاہے اس کو بھی کسی نہ کسی درجہ میں بے اختیار رحمت کا حصہ پہنچ جاتا ہے۔ چنانچہ دنیا میں علوم نبوت اور تہذیب وانسانیت کے اصول کی عام اشاعت سے ہر مسلم اور کافر اپنے اپنے مذاق کے موافق فائدہ اٹھاتا ہے۔ نیز حق تعالیٰ نے وعدہ فرمالیا ہے کہ پہلی امتوں کے برخلاف اس امت کے کافروں کو عام ومستاصل عذاب سے محفوظ رکھا جائے گا۔ میں تو یہ کہتا ہوں کہ حضور ﷺ کے عام اخلاق کے علاوہ جن کافروں پر آپ جہاد کرتے تھے وہ بھی مجموعہ عالم کے لئے سراسر رحمت تھا کیونکہ اس کے ذریعہ سے اس رحمت کبریٰ کی حفاظت ہوتی تھی جس کے آپ حامل بن کر آئے تھے اور بہت سے اندھے جو آنکھیں بنوانے سے بھاگتے تھے اس سلسلہ میں ان کی آنکھوں میں بھی خواہ مخواہ ایمان کی روشنی پہنچ جاتی تھی۔ ایک حدیث میں ہے: ''وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، لَأَقْتُلَنَّهُمْ ولأصلبنّهم وَلَأَهْدِيَنَّهُمْ وَهُمْ كَارِهُونَ، إِنِّي رَحْمَةٌ بَعَثَنِي اللهُ، وَلَا يَتوفَّانِي حَتَّى يُظْهِرَ اللهُ دِينَهُ'' (ابن کثیر) ان الفاظ سے آپ کے رحمۃ للعالمین ہونے کا مطلب زیادہ وسعت کے ساتھ سمجھ میں آ سکتا ہے۔'' (تفسیر عثمانی ص ۴۴۱ طبع سعودی عرب)

دریا آبادی صاحب لکھتے ہیں: ''فلاح کریمین اور سعادت دارین صرف رسول کے اتباع میں ہے یہاں تک کہ رسول کا غزوہ وقتال بھی دنیا کے حق میں سرتاسر رحمت ہی ہوتا ہے اقبال نے کتنا سچ کہا ہے:

لطف و قہر او سراپا رحمتے ۔۔۔ آں بہ یاراں ایں بہ اعداء رحمتے

مرشد تھانوی نے اس آیت سے ایک نکتہ بھی استنباط کیا ہے کہ مقبولین کی برکات ان کے قصد کے بغیر بھی عالم کو پہنچتی رہتی ہیں جیسے آفتاب کی شعاعیں کہ بلا اس کے قصد وعلم کے سب کو پہنچتی رہتی ہیں۔''

(مولانا عبدالماجد دریابادی ص ۶۷۴)

حضور ﷺ کی یہ برکات اگر اب تک دینا میں سب کو پہنچ رہی ہیں تو یہ بدوں اس کے نہیں ہو سکتا کہ رحمۃ للعالمین کے یہ اثرات آپ کے حیات النبی ﷺ ہونے سے نہ ہوں حضور اکرم ﷺ نے جب مسئلہ حیات النبی ﷺ بیان فرمایا تو سب انبیاء کو اس میں ساتھ رکھا اور پھر ان کے قبروں کے زندہ اعمال کی خبر دی۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کی اس آیت رحمۃ للعالمین کو بھی سورۃ الانبیاء میں رکھا اور اس میں حضور اکرم ﷺ کے پورے عالم میں رحمۃ للعالمین ہونے کی خبر دی ہے۔

روضہ خضراء میں حضور ﷺ کی حیاتِ برزخی پر پوری امت کا اجماع ہے

پورے حلقہ اہل سنت میں ایک معروف عالم دین بھی ایسا نہیں ملتا جو آپ کی اس حیات برزخی کا منکر ہو۔ گیارھویں صدی ہجری کے مشہور محدث اور فقیہ حضرت علامہ ملا علی قاری ﷫ ۱۰۱۴ھ) نے آپ ﷺ کے روضہ انور کی حاضری پر ایک مستقل رسالہ ''الدرۃ المضیۃ فی الزیارۃ الرضیۃ'' کے نام سے لکھا ہے اور اس کا نام زیارۃ الرضیہ لکھ کر بتلا دیا کہ اس زیارت سے اللہ تعالیٰ کے ہاں رضا ہی رضا ہے اسے کسی طرح کوئی اختلافی مسئلہ نہیں کہا جا سکتا یہ آپ کے رسائل میں نمبر چودہ کا رسالہ ہے آپ کے یہ رسائل پہلی دفعہ ۱۴۳۷ھ (۲۰۱۶ء) میں شائع

ہوئے آپ اس میں اجماع کے عنوان سے رقمطراز ہیں: ''واما الاجماع فقد نقله جماعة من الائمة حملة الشرع منهم النووی من الشافعية وابن الهمام من الحنفية وفی فتح الباری الزيارة من افضل الاعمال واجل القرب الموصلة الى ذى الجلال ومشروعيتها محل اجماع بلانزاع''

(المجموع للنووی ج ۵ ص ۳۱۰، فتح الباری ج ۳ ص ۶۶)

ترجمہ: جہاں تک اجماع کا تعلق ہے اسے ائمہ کی ایک جماعت نے جو شریعت کے علم بردار مانے جاتے ہیں نقل کیا ہے ان میں شافعیہ کے امام نووی اور حنفیہ کے امام ابن ہمام ہیں اور فتح الباری میں ہے کہ حضور ﷺ کے روضہ کی زیارت افضل اعمال میں سے اور آپ سے بڑے اونچے درجے کی قرابت ہے جو اللہ تعالیٰ تک پہنچانے والی ہے اور اس کی مشروعیت پر ایسا اجماع ہے کہ جس پر شریعت میں کوئی نزاع نہیں ملتا۔

اور اس کے آگے ''ومن اعظم فوائد الزيارة'' کے عنوان سے لکھتے ہیں: ''ان زائره اذا صلى وسلم عند قبره سمعه سماعا حقيقياً ورد عليه من غير واسطة وناهيک بذالک بخلاف من يصلى ويسلم عليه من بعيد فان ذالک لا يبلغه الا بواسطة لما جاء عنه بسند جيد من صلى على عند قبرى سمعته ومن صلى على من بعيد اعلمته ومن صلى على نائيا بلغته، رواه ابن ابى شيبة وغيره'' (الدرة المضيه فی الزيارة الرضيه ص ۲۰۶)

(من مجموع الرسائل العلامة ملا علی قاری)

ترجمہ: روضہ پر حاضری دینے والا جب اس پر صلوٰۃ وسلام پیش کرتا ہے تو حضور ﷺ سے بغیر کسی فرشتہ کے واسطہ کے خود سماعت فرماتے ہیں بخلاف اس کے جو دور سے آپ ﷺ پر صلوٰۃ وسلام بھیجتا ہے اس صورت میں آپ ﷺ اسے واسطہ سے سنتے ہیں اس لیے کہ یہ اس حدیث میں جو بڑی عمدہ سند سے ملتی ہے وارد ہے کہ جو مجھ پر دور سے صلوٰۃ وسلام پڑھے وہ مجھے پہنچایا جاتا ہے۔ نائیا کا معنی دور سے پڑھنا ہی ہے۔

پھر آگے صفحہ ۲۰۸ پر یہ بھی ملاحظہ فرمائیں: ''ثم اعلم انه علم من هذه الاحاديث ايضا انه ﷺ حى على الدوام اذ من المحال العادى ان يخلو الوجود كله عن واحد يسلم عليه فى ليل او نهار فنحن نؤمن بانه حى يرزق وان جسده الشريف لا تاكله الارض وكذا سائر الانبياء كما ورد فى حديث ان الله حرم على الارض ان تاكل لحوم الانبياء والاجماع على هذا قيل وكذا العلماء والشهداء وصح انه كشف عن غير واحد من العلماء والاولياء فوجدا لم تتغير اجسادهم كما صح ان عبد الله ابا جابر وعمرو بن الجموح وهما ممن استشهد يوم احد حضر السيل قبرهما بعد ست واربعين سنة فوجدوا لم يتغير او كان احدهما جرح فوضع يده على جرحه فدفن وهو كذالک فاميطت يده عن جرحه فسال الدم منه ثم ارسلت فرجعت كما كانت''

ترجمہ: اور یہ بات صحیح ثابت ہو چکی کہ کئی علماء اور اولیاء کی قبروں سے جب پردہ ہٹایا گیا تو ان کے اجساد کریمہ بلا تغیر پائے گئے جیسا کہ یہ خبر جابر کے والد عبداللہ اور عمرو بن الجموح کے بارے میں صحیح پائی گئی اور یہ دونوں صحابی جنگ احد میں شہید ہوئے تھے جنگ احد سے چھیالیس سال بعد جب ایک بڑے سیلاب نے ان کی قبریں کھول دیں تو ان دونوں کے ابدان بلا تغیر پائے گئے ان دونوں میں ایک وہ تھے جنہوں نے وقت دفن اپنا ہاتھ اپنے زخم پر رکھا ہوا تھا جب ان کا ہاتھ اس زخم سے ہٹایا گیا تو پھر خون چلنے لگا پھر ہاتھ کو اس پر رکھ دیا گیا تو وہ پھر رک گیا۔

اس کے حاشیہ میں تحقیقی کام کرنے والے نے لکھا ہے: ''اخذ المولف ذالک من القسطلانی من المواھب اللدنیہ'' (ج ۳،ص ۶۰۱)

(ورواہ امام مالک فی الموطاج ۲ ص ۷۰ ۴، وانظر صفۃ الصفوۃ ابن الجوزی ج ۱ ص ۷ ۶۴، والاصابۃ فی تمییز الصحابۃ ابن حجر ج ۴ ص ۱۱۵)

اس کے بعد محقق کبیر حضرت علامہ ملا علی قاری ﷫ لکھتے ہیں: ''ولما حضر معاویۃ ﷜ العین التی استنبطها بالمدینة وذلک بعد احد بنحو خمسين سنة ونقل الموتى اما اصابت المسعاة قدم حمزة ﷜ فسال منه الدم نعم الظاهر من الادلة ان حياة الشهداء اقوى من حياة الاولياء للنص عليها في القرآن دون حياة الانبياء لانهم بها اولى واحرىٰ والتفاوت فيها بمعنى التفاوت في ثمراتها غير بعيد فتأمله وقد جمع البيهقي جزأفي حياة الانبياء في قبورهم واستدل بكثير من الاحاديث السابقة وبالحديث الصحيح الانبياء احياء في قبورهم يصلون''

ترجمہ: اور جب احد کے تقریباً پچاس سال بعد حضرت معاویہ ﷜ نے مدینہ منورہ میں ایک نہر لانے کے لئے زمین میں کھدائی کرائی اور وہاں کے مدفونین کو دوسری جگہ منتقل کرایا تو زمین کھودنے والے (سید الشہداء) حضرت حمزہ ﷜ کے قدم تک جا پہنچے تو ان کے قدم سے پھر خون چل پڑا۔

ہاں دلائل سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ شہداء کی حیات اولیاء کرام کی حیات سے زیادہ قوی ہے کیونکہ اس پر (حیات شہداء پر) قرآن کریم کی نص موجود ہے اور اس طرح نص انبیاء کرام کی حیات پر نہیں حالانکہ وہ اپنے درجہ میں شہداء سے بھی زیادہ اس حیات کے اہل اور لائق ہیں ان میں اور شہداء میں جو ان کی حیات (برزخی) میں تفاوت پایا جاتا ہے ہوسکتا ہے کہ یہ تفاوت اس حیات کے ثمرات میں ہو اس پر مزید غور کی گنجائش ہے۔

اس کے بعد ملا علی قاری لکھتے ہیں: (امام بیہقی ﷫ ۴۵۸ ھ) نے انبیاء کے اپنی قبروں میں زندہ ہونے پر ایک رسالہ لکھا ہے اور اس میں بہت سی بیان کردہ پہلی احادیث اور اس صحیح حدیث سے استدلال کیا ہے کہ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور وہ ان میں نمازیں بھی پڑھتے ہیں۔

امت مسلمہ کا یہ اجماعی عقیدہ

قرآن کریم میں مختلف مقامات پر اشارہ دیا گیا ہے

۱...... ''وَسْـَٔلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَآ اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ '' (الزخرف:۴۵)

ترجمہ: اور پوچھ دیکھ جو رسول بھیجے ہیں ہم نے تجھ سے پہلے کبھی ہم نے رکھے ہیں رحمن کے سوا اور حاکم کہ پوجے جائیں۔

یہ جو پوچھ دیکھو کہا گیا ہے اس کا تقاضا ہے کہ ان میں سے کس کس کی آپ سے ملاقات ہوگی ملاقات زندہ انسانوں کی ہوتی ہے یہ کوئی خواب کی بات نہیں ہوتی ملاقات ظاہری طور پر آپس میں ملنا ہوتا ہے۔

شیخ الاسلام ﷫ اس پوچھنے کے بارے میں لکھتے ہیں پوچھ دیکھو یعنی (۱) جس وقت ان سے ملاقات ہو یا (۲) ان کے احوال کتابوں سے تحقیق کرو۔

بہرحال جو ذرائع تحقیق و تفتیش کے ہوں ان کو استعمال میں لانے سے صاف ثابت ہو جائے گا کہ کسی دین سماوی میں کبھی شرک کی اجازت نہیں ہوئی۔ (ص ۶۵۴ طبع سعودی عرب)

حضور ﷺ کی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کشفاً ملاقات ہوئی آپ نے دیکھا کہ آپ قبر میں نماز پڑھ رہے ہیں:

''مَرَرْتُ عَلَى مُوسَى لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِي عِنْدَ الْكَثِيبِ الأَحْمَرِ، وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي فِي قَبْرِهِ'' (صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۶۸)

موسیٰ علیہ السلام کی اس ملاقات میں شک نہیں کیا جا سکتا۔ حضرت مولانا سید انور شاہ رحمہ اللہ اس پر لکھتے ہیں:

''يُسْتَدَلُّ بِهِ عَلَى حَيَاةِ الأَنْبِيَاءِ'' (مشکلات القرآن ص ۲۳۴)

اور آگے لکھتے ہیں: وَهٰكَذَا فِي الدُّرِّ الْمَنْثُوْرِ ج ۶، ص ۱۶۔ روح المعانی ج ۵، ص ۸۹۔ جمل ج ۴، ص ۸۸۔ شیخ زادہ ج ۳، ص ۲۹۸۔ خفاجی ج ۷، ص ۴۴۴

۲...... پھر سورۃ السجدۃ میں بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کا ذکر فرمایا ہے: ''وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَلَا تَكُنْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَائِهٖ'' (پ ۲۱ السجدہ ۲۳)

ترجمہ: اور دی ہم نے موسیٰ کو کتاب پس مت رہ تو بیچ شک کے ملاقات اس کی سے دھوکہ نہ کر اس کے ملنے میں۔

یعنی کتاب کے ملنے میں یا موسیٰ کے معراج کی رات ان سے ملنے کی اور بھی کئی بار ہو سکتا ہے کہ اس ملاقات کی طرف اشارہ ہو جو آپ کی بیت القدس میں معراج کی رات ہوئی۔ ملاقات زندہ کا زندہ سے ملنا ہے یہ سب اشارے حیات انبیاء کے ہیں جن کی قرآن پاک میں اس طرح خبر دی گئی ہے یہ اقتضاء النص سے حیات الانبیاء کا ثبوت ہے۔

حضرت امام بیہقیؒ کا عقائد اہلِ سنت میں تصلب

سلطان طغرل بیگ سلجوقی کے دربار میں ایک ملحد ابونصر منصور بن محمد الکندی وزارت کے منصب پر آ گیا تھا اس نے معتزلہ کی حمایت میں بہت کوششیں کیں اور دو مسئلوں کو اپنا محور بنایا:

۱...... حضور ﷺ کا جسد اقدس قبر میں جماد محض ہے اس میں کوئی حس نہیں۔

۲...... وفات کے بعد روح و بدن میں کلی مفارقت ہے برزخی معاملات سب روح پر گزرتے ہیں۔

امام بیہقیؒ (۴۵۸ھ) محدثین میں سے ہونے کے باوجود عقائد اہل سنت میں نہایت پختہ فکر تھے آپ نے اس پر کتاب الاسماء والصفات اور حیات النبی ﷺ حیات الانبیاء اور ''شکائۃ اھل السنۃ بمانالھم من المحنۃ'' لکھی: آپ کے بعد حافظ ابن عساکر دمشقی (۵۷۱ھ) نے اس پر تبیین کذب المفتری لکھ کر کرامیہ اور معتزلہ کی پرزور تردید کی۔

قبر میں روح کا اس بدن عنصری سے کچھ تعلق نہیں ہوتا اسے بالکل غلط ٹھہرایا اہل سنت کے عقیدہ میں آپ ﷺ کی حیات برزخی اسی بدن عنصری میں ہے جو گنبد خضراء میں مکین ہے۔

اس کے بعد محدث کبیر ملا علی قاری رحمہ اللہ نے واقعہ حرہ کا ذکر کیا ہے جب حرم مدینہ میں تین دن مسلسل نہ اذان ہو پائی نہ نماز اس کے وجوہ کیا تھے اسے ہم بعد میں ذکر کریں گے۔

حضرت ملا علی قاری نے بھی انہیں یہاں ذکر نہیں کیا تاہم یہ ایک ایسا سانحہ ہے جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا جلیل القدر تابعی حضرت سعید ابن المسیب (۹۳ھ) ان دنوں حرم مدینہ میں تھے اللہ تعالیٰ ان جیسے عارفین کو کبھی نماز سے محروم نہیں رکھتا۔ آپ ایام حرہ میں آذان کی آواز کہاں سے سنتے رہے؟

حضرت علامہ ملا علی قاری لکھتے ہیں: ''روی ان یزید بن معاویة لما حاصر المدینة وقتل من اهلها من قتل حتیٰ خلا المسجد عن اقامة الصلوٰة فیه مدة قال ابن المسیب کنت فیه وما کنت اعلم دخول الاوقات الا بسماع الاذان والاقامة من داخل القبر المکرم'' (الدرة المضیہ فی الزیارة الرضیہ ص ۴۱۰)

ترجمہ: روایت میں ہے کہ جب یزید نے (اپنی خلافت سے نکلنے والوں کا) مدینہ میں محاصرہ کیا اور وہاں کے رہنے والوں میں جن کو چاہا قتل کیا یہاں تک کہ مسجد نماز ہونے سے کچھ وقت کے لئے خالی ہوگئی حضرت سعید بن المسیب کہتے ہیں کہ میں ان دنوں مسجد میں تھا نماز کے اوقات کو حضور ﷺ کی قبر مبارک میں ہوئی اذان اور اقامت سے ہی معلوم کرتا تھا۔

اس کے آگے آپ لکھتے ہیں: ''وقد صح عن النبی ﷺ انه قال ما من احد یسلم علی الا رد الله علی روحی حتیٰ ارد وقد صدر البیهقی باب زیارة قبر النبی ﷺ وذکر ابن قدامة الحدیث من روایة احمد بلفظ ما من احد یسلم عند قبری... (ابن قدامہ ج ۳ ص ۴۷۸) وقد وقع لجمع من الاولیاء وانهم سمعوا رد السلام علیهم من الحجرة الشریفة'' (الدرة المضیہ ص ۴۱۱)

ترجمہ: حضور ﷺ سے یہ حدیث صحیح روایت سے ثابت ہے آپ ﷺ نے فرمایا کوئی مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح کو میری طرف لوٹاتے ہیں یہاں تک کہ میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں اور امام بیہقی نے بھی باب زیارۃ قبر النبی ﷺ میں اسے روایت کیا ہے اور ابن قدامہ نے بھی اس حدیث کو حضرت امام احمد کی روایت سے اس طرح روایت کیا ہے کہ کوئی شخص ایسا نہیں جو میری قبر پر آ کر مجھ پر سلام کرے تو میں اسے خود سنتا ہوں۔ یہ حدیث جس کی آپ نے تصحیح کی ہے حضرت ابوھریرۃ ؓ سے روایت ہے مسند امام احمد ج ۲ ص ۵۲۷ اور سنن ابی داؤد میں نمبر ۲۰۴۱ پر موجود ہے۔

امام دارمی (۲۵۵ھ) بھی اپنی سنن میں قبر سے آواز آنے کو اس طرح روایت کرتے ہیں: ''عَنْ سَعِيدِ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ، قَالَ: لَمَّا كَانَ أَيَّامُ الْحَرَّةِ لَمْ يُؤَذَّنْ فِي مَسْجِدِ النَّبِيِّ ﷺ ثَلَاثًا، وَلَمْ يُقَمْ، وَلَمْ يَبْرَحْ سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيِّبِ الْمَسْجِدَ، وَكَانَ لَا يَعْرِفُ وَقْتَ الصَّلَاةِ إِلَّا بِهَمْهَمَةٍ يَسْمَعُهَا مِنْ قَبْرِ النَّبِيِّ ﷺ'' (سنن دارمی ج ۱ ص ۴۴)

یہ سب روایات بتلا رہی ہیں کہ حضور ﷺ اپنے روضہ خضراء میں اپنے بدن عنصری سے برزخی حیات سے زندہ ہیں اور یہ قبر اپنی وسعت میں اس قدر پھیلی ہے کہ وہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے اس لیے آپ کی وہ حدیث بھی سامنے آجاتی ہے جب آپ ﷺ مومنین کے دفن کے وقت ان کے لئے دعا کرتے رہے ''اَللّٰهُمَّ أَكْرِمْ نُزُلَهٗ وَوَسِّعْ مَدْخَلَهٗ'' اے اللہ اس بندہ مومن کی اچھی مہمانی فرما اور اس کی قبر کو کھول دے۔

حضور ﷺ نے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو آپ کی قبر میں نماز پڑھتے دیکھا تو کیا وہ قبر اندر سے وسیع نہ تھی۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد یزید کی حکومت کیا کل سلطنت پر ہو پائی؟

واقعہ حرہ کو صحیح طور پر سمجھنے کے لئے اس سوال پر غور کرنے کی ضرورت ہے اس سوال کا اجمالی جواب نفی میں ہے کہ نہیں یزید مکہ مکرمہ پر ایک دن بھی حکمران نہ ہوسکا مکہ مکرمہ پر حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما ہی قابض رہے ہاں یہ صحیح ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے یزید کی زندگی تک نہ اہل مکہ سے اپنے لئے بیعت لی نہ اپنی خلافت کا دعویٰ کیا۔

جب یزید بن معاویہ کی وفات ہوئی اور اہل مکہ نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی بیعت کی تو اسے یزید کے جانشینوں نے یزید کے خلاف ایک بغاوت قرار دیا اور اہل مدینہ میں جنھوں نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو خلیفہ مان لیا، انھیں یزید کی سلطنت میں دوسرا مدعی خلافت ٹھہرایا اور اس حدیث کی رو سے مدینہ پر چڑھائی کردی ''إِذَا بُوْيِعَ لِخَلِيْفَتَيْنِ فَاقْتُلُوا الْآخِرَ مِنْهُمَا'' (صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۲۸)

امویوں کی اس چڑھائی کو ہی واقعہ حرہ کہا جاتا ہے اور اس کا ذکر بھی صحیح مسلم میں موجود ہے: ''جَاءَ عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ إِلَى عَبْدِ اللهِ بْنِ مُطِيعٍ حِينَ كَانَ مِنْ أَمْرِ الْحَرَّةِ مَا كَانَ، زَمَنَ يَزِيدَ بْنِ مُعَاوِيَةَ، فَقَالَ: اطْرَحُوا لِأَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ وِسَادَةً، فَقَالَ: إِنِّي لَمْ آتِكَ لِأَجْلِسَ، أَتَيْتُكَ لِأُحَدِّثَكَ حَدِيثًا سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُهُ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: مَنْ خَلَعَ يَدًا مِنْ طَاعَةٍ، لَقِيَ اللهَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَا حُجَّةَ لَهُ، وَمَنْ مَاتَ وَلَيْسَ فِي عُنُقِهِ بَيْعَةٌ، مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً'' (صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۲۸)

ترجمہ: ......حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما یزید بن معاویہ کے دور میں حرہ کی صورت حال میں عبداللہ بن مطیع کے پاس گئے آپ کو دیکھتے ہی عبداللہ بن مطیع نے اپنے عملے کو کہا آپ کے لئے فرش بچھاؤ، آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں آپ کے پاس مجلس کرنے نہیں آیا میں آپ کو ایک حدیث سنانے آیا ہوں جو میں نے حضور ﷺ سے سنی تھی آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ جو شخص اپنے امیر کی اطاعت سے نکلے تو قیامت کے دن اللہ کے حضور اس طرح آئے گا کہ اس کے پاس اپنے اس عمل کا کوئی جواب نہ ہوگا اور جو شخص اس حال میں مرا کہ وہ کسی امیر کی اطاعت میں نہ تھا وہ جاہلیت کی موت مرا۔

حرہ میں صورت واقعہ اس طرح نہ تھی۔ یہ واقعہ یزید کی زندگی میں پیش نہ آیا تھا کہ حضرت بن زبیر رضی اللہ عنہما کو دوسرا خلیفہ قرار دے کر اس حدیث کے تحت لایا جائے آپ کی بیعت یزید کے دور میں نہیں اس کے بعد ہوئی تھی اور مدینہ کے لوگ خود حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی خلافت میں جذب ہوئے تھے اطاعت یزید سے نکلنے کے لئے نہیں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما تو شروع سے یزید کو مکہ سے بے دخل رکھے ہوئے تھے اس میں کسی کو شک کی راہ نہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد یزید ان کی کل سلطنت پر والی نہ ہوسکا مکہ مکرمہ پر اس کی حکومت نہ آسکی تھی اور یہ بات یزید سے بھی کسی معرض خفا میں نہ تھی۔

مدینہ منورہ میں یزید کی طرف سے جابر بن اسود حکمران تھا حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے اسے معزول کر کے طلحہ بن عبداللہ کو مدینہ منورہ کا حاکم مقرر کیا۔

یہ وہ حالات تھے جن میں یزید کے جانشین عبد الملک بن مروان نے مکہ کا محاصرہ کیا عبد الملک نے سرداران شام کو مکہ معظمہ پر حملہ کرنے کا کہا مگر سب نے خانہ کعبہ کو رزم گاہ بنانے سے انکار کیا یہ وہ صورت حال تھی جس کی وجہ سے مدینہ منورہ میں تین دن اذان و نماز نہ ہوسکی اور حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے روضہ انور سے اذان اور نماز کے اوقات جانتے رہے جیسا کہ سنن کی روایت سے ہم پیچھے ذکر کر آئے ہیں۔

یہ واقعہ حرہ کی بات ایک ضمنی بات تھی جو محدث کبیر ملا علی قاری رحمہ اللہ ۱۰۱۴ ھ) اپنے اس رسالہ میں لے آئے ہیں، اس کی مراد بھی حضور ﷺ کے روضہ اطہر سے اذان اور نماز کی جگہ کی وسعت گویا کہ وہ ریاض الجنۃ (جنت کے باغ) میں ہو رہی ہے اس صورت عمل کا اثبات اور روضہ انور سے آنے والی آواز کا سنا جانا تھا یہ عقیدہ حیات النبی ﷺ کا ایک کھلا ثبوت ہے جس کا انکار سوائے معتزلہ اور شیعہ کے اور کسی کا نصیب نہیں۔

پاکستان میں اس پر اختلاف پہلی بار ملتان سے اٹھا اور زیادہ افسوس اس پر ہے کہ اس کا انکار کرنے والے دیوبند کی چھتری تلے سامنے آئے اور کھلے بندوں مماتی کہلائے۔

ان حالات میں ضروری محسوس ہوا کہ پاکستان میں مسلک دیوبند کا تعارف عام طور پر جن اکابر دیوبند کے نام سے ہوتا ہے اس موضوع پر انکا عقیدہ عوام کے سامنے لایا جائے اس کے سامنے آنے سے یہ اختلاف پنجاب سے آگے کہیں نہ جاسکے گا۔ الحمد للہ کہ اس کی آواز پورے ہندوستان میں دیوبند کی چھتری کے نیچے کہیں نہیں سنی گئی۔

حجۃ الاسلام رحمہ اللہ حضرت مولانا محمد قاسم رحمہ اللہ نے کتاب آب حیات لکھی تو آپ اپنے اس موقف میں اکیلے نہ تھے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی، ابو الحسنات مولانا محمد عبد الحی لکھنوی، مولانا لطف اللہ علی گڑھی رحمہ اللہ اور ان جیسے اور بڑے بڑے اہل علم حضرات ہندوستان میں موجود تھے کسی نے حضرت حجۃ الاسلام رحمہ اللہ کے عقیدہ حیات النبی ﷺ پر کوئی انگلی تک نہ اٹھائی اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ہندوستان میں مسلک دیوبند کی یہ کوئی نئی علمی آواز نہ تھی یہ وہی آواز ہے جو قرون اولیٰ میں اہل السنۃ والجماعۃ کی علمی تحقیقی اور دینی آواز رہی ہے۔

حلقہ دیوبند کے نام سے حضرت مولنا محمد قاسم رحمہ اللہ کو بانی دار العلوم دیوبند کے عنوان سے پہلا دیوبندی عالم سمجھا جاتا ہے ان کے ساتھ نو اور بزرگ ملا لیں تو یہ حلقہ دیوبند کا پہلا عشرہ کہلائے گا۔ ہم نے مقام حیات میں علماء دیوبند کے مسلک ارجمند پر پہلے ان دس مرحومین کی شہادت پیش کی ہے۔ ان کے بعد ان اکابر دیوبند سے جو پنجاب کے مذکورہ بالا اختلاف کے وقت زندہ موجود تھے ان میں سے دس حضرات سے اس مسلک ارجمند پر شہادت لی ہے ان بیش قدر بیس شہادتوں کے بعد ہم اس مسلک پر اور کسی شہادت کی ضرورت محسوس نہیں کرتے اس صحیح عقیدے کی حمایت میں آئندہ ہزاروں آوازیں بھی اٹھیں ہم ان سب کا خیر مقدم کرتے ہیں لیکن دانشوروں کے لئے ان پہلی بیس شہادتوں کا وزن ان سب سے زیادہ ہے۔

اولٰئک آبائی فجئنی بمثلھم اذا جمعتنا یا جریر المجامع

"اِنْ یَّکُنْ مِّنْکُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ یَغْلِبُوْا مِائَتَیْنِ وَاِنْ یَّکُنْ مِّنْکُمْ مِّائَةٌ یَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا"

(پ۱۰، الانفال ۶۵)

ترجمہ: اور اگر ہوں تم میں بیس شخص ثابت قدم رہنے والے تو غالب ہوں دو سو پر اور ہوں اگر سو تو غالب آئیں ہزار کافروں پر۔

ایسے دیدہ ور کہیں اور کبھی ہوئے ہیں؟

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتے ہیں جہاں میں دیدہ ور پیدا

شہداء کے قتل ہونے کے بعد ان کی زندگی کے بارے میں قرآن مجید میں کہا گیا کہ وہ زندہ ہیں ایک ہی جگہ ان کے لئے قتل ہونے اور زندہ ہونے کے الفاظ ہیں ان کی اس زندگی کے بارے میں صرف یہ کہا گیا کہ تمھارے شعور سے بالاتر ہے ان کے وہاں زندہ ہونے کا کوئی نشان نہیں بتلایا گیا۔

''وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَاءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ'' (پ ۲ البقرہ ۱۵۴)

حضرت شیخ الہند اس آیت پر لکھتے ہیں جنہوں نے اللہ کے لئے جان دی وہ اس جہاں میں جیتے ہیں مگر تم کو ان کی زندگی کی خبر اور اس کی کیفیت معلوم نہیں اور یہ سب صبر کا نتیجہ ہے۔

آگے چوتھے پارے میں ان کے زندہ ہونے کا ایک نشان بھی بتلایا گیا ہے کہ انکو وہاں رزق ملتا ہے:

''وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ'' (پ ۴، آل عمران ۱۶۹)

احادیث میں ان کی اس شاندار زندگی کی کچھ اور علامات بھی بتلائی گئیں۔

حضرت شیخ الاسلام لکھتے ہیں: ''شہیدوں کو مرنے کے بعد ایک خاص طرح کی زندگی ملتی ہے جو اور مردوں کو نہیں ملتی انکو حق تعالیٰ کا ایک خاص قرب حاصل ہوتا ہے بڑے عالی درجات ومقامات پر فائز ہیں جنت کا رزق آزادی سے پہنچتا ہے جس طرح ہم اعلیٰ درجے کے ہوائی جہازوں میں بیٹھ کر ذرا سی دیر میں جہاں چاہیں اڑتے چلے جاتے ہیں شہداء کی ارواح حواصل طیور خضر میں داخل ہو کر جنت کی سیر کرتی رہتی ہیں ان طیور خضر کی کیفیت اور کلانی کو اللہ ہی جانے وہاں کی چیزیں ہمارے احاطہ خیال میں کہاں آسکتی ہیں۔''

(تفسیر عثمانی ص ۹۴ طبع سعودی عرب)

قرآن پاک میں ان شہداء کی زندگی کا صرف ایک نشان ہی دیا گیا ہے کہ انہیں وہاں ایک خاص درجے کا رزق ملتا ہے یہ رزق کیا صرف اللہ کی راہ میں قتل ہونے والوں کو ہی ملتا ہے یا کوئی اور مقتولین بارگاہ ایزدی بھی ہیں جنھوں نے طبعی وفات پائی اور انہیں بھی وہاں رزق ملتا ہے، اگر واقعی کوئی ایسے مقبولین بھی ہیں تو وہ سوائے انبیاء کرام علیہم السلام کے اور کون ہو سکتے ہیں؟ قرآن کریم میں اگر ان کا بھی کوئی نشان ملتا ہے تو کیا وہ حیات انبیاء کا جلی اشارہ نہیں شہداء سے آگے سوائے انبیاء وصدیقین اور کون ہیں؟ قرآن کریم میں حیاۃ انبیاء پر یہ جلی اشارہ ''مَاتُوْا'' کے لفظ میں موجود ہے: ''وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ، لَيُدْخِلَنَّهُمْ مُّدْخَلًا يَّرْضَوْنَهٗ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَلِيْمٌ حَلِيْمٌ'' (پ ۱۷، سورۃ الحج ۵۹)

ترجمہ: اور جو لوگ گھر چھوڑ آئے اللہ کی راہ میں پھر مارے گئے یا مر گئے البتہ ان کو دے گا اللہ روزی خاص اور اللہ ہے سب سے بہتر روزی دینے والا ہے البتہ پہنچائے گا ان کو ایسی جگہ جس کو وہ پسند کریں گے کہ وہ اس سے راضی ہو جائیں۔

یہ حیات انبیاءنہیں تو اور کونسا برزخی مقام ہے؟ یہ حیات انبیاء علیہم السلام پر ایک جلی اشارہ ہے۔

اسلام میں روح و بدن کا رشتہ

زمین پر حضرت آدم علیہ السلام کے آباد ہونے کے بعد پہلے انسان (حضرت آدم کے بیٹے ہابیل) کے زمین میں دفن ہونے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک کوے سے کام لیا۔ قرآن پاک میں اس کے لئے بعثت کا لفظ ملتا ہے۔

''فَبَعَثَ اللهُ غُرَابًا يَّبۡحَثُ فِي الۡاَرۡضِ لِيُرِيَهٗ كَيۡفَ يُوَارِيۡ سَوۡءَةَ اَخِيۡهِ ... '' (پ۶، المائدہ ۲۱)

ترجمہ: پھر بھیجا اللہ نے ایک کوا جو کریدتا تھا زمین کو تا کہ اسے دکھلا دے کہ کس طرح پردے میں کرے اپنے بھائی کی لاش۔

جو خدا شہد کی مکھی کو وحی کر سکتا ہے وہ ایک کوے کو بھی کسی کام کے لئے مبعوث کر سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہتے تھے کہ انسان میت ہو کر بھی ایسا بے آبرو نہ ہو کہ اسے حیوانات نوچیں اور کھائیں۔ جس طرح مٹی اسے پہلے اٹھائے رہی اس طرح اب اس میت کو بھی زمین اپنے اندر سمیٹ لے اسے یوں سمجھ لیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس گڑھے کو جسے ہم قبر کہتے ہیں انسانوں کی روح کا مسکن بنایا ہے اور اسے میت ہو کر بھی وہ آبرو دی ہے کہ اس کی روح کا بدن سے ایک تعلق رہے انسان کی روح مطلق بے گھر نہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اسے اس طرح ذکر کیا ہے: ''اَلَمۡ نَجۡعَلِ الۡاَرۡضَ كِفَاتًا اَحۡيَآءً وَّاَمۡوَاتًا''

(پ۲۹، المرسلات ۲۵)

ترجمہ: کیا ہم نے نہیں بنایا زمین کو سمیٹنے والی زندوں کو اور مردوں کو۔

یعنی جب وہ زندہ تھے تو زمین ہی انہیں سنبھالے ہوئے تھی وہ اسی پر رہتے تھے اور جب وہ میت ہوئے تو بھی زمین نے ان کو سنبھالا یعنی یہ قبر ہی اس روح کا مسکن بنی اور اسی نے اس کے شرف انسانی اور آبرو کو ایک نیا گھر دیا شیخ الاسلام ﷫ لکھتے ہیں: ''جو یوں کہا کرتے تھے کہ مٹی میں مل کر جب ہماری ہڈیاں تک ریزہ ریزہ ہو جائیں گے پھر کس طرح زندہ کر دیئے جائیں گے اس وقت اپنے ان لچر پوت شبہات پر شرمائیں گے اور ندامت سے ہاتھ کاٹیں گے۔ زندہ مخلوق اسی زمین پر زندگی بسر کرتی ہے اور مردے بھی اسی مٹی میں پہنچ جاتے ہیں انسان کو زندگی بھی اسی خاک سے ملی اور موت کے بعد بھی یہی اس کا ٹھکانہ ہوا دوبارہ اس خاک سے اسے اٹھا دینا کیوں مشکل ہوگا۔''

(ص ۷۷۲)

اللہ تعالیٰ نے سورہ عبس میں انسان کے بارے میں قبر کی اس آبرو کو اس طرح ذکر کیا ہے: ''ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقۡبَرَهٗ'' (پ۳۰ سورہ عبس ۲۱)

ترجمہ: پھر اللہ تعالیٰ نے اسے موت دی پھر اسے قبر میں رکھوا دیا۔

اس پر شیخ الاسلام ﷫ لکھتے ہیں: ''جس نے ایک مرتبہ جلایا اور مارا اس کو اختیار ہے کہ جب چاہے دوبارہ زندہ کر کے قبر سے نکالے اس کی قدرت اب کسی نے سلب نہیں کر لی۔'' (ص ۸۴۸ ء مجمع سعودی)

اب اس سے ہمارے قارئین غور فرمائیں اور سوچیں کہ کیا قبر میں اسے منکر نکیر کے سوالات کے لئے زندہ کرنا اور اس میں اس کی روح کا لوٹانا کیا اس کے زیر قدرت نہیں اور کیا احادیث صحیحہ سے یہ ثابت نہیں ہے؟

افسوس کہ ہمارے مماتی دوستوں نے اس آیت کے لفظ اقبار پر کچھ بھی غور نہیں کیا اس کا معنیٰ دوسرے کو اس کے دفن کرنے کا حکم دینا ہے اللہ تعالیٰ نے ایک کوے کے ذریعہ انسان کو حکم دیا کہ وہ دوسرے انسان کو قبر میں دفن کر کے اس کو عزت دے لغت کی کتاب صراح میں فاقبرہ کا معنیٰ یہ دیا گیا ہے: ''ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ'' اَیْ جَعَلَهٗ مِمَّنْ یُقْبَرُ، وَلَمْ یَجْعَلْهُ مِمَّنْ یُلْقٰی لِلْکِلَابِ، وَکَانَ الْقَبْرُ مِمَّا اُکْرِمَ بِهٖ بَنُوْ آدَمَ''

ترجمہ: ''پھر اللہ تعالیٰ نے اسے موت دی پھر اسے قبر میں رکھوا دیا'' یعنی انسان کو ان میں سے بنایا جن کو قبر میں دفن کیا جاتا ہے تاکہ ان میں سے جن کو درندوں کے سامنے ڈال دیا جاتا ہے گویا قبر ایسی چیز ہے جس سے بنی آدم کو شرف بخشا گیا ہے۔

اس آیت پر امام فخر الدین الرازی (۶۰۶ ھ) لکھتے ہیں: ''وَلَمْ یَقُلْ فَقَبَرَهٗ، لِأَنَّ الْقَابِرَ هُوَ الدَّافِنُ بِیَدِهٖ، وَالْمُقْبِرُ هُوَ اللّٰہُ تَعَالٰی، یُقَالُ قَبَرَ الْمَیِّتَ إِذَا دَفَنَهٗ وَأَقْبَرَ الْمَیِّتَ، إِذَا أَمَرَ غَیْرَهٗ بِأَنْ یَجْعَلَهٗ فِی الْقَبْرِ''

(تفسیر کبیر ج ۳۱، صفحہ ۵۸)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے یہاں ''اَقْبَرَہٗ'' کہا ہے ''قَبَرَہٗ'' نہیں کہا کیونکہ ''قَابِرٌ'' وہ ہوتا ہے جو کسی کو اپنے ہاتھ سے دفن کرے اور اللہ تعالیٰ ''قَابِرٌ'' نہیں مُقْبِر ہے ''قَبَرَ'' وہاں کہا جاتا ہے جب کوئی کسی کو اپنے ہاتھ سے دفن کرے اور اَقْبَرَ وہاں کہا جاتا ہے جب کوئی کسی کے کہنے پر کسی کو قبر میں اتارے۔

قرآن پاک کی رو سے اللہ تعالیٰ نے کوے کی بعثت سے انسان کی میت کو زمین میں دفن کرنے کا حکم دیا اس سے قبر اس روح کا مسکن بنی جس میت کو اس میں رکھا گیا اس سے روح و بدن کا رشتہ کھل کر سامنے آجاتا ہے روح بدن میت کے اندر نہ بھی ہو تو بھی روح کو بدن سے ایسا انس ملتا ہے کہ کبھی اسے زائرین بھی اپنے میں محسوس کرتے ہیں۔

نواب صدیق حسن خاں (۱۸۹۰ء) حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی ؒ ۱۰۵۲ ھ) کے مزار کا جذب اس طرح بیان کرتے ہیں: ''جب میں دہلی میں وارد ہوا تو آپ کی قبر کی زیارت کو گیا اور موضع قبر کو انس و ٹھنڈک کا موجب پایا۔'' (ابجد العلوم ص ۹۰۱)

حضرت مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی نے بھی تاریخ اہل حدیث میں اسے بہ پیرایہ عقیدت ذکر کیا ہے۔ دیکھئے تاریخ اہل حدیث ص ۱۴۴۔

جب اولیاء کرام کی حیات فی القبر کی اس طرح شہادت ملتی ہے تو قبر میں جسے مماتی حضرات ایک گڑھا کہہ کر ذکر کرتے ہیں اس میں روح اور بدن کے اس رشتہ کا کیسے انکار کیا جا سکتا ہے؟ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی ؒ ۱۲۳۰ ھ) تفسیر عزیزی میں اس روح و بدن کے اس تعلق کا اس طرح ذکر کرتے ہیں: ''در دفن کردن چوں اجزائے بدن یکجائے باشد علاقہ روح با بدن از راہ نظر و عنایت بحال مے ماند و توجہ روح بزائرین و متانسین و مستفیدین بسہولت مے شود کہ بسبب تعین مکان بدن گویا مکان روح ہم متعین است و آثار ایں عالم از صدقات و فاتحہ ہائے و تلاوت قرآن مجید چوں دراں بقعہ کہ مدفن بدن اواست واقع شود بسہولت نافع مے شود پس سوختن گویا روح را بے مکان کردن است و دفن کردن گویا مسکن برائے روح ساختن۔ بنا بریں است کہ از اولیاء مدفونین و دیگر صلحاء مومنین انتفاع و استفادہ جاری است۔'' (تفسیر عزیزی ص ۵۰)

ترجمہ: دفن کرنے میں مصلحت یہ ہے کہ جب بدن کے اجزاء تمام یکجا ہوں گے تو بدن سے روح کا تعلق کامل ہوگا اور سارے بدن سے ہوگا اور وہ زائرین اور انس رکھنے والوں اور استفادہ کرنے والوں کی طرف سہولت سے متوجہ ہوگی کیونکہ بدن کے مقام کے تعین سے روح کا مقام بھی متعین ہوگا اور اس دنیا سے ملاقات، فاتحہ اور تلاوت قرآن کا ثواب بدن کے مدفن میں پہنچے گا تو خوب نافع ہوگا اس لئے بدن کو جلانا (جیسا کہ ہندو کرتے ہیں) گویا روح کو بے گھر کر دینا ہے اور دفن کرنا گویا روح کے لئے ایک مسکن بنانا ہے اسی بناء پر اولیاء مدفونین و دیگر صلحاء مومنین سے انتفاع اور استفادہ کا سلسلہ جاری ہے۔

یہ نہ سمجھئے کہ یہ افادہ اور نفع رسانی ان اولیاء کرام کے اپنے عمل اور ارادہ سے ہوتی ہے ایسا نہیں، یہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے واقع ہوتا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ'' کے معنی ابھی آپ پڑھ آئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس قبر میں رکھوا دیا اسے یوں سمجھئے کہ جیسے اللہ تعالیٰ نے چاند کو کرہ نور بنایا چاند سب کو روشنی دیتا ہے مگر اپنے ارادہ سے نہیں بلکہ یہ سب اللہ تعالیٰ کے ارادہ سے عمل میں آتا ہے۔

اس سے اندازہ کیجئے کہ جب عام صلحاء مومنین کے روح و بدن میں یہ تعلق اس درجے کا ہے تو جن ابدان کے بارے میں نہایت قوی درجے میں یہ شبہات موجود ہے کہ ان کے اجساد کریمہ کو اس زمین کی مٹی ریزہ ریزہ نہیں کرتی ان میں روح و بدن کا یہ علاقہ کس قدر قوی ہوگا، اسے اگر اس درجے میں تسلیم نہ کیا جائے کہ مکین گنبد خضراء حضور اکرم ﷺ اپنے روضہ پر صلوٰۃ وسلام عرض کرنے والوں کا سلام خود سماعت فرماتے ہیں تو کس طرح آپ کی روح مبارکہ اور جسد اطہر کے باہمی تعلق کو بیان کیا جائے؟ غور کرنے والوں کے لئے یہ عقیدہ حیات النبی ﷺ کا ایک نہایت جلی اشارہ ہے۔

افسوس کہ ہماری اس صدا پر ہمارے مماتی دوست اچانک بھڑک اٹھتے ہیں اور کہتے ہیں یہ سب مفروضہ قرآن کے خلاف ہے قرآن کہتا ہے: ''وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ'' (پ ۲۲، الفاطر ۲۲)

ترجمہ: اور تم ان کو جو قبروں میں (مدفون) ہیں سنا نہیں سکتے۔

''مَنْ فِي الْقُبُوْرِ'' سے مردے مراد نہیں ہیں یہ ان لوگوں کے بارے میں کہا گیا ہے جو جہالت کے گھڑے میں گرے ہیں ان کے بارے میں کہا گیا ہے وہ مُردوں کے حکم میں ہیں جس طرح مردہ کسی کے کہنے پر عمل نہیں کرسکتا یہ منکرین نبوت وحی کی کسی بات کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔

علامہ راغب اصفہانی کی کتاب المفردات لغات قرآن میں بہت اونچا درجہ رکھتی ہے اس میں آیت ''ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ'' کے معنی یہ دیئے گئے ہیں: ''مَصدر قَبَرْتُهٗ: جعلته في القَبر، و أَقْبَرْتُهٗ: جعلتُ لَهٗ مَكَانًا يُقْبَرُ فيه. نحوُ: أسقيتُه: جعلتُ لهٗ مَا يُسْقىٰ مِنه. قَالَ تَعَالىٰ: ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ'' (صفحہ ۶۵۱)

یعنی اگر یہ قَبَرْتُهٗ کا مصدر ہو تو اس کے معنیٰ میت کو قبر میں دفن کرنے کے ہوتے ہیں اور اَقْبَرْتُهٗ کے معنیٰ کسی کے لئے قبر مہیا کرنے کے ہیں تاکہ اسے دفن کیا جائے جیسے اَسْقَيْتُهٗ کے معنیٰ پینے کے لئے پانی مہیا کرنے کے ہیں۔

قرآن میں ہے ''ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ'' (پ ۳۰ عبس ۲۱)

جب موت آکر دستک دیتی ہے تو اس کی آنکھیں کھلتی ہیں اسی معنیٰ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ''وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ'' اور تم ان کو جو قبروں میں مدفون ہیں نہیں سنا سکتے۔

یعنی جو لوگ جہالت کے گڑھے میں گرنے کی وجہ سے مردوں کے حکم میں ہیں، آپ انہیں نہیں سنا سکتے۔

اگر وہ سنتے نہیں تو مسلمانوں کے قبرستان میں جاکر تم السلام علیکم یا اہل القبور کیوں کہتے ہو اور وہ سنتے ہیں، کیا یہ آیت مذکورہ بالا سے کھلا ٹکراؤ نہیں؟ بات یہیں آکر ٹھہرے گی کہ یہ سننا تحت الاسباب نہیں، ہوا کے تموج اور کانوں کے پردہ سے نہیں اور فوق الاسباب اللہ تعالیٰ جسے چاہے سنا دیں کوئی اس پر منع وارد نہیں کرسکتا، اس پر ذخیرہ احادیث میں روایات متواتر درجے میں موجود ہیں۔

ہم نے جلد اول میں اپنے ایک پرانے کئے گئے وعدہ کے ایفا میں روح و بدن کا یہ رشتہ ہدیہ قارئین کیا ہے اس میں حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کی جو شہادت تفسیر عزیزی سے پیش کی گئی ہے اس میں ہندوؤں کے مردوں کو جلانے کے عمل پر بہت عمدہ تبصرہ کیا گیا ہے کہ اس میں انسانوں کے بدن کو جلا کر ان کی ارواح کو بالکل بے گھر کردیا جاتا ہے اور ان ارواح کا کوئی پیرایہ انس اس دنیا سے قائم نہیں رہتا۔

مسلمانوں میں اولیاء کرام ﷫ کے کئی مقابر سے یہاں کے زندہ انسانوں نے بسا اوقات خوشبو کی لہریں محسوس کیں ہم نہیں سمجھتے کہ ہمارے مماتی دوستوں نے ان ظاہری قبروں کو قبریں نہ ماننے سے قرآن کی کیا خدمت کی ہے؟ ہم یہاں قرآن پاک کی دو تین آیتیں پیش کئے دیتے ہیں جہاں قبروں کا معنیٰ ان ظاہری گڑھوں کے سوا اور کچھ لیا ہی نہیں جاسکتا۔

۱...... ''وَلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ'' اور کبھی نہ کھڑا ہو اس کی قبر پر۔ (پ ۱۰، التوبہ ۸۴)

اگر قبر کسی اور جگہ کا نام ہے تو اس میت پر دعاء کے لئے حاضر ہونے والا کہاں اس پر دعا یا استغفار کے لئے کھڑا ہو؟

۲...... ''وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ'' اور تم ان کو جو قبروں میں ہیں سنا نہیں سکتے۔ (پ ۲۴، فاطر ۲۲)

قبر پر قبر والے کو سنانے کے لئے زائر کہاں جاکر کھڑا ہوتا ہے کہ اس آیت پر کچھ اسے یہ بتلایا جائے کہ تو انہیں سنا نہیں سکتا؟

۳...... ''اَلْهٰىكُمُ التَّكَاثُرُ، حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ'' غفلت میں ڈال دیا تم کو بہتات کی حرص نے یہاں تک کہ جا دیکھیں تم نے قبریں۔ (پ ۳۰، التکاثر)

پردہ غفلت کا نہیں اٹھتا یہاں تک کہ موت آجاتی ہے، یہاں تک کہ تم نے قبریں جا دیکھیں۔ یہ کونسی قبریں ہیں جو انہوں نے جا دیکھیں؟ کیا یہ وہ گڑھے تو نہیں جن میں ان کے عزیزوں نے ان کی میتیں اتاری تھیں؟ اب انہی کو قبر کہا جا رہا ہے۔ گنبد خضراء کے نیچے قبریں کن کی ہیں؟ اسے حضرت امام بخاریؒ سے پوچھئے: ''بَابُ مَا جَاءَ فِي قَبْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأَبِي بَكْرٍ، وَعُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَقْبَرْتُ الرَّجُلَ أُقْبِرُهُ إِذَا جَعَلْتَ لَهُ قَبْرًا، وَقَبَرْتُهُ: دَفَنْتُهُ {كِفَاتًا} يَكُونُونَ فِيهَا أَحْيَاءً، وَيُدْفَنُونَ فِيهَا أَمْوَاتًا'' (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۸۶)

''عَنْ سُفْيَانَ التَّمَّارِ، أَنَّهُ حَدَّثَهُ: أَنَّهُ رَأَى قَبْرَ النَّبِيِّ ﷺ مُسَنَّمًا'' (ایضاً ص ۱۸۶)

وہ احادیث جن میں قبر اسی گڑھے کو کہا گیا جو نظر آتا ہے

۱...... ''عَنِ الْقَاسِمِ، قَالَ: دَخَلْتُ عَلَى عَائِشَةَ، فَقُلْتُ: يَا أُمَّهْ اكْشِفِي لِي عَنْ قَبْرِ النَّبِيِّ ﷺ وَصَاحِبَيْهِ رَضِيَ

اللہ عنہما، فکشفت لی عن ثلاثۃ قبور“ (سنن ابی داؤد ج۱ ص ۱۹۴)

ترجمہ: حضرت قاسمؒ سے روایت ہے کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں گیا اور کہا اے ام المؤمنین! مجھے حضور ﷺ اور آپ کے دونوں ساتھیوں کی قبریں دکھلائیں، آپ نے پھر مجھے تینوں قبریں دکھلائیں۔

۲...... حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے حضور ﷺ کو منع فرماتے سنا: ”نَهَى أَنْ يَقْعُدَ عَلَى الْقَبْرِ، وَأَنْ يُجَصَّصَ وَيُبْنَى عَلَيْهِ“ (سنن ابی داؤد ج۲ ص ۱۰۴)

ترجمہ: حضور ﷺ نے قبر پر بیٹھنے سے اور قبر پر چونا لگانے اور اس پر چھت ڈالنے سے روکا ہے۔

کیا یہ ارشادات قبروں کے بارہ میں نہیں جو کھلے طور پر قبریں دکھائی دیتی ہیں؟

۳...... احد کے دن شہداء بڑی تعداد میں تھے حضور ﷺ نے فرمایا قبروں کو وسیع رکھو اور گہرا کرو، دو دو تین تین ایک قبر میں دفن کرو۔

”أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ يَوْمَ أُحُدٍ: احْفِرُوا وَأَوْسِعُوا وَأَعْمِقُوا وَأَحْسِنُوا وَادْفِنُوا الْاِثْنَيْنِ وَالثَّلَاثَةَ فِي قَبْرٍ وَاحِدٍ وَقَدِّمُوا أَكْثَرَهُمْ قُرْآنًا“ (رواہ احمد والترمذی وابوداؤد والنسائی مشکوٰۃ ص ۱۴۸)

ترجمہ: حضور ﷺ نے احد کے دن ارشاد فرمایا احد کے شہیدوں کے لئے قبریں کھودو انہیں کھلا کرو اور گہری بناؤ دو دو اور تین تین ایک قبر میں......

کیا یہ انہی قبروں کے بارے میں نہیں جو عرفاً قبریں سمجھی جاتی ہیں؟

کیا یہ قبریں کسی غیبی جگہ میں کھودی گئی تھیں؟

۴...... حضرت ابو مرثد الغنوی کہتے ہیں حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ”لَا تَجْلِسُوا عَلَى الْقُبُورِ، وَلَا تُصَلُّوا إِلَيْهَا“ (رواہ مسلم، مشکوٰۃ ص ۱۴۸)

ترجمہ: تم قبروں پر نہ بیٹھو اور نہ ان کی طرف رخ کر کے نماز پڑھو۔

۵...... ”عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ، قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ، إِذَا فَرَغَ مِنْ دَفْنِ الْمَيِّتِ وَقَفَ عَلَيْهِ، فَقَالَ: اسْتَغْفِرُوا لِأَخِيكُمْ، وَسَلُوا لَهُ بِالتَّثْبِيتِ، فَإِنَّهُ الْآنَ يُسْأَلُ“ (سنن ابی داؤد رقم ۳۲۲۱)

ترجمہ: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ جب کسی میت کے دفن سے فارغ ہوتے تو اس کی قبر پر کچھ وقت ٹھہرتے اور فرماتے اپنے بھائی کے لئے استغفار کرو اور اس کے لئے ثابت قدمی مانگو اس سے اس وقت سوال کئے جا رہے ہیں۔

یہ سوال کہاں ہوتے ہیں؟ اسی گڑھے میں جس میں میت اتاری گئی، جس کے بارے میں مماتی کہتے ہیں گڑھے میں کچھ نہیں ہوتا۔

۶...... حضرت سعد بن معاذ کے جنازہ میں حضور اکرم ﷺ نے انہیں قبر میں اتارا اور ان کے لئے دعا کی۔

یہ قبر کہاں تھی؟ کسی عالم غیب میں نہ تھی وہی گڑھا تھا جسے سب جنازہ پڑھنے والے بھی دیکھ رہے تھے حضرت جابر رضی اللہ عنہ اپنا آنکھوں دیکھا حال اس طرح بیان کرتے ہیں: ”فَلَمَّا صَلَّى عَلَيْهِ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَوُضِعَ فِي قَبْرِهِ وَسُوِّيَ عَلَيْهِ سَبَّحَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَسَبَّحْنَا طَوِيلًا ثُمَّ كَبَّرَ فَكَبَّرْنَا فَقِيلَ يَا رَسُولَ اللَّهِ لِمَ سَبَّحْتَ ثُمَّ كَبَّرْتَ قَالَ: لَقَدْ تَضَايَقَ عَلَى هَذَا الْعَبْدِ الصَّالِحِ قَبْرُهُ حَتَّى فَرَّجَهُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ عَنْهُ“ (مشکوٰۃ، رقم ۱۳۵)

ترجمہ: جب حضور ﷺ نے اس کی نماز جنازہ پڑھ لی اور اسے قبر میں اتارا اور اس پر مٹی برابر کر دی تو آپ نے تسبیح پڑھی اور ہم نے بھی پڑھی اور کافی وقت آپ تسبیح پڑھتے رہے پھر آپ نے تکبیر کہی ہم نے بھی آپ کے ساتھ اللہ اکبر کہا حضور ﷺ سے اس کے بارے میں ہم نے سوال کیا آپ نے فرمایا اس نیک بندے پر قبر تنگ ہو رہی تھی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس تسبیح و تکبیر سے اس کی قبر کھلی کر دی۔

یہاں قبر کسے کہا اور سمجھا گیا؟ اسی گڑھے کو جس کے قبر ہونے کا مماتی انکار کرتے ہیں۔

۷...... ''عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ إِذَا أَدْخَلَ الْمَيِّتَ الْقَبْرَ قَالَ: بِسْمِ اللهِ وَعَلَى مِلَّةِ رَسُولِ اللهِ''

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ جب کسی میت کو قبر میں اتارتے تو یہ کلمات کہتے: ''بِسْمِ اللهِ وَعَلَى مِلَّةِ رَسُولِ اللهِ'' (مشکوٰۃ ص ۱۴۸)

کیا یہ اس گڑھے کو ہی قبر نہیں کہا گیا جو حضرت عبداللہ بن عمر ؓ کو نظر آتی تھی اب وہ دین میں تحریف کرنے والا کون ہے جو اس واضح حدیث کے خلاف اپنی زبان اس جرأت سے کھولے کہ یہ قبر نہیں ہے روح کا سفر اگر علیین میں ہو تو بھی اس کا تعلق اس بدن سے ہے جو اس قبر میں دفن ہو اور اسی کو ہم روح کا مسکن کہتے ہیں اور یہی عقیدہ حیات النبی ﷺ کی اساس ہے۔

۸...... ''أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ حثا عَلَى الْمَيِّتِ ثَلَاثَ حَثَيَاتٍ بِيَدَيْهِ جَمِيعًا وَأَنَّهُ رَشَّ عَلَى قَبْرِ ابْنِهِ إِبْرَاهِيمَ وَوَضَعَ عَلَيْهِ حَصْبَاءَ'' (مشکوٰۃ رقم ۱۷۰۸)

ترجمہ: آنحضرت ﷺ نے اس میت پر (اس کی قبر پر) تین دفعہ اپنے دونوں ہاتھوں سے مٹی ڈالی اور اپنے بیٹے ابراہیم کی قبر پر پانی چھڑکا اور اس پر کچھ کنکریاں رکھ دیں۔

۹...... ''وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ صَلَّى عَلَى جَنَازَةٍ ثُمَّ أَتَى الْقَبْرَ فَحَثَا عَلَيْهِ مِنْ قِبَلِ رَأْسِهِ ثَلَاثًا''
(مشکوٰۃ ص ۱۴۹، رقم ۱۷۲۰)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ایک جنازہ پڑھایا پھر آپ قبر پر آئے اور سر کی جانب اس پر تین دفعہ مٹی ڈالی۔

کیا یہاں اسی گڑھے کو قبر نہیں کہا گیا جسے حضرت ابو ہریرہ ؓ بھی دیکھ رہے تھے اس کے قبر ہونے کا انکار کیا حدیث پیغمبر کے خلاف خود ایک گستاخانہ صدا نہیں۔

۱۰...... ''عَنْ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ قَالَ: رَآنِي النَّبِيُّ ﷺ مُتَّكِئًا عَلَى قَبْرٍ فَقَالَ: لَا تُؤْذِ صَاحِبَ هَذَا الْقَبْرِ''
(مشکوٰۃ ص ۱۴۹)

ترجمہ: حضرت عمرو بن حزم ؓ سے روایت ہے کہ انہیں حضور ﷺ نے ایک قبر سے ٹیک لگائے دیکھا آپ نے مجھے کہا اس قبر والے کو اذیت نہ دے اور اس عمل کے باعث وہ تجھے کوئی ایذا نہ دے۔

ہم نے اپنے اس دعویٰ پر یہ دس حدیثیں ہدیہ قارئین کر دی ہیں اب ان کے خلاف کسی مماتی کو کچھ کہنے کی جرأت نہ ہو سکے گی۔ ''تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ''

آیئے اب ہم انہیں اس دعویٰ پر صحابہ سے بھی ایک سند لے لیں۔

فاتح مصر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے کو وصیت کی: ''فَإِذَا دَفَنْتُمُونِي فَشُنُّوا عَلَيَّ التُّرَابَ شَنًّا ثُمَّ أَقِيمُوا حَوْلَ قَبْرِي قَدْرَ مَا يُنْحَرُ جَزُورٌ وَيُقَسَّمُ لَحْمُهَا حَتَّى أَسْتَأْنِسَ بِكُمْ وَأَعْلَمَ مَاذَا أُرَاجِعُ بِهِ رُسُلَ رَبِّي'' (مشکوۃ ص ۱۴۹)

ترجمہ: جب تم مجھے دفن کر لو تو مجھ پر (یعنی میری قبر پر) مٹی ڈالو پھر میری قبر کے پاس اتنی دیر کھڑے رہنا جتنے وقت میں ایک اونٹ نحر کیا جائے اور اس کا گوشت (حصہ داروں میں) تقسیم کیا جا سکتا ہے تا کہ میں تمہارے ساتھ انس پکڑوں اور جان لوں کہ میرے رب کے بھیجے ہوئے میری طرف کیسے آتے ہیں۔

یہ آپ کی قبر کے گرد ٹھہرنے والے آپ کے بیٹے کیا آپ کے حقیقی بیٹے نہیں اور آپ کی یہ قبر جس کے گرد ٹھہرے آپ نے انہیں حکم فرمایا زمین کا وہی گڑھا نہیں جس میں میت کو اتار کر اس پر برابری کی جاتی ہے؟

قارئین مماتیوں سے پوچھیں کہ وہ اس حدیث میں کس دلیل سے مثالی بیٹوں کو لے کر آتے ہیں؟

دسویں صدی کے مجدد حضرت علامہ جلال الدین السیوطیؒ (۹۱۱ھ) لکھتے ہیں: ''وَقَدْ أَطْبَقَ أَهْلُ السُّنَّةِ عَلَى اعْتِبَارِهِ، وَلَمْ يُخَالِفْ فِيهِ إِلَّا الْمُعْتَزِلَةُ، فَقَالُوا: لَا يَجُوزُ أَنْ تُسَمَّى الْمَلَائِكَةُ بِمُنْكَرٍ وَنَكِيرٍ''

(الحاوی للفتاوی ج ۴ ص ۳۳۹)

ترجمہ: اور سب اہل سنت قبر کے عذاب و ثواب پر پوری طرح متفق ہیں اور اس میں معتزلہ کے سوا کسی کا ان سے (اہل سنت سے) اختلاف نہیں۔ معتزلہ کہتے ہیں کہ ملائکہ کا نام منکر اور نکیر فرشتوں کی عزت کے پیش نظر درست نہیں ہے۔

الجواب: منکر کے معنی کوئی ناپسندیدہ یا برے کے نہیں یہ اسے کہا جاتا ہے جو پہچان میں نہ آئے۔

حضرت جرائیل علیہ السلام ایک دفعہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں ایک شکل انسانی میں آئے تو کیا صحابہ نے ان کے بارے میں یہ نہ کہا تھا لم یعرفه احدمنا ہم میں سے کوئی بھی انہیں پہچانتا نہ تھا ان کے جانے پر حضور علیہ السلام نے صحابہ کرام کو بتایا کہ وہ حضرت جبرئیل علیہ السلام تھے۔ اس پر ہم اس عنوان کو ختم کرتے ہیں کہ اسلام میں روح و بدن کا رشتہ کیا ہے۔

اب ہم ''مُتَوَكِّلًا عَلَى اللهِ'' اس باب کے دوسرے عنوان کا آغاز کرتے ہیں اسلام کا یہ موضوع کل دوسرے ادیان سے مختلف ہے اس دنیا کا اگلے جہان سے وہ رشتہ ہے جو سوائے دین اسلام اور کسی دین میں نہیں پایا جاتا۔

اسلام میں اس جہان کا اگلے جہان سے رشتہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى... أَمَّا بَعْدُ!

برزخ کا لفظ یا اس کے قریب المعنیٰ کوئی دوسرا لفظ سوائے اسلام کے اور کسی دین میں نہیں ملتا۔ راقم الحروف کے نزدیک انکار عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم اس عالم برزخ کو نہ سمجھنے کی وجہ سے ہے اکابر علماء اسلام نے عالم برزخ پر بڑی بڑی علمی بحثیں کی ہیں لیکن حجۃ الاسلامؒ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے اس پر جو ''آب حیات'' لکھی ہے اسے دیکھنے پر ان کے حق میں بے ساختہ زبان سے نکلتا ہے ''اٰيَةٌ مِّنْ اٰيَاتِ اللهِ''

اسلام میں اس جہان کا اگلے جہان سے رشتہ

برزخ عربی لفظ ہے جس کے معنی پردے کے ہیں یہ دو چیزوں میں ایک حد بندی کا نام ہے۔ علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں: ''اَلْبَرْزَخُ: اَلْحَاجِزُ وَالْحَدُّ بَیْنَ الشَّیْئَیْنِ'' (مفردات ص ۴۲)

ترجمہ: برزخ دو چیزوں کے درمیان پردہ اور حد کو کہتے ہیں۔

قرآن کریم میں ہے: ''اِنَّھَا کَلِمَۃٌ ھُوَ قَائِلُھَا وَمِنْ وَّرَائِھِمْ بَرْزَخٌ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ'' (پ۱۸، المومنون ۱۰۰)

ترجمہ: ہرگز نہیں یہ ایک بات ہے جو وہ کہہ رہا ہے اور ان کے پیچھے ایک پردہ ہے (برزخ) اس دن تک کہ اٹھائے جائیں گے اپنی قبروں سے۔

حضرت شیخ الاسلامؒ لکھتے ہیں: ''موت ہی سے اس قدر گھبرا گیا آگے اس کے بعد ایک اور عالم برزخ آتا ہے جہاں پہنچ کر دنیا والوں سے پردہ ہو جاتا ہے اور آخرت بھی سامنے نہیں آتی ہاں عذاب آخرت کا تھوڑا سا نمونہ سامنے آتا ہے جس کا مزہ قیامت تک چکھتا رہے گا۔ عالم برزخ کے بعد قیامت کی گھڑی ہے دوسری مرتبہ صور پھونکنے کے بعد تمام خلائق کو ایک میدان میں لاکھڑا کریں گے۔'' (ص ۴۶۴ سعودی عرب)

برزخ کا عذاب نمونہ ہے عذابِ آخرت کا

حضرت شیخ الاسلامؒ کی اس تصریح نے بتایا کہ عذاب برزخ ایک نمونہ ہے عذاب آخرت کا۔ عذاب آخرت بدن اور روح دونوں پر ہوگا اور اسی لئے قبر میں دبے بدنوں میں پھر سے جان ڈالی جائے گی اور اس کے کافر منکر سے اسی پر قلب قرآن سورہ یٰسین میں آخر میں عذاب آخرت کا پتہ دیا گیا ہے۔

''وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِیَ خَلْقَہٗ قَالَ مَنْ یُّحْیِ الْعِظَامَ وَھِیَ رَمِیْمٌ قُلْ یُحْیِیْھَا الَّذِیْٓ اَنْشَاَھَآ اَوَّلَ مَرَّۃٍ وَّھُوَ بِکُلِّ خَلْقٍ عَلِیْمٌ'' (پ ۲۳، یٰسین ۷۸)

ترجمہ: اور بتلاتا ہے ہم پر ایک مثل اور بھول گیا اپنی پیدائش کہنے لگا کون زندہ کرے گا ان ہڈیوں کو جب وہ ہو گئیں کھوکھری............

اس پر حضرت شیخ الاسلامؒ نے یہ نہایت لطیف نکتہ اٹھایا ہے: ''کیا وہ ایک چیز کی موت وحیات کے الٹ پھیر پر قادر نہیں؟'' (ص ۵۹۳)

قلب مومن سے تو اس کا ایک ہی جواب ملتا ہے ''کیوں نہیں!''

مماتی لوگ اب بھی اقرار نہ کریں کہ جب آخرت کا عذاب بدن اور روح دونوں پر ہے تو برزخ کا عذاب جو اس عذاب کا ہی ایک مختصر نمونہ ہے وہ بدن وروح پر کیوں نہ ہوگا۔ رہے وہ ابدان جو جلا دیئے گئے جیسا کہ ہندو اپنے مردوں کو دفناتے نہیں جلاتے ہیں تو وہ ضابطہ عمل سے اگلے درجہ کی ایک دوسری صورت ہے۔ ایسی استثنائی صورتوں سے اصل ضابطہ عمل کا انکار کرنا کوئی دانشمندانہ اور علمی سوچ نہیں ہے۔

فرعون کا ڈوبتے ہی عالم برزخ شروع

فرعون کا بحر قلزم میں ڈوبتے ہی عالم برزخ شروع ہو گیا اور یہ قیامت تک چلے گا۔

قرآن کریم میں سورہ نوح میں آپ اس کا بیان پڑھ آئے ہیں: ''مِمَّا خَطِيْئٰتِهِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا فَلَمْ يَجِدُوْا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْصَارًا'' (پ۲۹، نوح ۲۵)

ترجمہ: کہہ دو اپنے گناہوں سے ڈبائے گئے پھر ڈالے گئے آگ میں پھر نہ پائے اپنے واسطے انہوں نے اللہ کے سوا کوئی مددگار۔

صبح وشام آل فرعون آگ کے نظارہ میں

آگ ہے جہنم کی جس کا وہ صبح وشام نظارہ کرتے ہیں اور جب قیامت قائم ہوگی اس وقت یہ اس سے بھی بڑے عذاب میں داخل کر دیئے جائیں گے یہ جہنم کا عذاب ہوگا جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

''اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ اَدْخِلُوْا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ''

(پ ۲۴، المومن ۷۶)

اس آیت میں آل فرعون پر عذاب برزخ اور عذاب آخرت کا ذکر ہے۔

حضرت شیخ الاسلامؒ لکھتے ہیں: ''بظاہر پانی میں ڈبائے گئے لیکن فی الحقیقت برزخ کی آگ میں پہنچ گئے۔''

(ص ۵۸۷ طبع سعودی عرب)

برزخ کی آگ صرف روح کا عذاب نہیں یہ بدن میں بھی دھنستا رہا

اس پر آپ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان پہلی جلد میں پڑھ آئے ہیں مجدد صدی چہاردہم لکھتے ہیں: ''برزخ کے احکام روح پر جاری ہوں گے سب دکھ اور سکھ روح کو پہنچے گا وہ صاحب روح کے جسم پر بھی سرایت کرے گا روح کا تعلق بدن سے گو عام حالات میں ظاہر نہیں ہوتا لیکن ایک غیر معلوم وجہ پر یہ بھی رہتا ہے بدن سے اس کا بالکل انقطاع اور جدائی نہیں ہوتی۔'' (المصالح العقلیہ ص ۲۲۶)

مماتیوں کو یہ بات سمجھ نہ آئی کہ آگ کا نظارہ جب آنکھوں نے کیا اور صرف روح نے محسوس کیا کہ قیامت قائم ہونے پر اس آگ میں جانا ہوگا تو ان کا یہ روح کا عذاب جسمانی کیسے بن گیا؟

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں بدن میں سرایت کر کے دیکھا جانے والا عذاب بدن میں سرایت کر گیا یہ بڑا لطیف ادراک ہے عام دیہات تک کے لوگ جانتے ہیں کہ جن جب کسی انسان کے بدن میں سرایت کرتا ہے تو بظاہر وہ انسان بول رہا ہوتا ہے لیکن حقیقت میں جن اس کی زبان پر بولتا ہے اور جو بات اس انسان پر گزر رہی ہوتی ہے درحقیقت وہ اس جن پر گزرتی ہے لیکن بزرگوں کے کشف اور ان کی ان تحقیقات کو ماننا جن کا نصیب نہیں وہ جھٹ اپنے مماتی ہونے کے موقف پر آ جاتے ہیں۔

قطب الاقطاب حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردان حدیث میں واں بھچراں ضلع میانوالی کے مولانا حسین علی مرحوم ایک بڑے عارف بزرگ تھے آپ فنا فی التوحید ہو گئے تھے اور پنجاب میں خانقاہوں میں گھرے اہل بدعت کو سرعام مشرک کہتے تھے انہوں نے پنجاب میں اپنا ایک ایسا حلقہ بنا لیا جو بریلویوں کی کھلی تکفیر کرتے تھے۔

علمائے دیوبند سے ان کا ایک کھلا اختلاف

ہندوستان میں دینی شعور رکھنے والے شاید کسی شخص سے مخفی نہ ہو کہ مولانا احمد رضا خان نے جب علمائے دیوبند کی تکفیر کی تو علماء دیوبند نے ان پر کوئی جوابی تکفیری کارروائی نہ کی تھی ہم اسے مطالعہ بریلویت کی نویں جلد میں ایک مضمون کی صورت میں سامنے لا چکے ہیں تاہم یہ حقیقت ہے کہ اس سے بریلویوں نے بہت ناجائز فائدہ اٹھایا اس صورت حال میں حضرت مولانا حسین علی مرحوم کے حلقے کے علماء مسلک دیوبند کے معتقدین کے لئے ایک باران رحمت کی صورت میں بولے اور پنجاب میں خاص کر شمالی پنجاب میں مولانا احمد رضا خان کو اپنی تکفیری مہم میں کوئی پذیرائی نہ ملی صرف لاہور میں انہوں نے مسجد وزیر خاں میں اپنا ایک مرکز بنالیا۔

حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی گہری سیاسی بصیرت

حضرت شاہ صاحبؒ پنجاب کے باشندہ ہونے کی وجہ سے دیوبندی بریلوی اختلاف کو پسند نہیں کرتے تھے جب پنجاب میں حضرت مولانا حسین علی مرحوم کے شاگرد میدان میں نکلے تو شاہ صاحب نے پنجاب کے دیوبندی عقیدہ کے لوگوں سے کہا کہ ان کی مخالفت نہ کرنا یہ تمہارا ڈرلی جتھا ہے۔ جب دو لشکر ایک دوسرے کے مقابلے میں نکلتے ہیں تو آگے آگے ہر ایک کا ڈرلی جتھا ہوتا ہے جو اپنے مخالفین کو اس قدر ڈرا دیتا ہے کہ ان کے پیچھے آنے والے بسا اوقات پہلے ہی دم توڑ دیتے ہیں۔ اس گہری سوچ سے ہندوستان کے مسلک اہل سنت والجماعت کی علمی آبرو تو دیوبند سے قائم رہی اور تبلیغی میدان میں مولانا غلام اللہ خاں نے تقریروں اور مناظروں میں کھلے طور پر بریلویوں کو کافر کہا جس سے وہ بہت دب گئے اور بار بار شکستیں کھائیں۔

حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری مجلس احرار اسلام کے سیاسی جلسوں میں بھی کھلے طور پر علمائے دیوبند کا صحیح تعارف کرا دیتے اور اختلافی مسائل کو اپنی بے مثال خطابت میں اس طرح لپیٹ دیتے کہ پنجاب میں عام دینی فضا کافی حد تک معتدل رہی مولانا غلام اللہ خاں نے قرآن کریم کو صرف دینی طالب علموں میں نہیں عوامی میدانوں اور تقریروں میں بھی اس طرح پڑھا کہ دیکھتے دیکھتے شیخ القرآن کا لفظ ان کے نام کا جزو بن گیا۔

مولانا غلام اللہ خاں گو حضرت مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ کے علمی جانشیں تھے مگر علماء دیوبند سے بھی نہ صرف اعتقادی طور پر بلکہ جذباتی طور پر ان کا رابطہ رہتا تھا انہوں نے اپنے ایک بیٹے کا نام حسین علی رکھا تو دوسرے کا نام اشرف علی رکھا۔ ان کے راجہ بازار راولپنڈی کے مدرسہ کے شیخ الحدیث حضرت مولانا انور شاہ محدث کشمیریؒ کے نامور شاگرد حضرت مولانا عبدالقدیر تھے جو دارالعلوم دیوبند کی ایک عظیم علمی یادگار تھے اس صورت حال میں کوئی علمی تحقیق کرنے والا یہ تصور ہی نہیں کرسکتا کہ مولانا غلام اللہ خاں علماء دیوبند کے مقابل کوئی دوسری آواز ہو سکتے ہیں۔ اشاعت التوحید والسنہ کے تبلیغی حلقوں میں مولانا غلام اللہ خاں نے بلند پایہ خطیب مولانا سید عنایت اللہ شاہ بخاری کو بھی اپنے ساتھ لیا ان دونوں حضرات نے پنجاب میں شرک و بدعت کے خلاف ڈٹ کر محنت کی اور ایک دوسرے سے پورا تعاون کیا۔

پنجاب میں عقیدہ حیات النبی ﷺ میں اختلاف

پہلے پر و بال کس نے نکالے

یہ اختلاف جامعہ خیر المدارس ملتان کے ایک سالانہ اجلاس کی ایک تقریر سے شروع ہوا؟ کس کی تقریر سے؟ مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاریؒ کی تقریر سے۔ ان کو اس اجلاس میں بلانے والے حضرت مولانا خیر محمد جالندھری ممبر مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند تھے کوئی صاحب علم یہ نہیں کہہ سکتا کہ مناظر اسلام حضرت مولانا جالندھری اس اختلاف سے ناآشنا ہوں گے جو اکابر علمائے دیوبند اور جمعیت اشاعۃ التوحید والسنہ میں پایا جاتا ہے اور یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ مناظر اسلام جناب مولانا عنایت اللہ شاہ بخاری اس پس منظر سے ناآشنا تھے پھر اگر حضرت مولانا جالندھری نے اس باہمی رواداری کو اور فروغ دینے کے لئے شاہ صاحب کو اپنے ملتان کے اجلاس میں تشریف لانے کی دعوت دی تو یہ اختلاف کی چنگاری وہاں اچانک کیسے بھڑک اٹھی؟

جس رات شاہ صاحب کی خیر المدارس میں یہ تقریر ہوئی اگلے دن وہاں اس اجلاس میں راقم الحروف کی تقریر تھی راقم اس رات تنظیم اہل سنت کے دفتر واقع بیرون بوہڑ گیٹ میں ٹھہرا ہوا تھا اور وہیں اس تقریر کی خبریں میں نے سنی تھیں ان نئے پیدا ہونے والے حالات اور اختلافات کو راقم الحروف شروع سے جانتا ہے۔

یہ اختلافات ختم کیسے ہوئے؟

جب دارالعلوم دیوبند سے حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ انہیں ختم کرانے کے لئے پاکستان تشریف لائے اور راولپنڈی میں فریقین کی ایک مشترکہ میٹنگ ہوئی اس میں شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خاں اور قلعہ دیدار سنگھ کے قاضی نور محمد صاحب والد قاضی عصمت اللہ صاحب ایک طرف سے اور خیر المدارس کی طرف سے حضرت مولانا محمد علی جالندھری شریک ہوئے اور ایک متفقہ مؤقف پر ان تینوں کے دستخط ہوئے اس اختلاف کے ختم ہونے پر تمام پاکستان میں ہر جگہ اظہار مسرت کیا گیا۔

اس کی روائیداد کتاب تسکین الصدور ص ۳۹، ۴۰ پر ان الفاظ میں ملتی ہے: عامۃ المسلمین کو فتنہ نزاع و جدال سے بچانے کے لئے مناسب ہوگا کہ مسئلہ حیات النبی ﷺ کے سلسلہ کے ہر دو فریق کے ذمہ دار حضرات عبارت ذیل پر دستخط فرمائیں یہ مسئلہ قدر مشترک ہوگا ضرورت پڑنے پر اسے ہی عوام کے سامنے پیش کر دیا جائے تفصیلات پر زور نہ دیا جائے عبارت مجوزہ حسب ذیل ہے: ''وفات کے بعد نبی کریم ﷺ کے جسد اطہر کو برزخ (قبر شریف) میں بہ تعلق روح حیات حاصل ہے اور اس حیات کی وجہ سے روضہ اقدس پر حاضر ہونے والوں کا آپ صلوٰۃ وسلام سنتے ہیں۔''

اس کے نیچے اس عبارت مجوزہ پر یہ دستخط اس طرح ہیں:

احقر محمد طیب (راولپنڈی)

(۱) نور محمد قلعہ دیدار سنگھ (۲) محمد علی جالندھری عفا اللہ عنہ۔

(۳) لاشیٔ غلام اللہ خاں ۱۸ر محرم ۱۳۸۲ھ۔ ۲۲ر جون ۱۹۶۲ء

جب سے یہ مسئلہ ایک عوامی موضوع بن کر سامنے آیا ہے اس کی پوری تاریخ میں یہ مشترکہ دستاویز سب سے زیادہ اور اہم درجہ رکھتی ہے۔

یہ اختلاف دیو بند کی چھتری تلے اٹھا اور اسے ختم کرانے کے لئے دار العلوم دیو بند کے مہتمم ہی راولپنڈی تشریف لائے اب اس مشترکہ تحریر کے باعث یہ موضوع پورے پاک و ہند میں کبھی زیر بحث نہ آ سکے گا کہ کون دیو بندی ہے اور کون نہیں؟ یہ نزاع ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو گئی۔

ثانیاً: اس مشترکہ دستاویز میں حضور ﷺ کے برزخ کے آگے بریکٹ میں قبر شریف لکھ کر وضاحت کر دی گئی کہ آپ کی اس گنبد خضراء کے نیچے آئی قبر شریف کے قبر ہونے سے پورے پاک و ہند میں کہیں انکار نہ کیا جا سکے یہ نزاع بھی ہمیشہ کے لئے ختم ہو گئی۔

ثالثاً: اس میں مدینہ منورہ کے اس روضہ اقدس پر حاضر ہونے اور صلوٰۃ وسلام عرض کرنے والے زائرین کا درود وسلام بہ تعلق روح حضور ﷺ خود سماعت فرماتے ہیں یہ نزاع بھی ہمیشہ کے لئے ختم ہو گئی۔

رابعاً: اس قدر مشترک کے ماسوا جو بھی اس کی تفصیلات ہوں ان پر زیادہ زور نہ دیا جائے اس سے اس اختلاف کو بڑھانے والے حضرات کو ضمنی مباحث میں جانے سے روک دیا گیا اس سے یہ صورت اختلاف بھی ہمیشہ کے لئے ختم ہو گئی۔

خامساً: اس مشترکہ اجلاس میں یہ سوال مطلق نہ اٹھایا گیا کہ ایسے اہم اجلاس میں مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب کو بھی بلایا جائے۔ شیخ القرآن اگر اس نزاع میں شاہ صاحب کے ساتھ ہوتے تو وہ یہ سوال وہاں ضرور اٹھاتے لیکن انہوں نے وہاں اس طرف توجہ نہ دلائی نہ یہ تجویز دی۔

حضرت شیخ القرآن دیو بند سے والہانہ طور پر وابستہ تھے آپ کے سامنے شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی کا جب بھی نام لیا جاتا آپ کو آنسو آ جاتے تھے آپ کبھی بڑائی کا دم نہیں مارتے تھے مولانا عنایت اللہ شاہ بخاری کے نام کے ساتھ جب پیر طریقت کا لفظ آنے لگا آپ نے اپنے نام سے پہلے لاشیٔ کے الفاظ بڑھا دیئے اب یہ کہنا کس طرح درست نہیں کہ یہ دونوں حضرات آپس میں بالکل ایک تھے۔ چونکہ مناظرانہ طور پر اور بطور مقرر یہ ہمیشہ اکٹھے رہے اور شیخ القرآن ہمیشہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ پُر خلوص رہتے تو جب یہ نیا اختلاف پیدا ہوا تو آپ ان کے ساتھ ساتھ رہے لیکن اندر سے آپ چاہتے تھے کہ جس طرح بھی ہو سکے یہ اختلاف آگے نہ بڑھے۔

ایک اہم تاریخی واقعہ

ایک دفعہ جامع مسجد شیرانوالہ لاہور میں فریقین میں ایک مناظرہ تجویز ہوا اور راولپنڈی سے ایک بڑی تعداد میں علماء لاہور پہنچ گئے اس سفر میں شیخ القرآن بھی شاہ صاحب کے ساتھ تھے حضرت شیخ القرآن نے خود یہ واقعہ مجھے سنایا آپ نے فرمایا: ''میں نے گاڑی میں شاہ صاحب سے کہا کہ اگر فریق مخالف نے ہم سے پوچھا کہ پچھلے چودہ سو سال کے کسی اہل سنت کے معروف عالم کا نام بتاؤ جو مدینہ منورہ حاضر ہونے والے زائرین کے وہاں صلوٰۃ وسلام عرض کرنے کے بارے میں عقیدہ رکھتا ہو کہ حضور اسے خود نہیں سنتے تو ہم کس کا نام لیں گے؟

اس پر شاہ صاحب نے اپنی عینک اتاری اور مجھے مخاطب کر کے کہا مولانا آپ بھی اگر مجھے چھوڑ دیتے ہیں تو میں اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔ "اُفَوِّضُ اَمْرِیْٓ اِلَی اللّٰہِ"

خدا کو گواہ بنا کر میں یہ بات ہدیہ قارئین کر رہا ہوں کہ حضرت شیخ القرآن نے یہ واقعہ مجھے مانچسٹر میں سنایا جب میری دعوت پر اور بریلویوں کے مقابلہ میں میری مدد کے لئے آپ مانچسٹر آئے تھے۔

اس سارے پس منظر میں یہ بات میرے لئے کسی طرح لائق تسلیم نہیں کہ حضرت شیخ القرآن اور حضرت شاہ صاحب اپنی نظر و فکر اور بیان و فکر میں ایک تھے شیخ القرآن کے ایک بیٹے کا نام حسین علی اور دوسرے کا اشرف علی اس حقیقت واقعہ کا ایک کھلا ثبوت ہے۔ آپ اس دوران دونوں بزرگوں کے تہ دل سے معتقد تھے۔

شیخ القرآن کے شاگرد دو حصوں میں

راولپنڈی سے اٹک کی طرف جاتے ہوئے علاقہ چھچھ میں شیخ القرآن کے شاگرد مولانا عبدالسلام صاحب اور شیخ الحدیث مولانا محمد صابر صاحب ایک درسگاہ قائم کئے ہوئے تھے انہوں نے راولپنڈی کی اس مشترکہ دستاویز کے گرد بڑی وفا سے پہرہ دیا اس کی نقول اپنے اس علاقہ میں بار بار تقسیم کیں ان حضرات نے اپنے اس علاقہ میں مطالعہ بریلویت بھی ہر طرف پھیلائی اور مجھے بھی وہاں خطبہ جمعہ کے لئے بار بار بلاتے رہے۔

سرگودھا میں شیخ القرآن کے شاگرد مولانا عطاء اللہ بندیالی نے اپنے مدرسہ ضیاء العلوم میں شیخ القرآن کے مسلک کو مولانا سید عنایت اللہ بخاری کے عین مطابق ثابت کرنے کے لئے حضرت شیخ القرآن کے مسلک پر ایک مستقل رسالہ لکھ کر انہیں حیات النبی ﷺ کا اس طرح قائل بتلایا ہے۔ ان کے اس رسالہ کا نام ہے: "مسلک شیخ القرآن فی حیات سید الانس والجان"

اس میں دعویٰ حیات کا ہے یا ممات کا؟ یہ آپ خود پڑھ لیں۔ اس کی رو سے شیخ القرآن کو کبھی مماتی نہیں کہا جا سکتا، ان کا مسلک حیات ہی بتلایا گیا ہے۔

لیکن یہ بات مولانا بندیالی کی درست نہیں کہ مولانا عنایت اللہ شاہ بخاری بھی اس عقیدہ پر تھے شاہ صاحب ان دنوں اپنی تقریر "انک میت" سے شروع کرتے اور اسی پر ختم کرتے تھے مماتی کا لفظ انہی کے نام سے آگے چلا اور آگے چل کر احمد سعید چتروڑگڑھی ان کے فکر و بیان کے جانشین ہو گئے۔ چتروڑگڑھی سے شیخ القرآن کس درجہ ناراض تھے یہ بات کسی صاحب علم سے ڈھکی چھپی نہ تھی۔

شیخ القرآن، مولوی احمد سعید چتروڑگڑھی سے کیوں ناراض تھے؟

شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خاں، چتروڑگڑھ ضلع ملتان کے مولوی احمد سعید سے اس قدر ناراض تھے کہ ان کے دار العلوم تعلیم القرآن راجہ بازار، راولپنڈی کے مفتی عبدالرشید صاحب نے ۱۳۹۸ھ میں ضلع جہلوال کے جناب محمد یوسف سلیم ساکن چک نمبر ۱۱۷، شمالی چک فی الحال چک نمبر ۱۴، پٹھانوالی، جہلوال کے ایک استفتاء کا جو انہوں نے مولانا غلام اللہ خاں کو بھیجا تھا، اس کا مدرسہ کی طرف جواب دیا۔

نامناسب نہ ہوگا کہ ہم وہ استفتاء اور دار العلوم تعلیم القرآن راولپنڈی کا جواب بھی ہدیہ قارئین کریں جسے سرگودھا کے مرکزی عالم دین حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ شیخ الحدیث مدرسہ سراج العلوم سرگودھا وخطیب مرکزی جامع مسجد سرگودھا کے پوتے مولانا عبدالمعیدؒ نے ۳۔ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۸ھ میں بزمِ قاسمی میانوالی کی طرف سے شائع کیا۔ وہ استفتاء اور اس کا جواب حسب ذیل ہیں، جو شخص ایسا کہے اس کا کیا حکم ہے؟

استفتاء

سوال نمبر ا: جو شخص کشفِ قبور سیکھے یا سکھائے یا خود کرے اور اسے جائز سمجھے وہ بالکل کافر ہے جیسے مرزائی کافر ہیں۔

سوال نمبر ۲: جو شخص نبی کریم ﷺ کو روضہ اطہر میں زندہ باشعور سمجھے یا یہ عقیدہ کہ نبی کریم ﷺ روضہ اطہر پر حاضری کے وقت خود درود وسلام سنتے ہیں، اس عقیدہ والا بھی کافر ہے۔

سوال نمبر ۳: جو شخص درود وسلام پڑھے، بذریعہ فرشتے نہیں پہنچایا جاتا۔

بقلم خود محمد یوسف سلیم چک نمبر ۱۱۷، شمالی بھلوال

الجواب واللہ الموفق للصواب

نمبر ا: ساداتِ دیوبند کشفِ قبور کے قائل ہیں، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، حضرت مولانا تھانوی اور دیگر علماء دیوبند ﷭ کی تصریح ان کی کتابوں میں موجود ہے اور ہم بھی اس کے قائل ہیں، ہمارا اس کا انکار صحیح نہیں اور قائل کو کافر کہنا تو بڑی جہالت ہے۔

نمبر ۲: روضہ اطہر پر حاضری کے وقت پیغمبر ﷺ خود سنتے ہیں، جمہور امت اس پر متفق ہیں اور ساداتِ دیوبند کا عقیدہ بھی یہی ہے۔ اس کا انکار بھی جہالت ہے اور قائل پر کفر کا فتویٰ جاہلانہ جسارت رکھتا ہے۔

نمبر ۳: یہ بھی جہالت ہے، علماء دیوبند کا یہ مسلک نہیں ہے، ایسے شخص کی تقریر سننا سخت گناہ ہے، اہلِ ایمان پر لازم ہے کہ اپنا ایمان مضبوط رکھیں اور ایسی صحبت سے پرہیز کریں۔

عبدالرشید مفتی دار العلوم تعلیم القرآن، راجہ بازار، راولپنڈی ...... ۳ جمادی الاولیٰ، ۱۳۹۸ھ

منجانب ...... بزمِ قاسمی میانوالی

الناشر عبدالمعید سرگودھوی ...... مہر مدرسہ

احمد سعید ملتانی کا عقیدہ کیا تھا جس کی وجہ سے حضرت شیخ القرآنؒ اس سے ناراض تھے، اسے بھی ملاحظہ فرمائیں، یہ بھی سرگودھا سے شائع ہوا تھا۔

آپ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کا یہ بیان پہلے پڑھ آئے ہیں: ''(کسی) قبر کے پاس جا کر کہے کہ اے فلاں! تم میرے واسطے ''دعا کرو کہ حق تعالیٰ میرا کام کردیوے'' اس میں اختلاف علماء کا ہے، مجوزینِ سماع موتی اس کے جواز کے مقر ہیں اور مانعینِ سماع منع کرتے ہیں سو اس کا فیصلہ اب کرنا محال ہے۔'' (فتاویٰ رشیدیہ)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ علماء اسلام میں قائلینِ سماع اور مانعینِ سماع دونوں طرح کے بزرگ ہیں، ان میں

شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان مانعینِ سماع میں سے تھے اور حضرت شیخ الحدیث مولانا سرفراز احمد خان قائلینِ سماع میں سے تھے، ان کی کتاب ''سماع موتی'' اس پر شاہد ہے۔ یہ دونوں خان حضرات مولانا حسین علی کے شاگردوں میں سے تھے۔

اس مسئلے میں پھر ایک اور مسئلہ ابھرا کہ جو مانعینِ سماع ہیں وہ قائلینِ سماع کو کیا سمجھتے ہیں؟ حق پر یا غلطی پر؟ مولانا غلام اللہ خاں اس میں انہیں ایک اجتہادی غلطی پر سمجھتے تھے اور گکڑ ہٹہ کا احمد سعید انہیں کافر قرار دیتا تھا۔

اس اختلاف پر حضرت شیخ القرآن نے اپنے درسِ قرآن میں فرمایا کہ وہ سماع موتی کے قائلین میں سے نہیں لیکن جو قائل ہیں آپ ان کو کافر نہیں کہتے سو ان کے نزدیک یہ قائلین کی ایک اجتہادی خطاء ہے۔ اس پر بزمِ قاسمی میانوالی کی طرف سے ۱۳۹۸ھ میں ہی مولانا عبدالمعید سرگودھوی بن شیخ الحدیث حضرت مولانا احمد سعید کی طرف سے ایک اشتہار شائع ہوا جس میں شیخ القرآن کا یہ بیان بڑے جلی الفاظ میں شائع ہوا: ''جو سماع موتی والوں کو کافر کہتا ہے وہ بڑا لعنتی اور بڑا بے ایمان ہے''

اب اس اختلاف میں احمد سعید ملتانی کا عقیدہ بھی پڑھ لیں، یہ اشتہار میں دیا گیا ہے۔ یہ وہ وجہ ہے جس سے حضرت شیخ القرآن، احمد سعید ملتانی سے سخت نالاں اور بیزار تھے۔ اب آپ اس کا یہ عقیدہ ملاحظہ فرمائیں اور اس پر صد بار لاحول ولا قوۃ پڑھیں:

(۱) سماع صلوٰۃ وسلام کا قائل اگر (حضرت) ابوبکر بھی ہو تو وہ کافر ہے (العیاذ باللہ)

(۲) جو قائلینِ سماع کو کافر نہ کہے وہ بھی بلا تاویل کافر ہے۔

(۳) جو شخص سماع عند القبر صلوٰۃ وسلام کا قائل ہے وہ شریعت کی رو سے بلا تاویل کافر ہے۔

(بحوالہ کتاب ''دعوت الانصاف'')

اس لیے آخری وقت تک حضرت شیخ القرآن نے اپنے باغی شاگرد سعید چتروڑ گڑھی کو اپنے سالانہ جلسہ میں نہیں بلایا۔ اس اشتہار کے آخر میں یہ لکھا ہوا ہے: علماء اہل سنت کی اولین شرعی ذمہ داری ہے کہ عصمتِ نبوت کے تحفظ کے لیے میدان میں نکلیں اور گستاخانِ نبوت اور شاتمِ رسول کو انجامِ بد تک پہنچانے کے لیے نوجوانانِ اہل سنت کی سرپرستی فرمائیں۔

یہ اصل اشتہار ہمارے پاس موجود ہے، جس کا دل چاہے وہ ان مماتیوں کے اس موقف کو ہمارے پاس آ کر دیکھ لے۔

اند کے باتو گفتم ولیک ترسیدم　　　که آزرده دل نشوی ورنه سخن بسیار است

تاہم مولانا عطاء اللہ بندیالی خود کس درجہ کے محقق تھے اسے ہمارے قارئین ان کے پیش کردہ دلائل میں دیکھیں اور دیکھیں کہ وہ کس پھرتی سے عقیدہ حیات النبی ﷺ کے اختلاف میں اترتے ہیں آپ لکھتے ہیں: ''اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ جو لوگ غیر اللہ کے پجاری ہیں وہ غیر اللہ کو مصائب ومشکلات میں پکارتے ہیں اور ان کی نذر ونیاز دیتے ہیں ان کا ابتدائی اور بنیادی عقیدہ یہ ہوتا ہے کہ صاحب قبر اپنی قبر میں اس طرح زندہ ہے جس طرح دنیا میں زندہ تھا اور ہماری پکار اور نداء کو سنتا اور ہمارے حالات کو دیکھتا ہے۔''

آگے جا کر بندیالی صاحب لکھتے ہیں: ''اس راز کو سمجھتے ہوئے مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ کے نامور شاگردوں نے مشرکین و مبتدعین کے اس بنیادی عقیدے پر ہاتھ رکھ دیا اور قرآن و حدیث اور فقہ کے وزنی دلائل سے یہ بات ثابت کر دی کہ وفات کے بعد روح اس مدفون جسم میں نہیں بلکہ عالم برزخ میں ہے اور انہوں نے قرآن مجید کی یہ آیت اپنے موقف پر بطور دلیل پیش کی۔'' (ص ۴)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے ہاں قبر پرستی سے روکنے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ اس ظاہری قبر کے قبر ہونے کا ہی انکار کر دیا جائے۔ ان کی یہ سوچ بالکل غلط ہے۔ علمائے دیوبند نے اہلِ بدعت کے خلاف اتنی اتنی اعلیٰ علمی اور عوامی کتابیں لکھی ہیں کہ اب تک اہلِ بدعت کے مقابل دیوبندیوں کا نام ہی چلا آرہا ہے مماتیوں کا نہیں۔

حضرت مولانا سید مرتضیٰ حسن چاندپوری، حضرت مولانا محمد منظور نعمانی، حضرت مولانا عبد الغنی شاہجہانپوری، حضرت مولانا محمد سرفراز احمد خاں شیخ الحدیث نصرۃ العلوم گوجرانوالہ ﷫ نے بدعت و شرک کے خلاف اور بریلویوں کے رد میں اتنی کتابیں لکھی ہیں کہ یہ مماتی بدعت و شرک کے خلاف ان کا عشرِ عشیر بھی لکھ نہیں پائے اور ان کے سامنے قبر پرستی سے روکنے کے لیے صرف یہی ایک راہ ہے کہ اس ظاہری قبر کے قبر ہونے کا ہی انکار کر دیا جائے اور ''القول المرعی فی القبر الشرعی'' جیسی کتابیں لکھی جائیں۔

مماتیوں کے وزنی دلائل کی ایک جھلک

''اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِہَا وَالَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِہَا فَیُمْسِکُ الَّتِیْ قَضٰی عَلَیْہَا الْمَوْتَ وَیُرْسِلُ الْاُخْرٰٓی اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی'' (پ ۲۴، الزمر ۴۲)

اس آیت میں حیوۃ انبیاء یا مطلق قبر کا کوئی ذکر نہیں مگر مماتیوں کے ہاں مسئلہ حیاۃ النبی ﷺ میں یہ ان کے ہاں مماتیوں کے بڑے وزنی دلائل میں سے ہے آگے اس سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں۔

جب روح اس بدن میں موجود ہی نہیں تو فوت شدہ شخص (چاہے کوئی ہو) قبر پر آنے والے کو نہ دیکھ سکتا ہے نہ اس کی کوئی آواز سن سکتا ہے۔

یہ بریکٹ کے الفاظ (چاہے کوئی ہو) ان کے ہاں حضور اکرم ﷺ کی قبر مبارک کی طرف اشارہ ہے۔ اہلِ سنت کے ہاں تو اس قبر کے نور سے سارا مدینہ، مدینہ منورہ کہلاتا ہے۔

کاش کہ یہ مماتی لوگ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے تفسیر عزیزی کے اس بیان کو پڑھ چکے ہوتے جس میں انہوں نے میت کی روح اور اس کے بدن میں ایک نہایت قوی موانست کا اظہار کیا ہے ہم اسے پہلے اسلام میں روح و بدن کے رشتہ کے عنوان کے تحت پیش کر آئے ہیں۔

تاہم ہمیں اس سے خوشی ہے کہ مولانا عطاء اللہ بندیالی نے اپنی اس کتاب میں حضرت شیخ القرآن کو عقیدہ حیات کی طرف نسبت دی ہے مماتی عقیدے کی طرف نہیں جیسا کہ اس کتاب کے نام سے ظاہر ہے: ''مسلک شیخ القرآن فی حیات سید الانس والجان''

قاضی شمس الدین صاحب رحمہ اللہ کا موقف

گوجرانوالہ کے قاضی شمس الدین صاحب اس موضوع پر راقم الحروف کے اصل مقابل رہے ہیں انہوں نے مقام حیات کا جواب "مسالک العلماء فی حیوۃ الانبیاء" کے نام سے لکھا۔ یہ نام بتا رہا ہے کہ قاضی صاحب حیات الانبیاء کے اصلاً منکر نہیں ہیں۔ اس کی تفصیلات میں اگر کوئی اختلاف ہو تو اسے بھی آپ علماء کا ہی ایک مسلک کہتے تھے۔ ان کے بڑے بھائی قلعہ دیدار سنگھ کے قاضی نور محمد صاحبؒ نے بھی حیات الانبیاء سے کبھی انکار نہیں کیا تھا اور حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ مہتمم دارالعلوم دیوبند کی تحریر پر پہلے دستخط انہی کے ہیں۔

راقم الحروف اس اختلاف کے باوجود جب گوجرانوالہ جاتا تو بیشتر قاضی صاحب کا ہی مہمان ہوتا تھا۔ قاضی شمس الدین صاحب نے مسالک العلماء میں اس موقف کا کھلے دل سے اقرار کیا ہے جس پر دارالعلوم دیوبند کے مہتمم حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب قدس اللہ سرہ العزیز نے راولپنڈی آکر فریقین کو ایک قدر مشترک پر جمع کیا تھا۔ قاضی صاحب نے اپنی طرف سے اس پر بھی بہت محنت کی کہ کسی طرح مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری کو بھی حیات کے موقف پر لے آئیں وہ اپنا اختلاف اس کی کیفیت میں رکھیں اور حیات انبیاء کے عنوان کا انکار نہ کریں لیکن شاہ صاحب قاضی صاحب کی یہ بات نہ مانتے تھے اور قاضی صاحبؒ اس پر سر پیٹتے تھے۔

میں نے خود ایک دفعہ قاضی صاحب کو جب وہ لاہور مسجد شہداء میں آئے ہوئے تھے یہی بات کہی کہ وہ کسی طرح شاہ صاحب کو اس موقف پر لے آئیں لیکن انہوں نے نہایت پریشانی سے اپنے ماتھے پر ہاتھ مار کر مجھ کو کہا میں کیا کروں شاہ مانتا ہی نہیں۔ اس صورت حال سے یہ بات سب کے سامنے آجاتی ہے کہ پنجاب میں مماتی نام سے ایک گروہ شاہ صاحب سے ہی چلا اور آگے مولانا احمد سعید چتروڑ گڑھی ان کی اس لائن پر چلے اس پر جتنا اظہار تاسف کیا جائے کم ہے۔

سرگودھا میں مولانا عطاء اللہ بندیالی نے شیخ القرآن کے عقیدہ حیات النبی ﷺ کا کھل کر اظہار کیا ہے لیکن ہم بندیالی صاحب سے اس بات میں اتفاق نہیں کر سکتے کہ شاہ صاحب کا بھی یہی موقف اور اعتقاد تھا اگر ایسا ہوتا تو وہ دیوبند کے مہتمم حضرت حکیم الاسلامؒ کے راولپنڈی آنے پر شاہ صاحب کو اپنے ساتھ لے کر جاتے اور شاہ صاحب بھی حضرت شیخ القرآن سے یہ شکایت نہ کرتے کہ ان کے دارالعلوم کے شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالقدیر نے حیات الانبیاء پر "حیات النبی ﷺ مذاہب اربعہ کی روشنی میں" نامی کتاب کیوں لکھی اور پھر مولانا غلام اللہ خان جس قدر اپنے شاگرد احمد سعید چتروڑ گڑھی سے نالاں اور ناراض تھے اس کا علاقہ چھچھ میں سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔

شیخ القرآن کے شاگردوں میں حضرت مولانا عبدالسلام اور شیخ الحدیث مولانا محمد صابر نے راولپنڈی کی اس مشترکہ دستاویز کا دل سے احترام کیا اور علاقہ چھچھ سے نکل کر وہ علمائے دیوبند سے انسلاک کے لئے جامعہ اشرفیہ لاہور کے مہتمم حضرت مولانا محمد عبیداللہ مرحوم کے پاس پہنچے اور جامعہ اسلامیہ قصور میں مسند تدریس کو سنبھالا۔ جامعہ اسلامیہ قصور ان دنوں حضرت مولانا عبدالغفور صاحبؒ شاگرد حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ اور حضرت مولانا سید فردوس شاہ صاحبؒ کے زیر اہتمام چل رہا تھا۔ اس طرح شیخ القرآن کے شاگردان گرامی علماء دیوبند سے منسلک ہوئے اور شیخ القرآن کے اس موقف پر جو حضرت حکیم الاسلامؒ کے راولپنڈی آنے پر فریقین میں قدر مشترک قرار پایا تا زیست قائم رہے۔

فیصلہ راولپنڈی کو سبوتاژ کرنے کی مماتی کوشش

مماتیوں کی یہ ناکام کوشش اس درجہ میں لائق تحسین نہیں جس درجہ میں پورے خطہ پاک و ہند میں اس مصالحت پر اظہار مسرت ہوا تھا اس کے لئے ان مماتیوں کے یہ کلمات ان کے رسالوں سے ہماری نظر سے گزرے ہیں: ''اس فیصلے پر حضرت سید عنایت اللہ شاہ کے دستخط نہیں ہوئے۔ صرف حضرت شیخ القرآن اور مولانا قاضی نور محمد کے دستخط کروائے گئے۔'' (ص ۱۲)

پھر اسے غیر مؤثر کرنے کے لئے خود عنایت اللہ شاہ صاحب کی ایک تقریر بنائی اور سنائی گئی جو خود اس اختلاف کو اجلاس خیر المدارس میں اٹھانے کے مجرم تھے بھلا کسی مقدمے میں مجرم کو بھی کبھی گواہ بتایا جاتا ہے۔ اس پر سرخی دی گئی ہے ۱۹۶۲ کے ''فیصلے کی حقیقت'' پھر ان مماتیوں کا یہ جھوٹ بھی ملاحظہ کر لیں: ''راولپنڈی کے اس فیصلے میں تحریر ہے کہ ہم اس کی پوری کوشش کریں گے کہ مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری سے بھی اس تحریر پر دستخط کرائیں۔'' (ص ۱۴)

یہ سراسر جھوٹ ہے۔

پھر آگے ص ۱۹ کی آخری سطر میں بندیالی صاحب نے صاف لکھ دیا ہے: ''کیا معاہدہ باقی رہا؟ یہ فیصلہ منسوخ اور ناقابل عمل ہو گیا۔''

اس تاریخی معاہدہ کی ناکامی کا بوجھ کس پر؟

اگر راولپنڈی کا یہ عظیم تاریخی معاہدہ ایسا ہی غلط تھا جیسا کہ شیخ القرآن کے شاگرد مولانا عطاء اللہ بندیالی نے اس کے پرو بال بکھیرے ہیں تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس کا اخلاقی بوجھ کن پر عائد ہوتا ہے؟ شیخ القرآن پر اور قلعہ دیدار سنگھ کے قاضی عصمت اللہ صاحب کے باپ پر جنہوں نے مولانا عطاء اللہ بندیالی کے رسالہ ''شیخ القرآن کا مسلک'' کی پوری تائید کی ہے۔

حضرت شیخ القرآن اور قاضی عصمت اللہ صاحب کے والد گرامی قدر راولپنڈی کے اس معاہدہ میں دارالعلوم دیوبند کے مہتمم حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب کے سامنے راولپنڈی میں اس معاہدہ میں جماعت کی ان تلخیوں اور انتشار کو ختم کرانے کے لئے بڑے ادب و احترام سے بیٹھے تھے جو مولانا عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری کی خیر المدارس ملتان کی تقریر سے پنجاب میں پیدا ہو گئی تھیں۔ تو اس وقت کیا شیخ القرآن اور قاضی عصمت اللہ صاحب کے والد گرامی کو علم نہ تھا کہ مولانا عنایت اللہ شاہ صاحب ان کے ساتھ نہیں ہیں؟ اگر انہیں اس کا پورا علم تھا اور حقیقۃً ایسا ہی تھا تو ہمارے قارئین سرگودھا کے مولانا عطاء اللہ بندیالی کے اس بیان پر پوری طرح نظر کریں۔ کیا اس وقت مولانا عطاء اللہ بندیالی خوف خدا اور علم و دیانت سے کلیۃً خالی نہ تھے؟ بندیالی صاحب کا وہ بیان ان کے مذکورہ رسالے میں ص: ٦ پر اس سرخی سے دیا گیا ہے: ''پاکستان میں مسئلہ حیات النبی ﷺ پر علمائے دیوبند میں اختلاف کیسے شروع ہوا''

مولانا بندیالی اس سرخی کے تحت لکھتے ہیں: ملتان میں خیر المدارس کے سالانہ جلسۂ عام میں پیر طریقت خطیب اسلام مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ خطاب فرمار ہے تھے کہ کسی شخص نے مجمع میں سے اٹھ کر مولانا احمد رضا خان بریلوی کی کسی عبارت کے متعلق سوال کیا.......... حضرت شاہ صاحب نے تفصیلی جواب دیتے ہوئے مولانا بریلوی کے اس نظریے کی تردید فرمائی اور انبیاء کرام کی وفات کے بعد ان کی حقیقی حیات (برزخیہ) کو قرآن وسنت کے دلائل سے واضح فرمایا۔

اس کے بعد آپ چھٹی سطر میں خود مانتے ہیں کہ شاہ صاحب کی اس تقریر کے بعد ایک طوفانِ بدتمیزی کھڑا ہوگیا۔ بندیالی عقل وفکر سے خالی اس میں یہ بھی نہیں بتلا سکے کہ وہ شخص کون تھا جس نے اس تقریر میں کھڑا ہو کر یہ سوال کیا اور یہ بھی سوچ نہ سکے کہ شاہ صاحب کیا اتنے آدابِ محفل سے ناواقف تھے کہ بلایا تو انہیں اس جلسہ میں حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمہ اللہ نے اور وہ چل پڑے اس شخص کے پیچھے جو اس وقت طوفانِ بدتمیزی پیدا کرنے کے لئے بالقاء شیطان کھڑا ہو گیا تھا۔

اس کے بعد بندیالی صاحب کی ان غلط بیانیوں کو پڑھیں۔ آپ لکھتے ہیں: مولانا احمد رضا خان بریلوی کے پیروکار تو چپ سادھ گئے مگر اپنوں نے وہ دھما چوکڑی مچائی کہ رہے نام اللہ کا...... اور اس طرح بریلویت کے ایک نظریہ کی تردید کے نتیجے میں علماء دیوبند کے مابین اختلاف کا آغاز ہوا...... یہ غالباً ۱۹۵۸ء کی بات ہے...... اس وقت مولانا حسین علی مرحوم کے شاگردوں میں سے جن معروف ومشہور علماء نے حضرت شاہ صاحب کا ساتھ دیا ان میں استاذ العلماء مولانا ولی اللہ میانوالی)، شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان، عارف باللہ مولانا قاضی نور محمد، محدثِ کبیر مولانا قاضی شمس الدین، مفسرِ قرآن مولانا محمد طاہر پنج پیری اور شیخ التفسیر مولانا محمد امیر بندیالوی، مفسر قرآن مولانا بشیر احمد (خوشاب) مولانا سجاد بخاری کے نام نمایاں ہیں۔ (رحمہم اللہ تعالیٰ)

مولانا بندیالی کے اس بیان میں یہ بات بالکل مبہم ہے "کس شخص نے مولانا احمد رضا خاں کی کسی عبارت کے متعلق سوال کیا وہ کیا عبارت تھی اور شاہ صاحب نے اس کا کیا جواب دیا تھا یہ دونوں باتیں اس بیان میں نہیں ہیں اور آخر میں لکھی یہ بات کہ انبیاء کرام کی وفات کے بعد ان کی حقیقی حیات کو قرآن وسنت کے دلائل سے واضح فرمایا۔ قرآن وسنت میں لفظ حقیقی حیات تو ہمیں کہیں نہیں ملا یہ مولانا بندیالی نے عجیب بات کہی ہے۔ تاہم یہ بات واضح ہے کہ شاہ صاحب نے اپنی اس تقریر میں کوئی مماتی موقف اختیار نہ کیا تھا اور اس وقت تک پورے پنجاب میں حیات وممات کوئی علمی موضوع نہ تھا اور اس تمام بات پر بندیالی صاحب کا یہ عنوان "کہ پاکستان میں مسئلہ حیات النبی ﷺ میں اختلاف کیسے ہوا" مولانا بندیالی کی تنگ دامانی اور بے سمجھی پر ایک اور مہر لگا رہا ہے۔ ہاں اس سے یہ ضرور نمایاں ہوتا ہے کہ اس وقت شاہ صاحب بھی مماتی عقیدے پر نہ تھے اور بعد میں صرف ایک ضد نے انہیں مماتی عقیدہ سجھا دیا۔ اللہ تعالیٰ انہیں معاف فرمائے۔

اس کے آگے مولانا بندیالی نے یہ جو جھوٹ لکھا ہے کہ قاضی نور محمد صاحب اور قاضی شمس الدین صاحب اور مولانا محمد طاہر پنج پیری وغیرہم نے حضرت شاہ صاحب کا ساتھ دیا یہ بات کس خطۂ زمین میں اور کس تاریخ کو واقع ہوئی تھی؟ یہ بھی بندیالی صاحب کی ایک خام خیالی ہے۔ ایسی مجلس کہیں نہیں ہوئی۔ ہوتی تو اس کا کہیں تو ذکر ہوتا۔ سچ ہے جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے، یہ سچ ہے جو اپنے پاؤں چلتا ہے۔

اب بندیالی صاحب نے کیا بات ہانکی وہ بھی پڑھ لیں: "مگر اشاعت التوحید والسنت کے تمام علماء کرام میں سے "شیخین" کے نام سے جس جوڑی نے بہت زیادہ شہرت پائی وہ حضرت سید عنایت اللہ شاہ بخاریؒ اور شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خانؒ ہیں۔ حضرت شیخ القرآنؒ کی زندگی میں چند ناعاقبت اندیش لوگوں نے اور کچھ سیاسی بزرجمہروں اور حاسدین کے ایک ٹولے نے ان دونوں کے درمیان کشیدگی پیدا کرنے کی کوشش کی اور قدرے کامیاب بھی ہوئے مگر بحمد اللہ بفضل اللہ شیخینؒ پھر ایک ہو گئے اور پہلے سے بھی زیادہ آپس میں شیر وشکر ہو گئے اور اس طرح حاسدین ومخالفین کو منہ کی کھانی پڑی۔"

بندیالی صاحب نے جو یہ لکھا ہے: "دونوں میں کشیدگی پیدا کرنے میں قدرے کامیاب بھی ہوئے"

انہیں اس کامیابی کو کچھ بیان بھی کر دینا چاہئے تھا مگر عقل وفکر سے خالی مولانا بندیالی نے مصلحۃً یہاں کچھ بیان نہیں کیا۔

ان کنت لا تدری فتلک مصیبة وان کنت تدری فالمصیبة اعظم

اس کے بعد مولانا بندیالی کی یہ غلط بیانی بھی نظر انداز نہیں کی جا سکتی: "شیخین پھر ایک ہو گئے اور پہلے سے بھی زیادہ آپس میں شیر وشکر ہو گئے اور اس طرح حاسدین ومخالفین کو منہ کی کھانی پڑی۔ ان دونوں کی دوستی اور تعلق کا اعتراف ان کے مخالفین کو بھی تھا بلکہ اپنوں سے زیادہ تھا۔" (ص:۷)

یہاں اپنے سے مراد خود مولانا بندیالی ہی ہیں، انہیں اس کا پورا اعتراف نہ تھا۔

کیا دونوں کی باہمی یگانگت تھی کہ دیوبند کے صد سالہ اجلاس میں شیخ القرآن تو شریک ہوئے مگر مولانا سید عنایت اللہ شاہ گجرات میں اپنے حلقہ میں یہی کہتے تھے کہ یہ صد سالہ اجلاس کرنا جائز ہی نہیں۔ وہ یہ بات بطور پیر طریقت کہہ رہے تھے اور اس کی وجہ یہ ہوئی کہ وہ پہلے سالہا سال اپنے معتقدین کو یہی کہتے رہے تھے کہ پیروں کی بات کوئی حجت نہیں ہوتی، اسے نہ ماننا۔

پھر آگے ص:۸ پر یہ سرخی ملاحظہ ہو: "حضرت شیخ القرآن پر بہتان"

حضرت شیخ القرآن کا انتقال ۱۹۸۰ء میں ہوا تو مخالفین میں سے کچھ علماء نے امانت ودیانت کا خون کرتے ہوئے ۱۹۶۲ء میں ہونے والے ایک فیصلے اور معاہدے کو دلیل بنا کر بڑے زور وشور سے یہ زہریلا پروپیگنڈا شروع کیا کہ حضرت شیخ القرآن تو نبی اکرم ﷺ کی حیات دنیوی اور عند قبر النبی صلوٰۃ وسلام کے سماع کے قائل تھے......اس طرح......خوف خدا سے عاری لوگ تاریخی حقائق کو جھٹلا کر یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ حضرت شیخ القرآن مسئلہ حیات النبی میں اشاعت التوحید والسنت کے برعکس نظریہ رکھتے تھے۔

یہ جھوٹا پروپیگنڈا تحریر وتقریر کے ذریعہ اس شد ومد سے کیا گیا اور ۱۹۶۲ء کی ایک تحریر کے ظاہر کو دیکھ کر اور اس کی مکمل حقیقت کو جانے بغیر اس پر اس طرح حاشیے چڑھائے گئے کہ سادہ لوح عوام تو رہے اپنی جگہ کچھ خواص بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ (ص:۸)

یہاں یہ بات واضح نہ ہو سکی کہ مولانا بندیالی اپنے آپ کو عوام میں سے سمجھتے ہیں یا خواص میں سے کیونکہ وہ کہہ رہے ہیں کہ کوئی بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔

اہل سنت کا منہاجِ شریعت

تاریخ اسلام میں اہل سنت کے خلاف جو فرقہ سب سے پہلے بڑی علمی قوت بنا وہ معتزلہ تھے باقی فرقے قدریہ ہوں یا جبریہ، جہمیہ ہوں یا کرامیہ، شیعہ ہوں یا خوارج، سب اعتزال کے سایہ میں پلے اور چلے ہیں۔ اہل سنت کے ساتھ سب سے بڑا معرکہ معتزلہ کا ہی رہا ہے۔

اس دور کے نئے فرقوں میں مماتی بھی معتزلہ کے پیرائے میں سامنے آئے ہیں۔ وقت کے آئینہ میں اگر وہی ان کے پیچھے نظر آئیں تو اس سے ان کو پہچاننے میں بہت مدد ملتی ہے اور ان کی تحریروں میں بھی ان کی ان سے بہت حمایت اور رعایت سامنے آتی ہے۔

بشر مریسی اور ضرار بن عمرو وغیرہما معتزلہ کے بنیادی ستون سمجھے جاتے ہیں، انکارِ تقدیر اور خلقِ قرآن، عذابِ قبر کے مسائل اور جنگ وجدال میں ان کی معرکہ آرائیوں سے کون واقف نہیں؟

سرگودھا کے مولانا محمد حسین نیلوی

مماتی علماء میں سرگودھا کے شیخ الحدیث والتفسیر مولوی محمد حسین نیلوی ایک معروف شخص رہے ہیں، اب دیکھئے کہ حیاتی مماتی معرکے میں وہ کس طرح معتزلہ کو اپنے ساتھ رکھتے ہیں۔ انہوں نے "القول المرعی فی القبر الشرعی" کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے جو جامعہ عربیہ ضیاء العلوم سرگودھا نے شائع کی ہے۔ علماء حضرات قبر شرعی کی بحث میں ان کی ان عبارات پر کچھ مزید غور کریں اور ان کی معتزلہ سے ہمنوائی ملاحظہ فرمائیں۔ آپ لکھتے ہیں: "ہم تمام اہل السنت والجماعت بلکہ سوائے ایک دو متقدمین کے تمام اہلِ اعتزال بھی اس پر متفق ہیں کہ مرنے کے بعد برزخی زندگی میں سزا وجزا ہے۔ بشر مریسی اور ضرار بن عمرو کے متعلق مشہور یہی ہے کہ وہ برزخی جزا و سزا کے منکر ہیں مگر حضرت سیدی محمد انور شاہ کشمیریؒ صدر مدرس دار العلوم دیوبند اپنی تقریر حدیث میں فرمایا کرتے تھے کہ: میں جب تک ان کی عبارتیں خود اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لوں ان کے متعلق میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ ممکن ہے کہ انہوں نے کچھ کہا ہو اور سمجھنے والوں نے کچھ اور ہی سمجھ لیا ہو" (ص: ۹۳)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے خیال میں حضرت شاہ صاحبؒ نے ابھی معتزلہ کی کتابیں نہ دیکھی تھیں۔ یہ بات جو نیلوی صاحب شاہ صاحبؒ کے بارے میں کہہ رہے ہیں اس میں وہ اپنے ذوقِ درونی کا پتہ دے رہے ہیں جس نے انہیں مماتی بنا دیا ہے۔

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ نے آبِ حیات شیعوں کے خلاف لکھی تھی اس لئے نیلوی صاحب معتزلہ کے ساتھ شیعہ کو بھی رکھنا چاہتے ہیں۔ مذکورۃ الصدر عبارت کے بعد نیلوی صاحب لکھتے ہیں: "بہر حال بعد از موت سزا وجزا کے جیسے اہل السنت والجماعت قائل ہیں ایسے ہی معتزلہ اور روافض بھی قائل ہیں۔ البتہ متاخرین معتزلہ میں سے بعض منکر ہیں اور انکار کیوں کریں جبکہ قرآنی آیات عذاب وثواب بعد از موت کو واضح کرتی ہیں۔" (ص: ۹۴)

یہ بھی غلط ہے کہ قرآنی آیات بعداز موت کے عذاب وثواب کو واضح کرتی ہیں۔ کاش کہ آیات درکنار وہ ایک آیت بھی پیش کر دیتے جس میں عذابِ قبر کو واضح کیا گیا ہو۔ عذابِ قبر بے شک قرآن سے ثابت ہے لیکن اس کی کیفیت کہ وہ صرف روح پر ہے یا روح اور بدن کے مجموع پر ہے، اسے کہیں واضح نہیں کیا گیا۔ معتزلہ جواب اس کا انکار کرتے ہیں وہ از روئے عقل کرتے ہیں، از روئے نقل ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔ قرآن کریم سے اتنا ضرور ملتا ہے کہ عالم برزخ موت کے بعد فوراً شروع ہو جاتا ہے، یہ بات حدیث سے ملتی ہے کہ قبر کے سوال وجواب اس ظاہری قبر میں جانے کے بعد اعادہ روح سے ہوتے ہیں۔ اس ظاہری قبر کو بلاوجہ عالم مثال میں لے جانا ہرگز کوئی صحیح سوچ نہیں۔

ہم عالم مثال کا انکار نہیں کرتے۔ دیوبند کے مشہور بزرگ حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ نے سیرت المصطفیٰ میں ایک جگہ ایک سرخی اس طرح دی ہے: ''عالمِ مثال کی بے مثال امثال''

راقم الحروف نے بھی مقام حیات کی جلد اول میں عالمِ مثال کو کھلے طور پر بیان کیا ہے۔ کئی احادیث میں بھی اس کا ذکر ملتا ہے لیکن اکابر علمائے اسلام میں سے کسی نے یہ کہیں نہیں لکھا کہ عالمِ مثال سے قبروں کے حقیقی وجود کا انکار کر دیا جائے اور جہاں بھی قرآن وحدیث میں قبر کا لفظ ملے اس سے مراد مثالی وجود ہی لیا جائے۔ اصل اصل ہے اور اس کی مثال چیزے دگر ہے۔ قبر کے حقیقی وجود سے انکار کو تحریفِ کتاب وسنت تو کہا جا سکتا ہے لیکن اس سے ہر جگہ عالمِ مثال مراد لینا معتزلہ اور مماتیوں کے سوا کسی کا نصیب نہیں۔

نیلوی صاحب نے ایک یہ سوال کھڑا کیا ہے: ''سوال یہ ہے کہ عذاب وثواب کہاں ہوتا ہے؟ سو اس بات کے لئے روح کا مقام معلوم کرنا پڑتا ہے کہ جہاں روح وہیں عذاب وثواب ہوگا'' (ص:۹۵)

الجواب: قبر عرفی میں دفن شدہ جسد میں زندگی ہونے کی دو صورتیں ہیں: (۱) اعادۂ روح سے، (۲) اور اتصالِ روح سے اس کا اشراق واشراف بھی جسدِ مدفون میں حیات سرایت کر دیتا ہے۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے ان میں سے کسی ایک پر اصرار نہیں کیا۔ کوئی کسی طرح مان لے، لیکن یہ ضرور مان لے کہ اس جسد میں روح سرایت کئے ہوئے ہے تو اس سے حیاتِ جسدی ہی مراد لی جا سکتی ہے۔ روح کہیں بھی ہو لیکن اس کے اتصال اور تعلق سے جسد میں زندگی مان لی جائے تو اس کے لئے یہ معلوم کرنا کہ روح کہاں ہے کوئی ضروری نہیں۔ نیلوی صاحب نے یہ بات یونہی ہانک دی ہے کہ روح کا مقام معلوم کرنا پڑتا ہے اور اس پر ایک اور بات چھوڑی کہ جہاں روح وہیں عذاب وثواب ہوگا۔

قارئین کرام! روح اگر علیین میں بھی ہو یا اور کہیں ہو تو کیا وہاں سے اس کا اشراق اور اتصال قبر میں رکھے بدن سے نہیں ہو سکتا؟ اس میں کوئی تضاد یا امتناع نظر نہیں آتا۔ یہ کلیہ کیا غلط نہیں کہ جہاں روح وہیں عذاب وثواب ہوگا۔

مؤمن کے بارے میں یہ سمجھنا کہ اسے قبر میں جو راحت مل رہی ہے وہ علیین میں ہے اور قبر میں جو بدن ہے وہ جمادِ محض ہے۔ اور پھر یہ صورت تجویز کرنا بھی کسی عام مؤمن کے بارے میں نہیں، گنبدِ خضراء کے مکین کے لئے بھی یہی صورت لاحق ہے (معاذ اللہ) اس سے بڑی بے ادبی اور کیا ہو سکتی ہے؟ ہاں اگر کسی کے لئے یہ ظاہری قبر نہ بن سکی تو اس کے لئے یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ اس کے بدن کے تمام پھیلے ذرات کو اللہ تعالیٰ کسی مخفی پیرائے میں منتقل کر دے

اور اسے اور طرح کی قبر بنا دے تو اس کا قبر ہونا اس ظاہری اور عرفی قبر کے انکار کا زینہ نہیں بنایا جا سکتا۔ ہمیں مولانا نیلوی کی اس علمی جرأت پر حیرت ہوتی ہے کہ وہ اس دوسرے درجے کی قبر کو ہی شرعی قبر سمجھ رہے ہیں اور اس کے حوالہ سے انہوں نے ظاہری اور عرفی قبر کا بالکل انکار کر دیا جیسا کہ اس کتاب "القول المرعی فی القبر الشرعی" سے ظاہر ہے۔ قرآن وحدیث میں اس ظاہری اور عرفی قبر پر قبر کا اطلاق اتنا روشن ملتا ہے کہ اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔

وجودِ حقیقی سے وجودِ مثالی کا انکار نہیں ہوتا بلکہ وجودِ مثالی کا لفظ ہی بتاتا ہے کہ کوئی حقیقت ہے تو اس کی یہ مثال سامنے آ رہی ہے۔ کوئی مثل لہ نہیں ہو سکتا جب تک کوئی مثل منہ نہ ہو، یہ وہی علاقہ ہے جو حقیقت اور مجاز میں ہوتا ہے۔ کسی شخص کو بہادری کے باعث شیر نہیں کہا جا سکتا جب تک جنگل کے اس درندے کا وجود نہ مانا جائے جس کا پنجہ تلوار کی طرح کام کرتا ہے اور اسی لئے تلوار کو شمشیر کہتے ہیں۔ شمہ پنجہ کو کہتے ہیں اور شمشیر شیر کا پنجہ ہے۔ اور شیر حقیقت میں اس جنگلی درندے کا نام ہے۔

مولانا محمد حسین نیلوی نے عالم مثال کی پندرہ مثالیں دی ہیں اور وہ نہیں جانتے کہ راقم الحروف مقام حیات کی جلد اول میں مثالی وجود کا پورا اقرار کئے ہوئے ہے۔ ہم حقیقی وجود اور مثالی وجود میں تنافی کا عقیدہ نہیں رکھتے لیکن اس سے عقیدہ حیات النبی ﷺ کا انکار کسی طرح کشید نہیں کیا جا سکتا۔ مولانا نیلوی کا اس سے انکار کسی طرح سمجھ میں نہیں آتا۔

اسے سمجھنے کے لئے اسلام کے منہاج شریعت کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ شریعت میں کئی ایسے امور ہیں جہاں مجبوری میں اور راہیں کھلی ہیں۔ نماز کے لئے وضوء کا حکم ہے لیکن جب وضو نہ کر سکیں تو تیمم کرنا صحیح سمجھا جائے گا۔ نماز میں قیام فرض ہے جب نہ کر سکیں تو بیٹھ کر بھی نماز پڑھنا درست سمجھا جاتا ہے۔ رمضان المبارک میں روزہ رکھنا فرض ہے اگر نہ رکھ سکیں تو اس کا فدیہ دینا بھی درست ہے۔ جو حج نہ کر سکے اور اس پر حج فرض ہو چکا تھا تو اس کے لئے حج بدل کرایا جا سکتا ہے۔ اسی طرح اگر کسی حادثہ کے باعث کسی کا بدن یکجا نہ رہا اور ان کے لئے عرفی قبر نہ بن سکے اور اللہ تعالیٰ اس کے بدن کے منتشر ذرات میں کوئی ایسا مخفی تعلق قائم کر دے تو یہ اس کی ایک مثالی قبر ہوگی۔ اس مثالی قبر کے وجود سے مؤمنین کی حقیقی قبروں کا کسی طرح انکار نہ کیا جائے گا۔ انسان کی حقیقی قبر وہ گڑھا ہی ہے جہاں اسے دفن کیا گیا اور اسے ہی عرفاً قبر کہتے ہیں اس قبر کو شرعی قبر نہ ماننا اور صرف دوسرے درجے کی قبر جو کسی مجبور کو ملی، شرعی قبر کہنا یہ وہ راہ ہے جو نیلوی صاحب نے اپنی کتاب "القول المرعی فی القبر الشرعی" میں اختیار کی ہے۔ اور یہ ہر پہلو سے غلط ہے۔ شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خاں اس عقیدے پر نہ تھے۔ مماتیوں کا یہ کہنا کہ راولپنڈی کے تاریخی معاہدہ میں مولانا غلام اللہ خاں نے حضرت حکیم الاسلامؒ کے سامنے مجبوراً اس فیصلے پر دستخط کئے۔ تھے یہ بات شیخ القرآن کے مزاج اور ان کی تاریخ کے خلاف ہے۔

مولانا نیلوی حیات سے نکل کر موت پر آ گئے

موضوع زیر بحث حیات النبی ﷺ تھا۔ نیلوی صاحب اس سے نکل کر موت پر آ گئے اور مماتیوں کے پیشوا ٹھہرے انہوں نے اپنی کتاب "القول المرعی فی القبر الشرعی" کے ص: ۱۰۴ سے یہ عنوان اختیار کئے ہیں: "روح کو موت نہیں آتی بلکہ جسم عنصری کو آتی ہے بحث حقیقت روح بچپن میں عقل نہیں ہوتی اور آپ ہوتے ہیں بعد موت

قلب نہ رہے گا اور آپ ہونگے روح حقیقی مادہ سے بالکل مجرد ہے گو متکلمین نے روح کے تجرد کا انکار کیا ہے مگر اس بارہ میں فلاسفہ (جو معتزلہ کے زیادہ قریب ہیں) کا قول راجح ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔''

یہ سب عنوان مماتیوں کے اعتزال کا پتہ دے رہے ہیں۔ متکلمین اسلام کتاب وسنت کی روشنی سے چلتے ہیں اور فلاسفہ عقل اور اعتزال سے۔ یہاں دیکھئے نیلوی صاحب کھلے طور پر متکلمین سے دب رہے ہیں اور فلاسفہ کو ترجیح سے ذکر کر رہے ہیں۔

ہمیں نیلوی صاحب سے ان باتوں کی شکایت نہیں وہ بیشک اس سے بھی زیادہ روافض کا ساتھ دیں، ہمیں اگر ان سے گلہ ہے تو صرف اس کا ہے کہ وہ حیات کے موضوع سے نکل کر موت کے موضوع پر کیوں آگئے ہیں۔ ہم حالتِ حیات میں ہیں اور اس کے تجربات سے گزر رہے ہیں، موت ہم نے ابھی دیکھی نہیں۔ ہمارے قارئین اس پر غور کریں کہ نیلوی صاحب جب یہ کتاب لکھ رہے تھے تو اس وقت ان کو حیات کا زیادہ علم تھا یا موت کا؟ اب کیا یہ مقامِ حسرت نہیں کہ حیات کے موضوع پر تو وہ چل نہ سکے اور انہوں نے اپنے عوام کو بے وقوف بنانے کے لئے موت کا موضوع چن لیا اور اپنی ساری فکر موت پر لگادی۔

نیلوی صاحب کے لئے ایمان بالقرآن سے نکلنے کا خطرہ

نیلوی صاحب نے عقیدہ حیات النبی ﷺ سے نکلنے کے لئے یہاں جو موت کی لہریں چنی ہیں کیا ان لہروں کا اچھال ان سے عقیدہ حیات الشہداء بھی نہیں چھڑا رہا؟ معلوم ہوتا ہے کہ موت کے مذکورہ بالا مباحث سے وہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے مقابل بھی پہلوان بنے کھڑے ہیں: ''وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ. بَلْ اَحْيَاءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ'' (البقرہ:۱۵۴)

اللہ کی بات: شہید زندہ ہیں (ان کی حیات) تم نہیں سمجھ پاتے۔

مماتیوں کی بات: ہم سمجھ رہے ہیں وہ زندہ ہی نہیں۔ ان کی موت سب جیسی ہے۔

''کیا یہ خدا سے کھلا ٹکراؤ نہیں ہے؟''

ہم نیلوی صاحب کے پھر بھی خیر خواہ ہیں کہ وہ جتنی جلدی ہو سکے موت کے ان مباحث سے نکل آئیں اور اللہ تعالیٰ کے (قرآن کریم کے) ارشاد ''وَلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ'' سے نہ ٹکرائیں۔ پھر بھی آپ نہ سمجھیں تو ہم نے خطرے کا الارم بجا دیا ہے۔ ہے کوئی خوش نصیب مماتی جو ان مباحث سے کنارہ کش ہو کر صدق دل سے عقیدہ حیات النبی ﷺ قبول کرلے؟

موت وحیات کے حقائق ایک جیسے نہیں

ہم زندہ زندگی کے حالات کو تو سمجھ سکتے ہیں موت کی حقیقت کو نہیں۔ مسلمانوں میں آپ کو کئی لوگ محمد حیات نامی ملیں گے لیکن آج تک آپ نے محمد ممات کسی کا نام نہ سنا ہوگا۔ اس کی وجہ یہ نہیں کہ آنحضرت ﷺ پر موت وارد نہیں ہوئی بلکہ یہ ہے کہ آپ کی موت ہم جیسی نہیں ہے ۔

سیرت کی کتابوں میں اِک باب ہے رحلت کا ۔۔۔ نادان سمجھتے ہیں، ہے موت یہ ہم جیسی

آیات کتاب اللہ، احادیث رسول اللہؐ اقوال آئمہ کے، کہتے ہیں سبھی یہ ہی
زندہ ہیں نبی اللہ، شک اس میں نہیں واللہ

اگر سب کی موت ایک جیسی ہوتی تو ''اِنَّكَ مَيِّتٌ وَاِنَّهُمْ مَيِّتُوْنَ '' بھی کہا جا سکتا تھا۔لیکن اللہ تعالیٰ نے ایسا نہیں کہا۔''اِنَّكَ مَيِّتٌ وَاِنَّهُمْ مَيِّتُوْنَ '' کہہ کر بتلا دیا کہ آپ کی موت سب جیسی نہیں ہے۔لیکن جہاں تک صحابہ ؓ کے ایمان کا تعلق ہے اسے اسی ایمان کے ساتھ جمع کیا جو ایمان حضور ﷺ کا ہے لہٰذا صحابہ کے ایمان میں کوئی شک اور تردد نہیں کیا جا سکتا۔

''اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ'' (البقرہ:۲۸۵)

کیا پہلے لفظ ''اٰمَنَ '' میں حضور ﷺ اور صحابہ دونوں شامل نہیں۔اور صحابہ بھی چند نہیں بلکہ اس وقت تک جو بھی دائرہ ایمان میں آ چکے تھے سب کے بارے میں کہا کہ یہ سب ایمان لائے ہوئے ہیں: ''كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ ...وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ''

یہ سمجھ لیجئے کہ ایمان میں تو سب آپ کے ساتھ ہیں لیکن موت میں سب ایک جیسے نہیں۔''اِنَّكَ مَيِّتٌ وَاِنَّهُمْ مَيِّتُوْنَ '' آپ ﷺ کی موت اپنے مقام کی اور ان کی اپنے مقام کی۔

حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب کوئی فوت ہو جائے تو دفن میں جلدی کرو جنازے میں دیر نہ کی جائے لیکن حضور کے دفن میں تین دن کی دیر ہو گئی، کسی ایک نے بھی نہ کہا کہ تاخیر نہ کرو۔معلوم ہوا اس وقت کوئی مماتی نہ تھا سب عقیدہ رکھتے تھے کہ حضور کے جسدِ مبارک میں وقت بدلنے سے کوئی تغیر نہ آئے گا۔اللہ نے اس مٹی پر حرام کر دیا کہ وہ پیغمبروں کے اجساد میں کوئی تغیر لائے۔سو ہم اس میں شک نہیں کرتے کہ صحابہ کا پہلا اجماع عقیدہ حیات النبی ﷺ پر ہوا، وفات پر (پہلا) اجماع نہ ہوا تھا۔آپ کی وفات سب نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے خطبہ سے مانی تھی۔

مولانا نیلوی صاحب نے موت کے مسائل اس طرح بیان کئے ہیں گویا کہ وہ موت دیکھ چکے ہیں یا جیسے معتزلہ انہیں بیان کرتے ہیں اہل سنت علماء معتزلہ کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ عذاب قبر نہیں مانتے، اس کی نیلوی صاحب کھلی تردید کرتے ہیں۔اور معتزلہ کی حمایت میں بولتے ہیں کیا یہ اس بات کی دلیل نہیں کہ ان کے اندر اعتزال داخل ہوا ہوا ہے اور سید العلماء حضرت مولانا انور شاہ صاحب کو بھی اپنی حمایت میں اس طرح کھڑا کرتے ہیں گویا وہ ابھی معتزلہ کی کتابیں ہی دیکھ نہ پائے تھے۔پھر صرف یہیں تک نہیں وہ شیعہ کو بھی اپنے ساتھ رکھتے ہیں۔یہ کیوں؟ یہ اس لئے کہ مولانا نیلوی صاحب کو علم تھا کہ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے آب حیات روافض کی تردید میں لکھی تھی جسے مماتیوں نے خواہ مخواہ اپنے گلے ڈال لیا اور وہ دیوبند کی چھتری کے نیچے سے نکلنے کے لئے بھی تیار نہیں ہوتے۔

یہاں ہم نیلوی صاحب کے بارے میں اپنی بحث ختم کرتے ہیں۔سرگودھا میں تین حضرات ہی مدرسہ سراج العلوم سرگودھا کے خلاف سمجھے جاتے تھے: (۱) مولانا عطاء اللہ بندیالی۔ (۲) مولانا محمد حسین نیلوی اور (۳) مولانا محمد امیر بندیالی۔ پہلے دو کے بارے میں ہم اپنی گزارشات پیش کر چکے اب مولانا محمد امیر بندیالی کی کتاب ''الاقوال المرضیۃ فی الاحوال البرزخیۃ'' کے بارے میں بھی ہم کچھ گزارش کیے دیتے ہیں۔اس پر بھی ایک نظر

کر لیجئے۔ آپ اپنے آپ کو شیخ القرآن کا شاگرد تو کہتے ہیں لیکن حق یہ ہے کہ وہ ہرگز ان کی لائن پر نہیں ہیں اور وہ اس عقیدہ کو درست نہیں مانتے جس پر حضرت شیخ القرآن نے حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ مہتمم دار العلوم دیوبند کے سامنے دستخط کئے تھے اور قاضی عصمت اللہ کے والد حضرت قاضی نور محمد نے بھی اس کی پوری تصدیق کی تھی۔

عقیدہ حیات و ممات میں ہرگز کوئی تضاد نہیں۔ اگر کوئی صاحب علم ہماری ان گزارشات پر صدقِ دل سے غور کرے تو اب وہ ان دونوں میں کوئی نسبتِ تضاد نہ پائے گا۔ دونوں کا محکوم علیہ اپنا اپنا ہے جن کو حیاتی کہا جاتا ہے وہ آپ ﷺ پر درودِ موت کے منکر نہیں اور جن کو مماتی کہا جاتا ہے وہ بھی اس حیات کا انکار نہیں کرتے جو پردے میں ہے اور حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی کتاب آبِ حیات میں بھی برزخی حیات کا لفظ صریح طور پر موجود ہے اور یہ کہنا ایک سیاہ جھوٹ ہے کہ حضرت حجۃ الاسلامؒ آپ ﷺ پر درودِ موت کے منکر ہیں۔

اب اگر فریقین میں کوئی اختلاف ہے تو وہ صرف دو اختلاف ہیں: (۱) حضور ﷺ اپنے روضہ پر پیش کئے گئے درود و سلام کو سنتے ہیں یا نہیں، (۲) عذاب قبر روح و بدن دونوں پر ہوتا ہے یا صرف روح کو جیسا کہ معتزلہ کی رائے ہے۔

یہ مسئلہ اپنی جگہ طے ہو چکا کہ حیات و ممات پر کوئی حقیقی اختلاف نہیں ہے۔ وللہ الحمد! اب مماتیوں کو چاہیے کہ وہ کھلے طور پر اپنے مماتی ہونے کا انکار کریں اس پر وہ اللہ کے ہاں بڑا اجر پائیں گے لیکن یہ انکار انہیں ان لوگوں کے سامنے کرنا ہوگا جن کے سامنے وہ پہلے اپنے مماتی ہونے کا اعلان کرتے رہے ہیں اللہ ان کو جو اس وقت زندہ ہیں صدقِ دل سے توبہ کی توفیق عطا فرمائے۔

حسرت ہے اس مسافرِ بے بس کے حال پر   جو تھک کے رہ گیا ہو منزل کے سامنے

***

قَالَ عَلَيهِ السَّلَامُ: مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ

یا خیر من دفنت بالقاع اعظمہ   فطاب من طیبھن القاع والاکم
نفسی الفداء لقبر أنت ساکنہ   فیہ العفاف وفیہ الجود والکرم

بحمد اللہ دریں ایام نیک انجام رسالہ ہذا مقبولہ انام علیٰ رؤس الاشہاد برخواص وعوام موسومہ باسم نیک فرجام

التحقیق التام

فی

استحباب زیارۃ سید الانام ﷺ

ازتالیف

خادم الطلبہ محمد عبد الرحمٰن بلہاروی حال مقیم بمبئی

در مطبع ترقی واقع بمبئی در سن ۱۳۲۵ھ مطبوع گشت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔۔۔ اَمَّا بَعْدُ!

چودھویں صدی ہجری میں راندیر (سورت) میں محفل سلطانیہ کی طرف سے ایک رسالہ شائع ہوا جس پر لکھا تھا: ''دلیلیں گناہگار ہونے اس شخص کی جو زیارت قبر رسول ﷺ کو نہ جائے''

(اس کا حاصل یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی قبر مبارک پر حاضری ضروری ہے۔ ایک گروہ اٹھا جو اسے آپ کی محبت میں افراط سمجھتا ہے اور ایسے شخص کو گناہگار کہتا ہے)

اس رسالہ کا جواب مولانا محمد عبدالرحمٰن بلہاروی نے بمبئی سے ۱۳۲۵ھ میں شائع کیا اور اپنی شرافت علمی سے اس رسالہ کے مصنف کا نام ظاہر نہ کیا۔ مولانا بلہاروی لکھتے ہیں: ''اس میں بند کرنا زبان برادران اسلام کی ہے نہ عیب چینی معیوبوں کی اور نہ ظاہر کرنا ان کے ناموں کا ہے۔ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَکُمْ (پ۲۶، الحجرات ۱۱) عیب نہ لگاؤ ایک دوسرے پر) اور یہ گفت وشنید موافق داب مناظرہ کے عیب نہیں ہے بلکہ مستحسن ہے۔''

(ص ۴، سطر ۴)

جو عنوان اس محفل سلطانیہ کی طرف سے شائع ہونے والے رسالہ میں اس کو دیا گیا ہے وہ بظاہر بہت جذباتی ہے اور ہر مسلمان اسے دل سے بہت چاہے گا لیکن دین اللہ رب العزت کی طرف سے ایک امانت ہے جو اس کے بندوں کو ملی لیکن اس کے فیصلے جذبات سے نہیں کتاب وسنت سے کئے جاتے ہیں۔ یہ عنوان مسئلے کے لحاظ سے غلط ہے اور اسی علمی غیرت سے مولانا بلہاروی نے اس پر قلم اٹھایا اور علم نہ رکھنے والوں کو اس غلطی سے بچانے پر علمی محنت کی ہے۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء!

اس سے کئی سال پہلے حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے شیعہ کی تردید میں کتاب ''آب حیات'' لکھی تھی اور اس میں حضور اکرم ﷺ کی عنصری حیات برزخی اور آپ کے روضہ پر پڑھے جانے والے صلاۃ وسلام کا اسے خود سننا بیان کیا گیا تھا۔ بعض نادانوں نے محض جذباتی طور پر اسے اسلام کے عقیدہ توحید کے خلاف جانا اسے شرک کی طرف منجر کہا اور ایک نیا فرقہ مماتی نام سے وجود پا گیا، یہ ان نادانوں کا تفریط کا پہلو تھا۔

بمبئی میں پیدا ہونے والا یہ نیا موقف افراط کے پہلو سے سامنے آیا اور روضہ انور پر حاضر ہونے کی ایک جذباتی صدا لگائی کہ جو روضہ انور ﷺ پر حاضری نہ دے وہ گناہگار ہے۔ اس کے تعاقب میں اٹھنا کوئی معمولی کام نہ تھا لیکن اللہ رب العزت اپنے دین کا خود محافظ ہے اس نے بمبئی کے ایک بلند پایہ عالم دین مولانا بلہارویؒ کے دل میں یہ بات اتار دی:

اٹھ باندھ کمر کیا ڈرتا ہے پھر دیکھ خدا کیا کرتا ہے

آپ نے ہر مصلحت کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اپنے موقف کے حق میں وہ جواہر ریزے سپرد قلم کئے

کہ موضوع کا ہر پہلو نکھر کر سامنے آ گیا اور پاک و ہند کی ہر مجلس علمی نے دیکھا کہ اہلِ حق جس طرح ہر پہلو سے تفریط سے احتراز کرتے ہیں اپنے اس دینی اور علمی جذبہ سے وہ ہر پہلوئے افراط کے خلاف بھی آ کھڑے ہوتے ہیں۔

راندھیر (ضلع سورت) کی اپنی زبان اردو نہیں اور نہ مولانا بلبہاروی کی اپنی زبان اردو ہے۔ ان کی اپنی زبان گجراتی ہے سو ان کی اس کتاب کو ایسے دور میں پاک و ہند میں لانے کے لئے جب کہ مکینِ گنبدِ خضراء کی حیات برزخی اور آپ کے روضہ انور پر پڑھا جانے والا صلوٰۃ و سلام مسئلہ ہونے کے پہلو سے یہاں کے عوام و خواص کے سامنے آ چکے ہیں۔ مولانا بلبہارویؒ کی اس کتاب کو عوام کے سامنے لانے کے لئے مختلف عنوان دینے اور کہیں کہیں پرانی اردو کی اصلاح کی بھی ضرورت محسوس ہوئی۔

مثلاً مولانا بلبہاروی آٹھویں کو اس طرح لکھتے ہیں: دلیل ۸ ویں۔ (دیکھئے ص ۱۵ سطر ۱۳) ظاہر ہے کہ اب اسے آٹھویں لکھنا چاہئے۔

مولانا کا جب اپنا مؤقف یہ ہے کہ رسالہ لکھنے والے کا نام ذکر نہ کیا جائے تو انہوں نے اس کا نام ''راقم صاحب'' رکھ لیا اور راقم صاحب نے اپنی بات کہنے میں جو علمی خیانتیں کی ہیں آپ نے ان پر نہایت واضح الفاظ میں گرفت کی ہے اور نام لئے بغیر ان کا اس طرح ذکر کرنا ہرگز کوئی عیب نہیں۔ اس پر ہم اپنے اس پیشِ لفظ کو ختم کرتے ہیں اب مولانا بلبہاروی کی یہ پوری کتاب آپ کے سامنے ہے۔

''وَاللّٰہُ ھُوَ الْمُوَفِّقُ لِمَا یُحِبُّہٗ وَیَرْضٰی بِہٖ''

حضرت کی کتاب کے ٹائٹل پر جو شعر لکھے ہیں ان کی مراد بھی سمجھ لیں

یہاں دُفِنَتْ بِالْقَاعِ أَعْظُمُہٗ سے مراد جسدِ اطہر ہے کیونکہ دفن جسد کو ہی کیا جاتا ہے اور سکونت بدن ہی اختیار کرتا اور اسی پر دلالت کرتے ہیں یہ الفاظ لقبر انت ساکنہ اس لئے یہاں ہڈیاں مراد ہوں اس کا کوئی احتمال نہیں۔

''فَبَشِّرْ عِبَادِ الَّذِیْنَ یَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَیَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَہٗ۔ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ ھَدٰىھُمُ اللّٰہُ وَاُولٰٓئِکَ ھُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ'' (پ ۲۳، الزمر ۱۸)

خالد محمود عفا اللہ عنہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

افراط و تفریط عوام کی موصل ہے طرف تفریق کلمہ اسلام کے

الحمد للہ العلی الاعظم والصلوٰۃ والسلام علی المظہر الاتم قائد الخلق الی الطریق الاقوم وعلی الہ واصحابہ وورثہ الافخم، امابعد!

اربابِ بصائر پر مخفی نہ رہے کہ ان ایام غربتِ اسلام میں بعضے برادرانِ دین وعوام مسلمین نے باوجود قلت علم کے دخل بیچ علم علماء کے دینا شروع کیا اور قدم بیچ اجتہادِ فقہاء کے رکھنا اختیار کیا اور خلاف میں مجتہدان والا شان کے اور تضلیل میں بزرگانِ بلند مکان کے مثل ستر فرقۂ مبتدعہ کے لب کھولتے ہیں اور ساتھ کمال تعصب کے دادِ فساد اور عناد کا دیتے ہیں کہ یہ خلاف اور تضلیل ان کی منجر طرف تفریق کلمۂ مسلمین کے ہے اور باعث برنزاع جدال دین متین کے ہے۔

امام حجۃ الاسلام محمد غزالیؒ صاحب احیاء العلوم نے بیچ ابواب مداخل شیطان کے فرمایا: ''وإنما حق العوام أن يؤمنوا ويسلموا ويشتغلوا بعبادتهم وبمعايشهم ويتركوا العلم الى العلماء فالعامي لو زنى او سرق كان خيرا له من أن يتكلم في العلم فإنه من تكلم في الله و في دينه من غير إتقان العلم وقع في الكفر من حيث لا يدري كمن يركب في لجة البحر وهو لا يعلم السباحة ومكائد الشيطان فيما يتعلق بالعقائد والمذاهب لا تحصر ۔اه'' (احیاء علوم الدین ج ۳، ص ۳۴)

یعنی عوام لوگوں کا حق یہ ہے کہ وہ ایمان لاویں اور اسلام لاویں اور مشغول ہوں اپنی عبادت میں اور معائش میں اور چھوڑیں بحث علم کی طرف علماء کے پس عامی اگر زنا کرے یا چوری کرے تو بہتر ہے اس کے لئے کلام کرنے سے علم میں بے اتقان علم اللہ کے اور دین اللہ کے کہ جس سے انجان پن میں کفر واقع ہوتا ہے مثل اس کی ایسی ہے کہ کوئی سوار ہو دریا عمیق مواج میں اور تیرنا نہ جانتا ہو باوجود اس کے مکائد شیطان کہ احکام عقائد و مذاہب میں بے شمار ہیں ۔انتہیٰ!

اور باوجود دعویٔ سنیت کے مثل معتزلہ اور شیعہ اور دوسرے فرقہ مبتدعہ کے مسائل اختلافیہ اہل سنت میں حکم تضلیل و تکفیر پر کرتے ہیں اور جادۂ اعتدال سے باہر ہو جاتے ہیں حالانکہ ان اختلافات میں ہر ایک کو بحال اپنے چھوڑنا چاہئے۔

قال اللہ تعالیٰ: ''فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰى سَبِيْلًا''

اور عیب ایک دوسرے کے نہ پکڑنا چاہئے: قال علیہ السلام: ''اختلاف العلماء رحمۃ'' ان اختلافات کو مجتہد کو ایک طرف جزم کرنا میسر نہیں ہے تو مقلد کو کہاں میسر ہووے کہ چھوٹے منہ اور بڑی بات سے زبان درازی کرے اور جوامر باتفاق ائمہ اربعہ ﷫ کے مستحب ہو اس کو واجب یا سنت مؤکدہ کہ دے۔ علامہ شیخ جلال الدین سیوطیؒ نے جزیل المواہب میں تصریح فرمائی ہے: ''اعلم أن اختلاف المذاهب في هذه الملة نعمة كبيرة، وفضيلة عظيمة، وله سر لطيف أدركه العالمون، وعمي عنه الجاهلون، حتى سمعت بعض الجُهّال يقول: النبي ﷺ جاء بشرع واحد، فمن أين مذاهب أربعة؟اه'' (جزیل المواہب فی اختلاف المذاہب)

اور باوجود دعویٔ حنفیت کے دوسرے ائمہ اہل سنت کے مذاہب پر عمل کرتے ہیں حالانکہ حنفی کو برخلاف اجتہاد صاحب مذہب اپنے کے نہ کرنا چاہئے اگر بے سبب خلاف مذہب عمل کریگا تو عاصی ہوگا اور باوجود دعویٔ تقلید کے خلاف رائے مجتہد کے اخذ احکام کتاب وسنت روا نہیں ہے جیسا کہ کتب اصول میں ہے اسی طرح امام ربانی مکتوب دوسو اڑسٹھ میں فرماتے ہیں کہ: ''خلاف رائے مجتہد کتاب وسنت سے اخذ کرنا احکام مقلدوں کو اور اس پر عمل کرنا نہیں جائز ہے۔انتہیٰ''

غرض یہ افراط وتفریط عوام کی اور یہ تعصب نفس بدانجام موصل ہے طرف تفریق کلمۂ اسلام کے اور ہر طائفہ کو خصومت پر اور ایذا رسانی طائفہ دوسرے پر پہنچاتی ہے جبکہ ہم غور کرتے ہیں تو صاف اظہر من الشمس روشن ہوتا ہے کہ منشاء اس غلو بے سروپا اور فساد بیجا کا محض طلب وجاہت اور اساءت ادب ودیانت کا اور ترک کرنا تقلید اکابر مقتدا ودعویٔ اشاعت رائے بے اصل اپنے کا ہے اور کچھ نہیں۔

آفریں اس تصور باطل پر اور آفرین اس خیال محال پر۔ لاجرم یہ رسالہ بیان میں افراط وتفریط خطاء کرنے والوں کے اور بیان میں طریق درمیانہ اہل سنت و جماعت کے تالیف کیا گیا ہے تا کہ ناظرین سراغ طرف واقع الامر کے لیجاویں اور غریب سادہ لوحان خطا کنندہ کی پیروی نہ کریں اور دھوکا کھا کے غلطی میں نہ گریں اور یہی مقصود اس میں بند کرنا زبان برادران اسلام کی ہے نہ عیب چینی معیوبوں کی اور نہ ظاہر کرنا ان کے ناموں کا ہے:

''قال اللہ تعالیٰ: وَلَاتَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ'' (الحجرات:۱۱)

اور یہ گفت وشنید موافق داَب مناظرہ کے عیب نہیں ہے بلکہ مستحسن ہے اور ناظرین سے امید ہے کہ بنظر انصاف قولہ تعالیٰ: ''اَفَلَايَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا''

پر اور المجتهد یخطی ویصیب پر خیال فرما کے ازراہِ عنایت باصلاح طغیانی قلم اور لغزش قدم احراز اجر کا فرماویں۔

''رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ''

تنبیہ: مطلب شروع کرنے کے پہلے چند مقدمات کو معلوم کرنا ضروریات سے ہے اور وہ مقدمات یہ ہیں:

قاعدہ نمبر ۱: اصول دین کے چہار ہیں کتاب اور سنت اور اجماع اور قیاسِ مجتہد یہ حکم تمام کتب اصول میں موجود ومسلم ہے اور اسی طرح حضرت علامہ امام ربانی شیخ احمد سرہندی مکتوب پچپن میں تصریح فرماتے ہیں کہ:

''بعد ایں چہار ادلہ شرعیہ ہیچ دلیلی مثبت احکام شرعیہ نمی تواند شد انتہیٰ''

یعنی سوائے ان چہار دلیلوں کے کوئی دوسری دلیل مثبت احکام شرعیہ کی نہیں ہے۔

پس اس سے ظاہر ہوا کہ خلاف ان چار دلیلوں کا مردود وغیر مقبول ہے۔

قاعدہ نمبر ۲: احادیث موضوعہ سے کوئی حدیثِ موضوع قابلِ حجت نہیں ہے نہ ترغیب میں اور نہ ترہیب میں اور نہ اثبات احکام میں اور نہ فضائل عمال میں۔

قاعدہ نمبر ۳: احادیث ضعیفہ سے اثبات احکام شرعیہ مثل وجوب اور فرض اور حرمت وغیرہ کا ہرگز نہ ہوگا۔

قاعدہ نمبر ۴: حدیث ضعیف اگر چند اسانید سے منقول ہووے تو اس کو حسن لغیرہٖ کہتے ہیں پس وہ حدیث درجۂ حسن کو پہنچی مگر ہمارے امام اعظم رحمہ اللہ کے مذہب میں اس سے وجوب ثابت نہیں ہوتا ہے۔

قاعدہ نمبر ۵: کسی حدیث کے راویوں میں بعض تعدیل کریں اور بعض علماء جرح کریں تو جرح مقدم تعدیل پر ہے۔

قاعدہ نمبر ۶: حج بیت اللہ کا جس بندۂ خدا پر زاد وراحلہ وغیرہ کی طاقت ہونے کے باعث سے جب فرض ہوا اور اس نے ادا نہیں کیا اور بعدۂ وہ مفلس ہو گیا اور نصاب فرضیت حج کی اس سے جاتی رہے تو بھی حج اس سے ساقط نہیں ہوگا اور بدوں کرنے حج کے وہ مرجائے تو گنہگار رہے۔

قاعدہ نمبر ۷: جس بندۂ خدا پر حج فرض ہوا اور وہ ادا نہ کرے اور بدوں ادا کرنے کے مر گیا تو پیغمبر خدا علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ وہ یہودی ہو کر مرے گا یا نصرانی ہو کر۔

قاعدہ نمبر ۸: جس آدمی کی استطاعت اور طاقت فقط حج ادا کرنے کی ہے یعنی راہ خرچی وغیرہ حج کر کے اپنے مکان پر لوٹ آنے تک کی ہے اور مدینہ مکرمہ جانے کا خرچ نہ ہو تو بھی حج اس پر فرض ہے اور بدوں جانے بیت

اللہ شریف کے یعنی بدوں حج کے اگر وہ مرجائے تو گناہ ترکِ حج کا اور وعید ترکِ حج کی اس کے ذمہ باقی ہے۔

قاعدہ نمبر ۹: ہمارے مذہب حنفی میں مستحب اور سنت، واجب اور فرض الگ الگ ہیں مثل دوسرے مذہبوں کے واجب اور فرض ایک نہیں ہے۔

قاعدہ نمبر ۱۰: حدیث ضعیف اور حدیث حسن لغیرہ فضائل اعمال میں حجت ہے پس اس سے فقط استحباب ثابت ہوگا وجوب ثابت نہ ہوگا۔

اب بعد تمہید چند مقدمات ضروریات کے ناظرین پر تمکین کی جناب میں جواب اس رسالہ کا پیش کرتا ہوں جو راندیر میں محفل سلطانیہ کی طرف سے چھپ کر شائع ہوا تھا اور جس پر لکھا ہوا کہ دلیلیں گنہگار ہونے اس شخص کی جو زیارت قبر رسول ﷺ کو نہ جائے ساتھ گنجائش کے اور جواب اعتراضوں مخالفین کا تا کہ دونوں اقوالوں کو ملاحظہ فرما کے داد انصاف کی دیں۔ باوجود اس کے اخیر میں چند فتاویٰ علماء ہند کے بنقل مواہیر ودستخط ان بزرگانِ دین واسطے ترجیح وتصدیق اس میرے رسالہ کے اور واسطے ازدیاد تصریح حق کے نقل کر کے اظہار حق کا کروں گا۔ وَالْحَقُّ اَحَقُّ اَنْ یُّتَّبَعَ!

علاوہ اس کے راقم رسالہ مذکورہ نے ہر چند کتابوں کے نام ایسے بے پتے دیئے ہیں کہ احقر کو تلاش پتے میں نہایت دقت اور مشقت حاصل ہوئی ہے کیونکہ بعض جگہ تو راقم صاحب نے عبارت نقل کر کے ایسی کتاب کا نام لکھ دیا ہے کہ اب تک وہ چھپے ہی نہیں اور رسالے اور کتابوں کے نام علی ہذا الکیفیت لکھے تو خیر مگر اتنا ظاہر نہ فرمایا کہ منقول عنہ شافعی المذہب ہے یا مالکی یا حنبلی مذہب ہے یا حنفی مذہب۔ باوجود اس کے یہ نہ بیان فرمایا کہ جس سے میں نقل کرتا ہوں اس کے نام سے چند علماء دوسرے بھی موسوم ہیں تو اب یہاں کون مراد ہے اور اس کی کوئی صفت مابہ التمیز کو بھی نقل نہیں فرمائی اور یہ فعل دأب اہلِ علم سے بعید ہے لہٰذا جو جو قصور رسالہ مذکورہ میں وقوع میں آئے ہیں ان تمام کو حتی الامکان بیان کر کے پیشِ نظر ناظرین کے کردوں گا۔ وما توفیقی الا باللہ وھو المستعان وعلیہ التکلان!

قَوْلُهٗ: پہلی دلیل

علامہ عبدالحق اپنی کتاب تہذیب الطالب میں عمران فاسی سے نقل کرتے ہیں کہ زیارت قبر شریف کی واجب ہے۔

''قال علامۃ عبدالحق فی تھذیب الطالب نقلا عن عمران الفاسی ان زیارۃ النبی ﷺ واجبۃ''

أَقُوْلُ: راقم صاحب نے اس جگہ چند دھوکے دیئے ہیں، ان میں سے:

اول دھوکا عبدالحق کا ذکر کرنا بدوں قید کسی کے۔

دوسرا دھوکا جس کتاب سے اس عبارت تہذیب الطالب کو نقل فرمائی اس کتاب کا نام گاؤخورد کر دیا تا کہ عوام جانیں کہ راقم صاحب کے پاس یہ کتاب بھی ہوگی اس سے یہ نقل فرمائی ہوگی باوجودیکہ یہ کتاب اب تک چھپی تک نہیں۔

تیسرا دھوکہ نقل عبارت میں ہے کیونکہ جس کتاب سے راقم صاحب نے عبارت مذکورہ نقل فرمائی ہے اس میں لفظ ''عن'' نہیں ہے اور راقم صاحب نے اصل لفظ کو حذف کیا اور الفاظ قال سے نقلا عن تک بڑھا دیا ہے چنانچہ ہم اس کی تصریح کر کے پردہ دھوکے کا برائے ناظرین کھول دیتے ہیں وہ یہ ہے راقم صاحب کی یہ عبارت منقولہ مواہب اللدنیہ کی جلد ثانی مطبوعہ مصر کی ص ۴۰۵ میں ہے اور اصل وضع اس عبارت کی اس طرح پر ہے: ''وقد اطلق بعض

المالکیة وھو ابو عمران الفاسی کماذکرہ فی المدخل عن تھذیب الطالب لعبد الحق انھا واجبة''

اب راقم صاحب کی عبارت نقل شدہ کو اصلی وضع پر جب ہم نے بیان کر دی تو پھر ہم اس کی کما حقہٗ تصریح وتشریح کر دیتے ہیں کہ جس کتاب سے راقم صاحب نے عبارت مذکورۃ الصدر کو نقل فرمائی وہ کتاب مواہب اللدنیہ ہے مؤلف اس کے شارح بخاری شریف کے علامہ قسطلانی شافعی المذہب ہیں اور اس میں تصریح تام ہے کہ زیارت قبر شریف کی واجب کہنے والے بعض مالکیہ ہیں جس سے صاف واضح ہوا کہ اکثر مالکیہ اور جمہور کے نزدیک واجب نہیں ہے اور بعض مالکیہ سے عبارت مذکورہ میں فقط ایک مرد ابو عمران فاسی ہیں نہ غیر اور عبدالحق سے مراد مولانا عبد الحق دہلوی حنفی المذہب نہیں ہیں جس طرح سے کہ ظاہر عبارت راقم سے دھوکا اور مغالطہ ناشی ہوتا ہے بلکہ یہ عبدالحق دوسرے ہیں اس کی تصریح کرنے سے راقم نے پہلو تہی فرمائی۔ طرفہ تر اس سے دوسرا مغالطہ اور دھوکہ راقم صاحب کا قابل غور وتضحیک ہے وہ یہ کہ اصل عبارت ابو عمران الفاسی بجائے اس کے عمران الفاسی تحریر فرماتے ہیں یہ شموسِ فضول ہے یا کسوفِ شمس ہے کہ جس کی ظلمت دیجور میں بصر بے نور ہو کر نقل عبارت درست نہیں ہوئی تو خود ایجادی عبارت کا خدا جانے کیا قماش ہوگا۔ اب راقم صاحب سے ہم یہ عرض کرتے ہیں کہ جناب من اس جگہ نہ آپ شافعی مالکی ہیں نہ خصم آپ کا اور نہ یہاں کے ناظرین شافعی مالکی مذہب کے ہیں باوجود اس کے کلام ہمارا مذہب حنفی کے موافق ہے نہ کسی اور مذہب سے، دوسرے کسی مذہب میں واجب ہو یا فرض ہو اس سے ہمیں کیا غرض ہے مذہب حنفی کی کتابوں سے اور حنفی مذہب کے علماء سے وجوب زیارت قبر شریف کی نقل کرو تو آپ کی محنت قابل انعام منعم ہے ورنہ یہ کچھ نہیں ایسے کلام فضول اور لن ترانی سے کیا حاصل ہے پس یہ دلیل اول تو غیر مثبت مدعا ٹھہری اور ہباء منثورا ہوئی لہٰذا دعویٰ وجوب کا باطل ہے۔ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ!

قَوْلُهٗ: دوسری دلیل

ملا علی قاریؒ المسلک المتقسط میں لکھتے ہیں کہ زیارت قبر شریف کی واجبات سے ہے جیسا کہ میں نے اپنے رسالہ ''الدرۃ المضیۃ'' میں لکھا ہے: ''قال الملا علی القاری فی المسلک المتقسط فی منسک متوسط زیارة قبر النبی ﷺ من الواجبات کما بینته فی الدرة المضیة فی زیارة المصطفویة لمن له سعة ای وسعة واستطاعة وترکھا غفلة ای ذمة وجفوة کبیرة فیه اشارة الی حدیث استدل به علی وجوب زیارة وھو قوله علیه السلام من حج ولم یزرنی فقد جفانی رواہ ابن عدی بسند حسن''

أَقُوْلُ: راقم صاحب نے بلاریب یہ عبارت دلیل ثانی کی حنفی المذہب جناب ملا علی قاریؒ سے نقل کی ہے اگر اس عبارت سے حنفی مذہب میں زیارت قبر شریف کی واجب ثابت ہو تو سمعنا واطعنا بسر وچشم آپ کا دعویٰ وجوب کا مقبول ہو مگر اس عبارت سے وجوب ثابت ہونا ممکن نہیں چونکہ عبارت میں بہت تحریف وتغییر واقع ہوئی ہے برائے خدا راقم صاحب نقل عبارت تو مطابق اصل کے فرمائے۔ کیا آپ یہ جانتے ہیں کہ اس قسم کی کتابیں جو خاص کر ہمارے مذہب حنفی کے علماء کی تالیف وتصانیف سے ہوں وہ عنقا صفت ہیں یا قلیل الوجود ہیں؟ نہ نہ! بلکہ بفضلہ تعالیٰ یہ تمام کتابیں موجود ہیں لہٰذا اتنا تو خیال فرمانا تھا کہ جب میری نقل مقابل اصل کے پیش کی جاویگی تو بڑی ندامت اٹھانی پڑے گی۔

لیجئے! اصل عبارت ملا علیؒ کی یہ ہے۔ شرح المسلک المتقسط کے ص ۲۳۲ میں: ''(اعلم ان زیارۃ سید المرسلین ﷺ) ای علیھم اجمعین (باجماع المسلمین) ای من غیر عبرۃ بما ذکرہ بعض المخالفین (من اعظم القربات و افضل الطاعات و انجح المساعی) ای ارجی الوسائل و الدواعی لنیل الدرجات قریبۃ من درجۃ الواجبات) بل قیل انھا من الواجبات کما بینتہ فی الدرۃ المضیۃ فی زیارۃ المصطفویۃ (لمن لہ سعۃ) ای وسعۃ و استطاعۃ (و ترکھا غفلۃ عظیمۃ و جفوۃ کبیرۃ) ای غلظۃ جسیمۃ و فیہ اشارۃ الی حدیث استدل بہ علی وجوب الزیارۃ و ھو قولہ ﷺ من حج البیت و لم یزرنی فقد جفانی رواہ ابن عدی بسند حسن''

اب ناظرین عبارت پر مخفی نہ ہووے کہ راقم نے اکثر عبارت حذف کرنے کے ساتھ زیادتی عبارت کی بھی اپنے جیب خاص سے کی ہے۔ وہ زیادتی ''زیارۃ قبر النبی'' راقم کی عبارت میں ہے اور کتاب میں اصل عبارت ''ان زیارۃ سید المرسلین'' ہے اور راقم نے عبارت ''قریبۃ من درجۃ الواجبات'' وغیرہ عبارت دوسری ترک کر کے ''من الواجبات'' لکھ دیا ہے اور عبارت اصل ''بل قیل من الواجبات'' ہے تو معنی اب یہ ہوئے کہ زیارت سید المرسلین کی ساتھ اجماع مسلمین کے یعنی بغیر اعتبار کرنے بعض مخالفین کے اعظم قربات اور افضل طاعات اور انجح مساعی سے واسطے پانے درجات کے قریب درجہ واجبات سے ہے (یعنی عین واجب نہیں ہے مگر قریب درجہ واجب کے ہے) بلکہ بعض نے کہا کہ واجبات سے جیسا میں نے بیان کیا ہے اس کو درۃ المضیہ میں اور قریب درجۂ واجبات کے بھی اس کے لئے ہے جس کو زیارت قبر شریف کے جانے کی وسعت اور طاقت (یعنی ہر کسی کے واسطے زیارت قبر شریف کی قریب واجبات کے نہیں ہے) اور ترک کرنا زیارت کا باوجود وسعت کے غفلت عظیمہ اور جفوہ کبیرہ ہے یعنی بڑی سختی ہے اور بیچ اس کے اشارہ طرف اس حدیث کے ہے کہ دلیل پکڑی ہے بعض نے اوپر وجوب زیارت کے اور وہ قول حضور ﷺ کا ہے: جس نے حج کیا بیت اللہ شریف کا اور میری زیارت نہیں کی تو اس نے مجھ پر سختی کی۔ روایت کیا اس کو ابن عدی نے ساتھ سندِ حسن کے۔ پس اس تقریر سے صاف واضح ہوا کہ ہمارے حنفی مذہب میں زیارت قبر شریف کی واجب نہیں ہے اکثر علماء اور جمہور کے نزدیک اور بعض اہلِ علم کے نزدیک واجب ہے اور اس جگہ ان بعض اہلِ علم کی تصریح ملا علی قاریؒ نے نہیں فرمائی ہے۔ بنا پر اس کے بعض اہلِ علم واجب کہنے والوں سے وہی مراد ہے جو راقم صاحب نے ابو عمران فاسی مالکی کو اوپر بیان کیا ہے اور چونکہ ان کا استدلال صحیح نہ تھا لہٰذا تضعیف کے طرف اشارہ کرنے والا لفظ ''اُستدل بہ'' مجہول لائے۔ پس یہاں سے بھی دعویٰ وجوب راقم صاحب کا باطل ہوا۔

قَوْلُهٗ: تیسری دلیل

قاضی عیاضؒ نے شفا میں بھی ایک جگہ واجب لکھا ہے اور ایک جگہ سنت مؤکدہ: ''و وجب شد المطی الی قبرہ ﷺ یرید ھھنا وجوب ندب و ترغیب و تاکید و لا وجوب فرضیا''

یعنی زیارت کو جانا واجب ہے لیکن وجوب سے وجوب فرضی مراد نہیں کہ جس کا منکر کافر ہو بلکہ وجوب تاکیدی مراد ہے جو شامل ہے سنتِ مؤکدہ قریب قریب واجب اور عین واجب کو۔

أَقُوْلُ: راقم صاحب نے اس جگہ دھوکا کیا ہے اور وجوب ثابت کرنے کو یہاں بھی اکھاڑ پچھاڑ کی ہے مگر بے فائدہ ہے اور محنت ضائع کی ہے کیونکہ واجب ہونا زیارت قبر شریف کی بنا بر مذہب حنفی کسی کتب معتبرہ حنفی

المذہب سے ثابت کرنا چاہئے اور قاضی عیاض کہ جس سے راقم وجوب نقل کرتا ہے وہ مالکی مذہب ہیں اور مالکی مذہب والے کا مسئلہ بیان کریں تو ہم کو ہمارے مذہب حنفی کے خلاف غیر کے مذہب پر عمل کرنا کیسی بے انصافی اور دھوکا دہی ہے آفریں اس چالاکی پر۔

دوسرا دھوکا: یہ کہ راقم لکھتا ہے قاضی عیاضؒ نے ایک جگہ واجب اور ایک جگہ سنتِ مؤکدہ لکھا ہے، یہ لکھنا راقم کا دروغ کا بے فروغ ہے اور قاضی عیاضؒ پر تہمت ہے اگر ایک جگہ سے ہی سنتِ مؤکدہ نکال دکھا دیں تو پانچ روپے انعام لینے کے راقم صاحب مستحق ہو جاویں اور باوجود اس کے اس جگہ بھی راقم نے عبارت قاضی عیاضؒ کو تغیر وتبدل کر کے حیثیت اصل عبارت کی بگاڑ دی ہے پھر بھی غریب راقم کا دعویٰ وجوب کا ثابت نہیں ہوا اصل عبارت قاضی عیاضؒ کی کہ جس کو راقم نے بگاڑ کے اپنے مطلب بنانے کو لکھی ہے وہ یہ ہے: ''وزیارة قبرہ ﷺ سنة من سنن المسلمین مجمع علیھا وفضیلة مرغب فیھا'' (ص ۲۳۴)

اور اسی صفحہ میں دوسری عبارت یہ ہے: ''وأیضا فان الزیارة مباحة بین الناس وواجب شد الرحال الی قبرہ ﷺ یرید بالوجوب ھنا وجوب ندب وترغیب وتاکید''

اب یہاں سے ناظرین ملاحظہ فرماویں کہ راقم نے کس قدر عبارت شفاء قاضی عیاضؒ کی بگاڑ دی ہے۔ اللّٰھم عافنا کسی جگہ بھی اس عبارت میں سنتِ مؤکدہ کا ذکر نہیں ہے اب کس قدر راقم صاحب کا مبالغہ ہے اور کیسی تہمت ہے۔ ہٰذا بہتان عظیم فقط اس جگہ سے مستحب ثابت ہے اور کچھ نہیں کیونکہ ''قولہ: سنة من سنن المسلمین'' کا اطلاق استحباب پر ہوتا ہے تو کہیں کہ اب سنتِ مؤکدہ کہاں سے ثابت کرو گے، بینوا توجروا!

اسی طرح راقم نے اپنی عبارت میں زیادتی ''ولا وجوب فرضیا'' کی اپنی من گھڑت لگا دی ہے۔ نسخہ عیاض میں یہ عبارت نہیں ہے۔ اسی طرح راقم نے ''شد المطی'' اپنی عبارت میں شفاء عیاض سے نقل کی ہے اور در حقیقت اس کی جگہ ''شد الرحال'' ہے۔ خدا جانے راقم نے کس فائدہ کے واسطے یہ زحمت اٹھائی ہے ورنہ اس سے وجوب زیارت قبر شریف کی بحسب زعم راقم کے ہرگز ہرگز حنفی مذہب میں ثابت نہیں ہوتا ہے بلکہ اس عبارت اخیرہ سے بھی استحباب زیارت قبر شریف ہی ثابت ہے کیونکہ ابو عمران فاسی کی عبارت بظاہر وجوب پر دال تھی تو حضرت قاضی عیاضؒ نے فرما دیا کہ وجوب سے ان کا مطلب استحباب کا اثبات اور ترغیب دینا اور تاکید کرنا ہے، یرید بالوجوب ھنا وجوب ندب وترغیب وتاکید۔ اس پر شاہد ہے اگر وجوب کے حقیقی معنی مراد ہوتے تو یرید بالوجوب الخ کہنے کی ضرورت نہ ہوتی۔ اس سے صاف ظاہر ہوا کہ حضرت قاضی عیاضؒ کے نزدیک ابو عمران فاسی بھی وجوب حقیقی کے قائل نہیں ہیں: کما لا یخفی علی اھل العلم اور وجوب بمعنی ثبوت حدیث صحیح ''غسل الجمعة واجب'' میں وارد ہے اور ہمارے مذہب حنفی کے کسی محقق نے غسل جمعہ واجب نہیں فرمایا ہے کیونکہ اس جگہ واجب کے معنی ثابت کے لئے ہیں۔ اسی طرح شفاء عیاضؒ میں بھی وجوب بمعنی ثبوت ہے اور راقم صاحب کا لکھنا کہ قریب واجب اور عین واجب یہ بھی خلاف ظاہر اور غیر مناسب ہے کیونکہ ایک چیز جب قریب واجب ہو تو وہ واجب نہیں ہے اور یہ امر بدیہی اولی ہے، کچھ دلیل کی حاجت نہیں۔ اور جو چیز عین واجب ہو تو پھر وہ قریب واجب نہیں ہے فتأمل۔ علاوہ اس کے راقم کا زیارت قبر شریف کو واجب فرمانا علماء احناف سلف اور خلف پر تنقص اور اعتراض وارد کرنا ہے بلکہ جناب امام اعظم ؒ پر بھی، کیونکہ انہوں نے کسی جگہ واجب نہیں فرمایا ہے۔ اگر ثابت کر دیں تو انعام کے قابل بات ہے

اور راقم مقلد ہو کے اپنے مجتہد کے خلاف کہے اور مجتہد کا رد کرے، اس کی برائی احقر نے ابتداء میں لکھ دی ہے۔ خدا کی پناہ آدمی اپنے مطلب اور ہٹ دھرمی کے لئے کیا کچھ کرتا ہے اور عار کے لئے نار قبول کرتا ہے۔ نعوذ باللہ!

قَوْلُهٗ: چوتھی دلیل

علامہ خیر الرملیؒ نے حاشیہ منح میں ابن حجر مکی سے بھی نقل کی ہے کہ زیارت واجب ہے۔ ردالمحتار میں دیکھو:

أَقُوْلُ: راقم صاحب نے اس جگہ برابر بدوں تغییر وتبدیل کے عبارت لکھی ہے چنانچہ ردالمحتار میں مضمون عبارت ہٰذا موجود ہے مگر یہ واجب کہنے والے بعض شافعی اور مالکی ہیں۔ چنانچہ اوپر قصہ ابوعمران فاسی کا مع جواب عدمِ وجوب گذر چکا ہے۔ باوجود اس کے اتنا پھر بھی ہم تاکیداً ناظرین کے ملاحظہ کے لئے کہہ دیتے ہیں بعض ایک دو واجب کہنے والے شافعی المذہب ہیں یا مالکی اس سے ہم حنفی کو کیا حجت ہے اگر شافعی المذہب کے واجب کہنے کو ہر مسئلہ میں خلاف مذہب کے حجت پکڑو تو سورۂ فاتحہ خلف الامام مقتدی کے لئے شافعی واجب بلکہ فرض کہتے ہیں تو پھر کیا اس پر بھی عمل کرو گے اور کراؤ گے؟ جب آپ نے شافعی المذہب کے بعض سے وجوب زیارت کو نقل کیا تو ہم اس کا رد بھی شافعی المذہب کے جمہور سے نقل کر دیتے ہیں۔ دیکھو ''درر السنیہ'' کے ص ۳ میں علامہ سید احمد دحلان شافعی المذہب فرماتے ہیں: ''قال العلامة ابن حجر فی الجواھر المنظم فی زیارة قبر النبی المکرم ﷺ قد نقل جماعة من الائمة حملة الشرع الذین علیھم المدار والمعولة الاجماعَ وانما الخلاف بینھم فی انھا واجبة او مندوبة فمن خالف فی مشروعیة الزیارة فقد خرق الاجماع واحتج القائلون بوجوب الزیارة بقوله ﷺ: من حج البیت ولم یزرنی فقد جفانی رواه ابنُ عدی بسند یحتج به قال وجفاؤه ﷺ حرام فعدم زیارته المتضمن بجفائه حرام واجاب الجمھور القائلون بندب الزیارة بان الجفاء من الامور النسبیة فقد یقال فی ترک المندوب انه جفاه اذ ھو ترک البر والصلة ویطلق ایضا علی غلظ الطبع والبعد عن الشیئ فاکثر العلماء من الخلف والسلف علی ندبھا دون وجوبھا''

یعنی علامہ ابن حجر نے ''جواھر المنظم فی زیارة قبر النبی المکرم ﷺ'' میں کہا ہے کہ تحقیق نقل کیا ہے ایک جماعت نے ائمہ سے کہ جن پر مدار ہے اور وہی لوگ حاملان شرع ہیں، اجماع کو (یعنی اجماع منقول ہے علماء معتبرین سے زیارت قبر شریف کی مشروع ہونے پر) اور خلاف درمیان علماء انام کے فقط اس بارے میں ہے کہ یہ زیارت قبر شریف کی واجب ہے یا مندوب ہے کیونکہ جو مخالف ہے نفسِ مشروعیت زیارت قبر شریف کے وہ خارق اجماع ہے اور قائلین وجوب نے حجت پکڑی ہے ساتھ قول ﷺ کے کہ جس نے حج کیا بیت اللہ کا اور میری زیارت نہیں کی تو اس نے مجھ پر جفا کی۔ روایت کیا اس کو ابن عدی نے ایسی سند سے کہ جس سے حجت پکڑی جائے اور ان وجوب کے قائلوں نے کہا ہے کہ جفا کرنا حضرت ﷺ پر حرام ہے تو نہ زیارت کرنا جو کہ متضمن حضرت ﷺ کی جفا پر ہے حرام ہے اور جمہور علماء قائلین استحباب نے جواب دیا ہے کہ جفا امور نسبیہ میں سے ہے کیونکہ کبھی کہا جاتا ہے مندوب کے ترک کرنے میں کہ یہ جفا ہے اسی باعث سے کہ مندوب کا ترک کرنا بر اور صلہ کا ترک کرنا ہے اور بھی جفا کا اطلاق غلظتِ طبع اور ایک شے سے بعد ہونے پر ہوتا ہے لہٰذا اکثر علماء متقدمین اور متاخرین زیارت قبر شریف مستحب ہونے پر ہیں نہ وجوب پر اس کے۔

اور اسی طرح ص ۴ پر لکھتے ہیں: ”ثم ذکر احادیث کثیرة کلها تدل علی مشروعیة الزیارة لا حاجة لنا الی الاطالة بذکرها فتلک الاحادیث کلها مع ما ذکرنا صریحة فی ندب بل تاکد زیارته ﷺ حیا و میتا للذکر و الانثیٰ و کذا زیارة بقیة الانبیاء و الصالحین و الشهداء“

پس ان عبارات سے مستحب ہونا زیارت قبر شریف کا اور واجب نہ ہونا ثابت ہوا۔ دیکھو جملہ: وانما الخلاف بینهم فی انها واجبة او مندوبة سے اختلاف ثابت ہوا درمیان واجب اور مستحب ہونے زیارت قبر شریف کی اور بعد بیان کرنے اختلاف کے مستحب ہونا زیارت قبر شریف کو جمہور علماء سے ثابت کر دیا۔ و اجاب الجمهور القائلون بندب الزیارة سے اور جملہ فاکثر العلماء من الخلف و السلف علی ندبها دون وجوبها سے اظہر من الشمس ثابت ہو گیا کہ زیارت قبر شریف کی مستحب ہے لَا غَیر۔ فَاعْتَبِرُوْا یَآاُولِي الْاَبْصَارِ!

اور اسی طرح عبارت ثانیہ سے بھی استحباب ثابت ہے وہ یہ جملہ فتلک الاحادیث کلها مع ما ذکرناه صریحة فی ندب بل تاکد زیارته اب فرمائیے کہ کس جملہ کو پسند کرتے ہو؟ ”فَبِاَيِّ حَدِیْثٍ بَعْدَهٗ یُؤْمِنُوْنَ“

قَوْلُهٗ: پانچویں دلیل

شرح مختار میں قریب واجب بتایا ہے۔ دیکھو شامی۔

أَقُوْلُ: قریب واجب کی مراد اوپر بیان ہو چکی ہے کہ واجب نہیں ہے زیارت قبر شریف کی مگر واجب کے قریب ہے یعنی فضیلت میں۔ اس سے راقم صاحب آپ کا کیا فائدہ ہوا؟ آپ کا تو اس میں رد ہوا، ذرا ہوش میں آ کر ملاحظہ فرمائیے۔

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

آپ کا دعویٰ تو خلاف مذہب حنفی کے وجوب کا تھا اور دلیل نقل کرتے ہو غیر وجوب کی آفریں۔

برایں عقل و دانش بباید گریست

ناظرین! اس تقریر کی تمثیل اس طرح ذہن نشین فرمائیں کہ مثلاً ایک شخص کہے کہ زید سورت کے قریب ہے تو ہر کدام کس و ناکس با دنیٰ تامل یہ بخوبی معلوم کریگا کہ زید سورت میں داخل نہیں ہوا ہے بلکہ بیرون سورت کہیں قرب و جوار میں ہے اور جو ایسے معنی کریگا کہ وہ سورت میں ہے اس کو غلطی کرنے والا کہیں گے۔ اسی طرح یہاں بھی تصور فرما دیں کہ عین واجب ہونا ایک شے کا امر دیگر ہے اور قریب واجب ہونا امر دیگر ہے۔ پس اس عبارت سے راقم کی واجب ثابت نہیں ہوا بلکہ ثابت و واضح ہوا کہ زیارت قبر شریف کی راقم کے نزدیک بھی واجب نہیں ہے۔ اور یہاں سے یہ بھی ثابت ہوا کہ راقم صاحب نے اب اپنے دعویٰ وجوب سے رفتہ رفتہ تنزل اختیار کیا ہے، خدا نے چاہا تو اب سنت کہتے ہو جاویں گے، فہو المراد۔ کیونکہ سنت دو قسم ہے سنت ہدیٰ اور سنت زائدہ اور مستحب اور ندب اور نفل ہر چہار ایک ہی ہیں۔ فَتَدَبَّرْ!

قَوْلُهٗ: چھٹی دلیل

مراقی الفلاح میں قریب بواجب ہے (لما کانت زیارة النبی ﷺ من افضل القرب و احسن

المستحبات بل من درجة ما لزم من الواجبات فانه ﷺ حرض عليها فقال من وجد سعة ولم يزرني فقد جفاني) اس دلیل سے جناب رسول ﷺ نے شوق دلایا اس پر اور مبالغہ کیا در باب زیارت ہے۔

أَقُوْلُ: راقم صاحب! کس قدر عبارت نقل کرنے میں خبط اور خیانت کرتے ہو، کہ کوئی نوآموز طالب العلم بھی نقل نویسی میں ایسی خطا نہ کریگا۔ دیکھو راقم صاحب! میں اس جگہ پوری عبارت مراقی الفلاح مع پتے صفحہ کے نقل کرتا ہوں تو اس سے ناظرین ملاحظہ فرماویں کہ کتنی عبارت آپ نے چھوڑی اور خیانت کی ہے اور جو عبارت چھوڑی ہے وہ مفید وجوب ہے یا مفید استحباب ہے اور یہ تو ظاہر ہے کہ جب وہ عبارت مفید وجوب ہوتی تو آپ اس کو ہرگز نہ چھوڑ دیتے مگر وہ عبارت چھوڑی ہے جو مفید استحباب تھی لہٰذا خلاف مدعیٰ کے جان کر چھوڑ دی اور يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِه کے مصداق بنے معاذ اللہ۔ وہ پوری عبارت اس طرح ہے: ''قال في الاختيار ولما كانت زيارة النبي ﷺ من افضل القرب واحسن المستحبات بل تقرب من درجة ما لزم من الواجبات فانه ﷺ حرض عليها وبالغ في الندب اليها فقال من وجد سعة ولم يزرني فقد جفاني وقال ﷺ من زار قبري وجبت له شفاعتي وقال ﷺ من زارني بعد مماتي فكانما زارني في حياتي'' (ص ۴۸۵)

جن اقوال کو راقم نے ترک کیا اس کی یہ فہرست ہے: ''قال في الاختيار'' کو چھوڑ دیا اور ''احسن المستحبات'' کی جگہ ''احاسن المستحبات'' لکھ دیا اور ''بل تقرب من درجة'' کی جگہ ''بل قريب من درجة'' لکھ دیا ہے اور لفظ ''في الندب اليها'' کو بالکل راقم نے ترک کیا ہے۔

ناظرین ''وبالغ في الندب اليها'' کے معنی راقم صاحب سے اولاً دریافت فرماویں بعدہ باعث ترک عبارت کا پوچھیں کہ کس سبب سے یہ عبارت چھوڑی؟ راقم صاحب راست گو ہونگے تو ضرور فرمادیویں گے کہ اس عبارت کے معنی حضرت ﷺ نے مبالغہ استحباب ثابت کرنے کا فرمایا یہ معنی ہوتے ہیں لہٰذا میرے معتقدین سے شرمندگی دور کرنے کے واسطے یہ عبارت ترک کردی تاکہ وجوب کے بدلے استحباب میری نقل سے ثابت کر کے میں اپنے پیر میں آپ کلہاڑی مارنے کا مصداق نہ بنوں۔ پس اس سے استحباب ثابت ہو گیا اور دعویٰ وجوب کا مردود ہوا۔

قَوْلُهٗ: ساتویں دلیل

''قال علامة السندي في الباب المناسك اعلم ان زيارة سيد المرسلين ﷺ من غير عبرة بما ذكره بعض المخالفين من اعظم القربات قريبة من درجة الواجبات''

أَقُوْلُ: جواب اس قول کا بمالہ وما علیہ بالتفصیل والتصریح اوپر گذر چکا اور اس جگہ سے بھی عدم وجوب زیارت قبر شریف کا موافق مذہب حنفی کے ثابت ہے اگرچہ اس میں دوسرا کلام زیادہ ہے لیکن بسبب طول کلام کے اس جگہ اختصار کیا گیا ہے۔ فتامل!

قَوْلُهٗ: آٹھویں دلیل

میں ہے: ''وزيارت آنحضرت ﷺ نزد ابی حنيفه از افضل مندوبات واوكد مستحبات است قريب بدرجه واجبات''

أَقُولُ: راقم صاحب اس عبارت کا ترجمہ لکھتے تو ان کے معتقدین بھی جانتے کہ حضور اول تو زیارت شریف واجب فرماتے تھے اور اب خود راقم صاحب امام اعظم ﷺ سے مستحب ہونا ثابت فرما کے مولوی غلام محمد صاحب کے فرمودہ کو تسلیم کر کے ان کے ہم مسلک ہوتے ہیں مگر اپنی ضد نباہنے کو ترجمہ نہیں کیا تا کہ بات بنی رہے لیکن میں اس کا ترجمہ لکھ دیتا ہوں وہ یہ ہے: ''اور زیارت آنحضرت ﷺ کی ابوحنیفہؒ کے نزدیک افضل مستحبات سے ہے اور تاکید تر مستحبات سے قریب بدرجۂ واجبات کے ہے۔''

پس اس کو ناظرین ملاحظہ فرماویں کہ ابوحنیفہؒ کے نزدیک زیارت قبر شریف کی مستحب ثابت ہوتی ہے یا واجب؟ بلکہ غیر واجب ثابت ہوئی اور واجب کہنے کا دعویٰ راقم صاحب کا ہمارے پیشوا امام اعظم ابوحنیفہؒ کے قول سے جناب مولانا عبدالحق محدث دہلویؒ نے باطل کر دیا اور اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ راقم صاحب نے اپنے دل میں انصاف کو جگہ دے کر مولوی غلام محمد صاحب کے دعویٰ غیر واجب ہونے کو تسلیم کیا، فھو المراد! بنا بریں اب درمیان دونوں صاحبوں کے کچھ نزاع باقی نہ رہا مگر نزاع لفظی۔

قَوْلُهٗ: نویں دلیل

جذب القلوب میں ہے کہ زیارت واجب ہے: ''وبعضے مالکیہ بوجوب آں رفتہ ودیگراں تاویل ایں بسنن مؤکدہ کردہ کہ مراد بسنن واجبہ سنن مؤکدہ است''

أَقُولُ: افسوس ہے کہ راقم صاحب تو جناب ابوحنیفہ سے زیارت قبر شریف کی مستحبات سے ثابت کر چکے اور پھر امام صاحب کے قول کو پس پشت ڈال کر حنفیت کا دم محض ریاء وسمعہ کے لئے بھر کے مالکی مذہب کے بعض کی تقلید کر کے دلیل وجوب زیارت پر لاتے ہیں۔ ومایتخبطہ الشیطٰن۔ اور امام صاحب کے قول کو رد کرتے ہیں۔ مگر بندہ اوپر مقدمہ میں لکھ گیا ہے کہ مقلد کو اپنے امام ومجتہد کی تقلید واجب ہے، نہ غیر کی۔ چنانچہ اس کی تصریح علامہ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ عقد الجید میں کی ہے فانظر فیہ پس یہ واجب کہنے والا اور واجب کی تاویل سنت مؤکدہ کے ساتھ کرنے والا دونوں مالکی ہیں جیسا کہ ابوعمران فاسی مالکی اور تاویل کرنے والے عبدالحق صقلی وغیرہ سے ذکر مالہ وماعلیہ کا مفصل ابتدا میں ہو چکا لہٰذا ہم حنفی مذہب والوں کو قول امام صاحب کا واجب التسلیم ہے۔ راقم صاحب اگر مالکی ہوں اور وہ وجوب زیارت پر ابوعمران الفاسی مالکی کی تقریر کر کے واجب ہونے زیارت کا اعتقاد رکھیں تو ان کو مبارک ہو۔ باوجود اس کے راقم صاحب اضطراب میں واقع ہوئے ہیں اور ان کا قول بھی مضطرب ہے۔ گاہ واجب کہتے ہیں اور نقل کرتے ہیں اور گاہ سنتِ مؤکدہ کہتے ہیں اور گاہ مستحب ہونا زیارت قبر شریف کا نقل فرماتے ہیں اور قول مضطرب باعتبار اصول حدیث کے مردود وغیر مقبول ہے۔ فَاعْتَبِرُوْا يَآاُولِي الْاَبْصَارِ!

تنبیہ: اس جگہ ہم علماء احناف سے زیارت کا مستحب ہونا اور غیر واجب ہونا ناظرین کے ملاحظہ کے واسطے نقل کرتے ہیں اس میں راقم صاحب کچھ قیل وقال فرماویں تو احقر جواب دینے کو ہر طرح مستعد ہے۔

علامہ ابن ہمامؒ (۸۶۱ھ) فتح القدیر کے ص ۹۴ ج ثالث مطبوعۂ مصر میں فرماتے ہیں ہمارے مشائخ حنفیہ کے نزدیک زیارت قبر نبی ﷺ کی افضل مستحبات میں سے ہے اور مناسک فارسی اور شرح مختار میں ہے کہ یہ قریب ہے واجب کے جس کو طاقت طرف مدینہ منورہ جانے کی ہو: ''المقصد الثالث فی زیارۃ قبر النبی ﷺ قال

مشائخنا رحمهم الله تعالیٰ من افضل المندوبات وفی مناسک الفارسی وشرح المختار انها قریبة من الوجوب لمن له سعة ایضاً والحج ان کان فرضا فالاحسن یبدأ به ثم یثنی بالزیارة وان کان تطوعا کان بالخیار۔''

اسی طرح فتاویٰ عالمگیری جلد اول مطبوعۂ دہلی کے ص ۱۷۱ میں ہے: ''قال مشائخنا انها افضل المندوبات وفی مناسک الفارسی وشرح المختار انها قریبة من الوجوب لمن له سعة''

اس عبارت میں استحباب کے قائلین کے جمع کو مضاف کر کے بیان کیا اور قریب وجوب کے قائل دو کتاب والے بیان کئے۔ اس قرینہ سے یہ جمع مضاف فائدہ استغراق کا دیتا ہے جس کا حاصل یہ ہوا کہ سوائے چند اور دو اشخاص کے کہ وہ قریب وجوب کے قائل ہیں، تمام حنفی مذہب کے مشائخ بلکہ چاروں امام استحباب کے قائل ہیں۔ چنانچہ اتفاق ان چاروں ائمہ کا آگے ہم کتاب مدخل سے ثابت کر دیتے ہیں اور اسی طرح کتاب التوضیح کے ص ۱۴۳ میں ہے: ''لاسیما زیارة قبره الشریف فانها من اعظم القرب وارجی الطاعات وفی شرح المختار وهی افضل المندوبات والمستحبات بل تقرب من درجة الواجبات وهی فی مناسک الطرابلسی نقلا عن مناسک الفارسی انها قریبة الواجب فی حق من کان له سعة''

اسی طرح حاشیہ شامی بر متن درمختار کے ص ۲۷۸ ج ثانی میں ہے: ''وزیارة قبره ﷺ مندوبة بل قیل واجبة''

اور اس کے حاشیہ شامی میں لکھا ہے:

قَوْلُه: ''مندوبة ای باجماع المسلمین کما فی اللباب وما نسب الی الحافظ ابن تیمیة الحنبلی من انه یقول بالنهی عنها وقد قال بعض العلماء انه لا اصل له''

اور اسی طرح علامہ محدث عبد الحق دہلوی﷫ نے ثابت بالسنۃ کے ص ۸۶ میں لکھا ہے: ''وزیارة النبی القرشی الهاشمی المکی المدنی ابی القاسم محمد ﷺ بن عبد الله بن عبد المطلب بن هاشم خاتم الانبیاء والمرسلین صلوٰة الله وسلامه علیه وعلیهم اجمعین مستحبة مندوبة من اوکد المستحبات وافضل القربات قریبة من الواجب فی حق من له سعة وقدرة''

یعنی زیارت کرنا قبر شریف نبی القرشی الہاشمی المکی المدنی ابی القاسم محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ہاشم خاتم الانبیاء والمرسلین کی مستحب اور مندوب ہے زیادہ تر تاکیدی مستحبات اور افضل قربات سے ہے قریب واجب کے (یعنی واجب نہیں) اس کے حق میں کہ جس کو طاقت ہو۔

ان کتب حنفیہ سے زیارت قبر شریف کی مستحب ہونا اور غیر واجب ہونا اظہر من الشمس ہے۔ راقم صاحب اگر حنفی المذہب ہیں تو بعد اس کے ہرگز ان کو زیارت قبر شریف کی واجب کہنا جائز نہیں ہے کیونکہ مقلد کو اپنے امام کی تقلید واجب ہے۔ دیگر واجب کہنا بعض مالکی المذہب کا ماخذ ہے نہ علماء حنفیہ کا۔ فتأمل!

قَوْلُه: دسویں دلیل

بعد رحلت آنحضرت ﷺ کے خلفاء راشدین و دیگر صحابہ و تابعین و تبع التابعین اور جمیع امت مرحومہ کا آج کے دن تک اس امر پر اجماع اور توارث ہو گیا ہے کہ حج کرنے والے زیارت کو ضرور جاتے ہیں اور کسی کو آج تک

انکار نہیں اور جو امر کہ تواترث سے ثابت ہووے اس سے وجوب یقیناً ثابت ہوتا ہے۔ شرح منیہ میں ہے: ''فالثابت بالفعل المتوارث یفید الوجوب''

أَقُولُ: راقم صاحب کو کیا خبط ہو گیا ہے کسی جگہ اوپر نقل کر گئے ہیں اور دلیل لائے وجوب زیارت پر اور کسی جگہ نقل دلیل سے سنت مؤکدہ ثابت کر گئے اور کسی جگہ قریب الوجوب پر دلیل نقل فرمائی اور کسی جگہ استحباب زیارت قبر شریف کی نقل فرمائی دیکھو ہر ایک کی فہرست مع نمبر لکھ دیتا ہوں۔

دلیل پہلی میں واجب نقل فرمایا اور دوسری دلیل ملا علی قاریؒ سے وجوب نقل فرمایا مگر وہ تو غلط اور تہمت علامہ ملا علی قاریؒ پر ہے کیونکہ ملا علی قاریؒ نے اپنی طرف سے نہ واجب فرمایا اور نہ عین واجب فرمایا ہے بلکہ ''قیل'' کے قول کو نقل کر کے بعدہٗ عدم وجوب کو ترجیح دی ہے۔ چنانچہ ذکر اس کا اوپر گذر چکا ہے۔ اور اسی طرح عبارت شفاء قاضیؒ میں بھی راقم نے عتر بود کر دیا اور حذف و تغییر کر کے علامہ قاضی عیاضؒ پر تہمت وجوبِ زیارت کی کر دی ہے چنانچہ اس کی تصریح بھی اوپر گذر چکی ہے۔ اور دلیل چوتھی میں بھی راقم صاحب نے زیارت کو واجب فرمایا ہے اور دلیل پانچویں میں راقم صاحب قریب واجب فرماتے ہیں اور دلیل چھٹی میں عبارت اصل کتاب لی بگاڑ کے غلط عبارت نقل کی اور ساتویں میں مستحبات سے زیارت قبر شریف کو ثابت کیا ہے اور قریب واجب نقل کی ہے اور دلیل آٹھویں میں قریب واجب بیان فرمایا ہے اور نویں دلیل میں استحباب اور قریب واجب بیان فرمایا اور بعض مالکیہ سے وجوب اور سنت مؤکدہ بیان کیا اس کا جواب اوپر گذر چکا ہے اس جگہ دیکھ لو۔ ''فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرَىٰ مِنْ فُطُوْرٍ'' اور پھر اس دلیل دسویں میں اپنی عقلی دلیل کج مج سے راقم پھر وجوب بیان فرماتے ہیں۔ ایک بات اور ایک مذہب پر راقم صاحب ٹھہر جائے اور پھر بحث و تقریر کا میدان اختیار فرماویں تو عین انصاف ہے۔ اجماع اور تواترث بعد حج کے دربارۂ زیارت قبر شریف کا دعویٰ کر کے وجوب زیارت کو ثابت کرتے ہیں۔ اس سے کیا قباحت لازم آتی ہے وہ بھی راقم کو خبر نہیں کیونکہ جناب امام اعظم صاحبؒ کے مذہب سے بیان فرماتے ہیں افضل مندوبات اور اوکد مستحبات زیارت قبر شریف کو اور پھر امام اعظمؒ کے عندیہ اور مذہب کے خلاف کر کے واجب اور عین واجب فرماتے ہیں اور اوپر مقدمہ میں کتب اصول سے مقلد پر تقلید کا اپنے امام کی واجب ہونا اور مقلد کو مجتہد کے خلاف عمل کرنا ممنوع ہے یہ بیان ہو چکا ہے۔ بنا بر اس کے راقم کا اس جگہ اجتہاد کر کے واجب ثابت کرنا باطل ہے۔

دیگر اس دلیل کے باطل ہونے پر ہم کلام کرتے ہیں وہ یہ کہ راقم صاحب فرماتے ہیں یہ حضرت ﷺ کے زمانے سے آج تک تواترث اور اجماع چلے آنے سے بغیر انکار کرنے کسی منکر کے واجب ثابت ہوئی زیارت قبر شریف کی۔ یہ قیاس راقم کا بالکل مع الفارق اور باطل ہے کیونکہ فرض نماز کے واسطے پنج وقتا اذان کہنے اور اقامت کہنے پر برابر تواترث اور اجماع حضرت ﷺ کے زمانے سے آج تک چلا آتا ہے اور بدوں انکار کسی منکر کے اور اس میں اجماع صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین اور ائمہ مجتہدین کا علی الدوام چلا آتا ہے۔ علاوہ اس کے ثبوت اس کا بوجہ احسن باحادیثِ صحیحہ صحاح ستہ وغیرہا سے باتفاق متداول ہے۔ اس طرح فجر کی اذان میں ''الصلوٰۃ خیر من النوم'' کہنا باجماع صحابہ و تابعین اور تبع تابعین اور جمیع مسلمین کا آج تک جاری ہے باوجودیکہ اس کی تاکید میں حدیثیں صحیحہ صریحہ بلا جرح کے کتب ستہ وغیرہا میں موجود ہیں۔ پھر یہ اذان و اقامت اور ''الصلوٰۃ خیر من النوم'' کہنا اذان صبح میں کیوں واجب نہ ہوا؟ زیارت کی حدیثوں سے زیادہ تر حدیثیں اور کچھ تر آثار و احادیث سے

باوجودیکہ اذان واقامت وغیرہ ثابت ہیں مگر کسی نے ایسی غلطی مثل راقم صاحب کے نہ کھائی اور کسی نے واجب نہیں کہا۔ پس بنا بریں دلیل دسویں تطویل بلا طائل ہو کر دعویٰ وجوب کا باطل ہوا اور شرح منیہ کی عبارت کا جب تک راقم صحیح پتہ نہیں بتلائیں تب تک حجت قاصرہ قابل اعتبار نہیں کیونکہ سابق میں جتنی عبارت راقم کی تحریر کی ہوئی گذر چکی وہ کتب حوالہ کے مخالف اور متغیر پائی گئی ہے چنانچہ اوپر ذکر ہو چکا بسط سے۔

قَوْلُهٗ: گیارہویں دلیل

ماہرین علوم فقہ اور حدیث پر خود روشن ہے کہ زیارت نہ کرنے والے کے حق میں کیا وعید ہے؟ کسی حدیث میں ہے کہ زیارت نہ کرنے والے نے مجھ پر ظلم کیا، کسی میں فرمایا کہ اس کا کوئی عذر قبول نہ ہوگا۔ اور وعید واجب یاسنتِ مؤکدہ کے نہ کرنے والے کے حق میں ہی آتی ہے، مستحب کے ترک کرنے والے پر نہیں آتی۔ علامہ عینی بنایہ حاشیہ ہدایہ میں لکھتے ہیں: ''لان الحاق الوعید انما یکون بترک الواجب او السنۃ المؤکدۃ''

اَقُوْلُ: راقم صاحب نے عبارت عینی حاشیہ ہدایہ کی نقل فرمائی۔ یہ جب حجت ہو کہ وعید بطریق صحت کے درجہ قبول کو پہنچی اور یہ وعید درجہ صحت کو نہیں پہنچی ہے۔ دیکھو علماء محدثین نقاد احادیث نے اس بارے میں جو جو حدیثیں آئی تھیں ان میں کسی کو موضوع کسی کو ضعیف لکھا ہے اور کسی نے حسن لکھا ہے مگر جس نے حسن لکھا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ حدیث چند طرق ضعیفہ سے وارد ہوئی اور اصول حدیث کا قاعدہ مسلم ہے کہ جو حدیث ضعیف چند طرق ضعیفہ سے وارد ہو تو اس کا درجہ حسن کے درجہ کو پہنچتا ہے مگر اس کو بموجب اصطلاح اصول حدیث کے حسن لغیرہ کہتے ہیں اور یہ قاعدہ مسلمہ اوائل رسالہ ہٰذا میں لکھا گیا ہے کہ جناب ابوحنیفہؒ کے نزدیک حسن لغیرہ سے واجب ثابت نہیں ہوتا ہے۔

دوسرا جواب لیجئے وہ یہ ہے کہ جب کسی حدیث کو یا اس کے راوی کو بعض نقادِ حدیث جرح کریں اور حدیث کو بسبب جرح کذب کے موضوع کہیں یا بسبب ضعفِ راوی کے حدیث کو ضعیف کہیں اور بعض نے اسی حدیث کے راوی کو ثقہ یا عادل کہا تو باعتبار قاعدہ مسلمہ اصول حدیث کے جرح مقدم ہے تعدیل پر۔

چنانچہ شرح الفیہ عراقی اور نخبۃ الفکر لملاعلی قاری ولحافظ ابن حجر میں بنظر انصاف ملاحظہ فرما کے لاریب فیہ کے صلہ سے سرفراز فرمائیں اور خلعت جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا کی داد دیں اور ہٰذا ہو الحق والحق احق ان یتبع۔ اس رسالہ پر راقم صاحب تحریر فرما کے دستخط کر دیں۔ باوجود اس کے جواب حدیث جنائی کا وجوب ثابت کرنے والوں کو استحباب ثابت کرنے والوں کی طرف سے گذر چکا ہے۔ پس عینی حاشیہ ہدایہ کی عبارت راقم کا نقل کرنا تطویل بلا طائل ہے اور مفید دعویٰ راقم کو نہیں ہے۔ فتامل!

قَوْلُهٗ: بارہویں دلیل

شیخ الہند (شیخ عبدالحق محدث دہلوی) مدارج النبوۃ ج ۲، ص ۱۷۵ اور سطر ۱۷ میں لکھتے ہیں، ذرہ آنکھیں کھول کر دیکھنا چاہیے: ''واما زیارت قبر شریف و مسجد منیف از اعاظم قربات و اعلیٰ درجات ہست بعضی برآنند کے واجب است بر کسی کہ وسعت دارد چنانچہ امام عبدالحق کہ از اعاظم علماء حدیث ذکر کردہ و گفتہ کہ مراد وی از واجب

سنت مؤکدہ است کہ در مرتبہ واجب است و بر ثبوت پیوست کہ آنحضرت ﷺ فرمود کہ من زار قبری الخ و مرویست کہ من وجد سعۃ ولم یزرنی الخ صاحب مواہب گفتہ کہ ایں حدیث ظاہر در حرمت ترک زیارت است زیرا کہ درین جفا و اذائی اوست و جفا و اذائی آنحضرت ﷺ باجماع حرام است پس واجب شد ازالۂ جفا و آں بزیارت خواہد بود پس زیارت واجب شد"

اَقُوْلُ: راقم صاحب نے ابتدا سے اب تک اپنے رسالہ کو کسی جگہ پورے صریح مع ضبط جلد اور صفحہ اور سطر کے نہیں لکھا اور اس جگہ پتہ کامل تحریر فرمایا۔ باعث اس کا یا تو یہ ہے کہ راقم صاحب کو اب تک ڈھنگ نقل عبارت کتب کا نہ تھا، اب اتنی دور جا کے آنکھیں راقم صاحب کی کھلیں اور نقل عبارت کا ڈھنگ پیدا ہوا۔ چنانچہ اسی واسطے ناظرین رسالہ کو بھی آپ فرماتے ہیں کہ ذرا آنکھیں کھول کر دیکھو اور مثل مشہور ہے کہ آپ اندھا غیر کو اندھا جانتا ہے اور آپ بہرا غیر کو بہرا جانتا ہے اور باتیں کرتا ہے کسی سے تو خوب چلا کے آواز نکالتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ میں بہرا تو سب بہرے۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ! یا پتہ اس طرح تصریح دار باعث لکھنے کا یہ ہو کہ راقم صاحب نے اپنے زعم میں یہ جان لیا ہو کہ یہ عبارت میرے مدعائے مضطرب کے ثبوت میں بے نظیر ہے گو کہ فی الحقیقت کچھ بھی نہیں ہے۔ چنانچہ ادنیٰ تامل سے اہل علم کو روشن ہے یا یہ خیال راقم صاحب کو اتنی دور جا کے ہوا کہ ایسی ایک لاف ماردوں کہ معتقدین خوش ہو جائیں کہ ہمارے راقم صاحب کیسی تحریر سینہ زوری سے کہہ رہے ہیں شاید یہ دلیل بہت قوی ہے تو معلوم ہو کہ اس کی پہلے کی دلیلیں لچر پوچ تھیں کہ ان میں ایسی تصریح نہیں کی ہے۔ راقم صاحب آپ کی خدمت عالیہ میں ہم ناظرین کی گذارش ہے کہ ہم ذرہ کیا آنکھیں آپ ہی خوب طرح آنکھیں کھولیں اور دربارہ مرۃ بعد مرۃ اور کرۃ بعد کرۃ بار بار نظر غور و تعمق کے چاہو تو عینک ہی لگا لیجئے اور مولانا عبدالحق محدث دہلوی کی مدارج النبوۃ کو ملاحظہ فرمایئے تو آپ پر واضح ہو گا کہ مولانا کا فرمانا آپ کے مدعا کو مفید و مجت ہے یا ہم کو مفید و مجت ہے چنانچہ اس بات پر ہم علماء ہند کو انصاف دے کے ان سے فتویٰ چاہتے ہیں۔ وہ جو فتویٰ اور حکم گردانیں اور وہ جو انصاف دیں اس پر عمل کریں چنانچہ بنا بریں علماء ہند سے ہم فتویٰ چاہتے ہیں جب وہ فتوے آجاویں گے تو ان شاء اللہ ہم اس کے اخیر میں بلاکم و بیش تحریر کے چھپوا دیں گے تاکہ ہر خواص و عوام جانیں کہ راقم صاحب کی نظر و فہم میں فرق اور راقم کو آنکھیں کھولنے کی حاجت ہے یا ہم ناظرین کو۔ جو عبارت بڑے زور و شور سے لکھی ہے فارسی میں، اس کا ترجمہ اردو میں ہم لکھ دیتے ہیں کہ جس سے ناظرین کو خوب معلوم ہو جاوے کہ زیارت قبر شریف کی حنفی مذہب میں مستحب ہے اور مالکی مذہب کے بعض اہل علم کے نزدیک واجب اور مراد واجب سے وہ واجب نہیں ہے کہ جو فقہاء عظام حنفیہ کے اصطلاح میں جس کو واجب کہتے ہیں بلکہ مراد واجب سے بمعنی ثابت کے ہے چنانچہ اس کی تصریح اس کے سابق میں گذر چکی ہے۔

ترجمہ: اور زیارت کرنا قبر شریف اور مسجد منیف کی اعظم قربات اور اعلیٰ درجات سے ہے۔

منیف کے معنی بلند کے ہیں یعنی مولانا عبدالحق دہلوی حنفی نے حنفی مذہب کے موافق استحباب زیارت قبر شریف کا اوّلا بیان کر دیا اب یہاں سے مالکی مذہب کے بعض کا اور شافعی المذہب کے بعض کا حکم بیان کرنا شروع کیا اور کہا: بعضے اوپر اس بات کے ہیں کہ واجب ہے اوپر اس شخص کے جو مقدور رکھتا ہو جس طرح امام عبدالحق صقلی جو اعاظم علماء حدیث سے ہیں (مگر یہ مالکی ہیں حنفی نہیں ہیں) ذکر کرتے ہیں کہ مراد اس کے واجب سے سنت مؤکدہ ہے جو مرتبہ واجب کے درجہ کو ہے۔ آخر تک۔

اور آگے جا کے صاحب مواہب اللدنیہ کا قول نقل کرتے ہیں جو شافعی ہیں اور خود راقم صاحب نے اوپر ابو حنیفہ کے نزدیک مستحبات سے ہونا زیارت قبر شریف کا بیان کر دیا ہے اور ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ مقلد پر اپنے امام کی تقلید واجب ہے نہ غیر کی اور مخالفت مقلد کو اپنے مجتہد کی ہرگز درست نہیں ہے لہٰذا بنا بریں در مختار میں ہے زیارت مستحب ہے اجماع مسلمین سے چنانچہ شامی نے اور ملا علی قاری حنفی اور ابن ہمام صاحب فتح القدیر وغیرہ علماء احناف سلف و خلف نے تصریح کی ہے۔ اور جواب حدیث جفانی کا بھی اوپر گذر چکا کہ جس طرح جفا کا اطلاق وجوب کے واسطے ہوتا ہے اسی طرح استحباب کے واسطے بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ دلیل تیرھویں میں کچھ نئی بات پیدا نہیں ہوئی بلکہ جو باتیں ہٹ دھرمی کی اوپر راقم صاحب لکھ چکے ہیں اور اس کی غلطیاں اور خطائیں اور دندان شکن جواب ہو چکے ہیں اسی کو اپنی خوگیر بھرنے گنتی کی تیرھویں دلیل بھی لکھی ہے اب ثابت ہو گیا کہ ذرہ آنکھیں کھولنے کے بدلے میں راقم صاحب کو اچھی طرح آنکھیں کھولنی چاہئیں مطلب مواہب کی عبارت سمجھنے کو۔ فَافْهَمْ!

راقم صاحب کے فہم کی کجی پر مولانا عبدالحق محدث دہلوی کی جذب القلوب کا ترجمہ مرغوب القلوب کے ص ۲۱۳ میں تصریح ہے۔ ''باب پندرھواں بیان حکم زیارت قبر اعطر و اطہر و اقدس سید الانس والجان ﷺ میں کہ واجب ہے یا مستحب الخ۔ زیارت حضرت سید المرسلین ﷺ کی باجماع علماء دین قولاً و فعلاً سب سنتوں سے افضل ہے اور سارے مستحبات سے مؤکد تر۔ قاضی عیاضؒ کہتے ہیں کہ زیارت قبر شریف رسول اللہ ﷺ کی وہ سنت ہے جس پر سب کا اجماع ہے اور وہ فضیلت ہے جس میں سب کی رغبت ہے اور بعضے علماء مالکیہ اس کو واجب کہتے ہیں اور دوسرے اس قول کی تاویل سنت واجبہ سے کرتے ہیں اور گویا مراد سنن واجبہ سے سنن مؤکدہ ہیں اور آگے جا کر بیان کرتے ہیں کہ قاضی ابو الطیب کہتے ہیں کہ بعد حج و عمرہ کے مستحب ہے کہ حضرت ﷺ کی زیارت کا قصد کرے۔ اور حسن بن زیاد امام اعظم ابو حنیفہؒ سے روایت کرتے ہیں: احسن بات حاجی کے واسطے یہ ہے کہ پہلے مکہ میں آوے مناسک حج بجالاوے بعدہٗ اس کے مدینہ میں آوے اور زیارت سے مشرف ہو اور حضرت ﷺ کی زیارت حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک سارے مندوبات سے افضل ہے اور سارے مستحبات سے مؤکد کہ قریب بدرجہ واجبات ہے۔ دوسری جگہ مولانا عبدالحق دہلویؒ فرماتے ہیں ہر سنت صحیحہ متفق علیہا جو زیارت قبور کے باب میں وارد ہوئی ہے زیارت قبر شریف سید المرسلین ﷺ کے باب ثبوب استحباب میں کافی ہے کیونکہ قبر سید المرسلین ﷺ سید القبور ہے اس کی زیارت بطریق اولیٰ مستحب ہوگی اور اجماع امت فضیلت زیارت قبر شریف اور اس کے استحباب پر مذکور ہو چکا ہے۔ پھر دوسری جگہ مولانا عبدالحق اس میں فرماتے ہیں پس جب دوسروں کے قبور کی زیارت مستحب ہوئی تو زیارت قبر مبارک سلطان زمین و زمان سرور کون و مکان ﷺ ما تعاقب الملوان و دار القمران بطریق اولیٰ مندوب و مستحب ہوگی۔ اسی کتاب میں دوسری جگہ ص ۲۱۸ میں ہے کہ: ''پس ہر گاہ زیارت قبر شریف کا استحباب ثابت ہوا مشروعیت و استحباب سفر بھی اس کو لازم ہے۔''

راقم صاحب! آپ تو عادت کے موافق جذب القلوب کی عبارت غیر مفید آپ کے دعویٰ کو حذف کر کے تھوڑی عبارت نقل کر کے خم ٹھوک میدان مجادلہ میں کود پڑے مگر دیکھو یہ تمام عبارتیں بھی اسی جذب القلوب کی ہیں اور علانیہ یہ عبارت پکار رہی ہے کہ ہمارے علماء احناف کے نزدیک اور حنفی مذہب میں خاص کر جناب امام اعظمؒ کی روایت سے زیارت قبر شریف کی مستحب ہے اور بعض مالکیہ کے نزدیک واجب یا سنت مؤکدہ ہے اب تو انصاف سے فرما دیں راقم صاحب! کہ آنکھیں کس کو کھولنی چاہئیں؟ فتنبہ!

قولہ: تیرہویں دلیل

تعلیق الممجد علی الموطا لمحمد میں ہے: "اختلف فیه بعد ما اتفقوا علی ان زیارة قبره ﷺ من اعظم القربات و افضل المشروعات و من نازع فی مشروعیة فقد ضل و اضل فقیل انه سنة ذکره بعض المالکیة وقیل انه واجب وقیل قریب من الواجب وهو فی حکم الواجب مستدلا بحدیث من حج الخ اخرجه ابن عدی و دار قطنی وغیرهما"

اقول: راقم صاحب اس میں آپ کا کیا فائدہ ہے سوائے خوگیرا اپنے بھرنے کے؟ اس میں آپ نے افضل المشروعات واعظم القربات نقل فرمایا علی العموم تو اس سے استحباب زیارت قبر شریف کا ثابت ہوا تو اس سے ہمارا دعویٰ ثابت ہوا تمہارا کیا فائدہ ہوا؟ وہ بیان فرمایئے، جواب دندان شکن بفضلہ تعالیٰ دیا جاویگا اور جملہ "ومن نازع فی مشروعیته فقد ضل واضل" سے جواز ثابت ہوتا ہے تو ہم اس سے زیادہ اقرار کرتے ہیں کہ ہم جواز اور اباحت سے بڑھ کر استحباب کے قائل ہیں۔

باقی رہا "قیل" نے کہا سنت ہے، وہ مالکیہ ہیں۔ اور قیل نے واجب کہا ہے، وہ بھی بعض مالکیہ مثل ابو عمران الفاسی ہیں۔ اور قیل نے کہا قریب الواجب وہ قیل ہی ہیں۔ تین قیل آپ نے بیان فرمائے ان تین قیل میں سے راقم صاحب کسی قیل پر ایمان لائے یا نہیں وہ نہ بیان فرمایا اور علی کل حال یہ صیغہ تمریض بنا بر اصطلاح اصولیین ہے اس کا کیا اعتبار ہے؟ کیونکہ یہ قول مرجوح اور ضعیف ہے لہٰذا ترجیح اس کی بلا مرجح باوجود اس کے مذہب حنفی کی جو بات آپ کی سابق تحریر سے اور میرے منقولات سے ثابت ہو چکی ہے وہ استحباب ہے اور ماسوا اس کے جتنے اقوال ہیں وہ غیر مذہب والوں کے اور اقوال علماء احناف کے خلاف ہیں لہٰذا ہمارے واسطے وہ اقوال حجت نہیں ہیں اگر حنفی مذہب کے خلاف آپ عمل فرماویں یا عمل کراویں تو اس کی ذمہ داری آپ کو ہے۔

مارا چہ ازیں غرض کہ گاؤ آمد و خر رفت

"وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی"

پس راقم صاحب کی عبارت سے بھی ہمارا دعویٰ استحباب کا ثابت ہوا، فھو المراد! اگر اس سے زیادہ تفصیل کی خواہش ہو تو اس کا جواب الجواب لکھنا اس طرف سے برابر جواب مسکت دیا جائے گا کہ جس سے کوئی آپ کا شک باقی نہ رہے گا۔ "فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ اَنَابَ"

قولہ: چونکہ یہ مقام تفصیل کا نہیں لہٰذا یہ چند ادلہ بطور مشتے نمونہ از خروار لکھے گئے ورنہ ادلہ وجوب کے بفضلہ تعالیٰ بہت ہیں یہ چند اقوال بڑے بڑے علماء کے نقل کئے گئے اور دکھایا گیا کہ ان علماء کے نزدیک زیارت یا تو عین واجب ہے یا قریب واجب جو حکم میں واجب کے ہے بہرحال ہمارا مدعا ثابت ہے۔ اب سنئے وہ اقوال کہ جن سے سنت مؤکدہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔

اقول: راقم صاحب جب ہمارے اس رسالے کو ملاحظہ فرمائیں گے تو یہ چند ادلہ کہنے کو فراموش ہو کے ساکت ہو بیٹھو گے۔ وہ تو جانتے نہیں اور فوقیت مارتے ہیں کہ یہ چند ادلہ بطور مشتے از خروار لکھے گئے اس میں کونسی دلیل موافق مذہب حنفی کے ہے اور جمہور علماء اور جم غفیر علماء احناف ﷭ جس طرف ذہاب کر گئے ہوں وہ لکھے ہوں تو

برائے قسم ایک بھی ثابت کر جتلائے کے فوقیت عوام کو دھوکا دینے کا جو کوئی مارے تو اس کو ہم کیا کہیں سوائے بے حیائی اور شوخ چشمی فماذا بعد الحق الا الضلال کے اور کیا جواب ہوگا؟ علاوہ اس کے جتنی عبارت کج مج حذف وتحریف وتبدیل کر کے کشکش نقل فرمائی ہے تمام اقوال مذہب مالکی اور شافعی اور اہلِ ظواہر کے ہیں وہ بھی مالکی مذہب کے دو تین اور شافعی مذہب کے دو تین اپنے اپنے مذہب کے امام اور مجتہد کے مخالفت کے اقوالِ مردودہ تاویل کردہ شدہ کہ جو سراسر مخالف مذہب حنفی کے ہیں اور ہمارا یہ اعتقاد ہے کہ مذہب حنفی والوں کو خلاف مذہب حنفی کے عمل کرنا اور کرانا حرام ومردود ہے۔ جس کو راقم صاحب بڑے بڑے علماء فرماتے ہیں زیارت کے واجب کہنے والوں کو ان میں سے ایک کو حنفی المذہب صحیح طور سے ثابت کردیں تو دس روپے ہم انعام دیویں گے۔ اور راقم صاحب یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ ''بہرحال ہمارا مدعا ثابت ہے'' بے شک اگر راقم صاحب مالکی مذہب کے ابوعمران الفاسی اور عبدالحق صقلی مالکی اور شافعی المذہب کے علماء اور اہلِ ظواہر کے مقلد ہوں یا ان کی جماعت سے ہوں، حنفی المذہب نہ ہوں تو برابر دعویٰ وجوب اور سنت مؤکدہ ہونے کا ان کے مذہب کے موافق ثابت ہوا، ورنہ یہ بکنا فضول ہے۔

قَوْلُہٗ: علامہ ابن حجر مکی نے خاص اسی مسئلہ میں دو رسالے لکھے ہیں کہ زیارت سنت مؤکدہ ہے۔

أَقُوْلُ: اگر یہ لکھا ہے تو خلاف جمہور ہے اور خرقاً لاجماع المسلمین ہے چنانچہ اوپر تصریح گذر چکی ہے فلایعبأ بہ! دیگر علامہ ابن حجر مکی شافعی المذہب ہے لہٰذا جو ان کے مقلد ہوں ان کو یہ حجت ہے ہمارے حنفیہ کے واسطے قول علامہ ابن حجر مکی کا حجت نہیں ہے، ''فلا سبیل للمقلد الاتقلید مجتھدہ'' فتنبہ!

قَوْلُہٗ: دوسری دلیل: دوسری جذب القلوب میں ہے کہ جن مالکیوں نے وجوب کا قول لیا ہے اس سے سنت مؤکدہ مراد ہے۔

أَقُوْلُ: آفرین راقم صاحب خود منہ سے اقرار کرتے ہیں کہ سنت مؤکدہ کہنے والے مالکی مذہب والے ہیں اور دلیل پکڑتے ہیں حنفی والوں کے مقابل میں جناب راقم صاحب ذرا انصاف کو گوشۂ دل میں جگہ دے کے غور فرمایئے کہ مستحب کہنے والا دعویٰ کرتا ہے کہ ہمارے حنفی مذہب میں جمہور کے نزدیک بلکہ اجماع کے ساتھ زیارت مستحب ہے اور اس کے مقابل میں علی سبیل الرد مالکی مذہب سے سنت ثابت کر رہے ہو تو یہ دلیل مخالف مذہب حنفی کے مقلدین امام اعظمؒ کیونکر تسلیم کریں اور آپ کو یہ دلیل پکڑنا بھی کب جائز ہے چنانچہ اوپر کماحقہٗ تفصیل گذر چکی ہے۔ فتأمل!

قَوْلُہٗ: تیسری دلیل: شفا میں ہے کہ زیارت سنت ہے مسلمانوں کی سنتوں میں سے اور اس پر امت کا اجماع ہے۔

أَقُوْلُ: راقم صاحب خدا جانے کیا مذہب رکھتے ہیں معلوم نہیں ہوتا! کبھی مالکی مذہب والوں کی دلیل اور کبھی شافعی مذہب کی دلیل پکڑتے ہیں اور یہ تلفیق ہے اور تلفیق باتفاق علماء باطل ہے اتنا بھی راقم نہیں جانتے۔ اگر اسی طرح ہر کدام عمل کرے تو پھر کوئی بات کی قید اور حرمت وغیرہ باقی نہ رہے اور حدود شرع تمام موقوف ہو جاویں چنانچہ کسی لبیب نے کہا ہے۔

شافعی گفت کہ شطرنج مباح است مدام	کج مبازید کہ جز راست نفرمود کلام
بوحنیفہ بہ ازیں گفت در احوال شراب	کہ زجوشیدہ بخور تا نہ بود بر تو حرام
حنبلی گفت چو در ورطۂ غم درمانی	امد کے بنگ بخور سوئے احبا بخرام

گر کنی پیروی مفتی چارم مالک — اوہم از بہر تو تجویز کند وطی غلام
بنگ ومی نوش کن وکون زن وخوش باز قمار — کہ مسلمانی بریں چار امام است تمام

یہ کیا خبط ہو گیا ہے کہ رطب و یابس مثل حاطب اللیل کے جو قول دیکھا وہ نقل کرلیا۔ بارہا ہم عرض کر چکے کہ حنفی مذہب کے متعدین و محققین کے اقوال سے اپنا دعویٰ ثابت کرو تسلیم کریں گے، ورنہ بکواس کرنا خلاف مذہب حنفی کے کیا فائدہ ہے؟ اچھا قسم کھا کے آپ فرماتے ہو کہ صاحب شفاء حنفی المذہب ہے اور یہ کتاب حنفی المذہب کی ہے؟ ہرگز آپ یہ نہ فرماؤ گے۔ پھر یہ صاحب شفاء مالکی مذہب ہے اس نے اپنے مذہب کے موافق سنت کہہ دیا ہو تو ہمارے مذہب حنفی کے خلاف کیا ہم بھی اس کو سنتِ مؤکدہ کہیں اور حنفی مذہب کی تقلید چھوڑ کے بلا ضرورت مالکی مذہب کی تقلید کریں یہ کیسی ہٹ دھرمی کی بات ہے نعوذ باللہ۔ علاوہ اس کے حضرت قاضی عیاضؒ صاحب تو مسلمانوں کی سنت کہتے ہیں اس سے سنت مؤکدہ کس طرح ثابت ہوئی۔ بَیِّنُوْا تُؤجَرُوْا اور اس کی تفصیل بھی گذر چکی ہے۔

قَوْلُہٗ: چوتھی دلیل: اختصر مناسک الولی میں ہے کہ سنتِ مؤکدہ ہے۔

أَقُوْلُ: اس سے کیا فائدہ ہے آپ کے دعوے کے بھی خلاف اور ہمارے دعوے کے بھی خلاف ہے باوجودیکہ مصنف اس کے مذہب حنفی والے نہیں ہیں اور ذکر اس کا اوپر گذر چکا ہے۔ فتأمل!

قَوْلُہٗ: پانچویں دلیل: خود علامہ عبدالحق کے نزدیک زیارت سنتِ مؤکدہ ہے کمافی التہذیب الطالب۔

أَقُوْلُ: راقم صاحب کی چالاکی اور دھوکا دیکھو کہ لکھتے ہیں کہ "خود علامہ عبدالحقؒ کے نزدیک الخ" مگر کوئی بشر اس سے دھوکا نہ کھاوے کہ مراد عبدالحق سے علامہ مولانا عبدالحق دہلوی حنفی ہوں گے بلکہ عبدالحق صقلی دوسرے ہیں جو مالکی مذہب کے اوپر گذر چکے ہیں اور جب یہ عبدالحق مالکی سنت مؤکدہ کہنے والے غیر حنفی المذہب ہیں تو پھر مولانا عبدالحق دہلوی حنفیؒ جو اپنی تالیفات میں مثل جذب القلوب وغیرہ میں زیارت قبر شریف کو مستحب کر کے لکھتے ہیں اس کو چھوڑ کے غیر مذہب کے عالم کے قول کو دلیل پکڑنا کیسی بے انصافی اور تعصب ہے۔ فتأمل!

قَوْلُہٗ: (افضل ہونے کو واجب ہونے میں کوئی دخل نہیں) جواب جاننا چاہئے اصول فقہ میں یہ مصرح ہے کہ مامور بہ میں صفت حسن ضرور ہے۔ الخ!

أَقُوْلُ: راقم صاحب ایک نقل بحسب حال مجھ کو آپ کے جواب لکھنے پر یاد آئی ہے کہ "سوال از آسماں جواب از ریسماں" مولوی غلام محمد صاحب کلام کر رہے ہیں کہ افضل ہونے کو واجب ہونا ضروری نہیں مثل تحیۃ الوضو بعد وضو کے ادا کرنا افضل ہے باوجودیکہ یہ واجب نہیں ہے اسی طرح درمیان وضو کے اور بعد وضو کے بعض اذکار کا پڑھنا افضل ہے لیکن وہ پڑھنا واجب نہیں ہے، اسی طرح غسل جمعہ اور غسل کافر غیر جنبی کا بوقت اسلام لانے کے افضل ہے مگر واجب نہیں تو پھر راقم صاحب! ایسی کوئی مثالیں فرما کے اور تقریر صحیح سے کوئی دلیل قوی متفق علیہ قائم کر کے جواب دیا ہوتا کہ جو فعل افضل ہو وہ واجب ہے تو جواب آپ کا مسلم تھا اور اسی طرح ہر حسن لعینہ بھی واجب نہیں ہے اور ہر حسن لغیرہ بھی واجب نہیں ہے علاوہ اس کے ہر خبر کہ صحیح ہو یا حسن یا ضعیف ہو، مفید ظن ہو یہ بھی غیر مسلم ہے، اگر ثابت ہو سکے تو بیان کرو، جواب باصواب دیا جائیگا اور جن حدیثوں سے زیارت ثابت ہے وہ حدیثیں بالاتفاق نہ صحیح ہیں اور نہ بالاتفاق حسن لعینہ ہیں بلکہ بعض محدثین نے ضعیف فرمایا ہے اور بعض نے موضوع اور بعض نے حسن لغیرہ اور حسن لغیرہ مفید وجوب نہیں ہے اور آپ کی تحریر سابقہ سے واضح ہے کہ امام اعظمؒ کے

نزدیک زیارت مستحبات سے اور خلاف اپنے مجتہد آپ کو عمل کرنا اور کرانا جائز نہیں ہے چونکہ مقلد کو اپنے مجتہد کی تقلید کے سوائے چارہ نہیں ہے۔

قَوْلُہٗ: (حنفی مذہب میں زیارت مستحب ہے اور اس پر اجماع ہے سب علماء کا)

الجواب مانع کیسے قبول کریگا دعویٰ اجماع کا ٹھیک ہے اس نے تو......الخ

اَقُوْلُ: راقم صاحب! آپ کی نظر کتب فقہ حنفی متداولہ پر بھی معلوم ہوتا ہے کہ بالکل پڑی نہیں ہے ورنہ ایسے خرافات وہزایانات باتیں نہ فرماتے الوہم آپ کو بتلائے دیتے ہیں دیکھو شامی مطبوعہ مصر کی ج ثانی ص ۲۷۸ میں ہے وزیارۃ قبرہ مندوبۃ یہ عبارت درمختار کی ہے اس کا حاشیہ شامی میں ہے:

قَوْلُہٗ: مندوبۃ ای باجماع المسلمین کما فی اللباب۔الی آخرہ!

لیجئے راقم صاحب! اب کیا فرماؤ گے آپ نے خوگیر بھری ہے شافعی اور مالکی مذہب والوں کے اقوالوں سے آپ نے ایک دلیل بھی وجوب زیارت پر حنفی مذہب کی کتب فقہ معتبرہ متداولہ سے نقل نہیں فرمائی ہے مگر جیسے ہم آپ کو دلیل ہماری کتب حنفیہ سے ثابت کر بتلاتے ہیں اس طرح آپ ایک حنفی مذہب کی کتاب سے یا کسی معتمد عالم حنفی سے واجب ہونا یاسنت مؤکدہ ہونا زیارت کا ثابت کردو تو ہم آپ کی علمیت کے قائل ہوں ورنہ ایسی تلفیق سے کیا فائدہ ہے؟ کیونکہ تلفیق ہمارے مذہب حنفی میں باطل ہے اور یہ مسئلہ مسلمہ متفق علیہا ہے اگر آپ کے پاس کوئی دلیل تلفیق کے جواز پر ہو تو پیش کرو جواب دیا جاویگا اور یہ دروغ گوئی بے فروغ ہے کہ حنفی علماء کے قول برابر ہم نقل کرتے چلے آتے ہیں کہ زیارت واجب ہے۔لاحول ولاقوۃ الا باللہ!

او پر تصریح کرتے چلے آئے ہیں کہ جتنے قول وجوب کے بیان کئے سب قول بعض مالکی اور بعض شافعی مذہب کے علماء کے ہیں یہ بھی نہیں کہ اس مذہب کے امام مجتہد کے قول نقل کئے ہوں یا اس مذہب کے جمہور علماء کے اقوال ہوں اور ظاہر وباہر ہے کہ بعض تو بعض ہی ہیں کل یا اکثر نہیں ہو سکتے، اتنا بھی راقم صاحب کو خیال نہ رہا کہ میں خود جناب امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے قول مستحب ہونے کو نقل کر چکا ہوں پھر میں کیا لکھتا ہوں۔افسوس اس تعصب پر۔

قَوْلُہٗ: دوسرے یہ کہ علامہ سندھی اور ملا علی قاری اور علامہ شرنبلالی وشیخ عبدالحق دہلوی وغیرہ آپ کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ نہ حنفی مذہب تھے اور نہ مذہب کی انہیں کچھ خبر تھی اگر آپ جیسے حنفی ہوتے یا حنفی مذہب کے مسئلہ سے خبردار ہوتے تو کیوں وجوب کا قول کرتے بلکہ آپ کی طرح مستحب ہونا کہتے۔

اَقُوْلُ: راقم صاحب! آپ کو کیا ہو گیا آپ جو دل میں آتا ہے وہ تعصب سے بیان فرماتے ہو اور اعتراض اور طعن وتشنیع غیر پر کرتے ہو۔شاباش! چوری اور سرزوری۔جن علماء کے نام آپ نے تحریر فرمائے ہیں بے شک وہ حنفی مذہب تھے اور حنفی مذہب کے مسئلے بیان فرماتے تھے مگر اتنی بات کہ وہ......علماء حنفی نہ تھے کہ جن حنفی مذہب والوں کا نمک کھاویں انہیں کا مذہب بگاڑیں اور ان کے مذہب کے مسئلوں کو ان پر خلط ملط کردینا اور غیر مذہب کے مسئلوں کو ان پر پیش کرنا حنفی مذہب کے مسئلے کہہ کر ان کا کام نہ تھا اور تلفیق کرواکے عوام کو ورطۂ حیرانی میں ڈالنا ان کا کام نہ تھا اور مولوی غلام محمد صاحب کا بھی ایسا کام نہیں ہے اس کا انصاف اپنے دل سے چاہو۔بس ہے راقم صاحب! علماء مذکورین وموصوفین کو اتہام دیتے ہیں کہ یہ وجوب زیارت کے قائل ہیں، خود تمہارے اقوال منقولہ دال ہیں کہ آپ کو زیارت پر کوئی دلیل حنفی مذہب کے علماء سے دستیاب نہ ہوئی تو آخر کو اپنی خوگیر تمام اقوال مالکیہ اور اقوال شافعیہ سے بھردی اگر ان

علماء سے وجوب ثابت ہوتا تو جس طرح مالکی اور شافعی مذہب کے بعض علماء سے عبارت نقل کر چکے ہو ویسی ان سے بھی وجوب کی صریح عبارت نقل کرتے مگر ان سے استحباب ثابت ہے، چنانچہ ان میں سے مستحب ہونا زیارت ان کے اقوال سے اوپر بیان کیا گیا ہے دوبارہ ہم اعادہ نہیں کرتے اور آپ نے جن علماء سے وجوب بیان کیا ہے ان کی عبارتوں کو بگاڑ کے کہیں حذف، کہیں تحریف کر کے لکھے ہیں چنانچہ آپ کے ہر قول کے تحت میں تصریح وتشریح اس کی کر دی۔ ہے دیکھو اگر فرق ہو تو بیان فرمائیے جواب دیا جائے گا۔ ایسے طمع سے کام نہیں نکلتا ہے بلکہ ہم نے اوپر ثابت کر دیا ہے کہ وجوب زیارت آپ نے کسی مذہب حنفی کے فقیہ سے ثابت نہیں کر دکھایا یہ سب آپ کی لفاظی ہے کہ آپ تحریر فرماتے ہو کہ میں نے حنفی مذہب کی کتابوں سے وجوب ثابت کر دیا۔ نعوذ باللہ وعید لعنۃ اللہ علی الکاذبین سے عبرت پکڑ کے کذب گو اپنی کذب سے باز رہیں تو خیر المرام ہے ورنہ الصدق ینجی و الکذب یہلک انجام ہے۔

قَوْلُه: تیسری زیارت مستحب ہونے پر اجماع جو آپ کہتے ہیں یہ عبارت شامی کی ہے، الخ!

أَقُوْلُ: راقم صاحب یہ کیا آپ کے قول میں تناقض اور تعارض ہے ابھی آپ بیان کر چکے کہ کسی نے اجماع تمہارے سوائے نقل نہیں کیا ہے اور اب آپ ہی اقرار کرتے ہو کہ شامی نے اجماع لکھا ہے۔ خیر باوجود اس کے ہم درگذر کرتے ہیں بمصداق الکاذب قد یصدق کے یہ قول آپ سے بعینہ راست گوئی ثابت کرتا ہے۔ اب آپ نے جب اجماع لکھنا شامی کا استحباب زیارت پر مان لیا تو دوسرا خدشہ آپ کا ہم دور کرتے ہیں ایک ادنیٰ تامل کے ساتھ آپ تسلیم فرمالیں گے وہ رافع خدشہ قول شامی کا لا اصل لہ ہے۔ اسی طرح علامہ ملا علی قاری کا قول ای من غیر عبرۃ بما ذکرہ بعض المخالفین ہے اسی طرح قول علامہ ابن حجر کا جواہر المنظم میں فمن خالف فی مشروعیۃ الزیارۃ فقد خرق الاجماع الی آخرہ اور قول صاحب عالمگیری کا قال مشائخنا انہا افضل المندوبات اسی طرح قول صاحب فتح القدیر کا زیارۃ قبر النبی ﷺ قال مشائخنا رحمہم اللہ من افضل المندوبات اسی طرح قول مولانا عبد الحق دہلویؒ کا جذب القلوب سے گذر چکا ہے۔

خلاصہ اس کا یہ ہے کہ ہمارے حنفی مذہب کے علماء کا زیارت قبر شریف کے مستحب ہونے پر اجماع ہے اور بعض مخالفین مذہب والوں کے اقوال کا اعتبار نہیں ہے چنانچہ تصریح اس کی علامہ شامی اور ملا علی قاریؒ نے کر دی ہے۔ اب آپ ان سے تو بڑھ کر علمیت اور فہمیت وغیرہ میں نہیں ہو کہ آپ ان پر رد کرو گے اور آپ کے رد کو ان علماء مذکورین کے مقابل میں کوئی قبول کرے، یہ زعم بے فہم ہے خدا بچائے۔

قَوْلُه: (عبارت سے آپ واجب ثابت کرتے ہیں اس سے مستحب ثابت ہوتا ہے) الجواب: آپ کے نزدیک شامی کی اس عبارت سے مستحب ثابت ہوتا ہوگا ورنہ موافق قاعدہ اصول فقہ اور نحو کے تو اس سے تو واجب ہی ثابت ہوتا ہے چنانچہ ان شاء اللہ ہم ثابت کر دکھلاتے ہیں۔

أَقُوْلُ: اس واجب سے مراد مستحب ہے اس کا ثبوت مع تمثیل اس کے ہم بیان کر چکے ہیں دیکھ لو اور باوجود اس کے آپ کے کہنے کے موافق ہم بھی کہہ دیتے ہیں کہ جب آپ ثابت کر دکھاؤ گے تو ہم بھی تم کو استحباب ثابت کر دکھائیں گے۔ ان شاء اللہ!

قَوْلُه: (اس لئے کہ اس میں لفظ مندوبۃ موجود ہے) أقول: اس سے کیا ہوتا ہے یہ تو ہمارے ہی مفید مدعا ہے۔ الخ!

أقُولُ: واہ راقم صاحب! جناب مولوی غلام محمد صاحب لفظ مندوب استحباب زیارت کے واسطے نقل فرماتے ہیں اور آپ فرماتے ہیں اس سے کیا ہوتا ہے۔ استحباب زیارت ثابت ہوتا ہے۔ حنفی مذہب میں جو حنفی مذہب اس بارے میں ہے وہی ہوتا ہے جو آپ واجب فرماتے ہو اس کا رد ہوتا ہے اور جو راقم صاحب آگے جاکے فرماتے ہیں کہ فقہاء اور اصولیین مندوب اور مستحب بول کے سنت مراد لیتے ہیں تو راقم صاحب کی نقل کی ہوئی عبارت شامی اور ہدایہ اور آفندی وغیرہ سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ مندوب کہہ کر سنت مراد لی ہو بلکہ ان عبارتوں سے مستحب کا اطلاق سنت پر صادق ہوتا ہے اور وہ بھی جس جگہ ایسا تساہل کسی فقیہ سے ہوتا ہے تو محشی اور شارح اس سے مراد بیان فرما دیتے ہیں چنانچہ مواضع مذکورہ سے واضح ہوتا ہے اور اس جگہ باب زیارت میں اگر تساہل ماتن سے ہوئی ہوتی تو ضرور محشی یا شارح تصریح یہاں فرما دیتے مگر جب تصریح کسی محشی یا شارح نے نہیں فرمائی باوجودیکہ تمام حنفی مذہب کی کتابوں میں الفاظ استحباب ومندوب بھی ہیں تو پھر ہم کو تاویل بلا وجہ اور بلا ضرورت کی کر کے دخل در معقولات دینے کی کیا ضرورت ہے؟ اور جو عبارت توضیح کی راقم صاحب نے فرمائی ہے وہ غلط ہے۔ راقم صاحب لوگوں کو دھوکا دیتے ہیں۔ دیکھو توضیح مطبوع نولکشور ص ۴۳۵ ومطبوع کلکتہ ص ۳۰۹ باب فی الحکم میں اس طرح ہے: "فان کان الفعل اولیٰ من الترک مع منعه ای منع الترک فان کان هذا ای کون الفعل اولیٰ من الترک مع منع الترک بدلیل قطعی فالفعل فرضی وبظنی واجب وبلا منعه فان کان الفعل طریقة مسلوکة فی الدین فسنة والا فنفل ومندوب"

اس عبارت سے صاف معلوم ہوا کہ مندوب سنت کا قسیم اور مقابل ہے۔ اسی طرح نور الانوار وغیرہ کتب اصول میں احکام شرعیہ کی اقسام مستحب اور سنت اور واجب اور فرض اور حرام اور مکروہ تحریمی اور مکروہ تنزیہی بیان فرمائی ہیں اور ہر ایک کی تعریف بھی ذکر فرمائی ہے۔ اس جگہ تاویل کی حاجت نہیں ہے باوجود مندوب یعنی سنت مؤکدہ لینا ہرگز درست نہیں ہے اور غلط حوالہ دے کر فریب دینا دیانت داری سے بعید ہے، شاید الہام سے خطاب دیئے شمس العلماء کو ایسا ہی مناسب ہوگا اور راقم صاحب کا یہ فرمانا کہ دوسرے اقوال علماء کے جنہوں نے سنت مؤکدہ لکھا ہے ان کے قول پہلے گذر گئے اس کا جواب یہ ہے کہ سوائے مالکی مذہب والے اور شافعی مذہب والے کے کسی حنفی مذہب والے عالم کا یا جناب امام اعظم صاحبؒ یا امام محمد یا امام ابو یوسف کا قول نقل کیا ہو سنت مؤکدہ زیارت کے ہونے پر تو بتلایئے دوسرے مذہب کے اقوال کو ہم حنفی مذہب والے کیا کریں۔ فقط!

قَوْلُهٗ: ایک اور دلیل یہ بھی ہے کہ اگر اختلاف ہے تو سنت اور واجب ہونے میں ہے ایسا کوئی مسلمان نہیں کہ مستحب ہونے کو بھی منع کرے اسی وجہ صاحب درمختار والے نے بھی یہی جتایا کہ زیارت بعضوں کے نزدیک سنت اور بعضوں کے نزدیک واجب اور بعد لفظ مندوبۃ کے "بل" اسی واسطے لایا کہ سنت مؤکدہ کا قول مالکیوں نے کہا ہے اور بعضے حنفیوں نے تو اسے لفظ "بل" سے ترقی کر کے یہ جتا دیا کہ قول بالوجوب زائد قوی ہے۔ الخ!

أقُولُ: راقم صاحب کی اس جگہ غلطی اور کذب صریح ثابت ہے۔ اولاً فرمانا راقم صاحب کا کہ اگر اختلاف ہے تو سنت اور واجب ہونے میں الخ...... بلکہ کتب دینیات میں راقم صاحب کے فرمودہ کے خلاف ہے چنانچہ ہم نقل کرتے ہیں۔ علامہ سید احمد دحلانؒ اپنے رسالہ "درر السنیہ" میں تصریح فرماتے ہیں کہ علامہ ابن حجر نے "جواہر المنظم" میں تصریح کی ہے کہ نفس زیارت قبر نبی ﷺ کی مشروعیہ ہونے میں کچھ اختلاف نہیں ہے اور اس پر

اجماع اہل علم کا ہے فقط اختلاف ہے تو واجب اور مندوب ہونے میں، پس جس نے مخالفت مشروعیہ ہونے میں کی تو اس نے خرق اجماع کیا چنانچہ وہ عبارت دررسنیہ کی اوپر گذر چکی ہے۔ پس معلوم ہوا کہ اختلاف مندوب اور واجب ہونے میں ہے سنت اور واجب ہونے میں نہیں ہے۔ اور آگے جا کے سید احمد دحلان اپنی کتاب میں ابن حجر سے نقل فرماتے ہیں کہ جمہور قائلین ساتھ ندب زیارت کے ہے اور واجب کہنے والوں کو جواب اس طرح پر دیتے ہیں کہ جفا حدیث میں امور نسبیہ سے ہے کبھی ترک مندوب پر بھی اطلاق جفا کا ہوتا ہے کیونکہ یہ بھی ترک کرنا بر اور صلہ کا ہے۔ اور بھی اطلاق جفا کا غلظ طبع اور بُعد عن الشيء پر ہوتا ہے چنانچہ ذکر اس کا بھی اوپر گذر چکا ہے وہاں دیکھ لو۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ اختلاف درمیان سنت اور واجب میں نہیں ہے بلکہ درمیان مندوب اور وجوب میں ہے اور یہ فرمانا راقم صاحب کا کہ "صاحب درمختار نے بھی یہی جتایا کہ زیارت بعضوں کے نزدیک سنت اور بعضوں کے نزدیک واجب" یہ فقرۂ راقم بھی غلط اور کذب صریح ہے کیونکہ یہ بات صاحب درمختار نے نہ کہی ہے اور نہ جتائی ہے بلکہ یہ اختراع اور تہمت راقم صاحب کی ہے چنانچہ ہم عبارت درمختار اس جگہ کی نقل کر کے ترجمہ بھی کر دیتے ہیں جس سے کذب راقم صاحب کا ناظرین پر ہویدا ہو جائے گا اور وہ عبارت درمختار کی یہ ہے: "وزيارة قبره مندوبة بل قيل واجبة لمن له سعة"

یعنی زیارت قبر شریف کی مستحب ہے اور بعضوں نے کہا کہ واجب ہے جس کو وسعت اور طاقت ہو۔

پس راقم صاحب کی لکھی ہوئی عبارت کہاں ہے بلکہ خلاف اس کا ہے۔ علاوہ اس کے راقم کا لکھنا کہ "صاحب درمختار نے لفظ "بل" سے ترقی کر کے یہ جتا دیا کہ قول بالوجوب زائد قوی ہے" یہ قول بھی مثل اول کے راقم کا دروغ بے فروغ ہے چونکہ صاحب درمختار تصریح فرماتے ہیں کہ زیارت قبر شریف کی مستحب ہے یعنی نفل۔

"ويبدأ بالحج لو فرضا ويخير لو نفلا"

یعنی اگر حج فرض ہو تو پہلے حج کرے بعدہ قبر شریف کی زیارت کرے اور اگر نفل ہو تو اختیار ہے پہلے حج کرے یا زیارت قبر شریف کی کرے۔

اور صاحب شامی اس کی تصریح فرماتے ہیں وہ یہ ہے: "وقد روى الحسن عن أبي حنيفة أنه إذا كان الحج فرضا فالأحسن للحاج أن يبدأ بالحج ثم يثني بالزيارة، وإن بدأ بالزيارة جاز۔ وهو ظاهر إذ يجوز تقديم النفل على الفرض إذا لم يخش الفوت بالإجماع۔ اھ"

یعنی تحقیق کہ حسن بن زیاد جناب ابی حنیفہؒ سے روایت کرتے ہیں کہ اور اگر اس حالت میں زیارت قبر شریف کی پہلے کرے تو بھی جائز ہے اور یہ ظاہر ہے کیونکہ جائز ہے تقدیم نفل کی فرض پر بالاجماع جب فوت ہونے فرض کا خوف نہ ہو۔

یہ عبارت علانیہ ندا کر رہی ہے کہ زیارت قبر شریف کی نفل ہے واجب نہیں۔ اب راقم صاحب کا دعویٰ کرنا کہ لفظ "بل" سے ترقی کر کے وجوب کو تقویت دی غلط ہوا بلکہ یہاں سے ثابت ہو گیا کہ اس جگہ لفظ "بل" قیل کے ساتھ واسطے تنزل کے ہو کر تضعیف ثابت کر رہا ہے۔ وجوب زیارت کی۔ راقم صاحب کس درجہ کا آپ تعصب فرماتے ہیں کہ حد سے زائد اللھم عافنا من ہذا التعصب پس یہاں سے تمام تقریر وتحریر اصول نحو کی باطل وعاطل اور معنی خراب ہو گئی۔

اند کی پیش تو گفتم غم دل ترسیدم / کہ دل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

جولاف زنی اوپر کر چکے تھے کہ خوب طرح مندوب سے وجوب کر دکھلائیں گے وہ جگہ یہ ہے کہ ادنیٰ تحریر سے مات ہوگئی اور دم مارنے کی جگہ نہیں رہی، باوجود اس کے یہاں سے ناظرین منصفین کے واسطے تلخیص اور خلاصہ اس مضمون کا ہم یہاں بیان کر دیتے ہیں جو ہماری طرف سے راقم کے جواب اور رد میں اوپر لکھا گیا اس کو ایک جگہ جمع کر کے تحفۂ ناظرین اور غیرت متعصبین واسطے آسانی مفہوم رسالہ ہذا کے گردانا گیا ہے۔

مخفی نہ رہے کہ زیارت قبر شریف آنحضرت ﷺ میں تین اقوال ہیں: مطلقا بلا قید حنفی اور شافعی وغیرہم علماء کے ایک استحباب دوسرا سنت مؤکدہ، تیسرا وجوب اور جو لوگ قریب الوجوب لکھتے ہیں تو مرجع اس کا یا تو سنت مؤکدہ کی طرف ہے یا استحباب کی طرف اور اس باب میں راجح اور لائق فتویٰ ان میں سے استحباب پر ہی ہے بچند وجوہ۔ اول یہ کہ یہ مذہب جمہور حنفیہ کا ہے اور اس امر کا ثبوت کئی طرح پر ہے۔ پہلے یہ کہ فتاویٰ عالمگیری و فتح القدیر اور ارکان اربعہ وغیرہ کتب حنفیہ متداولہ میں اس قول کی نسبت لفظ ''مشائخنا'' کا لکھا ہے جیسا کہ عنقریب ان شاء اللہ تعالیٰ ان کتب معتبرہ کی عبارات منقول ہوں گی اور کتنی عبارات نقل ہو بھی چکی ہیں اور قاعدہ اصول کا ہے کہ جمع معرف بغیر لام فائدہ استغراق کا دیتا ہے توضیح میں مرقوم ہے: ''والجمع المعرف بغیر اللام نحو عبیدی احرار عام ایضا لصحة الاستثناء''

دوم یہ کہ ردالمحتار میں اس قول کی نسبت لفظ ''لاطلاق الاصحاب'' موجود ہے اور الاصحاب جمع محلی ہے بالام اور وہ فائدہ استغراق کا دیتا ہے پس مراد اس سے سب مشائخ ہوں گے سوا ان بعض کے جن کا استثناء کتب فقہ سے ثابت ہے اور وہ فائدہ استغراق کا دیتا ہے۔ توضیح میں لکھا ہے: ''ومنها الجمع المحلی باللام اذا لم یکن معهودا''

اسی طرح نورالانوار اور حسامی میں ہے دیکھ لو۔

سوم جمہور مشائخ حنفیہ لکھتے ہیں کہ اگر حج نفل ہو تو اختیار ہے چاہے ابتداً ساتھ حج کے کرے اور چاہے ابتدا ساتھ زیارت قبر شریف کے کرے اور یہ بات متفرع ہے استحباب پر جیسا کہ گذر چکا ہے کیونکہ اگر زیارت واجب یا سنت مؤکدہ ہوتی تو تسویہ و تخییر کے کیا معنی تھے بلکہ چاہئے کہ ابتداً بالزیارت احسن ہوتی پس یہ مسئلہ صریح دلالت کرتا ہے اس امر پر کہ زیارت قبر نبوی کی نزدیک جمہور حنفیہ کے مستحب ہے علی الخصوص اصحاب فتاویٰ عالمگیری اور صاحب فتح القدیر اور صاحب ارکان اربعہ اور صاحب درمختار بعد قول استحباب کے قول وجوب یا قریب الوجوب کو نقل کر کے یہ مسئلہ کہ متفرع ہے استحباب پر بیان کرتے ہیں اور نیز فتاویٰ عالمگیریہ وغیرہ میں ہے کہ جب مسجد نبویہ ﷺ میں داخل ہو تو پہلے تحیۃ المسجد پڑھے پھر زیارت کرے۔ اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ زیارت واجب نہیں ہے اگر واجب ہوتی تو تحیۃ المسجد جو سنت ہے اس کی تقدیم نہ لکھتے بلکہ زیارت کو مقدم کرتے۔ اور جذب القلوب میں ہے کہ مالکی مذہب والے زیارت کو واجب کہتے ہیں اس لئے وہ پیشتر زیارت کرنے کو کہتے ہیں اور بعد ازاں تحیۃ المسجد کو۔ پس ثابت ہوا کہ زیارت قبر شریف مستحب ہے اور دو عبارتوں کے اجتماع میں مؤکدہ اور اہم مقدم ہوتا ہے جیسا کہ درمختار باب العیدین میں ہے۔ لیکن تعجب ہے راقم صاحب سے کہ وہ عید اور جنازہ کی جزئی معارضہ میں لاتے ہیں جس میں سنت سے مؤخر کسی کو نہیں کیا ہے اور اس جزئی میں سنت سے زیارت کو مؤخر کیا ہے اتنی بھی سمجھ

نہیں اور دعویٰ شمس العلماء الہامی کا ہے اور لیجئے اگر کسی شخص کے ذمہ نماز روزہ حج باقی ہو تو اس کی وصیت کرنا واجب ہے اور وارث یا وصی اس کے تہائی ترکہ سے ادا کرے ہر ایک نماز کا فدیہ صدقہ فطر کے موافق گنتی کر کے دیوے اور وتر کی نماز چونکہ حنفی مذہب میں واجب ہے تو ہر ایک روز کی چھ نمازیں گنی جاویں جیسا کہ درمختار وغیرہ کتب فقہ میں مصرح ہے۔ علی ہذا القیاس ہر ایک روزے کا فدیہ بھی صدقہ فطر کے موافق ہے اور حج کے لئے ایک شخص کو اس کے وطن سے زادِ راہ دے کے بھیجے اور وہ شخص اس کی طرف سے حج کرے پس اگر زیارت قبر شریف کی واجب ہوتی اس کے لئے بھی وصیت واجب ہوتی جیسے وتر کے لئے واجب ہے اور مکہ شریف جانے اور آنے کے خرچ کے ساتھ مدینہ طیبہ کا خرچ بھی تہائی میں سے نکالنا واجب ہوتا ہے اور جب کسی فقیہ نے زیارت کی وصیت کو واجب نہ کہا اور نہ حج بدل میں مدینہ طیبہ کا خرچ گنا تو ظاہر ہو گیا کہ زیارت قبر شریف واجب نہیں ہے۔ اب میاں ظہور الحسین پر ضرور ہے کہ ایک بھی فقہ کی کتاب سے زیارت کی وصیت کا وجوب لکھیں یا حج بدل کے خرچ میں مدینہ منورہ کے خرچ کا شامل ہونا بیان کریں اور صاحب ردالمحتار نے جس مقام پر زیارت قبر آنحضرت ﷺ کا عورتوں کے لئے ذکر کیا ہے وہاں قول استحباب ہی کو اختیار کیا ہے اور قول وجوب اور سنتِ مؤکدہ کو غیر معتد بہ سمجھ کر اس سے تعرض نہ کیا۔ عبارت اس کی یہ ہے: ''هل تستحب زيارة قبره ﷺ للنساء الصحيح نعم بلا كراهة بشروطها على ما صرح به بعض العلماء أما على الأصح من مذهبنا وهو قول الكرخي وغيره من أن الرخصة في زيارة القبور ثابتة للرجال والنساء جميعا فلا إشكال وأما على غيره فكذلك نقول بالاستحباب لإطلاق الأصحاب، انتهى ا''

اور اسی طرح ''جذب القلوب الی زیارت المحبوب'' میں مرقوم ہے: ''صحیح آنست کہ زیارت آں سرور وصاحبیہ مستحب در جال ونساء راعموما''

دوم وجوہ ترجیح سے یہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ سے درصورت نفل ہونے حج کے تخییر اور تسویہ منقول ہے ردالمحتار میں لکھا ہے: ''قال في شرح اللباب وقد روى الحسن عن ابي حنيفة انه اذا كان فرضا فالاحسن ان يبدأ بالحج ثم يثني بالزيارة وان بدأ بالزيارة جاز اذ يجوز تقديم النفل على الفرض اذا لم يخش الفوت بالاجماع''

اور اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ تسویہ وتخییر متفرع استحباب پر ہے اور اسی طرح مولانا شیخ عبدالحق دہلویؒ نے جذب القلوب میں لکھا ہے کہ: ''زیارت آنحضرت ﷺ نزد ابی حنیفہؒ از افضل مندوبات واوکد مستحبات است قریب بدرجۂ واجبات''

اگر راقم اعتراض کرے کہ اس عبارت سے معلوم ہوا کہ زیارت آنحضرت ﷺ امام صاحب کے نزدیک واجب ہے پس سنتِ مؤکدہ ہوئی تو جواب اس کا یہ ہے کہ قریب بواجب نص سنتِ مؤکدہ ہونے میں نہیں ہے بلکہ مقصود اس سے سخت تاکید کرنا ہے۔ پس امام صاحب کے نزدیک زیارت قبر شریف مستحب ہی ٹھہری اور ہرگاہ جس مسئلہ میں اختلاف صاحبین کا منقول ہوتا ہو تو امام صاحب کے قول پر فتویٰ دیا جاتا ہے جیسا کہ درمختار میں لکھا ہے۔ بس جس مسئلہ میں اختلاف صاحبین کا منقول نہیں ہے اس میں بالاولیٰ امام صاحب کے قول پر فتویٰ دینا چاہیے۔

وجہ سوم قول استحباب کی دلیل قوی ہے کیونکہ دلیل اس کی حدیث صحیح میں جو زیارت مطلق قبور پر دلالت

کرتی ہیں اور دلیل وجوب حدیث جمانی وغیرہ جس کی موضوعیت کی طرف اکثر محدثین محققین گئے ہیں اور بعض تضعیف کی طرف اور فتویٰ اس قول پر چاہئے جو اقوالی ہو۔ از راہ دلیل کے در مختار میں مرقوم ہے: "وصحح فی الحاوی القدسی قوۃ المدرک"

وجہ چہارم قول استحباب اوفق بالناس ہے بہ نسبت قول وجوب کے اور سنت مؤکدہ کے اور ارفق بالناس لائق فتویٰ کے ہوتا ہے۔

وجہ پنجم یہ کہ جماہیر شافعیہ و مالکیہ وحنبلیہ کا بھی یہی قول استحباب کا چار اماموں سے بالاتفاق ثابت ہے چنانچہ کتاب المدخل لابن الحاج کی ج اول ص ۲۱۲ میں ہے: "وقد نقل ابن هبيرة في كتاب اتفاق الأئمة قال اتفق مالك والشافعي وأبو حنيفة وأحمد بن حنبل رحمهم الله تعالى على أن زيارة النبي ﷺ مستحبة"

اسی طرح جناب ملا علی قاری نے شرح شفاء قاضی عیاض کی جلد ثانی کے ص ۱۵۱ میں تصریح کی علماء کے اجماع کا مستحب ہونے پر اور وہ یہ ہے: "وقد افرط ابن تيمية من الحنابلة حيث حرم السفر لزيارة النبي ﷺ كما افرط غيره حيث قال كون الزيارة قربة معلومة من الدين بالضرورة وجاحده محكوم عليه بالكفر ولعل الثاني اقرب للصواب لان تحريم ما اجمع العلماء فيه بالاستحباب يكون كفرا لانه فوق تحريم المباح المتفق عليه في هذا الباب"

اور اسی طرح علامہ سمہودی وفاء الوفاء کے ص ۵۳ میں لکھتے ہیں: "وقالت الحنفية زيارته ﷺ من افضل المندوبات والمستحبات بل تقرب من درجة الواجبات وكذلك نص عليه المالكية والحنابلة"

اور ابن جملہ نے کتاب الفوائد میں لکھا ہے: "قال الرافعی فی اواخر باب الحج ويستحب ان يشرب من ماء زمزم وان يزور بعده قبر النبي ﷺ وقال في الروضة استحبه الغزالي ايضا وقال البغوي في التهذيب فاذا حضر يلزمه ان يصلي ركعتين او يعتكف ساعة او يزور قبر النبي ﷺ وقال الشيخ محي الدين النووي في الاذكار اعلم انه ينبغي بكل من حج ان يتوجه الى زيارة قبر النبي ﷺ سواء كان ذلك طريقة او لا وقد صرح الشيخ موفق الدين استحباب زيارة قبر النبي ﷺ وصاحبيه صرح به في كتاب المغني والكافي وصرح به الخطاب في كتاب الهداية له فقال ويستحب المجاورة بمكة واذا فرغ من الحج استحب له زيارة قبر النبي ﷺ"

وجہ ششم یہ کہ کتب علماء میں استحباب پر اجماع منقول ہے۔ لو کرہ المتعصبون۔ دیکھو حاشیہ شامی میں "مندوبۃ" کے تحت میں مرقوم ہے باجماع المسلمین کما فی اللباب یعنی مستحب ہونا زیارت کا باجماع مسلمین ہے اور جذب القلوب میں لکھا ہے زیارت حضرت سید المرسلین ﷺ کی باجماع علماء دین قولا وفعلا از افضل سنن اور او کد مستحبات است انتہیٰ یعنی زیارت حضرت سید المرسلین ﷺ کی باجماع علماء دین کے افضل سنن اور او کد مستحبات سے ہے اور سنن الہدیٰ میں لکھا ہے: "اعلم ان زيارة النبي العربي القرشي المكي ﷺ سنة من سنن المسلمين يجمع عليه بين علماء الدين"

یعنی زیارت کرنا حضرت کی قبر شریف کا ایک طریقہ ہے طرق مسلمین سے کہ اجماع کیا گیا ہے اس پر علماء

دین کا اور اسی طرح شفاء قاضی عیاض میں ہے: ''زیارة قبره ﷺ سنة من سنن المسلمین مجمع علیها و فضیلة مرغب فیها انتهی''

یعنی شفاء قاضی عیاض میں ہے کہ زیارت کرنا قبر شریف ﷺ کی ایک طریقہ ہے طریقہ مسلمین سے کہ جس پر اجماع کیا گیا ہے اور فضیلت مرغبہ ہے اور طریقہ المسلمین معنی میں احبہ السلف میں ہے اور بھی معنی مستحب کے ہے اور نیز طریقہ المسلمین یہ سنت خلفاء راشدین کے مساوی نہ ہونا چاہئے پس جبکہ سنت راشدین سنت مؤکدہ ہوئی تو ضرور طریقہ المسلمین مستحب رہے گی۔ اور اسی طرح شرح شفا میں ملا علی قاری فرماتے ہیں: ''لان تحریم ما اجمع العلماء فیه الاستحباب یکون کفرا''

یعنی حرام کہنا اس چیز کو کہ جس کو استحباب کہنے پر علماء نے اجماع کیا ہے (کہ مراد اس سے زیارت قبر شریف ہے) کفر ہے۔

تنبیہ: جاننا چاہئے کہ سنت کا اطلاق جو ان عبارتوں میں زیارت پر کیا گیا ہے وہ منافی استحباب نہیں ہے کیونکہ سنت کا اطلاق مستحب پر آتا ہے رد المختار میں باب العیدین میں مرقوم ہے: ''قال نوح آفندی و حاصله تجویز اطلاق اسم المستحب علی السنة و عکسه، انتهی''

اگر راقم صاحب فرمادیں کہ جیسا اطلاق سنت کا مستحب پر آتا ہے ویسا ہی اطلاق مستحب پر بھی آیا ہے۔ پس جن عبارتوں سے لفظ استحباب معلوم ہوتا ہے اس کو سنت مؤکدہ پر کیوں نہ محمول کیا جاتا ہے؟ تو جواب راقم صاحب کا یہ ہے کہ قول بالسنة المؤکدہ صراحۃً کسی سے منقول نہیں ہے جیسا کہ ابھی اس کا حال منکشف ہوتا ہے بخلاف قول استحباب کے اور اگر راقم صاحب فرماوے کہ اجماع کیونکر ہوسکتا ہے استحباب پر حالانکہ بعض واجب بعض سنت مؤکدہ کہتے ہیں تو دفع اس کا اس طور پر ہے کہ سنت مؤکدہ کہنا صراحۃً کسی سے منقول نہیں ہے الا بعض ایک دو شافعی المذہب والوں سے اور وہ جم غفیر اہل مذاہب دوسروں سے مخالفت کرنے کی وجہ سے درجہ اعتبار سے ساقط ہے اور کالمعدوم۔ ہاں بعض مالکیہ سے جو قول بالوجوب منقول ہے اس کی تاویل دوسرے مالکیہ نے ساتھ مؤکدہ کے کی ہے جیسا کہ ابن حجر مکی نے ''درر منظم'' میں لکھا ہے: ''وقال بعض المالکیة واجبة وقال غیره منهم یعنی من السنن الواجبة انتهی''

اور قاضی عیاضؒ نے شفاء شریف میں وجوب سے مراد استحباب کی ترغیب کی ہے اور اسی طرح دو تین عبارتیں اور بھی ہیں کہ جو راقم صاحب نے اوپر تحریر کی ہیں اور قریب بواجب جن لوگوں نے لکھا ہے وہ بھی کچھ نص سنت مؤکدہ پر نہیں ہے بلکہ قریب بواجب کا حمل مستحب پر ہوسکتا ہے۔ اس پر کیا دلیل منع کی ہے وہ پیش کرے البتہ وجوب بعض مالکیہ یعنی ابوعمران الفاسی سے منقول ہے اور ظاہراً معلوم ہوتا ہے کہ اور لوگ جو وجوب کے طرف گئے ہیں وہ بتقلید ابوعمرانؒ کے گئے ہیں چنانچہ معلوم ہوتا ہے کہ حضور میاں ظہور بھی انہی میں سے ہیں ورنہ وجوب کے قائل نہیں ہوتے لیکن یہ قول رافع اجماع کا نہیں ہوسکتا ہے اور اس پر چند ادلہ قائم ہیں۔ اول یہ کہ محتمل ہے کہ یہ قول ماؤل ہو جیسا کہ قاضی عیاضؒ نے ابوعمر کے قول میں تاویل کی ہے۔ شفاء قاضی عیاضؒ میں مرقوم ہے: ''قال أبو عمران ﷬ إنما کره مالك أن يقال طواف الزيارة و زرنا قبر النبي ﷺ لاستعمال الناس ذلك بينهم

بعضهم لبعض، فكره تسوية النبي ﷺ مع الناس بهذا اللفظ، وأحب أن يخص بأن يقال سلمنا على النبي ﷺ وأيضاً قال فإن الزيارة مباحة بين الناس، وواجب شد الرحال إلى قبره ﷺ، يريد بالوجوب هنا وجوب ندب وترغيب وتأكيد"

چنانچہ تصریح اس کی اوپر گذر چکی ہے اور جیسا کہ صاحب لآلی فاخرہ نے عمر نسفی کے قول میں تاویل کی ہے عبارت اس کی یہ ہے: "ويستحب الزيارة في كل اسبوع وما في رسالة عمر النسفي انه يجب الزيارة على المؤمنين في كل اسبوع فالمراد به الحق الثابت"

اور اسی طرح جس حدیث میں غسل الجمعۃ واجب آیا ہے تو علماء احناف وغیرہم نے تاویل اس کی ای ثابت وحق کی ہے نہ وجوب شرعی اور اصطلاحی۔ اسی طرح یہاں بھی چنانچہ اس کی تصریح بھی اوپر گذر چکی ہے۔

دلیل سوم خلاف ان لوگوں کا مانع ہے کہ جن کے خلاف یا وفاق کا اجماع میں اعتبار ہے اور جو لوگ مخالف استحباب زیارت قبر شریف کے ہیں ان کا ان میں سے یعنی معتبرین میں سے ہونا غیر مسلم بلکہ ممنوع ہے۔ اگر راقم فرمادے کہ جس استحباب پر اجماع منقول ہے مراد اس سے عام ہے جو مستحب سنت مؤکدہ و واجب کو شامل ہے تو اس کا جواب بدو وجہ ہے۔ اول یہ کہ یہ تاویل محض لغو ہے کیونکہ مقصود اس مقام پر بیان حکم شرعی ہے اور حکم شرعی استحباب خاص ہے یعنی مصطلح نہ عام۔

دوم قول بالوجوب میں جس کی دلیل ضعیف و مرجوح بلکہ مخدوش ہے اور علماء نے اس میں تاویل کی ہے جیسا کہ اوپر گذر چکا اس کی تاویل نہ کرنا اور قول بالاستحباب میں جس کی دلیل قوی ہے اور کسی نے اس میں تاویل نہیں کی، تاویل کرنا محض ترجیح بلا مرجح ہے اور دعویٰ بلا دلیل ہے۔ اگر راقم صاحب کو خلجان ہو کہ ثبوت اجماع موقوف سند متصل پر تو جواب اس کا یہ ہے کہ یہاں اجماع لباب وغیرہ سے نقل کیا گیا ہے اور یہ جن کتابوں سے اجماع نقل کیا گیا ہے وہ کتب معتبرہ ہیں اور اقوال ان کے چست ہیں اور مخالف کا قول واہی تباہی سست و بے قدر ہے۔ یہ ثبوت اجماع لباب وغیرہ کتب معتبرہ کا اگر تمہارے نزدیک یعنی راقم کے نزدیک معتبر ہے تو یہی کافی ہے اور اگر نہیں جو جتنے عبارات تائید وجوب اور سنت مؤکدہ کے لئے راقم کی طرف سے نقل کی گئی ان کو قائل استحباب بھی تسلیم نہیں کر سکتا کیونکر تسلیم کرے باوجودیکہ قائل بالوجوب و بالسنۃ المؤکدۃ مخالف ہر چہار اماموں کا ہے۔ چنانچہ اوپر تصریح اس کی کتاب المدخل سے گذر چکی ہے اعادہ کی حاجت نہیں۔ اب سنئے حال سنت مؤکدہ ہونے کا قطع نظر اس کے کہ کسی سے منقول نہیں ہے فی نفسہ محض بے اصل اور بلا دلیل ہے کیونکہ اکثر فقہاء کے نزدیک سنت مؤکدہ میں مواظبت ہونا یہ شرط ہے اس کا فقدان محل نزاع میں بدیہی ہے اور موافق بعض کتب کے مواظبت خلفاء راشدین کا مفید سنت مؤکدہ ہونا خلاف تحقیق ہے۔ بدو وجہ اول یہ کہ اگر فرض کیجئے کہ ایک فعل ایسا ہے کہ اس پر آنحضرت ﷺ نے مواظبت نہیں کی ہے لیکن اس کی رغبت دلائی ہے پس وہ فعل لامحال مستحب ہوگا اور بعد آنحضرت ﷺ کے خلفائے راشدین نے اس مستحب پر بمقتضائے حدیث احب الاعمال الى الله ادومها وان قل مواظبت کی پس اگر خلفائے راشدین کی مواظبت سے سنت مؤکدہ ہو جاوے تو ہم پوچھتے ہیں کہ آیا استحباب باقی رہا یا منسوخ ہو جائیگا بر تقدیر اول اجتماع متنافیین لازم آتا ہے اور بر تقدیر ثانی لازم آئے گا نسخ اور حدوث دلیل شرعی بعد آنحضرت ﷺ کے اور یہ دونوں غیر

متصور ہیں توضیح میں لکھا ہے: "وأما الناسخ فهو إما الكتاب أو السنة لا القياس على ما يأتي و لا الإجماع"

اور تلویح میں مذکور ہے: "والجمهور على انه لا ينسخ و لا ينسخ به لانه لا يكون الا من دليل شرعي ولا يتصور حدوثه بعد النبي عليه الصلوٰة والسلام"

اگر راقم شبہ کرے کہ صورت مفروضہ ناسخ فعل خلفائے راشدین نہیں ہے بلکہ علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین جو مؤکد ہونے سنت خلفاء کی دلیل ہے تو جواب اس کا یہ ہے کہ اس بنا پر لازم آتا ہے کہ اجماع کا ناسخ ہونا بھی درست ہے کیونکہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس وقت ناسخ اجماع نہ ہوگا بلکہ وہ آیات واحادیث جو موجب اجماع کی دلیل ہے کہ قیاس کا ناسخ ہونا بھی درست ہو جاوے۔ دوم یہ کہ غیر نبی کا فعل یا قول یا تقریر دلیل مستقل واسطے حکم شرعی کے نہیں ہوسکتی ہے بلکہ محتاج اس امر کی ہے کہ صحابہ عموماً اور خلفاء خصوصاً مسائل میں باہم مناظرہ کرتے تھے اور ہر واقعہ میں تلاش دلیل شرعی کرتے تھے اور ایک دوسرے کے قول کو رد کرتے تھے اور اگر اس کی سند ظاہر یا مخفی کتاب وسنت سے نہیں پاتے تھے تو اس کو بدعت میں داخل کرتے تھے پس اگر قول وفعل وتقریر خلفاء یا اہل بیت یا دیگر صحابہ دلیل شرعی مستقل ہوتی تو امر مذکور کیوں وقوع میں آتا۔ علاوہ اس کے حدیث من احدث فی امرنا ہذا ما لیس منہ فہو رد بخاری مسلم میں موجود ہے۔ حواشی مشکوٰۃ وغیرہ میں لکھا ہے: "والمعنى ان من احدث في الاسلام رأيا لم يكن فيه من الكتاب و السنة سند ظاهر او خفي ملفوظ او مستنبط فهو مردود عليه"

اس حدیث سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ احداث ایسے امر کا کہ جس کی سند کتاب وسنت سے نہ ہو کسی کو جائز نہیں نہ اہل بیت کو اور نہ خلفائے راشدین کو اور نہ سائر صحابہ کو۔ پس اگر فعل خلفاء راشدین دلیل مستقل فعل ہوتا تو چاہئے کہ ان کے لئے احداث فی الدین جائز ہوتا اور حالانکہ حدیث سے ہر شخص کے لئے ناجائز معلوم ہوتا ہے کیونکہ کلمہ "من" کا الفاظ عموم سے ہے اور صحابہؓ اور ائمہ مجتہدین سے ایسے قول منقول ہیں جو اس امر پر دلالت کرتے ہیں:

"روى البيهقي عن ابن مسعود انه كان يقول لا يقلدن رجل رجلا في دينه و كان عمر رضی اللہ عنہ اذا افتى الناس يقول هذا رأى عمر فان كان صوابا فمن الله و ان كان خطأ فمن عمر رضی اللہ عنہ و روى البيهقي عن مجاهد و عطاء انهما كان يقولان ما من احد الا و ماخوذ من كلامه و مردود عليه الا رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم و كان ابو حنيفة يقول لا ينبغي لاحد ان يقول قولا حتى يعلم ان شريعة رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم تقبله هكذا في الميزان للشعراني"

اور غیر نبی کے فعل وقول وتقریر کی حجت مستقلہ نہ ہونے پر ایک دلیل یہ ہے کہ حاکم شرع میں نہیں ہے مگر اللہ تعالیٰ۔ اور اس کے حکم دریافت کرنا غیر نبی کو متصور نہیں مگر الہام سے یا رائے محض سے یا کتاب وسنت یا قیاس سے جو مستنبط ہو کتاب وسنت سے۔ شقین اولین تو بدیہی البطلان ہیں کیونکہ الہام غیر نبی ورائے غیر نبی تو حجت شرعیہ نہیں اور بر تقدیر اخیرین دلیل مستقل نہ ہوئی بلکہ مستند ہوئی طرف کتاب وسنت کے پس اگر قول وفعل وتقریر غیر نبی دلیل ٹھہرائی جائے تو نہ ہوگی مگر غیر مستقل پس مرجع اس کا اسوقت میں کتاب وسنت سے جو حکم صراحۃً یا استنباطاً اس کے لئے ثابت ہوگا اسی کو اس کا مصداق ٹھہرایا جائیگا۔ بہ تمہید اس امر کے جاننا چاہئے کہ مواظبت خلفاء فعل غیر نبی ہے اور کوئی فعل غیر نبی دلیل مستقل نہیں ہوسکتا اور دلیل غیر مستقل افادہ حکم میں تابع دلیل مستقل ہوتی ہے پس حکم کا افادہ دلیل مستقل متبوع کرے گی وہی حکم دلیل غیر مستقل سے بھی ثابت ہوگا پس اگر دلیل متبوع افادۂ وجوب کرے گی

دلیل تابع بھی افادۂ وجوب کرے گی اگر وہ افادۂ سنت کرے گی تو یہ بھی افادۂ استحباب کرے گی نہ یہ کہ خواہ نخواہ افادۂ سنت مؤکدہ کرے اور قطع نظر متبوع سے کسی حکم کا افادہ نہیں کر سکتے۔

حاصل کلام قول بالوجوب کا یہ حال پر ہے کہ یہ قول نہ مجتہدین فی الشرع سے مانند ائمہ اربعہ کے منقول ہے اور نہ مجتہدین فی المذہب سے جیسے ابو یوسف و محمد وغیرہما جیسا کہ رامپور کا فتوی آیا ہوا ہے اس پر علماء رامپوری میں سے مولوی محمد طیب المکی عرب پرنسپل مدرسۂ عالیہ کہ جس کے ماتحت راندیری والہامی شمس العلماء مولوی ظہور الحسین فاروقی مدرس ثانی بہ ماہوار ۳۰ روپے پر ہے تو ان کی عبارت سے صاف واضح ہوتا ہے اور نہ مجتہدین فی المسائل سے جیسے خصاف وطحاوی وشمس الائمہ حلوانی وسرخسی و بزدوی و قاضیخان وغیرہم سے اور نہ اصحاب تخریج سے جیسے رازی اور نہ اصحاب متون سے جیسے صاحب کنز وصاحب وقایہ وصاحب مختار ہے۔ اگر منقول ہے تو انہیں فقہاء سے جو طبقہ سابقہ میں داخل ہیں کہ غث وسمین ورطب ویابس میں فرق نہیں کر سکتے اور اکثر محدثین اس کو موضوع اور بعض محدثین ضعیف لکھتے ہیں و جوب پر دلالت نہیں کرتے کیونکہ لفظ جفا تو حدیث میں ''من بدا جفا'' (جو بادیہ نشین ہوا اس نے جفا کی) بھی آیا ہے اس کی نسبت مجمع البحار میں مرقوم ہے: ''ای من خرج الی البادیۃ او سکن فیھا غلظ طبعہ لقلۃ مخالطۃ الناس، انتھی!''

اور در السنیہ وغیرہ کتب فقہ واحادیث میں ہے کہ: ''ان الجفاء من الامور النسبیۃ فقد یقال فی ترک المندوب انہ جفاہ اذ ھو ترک البر والصلۃ ویطلق ایضا علی غلظ الطبع والبعد عن الشیء فاکثر العلماء من الخلف والسلف علی ندبھا دون وجوبھا''

پس اگر یہ لفظ وجوب پر نص ہو تو چاہیے کہ شہر کا رہنا بھی واجب ہو جاوے اور بادیہ کا رہنا حرام اور حالانکہ اس کا کوئی قائل نہیں پس یہاں سے بھی مرجوحیت قول بالسنۃ المؤکدۃ اور قول بالوجوب کی ثابت ہوگئی اور قول مرجوح پر فتوی دینا فقہاء نے حرام اور گمراہی لکھا ہے اور جہالت مفتی بالمرجوح کی بیان کی ہے جیسا کہ اس کی تصریح علامہ ابن عابدین عرف شامی نے مستقل رسالہ میں کی ہے اور علماء رامپور وغیرہ نے اپنے فتووں میں جو آگے نقل کیے جاویں گے۔ پس مفتی کو چاہئے کہ جس کے قول پر فتوی دیتا ہے اس کی روایت ودرایت کا حال تحقیق کرے اور اس بات کی معرفت حاصل کرے کہ یہ قائل فقہاء کے کون سے طبقے میں ہے اور یہ بھی جان لیوے کہ یہ فقیہ کس مذہب کا ہے اور مثل حاطب اللیل جیسا کہ ان دنوں بعض واعظوں نے کیا ہے نہ کرے وہ یہ ہے کہ وجوب زیارت پر کہ ابو عمران مالکی مجہول الحال اور اس کے مقلدین کا قول ہے بیباک ہو کر فتوی وجوب زیارت قبر شریف کا خلاف مذہب ہے بلکہ لفظ حدیث سے ثابت ہے۔ لفظ القبور میں قبر سید المرسلین بدرجۂ اولی داخل ہے اور ایسا ہے کہ جیسا جذب القلوب میں نقلا عن السبکی مرقوم ہے: ''و اماور ود سنۃ صحیحۃ متفق علیھا''

کہ درامر بزیارت قبور ورود یافتہ درباب ثبوت استحباب زیارت قبر رسول کہ سید القبور است کافی است

اور اسی طرح جذب القلوب میں دوسری جگہ نقلا عن السبکی مرقوم ہے: ''ہرگاہ زیارت قبور دیگران مستحب بود زیارت قبر شریف بطریق اولی مندوب ومستحب باشد''

اور ظاہر ہے کہ واجب پر لفظ مستحب نہیں بولا جاتا۔

قَوْلُہٗ: تعلیق الممجد میں ہے۔الخ!

أَقُوْلُ: جناب راقم صاحب! ذرا برائے خدا ایک نقل مطابق اصل پوری پوری عبارت بغیر تغییر وتبدیل کے کسی ایک جگہ تو نقل کرو، آپ کی سابق میں جتنی عبارتیں نقل کی ہوئی ہیں ان کی خیانت ہم نے مع صفحہ کے ثابت کر بتلائی ہے اسی طرح اس جگہ بھی آپ کی خیانت اور دعوکا دہی ثابت ہے کیونکہ آپ نے جس جگہ سے تعلیق الممجد کی عبارت نقل فرمائی ہے وہ جگہ ص ۳۹۴ ہے اور حاشیہ کا نمبر ۵ ہے اور جو عبارت آپ نے چھوڑ دی ہے مطلب بگاڑنے کو اور اپنے دعویٰ دروغ بفروغ ثابت کرنے کو وہ یہ ہے: قولہ وما یستحب من ذٰلک ای من زیارۃ قبرہ دیکھو جناب امام محمد صاحبؒ کی عبارت میں وما یستحب من ذٰلک کی تفسیر ای من زیارۃ قبرہ ہے بموجب تصریح وبیان علامہ مولوی عبدالحی صاحب کے تو مطلب امام محمد کی عبارت سے یہ ثابت ہوا کہ یہ باب ہے بیان میں قبر نبی ﷺ کے اور بیان میں اس چیز کے کہ مستحب ہے زیارت قبر نبی ﷺ کی) اب یہاں سے ناظرین ملاحظہ فرما کر انصاف فرماویں کہ جناب امام محمدؒ اور جناب مولوی عبدالحی مرحوم کے نزدیک بھی زیارت قبر شریف کی مستحب ہے نہ واجب اور اوپر چاروں اماموں کے اتفاق سے استحباب ثابت ہو چکا ہے اور ہمارے مذہب حنفی کے رکن اعظم جناب امام محمدؒ یہ بھی زیارت قبر شریف کو مستحب فرماتے ہیں واجب نہیں جیسا کہ راقم صاحب زعم کرتے ہیں خلاف ائمہ اربعہ کے پھر بعد اس کے مولوی عبدالحی صاحب مرحوم صاحب تعلیق الممجد لکھتے ہیں: ''اختلف فیه بعد ما اتفقوا علی ان زیارۃ قبرہ ﷺ من اعظم القربات وافضل المشروعات''

یعنی اختلاف کیا گیا ہے زیارت کے بارے میں بعد متفق ہونے تمام علماؤں کے زیارت قبر شریف کی اعظم قربات اور افضل مشروعات ہونے پر۔

پس یہ عبارت مولانا مرحوم کی بھی دلالت زیارت قبر شریف کی مستحب ہونے پر کرتی ہے نہ وجوب پر بنا بر زعم راقم صاحب کے: ''ومن نزع فی مشروعیتہ فقد ضل واضل''

یعنی مولوی عبدالحی فرماتے ہیں کہ جو مخالفت کرے زیارت شریف کے مشروعیت اور مستحب ہونے پر پس ہر آئینہ وہ گمراہ ہے اور گمراہ کرنے والا ہے۔

اس کی مثال ایسی ہے کہ حضرت ﷺ سے ابو ہریرہ ﷛ نے روایت کی ہے کہ جو بغیر علم کے فتویٰ دیوے تو وہ آپ بھی گمراہ ہے اور غیروں کو بھی گمراہ کرنے والا ہے، فتامل۔ پس اس سے ثابت ہوا کہ غیر مشروع اور غیر مستحب کہنے والا زیارت قبر شریف کو خود بھی گمراہ ہے اور غیروں کو بھی گمراہ کرنے والا ہے چنانچہ نقل شمس الجیلاء ابلیس علیہ اللعنۃ اور اس کے زمرہ والوں کا ہے۔ وقیل انہ واجب یعنی مولانا عبدالحیؒ فرماتے ہیں کہ بعض نے کہا واجب ہے زیارت قبر شریف کی جس طرح سے اوپر تصریح واجب کہنے والے ایک دو مالکی مذہب والوں کی ہو چکی ہے کہ وہ اپنے امام کے بھی مخالف ہیں اور یہ مسئلہ مسلم الثبوت ہے کہ مقلد کو اپنے امام کی تقلید واجب ہے اور خلاف امام ذہاب کرنا حرام اور مردود اور وہابیت ہے پس اس جگہ سے ثابت ہوا کہ زیارت قبر شریف کی غیر مستحب اور واجب کہنے والا ہر چہار اماموں کا مخالف ہے اور ہر چہار امام اور مذاہب کا مخالف سنت والجماعت سے خارج ہو کر داخل زمرۂ وہابیت میں ہو گیا۔ تو ثابت ہوا کہ زیارت قبر شریف کو واجب کہنے والا خارج سنت والجماعت ہے اور وہی پکا وہابی ہے کیونکہ

طحطاوی حاشیہ درمختار میں ہے کہ سنت والجماعت بنا دائر درمیان چہار مذاہب کے ہے پس اس جگہ بھی اس واجب کہنے والوں کا قول بسبب مخالف ہونے اپنے امام کے مردود ہے۔

"وقیل قریب من الواجب وھو فی حکم الواجب مستدل بحدیث من حج ولم یزرنی فقد جفانی اخرجه ابن عدی والدار قطنی وغیرھما ولیس بموضوع کما ظنه ابن الجوزی وابن تیمیة بل سنده حسن عند جمع وضعیف عند جمع"

یعنی بعض نے کہا کہ زیارت قبر شریف کی قریب واجب کے ہے (یعنی زیارت قبر شریف کی عین واجب نہیں ہے بلکہ قریب ہے واجب کے) اور یہ حکم وجوب میں ہے ساتھ دلیل پکڑنے حدیث جس نے حج کیا اور میری زیارت نہ کی تو اس نے مجھ پر ظلم کیا۔ روایت کیا اس کو ابن عدی اور دار قطنی وغیرہما نے اور یہ حدیث موضوع نہیں ہے جیسا کہا ہے ابن جوزی اور ابن تیمیہ نے بلکہ سند اس کی حسن ہے ایک جماعت کے نزدیک اور ضعیف ہے ایک جماعت کے نزدیک۔

ناظرین! بنظر انصاف ملاحظہ فرماویں کہ خود مولانا مرحوم ایک جماعت کا حسن کہنا اور ایک جماعت کا ضعیف کہنا نقل فرماتے ہیں تو یہاں سے اختلاف جرح و تعدیل میں ثابت ہوا اور کتب اصول سے اوپر یہ بیان گذر چکا ہے کہ جرح مقدم تعدیل پر ہے تو قول ضعیف کہنے والوں کا مقدم ہے اور حدیث ضعیف سے وجوب ثابت نہیں ہوتا ہے پس بنا برا اس تقریر کے بھی زیارت قبر شریف کی مستحب ثابت ہوتی ہے بلکہ یہ حدیث مذکور بنا بر معنی کے بھی موضوع ثابت ہوتی ہے اور بنا بر سند کے بھی موضوع ہے...... معنی اس طور ہے کہ اگر یہ حدیث ثابت ہو تو قباحت یہ لازم آتی ہے کہ زیارت قبر شریف کی بعد حج ثابت ہوتی ہے اور قبل حج کے نہیں حالانکہ جمہور علماء کے نزدیک بلکہ جمیع علماء کے نزدیک قبل حج کے بھی زیارت قبر شریف کی جائز و مستحب ہے اسی طرح دوسری قباحت یہ لازم آتی ہے کہ جو حج کرے اسی کو مستحب ہے غیر کو نہیں حالانکہ باجماع علماء کے زیارت قبر شریف کی حاجی اور غیر حاجی دونوں کو مستحب ہے پس رکاکت معنی کی اس حدیث سے ثابت ہوئی اور کلام رسول ﷺ میں رکاکت نہ لفظ کی ہوتی ہے اور نہ معنی میں۔ اور باعتبار سند کے موضوعیت حدیث مذکور کی بنقل مولوی عبدالحی صاحبؒ ابن الجوزی اور ابن تیمیہ کے مقولہ سے ثابت ہی ہو چکا ہے اور اسی طرح علامہ صنعانی اور علامہ شوکانی اور صاحب کتاب "الصارم المنکی" نے اپنی تصنیف میں ص ۷۷ میں تصریح فرمائی ہے کہ حدیث مذکور، حدیث منکر ہے لا اصل لہ بلکہ یہ حدیث مکذوبات اور موضوعات میں سے ہے اور وہ عبارت صفحہ مذکورہ کی یہ ہے: "واعلم أن ھذا الحدیث المذکور منکر جداً لا أصل له بل ھو من المکذوبات والموضوعات وھو کذب موضوع علی مالك مختلق علیه لم یحدث به قط ولم یروه إلا من جمع الغرائب والمناکیر والموضوعات"

اور اسی طرح کتاب الصارم المنکی نے علامہ دار قطنی سے بھی نقل فرمائی ہے صفحہ مذکورہ میں اور وہ یہ ہے:

"وقال الحافظ أبو الحسن الدار قطني في الحواشي علی کتابه ھذا حدیث غیر محفوظ عن النعمان بن شبل إلا من روایة ابن ابنه عن ابنه والطعن فیه علیه لا علی النعمان ولقد صدق الحافظ أبو الحسن في ھذا القول فإن النعمان بن شبل إنما یعرف بروایة ھذا الحدیث عن محمد بن الفضل بن عطیة المشھور

بالكذب ووضع الحديث عن جابر الجعفي عن محمد بن علي عن علي بن أبي طالب هكذا رواه الحافظ أبو عمر وعثمان بن خزاذ عن النعمان بن شبل كما تقدم ذكره هذا الحديث الموضوع لا يليق أن يكون إسناده إلا مثل هذا الإسناد الساقط''

اور کہا ''التعلیق المجد'' میں: ''وقیل انه مستحب بل اعلی المستحبات''

یعنی بعض علماء نے کہا ہے کہ زیارت قبر شریف کی مستحب ہے بلکہ اعلیٰ مستحبات سے ہے۔

اب بعد اس کے مستحب ثابت کرنے میں احادیث فضائل زیارت کی مولانا مرحوم نقل فرماتے ہیں، نہ وجوب کی۔ جیسا کہ راقم صاحب کا گمان ہے اور حدیث وجوب کے ثبوت میں مولانا مرحوم نے ایک حدیث فقط بیان کی تھی اس کا حال کماحقہٗ موضوعیت کے بارے میں اوپر ثابت ہو چکا ہے اور اب جو حدیثیں مولانا مرحوم نقل فرماتے ہیں در بارِ استحباب کے وہ حدیثیں مع عبارت زائدہ کے یہ ہیں: ''وقد ورد فی فضله احادیث فمن ذلک من زار قبری وجبت له شفاعتی اخرجه الدار قطنی وابن خزیمة وسنده حسن''

اور استحباب زیارت میں کسی طرح کا ہمارا انکار نہیں ہے اگر ہے تو شمس الجہلاء جو ہوگا اسی کو ہوگا بلکہ اقوال علماء اور اتفاق ائمہ اربعہ کا استحباب زیارت قبر شریف پر کتاب المدخل سے مع پتے صفحہ کے ہم نقل کر چکے ہیں اور پھر دوسری عبارت لیجئے کتاب الصارم المنکی کے ص ۸۱ میں ملاحظہ فرمائیے: ''فان هذا السفر علی الوجه مشروع مستحب باتفاق المسلمین ولم یقل احد من المسلمین ان السفر . . . الی آخره''

یعنی ہر آئنہ یہ سفر وجہ مشروعیت سے مستحب باتفاق مسلمانوں کے ہے اور کسی نے مسلمانوں سے یہ نہ کہا کہ زیارت قبر شریف کی ...... آخر تک لیجئے۔

راقم صاحب! آپ جیسے دو تین مالکی مذہب والے واجب کہنے والوں کو دائرۂ اسلام سے نکال دیا یا وجوب کے کہنے والوں کو ہباءً منثوراً سمجھ کر پھونک مار کے اڑا دیا اور قائلین بالوجوب کو غیر معتمد ثابت کر دیا۔ اسی طرح زاد المعاد کے ص ۹ میں ملاحظہ فرمائیے: ''وهذا فی ان مسجد الحرم افضل بقاع الارض علی الاطلاق ولذلک کان شد الرحال الیه فرضا ولغیره مما یستحب ولا یجب''

یعنی اس حدیث سے واضح ہوا کہ مسجد حرام افضل گوشہ زمین سے علی الاطلاق ہے اسی واسطے سفر کرنا طرف مسجد حرام فرض ہے اور مسجد حرام کے غیر کے واسطے سفر کرنا مستحبات سے ہے اور واجب نہیں ہے۔

باوجود اس کے حدیث مذکور راقم کی ضعیف ہے کہ فضائل اعمال میں فقط حجت ہے چنانچہ علامہ بیہقی کا قول کتاب الصارم المنکی کے ص ۱۳ میں مذکور ہے: ''قال البیهقي وسواء قال عبید الله وعبد الله فهو منكر عن نافع عن ابن عمر لم يأت به غيره وهكذا ذكر الإمام الحافظ البيهقي أن هذا الحديث منكر عن نافع عن عبد الله ابن عمر سواء''

اور اسی طرح حدیث (من جاءنی زائرا لا تعلمه حاجة الا زیارتی کان حقا علی ان اکون له شفیعا) جناب راقم صاحب اس حدیث شریف سے آپ کا مطلب اور زعم کچھ حاصل نہیں ہوتا ہے کیونکہ اس حدیث میں نہ زیارت قبر شریف کا ذکر ہے اور نہ ذکر زیارت کا بعد موت کے ہے۔ جناب راقم صاحب دوسری بات یہ ہے کہ حدیث ضعیف

الاسناد منکر المتن ہے اور حجت پکڑنے کے قابل نہیں ہے اور اہل علم بالحدیث اور ماہرین ونقاد فن حدیث کو اعتماد کرنا اس کے مثل پر نہیں جائز ہے باوجود اس کے آپ کو اختیار ہے اگر آپ اپنی ذات بابرکات کو جماعت مذکورین سے مستثنٰی جانیں، مگر غیروں کو کیوں شامل کرتے ہو؟ دیکھئے کتاب الصارم المنکی کے ص ۳۸ میں: ''قلت هذا الحديث ليس فيه ذكر زيارة القبر ولا ذكر الزيارة بعد الموت مع أنه حديث ضعيف الإسناد ومنكر المتن لا يصلح الاحتجاج به ولا يجوز الاعتماد على مثله ولم يخرجه أحد من أصحاب الكتب الستة ولا رواه الإمام أحمد في مسنده ولا أحد من الأئمة المعتمد على ما أطلقوه في روايتهم ولا صححه إمام يعتمد على تصحيحه وقد تفرد به هذا الشيخ الذي لم يعرف بنقل العلم ولم يشتهر بحمله ولم يعرف من حاله ما يوجب قبول خبره وهو مسلمة بن سالم الجهني الذي لم يشتهر إلا برواية هذا الحديث المنكر وحديث آخر موضوع۔ الخ!''

اسی طرح حدیث عند ابن ابی الدنیا عن انس من زارنی محتسبا کنت لہ شفیعا اوشہیدا کا حال ملاحظہ فرمایئے۔ بحث اس میں بھی وہی ہے جو اوپر گذری ہے باوجود اس کے کتاب الصارم المنکی کے ص ۳۹ میں لکھا ہے کہ یہ حدیث مضطرب المتن اور ضعیف ہے علاوہ اس کے جو جو قباحتیں حدیث مذکور میں ہیں وہ بالبسط مذکور ہیں جس کا جی چاہے کتاب مذکور کے صفحہ مذکورہ میں دیکھ لے برائے تسلی راقم صاحب کے چند سطور نقل بھی کردیتا ہوں تاکہ قافیہ راقم صاحب کی تقریر وتحریر کا تنگ ہوجاوے اور جائے گفتگو باقی نہ رہے اور وہ یہ ہے: ''وهذه الرواية رواية مسلم بن حاتم التي قال فيها عن عبد الله وهو العمري الصغير المكبر الضعيف أولى من رواية العبادي التي اضطرب فيها وقال عن عبيد الله يعني العمري الكبير المصغر الثقة الثبت وكلا الروايتين لا يجوز الاعتماد عليهما لمدارهما على شيخ واحد غير مقبول الرواية وهو مسلمة بن سالم... الخ!''

باوجود اس کے راقم صاحب مولوی عبدالحی صاحب مرحوم کو اپنا پشت وپناہ سمجھ کر احادیث مذکورہ ان کی تعلیق الممجد سے نقل کرتے ہیں مگر یہ نہ سمجھے کہ خود اوپر زیارت قبر شریف کو مستحب فرماچکے ہیں اور امام محمد صاحبؒ کے قول سے بھی استحباب بیان کیا ہے۔ علاوہ اس کے مولانا موصوف خود تصریح فرماتے ہیں کہ: ''واكثر طرق هذه الاحاديث وان كانت ضعيفة لكن بعضها سالم عن الضعف القادح وبالمجموع يحصل القوة۔ الخ!''

حضورمن! اتنا تو خیال فرمایئے کہ اگر تسلیم کیا جائے بحسب فرمودۂ مولانا موصوف کے اگر اکثر طرق روایت کے ضعیف ہوں اور اکثر علماء جس کو ضعیف کہتے ہوں اور بعضے حسن کہتے ہوں اور وہ بھی حسن لغیرہ ہوتو پھر ہم حنفیوں کے نزدیک وہ مفید وجوب زیارت کو کس طرح ہووے؟ اور للاکثر حکم الکل کو لحاظ فرمایا ہوتا تو بھی راقم صاحب کو معلوم ہوتا کہ جو مسئلہ مختلف فیہ ہو تو اس میں جس طرف اکثر علماء نے ذہاب (رخ) کیا ہو اسی کو اختیار کرنا اور اسی پر فتوی دینا چاہئے، فتدبر۔ اور امکان کذب (عموم قدرت باری تعالیٰ) وغیرہ وہابیت اور نیچریت ہند میں ہے۔ بفضلہ تعالیٰ ملک گجرات اور خاص کر رانڈیر میں نہیں ہے اور امکان کذب اور ایسے لغویات دوسرے جو زبان زد (بدعتی) جہلاء واعقلوں کے ہیں موجدین اس کے علمائے رامپور ہیں کسی ایک رانڈیری نے ایسا لغو بکا ہو تو ظاہراً لکھ دیوے کہ فلاں رانڈیری ایسی اندھیری تقریر وتحریر سے پیش آئے ہیں اور خم ٹھوک کر میدان مناظرہ میں آنے کا اقرار کیا ہو یا مناظرہ طلب کیا ہو بڑے دھوم دھام سے پھر بیٹا ملامت کرے باپ کو اور باپ ملامت کرے بیٹے کو

اور اس کے ہمنشین کو اور پھر عذر معذرت کر کے دم دبا قبل جلسہ مناظرہ کے راندیر سے سورت تک فرار کر گیا ہو یَوْمَ یَفِرُّ الْمَرْءُ کے قبیل سے تو اطلاع دیوے تا کہ جواب الجواب تحریر کیا جاوے۔ علاوہ اس کے وہابیت (عرفا) کیا شئے ہے اور کون وہابی ہے؟

راقم صاحب جامع مسجد راندیر میں مولانا خلیل احمد صاحب انبیٹھوی اور علماء راندیر کے مقابل میں بحسب خواہش تحریر کے تشریف لاتے تو صفائی ہو جاتی اور ہنوز بھی جب چاہیں تب نوک قلم سے تحریر فرما کے فیصلہ بین الحق والباطل کا کر لیویں۔ اور راقم صاحب! یہ بھی خیال فرمایئے کہ عبادات و معاملات اور شادی و غمی وغیرہ شعائر اسلام میں کون متبع مذہب حنفی کے ہے اور کون (بدعتی ہے جو) مذہب حنفی کا مخالف ہے آیا ریشمی خالص جبہ پہننے والا یا پہننا حلال سمجھنے والا؟ اور بعد العصر قضاء نماز ادا کرنے کو حرام جاننے والا۔ آفریں ہے ایسے دینیات کے مسائل دانی اور فتاوی نویسی اور بڑے علامہ اور استاذ زمانہ سے مناظرہ جوئی پر بدین دانش و بینش یہ جرأت اور یہ کیفیت کہ تا بقیامت معتقدین سر بجیب تفکر میں حیران و سرگرداں رہیں گے اور یہ بھی راقم صاحب اپنے گریبان میں جھانکیں کہ مثل مچھر کے سورت میں حاجی اسمٰعیل پہاڑیہ کے مدرسہ میں سے بعد ختم بخاری شریف کے علماؤں کے جلسہ سے مولوی حاج الحرمین الشریفین حافظ غلام محمد صاحب کی تقریر شروع ہوتے ہی کون کافور ہو گیا تھا؟ اسی طرح مولانا خلیل احمد صاحب انبیٹھوی جب حرمین شریفین کی زیارت سے مشرف ہو کر راندیر تشریف لائے اور راندیر کی جامع مسجد میں وعظ و مناظرہ کو تشریف فرما ہوئے تو مثل مچھر کے سورت کی طرف ہوا کس کو اڑا لے گئی اور کون مستقیم ہو کے ہر دو موقع پر مستعد مناظرہ ہوا تھا؟ عیاں راچہ بیان۔

الحاصل کتاب المدخل وغیرہ سے بوضاحت پتے صفحہ وغیرہ ہم اوپر ثابت کر چکے ہیں کہ زیارت قبر شریف کی باتفاق ائمہ اربعہ یعنی جناب امام اعظم اور جناب امام شافعی اور جناب امام مالک اور جناب امام احمد کے مستحب ہے اور اس کے استحباب میں کسی طرح کا شک نہیں ہے اور جب بالاتفاق ائمہ اربعہ مجتہدین کے زیارت قبر شریف کی مستحب ثابت ہوگئی تو ائمہ اربعہ کا اختلاف کرنا حرام اور خلاف کرنے والا خارق الاجماع، خطا پکڑنے والا مجتہدین والا شان کا ہے۔

محصول اس کا یہ ہے کہ مقلد کو اجتہاد فی المسئلہ یا اجتہاد فی المذہب اس زمانہ میں ہرگز جائز نہیں ہے اور مقلد کو بدوں تقلید اپنے امام کے چارہ نہیں ہے، عام ہے اس سے کہ وہ مقلد شمس العلماء ہو یا شمس الجہلاء ہو۔ کیونکہ مقلد کو تقلید اپنے امام کی واجب ہے پھر راقم صاحب اگر مقلد ہیں تو امام متفق ہیں استحباب پر اور قول مقلد کا خلاف اپنے امام کے مذہب کے مردود ہے لہٰذا واجب کہنا زیارت قبر شریف کو بھی مردود ہے اس کی تصدیق پر علماء رامپور اور علماء دہلی اور علمائے دیوبند اور علمائے پنجاب اور علمائے کانپور محققین مقلدین کے فتوے بھی ہم نقل کر دیتے ہیں مع مواہیر و دستخط ان کے۔ اور وہ فتاوی یہ ہیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین

وعلی الہ وصحبہ اجمعین وعلی ائمۃ المجتہدین الی یوم الدین

دیگر بڑے مدارس کے فتوے بھی علمائے دیوبند کے ساتھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ: ''زیارت کرنا قبر نبوی ﷺ کا مذہب حنفی میں مستحب ہے یا واجب؟ چونکہ کتابوں میں بعض جگہ تو لکھا ہوا ہے کہ قریب بواجب اور بعض جگہ لکھا ہے واجبات سے اور لوازمات سے ہے اور یہ عبارتیں عوام کے سمجھنے کے لئے متشابہ ہیں اس لئے صاف مرقوم فرماویں کہ مستحب ہے یا واجب؟ دیگر زیارت قبر شریف واجب کہنے والے حنفی مذہب میں کتنے ہیں اور مستحب کہنے والے کتنے ہیں اور دونوں میں قول ضعیف کون سا ہے اور قول ضعیف پر فتویٰ دینا کیا حکم رکھتا ہے اور یہ کس کا کام ہے؟ دیگر جو لوگ کہ زیارت قبر اطہر کے مستحب ہونے کے قائل ہیں انہیں سب وشتم کرنا کیسا ہے؟ بینوا بیانا شافیا توجروا''

''اجرکم اللہ اجرا وافیا!''

جواب استفتاء از جانب علماء مدرسہ عالیہ ریاست رامپور

الجواب واللہ سبحانہ الموفق للصدق والصواب

زیارت قبر نبی اکرم ﷺ افضل مندوبات سے ہے اس پر علماء حنفیہ کا اجماع ہے اور واجب یا قریب واجب بعض کا قول ہے اور ضعیف ہے اور قول مرجوح اور ضعیف پر فتویٰ دینا خلاف اجماع ہے اور سب وشتم قائلین مستحب پر ناجائز ہے۔

''قال فی العالمگیریہ قال مشائخنا انہا افضل المندوبات وفی مناسک الفارسی وشرح المختار انہا قریبۃ من الوجوب لمن لہ سعۃ انتہیٰ۔ قال فی الدر المختار وزیارۃ قبرہ مندوبۃ بل قیل واجبۃ لمن لہ سعۃ انتہیٰ۔ قولہ مندوبۃ ای باجماع المسلمین کما فی اللباب انتہیٰ شامی وفی الدر المختار والفتیا بالقول المرجوح جہل وخرق للاجماع انتہیٰ''

''ہذا صورۃ الجواب واللہ سبحانہ اعلم بالصواب'' العبد المجیب: محمد معز اللہ خان

''الجواب صحیح'' معین الدین

''الجواب صحیح'' محمد ضیاء الدین

''الجواب صواب'' نظام الدین

''الجواب صحیح'' احمد امین

''الجواب صحیح'' محمد عبد اللہ

''صحیح الجواب'' محمد علی حسین

''المجیب لہذا الفتوی انما اجاب بما وجدہ فی کتب الذین یزعمون انہم احناف ولا اظن ان فی المسئلۃ نص عن الامام ولا عن صاحبیہ کما انہ لیس فیہا نص عن باقی الائمۃ ولا عن اللہ ولا عن رسولہ''

روایات مذکورہ جواب سے افضل مندوبات ہونا بصراحت معلوم ہوتا ہے اور یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ قول بالوجوب ضعیف ہے اس لئے کہ لفظ قیل سے اس قول کو بیان کیا ہے جو کہ ضعیف پر دلالت کرتا ہے۔

محمد طیب المکی پرنسپل مدرسہ عالیہ

"واللہ اعلم" محمد فضل حق ...... دستخط پرنسپل مدرسہ عالیہ ریاست رامپور

جواب استفتاء از جانب مدرسہ جامع العلوم کانپور

الجواب: اکثر مشائخ نے زیارت قبر نبوی کو افضل مندوبات سے لکھا ہے اور بعض نے قریب بالوجوب کہا ہے: "قال مشائخنا رحمهم الله من افضل المندوبات و فی مناسک الفارسی و شرح المختار انها قريبة من الوجوب لمن له سعة۔ اھ" (فتح القدیر ج ۲، ص ۳۳۶۔ فتاویٰ ہندیہ)

صاحب درمختار نے البتہ بصیغہ قیل قول وجوب نقل کیا ہے: "وزيارة قبره مندوبة بل قيل واجبة لمن له سعة اھ درمختار"

"قوله بل قيل واجبة ذكره فى شرح اللباب وقال كما بينه فى الدرة المضية فى الزيارة المصطفوية و ذكره ايضا الخير الرملى فى حاشية المنح عن ابن حجر وقال و انتصر له نعم عبارة اللباب والفتح و شرح المختار انها قريبة من الوجوب لمن له سعة۔ انتهىٰ" (شامی)

ان عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ قول مختار یہی ہے کہ مندوب ہے اور فی الواقع وجوب کی کوئی دلیل نصوص شرعیہ میں سے پائی نہیں جاتی اس لئے وجوب کا قائل ہونا دشوار ہے پس اس قول پر فتویٰ نہ دینا چاہئے کیونکہ یہ قول ضعیف ہے اور قائلین استحباب کو سب وشتم کرنا ناواقفی ہے کتب فقہ واصول سے۔ کیونکہ نہ فقہ میں وجوب کی کوئی نقل قوی ملتی ہے اور نہ اصول شرعیہ سے اس کا وجوب ثابت ہوتا ہے۔

دوعالم از فیض محمد رشید ...... مدرس دوم مدرسہ جامع العلوم کانپور

"الجواب الصحیح" محمد اسحاق

"الجواب الصحیح" محمد حسین مدرس مدرسہ جامع العلوم کانپور

جواب استفتاء از جانب علماء مدرسہ فتح پوری دہلی

الجواب: زیارت قبر شریف آنحضرت علیہ الف الف الصلوٰۃ والتسلیم مستحب ہے اس کے استحباب پر اتفاق اور اجماع ہے۔ بعض اہل ظاہر اس کے مخالف ہیں لیکن وہ قابل اعتبار نہیں۔ اور استحباب پر عالمگیریہ اور رد المختار وغیرہ میں تصریح ہے۔ اور زیارت قبر شریف باعث خیر و برکت ہے اور مظہر رحمت الٰہی ہے اور بعض اقوال فقہاء سے وجوب بھی مستفاد ہوتا ہے لیکن وہ قول ضعیف ہے۔ صحیح اور قوی قول استحباب کا ہے اور سب وشتم شعار شیعہ شنیعہ سے ہے۔ اہل سنت والجماعت کو اس سے احتراز لازم ہے۔ خاص کر علماء کو عادات جہال سے اجتناب چاہئے اور زیارت قبر شریف کے متعلق مولانا بحر العلوم (لکھنوی) نے بھی ارکان اربعہ میں بحث مبسوط بیان کی ہے اور اس کو ثابت کیا ہے۔ کتبہ: بندہ ماجد علی عفی عنہ مدرس مدرسہ فتح پوری

"الجواب الصحیح" محمد عبدالغنی مدرس مدرسہ فتح پوری

"المجیب مصیب" حبیب احمد عفی عنہ مدرس مدرسہ فتح پوری

جواب استفتاء از جناب مولانا مولوی نظام علی صاحب

از دہلی لال دروازہ مسجد مولوی عبدالبیگ صاحب

الجواب: حامدو مصلیاً! زیارت قبر شریف مستحب ہے جیسا کہ حدیث مشکوۃ باب حرم المدینہ فصل ثالث سے معلوم ہوتا ہے: "عن ابن عمر مرفوعا من حج فزار قبري بعد موتي كان كمن زارني في حياتي۔ رواه البيهقي في شعب الإيمان"

اس کی شرح میں ملاعلی قاری نے یہ لکھا ہے: "الفاء التعقيبية دالة على أن الأنسب أن تكون الزيارة بعد الحج كما هو مقتضى القواعد الشرعية من تقديم الفرض على السنة وقد روى الحسن عن أبي حنيفة تفصيلا حسنا وهو أنه إن كان الحج فرضا فالأحسن للحاج أن يبدأ بالحج ثم يثني بالزيارة وإن بدأ بالزيارة جاز وإن كان الحج نفلا فهو بالخيار فيبدأ بأيهما شاء انتهى كذا في حاشية المشكوٰة"

اور مجموعۃ الفتاویٰ ص ۲۳۶ جلد دوم مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی میں ہے: "لا كلام في استحباب السفر بقصد المسجد النبوی ﷺ واما بقصد زيارة القبر النبوی ﷺ فهو الذی فيه الاختلاف الفاحش والصحيح انه جاز غير منهی عنه لاطلاق حديث من زار قبری وجبت له شفاعتی وحديث من جاءنی زائرا لا تحمله الا زيارتی كان حقا علی ان اكون له شفيعا و شهيدا يوم القيامة وسنده حسن والله اعلم بالصواب۔ حرره الفقير الحقير نظام علی عفی عنه"

"الجواب الصحیح" ضیاء الحق جہان را کردروشن ۱۳۲۳

"الجواب الصحیح" محمد کفایت اللہ مدرس مدرسہ امینیہ دہلی

"الجواب الصحیح" سید محمد عبدالسلام غفرلہ

"الجواب الصحیح" حبیب احمد مدرس مدرسہ فتحپوری دہلی

"الجواب الصحیح" سید محمد ابوالحسن

"الجواب الصحیح" عبدالغنی عفااللہ عنہ مدرس مدرسہ فتحپوری دہلی ۱۳۲۱

"اصاب من اجاب" محمد بشیر عفی عنہ

"الجواب صواب" ماجد علی عفی عنہ

مخفی نہ رہے کہ نفسِ زیارت قبر شریف کے استحباب میں کچھ کلام نہیں مگر بقصد زیارت شریف غیر جائز ہے۔ "لحدیث لاتشدالرحال الا الی ثلثة مساجد واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم"

کتبہ: محمد یلسین عفی عنہ

اس سے مراد وہ سفر ہے جو صرف زیارت کے لئے ہو اور اس میں مسجد نبوی کی زیارت کا قصد نہ ہو، اس یکطرفہ سفر کو غیر جائز کہا ہے۔

جواب استفتاء از علمائے کراچی ملک سندھ

اقوال اہلِ علم دریں مسئلہ مختلف وارد شدہ اند۔ ومذہب جمہور آنکہ مندوب است وبعض مالکیہ وبعض ظاہریہ بآں رفتہ اند کہ واجب است۔ ومذہب شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ آن است کہ غیر مشروع است وبعض حنابلہ دریں باب تابع اوشدہ اند' وروی ذلک عن مالک والجوینی والقاضی عیاض قائلان مندوب واستدلال قائلین بوجوب حدیث من حج فلم یزرنی فقد جفانی'' است وگویند کہ جفا بر آنحضرت ﷺ محرم است۔ پس زیارت واجب باشد تا در محرم نیفتد۔ وجواب شان ایں کہ جفا بر ترک مندوب گفتہ می شود۔ چنانچہ در ترک صلہ وبر غلظہ طبع۔ چنانکہ در حدیث''من بدا فقد جفا'' است وہر کہ در غیر مشروعیت رفتہ اند حجت اوشان حدیث''لا تشد الرحال الا الی ثلاثۃ مساجد'' است وحدیث''لا تتخذوا قبری عیدا'' جواب از حدیث لا تشد الرحال ایں کہ قصر دراں اضافی است باعتبار مساجد نہ حقیقی۔ ودلیل بریں آنست کہ باسناد حسن در بعض الفاظ حدیث ثابت شدہ''لا ینبغی للمطیعی ان تشد رحالھا الی مسجد تبتغی فیہ الصلوٰۃ غیر مسجدی ھذا والمسجد الحرام والمسجد الاقصیٰ'' پس زیارت وغیرہ خارج از نہی است وجواب ثانی باجماع بر جواز شد الرحال برائے تجارت وسائر مطالب دنیا وبر وجوب آن بسوئے عرفہ برائے وقوف وبسوئے منیٰ برائے مناسک وبسوئے مزدلفہ وبسوئے جہاد وہجرت از دار کفار وبر استحباب آن برائے طلب علم دادہ اند۔ واز حدیث''لا تتخذوا قبری عیدا'' اب چنیں دہند کہ ایں حدیث دلیل است بر حث وبر کثرت زیارت نہ بر منع آں بر آں کہ اہمال کردہ نشود قبر شریف تا آں کہ زیارت نکنند مگر در بعضی اوقات مثل عیدین ومؤید اوست قولہ:''لا تجعلوا بیوتکم قبورا ای لا تترکوا الصلوٰۃ فیھا وکذا قال المنذری وقال السبکی معناہ انہ لا تتخذوا لھا وقتا مخصوصا لا تکون زیارۃ الا فیہ ولا تتخذوہ کالعید فی العکوف علیہ واظہار الزینۃ والاجتماع للھو وغیرہ کالفعل فی الاعیاد بل لا یؤتی الا للزیارۃ والدعاء والصلوٰۃ والسلام ثم ینصرف عنہ''۔

نظر بکشا تو بر انصاف بینی　　　　شود ظاہر بتو راز یقینی
نوشتم مختصر اخبار چندے　　　　کہ روشن گردوت حق گر تو بینی

خلاصۂ عرض ایں کہ نزد علماء احناف مندوب است۔

''وقیل واجبۃ لمن لہ سعۃ (در مختار) ویستحب لہ اذا عزم علی الرجوع الی اھلہ ان یودع المسجد بالصلوٰۃ ویدعو بعدھا بما احب ویاتی القبر الکریم فیسلم ویدعو ویسأل الخ شامی ایضا ذکرہ فی شرح اللباب وقال کمابینہ فی الدرۃ المضیۃ فی الزیارۃ المصطفویۃ وذکرہ ایضا الخیر الرملی فی حاشیۃ المنح عن ابن حجر وقال وانتصر لہ نعم عبارۃ اللباب والفتح وشرح المختار انھا قریبۃ من الوجوب لمن لہ سعۃ وقد ذکر ما ورد فی الزیارۃ وذکر کیفیتھا وآدابھا الخ (شامی) لما کانت زیارۃ النبی ﷺ من افضل القرب واحسن المستحبات بل تقرب من درجۃ ما لزم من الواجبات فانہ ﷺ حرض علیھا وبالغ فی الندب الیھا فقال من وجد سعۃ ولم یزرنی فقد جفانی مراقی الفلاح شرح نور الایضاح ھذا یظھر لی فی الباب واللہ اعلم بالصواب!''

''العبد المجیب''	آثم محمد بلال

تلمیذ مولانا عبداللہ صاحب از کراچی متصل مدرسہ مظہر العلوم

''الجواب الصحیح والرأی اجیح''	عبداللہ عفی عنہ

''المجیب مصیب''	عبدالحق ہالائی

نمبر ۹۱ ۳ مورخہ ۲۵ ذی الحجہ ۱۳۲۳ھ از دفتر انجمن مستشار العلماء لاہور، مطابق ۲۰ فیبروری ۱۹۰۶ء

***

العلماء ورثۃ الانبیاء... مستشار العلماء انجمن لاہور (۱۳۱۴ھ)

شمس العلماء مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ناظم انجمن مستشار العلماء

سوال: (۱) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زیارت قبر نبوی ﷺ کی مذہب حنفی میں واجب ہے یا سنت مؤکدہ ہے یا مندوب ومستحب؟ چونکہ بعض کتابوں میں قریب واجب یا واجبات اورلوازمات سے لکھا ہوا ہے اس لئے صاف مرقوم فرمادیں۔

(۲) دیگر حنفی مذہب کے عالموں میں زیارت قبر شریف کو واجب یا سنت مؤکدہ کہنے والوں کا قول ضعیف ہے یا قوی؟

(۳) اور قول ضعیف پر فتویٰ دینا کیا حکم رکھتا ہے اور یہ کس کا کام ہے؟

(۴) اور جو لوگ زیارت قبر اطہر کے مستحب ہونے کے قائل ہیں انہیں سب وشتم کرنا کیسا ہے؟

(۵) اور زیارت قبر اطہر حج کے فرائض یا واجبات یا سنن مؤکدہ یا مندوبات سے ہے یا الگ ایک مستقل عبادت ہے اور اگر کوئی حج کو جائے اور زیارت قبر اطہر کو نہ جائے تو اس کے حج میں کسی قسم کا نقص واقع ہوتا ہے یا نہیں؟

(۶) اور زیارت بیت اللہ شریف کے بعد اگر زیارت قبر اطہر کو نہ جائے تو آخرت میں وہ شخص عذاب کا مستحق ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا!

الجواب: (۱) قبر اطہر نبوی ﷺ کی زیارت افضل المندوبات واعظم المستحبات میں سے ہے اور باوجود مناسب موقع ملنے کے اس سعادت ؏ سے محروم رہنا ضرور بے نصیبی ہے۔

(۲) جن احناف کرام سے اس کا قریب بواجب یا واجب ہونا منقول ہے ان کی رائے بمقابلہ جمہوری رائے کے مرجوح وضعیف ہے۔

(۳) عموماً قول ضعیف پر بدوں کسی خاص ضرورت کے فتویٰ دینا نادانی اور عام اہل علم کی مخالفت ہے۔

(۴) زیارت کے مندوب مستحب کہنے والوں کو سب وشتم کرنا سخت معصیت اور شدید حماقت ہے۔

(۵) زیارت قبر اطہر بجائے خود ایک فضیلت اور سعادت ہے اور اس کے نہ ہونے سے حج میں کسی قسم کا نقص نہیں رہتا۔

(۶) قبر اطہر کی زیارت نہ کرنے والا بشرطیکہ یہ زیارت نہ کرنا صراحۃً یا کنایۃً کسی قسم کے انکار اور استخفاف کی حیثیت سے نہ ہو کسی عذاب کا مستحق نہیں ہے۔ لیکن اگر یہ ترک زیارت صراحۃً یا اشارۃً انکار اور استخفاف کی حیثیت سے ہے تو ضرور وہ عذاب الٰہی کا مستحق ہوگا۔ ذیل میں ہم فقہائے اسلام کی عبارتیں نقل کرتے ہیں جن سے مندرجہ بالا جوابوں کا ثبوت ہو سکتا ہے: ''خاتمة في زيارة قبر النبي ﷺ قال مشايخنا رحمهم الله تعالى إنها أفضل المندوبات وفي مناسك الفارسي وشرح المختار أنها قريبة من الوجوب لمن له سعة''

(عالمگیریہ ج ۱، ص ۲۶۵)

''وزيارة قبره مندوبة بل قيل واجبة'' (درمختار ص ۲۷۸)

(قوله مندوبة) ''أي بإجماع المسلمين كما في اللباب، وما نسب إلى الحافظ ابن تيمية الحنبلي من أنه يقول بالنهي عنها فقد قال بعض العلماء إنه لا أصل له، وإنما يقول بالنهي عن شد الرحال إلى غير المساجد الثلاث أما نفس الزيارة فلا يخالف فيها كزيارة سائر القبور، ومع هذا فقد رد كلامه كثير من العلماء وللإمام السبكي فيه تأليف منيف قال في شرح اللباب: وهل تستحب زيارة قبره ﷺ للنساء الصحيح نعم بلا كراهة بشروطها على ما صرح به بعض العلماء أما على الأصح من مذهبنا وهو قول الكرخي وغيره من أن الرخصة في زيارة القبور ثابتة للرجال والنساء جميعا فلا إشكال وأما على غيره فكذلك نقول بالاستحباب لإطلاق الأصحاب، والله أعلم بالصواب!''

محقق شیخ علامہ ابن الہمام فتح القدیر میں فرماتے ہیں: ''المقصد الثالث في زيارة قبر النبي ﷺ قال مشايخنا رحمهم الله تعالى من أفضل المندوبات وفي مناسك الفارسي وشرح المختار أنها قريبة من الوجوب لمن له سعة'' (ج ۳، ص ۹۴)

امام تقی الدین السبکی فرماتے ہیں: ''الباب الرابع: في نصوص العلماء على استحباب زيارة قبر سيدنا رسول الله ﷺ وبيانه أن ذلك مجمع عليه بين المسلمين قال القاضي عياض (رحمه الله) زيارة قبره ﷺ سنة بين المسلمين مجمع عليها وفضيلة مرغب فيها وقال القاضى ابو الطيب ويستحب ان يزور النبى ﷺ بعد ان يحج ويعتمر وقال المحاملى فى التجريد ويستحب للحاج اذا فرغ من مكة ان يزور قبر النبى ﷺ'' (شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام ص ۴۷)

''وقال صاحب المهذب ويستحب زيارة قبر رسول الله ﷺ وقال القاضى حسين اذا فرغ من الحج فالسنة ان يقف بالملتزم ويدعوا ثم يشرب من ماء زمزم ثم يأتى المدينة ويزور قبر النبى ﷺ وقال الرويانى يستحب اذا فرغ من حجه ان يزور قبر النبى ﷺ ولا حاجة الى تتبع كلام الاصحاب فى ذلك مع العلم باجماعهم واجماع سائر العلماء عليه والحنفية قالوا ان زيارة قبر النبى ﷺ من افضل المندوبات والمستحبات بل يقرب من درجة الواجبات ممن صرح بذلك منهم ابو منصور محمد بن الكرمانى فى مناسكه وعبد الله بن محمود بن بلاحى فى شرح المختار وفى فتاوىٰ ابى الليث السمرقندى فى باب اداء الحج روىٰ الحسن بن زياد عن ابى حنيفة انه قال الاحسن للحاج ان يبدأ بمكة فاذا قضى نسكه مر بالمدينة وان بدأ بها جاز فيأتى قريبا من قبر رسول الله ﷺ فيقوم بين القبر والقبلة فيستقبل القبلة ويصلى على

النبی ﷺ ومر علی ابی بکر وعمر رضی اللہ عنہما ویترحم علیہما وقال ابو العباس السروجی فی الغایة انصرف الحاج والمعتمرون من مکة فلیتوجھوا الی طیبة مدینة رسول اللہ ﷺ وزیارة قبرہ فانہا من انجح المساعی وکذلک نص علیہ الحنابلة ایضاً قال ابو الخطاب محفوظ بن احمد ابن الحسین الکلوذانی الحنبلی فی کتاب الہدایة فی آخر باب صفة الحج واذا فرغ من الحج استحب لہ زیارة قبر النبی ﷺ وقبر صاحبیہ وقال ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ بن الحسین بن احمد بن القاسم بن ادریس السامری فی کتاب المستوعب باب زیارة قبر الرسول ﷺ واذا قدم مدینة الرسول ﷺ استحب ان یغتسل لدخولہا ثم یأتی مسجد الرسول علیہ الصلوٰة والسلام ویقدم رجلہ الیمنیٰ فی الدخول ثم یأتی حائط القبر یقف ناحیة ویجعل القبر تلقاء وجہہ والقبلة خلف ظہرہ والمنبر عن یسارہ'' (شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام ص ۴۸، ۴۹)

''والمتلخص من مذہب مالک ﷫ ان الزیارة قربة ولٰکنہ علی عادتہ فی سد الذرائع یکرہ منہا لان الاکثار من الخیر خیر وکلہم مجمعون علی استحباب الزیارة'' (ایضاً ص ۵۳)

جب مندرجہ بالا عبارتوں سے صاف واضح ہو کہ جمہور علماء اسلام استحباب زیارت قبر اطہر کے قائل ہیں تو ظاہر ہے کہ اس کے برخلاف واجب یا قریب بواجب کا قائل ہونا مرجوح اور ضعیف ہوگا۔ قال النبی ﷺ ید اللہ علی الجماعۃ مزید برآن یہ کہ محقق ابن الہمام نے فتح القدیر میں حدیث من حج وزار قبری بعد موتی کان کمن زارنی فی حیاتی اور امام تقی الدین السبکی نے شفاء السقام فی زیارت خیر الانام میں حدیث من زارنی بعد موتی فکانما زارنی وانا حی روایت کی ہے جن سے زیادہ سے زیادہ یہ ثابت ہوسکتا ہے کہ زیارت بعد الممات زیارت فی حال الحیات جیسی ہے۔ لیکن عہد نبوت میں ہزاروں اشخاص اپنے اپنے وفد بھیج کر مشرف باسلام ہوتے تھے اور ان میں سے کسی پر کم از کم ایک بار بھی حضرت رسا میں حاضر ہونے کی تاکید نہیں کی جاتی تھی جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت رسا میں حاضر ہونا اور خود آپ کی ذات مقدس کی زیارت کرنا واجب یا قریب الواجب ہوتا تو کسی موقع پر اس کی تاکید کی جاتی مگر کسی روایت سے یہ امر ثابت نہیں ہوتا حالانکہ خود حضرت رسا میں حاضر ہو کر آپ کی ذات مقدس سے مشرف ہونے پر جو فوائد اور فضائل مرتب ہوسکتے ہیں وہ آپ کی قبر اطہر کی زیارت سے کبھی حاصل نہیں ہوسکتے لہٰذا ہماری رائے میں زیارت قبر اطہر کو واجب یا قریب بواجب کہنا ایک مرجوح اور ضعیف قول ہے۔ ہاں اس کے موجب شرف اور باعث فضیلت ہونے میں کلام نہیں ہوسکتا۔

''وأن الحکم والفتیا بالقول المرجوح جہل وخرق للإجماع (در مختار ج ۱، ص ۵۵) قلت: لکن ہذا فی غیر موضع الضرورة، فقد ذکر فی حیض البحر فی بحث ألوان الدماء أقوالا ضعیفة، ثم قال: وفی المعراج عن فخر الأئمة: لو أفتی مفت بشیء من ہذہ الأقوال فی مواضع الضرورة طلبا للتیسیر کان حسنا. اہ'' (رد المحتار ج ۱، ص ۵۵)

جب روایات مندرجہ سے قول باستحباب کا مذہب جمہور ہونا اور روایات مندرجہ سے قول بالاستحباب ہی کا راجح اور قوی ہونا ثابت ہوگیا تو ظاہر ہے کہ قائلین بالاستحباب کو سب وشتم کرنا سخت معصیت اور شدید حماقت ہے۔

''ثم قال فاذا قضی الناس حجہم امہلہم الایام التی جرت عادتہم بہا فاذا رجعوا سار بہم عن طریق مدینة رسول اللہ ﷺ لیجمع لہم بین حج بیت اللہ وزیارة قبر رسول اللہ ﷺ رعایة لحرمة وقیاما بحقوق

طاعته وذلک وان لم یکن من فروض الحج فهو من مندوبات الشرع المستحبة وعبادات الحجج المستحسنة (شفاء السقام ص ۴۸) ما احسن ما احکاه السبکی عن بعض الفضلاء وان کان فیه ما فیه ان کون الزیارة قربة معلومة من الدین بالضرورة وجاحده محکوم علیه بالکفر انتهیٰ"

(الجوہر المنظم فی زیارۃ القبر الشریف المکرم ص ۱۵، ۱۶)

"واللہ اعلم بالصواب"　　　کتبہ العبد المذنب المفتی ...... محمد عبداللہ التونکی عفی عنہ

"المجیب مصیب" فی الواقع زیارت روضہ مطہرہ حضور سید الانام ﷺ کی نہایت مستحسن ہے۔ خوش نصیب وہ جو بعد حج سے مشرف ہوا اور جو شخص باوجود استطاعت حاضر نہ ہوا تو عین اس کی محرومی ہے۔ فقط!

بندہ احمد علی عفی عنہ

"الجواب صحیح"　　　محمد اسماعیل عفی عنہ، مدرس مدرسہ اسلامیہ

"الجواب صحیح"　　　محمد حسن عفی عنہ، مدرس اول مدرسہ حمیدیہ

"الجواب مظہر الصواب"　　　محمد یار عفی عنہ، امام مسجد طلائی لاہور

"الجواب حق"　　　اصغر علی روحی عفی عنہ

"هذا الجواب هو الجواب عند اولی الابصار والالباب" محمد عالم مدرس دوم عفی عنہ

"الجواب صحیح"　　　غلام رسول مدرس چہارم مدرسہ حمیدیہ

جواب استفتاء از علمائے مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور

زیارت قبر آنحضرت سید المرسلین ﷺ صلی اللہ علیہ والہ واصحابہ اکمل الصلوٰۃ وافضلہا کی حنفی مذہب میں مستحب ہے اور اس پر اجماع مسلمانوں کا ہے بلکہ جس کو گنجائش ہو اس کے واسطے واجب لکھا ہے: "قال فی الدر المختار شرح تنویر الابصار، وزیارة قبره مندوبة بل قیل واجبة لمن له سعة، قوله مندوبة ای باجماع المسلمین کما فی اللباب، شامی حاشیہ در مختار"

"مذکور بل قیل واجبة عبارة اللباب والفتح وشرح المختار انها قریبة من الوجوب لمن له سعة شامی مذکور"

اور جن کتابوں میں قریب واجب کے لکھا ہے اس سے مراد زیادہ تاکید باب زیارت میں ہے۔ کیونکہ فضائل زیارت کے بہت اور لاتعد ولاتحصیٰ ہیں۔ ایک ثبوت وجوب ولزوم شفاعت آنحضرت ﷺ کا زائر کے واسطے۔ یہ کس قدر بڑا درجہ ہے چنانچہ من زار قبری وجبت له شفاعتی حدیث نبی ﷺ اس کی دلیل محکم ہے دوسری زائر کو بشارت اسلام پر مرنے کی اسی حدیث سے ثابت ہے۔ انہی فضائل کی وجہ سے امام اعظم ابوحنیفہؒ نے قریب واجب کے لکھا ہے چنانچہ "جذب القلوب الی دیار المحبوب" میں جو شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی تصنیف اور حنفی مذہب کی ہے لکھا ہے: "وزیارت آنحضرت ﷺ نزد ابی حنیفہ از افضل مندوبات واوکد مستحبات است وقریب بدرجہ واجبات"۔

اس عبارت سے مذہب احناف کا استحباب پورا ثابت ہوتا ہے۔ اور واجب اصلی کسی کا مذہب معتبر نہیں۔

اگر چہ امام مالکؒ قائل وجوب کے ہوئے مگر محققان نے اس کی تاویل کی ہے سنن واجبہ کے ساتھ اور اوپر قول ضعیف کے فتویٰ دینا اور خود عمل کرنا جائز نہیں ہے: ''وأن الحکم والفتیا بالقول المرجوح جھل وخرق للإجماع (الدر المختار) وکذا العمل بہ لنفسہ (شامی)''

اور فتویٰ دینا کار مجتہد اور ماہر فقہ اور متقی کا ہے۔ عامی اور ہر کس وناکس کا یہ کار نہیں ہے اور سب وشتم کرنا قائلین استحباب کو ناجائز ہے۔ اور مسلمان کو سب وشتم کرنا فسق اور کبیرہ ہے۔ ساب لائق گواہی دینے کے نہیں رہتا۔ زیارت مدینہ منورہ کی مستقل عبادت مستحبہ ہے، حج کے فرائض اور واجبات اور سنن حج سے بالکل نہیں۔ اگر حج کرے اور زیارت قبر نبوی ﷺ کی نہ کرے حج میں قصور نہ واقع ہوگا مگر فضائل زیارت سے جو اس میں آتے ہیں محروم رہے گا۔ وھو الخسر ان العظیم اور وہ شخص مستحق عذاب کا بھی نہ ہوگا کیونکہ مستحب کے ترک سے عذاب نہیں ہوتا مگر محرومی کس قدر ہے اللہ بچاوے محرومی فضیلت سے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم!

حررہ اضعف العباد عنایت الٰہی (بروز جزا ہو) از مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور

''المجیب مصیب'' عبداللطیف عفی عنہ

''الجواب صحیح'' کفایت اللہ غفرلہ

''صحیح'' سکندر علی عفی عنہ

''صحیح'' ثاقب علی عفی عنہ

جواب استفتاء از علمائے دیوبند

زیارت قبر نبوی ﷺ عند الحنفیہ مستحب بلکہ افضل مستحبات میں سے ہے اور بعض نے واجب کہا ہے۔ علامہ ابن ہمامؒ فتح القدیر میں فرماتے ہیں: ''قال مشائخنا رحمھم اللہ تعالیٰ من افضل المندوبات وفی مناسک الفارسی وشرح المختار انھا قریبۃ من الوجوب لمن لہ سعۃ۔ وفی الدر المختار والشامی وزیارۃ قبرہ ﷺ مندوبۃ، بل قیل واجبۃ لمن لہ سعۃ (قولہ مندوبۃ) أي بإجماع المسلمین کما في اللباب، وما نسب إلی الحافظ ابن تیمیۃ الحنبلي من أنہ یقول بالنھي عنھا فقد قال بعض العلماء إنہ لا أصل لہ الخ۔ قولہ بل قیل واجبۃ ذکرہ فی شرح اللباب''

مواہب لدنیہ جلد ثانی ص ۵۰۲ میں ہے: ''اعلم أن زیارۃ قبرہ الشریف من أعظم القربات وأرجی الطاعات والسبیل إلی أعلی الدرجات ومن اعتقد غیر ھذا فقد انخلع من ربقۃ الإسلام وخالف اللہ ورسولہ وجماعۃ العلماء الأعلام وقد أطلق بعض المالکیۃ وھو أبو عمران الفاسی کما ذکرہ فی المدخل عن تھذیب الطالب لعبد الحق أنھا واجبۃ قال ولعلہ أراد وجوب السنن المؤکدۃ وقال القاضی عیاض إنھا سنۃ من سنن المسلمین مجمع علیھا وفضیلۃ مرغب فیھا''

الغرض روایات مذکورہ سے ثابت ہوا کہ اصح یہ ہے کہ زیارت قبر نبوی ﷺ مستحب ومندوب ہے اور جن لوگوں نے واجب کہا غرض ان کی تاکید کرنا ہے۔ علی الاطلاق وجوب پر فتویٰ دینا ناواقف کا کام ہے اور سب وشتم

کرنا مستحب و مندوب کہنے والوں کو اقبح جہالات سے ہے گویا تمام علماء و فقہاء اعلام کو طعن کرنا ہے اور زیارت قبر نبوی ﷺ حج کے ارکان و فرائض و سنن و مستحبات سے نہیں ہے بلکہ مستقل جداگانہ قربت و طاعت ہے۔ اگر کوئی شخص حج کرے اور مدینہ منورہ نہ جاوے تو حج میں اس کے کچھ نقص نہیں ہے البتہ باوجود استطاعت کے زیارت قبر شریف سے محروم رہنا یا معاذ اللہ از راہِ انکار وہاں حاضر نہ ہونا شقاوت و قساوت کی دلیل ہے لیکن باوجود مندوبیت و استحباب اگر بسبب کسی عذر کے مدینہ منورہ جانا نہ ہو سکے تو اس پر کچھ مواخذہ نہیں ہے۔ قال اللہ تعالیٰ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ وقال علیہ السلام انما الاعمال بالنیات ولکل امرء مانوی۔ واللہ اعلم!

عزیز الرحمٰن عفی عنہ دیوبندی

"الجواب صحیح" بندہ محمود عفی عنہ مدرس اول مدرسہ اسلامیہ دیوبند

"الجواب صحیح" غلام رسول عفی عنہ

"الجواب صحیح" خلیل احمد عفی عنہ مدرس مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور

"اصاب المجیب" محمد حسن عفی عنہ

"الجواب صحیح" احقر الزمان گل محمد خان

"الجواب صحیح" محمد زین العارفین پشاوری عفی عنہ

"الجواب صحیح" بندہ نور علی عفی عنہ

زیارت قبر نبوی ﷺ کے فضائل بے شمار ہیں اور احادیث اس بارے میں کثیر ہیں۔ مواہب اللدنیہ و فتح القدیر وغیرہ میں بالتفصیل مذکور ہیں بلکہ بعض روایات میں ترک زیارت پر "جفائی" بھی فرمایا ہے جس کا مؤید قصہ بلال رضی اللہ عنہ ہے کہ جب وہ ایک زمانے کے بعد زیارت کو حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے خواب میں فرمایا کہ اے بلال! یہ کیا جفا کرتے ہو جو جذب القلوب میں مرقوم ہے۔ پس زیارت قبر آنحضرت ﷺ افضل مندوبات سے ہے ہاں اس کے ترک سے حج میں کوئی نقص لازم نہیں آتا۔ حررہ: المسکین محمد یٰسین

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا مذکورہ خواب

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو جو خواب میں کہا گیا کہ اے بلال! تو نے یہ مجھ پر جفا کی ہے کہ اتنے دن مجھ سے دور رہا۔ اس میں یہ بات علی وجہ النہار روشن ہے کہ حضور ﷺ سے اتنے دن دور رہنا آپ کو پسند نہ آیا۔ اس بات پر ہم اس کتاب کو ختم کرتے ہیں کہ حضور ﷺ کے روضہ پر زیارت کے لئے جانا اعلیٰ درجہ کے مستحبات میں سے ہے۔ ہم اس روایت کے یہ الفاظ روضہ کی زیارت کی روحانی لذت کے لئے پھر یہاں درج کئے دیتے ہیں: "إن بلالاً رأى في منامه النبي ﷺ وهو يقول له: ما هذه الجفوة۔ يا بلال أما آن لك أن تزورني يا بلال، فانتبه حزيناً وجلا خائفاً فركب راحلته وقصد المدينة"

واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم ولہ الحمد!

***

مسلکِ ارجمند از اکابرِ دیوبند

المعروف بہ

اجماع العلماء الاعلام علیٰ حیات الانبیاء الکرام علیہم السلام

از

مفکر اسلام حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب

☆ علمائے دیوبند شکر اللہ سعیہم شروع سے حضور ﷺ کے جسدِ اطہر میں آپ کی حیات برزخی کے قائل چلے آرہے ہیں گویا اس پر ان سب کا اجماع ہے۔ان میں ایسے بھی ہیں جو اپنے خیمے جنت میں لگا چکے اور ایسے بھی جو اس وقت زندہ ہیں اور دیوبند کے تمام علمی حلقوں میں وہ وابستگان دیوبند کے اکابر سمجھے جاتے ہیں۔

☆ یہ مسلک بہت صحیح اور واضح ہے اور ان حلقوں کے تمام علماء اعلام اس سے مسلک اس کے دل سے معتقد اور زبان سے معترف چلے آرہے ہیں۔ یہاں ہم انہیں مرحومین اور موجودین کے دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں اور پہلے مرحومین کے مسلک سے اپنے قارئین کے دل ودماغ کو منور کرتے ہیں۔دیوبند کا مسلک ارجمند سب اہل سنت والجماعت کو مبارک ہو۔

☆ دار العلوم دیوبند کا یہ ۱۴۰۵ھ کا مفصل فتوی یہاں ہدیہ قارئین ہے۔غور فرمائیں کہ پنجاب کے مماتی گروہ میں اگر کچھ بھی مسلکی صداقت، علمی قوت اور استدلالی شوکت ہوتی تو یہ کیسے ہوسکتا تھا کہ ہندوستان کے دس ہزار مدارس دینی میں کوئی ایک معروف شیخ الحدیث بھی ان کا ہمنوا نہ ہو اور یہ بدعتی ٹولہ صرف پنجاب میں ضد اور انتشار کے سہارے ایک علیحدہ اختلافی مسلک بنائے بیٹھا ہو۔اب ان مسالک پر نظر کیجئے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰی... أَمَّا بَعْدُ!

پیشتر اس کے کہ حیات النبی ﷺ کے باب میں ہم ان اکابر دیوبند کی تصریحات پیش کریں جو اللہ کے جوارِ رحمت میں جا چکے ہیں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے اس بات کی وضاحت کردی جائے کہ مسلک دیوبند سے کیا مراد ہے۔یہ کوئی نیا مسلک نہیں۔یہ اہل سنت کی وہی تاریخی شاہراہ ہے جو پندرہ سو سال سے متصل چلی آرہی ہے۔

معلوم ہے کہ دارالعلوم دیوبند کسی ''مستقل مکتب فکر'' کا بانی نہیں اور نہ اکابر دیوبند کے مسلک کی تاریخ دارالعلوم دیوبند کی تاریخ سے شروع ہوتی ہے۔ اکابر دیوبند نے کوئی نیا مسلک ترتیب نہیں دیا بلکہ دارالعلوم کے تمام اکابر انہی عقائد وافکار کے پابند رہے جو قرونِ ثلٰثہ م شھود لھا بالخیر سے ما انا علیہ و اصحابی کی مقدس وراثت کے طور پر چلے آرہے تھے۔ دیوبندیت کسی مستقل مکتب فکر یا مسلک عمل کا نام نہ تھا، بلکہ سلف صالحین، اہل تحقیق کی کامل اتباع اور اس کی تعلیم واشاعت اکابر دارالعلوم دیوبند کا طرۂ امتیاز رہا ہے۔ یہ تمام حضرات عقائد میں اہل سنت والجماعت اور فروعات میں امام اعظم ابوحنیفہؒ کے مسلک پر عمل پیرا تھے اور دارالعلوم دیوبند پورے ایشیا میں اس مسلکِ فکر کا سب سے بڑا مرکز سمجھا جاتا رہا ہے۔

اچانک اوپر سے تار ہلا اور جناب مولوی احمد رضا خاں صاحب اوائل ۱۳۲۴ھ میں ان بزرگوں کے خلاف ایک تکفیری دستاویز تیار کر کے حجاز پہنچ گئے تاکہ علمائے حرمین سے اس پر دستخط لینے میں کامیاب ہو سکیں۔ انہیں ان کے پاس پہنچنے کا فائدہ یہ تھا کہ وہ اردو نہ جانتے تھے اور وہاں علماء دیوبند کی اردو تحریرات بدلے مفہوم سے پیش کی جاسکتی تھیں۔

کئی منزلیں گزرنے کے بعد معاملہ یہاں تک پہنچا کہ علمائے حرمین نے ''موضوعات زیر بحث'' اکابر دیوبند سے خود براہ راست ۲۶ استفسارات کیے اور ان کے عقائد وافکار کو اصول اہل سنت پر جانچنے کی کوشش کی۔ اس کے جواب میں اس وقت کے اکابر دارالعلوم نے اپنا مسلک پیش کیا اور ۲۶ مفصل جوابات کے ضمن میں اپنے عقائد وافکار یکجا قلمبند کر دیئے اور اس پر اپنی مہریں ثبت کر دیں۔ فخر المحدثین حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ نے انہیں لکھا اور حضرت شیخ الہند، مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند مفتی عزیز الرحمن صاحب، حکیم الامت حضرت تھانوی، حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری اور حضرت مفتی کفایت اللہ دہلوی ﷫ جیسے سب بزرگوں نے اس پر تصدیقات تحریر فرما دیں اور فقط اعتماداً نہیں بلکہ تحقیقاً سب جواب دیکھ کر اس پر دستخط کر دیئے۔

چنانچہ مفتی اقلیم ہند حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں: ''رَأَيْتُ الْأَجْوِبَةَ كُلَّهَا فَوَجَدتُّهَا حَقَّةً صَرِيْحَةً''

ترجمہ: میں نے تمام جوابات خود دیکھے ہیں اور انہیں حق صریح پایا ہے۔

ان عقائد پر پھر مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، جامعہ ازہر، مصر وشام کے علمائے کبار (جن میں احناف وشوافع، موالک وحنابلہ، مسالک اربعہ کے اکابر علماء سب شامل تھے) سب نے اس پر تصدیقات فرمائیں اور یہ متفقہ دستاویز ''المہند'' کے نام سے عقائد علمائے دیوبند کی ایک مرکزی کتاب وجود میں آگئی۔ اس منزل سے گزرنے کے بعد اکابر دیوبند کا مسلک ایک واضح معین اور مشخص صورت میں سامنے آگیا۔ یہ کوئی نیا مسلک نہ تھا، چودہ سو سال کے اکابر علمائے حق کی ہی صدائے بازگشت تھی۔ دیوبندیت کے ضابطہ تحریر میں آنے کے بعد اب یہ امکان نہ رہا کہ کوئی شخص علمائے دیوبند کی طرف کسی ایسے عقیدے کو منسوب کرے جو اکابر کی اس اجتماعی مسلکی دستاویز کے خلاف ہو اور نہ ہی یہ امکان باقی رہا کہ کوئی منسوب بہ دارالعلوم افکار وآراء کے باہمی اختلاف میں اس مرکزی دستاویز سے کچھ تجاوز کر سکے۔ اگر کوئی شخص اپنے آپ کو اکابر دیوبند کے مسلک پر بھی کہے اور عقائد بھی اس کے اس ''مرکزی

مسلکی دستاویز" کے خلاف ہوں اور نہ صرف خلاف بلکہ اس کا رد و ابطال اس کے نزدیک جز و تبلیغ توحید ہو تو پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ کذب و دجل اور دھوکہ و فریب آخر کس بلا کا نام ہے؟ عقل و خرد سے کھیلنے کا یہ خوف ناک منظر ہم نے خود پنجاب میں آنکھوں دیکھا ہے۔

ہندوستان کے سیاسی دور میں ان حضرات میں گو کہیں اختلاف بھی تھا کہ حضرت شیخ الہندؒ تحریک خلافت میں تھے اور حضرت حکیم الامۃؒ اس میں شامل نہ تھے مگر اکابر دیوبند ہونے کے ناطے انہیں حرمین سے آئے ان سوالوں کا ایک جواب دینا پڑا تو اس سے یہ اکابر بطور مسلک پورے ہندوستان میں متشخص اور ایک ہو گئے۔

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہو گئی کہ اس مرکزی مسلکی دستاویز کے علاوہ اور دوسرے مسائل میں اختلاف خواہ وہ تعبیرات و توجیہات میں ہو یا فقہی جزئیات میں، ترجیحات کے باب میں ہو یا تنظیمات عمل میں اصل دیوبندیت کو ہرگز مشتبہ نہیں کرتا۔ اس لیے کہ دیوبندیت اکابر دیوبند میں سے کسی ایک شخصیت کا نام نہیں اور نہ دیوبندیت کا معیار اکابر میں سے کسی ایک بزرگ کی تقلید شخصی ہے بلکہ مسلک دیوبند کا مرکزی نقطہ "المہند علی المفند" ہے جسے وقت کے تمام اکابر دیوبند اجتماعاً آئینہ دیوبندیت قرار دے چکے ہوئے ہیں۔

مسائل حدیث میں حضرت گنگوہی اور حضرت علامہ کشمیری کے اختلافات توجیہات اہل علم سے مخفی نہیں۔ حضرت شیخ الہند اور حضرت تھانوی کے مختلف مواقف عمل سے کون واقف نہیں۔ اور مختلف علمائے دیوبند کے مختلف نظریات بلکہ تفردات کس دور میں نہیں رہے۔ اکابر کی علمی تحقیقات کے ناپیدا کنار سمندر اور تصنیفات کے ضخیم دفاتر اس حقیقت حال کے پُرزور ترجمان ہیں کہ اکابر دیوبند افکار شریعت اور اسرار کتاب و سنت کی تعلیم و تفہیم میں ہمیشہ دقیق النظر اور عمیق الفکر اور سلف صالحین کے متبع رہے ہیں اور انہوں نے اپنی روایتی وسیع النظری کو کبھی گروہی تعصب یا دھڑے بندی کی نذر ہونے نہیں دیا۔ فجزاهم الله احسن الجزاء!

افکار و آراء کے ان اختلافات میں کبھی ایک طبقے نے دوسرے کی دیوبندیت کو چیلنج نہیں کیا نہ اسے اس پہلو سے کسی شبہے کی نگاہ سے دیکھا اور نہ کبھی سنا گیا کہ علماء کا فلاں طبقہ مسلک دیوبند سے ہٹ گیا ہے اس لیے کہ ایسے تمام اختلافات اور ایسے مختلف نظریات جو ان ابواب میں ہوئے مسلک دیوبند کی مرکزی مسلکی دستاویز "المہند علی المفند" سے کسی طرح متصادم نہ ہوتے تھے۔ مسلک دیوبند کے خدوخال جس آئینے میں متشخص یا متعین ہوئے وہ بلا ریب اکابر دیوبند کی اجماعی تحریر "المہند علی المفند" ہی ہے۔ مسلک دیوبند کی حدود باعتبار کمیت کبھی بھی "المہند" سے متجاوز نہیں ہوئیں۔ ہاں باعتبار کیفیت یعنی قوت و ضعف کے مختلف بزرگوں کا مزاج مختلف رہا ہو تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔

مسئلہ حیات النبی ﷺ کا مدار اگر صرف "آب حیات" پر ہوتا تو اس سے اختلاف مسلک دیوبند سے خروج نہ تھا اس لیے کہ دیوبندیت کوئی مستقل مکتب فکر نہیں اور نہ حضرت نانوتویؒ کسی علیحدہ مکتب فکر اور مسلک عمل کے بانی تھے بلکہ حضرت نانوتوی اور حضرت گنگوہی نے دارالعلوم دیوبند کی بنیاد جس اصول پر رکھی، وہ سلف صالحین اہل سنت کی اعتقاداً اور عملاً کامل اتباع ہی تھی۔ ان اکابر سے کسی ایک مسئلہ میں اختلاف یہ صورت فکر تو پیش کر سکتا تھا کہ جانب مخالف اہل سنت سے خروج ہے یا یہ اختلاف حدود اہل سنت میں بھی ہو سکتا ہے، لیکن یہ بحث ہرگز نہ چل سکتی تھی

کہ یہ مسلک دیوبند سے خروج ہے یا نہیں، اس لیے کہ دیوبندیت حضرت نانوتوی یا حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کی تقلید شخصی کا نام ہرگز نہیں۔

دیوبند سے قریبی تعلق رکھنے والوں سے یہ حقیقت مخفی نہیں کہ مسئلہ حیات النبی ﷺ میں مسلک دیوبند کا مدار صرف آب حیات پر نہیں، بلکہ ''المہند'' کی اجماعی مسلکی دستاویز پر ہے پس اس سے اختلاف یقیناً مسلک دیوبند سے خروج اور دیوبندیت سے ہٹ جانا ہے ورنہ ان تمام اکابر کی تکذیب لازم آتی ہے جنہوں نے ''المہند'' کو آئینہ دیوبندیت قرار دیا تھا اور ان تمام بزرگوں کی بھی تجہیل ہوتی ہے جو اسے دوسروں کے سامنے دیوبندی مسلک فکر کے ترجمان کی صورت میں پیش کرتے رہے۔

مسئلہ زیر بحث میں مسلک دیوبند تو ''المہند'' سے ہی پوری طرح عیاں ہے، تاہم اکابر دیوبند کی علیحدہ علیحدہ تصریحات بھی تائیداً پیش خدمت ہیں۔ انہیں مرحومین اور موجودین کی ترتیب سے ہدیہ قارئین کیا جاتا ہے۔

اکابرِ دیوبند حضرات مرحومین کرام رحمہم اللہ

۱...... حجۃ الاسلام علی العالمین، مرکز دائرۃ التحقیق، قطب افلاک اسرار التشریع

حضرت مولانا الشیخ محمد قاسم النانوتوی الصدیقی انار اللہ برہانہ (۱۲۹۷ھ)

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے حسب ارشاد حضرت امام ربانی مولانا رشید احمد گنگوہیؒ ایک کتاب ''ہدیۃ الشیعہ[۱]'' تحریر فرمائی تھی۔ آپ اس میں رقمطراز ہیں: ''رسول اللہ! بلکہ تمام انبیاء بالیقین قبر میں زندہ ہیں، تو اس صورت میں آپ کی ملک زائل ہونے ہی نہیں پائی، جو وارثوں کی ملک اس کے قائم مقام ہو، بلکہ جیسے ہم تم کہیں چلے جائیں یا چندے کسی گوشہ میں بیٹھ رہیں، اور ہمارے لواحق وغیرہ ہماری اشیاء کو برتیں اور اس سے ہماری ملک زائل نہیں ہوتی اور برتنے والے یا وارث مالک نہیں بن جاتے ایسے ہی رسول اللہ ﷺ بھی گوشہ قبر میں پنہاں ہو گئے اور آپ بدستور اپنے اشیاء اموال کے مالک ہیں، کوئی اور مالک نہیں ہو گیا اور حدیث لانورث ماترکناہ صدقۃ جو ابوبکر صدیقؓ سے مروی ہے۔ اس حدیث کی لم بھی یہی معلوم ہوتی ہے کہ آپ ﷺ اب تک بقید حیات ہیں، پر شیعہ نہ سمجھیں تو کیا کیجئے۔'' (ہدیۃ الشیعہ ص ۲۶۸، ۲۶۹ از حضرت نانوتویؒ)

[۱] (ایک ضروری نوٹ) ''ہدیۃ الشیعہ'' اور ''ہدایۃ الشیعہ'' دو علیحدہ علیحدہ کتابیں ہیں۔ اوّل الذکر حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کی تصنیف ہے اور ثانی الذکر حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کی۔ مولانا نانوتوی کی کتاب بھی دراصل حضرت گنگوہی کی تحریک پر لکھی گئی تھی۔ یہ آب حیات سے بہت پہلے کی تصنیف ہے۔ حضرت مولانا نانوتوی آب حیات میں لکھتے ہیں: ''ارشاد حضرت مجموعہ علم و عمل جامع کمالات عیانی و پنہانی عالم ربانی مولانا رشید احمد صاحب خلیفہ راشد حضرت پیر و مرشد دام اللہ فیوضہ باعث تحریر اصل رسالہ اعنی ہدیۃ الشیعہ ہوا تھا۔'' (آب حیات ص ۵ مطبع مجتبائی) ''ہدایۃ الشیعہ'' میں حیات النبی ﷺ کے مضمون کا ہونا ان لوگوں کے لئے تازیانہ عبرت ہے جو اسے محض حضرت نانوتوی کی افتاد طبع قرار دیتے ہیں اور اسے ان کے تفرد پر محمول کرتے ہوئے حضرت گنگوہی کو اس سے بالکل لاتعلق قرار دیتے ہیں۔ حق یہ ہے کہ ہدیۃ الشیعہ (حیات النبی ﷺ کے بیان پر حضرت نانوتوی کی پہلی تصنیف) کے محرک ہی حضرت گنگوہی تھے۔

پھر حضرت نانوتویؒ لطائف قاسمیہ میں لکھتے ہیں: ''انبیائے کرام کو انہیں اجسام دنیاوی[1] کے تعلق کے اعتبار سے زندہ سمجھتا ہوں۔'' (لطائف قاسمیہ)

پھر لکھتے ہیں: ''اصل مضامین کی حقیقت تو اپنے نزدیک محقق[2] ہو گئی۔ یوں کوئی منکر نہ مانے تو وہ جانے، منکروں کا کام یہی ہے۔'' (آب حیات ص ۵)

پھر لکھتے ہیں: ''انبیاء کو ابدان دنیا کے حساب سے زندہ سمجھیں گے پر حسب ہدایت ''کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ اور اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ'' تمام انبیائے کرام خاص کر حضرت سرور امام ﷺ کی نسبت موت کا اعتقاد[3] بھی ضروری ہے۔'' (لطائف قاسمیہ ص ۴)

حضرت نانوتویؒ ایک دوسرے مقام پر انبیائے کرام علیہم السلام کے لیے ورودِ موت کا اقرار ان لفظوں میں کرتے ہیں: ''بالجملہ موتِ انبیاء اور موتِ عوام میں زمین و آسمان کا فرق ہے، وہاں استتارِ حیات زیر پردہ موت ہے اور یہاں انقطاعِ حیات بوجہ عروضِ موت ہے۔ اگر موت ضد حیات اور صفت وجودی ہو یا بوجہ دیگر اگر موت عدم اور ملکہ حیات ہو اور شاید یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ جناب باری نے حضرت سرورِ عالم ﷺ کو جدا خطاب کر کے ارشاد فرمایا۔ اِنَّكَ مَيِّتٌ اور سوا آپ ﷺ کے اوروں کو بھی جدا ارشاد فرمایا: وَاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ اور مثل جملہ لاحقہ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ سب کو شامل کر کے یوں ارشاد فرمایا کہ اِنَّكُمْ مَّيِّتُوْنَ بالجملہ جیسے حیات نبوی ﷺ

---

[1] اس سے معلوم ہوا کہ حضرت نانوتوی اور علماء دیوبند جو آنحضرت کی اس عالم برزخ کی حیات کو دنیاوی حیات کہتے ہیں، اس سے ان کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ وہ حیات برزخی اسی دنیا والے جسد اطہر سے متعلق ہے نہ یہ کہ وہ حیات بجمیع الوجوہ دنیاوی حیات ہے۔ جب حضرت نانوتوی حیات دنیاوی کے مفہوم اور اس کی حدود کو خود واضح فرما رہے ہیں کہ وہ بعینہا اس دنیا والی حیات نہیں بلکہ حیات دنیوی کا اطلاق محض ابدان دنیوی میں زندگی ہونے کے اعتبار سے ہے تو کس قدر مغالطہ دہی ہے کہ اس حیات دنیوی کے ابطال کے لئے ان آیات اور روایات کا سہارا لیا جائے جن میں اس عالم دنیا کی حیات اور اس کے مطلوب و محبوب نہ ہونے کا بیان ہے جو لوگ اس مغالطہ دہی کے سہارے علمائے دیوبند کے خلاف یہ پروپیگنڈہ کرتے ہیں کہ وہ آنحضرت ﷺ کو اسی عالم دنیا میں زندہ سمجھتے ہیں اور انتقال دار من الدار کے قائل نہیں۔ انہیں حضور ﷺ کا یہ ارشاد پیش نظر رکھ کر کہ آپ نے مغالطے ڈالنے سے منع فرمایا ہے۔ نہی عن الاغلوطات اپنی آخرت کی فکر کرنی چاہئے۔ واللہ ھو الموفق!

[2] اس سے معلوم ہوا کہ حضرت نانوتوی حیات النبی ﷺ کے مضمون کو محض الزامی طور پر بیان نہیں کر رہے بلکہ اس کا حق ہونا حضرت کے نزدیک محقق ہے۔ یوں کوئی منکر نہ مانے تو وہ جانے۔ افسوس کہ اس باب میں بھی مغالطہ دہی سے کام لیا جاتا ہے اور یہ ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی جاتی ہے کہ حیات النبی ﷺ حضرت کا اپنا عقیدہ نہ تھا بلکہ آپ نے اسے محض الزامی طور پر تردید شیعہ کے لئے بیان کیا تھا۔ رب العزت تقیہ کی تہمت سے محفوظ رکھے۔

[3] حضرت کی یہ تفریع ان لوگوں کے منہ پر ایک عبرتناک طمانچہ ہے جو یہ پراپیگنڈہ کر رہے ہیں کہ حضرت نانوتوی ﷫ کا یہ عقیدہ تھا کہ حضور ﷺ پر ورود موت ہی نہیں ہوا اور وہ حضور ﷺ کے لئے کسی قسم کی وفات کے قائل نہیں۔ یہ حضرت پر ایک بہتان عظیم ہے۔ ثانیاً اس عبارت سے منکرین حیات کا یہ پراپیگنڈہ بھی بے غبار ہو گیا کہ وفات النبی ﷺ کی یہ مذکورہ آیات حضرت نانوتوی ﷫ کو یاد نہ تھیں یا بیان حیات النبی ﷺ کے وقت مستحضر اور سامنے نہ تھیں۔

اور حیات مومنین امت میں فرق ہے چنانچہ اس کے اثبات کے لیے تقریر وافی اور تحریر شافی کافی اوراق گزشتہ میں گزر چکی ہے۔ ایسے ہی موت نبوی ﷺ اور موت مومنین میں بھی فرق ہے اور وجہ بین الموتین وہی فرق بین الحیاتین ہے اور اسی بناء پر لازم ہے کہ نوم نبوی ﷺ اور نوم مومنین میں فرق ہو۔ اس لیے کہ اَلنَّوْمُ أَخُو الْمَوْتِ''

(عزیزی شرح جامع صغیر جلد)

چنانچہ خداوند کریم نے بھی اپنے کلام پاک میں موت اور نوم کو ایک سلک میں کھینچا ہے اور ایک ذیل میں داخل کیا ہے فرماتے ہیں: ''اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِھَا وَالَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِھَا[1]''

جب دونوں کی حقیقت توفی اور امساک ہوئی چنانچہ ارسال کا تقدم امساک پر دال ہے۔ جیسے موت تقدم حیات پر دلالت کرتی ہے۔ تو پھر جو حال وقت امساک موت ہوگا وہی حال وقت امساک نوم ہوگا جس کی موت کے وقت استتار حیات ہوگا، اس کی نوم کے وقت بھی استتار ہی ہوگا۔ فرق ہو تو شدت استتار وضعف استتار ہو...... چنانچہ آنحضرت ﷺ کا کلام اس ہیچمدان کی تصدیق کرتا ہے فرماتے ہیں: ''تَنَامُ عَیْنَایَ وَلَا یَنَامُ قَلْبِیْ اَوْ کَمَا قَالَ''

(رواہ البخاری ومسلم بالفاظ مختلفہ)

ترجمہ: میری صرف آنکھیں سوتی ہیں دل نہیں سوتا۔ (آب حیات ص ۲۱۹، ۲۲۰ مجتبائی)

حضرت نانوتویؒ نے ''آب حیات'' کو ''تقریر ابوت نبوی'' (تسوید تقریر ابوت نبوی آب حیات ص ۶۳، ص ۷۳، ص ۱۰۸، ص ۱۴۷، ص ۱۶۵ بلکہ اس کے آگے تک پھیلتی گئی ہے) تک پہنچا کر پھر حضرت گنگوہیؒ کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ وہ خود لکھتے ہیں: ''بغرض اطمینان وتصدیق[2] مولانا ومخدومنا رونق طریقت زیب شریعت مولانا رشید احمد گنگوہی سلمہ اللہ تعالیٰ وادام فیوضہ کی خدمت میں عرض کی۔'' (آب حیات ص ۲۰۷)

---

[1] فیمسک التی قضی علیھا الموت ویرسل الاخریٰ الی اجل مسمی (الزمر: ۴۲) یعنی اللہ تعالیٰ جانوں کو قبض کرتا ہے موت کے وقت بھی اور نیند کے وقت بھی۔ پھر انہیں ان کے متعلق روکے رکھتا ہے جن کی موت کا فیصلہ ہو چکا...... اور دوسری جانوں کو پھر لوٹا دیتا ہے کچھ مدت کے لئے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے بغوی نے نقل کیا ہے کہ نیند میں روح نکل جاتی ہے۔ مگر اس کا مخصوص تعلق بدن سے بذریعہ شعاع کے رہتا ہے جس سے حیات باطل نہیں ہونے پاتی۔ (جیسے آفتاب لاکھوں میل سے بذریعہ شعاعوں کے زمین کو گرم رکھتا ہے) اسے ظاہر ہوتا ہے کہ نیند میں بھی وہی چیز نکلتی ہے جو موت کے وقت نکلتی ہے۔ لیکن تعلق کا انقطاع ویسا نہیں ہوتا جو موت میں ہوتا ہے۔ (فوائد القرآن للشیخ العثمانی ص ۶۱۶) ہاں انبیائے کرام علیہم السلام سے نیند کے وقت بھی روح نہیں نکلتی۔ اسی سے حقیقت موت پر بھی غور کرو۔ واللہ اعلم!

[2] حضرت گنگوہی کی تصدیق ان کی اپنی کتاب ہدایۃ الشیعہ میں بھی ہے۔ فرماتے ہیں: ''اس مضمون حیات کو بھی مولانا محمد قاسم صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسالہ آب حیات میں بمالامزید علیہ ثابت کیا ہے۔'' (ص ۱۸ مطبع مجتبائی)

حضرت گنگوہی ﷫ کے اس ارشاد میں بمالامزید علیہ (کہ اس پر اور کچھ کہا ہی نہیں جا سکتا) کے الفاظ خاص طور پر قابل غور ہیں۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی ﷫ بھی آب حیات کے متعلق فرماتے ہیں: ''مولانا گنگوہی قدس سرہ ''ہدایۃ الشیعہ'' اور رسالہ ''حج'' وغیرہ میں بھی اس کی تصریح وتائید فرما رہے ہیں۔'' (الشہاب الثاقب ص ۴۸ برقی پریس دہلی)

آب حیات کے پہلے ورق پر مرقوم ہے: ''رسول اللہ ﷺ ہنوز قبر میں زندہ ہیں اور مثل گوشہ نشینوں اور چلہ کشوں کے عزلت گزیں ہیں، جیسے ان کا مال قابل اجرائے حکم میراث نہیں ہوتا، ایسے ہی آپ کا مال بھی محل توریث نہیں۔'' (ایضاً)

پھر فرماتے ہیں: ''ارواحِ انبیاء کو بدن سے علاقہ بدستور رہتا ہے۔ ہر اطراف و جوانب سے سمٹ آتی ہے۔'' (جمال قاسمی ص ۱۳)

پھر لکھتے ہیں: ''سماع انبیاء علیہم السلام بعد وفات زیادہ تر قرین قیاس ہے اور اسی لیے ان کی زیارت بعد وفات بھی ایسی ہی ہے، جیسے ایام حیات میں ''احیاء'' کی زیارت ہوا کرتی ہے۔'' (ایضاً ص ۱۶)

ان تفصیلات سے یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ حضرت نانوتویؒ حضور ﷺ پر ورودِ وفات کے ہرگز منکر نہ تھے۔ حضرت گنگوہیؒ کی انہیں پوری تائید حاصل تھی اور وہ اپنی رائے میں منفرد نہ تھے۔ آیت اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّاِنَّھُمْ مَّیِّتُوْنَ ان سے اوجھل نہ تھی وہ اسے ان مباحث میں پڑھتے بھی تھے اور تشریح بھی کرتے تھے اور آپ کی یہ تشریح اسلاف امت کے خلاف نہ تھی۔ حقیقت یہی ہے البتہ جھوٹ کا کوئی علاج نہیں۔

۲..... فخر المحدثین قطب الارشاد امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ

''ولان النبیین صلوٰت اللہ علیہم اجمعین لما کانوا احیاء فلا معنی لتوریث الاحیاء منہم''

(الکوکب الدری ج ۱، ص ۴۲۳)

ترجمہ: چونکہ انبیائے کرام علیہم السلام سب کے سب زندہ ہیں اس لیے ان کے آگے ان کی وراثت چلے، یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

پھر فرماتے ہیں: ''آپ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں و نبی اللہ حی یرزق[1]'' (سنن ابن ماجہ ص ۱۱۹)

اس مضمون حیات کو بھی مولوی محمد قاسم صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسالہ ''آب حیات'' میں بما لا مزید علیہ ثابت کیا ہے۔ (ہدایۃ الشیعہ ص ۱۸ مجتبائی)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ حضرت نانوتویؒ کے پورے حامی تھے۔

پھر ارشاد فرماتے ہیں: ''(کسی) قبر کے پاس جا کر کہے کہ اے فلاں! تم میرے واسطے دعا کرو کہ حق تعالیٰ میرا کام کر دیوے، اس میں اختلاف علماء کا ہے مجوز سماع موتی اس کے جواز کے مقر ہیں اور مانعین سماع منع کرتے ہیں۔ سو اس کا فیصلہ اب کرنا محال ہے مگر انبیاء علیہم السلام کے سماع میں کسی کو خلاف نہیں اسی وجہ سے ان کو مستثنیٰ کیا ہے، اور دلیل جواز یہ ہے کہ فقہائے نے بعد سلام کے وقت زیارت قبر مبارک کے شفاعت مغفرت کا عرض کرنا لکھا ہے۔ (ثُمَّ یَسْئَلُ النَّبِیَّ الشَّفَاعَۃَ یَقُوْلُ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اَسْئَلُکَ الشَّفَاعَۃَ: فتح القدیر آخر کتاب الحج ج ۲ ص ۳۳۷ مصر) پس یہ جواز کے واسطے کافی ہے۔

---

[1] شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب سہارنپوری دامت برکاتہم حضرت گنگوہی کی اس حیات النبی کی تقریر کے متعلق لکھتے ہیں: ''تقریر الیقا ینبغی ان یکتب بماء الذھب'' ایسی عمدہ تقریر ہے کہ سونے کے پانی سے لکھنے کے لائق ہے۔

(اوجز المسالک ج ۶ ص ۴۸۲)

معلوم ہوا کہ حضور اکرم ﷺ کے اپنے روضہ اطہر میں خود سماعت فرمانے پر پوری امت کا اجماع ہے اور اس کا منکر پورے اجماع امت کا منکر ہے۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب سہارنپوری دامت برکاتہم حضرت گنگوہیؒ کا مسلک بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: ''حضرت مفتی عزیز الرحمن صاحب مفتی اعظم دارالعلوم نور اللہ مرقدہ نے حضرت گنگوہی قدس سرہ سے کے اشکال کا جو جواب نقل کیا ہے وہ تو حضرت نانوتوی قدس سرہ کی تعبیر سے بھی بہت اونچا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ موت سب کو شامل ہے مگر انبیائے کرام کی ارواح مشاہدہ جمال وجلال حق تعالیٰ شانہ وتقابل آفتاب وجود باری تعالیٰ سے اس طرح پہنچ جاتی ہیں کہ اجزائے بدن پر ان کا یہ اثر ہوتا ہے کہ تمام بدن حکم روح پیدا کر لیتا ہے اور تمام جسم ان کا عین ادراک اور عین حیات ہو جاتا ہے اور یہ حیات دوسری قسم کی ہوتی ہے اور اس تحقیق سے نکتہ ''إِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَى الْأَرْضِ أَنْ تَأْكُلَ أَجْسَادَ الْأَنْبِيَاءِ'' اور بھی ظاہر ہو جاتا ہے انتہی کلامہ الشریف۔''

(حضرت مفتی عزیز الرحمن عثمانی کا مسلک بھی اس نقل سے واضح ہو گیا۔ فَجَزَاهُ اللّٰهُ أَحْسَنَ الْجَزَاءِ!)

۳..... رئیس المحققین زبدۃ المحدثین شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسنؒ (۱۳۳۹ھ)

''المہند علی المفند'' میں پانچویں سوال کے جواب میں لکھا ہے: ''عندنا وعند مشائخنا حضرۃ الرسلۃ حیّ فی قبرہ الشریف وحیوتہ ﷺ دنیویۃ برزخیۃ لکونہ فی عالم البرزخ'' (اعزازیہ دیوبند)

اس پر حضرت شیخ الہندؒ لکھتے ہیں: ''ھو معتقدنا ومعتقد مشائخنا جمیعا لا ریب فیہ'' (المہند ص ۳۶)

ترجمہ: ہمارا اور ہمارے مشائخ کا یہی عقیدہ ہے اس میں کسی قسم کا کوئی شک نہیں۔

حضرت شیخ الہندؒ کے تصحیح کردہ ابوداؤد کے حاشیہ ص ۱۵۷ میں ہے: ''ان العرض ھل ھو علی الروح المجرد او علی المتصل بالجسد حسبوا ان جسد النبی ﷺ کجسد کل احد فکفی فی الجواب ما قالہ علی وجہ الصواب'' (ص ۱۵۷)

ترجمہ: وفات شریفہ کے بعد حضور ﷺ پر درود شریف کیا صرف روح مجرد پر پیش ہوا کرے گا یا روح متصل بہ جسد پر اس کا عروض ہوگا؟ حضور ﷺ کا جواب کہ انبیائے کرام کے اجساد مطہرہ مٹی نہیں ہوتے، اس سوال کیفیت کا کافی جواب تھا۔

۴..... فخر المحدثین زبدۃ العارفین حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہانپوریؒ

''ان النبی ﷺ حیّ فی قبرہ کما ان الانبیاء علیہم السلام احیاء فی قبورھم ولا فرق بین ان یکون فوق الارض او تحت حجابھا کما لا فرق''

علمائے دیوبند کی مرکزی علمی دستاویز المہند کے مصنف یہی بزرگ ہیں۔ المہند کی تالیف سے برسہا برس پہلے آپ نے مولانا عبدالسمیع رامپوری کی کتاب انوار ساطعہ کے جواب میں براہین قاطعہ لکھی تھی۔ یہ کتاب حضرت

---

[1] حضرت شیخ الحدیث کا پورا بیان آگے آ رہا ہے۔ یہاں صرف حضرت گنگوہی ﷫ کا مسلک پیش کرنا مقصود تھا۔ اس لئے اس پر کفایت ہے۔

گنگوہیؒ کے حکم سے لکھی گئی اور ان کی زندگی میں لکھی گئی تھی۔ اس وقت مولانا احمد رضا خاں میدان میں نہ تھے نہ ابھی انہوں نے وسیع پیمانے پر تکفیر کی مہم شروع کی تھی۔ اس میں آپ نے اپنا عقیدہ حیات النبی ان الفاظ میں لکھا ہے:

''اس بات کو خوب یاد کر لینا ضرور ہے کہ عقیدہ سب کا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبور میں زندہ ہیں اور عالم غیب اور جنت میں جہاں چاہیں باذنہ تعالیٰ چلتے پھرتے ہیں اور اس عالم میں بھی حکم ہو تو آسکتے ہیں اور صلوٰۃ و سلام ملائکہ پہنچاتے ہیں اور اعمال امت ان پر پیش ہوتے ہیں اور جس وقت چاہے حق تعالیٰ دنیا کے احوال ان پر کشف ہو جاتے ہیں اس میں کوئی مخالف نہیں مگر یہ کہ ہر جگہ محفل مولود میں اور دیگر مجالس ذکر میں ہر روز آتے ہوں یا ہر صورت ونداا ور عرض وحالات دنیا کے ہر روز معلوم ہوتے ہوں بدون اعلام حق تعالیٰ کے اس کو تسلیم نہیں کرتے۔''

(براہین قاطعہ ص ۱۹۹، ۲۰۰ تقطیع کلاں)

اس عالم میں آنے کا یہ مطلب نہیں کہ اب وہ اس جہان (عالم دنیا) کے فرد ہو گئے۔ آپ کی یہ تشریف آوری ایک برزخی زندگی سے ہی ہوگی جس طرح معراج کی رات عالم برزخ کے ان مسافروں کی بیت المقدس تشریف آوری ایک برزخی زندگی سے تھی اور اس میں اس زندگی (دنیا کی زندگی) کے لوازم گرمی سردی بھوک اور پیاس وغیرہ نہ تھے۔ اس عالم میں عالم برزخ کے مسافر اسی پیرایہ میں آتے ہیں۔

یاد رکھیے! آپ نے عقیدہ حیات النبی ﷺ صرف مولانا احمد رضا خاں کے جواب میں ترتیب نہ دیا تھا پہلے سے یہ حضرات اس عقیدہ پر چلے آرہے ہیں اور براہین قاطعہ اس پر شاہد ہے۔

''فی حضورہ وغیبته فی زمان حیاته ولهذه العلة لم یذهب الیه احد من الائمة''

(بذل المجہود ج ۲ ص ۱۱۷)

ترجمہ: یقیناً نبی کریم ﷺ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں جیسے کہ سب انبیائے کرام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ اس میں کوئی فرق نہیں کہ وہ زمین کے اوپر دکھائی دیں، یا پردہ زمین میں استراحت فرما ہوں (وہ زندہ یقیناً ہیں) جیسے کہ آپ کی اس دنیا کی زندگی میں آپ کے حاضر ہونے یا غائب ہونے میں (زندہ ہونے کے اعتبار سے) کوئی فرق نہ تھا۔

پھر لکھتے ہیں: ''ان الانبیاء فی قبورهم احیاء'' (ایضاً ص ۱۶۰)

ترجمہ: یقیناً انبیائے کرام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں۔

رأس الاتقیاء حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ پر اس یقین کی کیفیت اس طرح غالب تھی کہ سامنے اس کا انکشاف ہو رہا تھا تذکرۃ الخلیل میں ہے: ''آستانہ محمدیہ پر حضرت کی عجیب کیفیت ہوتی تھی آواز نکالنا تو کیا مواجہہ شریفہ کے قریب یا مقابل بھی آپ کھڑے نہیں ہوتے تھے۔ خوفزدہ مودبانہ، دبے پاؤں آتے اور مجرم وقیدی کی طرح دور کھڑے ہوئے بکمال خشوع صلوٰۃ وسلام عرض کرتے اور چلے آتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ آں حضرت ﷺ حیات ہیں لہٰذا پست آواز سے سلام عرض کرنا چاہیے۔ مسجد نبوی کی حد میں کتنی ہی پست آواز سے سلام عرض کیا جائے اس کو حضرت خود سنتے ہیں۔'' (تذکرۃ الخلیل ص ۳۰۶)

پھر لکھتے ہیں: ''عندنا وعند مشائخنا حضرۃ الرسالة ﷺ حیّ فی قبره الشریف وحیوته ﷺ دنیویة من غیر تکلیف... فثبت بهذا ان حیوته دنیویة لکونها فی عالم البرزخ'' (المہند ص ۱۳، ۱۴)

ترجمہ: ہمارا اور ہمارے سب مشائخ کا عقیدہ یہی ہے کہ حضور ﷺ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں اور آپ کی حیات (اس دنیا والے جسد اطہر میں ہونے کے اعتبار سے) دنیاوی ہے، ہاں (بجمیع الوجوہ دنیاوی نہیں) اس میں آپ ﷺ مکلف بالا حکام نہیں پس آپ کی حیات اس طرح دنیاوی اور عالم برزخ میں ہونے کے لحاظ سے برزخی ہے۔

۵...... شیخ الاتقیاء زبدۃ الصلحاء حضرت مولانا الحاج الشاہ عبدالرحیم صاحب رائپوریؒ

حضرت رائے پوری قدس سرہ العزیز مذکورۃ الصدر ''المہند علی المفند'' (جس کی عبارت درباره حیات النبی ﷺ اوپر ہدیۃ قارئین ہو چکی ہے) کے متعلق تحریر فرماتے ہیں: ''الذی کتب فی ھذہ الرسالۃ حق صحیح وثابت فی الکتب بنص صریح وھو معتقدی ومعتقد مشائخی رضوان اللہ علیہم اجمعین احیانا اللہ بھا و اماتنا علیھا وانا العبد الضعیف عبدالرحیم عفی عنہ الرایفوری'' (ایضاً ص ۴۸)

ترجمہ: جو کچھ اس رسالہ ''المہند'' میں لکھا ہے حق اور صحیح ہے اور کتابوں میں نص صریح کے ساتھ موجود ہے یہی میرا عقیدہ ہے اور یہی میرے مشائخ کا عقیدہ تھا اللہ تعالیٰ ہمیں اس عقیدے کے ساتھ زندہ رکھے اور اسی عقیدے پر ہمیں موت دے۔ میں ہوں بندہ ضعیف عبدالرحیم عفی عنہ رائے پوری۔

۶...... امام کبیر محدث شہیر حضرت مولانا العلامۃ الشیخ امام انور شاہ صاحب کشمیریؒ

''یرید بقولہ الانبیاء احیاء مجموع الاشخاص لا الارواح فقط'' (تحیۃ الاسلام ص ۳۶ مصنفہ انور شاہؒ)

ترجمہ: آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کہ ''انبیائے کرام زندہ ہوتے ہیں'' کا مطلب یہ نہیں کہ فقط ان کی ارواح زندہ ہیں، بلکہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اشخاص انبیاء (روح وبدن کے) مجموعہ کے ساتھ زندہ ہیں۔

پھر لکھتے ہیں: ''المراد بحدیث ''الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون'' انھم ابقوا علی ھذہ الحالۃ ولم تسلب عنھم فلا یرد أن الروح بنفسہ یستطیع الصلوٰۃ ورد السلام فکیف وجہ فی الحدیث بقاء الحیوۃ بفعل الصلوٰۃ وکذا رد السلام برد الروح'' (تحیۃ الاسلام ص ۳۶)

ترجمہ: انبیائے کرام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نمازوں میں مشغول ہیں۔ اس حدیث کا مطلب یہی ہے کہ انبیائے کرام اسی حالت (اشتغال باعمال طیبہ) پر باقی رکھے گئے ہیں اور (فائز الحیات ہو کر اشتغال باعمال طیبہ کی) یہ کیفیت ان سے سلب نہیں کی گئی یہ خیال نہ ہو کہ روح اکیلی ادائے نماز اور جواب سلام کی استطاعت رکھتی ہے۔ اس لیے کہ اگر ایسا ہوتا تو حضور ﷺ نے حیات النبی ﷺ کے ساتھ ان کے فعل نماز کو اور روح لوٹنے (متوجہ ہونے کے ساتھ جواب سلام کو وابستہ نہ فرمایا ہوتا)

پھر ارشاد ہوتا ہے: ''قولہ فنبی اللہ حیّ یرزق واحیاء فی قبورھم یصلون تسرد فی ذکر الحیوۃ افعالھا لا اصلھا او رادمع الاجساد فان اجسادھم حرمت علی الارض'' (ایضاً)

ترجمہ: حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ کا نبی زندہ ہوتا ہے اور اسے رزق بھی ملتا ہے اور یہ کہ انبیائے کرام اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور نمازیں بھی پڑھتے ہیں۔ یہ احادیث صرف حیات کا بیان نہیں کرتیں، بلکہ افعال حیات (زندہ والے کاموں کو) بھی ثابت کرتی ہیں یا یوں کہیے کہ انبیائے کرام کے اجساد مطہرہ مٹی پر حرام کر دیئے گئے ہیں۔

۷...... حکیم الامت، مجدد الملت، محی السنۃ الغراء، قامع البدعۃ الظلماء،

حضرت مولانا شاہ اشرف علی صاحب تھانویؒ (۱۳۶۲ھ)

حضرت ابوالدرداءؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء کے جسد کو کھا سکے۔ پس خدا کے پیغمبر زندہ ہوتے ہیں اور ان کو رزق دیا جاتا ہے روایت کیا اس کو ابن ماجہ نے۔

ف: پس آپ کا زندہ رہنا بھی قبر شریف میں ثابت ہوا اور یہ رزق اس عالم کے مناسب ہوتا ہے اور گو شہداء کے لیے بھی حیات اور مرزوقیت وارد ہے مگر انبیاء علیہم السلام میں ان سے اکمل واقویٰ ہے۔ بیہقی وغیرہ نے حدیث انسؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں (کذا فی المواہب) اور یہ نماز تکلیفی نہیں، بلکہ تلذذ کے لیے ہے اور اس حیات سے یہ نہ سمجھا جائے کہ آپ کو ہر جگہ سے پکارنا جائز ہے۔ (نشر الطیب ص ۲۵۷، ۲۵۸ شائع کردہ ادارہ اشرفیہ لاہور)

ندا کا شبہ یہاں بھی نہ کیا جائے، دو وجہ سے، ایک تو متبادر قصہ سے یہ ہے کہ مسجد نبوی ﷺ میں جانے کو فرمایا، سو وہاں حضور ﷺ قریب ہی تشریف رکھتے ہیں، نداء غائب لازم نہیں آتی۔ (ایضاً ص ۴۳۱)

شہداء کو احیاء کہا گیا اور ان کو دوسرے اموات کے برابر اموات کہنے کی ممانعت کی گئی اور یہی حیات ہے، جس میں حضرات انبیاء شہداء سے بھی زیادہ امتیاز اور قوت رکھتے ہیں حتی کہ بعد موت ظاہری کے سلامت جسد کے ساتھ ایک اثر اس حیات کا اس عالم کے احکام میں یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ مثل ازواج احیاء کے ان کی ازواج سے کسی کا نکاح جائز نہیں ہوتا اور ان کا مال میراث میں تقسیم نہیں ہوتا۔ (بیان القرآن ج ۱ ص ۹۴ تاج کمپنی)

حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے دور تک اس مسئلے میں کوئی اختلاف سننے میں نہ آیا تھا۔ علمائے دیوبند کے مخالفین بھی اس مسئلہ میں ان کے ساتھ تھے آپ فرماتے ہیں: (۱) جب حضور ﷺ کا جسد اطہر موافقین ومخالفین سب کے نزدیک بالاتفاق محفوظ ہے اور مع روح ہے جیسا کہ بیان کیا گیا تو ظاہر ہے اور علماء نے بھی تصریح کی ہے کہ وہ بقعہ زمین جس سے جسم مبارک خصوص مع الروح مس کیے ہوئے ہے عرش سے بھی افضل ہے۔

(ثلج الصدور ص ۱۵۲، امداد الفتاوی ج ۲ ص ۱۱۹، راس الرکعتین ص ۵۱۴)

(۲) ایک دوسری جگہ حضرت امام مالکؒ کے ایک قول کی تشریح میں فرماتے ہیں: ''ان کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ حضور ﷺ قبر شریف میں زندہ ہیں اس لیے زیارت کرنے والے کو یہ نہ کہنا چاہیے کہ میں نے قبر کی زیارت کی کیونکہ حضور ﷺ زندہ ہیں۔'' (شکر النعمۃ ص ۴۴)

(۳) ایک مرتبہ فرمایا کہ: ''حضور ﷺ کی قبر مبارک کے لیے بہت کچھ شرف حاصل ہے کیوں کہ جسد اطہر اس کے اندر موجود ہے بلکہ حضور ﷺ خود بہ تلبیس الروح اس کے اندر تشریف رکھتے ہیں کیونکہ آپ ﷺ قبر شریف میں زندہ ہیں قریب قریب تمام اہل حق اس پر متفق ہیں۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان کا بھی یہی اعتقاد ہے۔ حدیث میں بھی نص ہے کہ آپ اپنی قبر میں زندہ ہیں اور آپ ﷺ کو رزق پہنچتا ہے۔''

اس کے بعد حضرت نے حیات کی تفصیل بیان فرمائی پھر ارشاد فرمایا کہ: تیسرا درجہ جو سب سے قوی ہے وہ انبیائے کرام علیہم السلام کی حیات کا ہے کہ وہ شہید کی حیات سے بھی زیادہ قوی ہوتی ہے چنانچہ اس کا ایک اثر تو محسوس

ہے اور وہ وہی ہے جو شہید کے لیے ہے کہ ان کے جسم مبارک کو مٹی نہیں کھا سکتی حدیث شریف میں ہے: ''حرم اللہ اجساد الانبیاء علی الارض''

اور دوسرا اثر محسوس تو نہیں مگر منصوص ہے اور وہ حرمت نکاح ازواج انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے بعد ان کے وصال کے کسی امتی کو نکاح جائز نہیں نیز انبیاء علیہم السلام کی میراث ورثہ میں تقسیم نہیں ہوتی۔ ''نحن معاشر الانبیاء لا نورث ماترکنا صدقۃ'' (انبیاء کرام علیہم السلام کا تمام ترکہ صدقہ ہوتا ہے)

یہ باتیں شہید کے لیے شریعت نے مشروع نہیں کیں تو اگرچہ شریعت نے اس کا کوئی خاص راز بیان نہیں کیا مگر علما محققین یہی کہتے ہیں کہ اس کا راز قوت حیات انبیاء علیہم السلام ہے کہ حیات مانع ہے۔ ان دونوں امروں سے ان امتیازات سے حیات برزخیہ انبیاء کا شہداء اور عام مومنین سے اقوی ہونا ثابت ہوا۔

بہر حال یہ بات باتفاق امت ثابت ہے کہ انبیاء علیہم السلام قبر میں زندہ رہتے ہیں اور خاص ہمارے حضور ﷺ کے بارے میں تو مخالفین بھی حیات کے معتقد ہیں اور ان کو بھی حضور ﷺ کی حیات کا اقرار ہے چنانچہ ایک واقعہ سے...... اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ مخالفین کو بھی جسد اطہر کے صحیح ہونے کا اعتقاد تھا۔

(وعظ الحبور ص ۱۳/ راس الاربعین ص ۵۱۱)

(۴) حضرت حکیم الامتؒ ایک اور وعظ میں فرماتے ہیں: ''خوب سمجھ لو کہ حضور ﷺ کو جو میں نے اموات کے ذیل میں بیان کیا ہے اس سے کوئی یہ شبہ نہ کرے کہ یہ حیات انبیاء علیہم السلام کے خلاف ہے۔ کیونکہ بوجہ ظاہری موت کے آپ ﷺ کو میت کہہ سکتے ہیں ورنہ واقع میں آپ زندہ ہیں اور آپ کی حیات ایسی قوی ہے کہ دوسروں کو حاصل نہیں۔ انبیاء علیہم السلام کی حیات ایسی قوی ہے کہ ان کی بیبیوں سے نکاح کرنا بعد ان کی وفات کے بھی جائز نہیں۔ جیسے کسی زندہ خاوند کی بیوی سے نکاح جائز نہیں اور سب کی بیبیوں سے بعد خاوند کی وفات کے شادی کرنا ناجائز ہے حتی کہ شہداء جن کی حیات بعد شہید ہونے اموات مومنین سے قوی ہوتی ہے کہ ان کے بدن کو زمین نہیں کھاتی مگر ان کی بھی بیبیوں سے بعد مرجانے کے نکاح جائز ہے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حیات شہداء کی حیات سے قوی تر ہے۔'' (تعلیم الشعائر ص ۱۶)

(۵) ایک مرتبہ فرمایا کہ: ''ایک شخص نے حیات النبی ﷺ میں مجھ سے گفتگو کی میں نے کہا جو لوگ مقتول فی سبیل اللہ ہیں ان کے حق میں ارشاد ہے: ''بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ'' اور جو لوگ فی سبیل اللہ سے بڑھ کر مقتول فی اللہ ہیں وہ کیوں کر زندہ نہ ہوں گے اور اس نکتہ پر مدار مسئلہ کا نہیں۔ اس میں تو حدیث صریح موجود ہے اور نکتہ تائید کے درجہ میں ہے۔'' (الافاضات الیومیہ ج ۳ ص ۲۱۷)

(۶) ایک مرتبہ فرمایا کہ: ''حضور ﷺ کے لیے بعد وفات کے بھی حیات برزخیہ ثابت ہے، وہ حیات شہداء کی حیات سے بھی بڑھ کر ہے اور اتنی قوی ہے کہ حیات ناسوتی کے قریب قریب ہے چنانچہ بہت سے احکام ناسوت کے اس پر متفرع بھی ہیں دیکھئے زندہ مرد کی بیوی سے نکاح جائز نہیں ہے حضور ﷺ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے بھی نکاح جائز نہیں اور زندہ کی میراث تقسیم نہیں ہوتی۔ حضور ﷺ کی میراث بھی تقسیم نہیں ہوتی اور حدیثوں میں صلوٰۃ وسلام کا سماع وارد ہوا ہے۔'' (وعظ الظہور ص ۵۱)

(۷) ایک مرتبہ فرمایا کہ: ''آپ ﷺ بنص حدیث قبر میں زندہ ہیں۔'' (التکشف ص ۴۳۶)

ایک مرتبہ فرمایا کہ: ''مدینہ طیبہ جانے والا یوں کہے کہ میں نے حضور ﷺ کی زیارت کی کیونکہ حضور ﷺ زندہ ہیں۔'' (التبلیغ ص ۳)

(۸) حضرت حکیم الامتؒ کے ایک خلیفہ جب ہندوستان سے حج کے لیے تشریف لے جارہے تھے تو آپ کے پاس آئے آپ نے ان سے فرمایا کہ: ''جب تم مدینہ منورہ روضہ اقدس پر حاضر ہو تو میرا اسلام اس طرح عرض کرنا: یاسیدی یارسول اللہ اشرف علی خویدمک یسلم علیک ویسئلک ان یدعو اللہ تعالیٰ ان یدخلہ فی عشاقک وخدام دینک ویحشرہ معک'' (القول الجمیل حصہ اوّل ص ۴)

(۹) حضرت حکیم الامتؒ فرماتے ہیں کہ: ''بس اب میں بیان کو اس واقعہ پر ختم کرتا ہوں جس سے زیارت قبر شریف کے برکات اور حضور ﷺ کا قبر شریف میں زندہ ہونا معلوم ہوگا۔''

سید احمد رفاعی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ ہے کہ جب وہ مزار شریف پر حاضر ہوئے تو عرض کیا۔ السلام علیک یا جدی جواب مسموع ہوا۔ وعلیک السلام یا ولدی اس پر ان کو وجد ہوا اور بے اختیار یہ اشعار زبان پر جاری ہوئے:

فی حالۃ البعد روحی کنت ارسلہا تقبل الارض عنی وھی نائلتی
فھذہ دولۃ الاشباح قد حضرت فامدد یمینک کی تحظی بھا شفتی

بس فوراً قبر شریف سے ایک منور ہاتھ جس کے روبرو آفتاب بھی ماند تھا باہر نکلا انہوں نے بے ساختہ دوڑ کر اس کا بوسہ لیا اور وہاں ہی گر گئے۔ (شکر النعمۃ ص ۴۴، الاضافات ج ۵ ص ۲۴۴)

(۱۰) پھر فرماتے ہیں: ''آپ بنص حدیث قبر میں زندہ ہیں۔'' (التکشف ص ۲۲۶)

''مدینہ منورہ جانے والے...... یوں کہے کہ میں نے حضور ﷺ کی زیارت کی کیونکہ حضور ﷺ زندہ ہیں۔'' (وعظ التبلیغ)

مذکورہ بالا تحریرات وارشادات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ رسول اکرم ﷺ کے قبر اطہر میں زندہ ہونے کا اعتقاد رکھتے تھے۔

۸...... رئیس المتکلمین، خاتم المحققین، محدث کبیر، شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ (۱۳۶۹ھ)

''الانبیاء احیاء عند ربھم یرزقون'' (فتح الملہم ج ۳ ص ۳۳۰)

ترجمہ: انبیائے کرام اپنے پروردگار کے ہاں زندہ ہیں اور انہیں رزق بھی ملتا ہے۔

''ان النبی ﷺ حیٌ کما تقرر وانہ یصلی فی قبرہ باذان واقامۃ'' (ایضاً ص ۴۱۹)

ترجمہ: بے شک حضور اکرم زندہ ہیں اور یہ بھی صحیح ہے کہ آپ اپنی قبر شریف میں اذان واقامت سے نماز پڑھتے ہیں۔

''اما بعد وفاتہ فروحہ المقدسۃ ﷺ قد استقرت فی الرفیق الاعلی مع ارواح الانبیاء علیھم الصلوٰۃ والسلام ولا یتوھم من ھذا انکار حیاتہ فی قبرہ الشریف فان لروحہ اشرافا علی البدن المبارک المطیب واشرافا وتعلقا بہ وبدنہ فی ضریحہ غیر مفقود واذا سلم علیہ المسلم رد اللہ علیہ روحہ[۱] حتی یرد

[۱] قال شیخ الاسلام المراد بقول رد اللہ علی رد روحہ کانت سابقۃ عقب دفنہ لا انھا تعاد ثم تنزع ثم تعاد کما فی الفتح ص ۳۳۰

کما ورد فی الحدیث ولم یفارق الملاء الاعلی ومن کثف ادراکه وغلظت طباعه من هذا الادراک فلینظر الی الشمس فی علو محلها'' (فتح الملہم ج ۳ ص ۴۲۱)

ترجمہ: وفات شریفہ کے بعد آپ کی روح مقدسہ دوسرے انبیائے کی ارواح طیبہ کے ساتھ رفیق اعلیٰ میں استقرار پذیر ہے لیکن اس سے آپ کا اپنی قبر شریف میں زندہ نہ ہونے کا وہم نہ کیا جائے۔ کیونکہ آپ کی روح اقدس قبر میں رکھے بدن پاک پر اپنا اثر ڈال رہی ہے اس کی روشنی اس پر پڑ رہی ہے اور اس کا بدن اطہر کے ساتھ تعلق قائم ہے۔ آپ کا بدن مبارک قبر سے ہرگز غائب نہیں ہوا[1] اور جب بھی کوئی مسلمان آپ پر سلام عرض کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ آپ کی روح اقدس کو آپ کی طرف متوجہ کر دیتا ہے یہاں تک کہ آپ اس کے سلام کا جواب دیتے ہیں، جیسا کہ حدیث میں وارد ہے اس کے باوجود آپ ملاء اعلیٰ اعلیٰ علیین سے جدا نہیں ہوتے، جس کا ادراک کثیف ہو اور اس کی فطرت ایسے حقائق کے ادراک کرنے میں غلیظ ہو، اسے سورج کو اس کے علو محل میں دیکھنا چاہیے۔

۹...... محدث شہیر، مجاہد کبیر، عمدۃ الفقہاء، رأس الاتقیا، مفتی اقلیم ہند حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ:

حضرت مفتی اعظم ''المہند'' (جس میں مسئلہ حیات النبی ﷺ ایک مستقل سوال اور جواب کی صورت میں مرقوم ہے) اس پر لکھتے ہیں: ''رأیت الاجوبة کلها فوجدتها حقة صریحة لا یحوم حول سرادقاتها شک ولا ریب وهو معتقدی ومعتقد مشائخی'' (المہند ص ۵۲، اعزازیہ)

ترجمہ: میں نے تمام جوابات خود دیکھے ہیں[2] اور انہیں حق صریح پایا ہے کوئی شک یا ریب اس کے اردگرد بھی گھوم نہیں سکتا۔ یہی میرا عقیدہ ہے اور میرا سب مشائخ بھی انہی عقائد پر تھے۔

۱۰...... رئیس المحدثین، امام المجاہدین، شیخ الاسلام والمسلمین، استاذ الہند والحجاز

حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی قدس اللہ اسرارہم

مجدی[3] اور اس کے اتباع کا اب تک یہی عقیدہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی حیات فقط اسی زمانے تک ہے جب

---

[1] جیسا کہ علامہ قونوی ؒ کی رائے ہے۔ والتفصیل فی جذب القلوب!

[2] یہ تصریح ان لوگوں کے لئے مقام عبرت ہے جو محض اپنے موقف کی حمایت میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب پر الزام لگاتے ہیں کہ انہوں نے خود ہی دوسرے اکابر دیوبند کے نام ''المہند'' پر صرف اعتماداً دستخط کر دیئے تھے۔ عبارات خود نہ دیکھی تھیں۔ دیکھئے حضرت مفتی صاحب کس طرح واضح طور پر تصریح فرما رہے ہیں کہ میں نے تمام جوابات خود دیکھے ہیں، اب بھی اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ حضرت مفتی صاحب نے مسلکی حمایت میں جھوٹ بولا ہے۔ انہوں نے جوابات خود ہرگز نہ دیکھے تھے تو ہم سوائے اس کے اور کیا کہہ سکتے ہیں۔ بے حیا باش و ہرچہ خواہی کن

[3] اس سے مراد مجدیہ متاخرین ہیں۔ ورنہ متقدمین مجدیہ تو اجماع امت کے مخالف نہ تھے۔ شیخ کبیر عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب مجدی لکھتے ہیں: ''والذی نعتقدان رتبة نبینا اعلی مراتب المخلوقین علی الاطلاق وانه حی فی قبره حیوة مستقرة ابلغ من حیات الشهداء المنصوص علیها فی التنزیل اذا هو افضل منهم بلا ریب وانه یسمع من یسلم علیه''

(اتحاف النبلاء ص ۴۱۵ مطبوعہ کانپور)

تک وہ دنیا میں تھے۔ بعد ازاں وہ اور دیگر مومنین موت میں برابر ہیں۔ اگر بعد وفات ان کو حیات ہے تو وہی حیات برزخ ہے جو احاد امت کو ثابت ہے، بعض ان کے حفظ جسد نبی کے قائل ہیں، مگر بلا علاقہ روح اور متعدد لوگوں کی زبان سے بالفاظ کریہہ کہ جن کا زبان پر لانا جائز نہیں در بارہ حیات نبوی علیہ السلام سنا جاتا ہے اور انہوں نے اپنے رسائل وتصانیف میں لکھا ہے۔ اب غور فرمایئے کہ ان اکابر کے رسائل اور اعتقادات بالکل اس کے مخالف ہیں۔ حضرت مولانا نانوتوی قدس اللہ سرہ العزیز نے ایک بہت بڑی ضخیم کتاب تحریر فرمائی ہے جو کہ مشہور بین العالم ہے اس میں کس زور شور سے حیات نبوی کا اثبات کیا ہے اور مذہب اہل سنت والجماعت[1] اور فضائل نبوت میں کسی درجہ اور قوت کے دلائل درج فرمائے ہیں۔ مولانا گنگوہی قدس سرہ "ہدایۃ الشیعہ" اور رسالہ "حج" وغیرہ میں بھی اس کی تصریح وتائید فرمارہے ہیں۔ چونکہ اس مسئلہ میں خصوصا ان حضرات کی عبارتیں بہت طویل واقع ہو رہی ہیں۔ اور متعدد رسالے اسی مضمون کے تفصیلا واجمالا چھپے ہوئے مشہور ہیں۔ اس لیے بخوف تطویل میں نقل نہیں کرتا ہوں جس کا جی چاہے "آب حیات" و "ہدیۃ الشیعہ" و "اجوبہ اربعین" و "لطائف قاسمیہ" و "ہدایۃ الشیعہ" و "زبدۃ المناسک" وغیرہ رسائل میں دیکھ لیوے[2] یہ ایک خاص مسئلہ ہے، جس میں وہابیہ نے علمائے حرمین کی مخالفت کی ہے اور بارہا جدال ونزاع کی نوبت آئی۔ اس مسئلہ میں اور مسئلہ آئندہ کی وجہ سے وہاں وہابی سنی سے ممتاز[3] ہوتا ہے۔

(رجوم المذنبین ص ۴۸، ۴۹ مطبوعہ بمبئی جید برقی پریس دہلی، مصنفہ حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ)

پھر حضرت مدنیؒ لکھتے ہیں: "یہ روایت دوام حیات پر دلالت کرتی ہے۔ اس لیے کہ دن رات میں کوئی گھڑی اور کوئی گھنٹہ بلکہ کوئی منٹ اس سے خالی نہیں رہتا کہ آپ پر اندرون نماز اور بیرون نماز درود نہ بھیجا جاتا ہو۔ اس لیے دوام حیات لازم آئے گا۔" (مکتوبات شیخ الاسلام ج ۱، ص ۲۴۳، ۲۴۴ مطبوعہ اعظم گڑھ)

محمد بن عبدالوہاب اور اس کے فرقہ سے ان حضرات (اکابر علمائے دیوبند) کو دور کا بھی تعلق نہ تھا۔ وہ عقائد واقوال جو طائفہ وہابیہ کے مشہور اور مابہ الامتیاز (بین اہل السنۃ وبینہم) ہیں۔ ان کے خلاف ان حضرات کی تصانیف بھری ہوئی ہیں وہ وفات ظاہری کے بعد انبیاء علیہم السلام کی حیات جسمانی اور بقائے "علاقہ بین الروح والجسم" کے منکر ہیں[4] اور یہ حضرات صرف اس کے قائل ہی نہیں بلکہ مثبت بھی ہیں[5] اور بڑے زور شور سے اس پر دلائل قائم کرتے ہوئے متعدد رسائل اس بارہ میں تصنیف فرما کر شائع کر چکے ہیں رسالہ "آب وحیات" نہایت مبسوط رسالہ خاص اسی مسئلہ کے لیے لکھا گیا ہے[6] نیز "ہدایۃ الشیعہ"، "اجوبہ اربعین" حصہ دوم اور دیگر رسائل مطبوعہ مصنفہ حضرت نانوتوی قدس اللہ سرہ العزیز اس مضمون سے بھرے ہوئے ہیں۔ (نقش حیات ج ۱ ص ۱۰۴)

۱۔ اس سے معلوم ہوا کہ حیات النبی ﷺ کا عقیدہ ضروریات مذہب اہل سنت میں سے ہے جو اس کا قائل نہیں، وہ دائرہ اہل سنت سے خارج ہے۔

۲۔ اس سے معلوم ہوا کہ عقیدہ حیات النبی ﷺ میں حضرت نانوتوی اور حضرت گنگوہی کے مابین کوئی اختلاف نہ تھا۔ دونوں بزرگوں کا عقیدہ ایک ہی تھا۔

۳۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس حیات النبی ﷺ کے اقرار سے ہی کسی کا سنی ہونا پہچانا جاتا ہے۔

۴۔ حضرت کی اس عبارت سے معلوم ہوا کہ حیات جسمانی اور بقاء علاقہ "بین الروح والجسم" کے منکر اہل سنت میں سے نہیں اور وہ دیوبندیت سے بھی خارج ہیں۔ (حاشیہ نمبر ۵، ۶ اگلے صفحہ پر)

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس اللہ سرہ العزیز آں حضرت ﷺ کی شان مبارک میں وہ بلند پایہ مضامین ارشاد فرماتے ہیں، جن کے حریم معلّی تک جلیل القدر علمائے امت کا طائر فکر بھی پرواز نہیں کرسکتا تھا۔ رسالہ ''آب حیات''، ''قبلہ نما''، ''تحذیر الناس''، ''ہدیۃ الشیعہ''، ''اجوبہ اربعین''، ''قاسم العلوم''، ''مناظرہ عجیبہ'' وغیرہ ایسے مضامین سے بھرے ہوئے ہیں۔ (نقش حیات ج ۱ ص ۱۰۴)

دس اکابر دیوبند قدس اللہ اسرارہم کا بیان ختم ہوا۔ ''تلک عشرۃ کاملۃ''

اکابر دیوبند حضرات موجودین دامت برکاتہم

۱...... صدر الافاضل، فخر الاماثل، جامع شریعت وطریقت

حضرت العلامہ، الحاج، القاری محمد طیب صاحب دامت برکاتہم مہتمم دار العلوم دیوبند

حضرت قاری صاحبؒ لکھتے ہیں: ''مسئلہ زیر بحث میں جہاں تک اپنے بزرگوں کی کتابوں، فتاوٰی، مقالات اور متوارث ذوق کا تعلق ہے دیوبندیت تو یہی ہے کہ برزخ میں آنحضرت کو حیات دنیوی کے ساتھ زندہ مانا جائے کیونکہ دیوبندیت کی موجودہ جماعتی تشکیل قیام دار العلوم سے شروع ہوتی ہے جس کی ابتداء حضرت اقدس حاجی امداد اللہ مہاجر مکی قدس سرہ کی سرپرستی میں ان کے دو جلیل القدر خلفاء حضرت نانوتوی اور حضرت گنگوہی سے ہوئی۔ ان تینوں کا مسلک بھی حیات دنیوی (کہ اس عالم برزخ کی حیات اسی جسد اطہر میں ہے، جو اس دنیا میں تھا) ہے پھر آخر الذکر دو بزرگوں کے تلامیذ مثل حضرت شیخ الہند، حضرت مولانا احمد حسن امروہی، حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری، حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی، حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند، حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب عثمانی دیوبندی، حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب دیوبندی مفتی اعظم دار العلوم دیوبند رحمۃ اللہ علیہم اجمعین وغیرہ وغیرہ حضرات کا بھی یہی مسلک تھا جو ان کے مطبوعہ فتاوی ومقالات میں محفوظ ہے۔ پھر ان اکابر کے تلامذہ مثل حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی، حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی، حضرت مولانا مرتضی حسن صاحب، حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی اور دوسرے اساتذہ دار العلوم دیوبند ﷭ وغیرہ وغیرہ حضرات کا بھی یہی مسلک ہے یہی حضرات دیوبندیت کے اساطین کہلاتے ہیں اس لیے دیوبندیت تو حیات النبی ﷺ کے بارے میں حیات دنیوی (باعتبار ابدان دنیا) ہی ہے جو برزخ میں قائم ہے۔''

(الصدیق ملتان شمارہ نمبر ۳۰، ماہ ربیع الاوّل ۱۳۷۷ھ)

---

۵ اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ دیوبندیت صرف یہی نہیں کہ آنحضرت ﷺ کے تعلق بین الروح والجسم کا اقرار کرلیا جائے۔ بلکہ دیوبندی ہونے کے لئے اس کا مثبت ہونا (خواہ تحقیقاً ہو، خواہ تقلیداً) اور اس عقیدے کو تسلیم کرانے کے لئے پوری طرح فکر وقوت صرف کرنا ضروری ہے۔ حضرت کا یہ بیان ان لوگوں کے لئے پیام عبرت ہے جو اس تعلق روح وجسم کا اقرار تو کرتے ہیں، مگر اس کے اثبات میں مصلحتاً خاموش ہیں۔

۶ معلوم ہوا کہ آب حیات لکھنے کی غرض محض رد روافض ہی نہیں۔ جیسا کہ بعض کا خیال ہے۔ بلکہ اصل مقصود عقیدہ حیات النبی ﷺ کا اثبات تھا۔

"نحمدہ ونصلی، احقر اور احقر کے مشائخ کا مسلک وہی ہے جو "المہند" وغیرہ میں بالتفصیل مرقوم ہے یعنی برزخ میں جناب رسول اللہ ﷺ اور تمام انبیاء ﷩ بجسد عنصری زندہ ہیں، جو حضرات اس کے خلاف ہیں وہ اس مسئلہ میں دیو بند کے مسلک سے ہٹے ہوئے ہیں۔"

محمد طیب مدیر دارالعلوم دیو بند حال وارد ملتان۔ (یہ اصل تحریر مدرسہ عربی خیرالمدارس ملتان میں موجود ہے)

پھر حضرت قاری صاحب ارشاد فرماتے ہیں: "آب حیات" وہ کتاب ہے کہ حضرت شیخ الہندؒ نے فرمایا کہ میں نے یہ کتاب استاد رحمۃ اللہ علیہ سے درسا درسا پڑھی تب مصنف کے مدارک پر مطلع ہوا۔ میں نے مولانا حبیب الرحمن صاحبؒ سے اس واقعہ کا حوالہ دے کر عرض کیا تھا کہ مجھے یہ کتاب آپ پڑھا دیں، تو انہوں نے بایں ذہن وذکاء فرمایا کہ میرے بس کی بات نہیں، تو ایسی کتاب ہم جیسے نالائقوں کے بس کی بات کیا ہو سکتی ہے؟

حاصل[1] یہ ہوا کہ سرور عالم ﷺ ہر آن مشاہدہ جمال الٰہی میں بھی مستغرق رہتے ہیں اور امت کی طرف بھی آپ ﷺ کی توجہ ہر لحہ مبذول رہتی ہے، نہ یہ استغراق توجہ میں مانع ہوتا ہے، نہ توجہ استغراق میں، یہی وجہ ہے کہ جب امت کا ایک عارف کامل حالتِ کشف میں اپنے محبوب کے جمال جہاں آراء کے دیدار سے مشرف ہوا تو اس نے سرور عالم ﷺ کو اس حال میں پایا: "ورأیتہ مستقرا علی حالۃ واحدۃ... متوجھا الی الخلق لابسا لباس العظمۃ ... فاذا توجہ الیہ الانسان بجھد ھمتہ ولا ارید الانسان العالی الھمۃ فقط بل کل ذی کبد یشتاق الی شئی ویتوجہ الیہ بتصدہ وشوقہ فانہ یتدلی الیہ... ورأیتہ ﷺ ینشرح انشراحا عظیما لمن ﷺ ومدحہ"

ترجمہ: میں نے سرورِ عالم کو اس حال میں دیکھا کہ آپ ﷺ بندگان الٰہی کی طرف متوجہ تھے پوری توجہ کے ساتھ عظمت وبڑائی کا لباس آپ ﷺ کے زیب تن تھا۔ جب کوئی خدا کا بندہ ذوق وشوق کے ساتھ آپ کی طرف متوجہ ہوا تو میں نے دیکھا کہ سرور عالم اس سے قریب ہو گئے اور میں نے دیکھا کہ جس شخص نے حضور ﷺ پر درود وسلام بھیجا اور آپ کی تعریف کی تو آپ اس سے بہت زیادہ خوش ہوئے۔

یہ کشف ہے ان کا جو عارفوں کے امام اور محدثوں کے سردار تھے۔ یعنی حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ جسے انہوں نے اپنی مشہور کتاب "فیوض الحرمین" میں ذکر[2] کیا ہے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم!

(فیوض الحرمین ص ۲۳)

(مضمون حضرت العلامہ القاری محمد طیب صاحب ماہنامہ دارالعلوم دیو بند، ربیع الاول ۷۳ھ...... ۱۹۵۳ء)

۲...... زبدۃ المحدثین، شمس العارفین، شیخ المشائخ، شیخ الحدیث مدرسہ عالیہ مظاہر العلوم سہارنپور

حضرت مولانا محمد زکریا صاحب دامت برکاتہم العالیہ

مکرم ومحترم مدفیوضکم — بعد سلام مسنون

---

[1] جو شبہات منکرین حیات کی طرف سے حدیث "مامن احد یسلم علی الا رد اللہ علی روحی" پر وارد کیے جاتے ہیں۔ ان کا ازالہ فرمانے اور مضمون حدیث پر نہایت نفیس بحث کرنے کے بعد حضرت قاری صاحب دامت برکاتہم نے یہ بیان فرمایا ہے۔

[2] پھر یہ بھی فرماتے ہیں: "ماتوجھت قبل قبرہ علیہ الصلوٰۃ والسلام الا ورأیتہ حاضرا ظاھرا اماھان الفتح بصور روحی فرایتہ علی ماھو وامان تالرت نفسی منہ تالرا" (فیوض الحرمین ص ۳۳ مطبوعہ دیو بند)

نہایت طویل گرامی نامہ پہنچا۔ آپ نے ایسے شخص کو مخاطب بنایا جو نہ تو مفتی نہ مولوی، اس نا کارہ کی حقیقت ایک نقل نویس کی ہے اس سے زیادہ کچھ نہیں، جو اکابر و اسلاف کی کتاب میں ملتا ہے اسی کو ادھر ادھر نقل کرتا رہتا ہوں، اسی کا نام شرح موطا ہے، یہی تبلیغی رسائل کی حقیقت ہے۔ آپ نے تحریر فرمایا کہ دونوں طرف کے کچھ لوگ تحریر کو قبول کرنے کو آمادہ ہیں، موجب تعجب ہے جن حضرات کو اس نا کارہ کے جملہ اکابر حضرت گنگوہی قدس سرہ سے لے کر حضرت مدنی نور اللہ مرقدہ کی تحریرات قابل قبول نہیں ہیں وہ اس نا کارہ کی تحریر کو کیا قبول کر سکتے ہیں، بہر حال یہ نا کارہ ان اکابر کا بالکل متبع ہے۔ ان کے اس صاف ارشادات اور تحریرات کے بعد جس پر حضرت سہارنپوری، حضرت شیخ الہند، حضرت رائپوری حضرت تھانوی قدس اللہ اسرارہم نے بلا کسی اجمال کے ''ھذا معتقد ناو معتقد مشائخنا'' لکھا ہے۔ کیا کوئی گنجائش ہے کہ اس کے خلاف کچھ کہا جا سکے۔

جو نصوص آپ نے ممات کے متعلق لکھی ہیں۔ ان سے کوئی پڑھا لکھا انکار کر سکتا ہے؟ بالخصوص جن حضرات کی راتیں ہمیشہ تلاوت قرآن اور دن ساری عمر تدریس بخاری شریف وغیرہ کتب حدیث میں گزریں، ان کو کبھی بھی پتہ نہ چلا کہ قرآن پاک کی آیات میں کیا وارد ہوا اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے خطبہ میں کیا فرمایا۔ ان میں سے حضرت رائے پوری قدس سرہ کے علاوہ کون سا ایسا ہے جس کی عمر کا معتد بہ حصہ تدریس حدیث میں نہیں گزرا اور حضرت اقدس رائے پوری قدس سرہ کے علوم و معارف کو سننے والے ابھی تک دنیا میں بکثرت موجود ہیں۔ مگر ان میں سے کسی کو بھی نہ قرآن پاک کی کسی آیت کا پتہ چلا، نہ حدیث پاک میں کوئی ممات والی روایت ان کی نظر سے گزری۔ یہ نا کارہ اپنے ان اکابر کے متعلق وہی عقیدہ رکھتا ہے جو حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے اپنے اکابر یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق ارشاد فرمایا کہ: ''فانهم علیٰ علم وقفوا وببصر نافذ كفوا وهم على كشف الامور كانوا اقوى وبفضل ما كانوا فيه اولى...... فما دونهم من مقصر وما فوقهم من محسر وقد قصر قوم دونهم فجفوا وطمح عنهم اقوام فخلوا وانهم بين ذلک لعلى هدى مستقيم'' (ابوداؤد ج ۲، ص ۲۷۷ کتاب السنۃ)

حقیقت یہ ہے کہ اس دور فساد میں آدمی اس وقت تک محقق نہیں سمجھا جاتا جب تک کہ سلف صالحین کے خلاف کوئی نئی ایجاد نہ کرے۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی پیش گوئی ''ان من ورائکم فتنا يكثر فيها المال ويفتح فيها القران حتى ياخذه المؤمن والمنافق والرجل والمرأة والكبير والصغير والعبد والحر فيوشک قائل ان يقول ماللناس لايتبعونى وقد قرأت القران ما هم بمتبعى حتى ابتدع لهم غيره فاياكم ما ابتدع... الخ'' لہٰذا یہ نا کارہ تو حذو النعل بالنعل ان حضرات کا جامد متبع ہے اور اس نا کارہ کی تحریر میں کوئی لفظ بھی ان اکابر کی تحقیق کے خلاف ہے تو وہ لغو ہے، نا قابل التفات ہے، مردود ہے۔ اس سب کے بعد گرامی نامہ کے مستفسرات کے متعلق اپنا خیال یہ ہے کہ جیسا حیات کے درجات متفاوت ہیں، جس کا اعتراف یہ حضرات خود بھی کرتے ہیں جیسا کہ آپ نے لکھا اسی طرح ممات کے بھی درجات مختلف ہیں۔ نوم پر بھی احادیث صحیحہ صریحہ میں موت کا اطلاق کیا گیا، سونے اور جاگنے کی دعاؤں میں کثرت سے ''الحمد لله الذى احيانا بعد ما اماتنا'' وارد ہے، قرآن پاک میں ''اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا۔ الآية'' میں نوم پر وفات کا اطلاق کیا گیا ''لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ'' میں موت کی نفی کی گئی وغیرہ وغیرہ لہٰذا جن نصوص میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر موت کا اطلاق کیا گیا ان میں سے کوئی سی بھی حضرت نانوتوی نور اللہ مرقدہ یا اکابر دیوبند یا مہند کے خلاف نہیں ہے، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے خطبہ میں بھی وہی موت مراد ہے

جو حضور اکرم ﷺ کی شایان شان ہے خود حضرت عمرؓ کے تفصیلی اقوال جو اس سلسلہ میں نقل کیے گئے ہیں اس کی واضح تائید کرتے ہیں۔ اس لیے کہ حضرت عمرؓ کسی نوع ممات کے بھی قائل نہ تھے چنانچہ ان کا ارشاد ''ان رجالا من المنافقین یزعمون ان رسول اللہ ﷺ توفی واللہ ما مات ولکن ذھب الیٰ ربہ کما ذھب موسیٰ ابن عمران واللہ لیرجعن رسول اللہ ﷺ کما رجع موسی فلیقطعن ایدی رجال وارجلھم زعموا ان رسول اللہ ﷺ مات'' بیہقی کی روایت سے خود حضرت عمرؓ کا یہ مقولہ نقل کیا گیا کہ وہ آیت ''وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا۔ الآیۃ'' کے متعلق فرماتے ہیں ''واللہ ان کنت اظن انہ ﷺ سیبقی فی امتہ حتی یشھد علیہ باخر اعمالھا وانہ ھو الذی حملنی علی ان قلت ما قلت'' لہٰذا شیخین ؓ کے مکالمہ کو موجودہ مسئلہ متنازعہ سے کوئی تعلق نہیں۔ اس لیے کہ حضرت عمرؓ موت کا بالکلیہ انکار فرماتے تھے اور سمجھتے تھے کہ حضور اقدس ﷺ ابھی واپس تشریف لے آئیں گے اس لحاظ سے حضرت صدیق اکبرؓ کا رد بالکل صحیح اور واضح ہے کہ بنوع من الموت سے کسی کو بھی انکار نہیں۔ انکار صرف موت بجمیع الوجوہ سے ہے کہ نوع خاص من الحیات فی الجسد الاطہر باقی ہے۔ تعجب ہے کہ یہ حضرات اجساد انبیاء کے بقاء کی قائل ہیں، جیسا کہ آپ نے لکھا ہے لیکن ان اجساد میں اگر کسی نوع کی بھی حیات نہ مانی جائے تو یہ حدیث پاک ہی مہمل بن جائے گی۔ اس لیے کہ حضور ﷺ کا پاک ارشاد اس حدیث پاک میں یہ ہے ''اکثروا علی من الصلوٰۃ فیہ فان صلوٰتکم معروضۃ علیّ'' اس پر صحابہ کرامؓ کو اشکال ہوتا ہے۔ قالوا یا رسول اللہ! کیف تعرض وقد بلیت اس پر حضور ﷺ جواب فرماتے ہیں: ''ان اللہ حرم۔ الخ'' آپ ہی غور کریں کہ اگر ان پاک اجساد میں کوئی نوع حیوۃ کی نہیں تو حضور ﷺ کا یہ پاک ارشاد صحابہؓ کے اشکال ''کیف تعرض'' کا جواب کیسے بن گیا، روایت بھی صحیح ابن حبان کی ہے اور حاکم نے اس کو علی شرط البخاری بتایا ہے اور علامہ ذہبیؒ نے اقرار کیا۔ ایک چیز یہ بھی قابل غور ہے کہ باجماع امت قبر اطہر کا وہ حصہ جو جسد اطہر سے متصل ہے، کعبہ شریف بلکہ عرش معلیٰ سے افضل ہے کیا یہ فضیلت صرف اس جسد اطہر کی ہے، جس کے ساتھ کبھی روح کا تعلق رہ چکا ہے، اب نہیں ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو پھر موئے مبارک جو کبھی جسد اطہر پر پڑ چکا ہے، اس کا بھی یہی حکم ہوتا وغیرہ وغیرہ بہر حال یہ ناکارہ تو اکابر دیوبند قدس اللہ اسرارہم کا ہمہ تن متبع ہے اور ان سب حضرات کا متفقہ فیصلہ ''المہند'' میں بلا کسی اجمال کے تحریر ہے، اس سے آپ کے جملہ سوالات کا جواب واضح ہو گیا مختصر نمبروار بھی عرض ہے۔ لیکن آپ نے ص ۵ پر سوالات کر کے گرامی نامہ ختم کر کے ص ۶ پر پھر وہی سوالات عبارت کے تغیر کے ساتھ درج کر دیئے، یہ سمجھ میں نہیں آیا۔ بہر حال ہر دو کے جواب حسب ذیل ہیں: صفحہ نمبر ۵:

(۱) اجساد انبیاء کرام علیہم السلام میں ایک خاص نوع کی حیات ہے۔

(۲) یہ ظاہر ہے کہ حیوۃ تو روح ہی کے تعلق سے ہوتی ہے بغیر تعلق روح کے حیاۃ کا کیا مطلب؟

(۳) اگر ایسی حیات ہوتی جو ہر ذرہ کائنات میں ہوتی ہے، تو پھر انبیاء کی کیا تخصیص رہی؟ علامہ علامہ سخاویؒ فرماتے ہے۔ ''نحن نؤمن ونصدق بانہ ﷺ حیٌ یرزق فی قبرہ'' (القول البدیع ص ۱۲۵)

(۴) ایک دیوبندی سے یہ سوال کہ علماء دیوبند کا یہ قول قابل اقتداء ہے یا نہیں، بے محل ہے۔ علامہ سخاویؒ تو امام بیہقی کا یہ قول نقل کرتے ہیں: ''قال البیھقی وفی حدیث سعید ابن المسیب عن ابی ھریرۃؓ انہ لقیھم بیت المقدس وفی حدیث ابی ذرؓ ومالک بن صعصعۃ فی قصۃ المعراج انہ لقیھم فی جماعۃ من

الانبیاء بالسمٰوات فکلمهم و کلموه و کل ذلک صحیح لا یخالف بعضهم بعضا فقد یری موسیٰ علیہ السلام قائما یصلی فی قبره ثم یسری بموسیٰ وغیره الی بیت المقدس کما اسری بنبینا فیراهم فیه ثم یعرج بهم الی السمٰوت کما عرج بنبینا فیراهم فیها کما اخبر قال و حلولهم فی اوقات مختلفة لمواضع مختلفات جائز فی العقل کما ورد به خبر الصادق وفی کل ذلک دلالة علی حیوتهم'' (ایضاً ص۱۲۶)

یہ تو بہت ہی صاف ہے۔ لیکن اگر یہ حضرات اپنی قبروں میں روح مع الجسد ہوں اور دوسری مواضع میں روح متمثل ہو جیسا کہ بعض نے فرمایا تو اس میں بھی کوئی مانع نہیں۔

(۵) جو شخص حضور اقدس ﷺ کی قبر اطہر کے پاس کھڑا ہو کر درود پڑھے، حضور اقدس ﷺ اس کو سنتے ہیں۔ ''من صلی علی عند قبری سمعته'' نص صریح ہے۔ علامہ سخاویؒ نے حافظ ابن حجرؒ سے نقل کیا ہے ''سند جید'' (دیکھو شفاء السقام ص ۱۴۱) حضرت عمر بن عبد العزیزؒ مستقل قاصد مدینہ پاک بھیجا کرتے تھے تاکہ قبر اطہر پر سلام پہنچائے۔ اگر کوئی فرق نہیں تھا تو ان کا یہ فعل عبث تھا، فقط۔

اس کے بعد صفحہ نمبر ۶ پر پھر مکرر سوالات درج ہیں نہ معلوم کیوں؟

(۱) یہ اوپر بیان ہو چکا کہ ان سب حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کے اجساد میں ایک خاص نوع حیاۃ ہے۔

(۲) یہ سوال بھی مکرر ہے اور جواب بھی وہی ہے کہ ان حضرات کے نزدیک اجساد انبیاء میں ایک خاص نوع حیاۃ کی ہے۔

(۳) مجھے حضرت نانوتوی اور حضرت گنگوہی قدس سرہما کے مسلک میں کوئی فرق معلوم نہیں ہوتا۔ مہند میں حضرت سہارنپوری، حضرت شیخ الہند، حضرت رائپوری رحمہم اللہ وغیرہ کا یہ ارشاد ''هذا معتقدنا و معتقد مشائخنا'' واضح ہے۔ اس لیے کہ ان تینوں حضرات کے شیخ حضرت گنگوہی قدس سرہ ہیں۔ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ حضرت مفتی عزیز الرحمن صاحب مفتی اعظم نور اللہ مرقدہ نے حضرت گنگوہی قدس سرہ سے ''انک میت'' الآیۃ کے اشکال کا جو جواب نقل کیا ہے وہ تو حضرت نانوتوی قدس سرہ کی تعبیر سے بھی اونچا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ موت سب کو شامل ہے، مگر انبیاء کرام علیہم السلام کی ارواح مشاہدہ جمال وجلال حق تعالیٰ شانہ وتقابل آفتاب وجود باری تعالیٰ سے اس درجہ پر پہنچ جاتی ہیں کہ اجزائے بدن پر ان کا یہ اثر ہوتا ہے کہ تمام بدن حکم روح پیدا کر لیتا ہے اور تمام جسم ان کا عین ادراک اور عین حیات ہو جاتا ہے اور یہ حیات دوسری قسم کی ہوتی ہے اور اس تحقیق سے نکتہ ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء بھی ظاہر ہو جاتا ہے۔ آپ بھی غور کیجئے کہ ہم ناواقف ان واصلین کے علوم تک کہاں پہنچ سکتے ہیں۔

(۴) معلوم نہیں ایک ہی سوال کو بار بار مختلف عنوانات سے لکھنے میں کیا مقصد ہے یقیناً مہند میں جو ہے صحیح ہے، شہاب ثاقب اس وقت میرے سامنے نہیں ہے۔

(۵) حضرت رائپوری دام مجدہم بار بار زبانی اور تحریری ارشاد فرما چکے ہیں کہ میرا مسلک وہی ہے جو اکابر دیوبند کا ہے اس وقت بھی یہی فرمایا اور یہ بھی فرمایا کہ یہ لوگ بے کار وقت ضائع کر رہے ہیں۔ میں ۸۰ سال سے متجاوز ہو کر ''مَنْ یُرَدُّ اِلٰی اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِکَیْ لَا یَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَیْئًا'' میں داخل ہو گیا ہوں اور بھی کسر نفسی کے الفاظ ارشاد فرمائے، جن کی نقل دشوار ہے کہ میں ان حضرات اکابرؒ کے مقابلے میں کیا چیز ہوں۔

نوٹ: علامہ ذہبیؒ کا قول جرح و تعدیل میں معتبر ہے لیکن ہر شخص کے قول کو دیگر اہل فن کے اقوال کے لحاظ سے دیکھا جائے گا۔ اگر علامہ ذہبیؒ کی جرح و تعدیل دوسرے اکابر کے خلاف ہوگی۔ تو غور کیا جائے گا، ورنہ یقیناً معتبر ہے۔ فقط

آخر میں یہ ضرور عرض کروں گا کہ یہ دقیق مسائل عوام کی عقول سے اونچے ہیں اردو رسائل و اشتہارات میں لانا، ان میں بحثیں کرنا نہایت ناموزوں ہے۔ لایدرک الصبی مدارک العالم ہر دو فریق سے درخواست ہے کہ اس بحث کا سلسلہ جلد از جلد بند کر دیا جائے۔ فقط! والسلام

زکریا بقلم خود مظاہر العلوم سہانپور ...... ۲۵ جمادی الثانی ۷۸ھ

۳...... فخر المحدثین والفقہاء استاذ الاساتذہ شیخ الحدیث دار العلوم الاسلامیہ ٹنڈو الہ یار سندھ

حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی دامت برکاتہم

"من ینکر حیاته ﷺ فی قبره... کان فؤاده فارغا من حبه وعقله خالیا من لبه"

(اعلاء السنن ج ۱۰ ص ۳۳۹)

ترجمہ: جو شخص حضور اکرم ﷺ کے اپنی قبر شریف میں زندہ ہونے کا انکار کرتا ہے اس کا دل حضور ﷺ کی محبت سے فارغ ہے اور اس کی عقل بصیرت سے خالی ہے۔

۴...... زبدۃ الفقہاء بدر الادباء، سابق مفتی اعظم دار العلوم دیوبند

حضرت مولانا الحاج محمد شفیع صاحب دامت برکاتہم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رسالہ "رحمت کائنات" مصنفہ مولانا زاہد الحسینی تقریباً پورا مطالعہ کیا۔ حیات انبیاء علیہم السلام کے مسئلہ پر نہایت نافع اور مفید تحقیقات جمہور اہل سنت والجماعۃ کے مطابق جمع کر دی ہیں، اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائیں۔

مسئلہ کے متعلق تحقیقات کے ضمن میں آنحضرت ﷺ کے تاقیامت باقی رہنے والے فیوض و برکات اور آثار حیات کا ذکر آیا ہے۔ وہ خود ایک نہایت مفید مضمون ہے جس سے رسول کریم ﷺ کی عظمت و محبت مومن کے قلب میں بڑھتی ہے، جو سرمایہ سعادت دنیا و آخرت ہے (رزقنا اللہ تعالیٰ) مجھے بھی بحمد اللہ اس سے بڑا نفع پہنچا، دل سے دعا نکلی۔ جمہور علماء امت کا عقیدہ اس مسئلہ میں یہی ہے کہ آنحضرت ﷺ اور تمام انبیاء علیہم السلام برزخ میں جسد عنصری کے ساتھ زندہ ہیں ان کی حیات برزخی صرف روحانی نہیں بلکہ جسمانی حیات ہے جو حیات دنیوی کے بالکل مماثل ہے بجز اس کے کہ وہ احکام کے مکلف نہیں ہیں بلکہ کچھ آثار بعض دنیاوی احکام میں بھی باقی ہیں۔ مثلاً میراث کا تقسیم نہ ہونا، ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے بعد وفات کسی کا نکاح جائز نہ ہونا۔ متقدمین میں امام بیہقیؒ کا اور متاخرین میں شیخ جلال الدین سیوطیؒ کا مستقل رسالہ اس مسئلہ کی توضیح کے لیے کافی ہے جن میں روایات حدیث کافی تفصیل کے ساتھ درج ہیں۔ بیہقیؒ نے فرمایا ہے۔ "وللحیاۃ الانبیاء بعد موتهم شواهد من الاحادیث الصحیحة" اس میں تصریح ہے کہ موت کے بعد ان کی حیات احادیث صحیح سے ثابت ہے اور یہ ظاہر ہے کہ موت صرف جسم پر آتی ہے، روح پر نہیں۔

اس لیے حیات بعد الموت کو صرف روحانی کہنے کے کوئی معنی نہیں۔ اور ''شفاء السقام'' میں امام حدیث وفقہ تقی الدین سبکیؒ نے اپنی کتاب کا نواں باب اسی مسئلہ کی تحقیق کے لیے لکھا ہے اس میں انبیاء ﷩ کے لیے بعد الوفات کے حیات جسمانی حقیقی ثابت کرنے کے لیے فرمایا ہے: ''وقد ذکر نا من جماعته من العلماء و شهد له صلوة موسی ﷤ فی قبره فان الصلوة یستدعی جسدا معها و کذلک الصفات المذکورة فی الانبیاء لیلة الاسراء کلها صفات الاجسام و لا یلزم من کونها حیاة حقیقیة ان یکون الابدان معها کما کانت فی الدنیا من الاحتیاج الی الطعام و الشراب و الامتناع عن النفوذ فی الحجاب الکثیف و غیر ذلک من الصفات الاجسام التی نشاهدها بل قد یکون لها حکم آخر فلیس فی العقل ما یمنع من اثبات الحیاة الحقیقیة بهم'' (شفاء السقام من السبکی)

اس کے بعد شہداء کی حیات برزخی پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''فلم یبق الا انها حیاة حقیقیة الان و ان الشهداء احیاء حقیقة و هو قول جمهور العلماء لکن هل ذلک للروح فقط او للجسد معها فیه قولان''

اس کے بعد اس قول ثانی کو ترجیح دی کہ یہ حیات حقیقی صرف روح کے لیے نہیں بلکہ جسد کے لیے بھی ثابت ہے اور ظاہر ہے کہ جب عام شہداء امت کے لیے برزخ میں حیات حقیقی جسمانی ثابت ہوئی تو انبیاء کی حیات کچھ ان سے اعلیٰ واقویٰ ہی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ انبیاء ﷩ کی حیات بعد الموت حقیقی جسمانی مثل حیات دنیوی کے ہے۔ جمہور علماء امت کا یہی عقیدہ ہے اور یہی عقیدہ میرا اور بزرگان دیوبند کا ہے۔

(۳، ۴) مسئلہ مذکورۃ الصدر کی تحقیق میں یہ بھی آچکا ہے کہ صرف حیات روحانی کا قول جمہور علماء امت کے خلاف ہے اور یہ ظاہر ہے کہ دیوبندیت کوئی مستقل مذہب نہیں۔ جو اتباع سلف وجمہور اہل سنت والجماعت کے خلاف ہے وہ دیوبند کے بھی ضرور خلاف ہے۔ بندہ محمد شفیع عفی عنہ

دار العلوم کراچی نمبر ۱ ...... ۱۳ ربیع الثانی، ۱۳۸۷ھ

۵...... محدث کبیر، فقیہ شہیر، جامع معقول ومنقول

حضرت مولانا مفتی مہدی حسن صاحب دامت برکاتہم مفتی اعظم دار العلوم دیوبند

الجواب: آنحضرت ﷺ اپنے مزار مبارک میں بجسدہ موجود ہیں اور حیات ہیں آپ کے مزار مبارک کے پاس کھڑے ہو کر جو سلام کرتا اور درود پڑھتا ہے آپ خود سنتے اور سلام کا جواب دیتے ہیں ہمارے کان نہیں کہ ہم سنیں، آپ اپنے مزار میں حیات ہیں۔ مزار مبارک کے ساتھ آپ کا خصوصی تعلق بجسدہ وہ روحہ ہے۔

جو اس کے خلاف کہتا ہے غلط کہتا ہے، وہ بدعتی ہے، خراب عقیدے والا ہے، اس کے پیچھے نماز مکروہ ہے۔ یہ عقیدہ صحیح نہیں ہے۔ حدیث میں ہے: ''ان اللہ حرم علی الارض ان تأکل اجساد الانبیاء'' (الحدیث)

''وعن ابی هریرة ﷛ قال قال رسول اللہ ﷺ من صلی علیَّ من بعید اعلمته رواه ابوا الشیخ وسنده جید۔ (القول البدیع) عن انس ﷛ قال قال رسول اللہ ﷺ الانبیاء صلوة اللہ علیهم احیاء فی قبورهم یصلون رواه ابن عدی والبیهقی وغیرها'' (شفاء السقام ص ۱۳۴)

تین حدیثیں نقل کر دی ہیں۔ اس باب میں بکثرت احادیث وارد ہیں، جن کا انکار نہیں کیا جاسکتا اور جو

انکار کرتا ہے، بدعتی اور خارج از اہل سنت والجماعت ہے۔ غرض پڑھنے والے کو ثواب بھی پہنچتا ہے اور مزار مبارک کے قریب پڑھنے سے آپ سنتے بھی ہیں اور اپنے مزار مبارک میں بجسدہ موجود ہیں اور حیات ہیں۔

کتبہ: السید مہدی حسن مفتی دارالعلوم دیوبند ...... ۱۳، ۵، ۷۶ھ

۵۰۳ الف، الجواب: اہل سنت والجماعت متفق ہیں کہ انبیاء اپنی قبور میں حیات ہیں۔ ان کی ارواح کو ان کے اجسام مطہرہ سے خصوصی تعلق ہے۔ اس خصوصیت میں مخلوق میں سے کوئی ان کا شریک وسہیم نہیں ہے ان کی قبور پر سلام پڑھا جائے تو وہ خود سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں: ''قال الشیخ الکبیر ابو عبداللہ القرشی سافرت الی الشام فلما وصلت الی قریب ضریح الخلیل علیه وعلی نبینا افضل الصلوٰۃ والسلام تلقانی فقلت یا رسول اجعلنی ضیافتی عندک الدعاء لاهل مصر فدعا لهم ففرح اللہ عنهم فقال الیافعی نقوله تلقانی الخلیل قوله حق لاینکره الا جاهل بمعرفة مایرد علیهم من الاحوال التی یشاهدون فیها ملکوت السموات والارض وینظرون الانبیاء احیاء ردت الیهم ارواحهم بعد ما قبضوا واذن لهم فی الخروج من قبورهم والتصرف فی الملکوت العلوی والسفلی'' (الفتاوی الحدیثیہ)

''ویمثل صورته الکریمة السهیة کانه ﷺ نائم فی لحده عالم به یسمع کلامه قال ﷺ من صلی علی عند قبری سمعته'' (الاختیار شرح المختار ۱ص ۱۷۴)

ان عبارتوں سے ظاہر ہے کہ آنحضرت ﷺ فداہ امی وابی اپنے مزار مبارک میں اپنے جسد اطہر کے ساتھ حیات ہیں جو اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ ہے زائر کے صلوٰۃ وسلام سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں۔ اس لیے زید کا خیال صحیح نہیں ہے بکر کا قول اور اس کا عقیدہ صحیح اور اہل سنت والجماعت کے مطابق ہے اور کتابوں میں یہ تصریح موجود ہے۔ مواہب لدنیہ شرح زرقانی، انباء الاذکیاء، الخصائص الکبری، شرح اللباب، شفاء السقام وغیر ذلک من الکتب!

بے شک اس عقیدے کے سلسلے میں زید اہل سنت کے عقیدے سے خارج ہے کہ یہ اس کا عقیدہ اہل سنت والجماعت کے خلاف ہے۔ سید مہدی حسن مفتی دارالعلوم دیوبند ...... ۲۵، ۵، ۷۸ھ

۶...... رأس الاتقیاء، استاذ الاساتذہ، خلیفہ اعظم حضرت مولانا الشیخ حسین علی واں بھچروی

شیخ الحدیث حضرت مولانا نصیر الدین غورغشتی دامت برکاتہم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمام اولاد آدم کو موت کا پیالہ پینا ہے۔ ''کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ اور اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ، ... كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ'' اعلان خداوندی سے تمام بنی آدم خواہ عام ہوں یا پیغمبر ہوں۔ ضرور ایک وقت مرتے ہیں اس کے ساتھ موت کے بعد بھی انسان میں ایک نوع حیات موجود رہتی ہے، جس سے وہ ثواب اور عذاب سمجھتا ہے۔ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ میت کو چارپائی پر قبرستان لے جاتے وقت اگر مومن ہے تو ''قدمونی۔ قدمونی'' مجھے جلد پہنچا دو، کہتا ہے اور اگر نافرمان اور کافر ہے تو کہتا ہے ''کہ اے مجھے ہلاکت ہو، مجھے کہاں لے جا رہے ہو، قبر میں سوال منکر نکیر میت سے دفن کے بعد لوگوں کے واپسی کے وقت جوتوں کی آواز سننا، قبر میں عذاب اور ثواب یہ دلیل ہے

کہ موت کے بعد بھی انسان میں ایک قسم کی حیات موجود رہتی ہے۔شہداء کے حق میں قرآن کا اعلان ''احیا'' ''حیات میت'' کی دلیل ہے۔اسی حقیقت کے ساتھ سردار انبیاء خاتم النبیین ﷺ قبر شریف میں زندہ ہیں اور جو حیات ان کی شان کے مناسب ہے، اللہ نے قبر میں وہ حیات ان کو دی ہے، جسدِ اطہر قبر شریف میں محفوظ ہے۔مٹی کوئی اثر جسد اطہر پر نہیں کر سکتی۔اگر قبر کے پاس کوئی مسلمان درود شریف جہرا سلام ڈالے، تو حضور اکرم ﷺ خود سنتے ہیں اور سلام کا جواب دیتے ہیں اور اگر کوئی دور سے درود شریف پڑھے، تو فرشتے رسول اکرم ﷺ کے پاس پہنچاتے ہیں۔

میں اس مسئلہ کو حق اور صحیح سمجھتا ہوں۔احادیث شریف، فقہائے عظام سلف صالحین سے بھی اس مسئلہ کی حقانیت اور صحت ثابت ہے۔

میں نے مولانا حسین علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اس مسئلے کا کبھی اختلاف نہیں سنا اور نہ ہی میں نے کبھی ان سے یہ پوچھا تھا، یہ تو ایک اہل سنت والجماعت کا متفقہ حق مسئلہ ہے.......... مسکین نصیر الدین غورغشتوی

۷...... بقیۃ السلف، حجۃ الخلف، مجاہد کبیر، شیخ التفسیر حضرۃ مولانا احمد علی لاہوری دامت برکاتہم

انبیاء علیہم السلام کی حیات فی البرزخ کے بارے میں میرا عقیدہ وہی ہے جو اکابر دیوبند کا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی قبروں میں اسی جسد عنصری سے زندہ ہیں جو اس دنیا میں تھا۔وہ حیات باعتبار ابدان دنیوی بھی ہے اور باعتبار عالم برزخ برزخی بھی ہے۔

انبیاء کرام کا ابدان دنیوی کے ساتھ اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہونا اہل سنت والجماعت کا متفقہ اور اجماعی عقیدہ ہے ہمارے اکابر دیوبند نے اس پر مفصل اور مدلل ارشادات ثبت فرمائے ہیں۔

جہاں تک مجھے علم ہے یہ مسئلہ اکابر دیوبند میں کبھی مختلف فیہ نہیں رہا میرے خیال میں ہر صاحب بصیرت اس عقیدہ حیات النبی ﷺ کا منکر نہیں ہوسکتا جن کی باطن کی آنکھیں کھلی ہیں ان کے نزدیک تو حضور نبی اکرم ﷺ کی روضہ اطہر کی حیات بدیہیات میں سے ہے............ احقر الانام احمد علی عفی عنہ

۸...... رأس الاتقیاء، اسوۃ الصلحاء، شیخ المشائخ، حضرۃ مولانا عبدالقادر رائپوری دامت برکاتہم

میرا مسلک وہی ہے، جو اکابر دیوبند کا ہے یہ لوگ بے کار وقت ضائع کر رہے ہیں۔(ارشاد حضرات رائے پوری بہ تحریر حضرت شیخ الحدیث کاندھلوی)

۹...... دارالافتاء مدرسہ عربیہ امینیہ مفتی کفایت اللہ صاحب قائم شدہ ۱۹۱۵ء

بقلم شیخ الحدیث والفقہ علامہ محمد عبدالغنی صاحب دامت برکاتہم:

الجواب: صریح صحیح اور قوی متفق علیہ حدیث میں ہے الانبیاء احیاء فی قبورھم حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے جذب القلوب اور شرح مشکوۃ میں لکھا ہے کہ جمہور علماء اہل سنت نے تصریح کی ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی قبروں میں جو قبہائے نور اور دریچہائے جنت ہیں۔حقیقتاً زندہ ہیں۔ان کو وہاں سے کہیں دوسری جگہ نقل نہیں کیا جاتا۔الانی معراج النبی ﷺ۔شرح مشکوۃ میں لکھتے ہیں: ''حیات انبیاء متفق علیہ است ہیچ کس را در وخلافے نیست حیات جسمانی دنیاوی حقیقی نہ حیات معنوی روحانی۔چنانکہ شہداء را است''

اور حضرت محدث گنگوہی نے بھی اپنے فتاویٰ میں کئی جگہ لکھا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے سماع میں کسی کو خلاف نہیں اور مزار مبارک کے پاس استشفاع بھی کر سکتے ہیں۔ کیونکہ بالاتفاق سنتے ہیں۔ اس استشفاع اور طلب دعا جناب باری تعالیٰ میں کسی کو اختلاف نہیں۔

الحاصل حیات انبیاء فی القبور کا عقیدہ ایک اجماعی عقیدہ ہے۔ اس کا انکار اجماع کا انکار ہے اور سخت بدعت اعتقادی کا ارتکاب ہے۔ بہرحال اگر کسی نے لاعلمی کی وجہ سے انکار کیا تو جہالت محضہ واجب الاجتناب ہے اور اگر احادیث کثیرہ اور اجماع امت کو رد کرتے ہوئے انکار کیا تو اس بدعتی عقیدہ ضلالہ سے توبہ واجب ہے۔ فقط!

محمد عبدالغنی غفرلہ مدرسہ امینیہ دہلی...... ۲۷ جون ۱۹۵۹ء

حیات النبی ﷺ کے قائلین پر یہ الزام کہ وہ آنحضرت ﷺ پر ورود موت کے قائل نہیں۔ اس کے ازالہ اور حیات بعد الوفات کے اثبات واستمرار پر یہ دسواں بیان لیجئے:

۱۰...... سلطان المناظرین، عمدۃ المحققین، بقیۃ السلف حجۃ الخلف

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحب دامت برکاتہم:

پٹی ضلع لاہور[۱] سے ایک صاحب لکھتے ہیں: کسی کا یہ خیال کہ حضرت رسول خدا ﷺ پر ایک لمحہ کے لیے بھی روح مبارک جسد اطہر سے جدا نہیں ہوئی۔ کہاں تک صحیح ہے؟ الفرقان کی قریبی اشاعت میں اس مسئلہ کی تحقیق فرما کر ممنون فرمائیں۔

تحقیق: یہ غلط خیال ہے اور نصوص قرآن وحدیث کے خلاف ہے اور شاید ایسا خیال کرنے والوں کو ''مسئلہ حیات النبی'' کی حقیقت سمجھنے میں غلطی ہوئی ہے ورنہ آنحضرت ﷺ پر ''موت'' کا نفس ورود ایک ناقابل انکار بلکہ ناقابل شک وریب حقیقت ہے قرآن مجید میں صاف لفظوں میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔ كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ (ہر جان کو موت کا مزا چکھنا ہے) اور خاص طور پر رسول اللہ ﷺ ہی کے متعلق ارشاد فرمایا گیا ہے۔ اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ (زمر:۴) اے رسول اللہ! آپ کو بھی ضرور موت سے دوچار ہونا ہے اور وہ بھی یقیناً مرنے والے ہیں پھر احادیث بھی اس بات میں بکثرت ہیں۔ ازاں جملہ حضور ﷺ کے آخری وقت کے بیان میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ کے سامنے اس وقت لکڑی کے ایک پیالہ میں پانی تھا۔ آپ بار بار اس میں ہاتھ ڈال کر چہرہ مبارک پر پھیرتے تھے اور فرماتے جاتے تھے۔ لا الٰہ الا اللہ ان للموت سکرات (اللہ تعالیٰ کے سواء کوئی معبود نہیں ہے بے شک موت کی کچھ سختیاں ہیں) حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ثم نصب یدہ فجعل یقول فی الرفیق الاعلی حتی قبض ومالت یدہ (صحیح بخاری) پھر آپ نے اپنا ہاتھ اوپر کی جانب اٹھایا اور فرماتے تھے ''اب رفیق اعلیٰ میں'' یہاں تک کہ روح مبارک قبض کر لی گئی، اور آپ کا ہاتھ نیچے آ گیا

نیز حضرت عائشہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما دونوں سے روایت ہے فرماتے ہیں: ''قالا لما قبض رسول اللہ ﷺ وغسل اختلفوا فی دفنہ فقال ابو بکر ما نسیت ما سمعت من رسول اللہ ﷺ یقول ما قبض اللہ نبیا الا فی الموضع الذی یجب ان یدفن فیہ۔ ادفنوہ فی موضع فراشہ للترمذی'' (جمع الفوائد)

[۱] یہ ۵۸ھ کی تحریر ہے۔ جب ملک تقسیم نہیں ہوا تھا اور پٹی ضلع لاہور میں تھا۔

ترجمہ: دونوں فرماتے ہیں جب رسول اللہ ﷺ کی روح مبارک قبض کر لی گئی اور آپ کو غسل دے لیا گیا تو مقام دفن کے بارہ میں اختلاف آراء ہو گیا۔ اس وقت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ سے ایک حدیث سنی تھی جس کو میں ابھی تک نہیں بھولا۔ آپ نے ارشاد فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ پیغمبروں کی روح وہیں قبض کراتے ہیں جہاں ان کا دفن ہونا چاہئے ہیں۔ لہٰذا حضور ﷺ کو آپ کے بستر مبارک ہی کی جگہ دفن کرنا چاہئے۔

اور صحیح بخاری وشمائل ترمذی میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ پر آخری وقت کی تکلیف شروع ہوئی تو حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی زبان سے نکلا واکرباہ (ہائے کیسی بے چینی ہے) تو حضور ﷺ نے ان سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا: لا کرب علی ابیک بعد الیوم، انہ قد حضر من ابیک ما لیس اللہ تارک احدا۔ الحدیث (بیٹی! آج کے بعد تمہارے باپ کو کوئی تکلیف نہیں ہونی ہے۔ اب تمہارے باپ کے لیے وہ وقت آ گیا ہے جس سے اللہ پاک کسی کو بھی مستثنیٰ کرنے والا نہیں)

اور وفات نبوی ﷺ کے بعد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جو کچھ اس باب میں ارشاد فرمایا ہے وہ تو نصوص قرآن وحدیث کے بعد اس بارہ میں فیصلہ کن حیثیت رکھتا ہے۔ از اں جملہ صحیح بخاری میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ جب صدیق اکبرؓ کو وفات نبوی ﷺ کی خبر پہنچی تو آپ سیدھے حضور ﷺ کے پاس آئے پہلے پیشانی مبارک کو بوسہ دیا۔ پھر آنسو گراتے ہوئے کہا: "بابی انت وامی لا یجمع اللہ علیک موتتین اما الموتۃ التی کتبت علیک فقد متھا"

ترجمہ: آپ پر میرے ماں باپ فدا ہوں اللہ تعالیٰ آپ کو دو دفعہ موت نہ دے گا جو موت آپ کے لیے مقدر ہو چکی تھی وہ بہر حال آپ پر وارد ہو چکی ہے۔

غالباً حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا مقصد ان لوگوں کی تردید کرنا تھا جو اس وقت یہ سمجھ رہے تھے کہ حضرت ﷺ کی یہ وفات آخری وفات نہیں ہے بلکہ عنقریب آپ اٹھیں گے اور فلاں فلاں کاموں کی تکمیل جب خود آپ کے ہاتھوں سے ہو جائے گی۔ اس کے بعد آپ کو آخری وفات آئے گی۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس خیال کی تردید یوں فرمائی کہ "ایسا نہیں ہوگا کہ اللہ تعالیٰ حضور ﷺ پر دو دفعہ موت کو وارد کرے۔ آپ کے لیے ایک ہی موت مقدر تھی جو آ گئی۔

ایک دوسرا مطلب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد کا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اگرچہ عوام الناس کے لیے دو موتیں ہیں پہلی دفعہ اس دنیا میں ان پر موت وارد ہوتی ہے۔ پھر قبر میں نکیرین کے سوال وجواب کے وقت ان کو زندہ کر دیا جاتا ہے اور اس سے فراغت کے بعد دوبارہ ان پر موت طاری کر دی جاتی ہے لیکن رسول اللہ ﷺ کے لیے صرف اسی دنیا کی ایک موت مقدر تھی جو آپ پر وارد ہو گئی اس کے بعد جب قبر مبارک میں آپ کو پھر حیات بخشی جائے گی تو وہ برابر قائم رہے گی اور عوام الناس کی طرح ان پر دوبارہ موت طاری نہیں ہو گی۔ واللہ اعلم!

اور صحیح بخاری اور دیگر صحاح میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ وفات نبوی ﷺ کے دن جب حضرت عمرؓ قسم کھا کھا کر فرما رہے تھے: واللہ ما مات رسول اللہ ﷺ (خدا کی قسم رسول اللہ ﷺ پر موت وارد نہیں ہوئی) تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ان کو خاموش کر کے خطبہ دینا شروع کیا جس میں خدا کی حمد وثنا کے بعد فرمایا: "من کان یعبد محمدا فان محمدا قد مات ومن کان یعبد اللہ فان اللہ حی لا یموت" وقال "اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ"

وقال تعالیٰ ’’ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَائِنْ مَاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْــئًا وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ‘‘

ترجمہ: جو حضرت محمد (ﷺ) کی عبادت کرتا تھا اسے معلوم ہونا چاہیے کہ حضرت محمد ﷺ وفات پا گئے۔ اور جو اللہ کا پرستار ہو تو اللہ تعالیٰ بے شک ہمیشہ ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے اس کے لیے موت نہیں (پھر وفات نبوی کے ثبوت میں) آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ’’آپ کو بھی (اے رسول ﷺ) موت آنی ہے اور آپ کے بدخواہ دشمن بھی مرنے والے ہیں (نیز صدیق اکبر؄ نے یہ آیت بھی تلاوت فرمائی) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ حضرت محمد (ﷺ) بس رسول ہی تو ہیں (کوئی حی و قیوم خدا تو ہیں نہیں) تو کیا اگر وہ وفات پا جائیں گے یا شہید کر دیئے جائیں تو تم الٹے پاؤں گمراہی کی طرف پلٹ جاؤ گے؟ اور یاد رکھو جو بھی اس طرح پلٹے گا تو وہ خدا کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔ (بلکہ خود اپنے کو برباد کرے گا) اور اللہ تعالیٰ اپنے شاکر بندوں کو ثواب دے گا۔

پھر واضح رہے کہ حضرت صدیق اکبر ﷜ نے یہ خطبہ صحابہ کرام ﷡ کے بھرے مجمع میں دیا اور کسی نے اس کے کسی جز پر کوئی تنقید نہیں کی بلکہ خود حضرت عمر ﷜ فرماتے ہیں کہ ’’ابوبکر ﷜ کے اس بصیرت افروز بیان نے خود میری آنکھیں کھول دیں اور میں نے اپنی غلطی کو محسوس کر لیا‘‘

گویا ایک طرف تو یہ مسئلہ کہ حضور اقدس ﷺ پر خدا کے عام قانون كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ کے ماتحت موت جاری ہوئی (ورود موت) نصوص قرآن و حدیث سے ثابت ہے اور دوسری طرف گویا صحابہ کرام ﷡ کا اجماع بھی ہے لہٰذا سوال میں کسی کا جو ’’خیال‘‘ ذکر کیا گیا ہے اس کے لیے ہرگز کوئی گنجائش ہی نہیں ہے۔

اور جیسا کہ عرض کیا گیا تھا ان صاحب کو یہ غلط فہمی مصنفین کے کلام میں ’’حیات النبی‘‘ کی مراد نہ سمجھنے کے باعث ہوئی ہے شاید انہوں نے سمجھا ہے کہ ’’علماء کرام‘‘ جو ’’حیات النبی‘‘ کے قائل ہیں ان کا مطلب یہ ہے کہ حضور پر موت وارد ہی نہیں ہوئی۔ حالانکہ ان کا منشا یہ نہیں ہے۔ بلکہ ان حضرات کی مراد یہ ہے کہ اس موت کے بعد حضور اقدس ﷺ کو حیات بخش دی گئی ہے غالبا متقدمین میں امام بیہقی[1] پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے مسئلہ حیات الانبیاء پر

---

[1] امام بیہقی شعب الایمان میں حضرت ابوہریرہ ﷜ سے روایت کرتے ہیں: ’’من صلی علیّ عند قبری سمعته ومن صلی علیّ نائیا ابلغته‘‘ کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جو شخص میری قبر کے پاس درود شریف پڑھے گا۔ میں خود کو سنتا ہوں اور جو دور سے درود شریف پڑھے گا وہ (فرشتوں کے ذریعہ) مجھ تک پہنچا دیا جائے گا۔

ملا علی قاری ﷫ کی اپنی کتاب الدرۃ المضیہ فی الزیارۃ المصطفویہ میں فرماتے ہیں: ’’ومن اعظم فوائد الزیارۃ ان الزائر اذا صلی وسلم علیه عند قبرہ سمعه سماعا حقیقیا ورد علیه من غیر واسطة بخلاف من یصلی او یسلم علیه من بعید فان ذلک لا یبلغه الا بواسطة لما جاء عنه بسند جید من صلی علی عند قبری سمعته ومن صلی علی من بعید اعلمته‘‘ زیارۃ قبر اقدس کے بڑے فائدوں میں سے ایک یہ ہے کہ زائر جب آپ کی قبر شریف کے پاس صلوٰۃ وسلام پڑھتا ہے تو آپ خود سنتے اور جواب عطاء فرماتے ہیں۔ بجز اس شخص کو جو دور سے درود وسلام پڑھتا ہے وہ آپ کو نہیں پہنچتا مگر بذریعہ فرشتوں کے، بوجہ اس کے کہ عمدہ سند سے منقول ہے کہ جو شخص میری قبر کے پاس درود شریف پڑھتا ہے میں اس کو سنتا ہوں اور جو شخص دور سے پڑھتا ہے اس کی مجھے اطلاع دی جاتی ہے۔ (از تعلیم القرآن مئی ۱۹۵۹ء) ملا علی قاری نے اس حدیث کو اس کی دوسری سند کے اعتبار سے جو ابوالشیخ کی ہے بسند جید کہا ہے۔ اس سے امام بیہقی کی کمزور سند کی بھی توثیق ہو جاتی ہے۔ خالد محمود عفا اللہ عنہ

مستقل رسالہ لکھا ہے اور اس میں اس مسئلہ کے متعلق تمام احادیث جمع کی ہیں انہوں نے خود اس کی تشریح اس طرح کی ہے: ''ان الانبیاء بعدما قبضوا ردت الیھم ارواحھم فھم احیاء عند ربھم کالشھداء''

(زرقانی شرح مواہب ج ۵ ص ۲۳۳)

ترجمہ: انبیاء علیہم السلام کی ارواح ان کی وفات کے بعد انہیں لوٹا دی گئیں پس وہ اللہ کے یہاں زندہ ہیں جیسے کہ شہدائے کرام۔

پھر بعد کے دور میں جن اکابر نے اس مسئلہ پر خاص توجہ کی ہے ان میں ایک جلیل القدر شخصیت علامہ تقی الدین سبکیؒ ہیں۔ آپ نے اپنی مشہور کتاب ''شفاء السقام'' میں ''حیات انبیاء'' پر ایک مستقل باب لکھا ہے جس میں پوری قوت کے ساتھ مسئلہ کا ثبوت دینے کے بعد خود ہی یہ شبہ وارد کیا ہے کہ ''قرآن عزیز صاف حضور ﷺ کی موت کا اعلان کر رہا ہے (اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ) اور خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں: انی مقبوض (میں قبض کیا جاؤں گا) اور حضرت ابوبکر صدیق ﷛ فرماتے ہیں ان محمدا قد مات (یعنی حضور اقدس وفات پا گئے) اور ساری امت کا اجماع ہے کہ آپ کے متعلق موت کا لفظ بولا جا سکتا ہے پھر خود ہی جواب دیتے ہیں: ''یقال انہ موت غیر مستمر وانہ احیی بعد الموت'' (شفاء السقام ص ۱۴۲)

ترجمہ: جواب میں کہا جائے گا کہ یہ موت غیر مستمر (کا ذکر) ہے اور حضور ﷺ کو اس موت کے بعد اللہ تعالیٰ نے حیات عطا فرما دی۔

بہر حال حیات انبیاء علیہم السلام کا یہ مطلب کسی کے نزدیک بھی نہیں ہے کہ ان پر ''موت'' قطعا طاری ہی نہیں ہوتی بلکہ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ وفات کے بعد ان حضرات کو پھر حیات (مع الجسد) بخش دی جاتی ہے اور وہ صحیح وسالم قبر میں محفوظ رہتے ہیں جیسا کہ احادیث میں وارد ہے۔

ھذا الجواب ویتوب اللہ علی من تاب، محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی دامت برکاتہم کا یہ مضمون ماہنامہ الفرقان کے جمادی الاولی ۱۳۵۸ھ کے ماہنامہ میں شائع ہوا تھا۔ پھر یہ مضمون ماہنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی کی مئی ۱۹۵۹ء کی اشاعت میں شائع ہوا اور اسی حاشیہ سے شائع ہوا جس میں سماع عند القبر الشریف کی حدیث کو سند جید سے مانا گیا ہے۔ پھر تعلیم القرآن کی جولائی اور اگست ۱۹۶۰ء کی اشاعت میں اس کی تصدیق محدث کبیر حضرت مولانا عبدالرحمن کیملپوری سے ان الفاظ میں منقول ہوئی۔

''میرے نزدیک مولانا محمد منظور صاحب کا مضمون جو مختلف رسائل میں طبع وشائع ہو چکا ہے اس باب میں بہترین مضمون ہے۔'' (از تعلیم القرآن راولپنڈی)

یہ ان دس بزرگوں کی شہادات ہیں جو بقید حیات ہیں۔ وکفی بھم شرفا وفضلا ان تمام مضامین میں حیات روح بالجسد مذکور ہے اور روضہ پاک کے پاس حضور ﷺ کے سماع حقیقی کی توثیق کی گئی ہے۔ وھو الحق والحق احق ان یتبع!

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی دامت برکاتہم وہ بزرگ ہیں جنہیں حضرت مولانا حسین علی (واں بھچراں) نور اللہ مرقدہ نے سلانوالی کے مناظرہ کے لیے بلایا تھا اور ان کی تقریرات سامنے بیٹھ کر سنیں اور فرمایا: مسلک

دیوبند کی حقانیت مولانا منظور نعمانی کی زبان سے آج بہت کھل کر میرے سامنے آئی ہے اور بیشک انہی حضرات کا مسلک برحق ہے۔

حضرت مولانا منظور احمد نعمانی نے ایک مجلس میں بیان کیا کہ میں جب سلانوالی کے مناظرہ کے لیے چلا تھا تو میں نے ارادہ کیا تھا کہ مناظرہ سے پہلے حضرت مولانا حسین علی صاحبؒ سے ملاقات نہ کروں وہ بطور مبصر مناظرہ میں میری تقریر سنیں اور حضرت سے میری ملاقات۔۔۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور علماء دیوبند کا مسلک حضرت مرحوم کے سامنے اس طرح آیا کہ اب آپ کے بارے میں کوئی نہ کہے گا کہ حضرت مرحوم اور علمائے دیوبند کے مابین اختلافات ہیں۔ اگر اس میں کچھ بھی حقیقت ہوتی تو حضرت مولانا نصیر الدین غورغشتوی کبھی کھلے بندوں حیات النبی ﷺ کا اقرار نہ کرتے اور حضرت مولانا عبدالرحمن کیملپوری جو کچھ عرصہ جمعیت اشاعۃ التوحید والسنۃ کے سرپرست بھی رہے نہ کہتے کہ حیات النبی ﷺ میں مولانا محمد منظور نعمانی کا بیان بالکل حق اور درست ہے۔

علمائے دیوبند کا عقیدہ کیا ہے؟ اسے ہم دس اکابر دیوبند سے جو اپنے خیمے جنت میں لگا چکے ہیں اور دس ان بزرگوں سے جن کے نام اور کام سے آج دیوبندیت کا تعارف ہوتا ہے آپ کے سامنے پیش کر چکے ان بیس بڑے مسلمانوں کی تشریح وتفصیل کے مقابلے میں ایک بدعی عقیدے کی اشاعت اور وہ بھی علماء دیوبند کے نام سے علم ودیانت کو کسی طرح زیب نہیں دیتی۔

در حیرتم کہ بادہ فروش از کجا شنید ۔۔۔ سر خدا کہ زاہد و عابد کسے نہ گفت

***

صورۃ ماکتبہ اکابر العلماء وجہابذۃ الفضلاء

ممن تولی الدرس والافتاء فی عقیدۃ حیاۃ الانبیاء

پاکستان کے دس اکابر مسلک دیوبند کا متفقہ اعلان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔۔۔ اَمَّا بَعْدُ!

حضرت اقدس نبی کریم ﷺ اور سب انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں اکابر دیوبند کا مسلک یہ ہے کہ وفات کے بعد اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور ان کے ابدان مقدسہ بعینہ محفوظ ہیں اور جسد عنصری کے ساتھ عالم برزخ میں ان کو حیات حاصل ہے اور وہ حیات دنیوی کے مماثل ہے۔ صرف یہ کہ وہ احکام شرعیہ کے مکلف نہیں ہیں۔ لیکن وہ نماز بھی پڑھتے ہیں اور روضہ اقدس پر جو درود پڑھا جائے بلا واسطہ سنتے ہیں اور یہی جمہور محدثین اور متکلمین اہل السنۃ والجماعۃ کا مسلک ہے۔

اکابر دیوبند کے مختلف رسائل میں یہ تصریحات موجود ہیں۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی تو مستقل تصنیف حیاۃ انبیاء پر "آب حیات" کے نام سے موجود ہے۔ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب جو حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے ارشد خلفاء میں سے ہیں۔ ان کا رسالہ "المہند علی المفند" بھی اہل انصاف اہل بصیرت کے لیے کافی

ہے۔اب جو اس مسلک کے خلاف دعویٰ کرے اتنی بات یقینی ہے کہ ان کا اکابر دیوبند کے مسلک سے کوئی واسطہ نہیں۔واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل!

محمد یوسف بنوری عفا اللہ عنہ	عبدالحق عفا اللہ عنہ اکوڑہ خٹک
محمد رسول خاں عفا اللہ عنہ	شمس الحق افغانی عفا اللہ عنہ
محمد ادریس کاندھلوی عفا اللہ عنہ	(مفتی) محمد حسن امرتسری عفا اللہ عنہ
خیر محمد جالندھری عفا اللہ عنہ	(مفتی) محمد صادق عفا اللہ عنہ جامعہ عباسیہ بہاولپور
عبدالقدیر عفا اللہ عنہ	محمد عبداللہ درخواستی عفا اللہ عنہ (خانپور)

پنجاب کی ربع صدی کی معرکہ آرائی دیکھنے کے بعد دارالعلوم دیوبند کا تاریخی فیصلہ

مسئلہ حیات النبی ﷺ میں اختلاف پنجاب سے آگے کسی طرف نہیں جا سکا۔ہندوستان، بنگلہ دیش، برما اور سری لنکا میں دارالعلوم دیوبند کے فیض یافتگان ہزاروں کی تعداد میں علم دین کی خدمت کر رہے ہیں مگر ان میں سے کسی نے پنجاب کے اس اختلاف سے کوئی اثر نہیں لیا اور اکابر دیوبند کی پہلی تصریحات سے کہیں سرمو بھی آگے نہیں نکلے۔صوبہ سرحد آزاد قبائل اور افغانستان میں ہزاروں فضلا دیوبند اپنا کام کر رہے ہیں مگر ان میں کسی نے اکابر علماء دیوبند سے اس مسئلے میں اختلاف نہیں کیا۔

پنجاب میں یہ بات غلط طور پر مشہور ہوئی کہ اس مسئلے میں جماعت دیوبند میں تقسیم ہو گئی ہے کچھ علماء حیاتی ہیں اور کچھ مماتی۔پھر لطف یہ کہ مماتی لوگ عقیدہ حیات النبی کا کھلم کھلا انکار کرنے کے باوجود اپنے آپ کو دیوبندی کہتے ہیں اور پاکستان میں بیشتر حصوں میں انہیں دیوبندی ہی سمجھا جا رہا ہے۔

افسوس ہے کہ لوگ اس موضوع میں خود دیوبند کی طرف رجوع نہیں کرتے۔دارالعلوم دیوبند کوئی آثار قدیمہ میں سے تو نہیں کہ اس کی طرف رجوع نہ کیا جا سکے۔اور حقیقت حال معلوم نہ کی جا سکے۔

پنجاب میں یہ مسئلہ دیوبندی حلقوں میں بڑے زور سے چلا فریقین نے اپنے اپنے موقف پر بھرپور کتابیں لکھیں اور ان کے ذریعہ دونوں طرف دلائل دارالعلوم دیوبند پہنچے وہاں کے علماء کے سامنے کوئی غرض اور کوئی مصلحت نہ تھی۔وہ مسئلے پر محض علمی نقطہ نظر سے غور کرتے اور فریقین کی معرکہ آرائی دیکھتے رہے۔

مقام حیات پہلی بار الربیع الثانی ۱۳۸۰ھ میں چھپی۔اس کے جواب میں قاضی شمس الدین صاحب نے مسالک العلماء لکھی۔قاضی صاحب اس میں کسی ایک مسلک پر جم نہیں سکے اور ان کی یہ کمزوری خود اس کتاب کے نام سے عیاں ہے۔حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ جب پاکستان آئے اور قاضی صاحب کے سامنے اپنا دیوبندی عقیدہ لکھا تو قاضی صاحب نے جھٹ اس پر دستخط کر دیئے۔اس صورت حال سے پتہ چلتا ہے کہ یہاں مسئلہ زیر بحث میں اختلاف اتنا نہیں ہے جتنا انتشار ہے اور نہایت افسوس ہے کہ اب اس انتشار کی ہی اختلاف کے نام پر پرورش کی جا رہی ہے اور زیادہ لوگ نہیں جانتے کہ اختلاف کیا ہے۔

پنجاب کی اس معرکہ آرائی پر جب ربع صدی گزری اور پچیس سال حیاتی اور مماتی آپس میں معرکہ آرا رہے تو کچھ لوگوں نے یہ معاملہ پھر دیوبند لکھ بھیجا اور دارالعلوم دیوبند چھ سوال روانہ کیے۔مفتی دارالعلوم دیوبند مولانا

مفتی ظفیر الدین صاحب نے نمبر ۶۸۴ ج۔ کے تحت ۱۴۰۵ھ میں ان کا جواب لکھا۔ پھر دوسرے مفتی حضرات نے اس پر دستخط کیے اور دارالعلوم دیوبند کے دارالافتاء کی مہر اس پر ثبت کر دی۔

پنجاب کی ربع صدی کی معرکہ آرائی دیکھنے اور مماتیوں کی کتابیں اور تحریریں دیکھنے کے بعد علماء دارالعلوم دیوبند اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ مماتیوں کے پاس اس موضوع میں سوائے انتشار کے کچھ نہیں اور اگر ان کے پاس کوئی مادہ اختلاف ہوتا تو وہ ضرور ان کو کچھ نہ کچھ اہمیت دیتے۔

اب دارالعلوم دیوبند کا یہ حالیہ تاریخی فیصلہ سراسر عقیدہ حیات النبی ﷺ کی تائید میں ہے اور اس لحاظ سے اس کی بہت اہمیت ہے کہ یہ پنجاب کی ربع صدی کی معرکہ آرائی دیکھنے کے بعد کا ہے اور اس سے مماتیوں کی پوری عمارت دھڑام سے نیچے آ گری ہے۔

اس تاریخی فیصلے کو غور سے پڑھیں آپ محسوس کریں گے کہ یہ فتویٰ مقامِ حیات کا ہی ایک دوسرا مختصر پیرایہ ہے۔ أماتنا الله على هذه العقيدة اصلا و فرعا! مؤلف عفا اللہ عنہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(ج ۶۸۴ /) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل میں:

۱...... کیا علمائے دیوبند اور جمہور اہل السنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ سردار دو عالم حضرت محمد ﷺ اپنے روضہ شریف میں دنیا کی سی زندگی کے ساتھ زندہ ہیں؟

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ!

الجواب ومنہ الصواب (س/ ۹۲)

حامدا ومصلیا: تمہید سب سے پہلے یہ سمجھنا چاہیے کہ مسئلہ مستفسرہ میں بزرگان دیوبند کا مسلک بالکل صاف اور واضح ہے اور اس سے قبل بھی بار بار اس کی اشاعت ہو چکی ہے نیز علمائے دیوبند کی مختلف اور متعدد تصانیف میں مکرر سہ کرر اسے بیان فرمایا گیا ہے اور وہ کتابیں تمام دنیا میں معروف ومشہور ہیں مثلاً (۱) آب حیات، (۲) جمال قاسمی، (۳) نشر الطیب، (۴) الشہاب الثاقب، (۵) المصالح العقلیہ، (۶) فیض الباری، (۷) المہند علی المفند، (۸) تسکین الصدور، (۹) متفقہ اعلان، (۱۰) مقام حیات وغیرہ ذلک پھر مسئلہ کے آخری حل اور نزاع کے تصفیہ کے لیے ۱۸ محرم ۱۳۸۲ھ مطابق ۲۲ جون ۱۹۶۱ء کو راولپنڈی میں حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زیر سرپرستی فریقین کے ذمہ داروں نے درج ذیل عبارات پر دستخط بھی فرما دیئے عبارت مجوزہ یہ ہے:

> ''وفات کے بعد نبی کریم ﷺ کے جسدِ اطہر کو برزخ (قبر شریف) میں بہ تعلق روح حیات حاصل ہے اور اس حیات کی وجہ سے روضہ اقدس پر حاضر ہونے والوں کا آپ ﷺ صلوٰۃ وسلام سنتے ہیں۔''

اس صاف اور صحیح عبارت پر اقراری دستخط کے باوجود اصل اور اجماعی مسئلہ سے انحراف جہاں امانت ودیانت کی دنیا میں حیرت زا ہے وہیں باعث صد افسوس بھی فیا للعجب ویا حسرتاہ!

پھر یہ المیہ اس وقت مزید دو چند ہو جاتا ہے جب باہمی اتحاد واتفاق، عزت واحترام کے بجائے تشتت وافتراق، نزاع وجدال اور طعن وتشنیع کا طریقہ اختیار کیا جائے جو عزت نفس اور شرافت ضمیر کے قطعاً قطعاً منافی

ہے۔ فالی اللہ المشتکیٰ!

خدا اصلاحِ اعمال کی توفیق بخشے۔

ایں دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد

اس تمہید کے بعد اصل جواب ملاحظہ فرمائیں:

۲...... جی ہاں

تمام اہل سنت والجماعت کا قرآن وحدیث کی روشنی میں اجماعی عقیدہ ہے کہ آنحضرت ﷺ، اسی طرح دیگر انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام قبروں میں اجسادِ عنصریہ کے ساتھ حیات ہیں اور یہ حیات برزخی حیات دنیوی سے کم نہیں ہے اور تلاوۃ، نماز ودیگر عبادات میں مشغول ہیں۔ یہ حیات برزخی اگرچہ ہم کو محسوس نہیں ہوتی لیکن بلاشبہ یہ حیات حسی اور جسمانی ہے اس لیے کہ روحانی اور معنوی حیات تو عامۂ مومنین بلکہ ارواح کفار کو بھی حاصل ہے۔

امت کا یہ اجماعی عقیدہ اصول شریعت کتاب وسنت اور اجماع امت سے ثابت ہے چنانچہ ادلہ ثلثہ پیش ہیں ملاحظہ فرمائیں:

عقیدہ حیات الانبیاء قرآن حکیم میں

قرآن حکیم میں بیشتر مقامات پر حیات الانبیاء کا ثبوت (اشارۃً، دلالۃً اور اقتضاء) ملتا ہے۔ ان تمام آیات کا احصاء مشکل بھی ہے اور موجب طول بھی...... اس لیے اختصار کی غرض سے چند آیتوں کے ذکر پر اکتفاء کیا جارہا ہے:

(۱) ''وَسْـَٔلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَآ اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ'' (پ۲۵، الزخرف ۴۵)

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین نے فرمایا ہے کہ اس آیت سے انبیاء علیہم السلام کی حیات پر استدلال کیا گیا ہے چنانچہ محدث العصر حضرت مولانا سید انور شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''یستدل به علی حیات الانبیاء'' (مشکلات القرآن ص ۲۳۴ وہکذا فی الدر المنثور ج ۶ ص ۱۶، روح المعانی ج ۲۵ ص ۸۹، جمل ج ۴ ص ۸۸ شیخ زادہ ج ۳ ص ۲۹۸، خفاجی ج ۷ ص ۴۴۴)

(۲) ''وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَلَا تَكُنْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآئِهٖ'' (پ۲۱، الم السجدہ)

ترجمہ: اور دی ہم نے موسیٰ کو کتاب سو اس کے ملنے میں شک میں نہ رہنا۔

حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا: ''معراج کی رات میں ان سے ملے تھے اور بھی کئی بار۔ (موضح القرآن) اور ملاقات بغیر حیات ممکن نہیں لہٰذا اقتضاء النص سے حیات الانبیاء کا ثبوت ملتا ہے یہاں اصول فقہ کا یہ مسئلہ بھی پیش نظر رہنا چاہئے کہ جو حکم اقتضاء النص سے ثابت ہوتا ہے وہ بحالت انفراد قوت واستدلال میں عبارۃ النص کے مثل ہوتا ہے۔''

(۳) ''وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ'' (البقرہ ۱۵۴)

(۴) ''بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ'' (پ۴، آل عمران ۱۶۹)

ان دونوں آیتوں کے بارے میں حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے فرمایا: ''واذا ثبت انهم احياء من حيث النقل فان يقويه من حيث النظر كون الشهداء احياء بنص القران والانبياء افضل من الشهداء''

(فتح الباری ج ۶ ص ۳۷۹)

جب نقل کے اعتبار سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ شہداء زندہ ہیں تو عقلی اعتبار سے بھی یہ بات پختہ ہو جاتی ہے کہ شہداء زندہ ہیں اور حضرات انبیاء ﷩ تو شہداء سے بہر حال افضل ہیں۔

غور فرمایئے! حافظ الدنیا کس قدر قوت کے ساتھ آیت کریمہ سے بدلالۃ النص یعنی درجہ اولویت سے حیات الانبیاء کو ثابت فرما رہے ہیں:

(۵) ''فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلٰى مَوْتِهٖ إِلَّا دَابَّةُ الْأَرْضِ تَأْكُلُ مِنْسَأَتَهٗ'' (السبا ۱۴)

اس آیت سے بھی دلالۃ النص سے حیات الانبیاء کا عقیدہ ثابت ہوتا ہے اس لیے کہ جب کیڑوں نے مضبوط اور سخت ترین عصائے سلیمانی کو کھا لیا تو جسم عنصری کا کھا لینا اس سے کہیں سہل تھا۔ اس کے باوجود جسم کا اکڑا رہنا بلکہ محفوظ رہنا حیات کی صریح دلیل ہے۔

حیات الانبیاء احادیث کی روشنی میں

حضرت انس بن مالک ﷛ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ''الانبیاء احیاء قبورهم یصلون'' (شفاء السقام ص ۱۳۴، حیات الانبیاء للبیہقی ص ۱)

حضرات انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں۔

علامہ سبکیؒ اس حدیث کی سند کو نقل کر کے اس کے رواۃ کی توثیق کرتے ہیں اور اس کو صحیح قرار دیتے ہوئے اس سے استدلال کرتے ہیں...... یہ روایت بدوں سند الخصائص الکبری (ص ۲۸۱) میں اور مسند ابو یعلی کے پہلے راوی کے علاوہ بقیہ رواۃ کے ساتھ فتح الباری (ص ۳۵۲) اور فتح الملہم (ج ۱، ص ۳۲۹) میں بھی مذکور ہے۔

حدیث شریف کی صحت کے متعلق علماء اسماء الرجال کی تفصیلی آراء

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ: ''وصححه البیهقی'' (فتح الباری ج ۶ ص ۲۵۲)

امام بیہقی نے اس کی تصحیح کی ہے۔

محدث العصر حضرت مولانا انور شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: ''ووافقه الحافظ فی المجلد السادس'' (فیض الباری ج ۲، ص ۶۴)

امام بیہقی کی اس تصحیح سے حافظ ابن حجر نے اتفاق کیا ہے۔

علامہ عثمانیؒ بھی اس کی تائید کرتے ہیں۔ (فتح الملہم ج ۱، ص ۳۲۹)

علامہ ہیثمیؒ فرماتے ہیں کہ: ''رجال ابی یعلی ثقات'' (مجمع الزوائد ج ۸، ص ۲۱۱)

ابو یعلی کی سند کے سب راوی ثقہ ہیں۔

علامہ عزیزی لکھتے ہیں: ''وهو حدیث صحیح'' (السراج المنیر ج ۲ ص ۱۳۴)

یہ حدیث صحیح ہے۔

ملا علی قاری لکھتے ہیں: ''یصح خبر الانبیاء احیاء فی قبورهم'' (مرقاۃ المفاتیح ج ۲ ص ۲۱۲)

''الانبیاء احیاء فی قبورهم'' کی حدیث صحیح ہے۔

ملا عبد الرؤف مناویؒ لکھتے ہیں: ''ھذا حدیث صحیح'' (فیض القدیر ج ۳، ص ۱۸۴)

یہ حدیث صحیح ہے۔

شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں: ''ابو یعلی بنقل ثقات از روایت انس بن مالک ﷜ آوردہ قال قال رسول اللہ ﷺ الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون'' (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۴۴۰، جذب القلوب ص ۱۸۰)

امام ابو یعلی ثقہ راویوں کی نقل سے حضرت انس بن مالک ﷜ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ انبیاء ﷩ زندہ ہیں اور اپنی قبروں میں نماز پڑھتے ہیں۔

قاضی شوکانیؒ لکھتے ہیں: ''انہ ﷺ حیّ فی قبرہ وروحہ لاتفارقہ لما صح ان الانبیاء احیاء فی قبورھم'' (تحفۃ الذاکرین شرح حصن حصین ص ۲۸)

آنحضرت ﷺ اپنی قبر میں زندہ ہیں اور آپ کی روح آپ کے جسم مبارک سے جدا نہیں ہوتی۔ کیونکہ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ حضرات انبیاء ﷩ اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں: ''وقد ثبت فی الحدیث ان الانبیاء احیاء فی قبورھم رواہ المنذری وصححہ البیھقی'' (نیل الاوطار ج ۳ ص ۲۱۴)

بلاشبہ حدیث سے ثابت ہو چکا ہے کہ حضرات انبیاء ﷩ اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ علامہ منذری نے یہ روایت نقل کی ہے اور امام بیہقیؒ نے اس کی تصحیح کی ہے۔

علامہ سمہودیؒ لکھتے ہیں: ''رواہ ابو یعلی برجال ثقات ورواہ البیھقی وصححہ''

(وفاء الوفاء ج ۲ ص ۴۰۵)

ابو یعلی نے ثقہ راویوں سے یہ روایت کی ہے اور امام بیہقی نے اس کو صحیح سند سے روایت کیا ہے۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''اور یہ حدیث کہ انبیاء اپنی قبروں میں نماز پڑھتے ہیں صحیح ہے۔'' (فضائل درود شریف ص ۳۷)

آپ نے ملاحظہ کر لیا کہ امام ابو یعلی کے طریق سے جو روایت ہے اس کے تمام راوی ثقہ اور ثبت ہیں اور جمہور محدثین کرام اس کی تصحیح کرتے ہیں کسی حدیث کے صحیح ہونے کے لیے اصول حدیث میں اس سے زیادہ قوی دلیل اور کیا ہو سکتی ہے کہ اس کے سب راوی ثقہ ہوں اور جمہور محدثین کرام اس کی تصحیح پر متفق ہوں۔

(۲) حضرت ابو ہریرہ ﷜ فرماتے ہیں کہ آنحضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''مامن احد یسلم علیّ الا رد اللہ علیّ روحی حتی ارد علیہ السلام'' (ابوداؤد ج ۱ ص ۲۷۹، واللفظ لہ مسند احمد ج ۲ ص ۵۲۷)

کوئی شخص ایسا نہیں جو مجھ پر سلام کہتا ہو مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ میری روح مجھ پر لوٹا دیتا ہے یہاں تک کہ میں اس کا جواب دیتا ہوں۔

حدیث کی صحت کے متعلق محدثین کرام کی آراء

امام سبکی فرماتے ہیں کہ: وھو اعتماد صحیح (شفاء السقام ص ۱۰۵)

اور یہ اعتماد صحیح ہے۔ (امام ابوداؤد اور امام احمد نے اس روایت پر اعتماد کیا ہے)

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ: رواتہ ثقات (فتح الباری پ ۳ ص ۲۷۹)
علامہ عزیزی لکھتے ہیں کہ: اسنادہ حسن (السراج المنیر ج ۲ ص ۲۷۹)
حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ: صححہ النووی فی الاذکار (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۵۱۴)
امام نوویؒ فرماتے ہیں: بالاسناد الصحیح (کتاب الاذکار ص ۱۰۶)
حافظ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں: وھو حدیث جید (فتاوی ابن تیمیہ ج ۴ ص ۳۱۶)
علامہ زرقانیؒ فرماتے ہیں: بالاسناد صحیح (زرقانی شرح مواہب ج ۸ ص ۳۰۸)
نواب صدیق حسن خان صاحبؒ لکھتے ہیں: قال النووی فی الاذکار اسنادہ صحیح وقال ابن حجر رواتہ ثقات (دلیل الطالب ص ۸۴۳)
علامہ سمہودیؒ فرماتے ہیں: روی ابو داؤد بسند صحیح (وفاء الوفاء ج ۲ ص ۴۰۳)
مولانا انور شاہ صاحب اور علامہ عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: رواتہ ثقات (عقیدہ الاسلام ص ۵۲)
امام سخاویؒ فرماتے ہیں: روی احمد وابو داؤد الطبرانی والبیھقی باسناد حسن بل صححہ النووی فی کتاب الاذکار وغیرہ (فتح الملہم ج ۱ ص ۳۳۰)
اور علامہ محمد بن محمد القانجی البوسنوی فرماتے ہیں: قال النووی فی الاذکار ورياض الصالحین اسنادہ صحیح وصححہ ایضا ابن القیم (حیاۃ الانبیاء للبیہقی ص ۶)

اصول حدیث کی رو سے یہ روایت بالکل حسن اور صحیح ہے اور اس کے جملہ راوی ثقہ ہیں جیسا کہ آپ نے باحوالہ پڑھ لیا۔ اور محدثین کرام کی خاصی جماعت اس کی تحسین اور تصحیح کرتی ہے۔

(۳) حضرت اوس بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ان من افضل ایامکم یوم الجمعه فیه خلق ادم وفیه قبض وفیه النفخة وفیه الصعقة فاکثروا علی من الصلوٰة فیه فان صلوٰتکم معروضة علیّ قال قالوا وکیف تعرض صلوٰتنا علیک وقال ارمت قال یقولون بلیت فقال ان اللہ حرّم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء" (ابوداؤد ج ۱ ص ۱۵۰، واللفظ لہ والدارمی ص ۱۹۵، والنسائی ج ۱ ص ۱۵۴، مستدرک ج ۱ ص ۲۷۸، ج ۴ ص ۵۶۰، موارد الظمآن ص ۱۴۱، وابن ماجہ ص ۷۷، وسنن کبری ج ۳ ص ۲۴۹، المصنف لابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۵۱۶)

ترجمہ: بے شک تمہارے افضل ترین دنوں میں سے ایک جمعہ ہے۔ اسی میں حضرت آدم علیہ السلام پیدا کیے گئے اور اسی میں ان کی وفات ہوئی اور اسی میں نفخہ اولی ہوگا اور اسی میں نفخہ ثانیہ ہوگا۔ سو تم جمعہ کے دن بکثرت مجھ پر درود پڑھا کرو کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کس طرح ہمارا درود آپ پر پیش کیا جائے گا جب کہ آپ ریزہ ریزہ ہو چکے ہوں گے۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حضرات انبیاء علیہم السلام کے اجساد حرام کر دیے ہیں (یعنی زمین ان کو کھا نہیں سکتی)

اب حدیث کی صحت اور محدثین عظام کے اقوال لیجیے

اس حدیث کے بارے میں ابن حجرؒ فرماتے ہیں: وصححہ ابن خزیمة وغیرہ (فتح الباری پ ۳ ص ۲۷۹)
حافظ ابن القیمؒ فرماتے ہیں: "ومن تامل فی ھذا الاسناد لم یشک فی صحتہ لثقة رواتہ وشھادتھم

و قبول الائمة حدیثهم" (جلاء الافہام ص ۴۴)

اور یہی الفاظ اس موقعہ پر علامہ ابن عبدالہادیؒ کے ہیں۔ (الصارم المنکی ص ۴۵)

علامہ عینیؒ لکھتے ہیں: "صح عنه ﷺ ان الارض لاتا کل اجساد الانبیاء" (عمدۃ القاری ج ۶ ص ۲۹)

حافظ ابن القیمؒ ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں: "قد صح عن النبی ﷺ ان الارض لاتا کل اجساد الانبیاء" (کتاب الروح)

علامہ منذریؒ فرماتے ہیں: انه حسن (القول البدیع ص ۱۱۹)

اور علامہ عبدالغنی النابلسیؒ لکھتے ہیں: انه حسن صحیح (ترجمان السنۃ ج ۳ ص ۲۹۷)

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں: حدیث صحیح (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۹۳۰)

علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں: "فانه صح عنه ﷺ انه قال ان الله عزوجل حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء" (خزائن ص ۱۹)

اصول حدیث کے اعتبار سے یہ روایت بھی بالکل صحیح بلکہ امام حاکم اور علامہ ذہبی دونوں نے اس حدیث کو صحیح علی شرط البخاری کہا ہے اور ایک دوسرے مقام پر دونوں نے صحیح علی شرط الشیخین کہا ہے۔

(مستدرک حاکم ج ۱ ص ۵۶۰)

(۴) حضرت ابوالدرداء ﷜ سے روایت ہے کہ آنحضور ﷺ نے ایک طویل حدیث میں ارشاد فرمایا: "فنبیُّ الله حیٌّ یرزق" (سنن ابن ماجہ ص ۱۱۹)

پس اللہ تعالیٰ کا نبی زندہ ہے اس کو رزق ملتا ہے۔

حدیث شریف کی صحت محدثین عظام کے اقوال کی روشنی میں

حافظ منذریؒ فرماتے ہیں: اسناده جید (ترجمان السنۃ ج ۳ ص ۲۹۷)

علامہ عزیزیؒ لکھتے ہیں: ور جاله ثقات (السراج المنیر ج ۱ ص ۱۲۹)

علامہ مناویؒ کا ارشاد ہے: قال الدمیری رجاله ثقات (فیض القدیر ج ۲ ص ۸۷)

علامہ زرقانیؒ فرماتے ہیں: رواه ابن ماجة برجال ثقات (زرقانی شارح مواہب ج ۵ ص ۳۳۶)

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں: قلت رجاله ثقات (تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۳۹۸)

اور علامہ سمہودیؒ فرماتے ہیں کہ: رواه ابن ماجه باسناد جید (خلاصۃ الوفا ص ۴۸)

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: باسناد جید نقله میرک عن المنذری وله طرق کثیره (مرقاۃ ج ۲ ص ۱۱۲)

قاضی شوکانیؒ لکھتے ہیں: باسناده جید (نیل الاوطار ج ۵ ص ۲۶۴)

اور مولانا شمس الحق عظیم آبادیؒ لکھتے ہیں: باسناده جید (عون المعبود ج ۱ ص ۴۰۵)

(۵) حضرت عبداللہ بن مسعود ﷜ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: "ان لله ملٰئكةً سیاحین فی الارض یبلغونی من امتی السلام" (نسائی ج ۱ ص ۱۴۳، مسند احمد ج ۱ ص ۴۴۱، المصنف لابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۵۱۷، دارمی ص ۳۶۳، موارد الظمآن ص ۵۹۲، مشکوۃ ص ۸۶، البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۱۵۴، الجامع الصغیر ج ۱ ص ۹۳، خصائص الکبری ج ۲ ص ۲۸۰)

حدیث شریف کی صحت کے متعلق

علامہ عزیزیؒ لکھتے ہیں: حدیث صحیح (السراج المنیر ص ۵۱۸)

علامہ ہیثمیؒ فرماتے ہیں: رواہ البزار ورجالہ رجال الصحیح (مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۲)

امام حاکم اور علامہ ذہبی فرماتے ہیں: صحیح۔ (مستدرک حاکم ج ۲ ص ۴۲۱)

امام سخاویؒ فرماتے ہیں: رواہ احمد والنسائی والدارمی وابو نعیم والبیہقی والمنذری وابن حبان والحاکم فی صحیحھما وقال صحیح الاسناد (القول البدیع ص ۱۱۵)

ائمہ حدیث کے ان بیانات سے معلوم ہوا کہ یہ حدیث بھی صحیح ہے بلکہ علامہ سمہودی اور علامہ ابن عبد الہادی کے بیان کے مطابق امام نسائی اور اسماعیل القاضی نے مختلف طرق سے اسانید صحیحہ کے ساتھ روایت نقل کی ہے۔ (وفاء الوفاء ص ۴۰۴)

یہاں تک شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے اس کے تواتر کا دعویٰ کیا ہے: ''ومتواتر رسیدہ ایں معنیٰ''

(الصارم المنکی ص ۱۶۸، فتاویٰ عزیزی ج ۲، ص ۱۶۸)

(۶) حضرت ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں آنحضور کا ارشاد گرامی ہے: ''من صلی علیّ عند قبری سمعتہ ومن صلی علیّ من بعید اعلمتہ'' (جلاء الافہام للحافظ ابن القیم ص ۱۹)

ترجمہ: جس نے میری قبر کے پاس درود پڑھا تو میں اسے خود سنتا ہوں اور جس نے مجھ پر دور سے درود پڑھا تو وہ مجھے (بواسطہ فرشتوں) کے بتلایا جاتا ہے۔

اس حدیث شریف کے سلسلہ میں بھی محدثین کرام کی آراء ملاحظہ ہوں

حافظ ابن حجرؒ حدیث کی سند بطریق ابوالشیخ کے متعلق فرماتے ہیں: بسند جید (فتح الباری ج ۶ ص ۳۵۲)

علامہ سخاویؒ فرماتے ہیں: وبسند جید (القول البدیع ص ۱۱۶)

حضرت ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: بسند جید (مرقات ج ۲ ص ۱۰)

نواب صدیق حسن خاں صاحبؒ بھی لکھتے ہیں: اسنادہ جید (دلیل الطالب ص ۸۴۴)

اور علامہ شبیر احمد عثمانیؒ بھی اس کو بسند جید فرماتے ہیں (فتح الملہم ج ۱ ص ۳۳۰)

ان اکابرین محدثین کے (جن میں حافظ ابن حجرؒ خصوصیت سے قابل ذکر ہیں) بیان سے واضح ہو گیا کہ یہ روایت جید اور صحیح ہے...... ان دونوں لفظوں (جید اور صحیح) میں کوئی خاص فرق نہیں ہے۔ چنانچہ امام سیوطیؒ فرماتے ہیں: ''ان ابن الصلاح یری التسویۃ بین الجید والصحیح'' (تدریب الراوی ص ۱۰۴)

چونکہ حضرات انبیاء کی حیات میں کسی کا اختلاف نہیں ہے اور ان احادیث کثیرہ صحیحہ سے ثبوت موجود ہے (یہاں اختصار کی غرض سے چھ احادیث صحیحہ کے ذکر پر اکتفا کیا گیا ہے اور امت کے ہر طبقہ میں اس کو تسلیم کیا گیا ہے) اس لیے امام سیوطیؒ نے تواتر کا دعوے کیا ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں: ''حیاۃ النبی فی قبرہ ھو وسائر الانبیاء معلومۃ عندنا علما قطعیا لما قام عندنا من الادلۃ فی ذلک وتواترت بہ الاخبار الدالۃ علی ذلک'' (انباء الاذکیاء ص ۲، فتاویٰ امام سیوطی ج ۲ ص ۱۴۷)

ایک دوسرے مقام پر تواتر کا دعویٰ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: "ان من جملة ما تواتر عن النبی ﷺ حیاة الانبیاء فی قبورھم" (النظم المتناثر من الحدیث المتواتر کذا فی شرح البوسنوی ص ۴)

علامہ داؤد بن سلیمان البغدادیؒ نے بھی امام سیوطیؒ کی تائید کی ہے۔ (المنحۃ الوہبیہ ص ۱۱)

غرض اس باب میں اس کثرت سے احادیث وارد ہیں کہ جن کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔

مسئلہ حیات النبی ﷺ اور علمائے اسلام

ان احادیث صحیحہ اور دیگر دلائل شرعیہ سے علمائے امت نے جو کچھ سمجھا ہے اس مقام پر اس کا ذکر کرنا بھی ایک حد تک ضروری ہے تاکہ احادیث شریفہ کے صحیح مطالب کی تعیین کے ساتھ امت کا اجماعی نظریہ بھی واضح ہو جائے ...... جیسا کہ جواب کے آغاز میں عرض کیا جاچکا ہے کہ تمام اہل سنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ آنحضور ﷺ اسی طرح دیگر انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی قبروں میں بجسدہ موجود اور حیات ہیں ...... اور اہل السنۃ والجماعۃ کلی طور پر چار طبقوں میں منقسم ہیں:

(۱) مفسرین، (۲) محدثین، (۳) متکلمین اور (۴) فقہاء۔

اس لیے آنے والے دلائل میں اسی ترتیب کا لحاظ رکھا گیا ہے ...... لیکن مفسرین کے اقوال تقریباً ہر آیت کے بعد تفسیر کے طور پر ذکر کر دیئے گئے ہیں۔ اب باقی تین طبقوں کے دلائل ملاحظہ ہوں:

۱...... مسئلہ حیات النبی ﷺ اور محدثین عظام

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں: "ان حیاته ﷺ فی القبر لا یعقبها موت بل یستمر حیا و الانبیاء احیاء فی قبورھم" (فتح الباری ج ۷ ص ۲۲)

ترجمہ: آنحضرت ﷺ کی قبر مبارک میں زندگی ایسی ہے کہ جس پر موت وارد نہیں ہوگی بلکہ آپ ہمیشہ زندہ رہیں گے کیونکہ حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

اس عبارت میں آنحضرت ﷺ اور دیگر انبیاء علیہم السلام کی قبروں میں زندگی صریح الفاظ میں بیان کی گئی ہے۔ نیز یہ بھی فرمایا کہ یہ زندگی دائمی اور مستمر ہے جس پر موت پھر طاری نہیں ہوتی۔

علامہ بدرالدین محمود بن احمد العینی الحنفیؒ فرماتے ہیں: "غیر الانبیاء علیهم السلام فانهم لا یموتون فی قبورھم بل ھم احیاء" (عمدۃ القاری ج ۷ ص ۶۰۰)

ہاں! حضرات انبیاء علیہم السلام اس سے مستثنیٰ ہیں وہ اپنی قبروں میں نہیں مرتے بلکہ وہ زندہ ہی رہتے ہیں۔

حضرت امام بیہقیؒ فرماتے ہیں: "ان الله جل ثناءہ رد الانبیاء ارواحھم فھم احیاء عند ربھم کا لشھداء" (حیاۃ الانبیاء ص ۱۴، وفاء الوفاء ج ۲ ص ۴۰۲، زرقانی ج ۵ ص ۳۳۲)

ترجمہ: بیشک اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیاء علیہم السلام کے ارواح ان کی طرف لوٹا دیئے ہیں سو وہ اپنے رب کے یہاں شہیدوں کی طرح زندہ ہیں۔

حضرت ملا علی قاریؒ ارقام فرماتے ہیں: ''المعتقد المعتمد انہ ﷺ حی فی قبرہ کسائر الانبیاء فی قبورھم وھم احیاء عند ربھم وان لارواحھم تعلقا بالعالم العلوی والسفلی کما کانوا فی الحال الدنیوی فھم بحسب القلب عرشیون وباعتبار القالب فرشیون'' (شرح شفاء ج ۲ ص ۱۴۲)

ترجمہ: قابل اعتماد عقیدہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنی قبر میں زندہ ہیں جس طرح دیگر انبیاء کرام ﷫ اپنی قبروں میں اور اپنے رب کے یہاں زندہ ہیں اور ان کے ارواح کا عالم علوی اور سفلی دونوں سے تعلق ہوتا ہے جیسا کہ دنیا میں تھا سو وہ قلب کے لحاظ سے عرشی اور جسم کے لحاظ سے فرشی ہیں۔

اس عبارت میں حیات انبیاء ﷫ کو قابل اعتماد عقیدہ قرار دیا گیا ہے۔

علامہ سمہودیؒ لکھتے ہیں: ''لا شک فی حیاتہ ﷺ بعد وفاتہ وکذا سائر الانبیاء علیھم السلام احیاء فی قبورھم حیاۃ اکمل من حیاۃ الشھداء التی احسن اللہ بھا فی کتابہ العزیز'' (وفاء الوفاء ج ۲ ص ۴۰۵)

وفات کے بعد آنحضرت ﷺ کی حیات میں کوئی شک نہیں اور اسی طرح باقی تمام انبیاء ﷫ بھی اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور ان کی یہ حیات شہداء کی حیات سے (جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں کیا ہے) بڑھ کر ہے۔

دوسرے مقام پر لکھتے ہیں: ''واما ادلۃ حیاۃ الانبیاء فمقتضاھا حیاۃ الابدان کحالۃ الدنیا مع الاستغناء من الغذاء'' (ایضاً ص ۴۰۷)

بہرکیف! حضرات انبیاء ﷫ کی حیات کے دلائل اس کے مقتضی ہیں کہ یہ حیات ابدان کے ساتھ ہو جیسا کہ دنیا میں تھی مگر خوراک سے مستغنی ہیں۔

یعنی ان کی حیات جہاں شہداء کی منصوص حیات سے بڑھ کر ہے وہیں محض برزخی اور روحانی ہی نہیں بلکہ جسمانی بھی ہے مگر جس طرح دنیا میں اجسام عادۃً خوراک کے محتاج ہوتے ہیں قبر میں حضرات انبیاء ﷫ کے اجسام طیبہ کو حسی اور دنیوی خوراک کی ضرورت نہیں بلکہ اس سے وہ مستغنی ہیں...... یہی بات شیخ الاسلام دہلویؒ فرماتے ہیں ملاحظہ ہو: ''ازیں احادیث معلوم شود کہ انبیاء زندہ اند در قبر بعد از وفات بحیات حسی واجساد ایشاں نیز ثابت باشد و بوسیدہ نگردند۔ وآں حیات ہمچو حیات دنیا باشد، باوجود استغناء از غذا'' (تیسیر القاری ج ۶ ص ۱۴۷)

ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں: ''وقول مختار و مقرر جمہور ہم اینست کہ انبیاء بعد از ذاقت موت زندہ اند بحیات دنیوی'' (ایضاً ج ۳ ص ۲۶۲)

اس عبارت میں جہاں حیات بعد الممات کو جمہور کا قول بتلایا گیا ہے وہیں حیات کی کیفیت بھی متعین کر دی گئی ہے کہ وہ حیات، دنیوی حیات کی طرح ہے یعنی جس طرح دنیوی حیات میں ان کو ادراک علم اور شعور حاصل ہے اس طرح اس حیات برزخی میں بھی یہ چیزیں حاصل ہیں۔ انہیں امور کی وجہ سے اس کو دنیوی اور جسمانی حیات سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

علامہ تاج الدین السبکیؒ حضرت انسؓ کی حدیث کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں: ''عن انس ﷜ قال قال رسول اللہ ﷺ الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون فاذا ثبت ان نبینا ﷺ حی فالحی لا بد اما ان یکون عالما او جاھلا ولا یجوز ان یکون النبی ﷺ جاھلا'' (طبقات الشافعیہ الکبری ج ۶ ص ۲۸۱)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ حضرات انبیاء ﷫ اپنی قبروں

میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے ہیں جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ حضرت محمد ﷺ زندہ ہیں تو زندہ کے لیے لازم ہے کہ یا تو وہ عالم ہو یا جاہل اور یہ بات تو ہرگز جائز نہیں کہ آنحضرت ﷺ جاہل ہوں (معاذ اللہ) تولامحالہ آپ عالم ہوں گے۔

اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں: ''لان عندنا رسول اللہ ﷺ حیّ یحس ویعلم وتعرض علیہ اعمال الامۃ ویبلغ الصلوۃ والسلام'' (ایضاً ص ۲۸۲)

ترجمہ: ہمارے نزدیک آنحضرت ﷺ زندہ ہیں حس وعلم سے موصوف ہیں اور آپ پر امت کے اعمال پیش کیے جاتے ہیں اور آپ کو صلوٰۃ وسلام پہنچائے جاتے ہیں۔

غور کیجئے حس اور علم سے موصوف ہونا حیات کے لیے کس قدر واضح دلیل ہے۔ علامہ ابوالوفاء علی بن محمد بن عقیل الحنبلیؒ کا ارشاد ہے: ''وھو حیّ فی قبرہ یصلی'' (الروضۃ البہیۃ ص ۱۶)

آنحضرت ﷺ اپنی قبر میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے ہیں۔ امام بدرالدین بعلی الحنبلیؒ جنہوں نے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے فتاویٰ کا اختصار کیا ہے لکھتے ہیں: ''والانبیاء احیاء فی قبورھم وقد یصلون''

(مختصر الفتاویٰ ج۔ص ۱۷۰)

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور بسا اوقات نماز بھی پڑھتے ہیں۔

یعنی چونکہ تکلیفی زندگی تو رہی نہیں بلکہ وہ حضرات نماز تلذذ کے طور پر پڑھتے ہیں اس لیے پابندی لازم نہیں قد یصلون کہہ کر اسی حقیقت کو آشکارہ کر دیا گیا ہے کیونکہ "قد" مضارع پر داخل ہو کر اکثر تقلیل کا فائدہ دیتا ہے۔ (رضی ج ۲ ص ۲۸۸ حسن حصین ص ۲۸۰)

علامہ عزیزیؒ حدیث ما من احد یسلم علی الا رد اللہ علی روحی کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''الا رد اللہ علی روحی ای رد علی نطقی لانہ حی دائما وروحہ لاتفارقہ لان الانبیاء احیاء فی قبورھم''

(السراج المنیر ج ۳ ص ۲۷۸)

اور روح سے مراد نطق ہے کیونکہ آپ دوامی طور پر زندہ ہیں آپ کی روح مبارک آپ سے الگ نہیں ہوئی۔ کیونکہ حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

حضرت ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: ''فالجواب ان الانبیاء احیاء فی قبورھم'' (مرقات ج ۲ ص ۲۰۹)

ترجمہ: پس جواب کا حاصل یہ ہے کہ حضرات انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

اور علامہ احمد بن محمد الخفاجی المصری الحنفیؒ حدیث شریف سے مسئلہ حیات الانبیاء کا استنباط کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''وفیہ دلیل علی انہ ﷺ حی حیاۃ مستمرۃ'' (نسیم الریاض ج ۳ ص ۴۹۹)

ترجمہ: اس حدیث میں اس امر کی دلیل ہے کہ پیغمبر علیہ السلام دائمی طور پر زندہ ہیں۔

مندرجہ بالا عبارات میں آپ نے دیکھ لیا کہ جمہور محدثین بیک زبان آنحضرت ﷺ کی حیات حسی جسمانی دائمی کے قائل ہیں۔

۲...... حیات النبی ﷺ جمہور متکلمین کی آراء کی روشنی میں

علامہ تاج الدین سبکی متکلمین اشاعرہ کا عقیدہ بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں: ''ومن عقائدنا ان الانبیاء

علیہم السلام احیاء فی قبورھم" (طبقات ج ٦ ص ٢٦٦)

ہمارے عقیدہ میں یہ بات داخل ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

امام ابو القاسم عبد الکریم بن ہوازن القشیری اشاعرہ کا عقیدہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "وعندھم محمد صلوۃ اللہ علیہ حیّ فی قبرہ" (الرسائل القشریہ ص ١٠)

ترجمہ: اشاعرہ کے نزدیک آنحضرت ﷺ اپنی قبر میں زندہ ہیں۔

ان عبارات میں صاف تصریح ہے کہ اہل سنت والجماعت کے امام ابو الحسن الاشعریؒ کے نزدیک مسلم عقیدہ ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنی قبر اطہر میں زندہ ہیں...... یہاں یہ اصل بھی پیش نظر رہنی چاہیے کہ جب علم کلام میں لفظ اشاعرہ بولا جائے تو اس کے معنی مکتب فکر اشعری اور ماتریدی دونوں مراد ہوتے ہیں اب مطلب صاف ہے کہ اہل سنت والجماعت کے دونوں طبقوں اشعری اور ماتریدی کا متفق علیہ عقیدہ ہے کہ آنحضور ﷺ اپنی قبر اطہر میں زندہ ہیں...... چنانچہ امام ابو منصور طاہر الشافعی البغدادیؒ لکھتے ہیں: "قال المتکلمون المحققون من اصحابنا ان نبینا ﷺ حیّ بعد وفاتہ یسر بطاعات امتہ" (وفاء الوفاج ٢ ص ٤٠٦)

ترجمہ: ہمارے اصحاب کے متکلمین محققین یہ فرماتے ہیں کہ آنحضور ﷺ اپنی وفات کے بعد زندہ ہیں اور آپ اپنی امت کی طاعات سے خوش ہوتے ہیں۔

یہ اسی صورت میں ہوسکتا ہے آپ پر اعمال امت پیش کئے جاتے ہوں۔

اصحابنا...... سے متکلمین کی جماعت مراد ہو یا شوافع کی بہر صورت ان میں محققین کا مسلک اور تحقیق یہی ہے کہ آنحضرت ﷺ وفات کے بعد اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں۔

٣...... فقہائے اسلام اور مسئلہ حیات النبی ﷺ

فقیہ وقت علامہ حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی الحنفیؒ لکھتے ہیں: "ولما ھو مقرر عند المحققین انہ ﷺ حیّ یرزق متمتع بجمیع الملاذ والعبادات غیر انہ حجب عن الابصار القاصرین من شریف المقامات"

(نور الایضاح ص ١٧٧، رسائل ابن عابدین ج ٢ ص ٢٠٣)

محققین کے نزدیک یہ بات طے شدہ ہے کہ آنحضرت ﷺ زندہ ہیں۔ آپ کو رزق دیا جاتا ہے اور تمام لذتوں اور عبادتوں سے متمتع ہیں۔ مگر ان نگاہوں سے اوجھل ہیں جو ان ارفع مقامات تک رسائی سے قاصر ہیں۔

اس عبارت میں محققین کا یہ مسلک بتایا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ زندہ ہیں اور رزق وعبادات سے متمتع ہیں لیکن یہ رزق دنیوی اور حسی نہیں ہے۔ بلکہ عالم غیب اور دوسرے جہاں کا ہے۔

علامہ ابن عابدین الشامیؒ فرماتے ہیں: "ان الانبیاء احیاء فی قبورھم کما ورد فی الحدیث"

(رسائل ابن عابدین ج ٢ ص ٢٠٣)

ترجمہ: حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے۔

علامہ ابن عابدین شامیؒ جو متاخرین حنفیہ میں معتمد عند الکل ہیں کس طرح صراحت کے ساتھ حدیث شریف سے استدلال کر کے حیات الانبیاء کا نظریہ پیش کر رہے ہیں۔

علمائے دیوبند ﷭ اور عقیدہ حیات الانبیاء ﷩

جیسا کہ پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ تمام اہل سنت والجماعت کا قرآن وحدیث کی روشنی میں عقیدہ ہے کہ آنحضرت ﷺ، اسی طرح تمام دیگر انبیاء کرام ﷩ اپنے اجسام عنصریہ مبارکہ کے ساتھ قبروں میں موجود اور فائز حیات ہیں ...... علماء دیوبند جو خالص اہل سنت والجماعت ہیں اور اس صدی میں اہل سنت کے سب سے بڑے ترجمان ہیں اس لیے قدرتی طور پر کل بزرگان دیوبند کا وہی عقیدہ ہے جو جمہور کا ہے...... ذیل میں علمائے دیوبند کے ایسے حوالے نقل کیے جارہے ہیں جن سے یہ بات بخوبی ثابت ہوجاتی ہے تمام علمائے دیوبند متفقہ طور پر حیات الانبیاء کے قائل ہیں دلائل کے ذکر کرنے میں یہاں بھی وہی ترتیب قائم رہے گی جو پہلے تھی یعنی سب سے پہلے محدثین پھر متکلمین اور اس کے بعد فقہاء کے اقوال نقل کیے جائیں گے ملاحظہ ہو:

۱...... محدثین دیوبند اور عقیدہ حیات الانبیاء

حضرت مولانا احمد علی صاحب سہارنپوریؒ محشی صحیح بخاری فرماتے ہیں: ''والاحسن ان یقال ان حیاتہ ﷺ لایعقبھا موت بل یستمر حیاو الانبیاء احیاء فی قبورھم'' (ہامش بخاری ج ۱ ص ۵۱۷)

ترجمہ: بہتر بات یہ ہے کہ کہا جائے کہ آنحضرت ﷺ کی حیات ایسی ہے کہ اس کے بعد موت وارد نہیں ہوتی۔ بلکہ دوامی حیات آپ کو حاصل ہے اور باقی حضرات انبیاء کرام ﷩ بھی اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوریؒ لکھتے ہیں: ''ان النبی ﷺ حیٌ فی قبرہ کما ان الانبیاء احیاء فی قبورھم'' (بذل المجہود شرح ابی داؤد ج ۲ ص ۱۱۷)

آنحضرت ﷺ اپنی قبروں میں زندہ ہیں جس طرح کہ دیگر حضرات انبیاء کرام ﷩ اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

چونکہ انبیاء کرام ﷩ کے اجساد مبارکہ قبروں میں بالکل محفوظ ہیں تو قبر میں حیات کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے کہ روح مبارک کا جسم اطہر سے تعلق ہے اور اس کی بدولت حیات حاصل ہے۔

حضرت علامہ عثمانیؒ فرماتے ہیں: ''فدلت النصوص الصحیحۃ علی حیاۃ الانبیاء''
(فتح الملہم ج ۱ ص ۳۲۵)

ترجمہ: نصوص صحیحہ اس پر دلالت کرتی ہیں حضرات انبیاء ﷩ زندہ ہیں۔

ایک دوسرے مقام پر بھی علامہ موصوف فرماتے ہیں: ''ان النبی ﷺ حیٌ کما تقرر وانہ یصلی فی قبرہ باذان واقامۃ'' (ایضاً ج ۳ ص ۴۱۹)

ترجمہ: آنحضرت ﷺ زندہ ہیں جیسا کہ اپنی جگہ یہ ثابت ہے اور آپ اپنی قبر میں اذان واقامت سے نماز پڑھتے ہیں۔

اس عبارت میں جہاں یہ تصریح ہے کہ آنحضور ﷺ زندہ ہیں وہیں یہ بات بھی ثابت کی گئی ہے کہ آپ اذان واقامت سے نماز پڑھتے ہیں اور اذان واقامت سے نماز پڑھنا جسدی حیات کی صریح دلیل ہے۔

حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں: ''ان کثیرا من الاعمال قد ثبت فی القبور کالاذان والاقامۃ عند الدارمی وقراءۃ القران عند الترمذی'' (فیض الباری ج ۱ ص ۱۸۳)

قبروں میں بہت سے اعمال کا ثبوت ملتا ہے جیسے اذان واقامت کا ثبوت دارمی کی روایت میں، اور قرأت قرآن کا ثبوت ترمذی کی روایت میں ہے۔

غور کیجئے! قبر میں اذان واقامت کا ثبوت، اسی طرح قرأت قرآن کا ثبوت حیات نبوی کی کس قدر صریح دلیل ہے۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ بنص حدیث حضور ﷺ زندہ ہیں۔ (التکشف ص ۴۳۶)

حضرت اقدس مولانا ابو العتیق عبد الہادی محمد صدیق صاحب نجیب آبادیؒ لکھتے ہیں: ''انہم اتفقوا علی حیاته ﷺ بل حیاة الانبیاء متفق علیها لا خلاف لاحد فیه'' (الور المحمود شرح ابی داؤد ج ۱ ص ۶۱۰)

ترجمہ: محدثین کرام رحمہم اللہ اس بات پر متفق ہیں کہ آنحضرت ﷺ زندہ ہیں بلکہ تمام انبیاء علیہم السلام کی حیات متفق علیہا ہے اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔

یہ عبارت بھی اپنے مدلول ومفہوم کے اعتبار سے بالکل واضح ہے کہ جناب محمد رسول اللہ ﷺ اور باقی تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات متفق علیہ ہے جس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

غور فرمایئے! حضرت مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ العالی حدیث ما من احد یسلم علیَّ الا رد اللہ علیَّ روحی کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: ''علاوہ ازیں انبیاء کا اپنی قبور میں زندہ ہونا ایک مسلم حقیقت ہے۔''

آگے فرماتے ہیں: ''اتنی بات سب کے نزدیک مسلم اور دلائل شرعیہ سے ثابت ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام اور خاص کر سید الانبیاء ﷺ کو اپنی قبر میں حیات حاصل ہے۔'' (معارف الحدیث ج ۵ ص ۷۸ ۳)

حضرت اقدس قطب الارشاد مولانا رشید احمد گنگوہیؒ حدیث شریف و نبی اللہ حی یرزق سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''آپ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں و نبی اللہ حی یرزق'' (ہدایۃ الشیعہ ص ۳۶)

مولانا تھانویؒ فرماتے ہیں: ''پس آپ کا زندہ رہنا بھی قبر شریف میں ثابت ہوا اور یہ رزق اس عالم کے مناسب ہوتا ہے۔'' (نشر الطیب ص ۲۱۰)

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ العالی حدیث ان للہ ملئکة سیاحین فی الارض یبلغونی من امتی السلام کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ: ''اس حدیث سے یہ تفصیل معلوم ہوگئی کہ فرشتوں کے ذریعہ آپ کو صرف وہی درود وسلام پہنچتا ہے جو کوئی دور سے بھیجے لیکن اللہ تعالیٰ جن کو قبر مبارک کے پاس پہنچادے اور وہ وہاں حاضر ہو کر صلوٰۃ وسلام عرض کرے تو آپ اس کو بنفسِ نفیس سنتے ہیں اور جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے ہر ایک کو جواب بھی عنایت فرماتے ہیں۔'' (معارف الحدیث ج ۵ ص ۸۰)

۲...... متکلمین دیوبند رحمہم اللہ اور عقیدہ حیات الانبیاء علیہم السلام

حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ متفقہ طور پر علمائے دیوبند کی ترجمانی کرتے ہوئے اجماعی عقیدہ بیان فرماتے ہیں: ''عندنا وعند مشائخنا حیاة حضرة الرسالة ﷺ دنیویة من غیر تکلیف وهی مختصة به ﷺ وبجمیع الانبیا صلوات اللہ علیهم والشهداء لا برزخیة کما هی لسائر المؤمنین بل لجمیع الناس کما نص علیه العلامة السیوطی فی رسالة انباه الاذکیاء بحیوة الانبیاء حیث قال: قال الشیخ تقی

الدین السبکی حیوۃ الانبیاء والشھداء فی القبر کحیوتھم فی الدنیا ویشھد له صلوۃ موسیٰ علیہ السلام فی قبرہٖ فان الصلوۃ تستدعی جسدا حیا (الیٰ اخر ما قال فثبت بھذا ان حیوتہ دنیویۃ برزخیۃ لکونھا فی عالم البرزخ''

(المہند علی المفند ص ۱۳، ۱۴)

ترجمہ: ہمارے اور ہمارے مشائخ کے نزدیک حضرت ﷺ اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور آپ کی حیات دنیا کی سی ہے بلا مکلف ہونے کے اور یہ حیات مخصوص ہے آنحضرت ﷺ اور تمام انبیاء علیہم السلام اور شہداء کے ساتھ، برزخی نہیں ہے جو حاصل ہے تمام مسلمانوں بلکہ سب آدمیوں کو چنانچہ علامہ سیوطیؒ نے اپنے رسالہ انباہ الاذکیاء بحیاۃ الانبیاء میں بتصریح لکھا ہے فرماتے ہیں کہ علامہ تقی الدین سبکیؒ نے فرمایا ہے کہ انبیاء علیہم السلام وشہداء کی قبر میں حیات ایسی ہے کہ جیسی دنیا میں تھی اور موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قبر میں نماز پڑھنا اس کی دلیل ہے کیونکہ نماز زندہ جسم کو چاہتی ہے الخ۔ پس اس سے ثابت ہوا کہ حضرت ﷺ کی حیات دنیوی ہے اور اس معنی کو برزخی بھی کہ یہ عالم برزخ میں حاصل ہے۔

یہ عبارت رسالہ ''المہند علی المفند'' سے ماخوذ ہے۔ یہ رسالہ علمائے حرمین شریفین زادہما اللہ شرفاً کے ان چھبیس (۲۶) اعتقادی سوالات کے جوابات پر مشتمل ہے جو اتفاقی اور اجماعی عقیدے کہلاتے ہیں جسے سرخیل علماء دیوبند، محدث کبیر حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ نے مرتب کیا۔

اور جس پر اپنی جماعت دیوبند کے تیئس (۲۳) بزرگوں (جن میں خصوصیت سے حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب صدر مدرس وشیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا میر احمد حسن صاحب امروہی، حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب صدر مفتی دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی، حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری، حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب دیوبندی، حضرت مولانا غلام رسول صاحب ہزاروی، حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی وغیرہم قابل ذکر ہیں) کی تصدیقات لکھوا کر علماء حرمین شریفین اور دیگر ممالک اسلامیہ کو بھیجی گئی تھیں۔

وہ حضرات ان کے تسلی بخش جوابات دیکھ کر مطمئن ہو گئے...... اس طرح یہ رسالہ اور یہ جواب علمائے دیوبند کا اجماعی جواب ہے اس اجماعی اور مرکزی جواب کے بعد مزید کچھ لکھنے یا کہنے کی مطلقاً ضرورت باقی نہیں رہتی۔ تاہم مزید چند حوالے اطمینانِ خاطر کے لیے ملاحظہ ہوں۔

حضرت الامام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ فرماتے ہیں: ''حضرات انبیاء زندہ ہیں ان کی موت ان کے حیات کے لیے ساتر ہے رافع حیات اور دافع حیات نہیں۔'' (آب حیات ص ۴۲ بحوالہ سیرت المصطفیٰ)

واضح رہے کہ حضرت نانوتویؒ نفس موت کو اعتقاد لازم اور ضروری سمجھتے ہیں چنانچہ حضرت فرماتے ہیں: ''میں انبیاء کرام کو انہی اجسام دنیوی کے تعلق کے اعتبار سے زندہ سمجھتا ہوں۔ بر حسب ہدایت ''كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ور اِنَّكَ مَيِّتٌ وَاِنَّهُمْ مَيِّتُوْنَ '' تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی نسبت موت کا اعتقاد بھی ضروری ہے اور اس ظاہری موت کی وجہ سے حضرات انبیاء کرام کا قبروں میں مستور ہو جانا بمنزلہ چلہ کشی یا پردہ نشینی یا گوشہ نشینی سمجھا جائے گا۔ لیکن انبیاء کرام کی زندگی زیر پردہ موت ظاہر بینوں کی نظر سے مستور ہے...... بمثل امت کے ان کی موت میں زوال نہیں ہے۔ (لطائف قاسمی ص ۳، ۴)

اور دلیل پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں: (۱) اور دلیل یہ ہے کہ انبیاء کرام ﷩ کے اجسام مبارکہ کا حسب سابق صحیح وسالم رہنا اور تغیر ارضی سے بالکل محفوظ رہنا۔ (۲) اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ان کی ازواج مطہرات کے نکاح کا حرام ہونا۔ (۳) اور ان کے اموال میں میراث کا جاری نہ ہونا۔

امور ثلاثہ میں سے ہر امر حیات انبیاء کرام پر شاہد عدل ہے اور اس امر کی صریح دلیل ہے کہ ارواح طیبہ کا اجسام مبارکہ سے تعلق منقطع نہیں ہوتا۔ بلکہ موت کے بعد بھی انبیاء کرام کا اپنے بدن سے اسی قسم کا تعلق ہے جس قسم کا پہلے تھا۔ (آب حیات ص ۴۲، ۴۳)

شیخ الاسلام مولانا السید حسین احمد مدنیؒ حیات کی نوعیت متعین کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''آپ کی حیات نہ صرف روحانی ہے جو کہ عام شہداء کو حاصل ہے بلکہ جسمانی بھی اور از قبیل حیات دنیوی بلکہ بہت سے وجوہ سے اس سے قوی تر۔'' (مکتوبات شیخ الاسلام ج ۱ ص ۱۳۰)

حضرت مدنیؒ کی مراد بظاہر حیات جسمانی اور دنیوی سے یہ ہے کہ آپ کی روح مبارک کا تعلق جسد مثالی سے قائم نہیں ہوتا جیسا کہ بعض صوفیائے کرام کا نظریہ ہے بلکہ روح کا تعلق دنیوی جسم سے قائم ہوتا ہے اور بایں معنی یہ حیات جسمانی اور دنیوی ہے۔ چنانچہ حضرت الامام مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ نے ایک مقام پر صاف لفظوں میں اس کی تصریح فرمائی ہے: ''انبیائے کرام ﷩ کو ابدان دنیا کے حساب سے زندہ سمجھیں گے۔''

(لطائف قاسمیہ ص ۴)

۴..... فقہائے دیوبند اور حیات النبی ﷺ

حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ فرماتے ہیں: ''آپ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں و نبی اللہ حی یرزق۔'' (ہدایۃ الشیعہ ص ۳۶)

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ فرماتے ہیں: ''پس آپ کا زندہ رہنا بھی قبر شریف میں ثابت ہوا اور یہ رزق اس عالم کے مناسب ہوتا ہے۔'' (نشر الطیب ص ۲۱۰)

حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحبؒ لکھتے ہیں: ''اور انبیائے کرام ﷩ کی حیات خصوصاً آنحضرت ﷺ کی حیات شہداء کی حیات سے افضل و اعلیٰ ہے اور بحث اس کی طویل ہے۔''

(فتاویٰ دار العلوم مکمل و مدلل ج ۵ ص ۴۷۱)

حضرت مولانا مفتی سید مہدی حسن صاحب پاکستان ہی کے ایک استفتاء کے جواب میں فرماتے ہیں:

''آنحضرت ﷺ اپنے مزار مبارک میں بجسدہ موجود اور حیات ہیں۔'' (فتاویٰ دار العلوم غیر مطبوعہ)

اصحاب ظواہر اور عقیدہ حیات انبیاء کرام ﷩

اس سے قبل جتنے حوالے نقل کیے گئے ہیں وہ ان حضرات کے ہیں جو فروعی مسائل میں کسی نہ کسی امام کے مقلد تھے کوئی حنبلی تھا، کوئی مالکی اور کوئی شافعی تھا تو کوئی حنفی۔ قاضی شوکانیؒ اور نواب صدیق حسن خاں کہ وہ کسی کی تقلید نہیں کرتے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اتمام حجت کے لیے ہم اس مقام پر اصحاب ظواہر حضرات کے کچھ حوالے بھی نقل

کردیں تاکہ حیات انبیاء کرام کی حقیقت بلا تامل روشن ہو جائے اور اجماع امت کا دعویٰ بھی صاف ہو جائے۔

قاضی شوکانیؒ لکھتے ہیں: ''وقد ذهب جماعة من المحققين الى ان رسول الله ﷺ حیّ بعد وفاته وانه يسر بطاعات امته وان الانبياء لايبلون مع ان مطلق الادراک کالعلم والسماع ثابت لسائر الموتى (الى ان قال) وورد النص فى كتاب الله فى حق الشهداء انهم احياء يرزقون وان الحيوة فيهم متعلقة بالجسد فكيف بالانبياء والمرسلين وقد ثبت فى ان الانبياء احياء فى قبورهم رواه المنذرى وصححه البيهقى وفى صحيح مسلم عن النبى ﷺ قال مررت بموسىٰ ليلة اسرى بى عند الكثيب الاحمر وهو قائم يصلى''

(نیل الاوطار ج ۳ ص ۲۶۴)

ترجمہ: بے شک محققین کی ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنی وفات کے بعد زندہ ہیں اور اپنی امت کی طاعات سے خوش ہوتے ہیں اور یہ کہ انبیاء کرام کے اجسام بوسیدہ نہیں ہوتے۔ حالانکہ مطلق ادراک جیسے علم اور سماع وغیرہ تو یہ سب مردوں کے ثابت ہے (پھر آگے فرمایا کہ) اور اللہ تعالیٰ کی کتاب میں شہداء کے بارے میں نص وارد ہوئی ہے کہ وہ زندہ ہیں اور ان کو رزق ملتا ہے اور ان کی حیات جسم سے متعلق ہے تو حضرات انبیاء اور مرسلین کی حیات جسم سے کیوں متعلق نہ ہوگی۔ اور حدیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ امام منذری نے اس کو روایت کیا اور امام بیہقی نے اس کی تصحیح کی ہے۔ اور صحیح مسلم میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میں نے معراج کی رات سرخ رنگ کے ٹیلے کے پاس موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھتے دیکھا ہے۔

قاضی شوکانیؒ کی اس عبارت سے معلوم ہوا کہ یہ حضرات بھی شہداء کی حیات جسمانی کو تسلیم کرتے ہیں اور یہ بھی فرماتے ہیں کہ حضرات انبیاء کی زندگی بطریق اولیٰ جسمانی ہے اور یہ بھی تصریح فرماتے ہیں کہ حضرات انبیاء کرام کی وفات تو ہوتی ہے لیکن وہ اس کے بعد اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں ایک دوسری جگہ پر فرماتے ہیں: ''انه ﷺ حیّ فى قبره بعد موته كما فى حديث الانبياء احياء فى قبورهم'' (نیل الاوطار ج ۵ ص ۱۰۱)

ترجمہ: آنحضرت ﷺ وفات کے بعد اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں جیسا کہ حدیث میں آیا کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

استاد ابو منصور البغدادیؒ فرماتے ہیں: ''قال المتكلمون المحققون من اصحابنا ان نبينا ﷺ حیّ بعد وفاته ويؤيد ذلک ماثبت ان الشهداء احياء يرزقون فى قبورهم والنبى ﷺ منهم'' (ایضاً)

ترجمہ: ہمارے اصحاب میں متکلمین محققین کا ارشاد ہے کہ آنحضرت ﷺ وفات کے بعد زندہ ہیں اور اس کی تائید یہ بات بھی کرتی ہے کہ شہداء زندہ ہیں اور قبروں میں ان کو رزق دیا جاتا ہے اور آنحضرت ﷺ بھی زندہ ہیں۔

شیخ عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب نجدیؒ اپنا عقیدہ بیان فرماتے ہیں: ''والذى نعتقد ان رتبة نبينا ﷺ اعلى مراتب المخلوقين على الاطلاق وانه حیّ فى قبره حيوة مستقرة ابلغ من حيات الشهداء المنصوص عليها فى التنزيل اذهو افضل منهم بلاريب وانه يسمع من يسلم عليه'' (اتحاف النبلاء ص ۴۱۵)

جس چیز کا ہم اعتقاد کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کا درجہ مطلقاً ساری مخلوق سے بڑھ کر ہے اور آپ اپنی قبر میں حیات دائمی سے متصف ہیں جو شہداء کی حیات سے اعلیٰ اور ارفع ہے جس کا ثبوت قرآن کریم سے ہے

کیونکہ آنحضرت ﷺ بلا شبہ شہداء سے افضل ہیں اور جو شخص آپ پر (عند القبر) سلام کہتا ہے آپ اس کو سنتے ہیں۔

اس عبارت سے آفتاب نیمروز کی طرح یہ بات ثابت ہو گئی کہ علمائے مجد کا بھی یہی نظریہ ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنی قبر میں دائمی طور پر زندہ ہیں اور آپ کی یہ حیات شہداء کی منصوص حیات سے اعلیٰ وارفع ہے۔ علمائے مجد جو لوگوں میں وہابی کے نام سے مشہور ہیں اپنے عقیدہ کے اختیار کرنے میں اپنے بزرگوں کے اعتقاد پر کلی اعتماد کرتے ہیں۔

''اما الکلام علیٰ حیوۃ النبی ﷺ فاعتقادنا فی ذلک اعتقاد سلف الامۃ و ائمتنا وھم الاسوۃ''

(الدرر السنیہ فی اجوبۃ النجدیہ ج ۱، ص ۲۶)

ترجمہ: بہرحال آنحضرت ﷺ کی حیات کے بارے میں ہمارا وہی اعتقاد ہے جو سلف امت اور ہمارے ائمہ کا اعتقاد ہے اور وہی اس میں ہمارے مقتداء ہیں۔

ہندوستان کے اصحاب ظواہر حضرات کے شیخ الکل مولانا سید نذیر حسین صاحب دہلوی لکھتے ہیں: ''اور حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی قبر میں زندہ ہیں۔ خصوصاً آنحضرت ﷺ کہ فرماتے ہیں کہ جو کوئی عند القبر درود بھیجتا ہے میں سنتا ہوں اور دور سے پہنچایا جاتا ہوں۔'' (فتاوی نذیریہ ج ۲ ص ۵۵ ضمیمہ)

اور مولانا شمس الحق عظیم آبادی لکھتے ہیں: ''ان الانبیاء احیاء فی قبورھم'' (عون المعبود ج ۱ ص ۲۰۶)

حضرات انبیائے کرام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

گوجرانوالہ کے مشہور ظاہری عالم مولانا محمد اسمٰعیل بھی لکھتے ہیں: اہل سنت کے دونوں مکاتب فکر اصحاب الرائے اور اہل حدیث کا اس امر پر اتفاق ہے کہ شہداء اور انبیاء زندہ ہیں برزخ میں ۔۔۔۔ انبیاء کی زندگی کے متعلق سنت میں شواہد ملتے ہیں۔ (حیات النبی ص ۲۷)

ذمہ دار اصحاب ظواہر بھی ائمہ اربعہ کے مقلدین حضرات کے ساتھ اس امر پر متفق کہ حضرات انبیائے کرام علیہم السلام وفات کے بعد اپنی قبور اور برزخ میں زندہ ہیں اور اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اور امام بیہقیؒ وغیرہ نے اس مسئلہ پر صرف باب ہی قائم نہیں کیا بلکہ مستقل رسالہ اور کتاب لکھ کر اس کو اجاگر کیا ہے اسی طرح دیگر کتب حدیث شروح حدیث اور کتب فقہ و سیر میں اس مسئلہ پر خاصا مواد اور دلائل موجود ہیں جن سے انصاف و دیانت کی دنیا میں علمی طور پر اغماض و اعراض نہیں کیا جا سکتا۔

اجماع امت اور عقیدہ حیات النبی ﷺ

''علماء امت اور حیات الانبیاء'' کے عنوان کے تحت آپ نے تفصیل سے دیکھ لیا کہ اجماع پر خاصی روشنی پڑ چکی ہے۔ بلکہ سطر سطر سے اجماع کا ثبوت ہو چکا ہے۔ تاہم مزید اطمینان قلب کی خاطر اجماع سے متعلق چند اور صریح حوالے نقل کیے جا رہے ہیں:

امام شمس الدین محمد بن عبد الرحمن السخاویؒ لکھتے ہیں کہ: ''نحن نؤمن و نصدق بانہ ﷺ حی یرزق فی قبرہ و ان جسدہ الشریف لا تاکلہ الارض و الاجماع علی ھذا'' (القول البدیع ص ۱۲۵)

ہم اس پر ایمان لاتے ہیں اور اس کی تصدیق کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ اپنی قبر میں زندہ ہیں اور آپ کو رزق ملتا ہے اور آپ کے جسد اطہر کو زمین نہیں کھا سکتی اور اس پر اجماع منعقد ہے۔

اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ کا قبر مبارک میں زندہ ہونا اور آپ کو رزق ملنا اور جسد اطہر کا محفوظ رہنا اجماع امت سے ثابت ہے۔ اگر بالفرض قرآن وحدیث سے اس کا کوئی ثبوت نہ بھی ہوتا تب بھی امت مسلمہ کا اجماع شرعی دلائل میں ایک نہایت وزنی دلیل ہے۔

علامہ محمد عابد سندھیؒ لکھتے ہیں: ''اما ھم فحیاتھم لاشک فیھا ولا خلاف لاحد من العلماء فی ذلک (الیٰ ان قال) انہ حی علی الدوام'' (رسالہ مدینہ ص ۴۱)

ترجمہ: بہرحال حضرات انبیاء علیہم السلام کی حیات میں کوئی شک نہیں اور علماء میں سے کسی کا اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے (پھر آگے فرمایا) پس آنحضرت ﷺ دوامی طور پر زندہ ہیں۔

کسی کا کوئی اختلاف نہ ہونا یہ اجماع سکوتی ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں: ''حیات متفق علیہ است ہیچ کس را دروے خلاف نیست''

(اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۶۱۳)

شیخ محدث دہلویؒ ایک وسیع النظر عالم ہونے کے باوجود کس وضاحت سے اجماع کا دعویٰ کر رہے ہیں آپ ملاحظہ کر چکے، اب ایک عظیم شارح مشکوٰۃ کا عقیدہ بھی دیکھیں۔

نواب قطب الدین خاں صاحب تحریر فرماتے ہیں: ''زندہ ہیں انبیاء علیہم السلام قبروں میں، یہ مسئلہ متفق علیہ ہے کسی کو اس میں خلاف نہیں کہ حیات ان کو وہاں حقیقی جسمانی اور دنیا کی سی ہے۔'' (مظاہر حق ج ۱ ص ۴۴۵)

نواب صاحب ''دنیا کی سی'' کا جملہ بول کر یہ حقیقت بتلانا چاہتے ہیں کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی یہ حیات من کل الوجوہ دنیوی نہیں ہے کہ حسی کھانے پینے کی حاجت ہو۔ بلکہ بعض وجوہ سے دنیوی ہے مثلاً ادراک علم اور شعور وغیرہ میں۔

علامہ داؤد بن سلیمان البغدادیؒ لکھتے ہیں: ''والحاصل ان حیاۃ الانبیاء ثابتۃ بالاجماع''

(المنحۃ الوہبیہ ص ۶)

ان سب دلائل کا حاصل یہ ہے کہ انبیاء کرام کی حیات بالاجماع ثابت ہے۔

بزرگان دیوبند کا اقرار اجماع برحیات الانبیاء علیہم السلام

مولانا ابوالعتیق عبدالہادی صاحبؒ نجیب آبادی لکھتے ہیں: ''انھم اتفقوا علیٰ حیوتہ ﷺ بل حیاۃ الانبیاء متفق علیھا لاخلاف لاحد فیہ'' (انوار المحمود شرح ابی داؤد ج ۱ ص ۶۱۰)

محدثین کرام اس بات پر متفق ہیں کہ آنحضرت ﷺ زندہ ہیں بلکہ تمام حضرات انبیاء کرام کی حیات متفق علیہا ہے اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔

حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ فرماتے ہیں کہ: ''تمام اہل تمام سنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام وفات کے بعد اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز وعبادات میں مشغول ہیں اور حضرات انبیاء کرام کی یہ برزخی حیات اگرچہ ہم کو محسوس نہیں ہوتی لیکن بلاشبہ یہ حیات حسی اور جسمانی ہے اس لیے کہ روحانی اور معنوی حیات تو عامہ مومنین بلکہ ارواح کفار کو بھی حاصل ہے۔'' (حیات نبوی)

قیاس صحیح اور حیات الانبیاء علیہم السلام

حیات شہداء پر قرآن کریم میں نص وارد ہے اس سے حیات انبیاء پر استدلال لانا یہ آج کی بات نہیں، پہلے سے اس پر استدلال چلا آرہا ہے، اس کے ذیل میں ہم چھ سوالوں کا جواب دے رہے ہیں۔

سوال نمبر ۱: امام بیہقی کا رسالہ حیات الانبیاء کسی سے چھپا نہیں، اب نویں صدی سے ایک عظیم محدث کی شہادت بھی لیجئے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ الباری فرماتے ہیں: "واذا ثبت انهم احياء من حيث النقل فانه يقويه من حيث النظر كون الشهداء احياء بنص القران والانبياء افضل من الشهداء" (فتح الباری ج ۶ ص ۳۷۹)

اور جب نقل کے لحاظ سے ان کا زندہ ہونا ثابت ہے تو دلیل عقلی اور قیاس بھی اس کی تائید کرتا ہے وہ یہ کہ شہداء نص قرآنی کی رو سے زندہ ہیں اور حضرات انبیاء کرام شہداء سے اعلیٰ اور افضل ہیں (اس لیے بطریق اولی ان کو حیات حاصل ہوگی)

غور فرمایئے! جب شہداء کی زندگی نص قرآن سے ثابت ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں تو حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ حدیث انسؓ کی رو سے تو حضرات انبیاء کرام کی حیات ثابت ہی ہے عقلی اور نظری طور پر اس دلالت النص سے بھی حضرات انبیاء کرام علیہم کی حیات ثابت ہے اس لیے کہ وہ شہداء سے افضل ہیں تو لامحالہ ان کی حیات بھی شہداء سے افضل اور برتر ہوگی۔ لہٰذا نقل وعقل سے حضرات انبیاء کرام کی حیات ثابت ہے۔

سوال نمبر ۲: جو لوگ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ سردار دو عالم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اپنی قبر شریف میں محض بے جان اور مردہ ہیں اور آپ کی دنیا کی سی زندگی کا انکار کرتے ہیں یہ کس فرقہ کا عقیدہ ہے نام متعین فرمائیں؟

جواب: تاریخ اسلام میں سب سے پہلے حجاج بن یوسف نے اس عقیدہ کا انکار کیا ہے چنانچہ امام ابو القاسم عبدالکریم بن ہوازن المعروف بہ علامہ قشیریؒ فرماتے ہیں:

ان امور سے جن کی بناء پر فقہاء نے حجاج بن یوسف پر کفر کا فتوے دیا تھا۔ اس کا ایک بڑا جرم یہ تھا کہ حجاج جب مدینہ آیا اور زائرین حرم اطہر کو دیکھا کہ وہ پروانہ وار روضہ اطہر کے اردگرد جمع ہورہے ہیں تو اس نے کہا کہ تم لوگ لکڑیوں اور گلی سڑی ہڈیوں کا طواف کررہے ہو۔ اس پر علماء نے اس پر کفر کا فتوے لگادیا۔

(بحوالہ رحمت کائنات ص ۵)

اسی طرح فرقہ متقشفہ کا عقیدہ ہے کہ تمام انبیاء کرام کو بشمول جناب نبی کریم ﷺ موت کے بعد نبوت سے معزول کردیا جاتا ہے نعوذ باللہ یہ عقیدہ درحقیقت اس بات کا انکار ہے کہ نبی علیہ السلام کو موت ظاہری کے بعد حیات دائمی حاصل ہے...... اسی طرح فرقہ کرامیہ بعض معتزلہ اور روافض بھی عقیدہ حیات النبی کے منکر ہیں۔

سوال نمبر ۳: حیات النبی ﷺ کا عقیدہ رکھنے والے کی نماز منکر حیات النبی ﷺ کے پیچھے کیا حکم رکھتی ہے؟

جواب: بلا تاویل حیات النبی ﷺ کا منکر بدعتی ہے اور اس کے پیچھے نماز مکروہ ہے علامہ حصکفی فرماتے ہیں: "(ويكره امامة) مبتدع اى صاحب بدعة" (الدر المختار ج ۱ ص ۸۳)

قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ فرماتے ہیں: "بدعتی کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمہ ہے۔"

(فتاویٰ رشیدیہ ج ۳ ص ۱۱۸)

سوال نمبر ۴: حجاج کرام کا سردار دو عالم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے روضہ شریف کی زیارت کے لیے نہ جانا اس عقیدہ کی بناء پر کہ رسول اللہ ﷺ صلوٰۃ وسلام نہیں سنتے، کیا حکم رکھتا ہے؟

جواب: پہلے سوال کے جواب میں آفتاب نیمروز کی طرح ثابت ہو چکا ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں اور قبر اطہر کے قریب پڑھا جانے والا درود شریف سید الکونین ﷺ خود بلا واسطہ سنتے ہیں۔ اس لیے اسلام کے چودہ سو سالہ دور میں مسلمانوں کا عمل اسی عقیدہ پر رہا ہے کہ جس نے حج کیا اس نے مدینہ منورہ کی زیارت ضرور کی تا کہ سید دو عالم ﷺ کی خدمت میں صلوٰۃ وسلام کا تحفہ پیش کر سکے مسلمانوں کا یہ عمل احادیث کثیرہ اور اجماع امت سے ثابت ہے۔

زیارت روضہ اطہر ﷺ احادیث شریفہ کی روشنی میں

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ آنحضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''من زار قبری وجبت له شفاعتی''
(صحیح ابن خزیمہ دار قطنی بیہقی باسناد حسن بحوالہ آثار السنن ۲ ص ۱۲۶)

جس نے میری قبر کی زیارت کی تو بلاشبہ اس کے لیے میری شفاعت لازم ہو گئی۔

دوسری روایت میں ہے: ''من زار بعد مماتی فکانما زار فی حیاتی'' (طحاوی علی مراقی الفلاح ص ۴۰۵)

جس نے میری موت کے بعد میری زیارت کی تو گویا اس نے میری زندگی ہی میں زیارت کر لی۔

غور فرمایئے! کس ایمانی قوت سے زیارت کی ترغیب دی جا رہی ہے...... وعد کے بعد وعید کی روایتیں بھی ملاحظہ فرمائیں...... آنحضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''من حج البیت ولم یزرنی فقد جفانی''
(ایضاً فصل فی زیارت النبیؐ ابن عدی بسند حسن مرقات المفاتیح)

جس نے بیت اللہ کا حج کیا اور میری زیارت نہ کی تو اس نے بلاشبہ میرے ساتھ زیادتی کی۔

زیارت روضہ اطہر ﷺ فقہ کی روشنی میں

انہی وعد و وعید کی روایات کی بنا پر پوری امت نے یہ سمجھا کہ روضہ اقدس کی زیارت گو اعتقادی اعتبار سے سنت سہی تاہم عملی اعتبار سے واجب کے قریب ہے چنانچہ محقق علی الاطلاق شیخ ابن الہمامؒ فرماتے ہیں: ''ان زیارة قبر النبی ﷺ مستحبة وقریبة من الواجب نظراً الی هذا النزاع وهو الحق عندی فان الالف الالوف من السلف کانوا یشدون رحالهم لزیارة النبی ﷺ ویزعمونها من اعظم القربات'' (فتح القدیر ج ۱ ص ۲۴۷)

ترجمہ: حضور کے روضہ کی زیارت گو مستحب ہے لیکن واجب کے قریب ہے بایں طور کہ سلف میں ہزاروں ہزار شد رحال سے نبی کریم کی زیارت کے لئے وہاں آتے رہے اور اسے آپ کے قریب ہونے میں ایک بڑا عمل سمجھتے رہے۔

علامہ ابن عابدین شامیؒ فرماتے ہیں: ''انها قریبة من الوجوب لمن له سعة''

(فیض الباری ج ۲ ص ۴۳۳)

ترجمہ: روضہ کی زیارت اس کے لئے واجب کے قریب ہے جس کے پاس وہاں جانے کی وسعت ہو۔

مخدوم محمد ہاشم سندھیؒ فرماتے ہیں: ''تصریح کردہ است در بعض کتب بوجوب آں بدلیل قوی آنحضرت ﷺ من حج و لم یزرنی فقد جفانی رواه ابن عدی بسند جید حسن و نیز مروی است از آنحضرت ﷺ کہ فرمود من زار قبری وجبت له شفاعتی رواه الدار قطنی والطبرانی والبزار وصححہ عبدالحق۔ و نیز فرمود او ﷺ من زار قبری بعد موتی کمن زارنی فی حیاتی رواه سعید بن منصور والدار قطنی دوارد شدہ اند در فضل زیارت احادیث وآثار بسیار کہ اکتفاء کردہ ے شود از آنہا بریں مقدار طلباً للاختصار'' (حیات القلوب ص ۲۹۸)

زیارت روضہ اطہر ﷺ اجماع امت کے حوالہ سے

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ زیارت نبوی جہاں احادیث کثیرہ صحیحہ سے ثابت ہے وہیں بغیر کسی اختلاف کے تعامل امت کے ساتھ اجماع امت سے بھی ثابت ہے چنانچہ مخدوم ہاشم سندھی فرماتے ہیں: ''بدانکہ اجماع کردہ اند مسلمانان برآنکہ زیارت حضرت پیغمبر علیہ السلام از اعظم قربات وافضل طاعات واکد سنن ومندوبات است۔''

(حیات القلوب ص ۲۹۸)

ترجمہ: جان لو کہ امت کا حضور کی زیارت (آپ کے روضہ کی زیارت) پر اجماع رہا ہے اور یہ آپ کے قریب ہونے کا سب سے بڑا عمل ہے سب سے بڑی نیکی اور مؤکد ترین سنت ہے۔

حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ فرماتے ہیں: ''اعلم ان زیارة سید المرسلین ﷺ باجماع المسلمین من غیر عبرة بما ذکره بعض المخالفین من اعظم القربات وافضل الطاعات وانجح للساعی لنیل الدرجات قریبة من درجة الواجبات بل قیل انها من الواجبات لمن له سعة وترکها غفلة عظیمة وجفوة کبیرة وفیه اشارة الی حدیث استدل به علی الزیارة وقوله ﷺ من حج ولم یزرنی فقد جفانی رواه ابن عدی بسند جید قال بعض المالکیة بان المشی الی المدینة افضل من الکعبة وبیت المقدس''

(بذل المجہود ج ۳ ص ۲۰۳)

اس عبارت میں جہاں یہ تصریح ہے کہ زیارت نبوی ﷺ اجماع امت سے ثابت ہے وہاں یہ بات بھی واضح ہے کہ بعض کے اختلاف سے اجماع متاثر نہیں ہوگا نیز درجہ کی تلقین کے ساتھ ترک زیارت کو عظیم غفلت اور بڑی زیادتی سے تعبیر کیا گیا ہے اعاذنا اللہ منہ...... یہ بھی بتلایا گیا کہ بعض مالکیہ کے نزدیک مدینہ جانا کعبہ اور بیت المقدس جانے سے بھی بہتر ہے...... ہمارے فقہائے احناف نے یہ تفصیل کی ہے کہ اگر فرض حج کے لیے گیا ہے تو پہلے حج کرے۔ (بعد میں زیارت کرے) اور اگر حج فرض نہیں ہے تو پھر اختیار ہے خواہ پہلے زیارت کرے اور بعد میں حج کرے یا پہلے حج کرے اور بعد میں زیارت کرے۔

''قالوا! ان کان الحج فرضا قدمه علیها والاتخیر'' (طحاوی علی مراقی الفلاح ص ۴۰۵)

اس میں فرض حج اور نفل حج میں بڑی دقت نظر سے فرق کیا گیا ہے۔

پھر مدینہ جانے میں بھی بہتر یہ ہے کہ صرف آنحضرت ﷺ کی زیارت کی نیت کرے: ''والاولی فی الزیارة تجرید النیة لزیارة قبره ﷺ'' (ایضاً)

ترجمہ: بہتر یہ ہے کہ زیارت میں صرف روضہ کی زیارت کی نیت کرے (اسے مسجد نبوی کی زیارت

کے ضمن میں نہ کرے)

الحاصل...... مسلمانوں کا یہ عمل امت محمدیہ کا عظیم اجماع ہے جس پر دور صحابہ ؓ سے لے کر آج تک اس پر عمل ہو رہا ہے۔ ائمہ اربعہ اور ان کے پیروسب اس پر متفق ہیں۔

"اتفق مالک والشافعی وابو حنیفة واحمد علیٰ ان زیارة النبی ﷺ من افضل المندوبات"

(حاشیہ مکتوبات شیخ الاسلام ج ۱ ص ۱۲۹)

لہٰذا اس نظریہ کی بنیاد پر کہ رسول اللہ ﷺ نہیں سنتے...... روضہ اطہر کی زیارت کے لیے نہ جانا جہاں ان احادیث صحیحہ کا...... (جن میں سماع النبی عند القبر اور زیارت نبوی کی تصریح ہے)...... انکار ہے، اجماع امت سے بھی انحراف ہے جس کی امانت و دیانت کی دنیا میں قطعاً قطعاً گنجائش نہیں ہے...... اعاذنا اللہ منہ...... وہیں سخت محرومی اور حرمان نصیبی بھی ہے۔ چنانچہ بذل المجہود کی عبارت قارئین کرام کی نظر سے گزر چکی ہے۔

علامہ سندھیؒ فرماتے ہیں: "وترک کردن زیارت آنحضرت ﷺ مع الامکان غفلتے است عظیمہ وشناعتی قبیحہ" (حیات القلوب ص ۲۹۸)

اس لیے گنجائش کے باوجود زیارت کے لیے نہ جانا موجب وعید شدید ہے۔

سوال نمبر ۵: منکرین حیات الانبیاء علیہم السلام فی القبور قائلین حیات الانبیاء فی القبور کو دجال وکذاب ومشرک کہتے ہیں۔ آیا یہ منکرین حیات الانبیاء فی القبور دیوبندی کہلانے کے مستحق ہیں؟

جواب: منکرین حیات الانبیاء دیوبندی تو کجا بعض علماء نے تو ان کو اہل سنت والجماعت سے بھی خارج قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو: "حضرت مفتی سید مہدی حسن صاحب سابق صدر مفتی دارالعلوم دیوبند ایسے شخص کو اہل سنت والجماعت سے بھی خارج قرار دیتے ہیں فرماتے ہیں...... اس باب (حیات الانبیاء) میں بکثرت احادیث وارد ہیں جن کا انکار نہیں کیا جاسکتا ہے اور جو شخص اس کا انکار کرتا ہے وہ بدعتی ہے اور اہل سنت والجماعت سے خارج ہے۔"

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند غیر مطبوعہ)

اس فتویٰ پر حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانویؒ مفتی جامعہ اشرفیہ لاہور، حضرت مولانا مفتی محمد ضیاء الحق صاحب صدر مدرس جامعہ اشرفیہ لاہور اور استاذ الکل حضرت مولانا محمد رسول خاں صاحب ہزارویؒ کے بھی دستخط ہیں۔ پھر طرفہ یہ ہے کہ خود ایسے لوگ (منکرین حیاۃ الانبیاء) جو صحیح العقیدہ مسلمانوں کو خصوصاً علمائے دیوبند کو کافر مشرک اور دجال کہیں یہ ایک حیرت انگیز بات ہے ۔

ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیے

سوال نمبر ۶: منکرین ثواب وعذاب قبر کا شرعی حکم کیا ہے؟

جواب: جملہ اہل سنت والجماعت اس عقیدہ پر متفق ہیں کہ قبر (برزخ) میں اہل ایمان اور اصحاب طاعات کو لذت وسرور نصیب ہوتا ہے اور کفار ومنافقین کو نیز گناہگاروں کو عذاب اور تکلیف ہوتی ہے۔ اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ قرآن وسنت اور اجماع امت کے صریح دلائل کے پیش نظر یہ عقیدہ اتنا مضبوط ہے کہ بعض فقہاء کرام رحمہم اللہ نے عذاب قبر کے منکر کو کافر کہا ہے حالانکہ وہ تکفیر کے مسئلہ میں بڑے محتاط ہیں اور ان کا یہ فیصلہ ہے کہ اگر کسی ایک کلمہ میں مثلاً سو (۱۰۰) معانی کا احتمال پیدا ہوسکتا ہے جن میں ننانوے پہلو کفر کے نکلتے ہوں

اور صرف ایک پہلو اسلام کا پیدا ہوتا ہو تو قائل کی تکفیر نہیں کی جائے گی۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ قائل کی مراد وہ اسلام کا پہلو ہی ہو۔ ہاں اگر خود ہی وہ کفر کا کوئی معنی اور پہلو متعین کر دے تو پھر کفر کے فتویٰ سے اس کو کوئی تاویل نہیں بچا سکتی مسئلہ کی وضاحت کے لیے مسلم حضرات فقہاء کرام میں سے چند بزرگوں کی شہادت ہم یہاں نقل کر رہے ہیں۔

عذاب وراحت قبر کا منکر فقہائے اسلام کی نظر میں

علامہ طاہر بن احمد الحنفیؒ لکھتے ہیں: ''ولا یجوز الصلوٰۃ خلف من ینکر شفاعۃ النبی ﷺ وینکر الکرام الکاتبین وعذاب القبر کذا من ینکر الرؤیۃ لانہ کافر'' (خلاصۃ الفتاویٰ ج ۱ ص ۱۴۹)

ترجمہ: جو شخص آنحضرت ﷺ کی شفاعت اور کرام الکاتبین اور عذاب قبر اور رؤیت باری تعالیٰ کا منکر ہو اس کے پیچھے نماز درست نہیں ہے، وہ کافر ہے۔ (مماتی لوگ جس دلیری سے عرفی قبر میں عذاب ہونے کا انکار کر رہے ہیں وہ کسی سے پوشیدہ نہیں)

یہ عبارت اپنے مفہوم و مدلول کے لحاظ سے بالکل روشن ہے کسی مزید تشریح کی محتاج نہیں ہے۔

محقق علی الاطلاق حافظ ابن الہمام محمد بن عبد الواحد الحنفی السیواسیؒ فرماتے ہیں: ''ولا تجوز الصلوٰۃ خلف منکر الشفاعۃ والرؤیۃ وعذاب القبر والکرام الکاتبین لانہ کافر لتواتر ھذہ الامور من الشارع ﷺ'' (فتح القدیر مصری ج ۱ ص ۲۴۷)

ترجمہ: شفاعت اور اللہ تعالیٰ کے دیدار اور عذاب القبر اور کراماً کاتبین کے انکار کرنے والے کی اقتداء میں نماز درست نہیں ہے کیونکہ وہ کافر ہے اس لیے کہ یہ امور شارع علیہ السلام سے تواتر کے ساتھ ثابت ہیں۔

یہ حوالہ بھی اپنے مدلول میں صریح ہے فتاویٰ عالمگیری میں بھی انکار عذاب قبر کو کفر لکھا ہے۔

(فتاویٰ عالمگیری ج ۲ ص ۳۰۱ طبع مصری)

امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن بکر الانصاری الخزرجی الاندلسی القرطبی ارشاد فرماتے ہیں: ''فاعلموا ایھا الاخوان عذاب القبر ونعیمہ حق کما صرحت بہ الاحادیث الصحیحۃ ولکن اللہ تعالیٰ یاخذ بابصار الخلائق واسماعھم من الجن والانس عن رؤیۃ عذاب القبر ونعیمہ لحکمۃ الٰھیۃ ومن شک فی ذلک فھو ملحد'' (مختصر تذکرۃ القرطبی لعبد الوہاب الشعرانی ص ۶۳ طبع مصری)

اے بھائیو! تم بخوبی جان لو کہ قبر کا عذاب اور اس کی راحت برحق ہے جیسا کہ صحیح احادیث صراحت سے اس پر دلالت کرتی ہیں لیکن اللہ تعالیٰ اپنی (مکلف) مخلوق میں سے جنوں اور انسانوں کی آنکھوں اور کانوں سے قبر کے عذاب و راحت کو اوجھل رکھتا ہے کیونکہ حکمت الٰہی کا تقاضا ہی یہ ہے اور جو شخص اس کا انکار کرے تو وہ ملحد ہے۔

علامہ عبد الشکور السالمیؒ فرماتے ہیں: ''فاما عذاب القبر للمؤمنین حق للکافرین من الواجبات واللہ تعالیٰ یقول النار یعرضون علیھا غدوا وعشیا یعنی فرعون وقومہ دل انہ کان صحیحا فی ای موضع وعلیٰ ای حال ومن انکر ھذا یصیر کافرا واللہ اعلم'' (تمہید ص ۱۲۵ طبع مصر)

ترجمہ: عذاب قبر مومنین کے لیے جائز اور کافروں کے لیے واجب ہے۔ اللہ کا فرمان ہے کہ فرعون اور اس کی قوم صبح و شام آگ پر پیش کیے جاتے ہیں۔ یہ ارشاد دلالت کرتا ہے کہ عذاب صحیح ہے، جس جگہ بھی ہو اور جس

حالت میں بھی ہو جو اس کا منکر ہو سو وہ کافر ہے۔ واللہ اعلم۔

علمائے دیو بند کا فتویٰ نقل کردہ از بحر العلوم

مولانا عبد العلی بحر العلوم الحنفیؒ لکھتے ہیں: ''منکر الشفاعة لاهل الكبائر والرؤية وعذاب القبر والكرام الكاتبين كافر'' (رسائل بحر العلوم ص ۹۹)

ترجمہ: اہل کبائر کی شفاعت کا منکر رویت باری تعالیٰ کا منکر عذاب قبر کا منکر اور کرام کاتبین کا منکر سب کافر ہیں۔

دستخط حضرات مفتیان کرام دیو بند

مہر دار الافتاء جامعہ اسلامیہ دیو بند ۲۲ شعبان ۱۴۰۵ھ

علماء دیو بند نے اپنے اس فتویٰ میں جواب کا پورا حق ادا کر دیا ہے۔ اس جواب سے وہ تمام جزئیاتی فتوئی جو بعض مماتی لئے پھرتے ہیں ہباء منثور ہو جاتے ہیں لیکن یہ جواب اس وقت کا ہے جب مسئلہ حیات پنجاب (پاکستان) میں کافی معرکۃ الآراء ہو چکا ہے ہماری پہلی جلد اس فتویٰ پر ختم ہو رہی ہے نامناسب نہ ہوگا کہ ہم اس دوسری جلد کو پہلے دور کے کچھ محدثین کبار کے بیانات سے مزین کریں جبکہ پوری دنیائے اسلام میں وفات النبی ﷺ کے عنوان سے کسی مسجد و مدرسہ اور کسی صفِ اسلام میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا تھا۔ ہم اس جلد ثانی کے اختتام پر امام عبد الرحمٰن الدارمی (۲۵۵ھ)، امام محمد بن اسمٰعیل بخاری (۲۵۶ھ)، امام بیہقی (۴۵۸ھ)، حافظ ابن عبد البر مالکی (۴۶۳ھ)، اور حافظ ابن عساکر (۵۷۱ھ) کو اپنے حق میں حق کی صدا سمجھتے ہیں۔

حضرت امام ابو محمد عبد اللہ بن عبد الرحمٰن (۲۵۵ھ) نے اپنی سنن میں باب وفات النبیؐ کے بعد مندرجہ ذیل باب باندھا ہے: ''باب ما اکرم اللہ تعالیٰ بنبیہ بعد موتہ'' (سنن دارمی ج ۱ ص ۴۴)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی وفات کے بعد اپنے نبی کے جسد اطہر کا کتنا اکرام فرمایا اور اسے عزت دی۔

پھر حضرت امام بخاری (۲۵۶ھ) نے حضرت ابو بکر صدیق ﷺ کا بیان کہ اللہ تعالیٰ حضور ﷺ پر دو موتیں جمع نہ کرے گا اور امام بیہقی (۴۵۸ھ) نے دلائل النبوۃ کے علاوہ ایک مستقل مختصر کتاب حیات الانبیاء کے نام سے لکھی ہے۔

ہم یہاں صرف امام دارمی (۲۵۵ھ) کی بیان پیش کر کے اس جلد کا اختتام کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس بیان سے اہل السنہ والجماعہ کی مدد فرمائے اور معتزلہ کے ہر پراپیگنڈے کو اپنی ہر ادا میں ناکام فرمائے۔

۱...... حضرت ابو الجوزاء اوس بن عبد اللہ روایت کرتے ہیں: ''قُحِطَ أَهْلُ الْمَدِينَةِ قَحْطاً شَدِيداً فَشَكَوْا إِلَى عَائِشَةَ فَقَالَتْ انْظُرُوا قَبْرَ النَّبِيِّ (فَاجْعَلُوا مِنْهُ كِوًى إِلَى السَّمَاءِ حَتَّى لاَ يَكُونَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ السَّمَاءِ سَقْفٌ . قَالَ فَفَعَلُوا فَمُطِرْنَا مَطَراً حَتَّى نَبَتَ الْعُشْبُ وَسَمِنَتِ الإِبِلُ حَتَّى تَفَتَّقَتْ مِنَ الشَّحْمِ فَسُمِّيَ عَامَ الْفَتْقِ'' (سنن دارمی ج ۱ ص ۴۴)

ترجمہ: ایک دفعہ مدینہ میں سخت قحط پڑا لوگوں نے اپنی اس تکلیف کی شکایت ام المومنین حضرت

عائشہ ؓ سے کی، آپ نے فرمایا کہ حضور ﷺ کی قبر مبارک کو دیکھو اس پر آسمان کی طرف روشندان اس طرح بنادو کہ حضور ﷺ کی قبر اور آسمان کے درمیان کوئی چھت نہ رہے۔ ابوالجوزاء اوس بن عبداللہ نے کہا صحابہ ؓ نے ایسا ہی کر دیا پھر ہم پر اتنی بارش ہوئی کہ چاروں طرف سبز گھاس نکل آئی اور اونٹ چربی بڑھنے سے اس طرح موٹے ہوئے کہ یہ سال ہی عام الفتق کے نام سے موسوم ہو گیا۔

اس سے صورت حال یہ ہوئی کہ حضور ﷺ کی قبر مبارک اور آسمان کے مابین کوئی چھت نہ تھی اور پورا مدینہ سبزے سے روشن ہو گیا۔

امام دارمی نے اس پر جو باب باندھا ہے یہ ہے: ”باب ما اکرم اللہ تعالیٰ بنیہ بعد موتہ“

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کا اس کی موت کس طرح اکرام فرمایا۔

یہ مدینہ میں ہر طرف بارش سے سبزہ نکل آنا یہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی قبر مبارک کا اس طرح اکرام فرمایا۔

آگے امام دارمی نے حضرت سعید بن عبدالعزیز سے ایام حرۃ سے ایام میں حضور ﷺ کی قبر مبارک سے اذان کا سنا جانا اس طرح روایت کیا ہے:

۲......”قال لما كان أيام الحرة لم يؤذن في مسجد النبي ﷺ ثلاثا ولم يقم ولم يبرح سعيد ابن المسيب من المسجد وكان لا يعرف وقت الصلاة إلا بهمهمة يسمعها من قبر النبي ﷺ“

اس سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کی قبر میں آپ کا جسدِ اطہر محض ایک جمادی حالت میں نہیں وہ ایک مکان میں ہے اور مکان کہتے ہی ایسی جگہ کو ہیں جہاں کوئی رہنے والا ہو، حضور ﷺ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کی قبر میں دیکھا کہ کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے ہیں۔ (رواہ مسلم)

اور ظاہر ہے کہ قبر دیکھنے میں اتنی اونچی نہیں ہوتی کہ کوئی اس میں کھڑا ہو کر نماز پڑھ سکے۔ لفظ مکان اپنی لفظی دلالت سے بتا رہا ہے کہ اس میں کوئی رہنے والا ہے، جہاں کوئی جسد محض جمادی حالت میں ہوگا اسے مکان نہیں کہتے۔

قرآن کریم کی اس آیت کی راہ سے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے والے جب آپ کی قبر پر حاضری دیتے تو اپنے اعتقاد میں وہ اسے حضور ﷺ کے مکان پر حاضری دینے والا سمجھتے تھے۔ یہ نہیں کہ وہ پتھروں اور اینٹوں پر حاضری دے رہے ہیں۔

”وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا“ (پ۵، النساء ۶۴)

ترجمہ: اور اگر وہ لوگ جس وقت انہوں نے برا کیا اپنے اوپر آتے تیرے پاس پھر اللہ سے معافی چاہتے اور رسول بھی ان کو (اللہ سے) بخشواتا تو البتہ اللہ کو پاتے معاف کرنے والا مہربان۔

مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند لکھتے ہیں: ”اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضری جیسے آپ کی دنیوی حیات کے زمانہ میں ہو سکتی تھی اسی طرح آج بھی روضہ اقدس پر حاضری اسی حکم میں ہے۔“

آپ علامہ ابوحیان اندلسی کی تفسیر بحر محیط سے حضرت علی کی یہ روایت نقل کرتے ہیں، آپ نے فرمایا: ”جب ہم رسول اللہ (ﷺ) کو دفن کر کے فارغ ہوئے تو اس کے تین دن بعد ایک گاؤں والا آیا اور قبر شریف کے پاس آ کر گر گیا اور زار و زار روتے ہوئے آیت مذکورہ کا حوالہ دے کر عرض کیا............ میں آپ کی خدمت میں

حاضر ہوا ہوں اندر سے آواز آئی قد غفر لک یعنی مغفرت کردی گئی۔" (معارف القرآن ج ۲ ص ۴۶۰)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ ایک دفعہ آپ کی قبر مبارک پر حاضر تھے ان پر کسی نے اعتراض کیا آپ نے فرمایا میں پتھروں کے پاس نہیں آیا حضور ﷺ کے پاس آیا ہوں۔ اس سے بھی یہی پتہ چلا کہ آپ کی قبر مبارک ایک مکان ہے اور مکان عربی میں کہتے ہی اس جگہ کو ہیں جہاں کوئی ہو، کان اور مکان کا مادہ ایک ہے۔

کان افعال ناقصہ میں آتا ہے اور افعال تامہ میں بھی۔ افعال ناقصہ میں مبتداء اور خبر دونوں پر آتا ہے مبتداء کو رفع اور خبر کو نصب دیتا ہے اور مبتداء کو خبر کے لئے ثابت کرتا ہے، مبتداء کو اسم کان کہتے ہیں جیسے کان زید قائما۔ افعال تامہ میں یہ ثبت کے معنی میں بھی آتا ہے جیسے کان اللہ ولا شیئ معہ اللہ تعالیٰ لامکانی ہے اس کو کسی جگہ اور مکان کی حاجت نہیں، جب یہ اس کے لئے آئے تو ثبت کا معنی دے گا، کبھی یہ حصر کا معنی بھی دیتا ہے جیسے ان کان ذوعسرۃ فنظرۃ الی میسرۃ، وقع کے معنی بھی دیتا ہے جیسے ماشاء اللہ کان۔

ماضی، حال اور دوام و استقرار کے لئے بھی آتا ہے جیسے (۱) " كَانَ فِي الْمَدِينَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ "، (۲) "كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ" اور "(۳) "كَانَ اللهُ غَفُورًا رَّحِيمًا"

لیکن اس میں شبہ نہیں کہ جہاں پتھر ہی دھرے ہوں اس کو مکان نہیں کہتے، پتھری اگر حضور ﷺ کے جسد اطہر کو پتھر کی طرح بے حس بتائیں تو انہوں نے آپ کی قبر کو مکان نہیں سمجھا۔ عربی میں یہ کسی کے رہنے کی جگہ کو ہی کہتے ہیں اور صرف اتنی بات نہیں حضور ﷺ اپنے روضہ اقدس میں ہو خوش نصیب مؤمن کے سلام کو سنتے ہیں۔

یا رب صل وسلم دائما ابدا   علی حبیبک خیر الخلق کلهم

۳..... محدث دارمیؒ نے اس باب اکرام میں تیسری حدیث یہ روایت کی ہے: "عَنْ نُبَيْهِ بْنِ وَهْبٍ، أَنَّ كَعْبًا دَخَلَ عَلَى عَائِشَةَ، فَذَكَرُوا رَسُولَ اللهِ ﷺ فَقَالَ كَعْبٌ: " مَا مِنْ يَوْمٍ يَطْلُعُ إِلَّا نَزَلَ سَبْعُونَ أَلْفًا مِنَ الْمَلَائِكَةِ، حَتَّى يَحُفُّوا بِقَبْرِ النَّبِيِّ ﷺ يَضْرِبُونَ بِأَجْنِحَتِهِمْ، وَيُصَلُّونَ عَلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ حَتَّى إِذَا أَمْسَوْا، عَرَجُوا وَهَبَطَ مِثْلُهُمْ فَصَنَعُوا مِثْلَ ذَلِكَ حَتَّى إِذَا انْشَقَّتْ عَنْهُ الْأَرْضُ، خَرَجَ فِي سَبْعِينَ أَلْفًا مِنَ الْمَلَائِكَةِ يَزِفُّونَهُ" (سنن دارمی ج ۱ ص ۴۴)

ترجمہ: نبیہ بن وہب سے روایت ہے کہ حضرت کعب حضرت ام المؤمنین کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ روایت سنائی: ہر دن جو آتا ہے اس میں ستر ہزار فرشتے روضہ پر اترتے ہیں اور حضور ﷺ کی قبر سے لپٹ جاتے ہیں اپنے پر مارتے ہیں اور آپ پر درود پڑھتے ہیں یہاں تک کہ شام ہو جائے، شام کو وہ واپس اوپر چلے جاتے ہیں اور اتنے اور فرشتے نیچے آتے ہیں اور اسی طرح آپ پر درود پڑھتے ہیں یہاں تک کہ قبر مبارک آپ پر کھل جاتی ہے اور ستر ہزار فرشتے آپ سے لپٹ جاتے ہیں۔

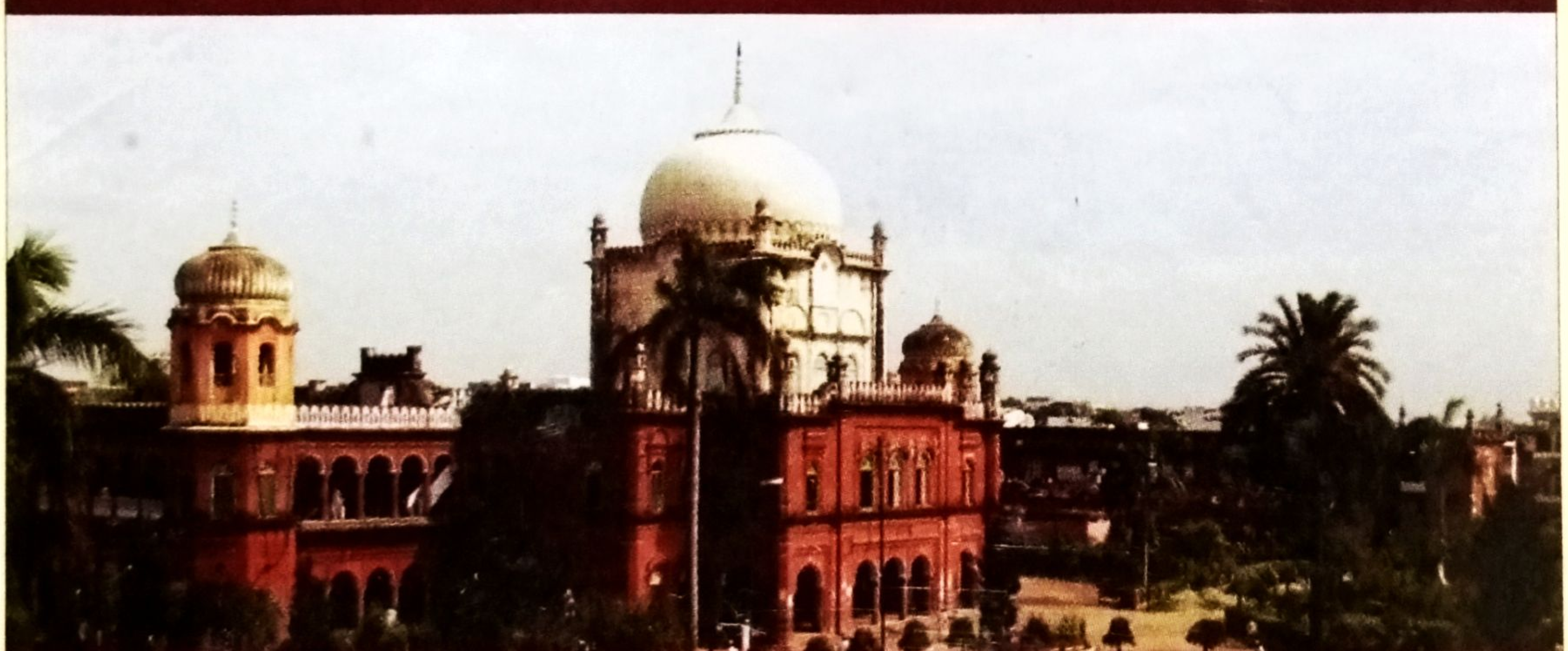
امام دارمیؒ (۲۵۵ھ) نے یہ تین روایتیں اپنی سنن میں حضور ﷺ کے اکرام پر روایت کی ہیں کہ حضور ﷺ کی وفات کے بعد کس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کے جسد کا اکرام فرمایا جس سے یہ بات بڑی واضح ہو جاتی ہے کہ آپ ﷺ اپنے روضہ اطہر میں جسدی حیات سے زندہ ہیں اور شب و روز اللہ کے فرشتے آپ پر اترتے ہیں اور آپ پر سلام پڑھتے ہیں، آپ سنتے ہیں اور اس کا جواب دیتے ہیں۔

ایک ہفتہ

شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے دیس میں

مصنف

مناظر ختم نبوت حضرت مولانا
اللہ وسایا صاحب مدظلہ



عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت ملتان